تذکرۃ الرشید

شہِ دیں قبر میں کیا سو گئے، ہمیں زیرِ خاک سُلا گئے!
رہِ دیں سب کو دکھا گئے، مگر آگ دل میں لگا گئے

سُنے کون ہائے صدائے دل، بلے کس سے آہ شفائے دل
وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل، وہ دُکان اپنی بڑھا گئے

دلِ مضطرب کا نہ پوچھ حال کروں کس زباں سے بیاں ملال
وہ "رشید احمد" خوشخصال مجھے آٹھ آنسو رُلا گئے

نہ سکون ہے نہ قرار ہے نہ غم و الم کا شمار ہے
یہ نظر جو آتا مزار ہے وہ حبیب اس میں سما گئے

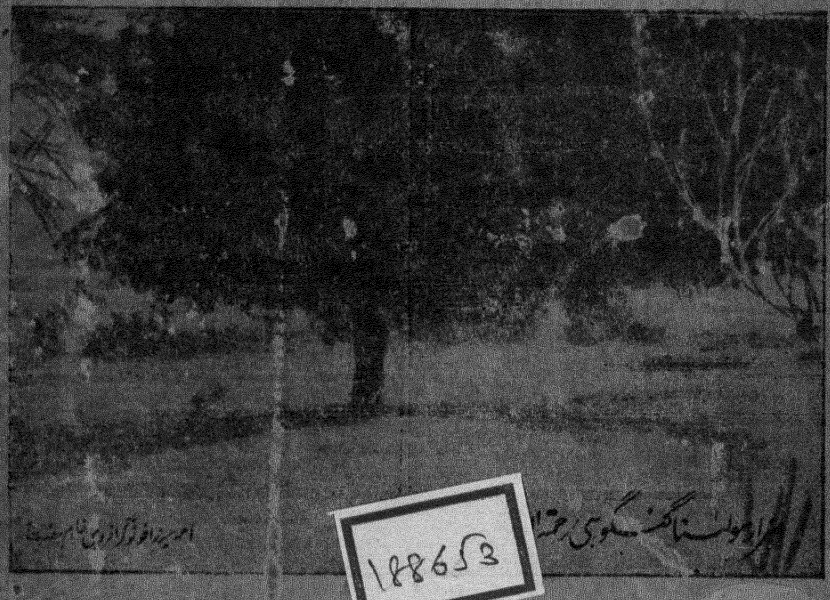

مزار مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

18863

ہر قسم کی درسی و غیر درسی کتبِ ارزاں ملنے کا پتہ

مکتبہ نعمانیہ دیوبند

سہارنپور (یوپی)

122.978
رشید احمد گنگوہی ع

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188653
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—1700—8-11-77—7,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٩٢٣٫٩٧٨ Accession No. ٢٠٩٠٤
20607

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

جملہ حقوق محفوظ ہیں کوئی صاحب قصداً طبع نہ فرمائیں

اَلرَّشِيْد تذکرہ

مؤلفہ

جسکو حضرت علامۃ الحبر الہمام مولانا الحاج محمد عاشق الٰہی صاحب قدس سرہٗ

اخوان طریقت کی خدمت میں خصوصاً اور محبان سنت اہل اسلام کی خدمات میں عموماً

پیش کرنے اور اپنے لئے باقیات صالحات وذخیرۂ آخرت بنانیکی نیت سے شائع کیا

ناشر۔ حافظ محمد مقبول الٰہی صاحب

مکتبہ عاشقیہ المطبعۃ الخیریۃ و مصریہ
قیصر گنج روڈ میرٹھ سے طلب فرمائیں
در محبوب المطابع دہلی طبع شد

LIBRARY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا وشفیعنا محمدا عبدہ ورسولہ۔ اما بعد بندہ سراپا تقصیر عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عموماً اور برادران طریقت کی بارگاہ میں خصوصاً کمال ادب کے ساتھ عرض رساں ہے کہ قطب العالم قدوۃ العلماء غوث الاعظم اسوۃ الفقراء جامع الفضائل والفواضل العلیۃ مجمع الصفات فی الخصائل البھیۃ السنیۃ حامی دین مبین مجدد زمان وسلتنا الی اللہ الصالح الذی لم یلد ولم یولد شیخ المشائخ مولانا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کی ذات اقدس کی وفات نہ تھی بلکہ ایک عالم کی وفات تھی بلکہ ایک ایک شخص جماعت یا شدگان تک قاصر رہا ہو چونکہ اس جانکاہ اتفاق سے روح فرسا سانحہ نے حسب مدارج تعلق وبحسب نسبت سنیہ تمام مسلمانان ہند و دیگر بلاد کے دلوں کو ہلا دیا اور رنج پہونچایا تھا اسلئے اس دلگداز حادثہ سے خدام اقلوب سے ابھی قرار بھی نہیں پکڑا تھا کہ چہار طرف سے بعد کمال کی سوانح مرتب کرنے کی خواہش وتمنا بلکہ اصرار والحاح کی آوازیں کانوں میں پہنچنے شروع ہوگئے۔ اس مبارک صدا کا بلند ہونا حقیقت میں ایک طبعی وفطرتی بات تھی جس پر قدرت نے دلوں اور زبانوں کو اس جانب متوجہ کیا تھا مگر بوجوہات چند ان شوق بھری درخواستوں کی تعمیل یعنی گنگوہی بارگاہ علیہ آستانہ قدسیہ کے حالات کی تسطیر میں کچھ دشواریاں اور دقتیں ایسی تھیں جنکا انحلال بشری قوت سے باہر تھا۔

اس زمانہ نے ایک جگہ کی دوسری جگہ بلکہ ایک ملک کی دوسرے ملک میں خبریں معلوم ہوجانے کے وسایل اس کثرت سے مہیا کردیئے ہیں کہ سطح زمین کا ہر آباد حصہ دنیا بھر کے علمی وعملی حالات کا مجموعہ

معلوم کر سکتا ہے اور انہیں ذرائع نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور دیگر ممالک کے مشاہیر بلاد میں یہ مضمون شائع کیا تھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کا توکل میں صبر و قناعت میں ریاضت و عبادت میں تقویٰ و طہارت میں مجاہدہ میں استقامت میں استغنا میں حب فی اللہ و بغض فی اللہ میں جس طرح کوئی مثل نہیں اسی طرح تبحر علمی میں وسعت نظر میں تفقہ میں تحدیث میں عدالت و ثقاہت میں حفظ و اتقان میں فہم و فراست میں اور روایت و درایت میں بھی کوئی نظیر نہ تھا ایسے بے نظیر شیخ وقت اور بے عدیل قطب زماں کی سوانح کوئی لکھے تو کیا لکھے بھلا جس مجسم نور اور سراپا کمال کا عضو عضو اور رواں رواں ایسا حسین ہو کہ عمر بھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے سے بھی سیری نہ ہو سکے اسکے کوئی محاسن بیان کرے تو کیا بیان کرے ؎

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور میتاب دل ایک

ہمارے معزز مخدوم مولانا المولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی زید فضلہ سے جب کبھی کسی مخلص دوست نے عرض کیا کہ اس مہتم بالشان کام کی تکمیل آپ ہی کے مبارک ہاتھوں ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت قدس سرہ کا آپ کے ساتھ پدرانہ شفقت پر مبنی برتاؤ آپ کا قریب اور ہر وقت کی حاضری حالات و واقعات کی یادداشت حضرت کی مزاج شناسی اور مزاقی وغیرہا امور کا قابل قدر ذخیرہ قدرت نے آپ ہی کیلئے مخصوص کر رکھا تھا ایسے اس پاک مخلوق پر اس احسان سے تساہل کو یا بے مروتی و بے پروائی ظاہر کرتا ہے" مگر یہ بلا کے پاس اس درخواست کا سوائے سکوت کوئی جواب نہ تھا اور نطق میں کوئی جواب تھا تو صرف یہ کہ "میاں مجھے کچھ یاد نہیں مجھ سے کیا لکھواتے اور کیا چاہتے ہو" حضرت قدس سرہ کی سوانح یہ ہے کہ تم جس ذات پاک پر مرمٹے اسی پر مرمٹنے کی دوسروں کو تعلیم دی اور فرمایا کہ تم بھی مرمٹو" اسکے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں

حضرت کے خاص منتسبین جنکی جانب نظر جاتی اور امید ہوتی تھی کہ ان حضرات سے سوانح حاصل ہو سکے گی اول تو ابتدا ہی سے مشاغل میں مشغول اور اب تو ظاہری انتقال کے ساتھ باطنی دیکھ بھال اور ارواح کے ساتھ اور بھی سر آپڑا بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ واللہ العظیم انہیں حضرات کی عالی ہمتوں کے استقلال ہیں کہ اس بارگراں کے متحمل ہو رہے ہیں نہ رات کی خیر نہ دن کی پروا صبح ہو یا شام دوپہر ہو یا سہ پہر تحصیل معاش کے طرق بالائے طاق رکھکر متوکلانہ گزران پر تصنیف تالیف درس تدریس وعظ نصیحت ارشاد تلقین۔ فتاویٰ نویسی و دیگر ضروریات کی مراسلت و جوابات مہمانوں کی خاطر و مدارات اصلاح ناس کی تدابیر میں غور و فکر اور اس کا تہیہ و انصرام غرض ایک خدمت ہو تو اسپر نظر ڈالی جائے جہاں چھوٹی چھوٹی تو

اور چھوٹے چھوٹے دنوں میں سیکڑوں مشاغل کا ہجوم ہو اُنپر یہ تقاضہ کہ شیخ کی سوانح بھی آپ ہی مرتب فرماویں" کس بے حیا منہ اور گستاخ زبان سے کیا جائے تاہم پھر بھی خود ہی ان مقدس حضرات نے توجہ فرمائی اور اُسی عالی ہمتی و استقلال سے کام لیا جو قدرت نے انکو عطا فرمایا ہے مگر چونکہ یہ کمال استقلال اُسی مقدس ذات کی محبت و محویت جمال کا ثمرہ تھا اور اس حالت میں جبکہ یادداشت کی ضرورت تھی گویا انکو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جس میں کسی جان سے زیادہ عزیز محبوب کے حالات زندگی لوگوں کو سنانے پڑینگے اس لئے اب ہمت بھی کی تو دماغ و قلب و حافظہ و خیال نے جواب دیدیا اور کہا کہ "میاں کیا لکھتے ہو کچھ یاد بھی ہے کہ کیا ہوا تھا؟ چھپ جانے والے آفتاب اور غروب ہو جانے والے ماہتاب کی موجودگی میں عاشقانہ محویت نے خط و خال کی دیکھ بھال اور واقعات و حوادثات عارضہ کی یادداشت کے قابل ہی کہاں رکھا تھا کہ اب کچھ قلم سے نکلے؟

اللہ اللہ! مجھے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ کا وہ مقولہ خوب یاد ہے جو میری اس سوانح کے متعلق درخواست پر تھا کہ "تیری تحریر کے بعد کئی دن تو یہی تحیر تھا کہ کیا لکھوں ہزارہا مضامین کا ہجوم امڈا چلا آتا تھا اور جس روش یا جس انداز پر نظر ڈالتا تھا کہ بایں حال پکار رہا تھا کہ مجھے لکھ دیں حیران تھا کہ سب حالات کیونکر لکھوں اور سب نہ لکھوں تو ایک کو دوسرے پر ترجیح کس طرح دوں اسی خلجان میں کئی دن مبتلا رہا آخر اس خیال سے کہ اس مقدس یادگار میں کچھ حصہ میرا بھی شامل ہو کر ذریعہ سعادت اخروی بنجائے بنام خدا لکھنا شروع کیا۔ حضرت ممدوح ہی کا ایک مقولہ یہ بھی تھا کہ اس مہتم بالشان کام کی سرانجامی زیادہ تر اسوجہ سے مشکل ہے کہ حضرت قدس سرہٗ انسانی کی حیات میں کبھی خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ خدام کو وہ وقت دیکھنا نصیب ہوگا جس میں حضرت مخدوم العالم دار النعیم کو مسکن بنائیں گے اور خدام کو سوانح لکھنی پڑیگی۔ یہ سانحہ اپنے وقوع سے پیشتر متیقن ضرور تھا کیونکہ خدا کے سوائے ہر چیز کی فنا پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے مگر تیقن کی یادداشت نہ تھی اس پیش آنے والے وقت کا علم و اذعان ایسا تھا جیسا کہ ہر شخص کو اپنی موت کا علم و اذعان ہے کہ یقینی ہونے میں کوئی شک نہیں مگر ذہول اور غفلت اُسکی جانب سے اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ اُسکا کبھی دھیان بھی نہیں آتا" اور ایسا حال ہو رہا ہے گویا موت آنے والی ہی نہیں۔

اب رہے وہ اصحاب کہ جنکو گاہے ماہے آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا اُنکی نسبت تو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ جسکا نام سوانح ہو اُسکا مکمل اُن اصحاب میں کسی صاحب کے ہاتھوں ہو سکیگا ولادت طفولیت سے لیکر

وصال و وفات تک کے ضروری و مستند حالات کی تسطیر کے لئے جس واقفیت و آگاہی کی حاجت ہے آخر اسکے لئے کثرت آمد و رفت و وابستگی تعلقات محبت و مودت شیخ و اخوان طریقت اور چھان بین یعنی تفتیش و تلاش کی عادت و قابلیت کے علاوہ فکر و دلبستگی کی بھی تو ضرورت ہے اور ان میں سے ہر مضمون کو گنجایش وقت و وسعت معلومات کی حاجت پس یہ اصحاب بھی قلت بضاعت و ضیق استطاعت کے باعث اگر تو معذور دوسرے اپنے درجہ کے موافق یہ بھی شکستہ دل اور محزوں بلکہ شکستگی خاطر میں اپنے مافوق حضرات سے ایک درجہ بڑھے ہوئے اسلئے کہ انکی کم نصیبی نے غنچہ امید کی شگفتگی سے پہلے انکو موسم خزاں دکھلایا اور دل کی بڑھی چڑھی آرزوؤں کو اس سے قبل کہ مراد پوری ہو دل ہی دل میں دبایا۔ اگر دوسرے حضرات اس جوان اولاد جیسے تھے جن کے باپ نے اسوقت انتقال کیا ہو جبکہ وہ اپنی معاش حاصل اور گزران کرنے کے قابل ہو گئے تو ان اصحاب کی مثال ایسی سمجھئے جیسے وہ طفل سہ ماہہ جسکی مادر شفقہ نے عین ایام رضاعت میں دنیا سے رحلت کی اور شیر خوار بچہ کو بنام خداوند سپرد کے حوالہ کر کے عالم آخرت کا طویل سفر اختیار کیا ہو اس یتیم بچہ کی یتیمی یعنی باپ کے سایۂ عاطفت کا سر سے اٹھنا یا دودھ پلانے والی شفیق ماں کی گود سے علیحدہ ہو جانا دیکھنے والوں کو بھی آٹھ آٹھ آنسو رولائے دیتا ہے۔ دینی باپ کے ظاہری سایہ عاطفت سے محروم رہجانے والے بچاروں کی زبان حال کہہ رہی ہے کہ یوں تو حضرت قدس سرہٗ کے سارے ہی خدام جسوقت نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اندھیرا چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر بقول شاعر ؎

حسرت پہ اس مسافر بیکس کی رو پیئے، جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے،

آخر اسی حالت میں کامل ایک سال گزر گیا اور مقدس سوانح کی تمہید بھی مرتب ہوئی مگر چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کو اس یادگار کے ضمن میں بندۂ ناکارہ کو دینی و دنیوی نفع پہونچانا منظور تھا اور قلوب صافیہ میں چھپے ہوئے مضامین کو صفحۂ قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھیرنا مقصود اسلئے قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین مہبط انوار رشید سیدی و مولائی مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب و حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب کا اس بے بضاعت و کم مایہ کو ارشاد ہوا کہ توکلاً علی اللہ کام شروع کرو اور جو کچھ تدابیر مناسبہ عمل میں لاسکے انکو عالم اسباب کا سبب ظاہری بنا۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حق تعالیٰ علام الغیوب شاہد ہے کہ ایسے بڑے مہتم بالشان کام کا خیال کرتے بھی مجکو ہر ہر اہستہ آتی اور تھرتھری و کپکپاہٹ پیدا ہو جاتی تھی واللہ العظیم کسی وجہ میں کبھی یہ وسوسہ ہی نہیں گزرتا تھا کہ میں اس عظیم القدر خدمت

کی سرانجامی کے قابل ہوں بلکہ اگر آپ حضرات یقین کریں تو ایمانًا عرض کرتا ہوں کہ بعض وقت نہایت درجہ حیران و متعجب ہو کر سوچا کرتا تھا کہ جن حضرات نے مجھ کو اس لایق سمجھ کر کام لینا چاہا انکو محض میری ظاہری عقیدت سے دھوکہ ہوا اسلئے کہ سوائے پانچ یا چھ مرتبہ کے جسکی مجموعی تعداد ایک ماہ سے غالبًا زیادہ نہوگی مجھے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں شرف حضوری کا فخر حاصل نہیں ہوا حضرت کے سوسلین سے رسوخ تو کیا معنی جدا تعارف بھی نہیں۔ پھر تصوف کی حقیقت سے ناواقف و آیت کی ماہیت سے ناآشنا آداب مریدین کی محلوا نہیں نکات و معارف و شایخ سے آگاہ نہیں با الطبع ضعیف القلب اور محنت و جانکاہی سے گھبرا جانے والا، مہذب نفس سے عاری اصلاح حال سے کورا اور بے بہرہ ان کے حیا کہتے یا بات کا بنا دیکھا دامن پکڑا اس کے عقاید پر مرنے کا تمنی اور بلا محنت جنت میں جانے کا آرزومند اور بوالہوس بھلا ایسے خود غرض زود رنج عصیاں کارہ ہیچمدان سے سوانح کا رقم نام زاعجاد یا للعجب خدا میری اس بدگمانی اور نسبت فعالی الا کما کی خطا کو معاف فرمائے جو میری سچی اور واقعی حالت کے علم کی بنا پر مجھ سے صادر ہوئی میں بحر نادان کچھ نہ سمجھا کہ نفوس قدسیہ کی روحانی قوتوں کے اس مٹی میں لجانے والے قلم و ہاتھ کو صرف خاکدان خاکی اور آلہ ظہور بنانا چاہا ہے ورنہ سوانح رشیدیہ لکھنے والی دماغی و روحانی طاقت تو کوئی اور ہی ہے۔ فوقع الحظور یا لیال ظہر المستور من الحال۔

چھ ماہ کال اس فکر و حیرانی اور ظلمت و پریشانی میں گزرے مگر چونکہ کسی درجہ میں قطب العالم کے آستانہ علیہ کی جبہ سائی حاصل تھی اسلئے الحمد للہ ناامید نہ ہوا تھا زبان سے سوائے ہست اچھا کے کبھی کچھ نہ نکلا ہمت باندھ کر اور یہ سوچکر بمقتضائے قبل از مرگ واویلا یہ تاخیر و درنگ کیوں کرتا ہے۔ قلم کو ہاتھ میں تھام اور بنام خدا کام شروع تو کر دیکھ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا اور تن مردہ و جسم بیجان میں کیونکر روح پھونکی جاتی ہے کاغذ قلم دوات لیکر بیٹھا اور خطبہ سنہ ۱۳۳۱ھ کا افتتاح کیا پھر کیا تھا حقیقت میں صرف اپنا ہی چیچوا پن اور ضعیف الاعتقادی تھی ورنہ خزانۂ عامرہ میں کچھ بھی کمی نہ تھی تحدیث نعمت رب کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ خطبہ لکھنے کے بعد مضامین کو یا سوکھے پتھر سے چشمۂ حیات کی طرح ابلنے اور فوارے کی طرح جوش مار کر قلم سے نکلتے تھے طبیعت تھی کہ بڑھتی چلی جاتی تھی اور ہمت تھی کہ زیادہ ہوتی جاتی تھی رات کو سوتا تو یہی خواب نظر آتا کہ سوانح لکھ رہا ہوں اور بضرورت شدیدہ چلتا پھرتا تو یہی دھیان رہتا تھا کہ وقایع درج کتاب کر رہا ہوں اُمنگ تھی کہ اُچک اُچک کر آتی اور عبالت کی گھنگور گھٹائیں تھیں کہ اُمڈ اُمڈ کر دل پر چھائی جاتی تھیں۔ یہ تو بھی اعانت

تھی جس میں واسطہ کو دخل ہونے کے باعث کسی بندۂ مقبول خدا کی کرامت سمجھنا چاہیئے اور اسکے ساتھ ہی دوسری بہودی بد تھی جسکو عالم اسباب کا سبب ہونے کی وجہ سے قدرت و نظم عالم کہنا چاہیئے یعنی یہ کہ احباب و اخوان طریقت کی خدمتوں میں معمولی خواہش ظاہر کرنے والے مضمون کا چھپا ہوا لیک کا ڈبھیجنا تھا کہ چاروں طرف سے صدائے لبیک کا نعرہ بلند ہوا اور گنگوہی آستانہ کے شیدائی بادہ مست عشاق نے جو کچھ بن پڑا تھوڑی ہو یا بہت اپنی یادداشت کو قلمبند کر کے بذریعہ ڈاک بھیجنا شروع کر دیا۔

اے میرے بھرپور خزانے والے پاک خدا ان پیارے دینی بھائیوں کو اس دینی محبت کا دارین میں ایسا فرحت بخش صلہ عطا فرمائیو جسکی سدا بہار خوشبو اور پایدار لذت سے انکی عمر کا لحظہ لحظہ انکی اور تیری رضا کا سبب ہو یہاں وہ ترقی پائیں جس تک ان کا خیال بھی نہ گزرا ہو اور وہاں ایسی رفعت و منزلت حاصل کریں جہاں پہنچ سکنے کی انکو امید نہ ہو وانت علی ذلک القدیر۔

الغرض دو ماہ چند روز میں مجھے اپنے مبلغ علم و سعی پر جو کچھ بھیجنا پڑا اور جو کچھ ہو سکا تھا اسکو دیوبند و سہارنپور و گنگوہ حاضر ہو کر اپنے حضرات کی خدمت میں پیش کر آیا کہ اب جسکو چاہیں عطا فرمائیں کہ طبع کرا کے دنیا کا نفع حاصل کرے۔ چونکہ طبیعت میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ سوانح کا لکھنا دنیا کمانے اور شہرت حاصل کرنیکی غرض سے تھا اور بس اس واہمہ نے اسپر آمادہ کیا کہ میری تالیف بے نام کے نام سے طبع ہو۔

گنگوہ میں آخری دربار یعنی صاحبزادہ جناب حکیم مسعود احمد صاحب دام اللہ ظلہ کی خدمت میں جب یہ اوراق بندہ نے پیش کئے حق یہ ہے کہ جو مسرت از اصل الاصل آستانہ کو عطا ہوا اسکی لذت عمر بھر دیکھو لیگا آقا اور آقازادے کی شیریں زبان سے مرحبا اور شاباشی کے ساتھ دعائیہ کلمات نکلے جنکے مقبول ہونیکا مجھے وثوق و اعتقاد ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ تیرے سوائے اسکو کوئی طبع نہیں کر سکتا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ اسکا دنیاوی مفاد بھی کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اور آپس میں کوئی عیب نہیں کیونکہ خوش نصیب وہی ہے جو اپنے شیخ کی جوتیوں کے طفیل میں دین حاصل کرے اور دین کے ساتھ دنیا بھی کمائے اگر مقصد دنیا کمانے کے لئے دینی خدمتیں معیوب ہیں تو کیا معاش حاصل کرنے کے لئے کفار کی ملازمتیں اور اہل دنیا کی سوانح مستحسن ہیں؟ جاؤ اس الزام کا مطلق خیال نہ کرو اور اگر کوئی الزام دے تو آخری جواب یہ دیدو کہ یہ بھی مسعود احمد کے حکم کی تعمیل ہے جو دنیا نہیں بلکہ دین ہے کما اور خوب کما۔

یہ میں نہیں کہتا کہ مجھ میں دنیا طلبی نہیں آئی ہے بلکہ کارخانہ روزگار نے بنایا ہو اور [illegible] درہم و دینار [illegible]

ہوا ہے مگر الحمدللہ کہ خواہش نفس کو آقا زادے نے اس عزت کے لباس میں چھپا لیا اور اس آستانہ سے رسمی پرورش کی ہے" پس شاداں و فرحاں واپس ہوا اور طبع کا انتظام شروع کیا۔

اس قصہ کے بعد پھر موانع سدراہ ہوئے اور کچھ ایسے افکار پیش آئے کہ باوجود احباب کے بیسیوں تقاضوں اور تحریری استفسارات کے اوراق مسطورہ کو ہاتھ لگانے کا بھی اتفاق نہ ہوا آخر جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے کئی مرتبہ بایں الفاظ میٹھے تقاضے ہوئے کہ سوانح کے چھپنے میں کیا دیر ہے؟ تو شرم کے سبب پسینہ آگیا اور مظاہر العلوم کے جلسہ سے واپس آتے ہی ۲ محرم ۱۳۲۶ھ ہجری مطابق ۵ فروری ۱۹۰۸ء عیسوی بروز چارشنبہ مسودہ نکالا اور معمولی ترمیم و ترتیب اور نظر ثانی کی بقدر ضرورت تغیر و تبدل کے بعد طبع شروع کر دیا

اثنار کتابت میں ایک صاحب دیندار شخص کا جنکی صورت میں نے کبھی نہیں دیکھی بسبیل ڈاک لفافہ پونچا کہ میں نے خواب دیکھا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح لکھی جا رہی ہے اور ایک رنگ نے اسکی تعبیر دی ہے کہ معلوم ہوتا ہے شریعت کے کسی کامل متبع کی سوانح کا اہتمام ہو رہا ہے۔

پس مبارک ہو کہ یہ منامی بشارت تیرے ہاتھوں پوری ہو رہی ہے۔ میں نے حق تعالیٰ کی اس رحمت پر شکر ادا کیا اور بعد میں پے در پے خود بھی چند خواب عجیب و غریب دیکھے۔ اپنے حضرت صاحب سوانح کی زیارت سے بھی خواب میں مشرف ہوا کہ مسکرا کر دریافت فرماتے ہیں کیا میری سوانح لکھ رہے ہو؟ میں پاس کھڑا ہوا اپنی بے بضاعتی اور احباب کا کچھ دوستانہ شکوہ کر رہا ہوں اور حضرت قدس سرہ جواب میں اپنے حالات خود بیان فرما رہے ہیں کہ یہ بھی لکھیو مگر افسوس کہ بیدار ہونے پر یاد نہ رہے"

اللہ تعالیٰ کا بے شمار احسان ہے کہ ان بشارتوں نے مردہ قوت میں روح پھونک دی اور اسکا موقع ملا کہ برے بھلے جس طرز عبارت میں اس یادگار کو ہدیۂ ناظرین کر سکا پیش کیا۔ تاہم اتنا افسوس اب بھی ہے کہ جس نفیس مباحث اور عجیب مضامین کی جستجو تھی کافی طور پر نہ ملے۔ ہاں خدا کی ذات سے امید ہے کہ آئندہ طبع میں باجداد امکان ترتیب و مباحث و فقہیات کے عنوانات سے رسائل کی صورت میں طبع کی نوبت آئیگی اور یہ سلسلہ اللہ کو منظور ہے تو سالہا سال جاری رہے گا۔ والسلام نعم الختام۔

طالب فیوض نامتناہی،

احقر العباد عاشق الٰہی عفی عنہ میرٹھی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایسے نازک وقت میں جبکہ عالم کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا کے سچے راہبر و ہادی احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کو دنیا والوں سے اپنا جسمانی تعلق منقطع کئے ہوئے ساڑھے بارہ سو برس ہو چکے ہوں پاک مذہب اسلام کے سچے قانون اور ستھرے عقیدوں پر مخالفین کی طرف سے جو بھی حملے ہوں میدان قابل تعجب نہیں ۱۳۴۴ھ ہجری نبوی جو ہماری تالیف کا مبدا ہے وہ زمانہ تھا جس میں مصیبت و بدبختی کی گھنگھور گھٹائیں امت محمدیہ کے آسمان عالم کو محیط ہو رہی تھیں پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام ہو چکے تھے کہ قومی رسم اور پدرانہ رواج انکو جس کروٹ لٹاتا وہ اسی طرح لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے دین کی بیخبری جسکا جہالت کہا جاتا ہے اکثر ایمان رائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اسقدر چھائی ہوئی تھی جسطرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گھنگھور بادل آفتاب پر چھا جاتے اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔ تمدن و سیاست اور معاملات و طرز معاشرت اسلامیہ بگڑ گیا تھا کہ عام خیالات اور اکثر زبانوں سے مخلوط اللفظ اسکی دلیل تھی کہ اسلام صرف نماز روزہ اور چند مخصوص قبروں پر حاضری کی حوضی اور دو رنگ کے صاف ستھرے کپڑے مکڑوں کے نذر کرنے کا نام ہے اسکو انسان کی عاشق گذران حیات یا دیگر حالات ظاہری و باطنی سے کوئی علاقہ نہیں ہے جسطرح ہو تجارت زراعت ہو یا کوئی اور پیشہ کھاؤ پیو جو چاہو پہنو اور جسطرح چاہو نشست و برخاست اور معاملات معاشرت کے بارے میں اختیار ہے غرض ہر امر میں آزاد اور اگر کبھی پابندی کا خیال آیا تو اصول تجارت میں ان اقوام کی تقلید اختیار کی جو اسلام سے عداوت و بیگانہ اسلام سے طبعی عناد تھا طرز معاشرت و انداز نشست و برخاست میں اتباع کیا تو ان قدیم یا جدید تعلیم سفروں کا جو اصلاح کے پردہ میں تخریب کے درپے تھے شادی و غمی کے حوادث اور موت و حیات کے لابد پیش آنے والے واقعات میں اطاعت بھی کی تو ان پرانی پڑی ہوئی رسوم کی جنکو شرع تو شرع عقل بھی کسی طرح قبول نہ کرے اور اگر کوئی صاحب ہمت حضرت تہذیب اصلاح نفس کیجانب متوجہ ہوئے تو ان جہالت کے پتلوں اور ان پڑھ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جنکو خدائی کے دعوے میں بھی شرم نہ آئے غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی جہل کا نام علم تھا اور خرافات و شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامت و معاملات کی

تعلیم نہ اخلاق کی تفہیم نہ الوہیت و رسالت کی تعظیم نہ آداب و مقامات نفس کی تتمیم ایک طوفان ضلالت تھا کہ لہراتا ٹکراتا اور گمراہی کا ایک سیلاب عظیم تھا کہ بڑھتا اور شور مچاتا چلا آتا تھا جسکے مہلک و تباہ کن نتائج کا خلاصہ یہ تھا کہ علم شریعت مصطفیٰ کی تحقیر اور طرز تمدن نبویہ کی تذلیل و توہین بڑھتی جاتی تھی عوام اپنے آپ کو علماء سے مستغنی و بے نیاز سمجھتے تھے اور نام کے علماء تہذیب نفس سے محرومیت کے باعث اُن کے خوشامدی غلام اور تنخواہ دار ملازم بنے اور دین فروشی کے ذریعہ سے رہی سہی علمی عزت کو دھکے دے رہے تھے۔

جس طرح کسی زمانہ میں اہل عرب نے بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً کو ایام سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکوکاری سمجھا تھا اسی طرح ہندوستان میں بدوینی و بدعقیدگی کے گویا روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے اور تائید دین متین سمجھی جاتی تھی کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا۔ کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خروج کا۔ ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف قرآنیت و مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا۔ یہاں ڈھولک و ستار کھڑک رہے تھے تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال گرم تھا۔ یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بدزبانی غرض افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ۔

سب پر طرہ علماء کا اختلاف رائے کہ جسکو دیکھئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنا لی فکر و تدبیر جرجاہ و حب مال اور طمع نفسانی و حرص حیوانی جہاں دوسرے مسلمانوں میں سرایت کئے ہوئے تھی اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ ان اصحاب میں بھی گھسی ہوئی تھی جو پیشوا و مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ آٹھ آنے پیسوں پر جس مضمون کا چاہو ان سے وعظ اسلالو اور پچیس ٹکوں پر جس فتوے اور جس مسئلہ پر چاہو دستخط کرالو اور منشا کے موافق لکھوالو۔ گویا سخت بھم بنے ہوئے سرچشمہ اسلام کے دہانہ پر اڑے ہوئے تھے کہ شیریں و خوشگوار پانی سے خود سیراب ہوتے تھے نہ وہاں سے ہٹتے اور دہانہ کھولتے تھے کہ خدا کے دوسرے بندے بھی سیراب ہو جائیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اِس تاریک زمانہ میں لطائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی پیشینگوئی کے موافق علماء اُمت میں ایک ایسے زبردست عالم کی ضرورت تھی جو من کل الوجوہ قابل اعتماد مصلح اور سراپا سنت نبویہ کے زیور سے آراستہ کامل اتباع شریعت کاملہ میں مخلوق کے لئے نمونہ اور عالم کے لئے حجت بنے جسکی روحانی قوت ایسی زبردست ہو جس میں متکبر و مغرور مولویوں کو کھینچ لینے کی قابلیت ہو جس طرح علماء میں ہر عالم اپنے خاص گروہ کا سردار بنتا اور اُن کے اختلافی امور سلجھاتا ہے اسی طرح یہ مقدس ذات مرجع علماء ہند ہے اور مولویوں میں الجھے پڑے

مسائل اور مختلف و متنازع فیہ امور کا تصفیہ کرے غرض نیابت رسالت کا عمامہ سر پر باندھے اور اس مہتم بالشان وعظیم خدمت کو انجام دے جسکی تکمیل قوم بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کے ذمہ ہوتی تھی شریعت کی شاہراہ کا ہادی و مجدد مذہب قرار پائے اور طریقت کی دشوار گزار سڑک کا راہبر و قطب الارشاد۔

میرے پیارے دینی بھائیو! ذرا غور کرو اور دیکھو کہ اس مسند پر بیٹھنے والے حامی دین اور مصلح قوم بزرگ کے لئے کن کن اوصاف کی ضرورت ہے۔ کیا ہاشمی پیغمبر کے جاوید فیضان نبوت سے بحر زخار سے شاداب ہوئے بغیر اس منصب جلیلہ کے فرایض ادا ہو سکتے ہیں؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ اس پاکباز جانشین کو نماز و روزہ صدقہ و زکوٰۃ حج و تلاوت قرآن ذکر الٰہی و طلب حلال وغیرہ ضروری امور کے علاوہ جو کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی وعظ و نصائح اور اصلاح غیر کے تمام مقدماتی وسایل کی بڑی ضرورت ہے اس لئے وہ استقلال و صبر اور پختگی و استقامت چاہیئے جو پہاڑوں کو زائل کر دینے والے مکر و فریب کا مقابلہ کر سکے اور وہ صبر و تحمل ہو جو کہ شکن مصائب و آلام اور گھیرا دینے والی طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھار کو برداشت کر سکے۔ حرص و ہوس۔ غیظ و غضب حسد و بغض بخل و حب مال۔ رعونت و حب جاہ۔ تکبر و نخوت۔ خود پسندی و عجب ریا و سمع۔ درشتی و سختی پاس بھی نہ پھٹکی ہو عبادات کے علاوہ عادات و امور مباحہ مثلاً حرکات و سکنات تک میں سنت مصطفویہ کے اتباع و تقلید کا نور جگمگا رہا ہو۔ توبہ و خوف زہد و اتقا۔ صبر و شکر۔ اخلاص و صدق توکل و محبت الٰہی اور رضا بر قضا کی دشوار گزار گھاٹیوں کو زبانی نہیں بلکہ عبور کر کے اور آگے آگے چلکر دکھلائے۔ صوری و جاہت معنوی ہیبت کریمانہ اخلاق حکیمانہ اشفاق۔ مادرانہ ترحم۔ پدرانہ تادیب لطافت طبع نزاکت و طہارت نفس حسبی شرافت نسبی نجابت میں فہرۂ آفاق ہو۔ فصیح و بلیغ شجاع و بہادر کریم النفس و سخی خاشع و خاضع مہمان نواز و متواضع اور اپنے زمانہ میں کیفیات روحانیہ کی قوت و طاقت میں فرد اور یکتا ہو۔

تیرھویں صدی کا یہ گوہر شہوار و دُر فرید جس نے مادر گیتی کی گود کے محترم حصہ اور بزرگ خطہ یعنی گنگوہ کے قصبہ میں جلوہ افزائی فرمائی کئی لاکھ مسلمانوں کے دینی باپ اور کئی سو علماء کے سردار و پیشوا ہندوستان کے مایۂ فخر و ناز حضرت قطب عالم مرشد برحق مولانا الحافظ الحاج الشیخ مولوی رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز محدث گنگوہی ہیں اطاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ حق تعالیٰ اس پاک ذات کے طفیل میں ہم سیاہکاروں کی مغفرت فرمائے اور اس مقدس تذکرہ کو جو حضرت قدس سرہ کے نام نامی کا شرف پائے ہوئے ہے قبول فرما کر مجھ ناکارہ کے لئے ذریعۂ نجات بنائے آمین ثم آمین۔

حضرات ناظرین سے درخواست ہے کہ اس تحریر میں جو غلطی پائیں اس فقیر کی ذات پر محمول فرما کر بنظر کریمانہ اصلاح فرمادیں تاکہ آئندہ جب طبع ہو صحیح طبع ہو۔ یہ کم مایہ حقیر بدنام کنندہ نکونامان جو کچھ اس سے ہو سکا اپنے شیخ کا شیریں تذکرہ صحیح بھکر سب سے پہلے اپنے حضرت مولانا المولوی خلیل احمد صاحب و مولانا مولوی محمود حسن صاحب و مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب کی نذر گزرانتا ہے اور بعد تمام اخوان طریقت کو ہدیۃً پیش کرکے مستدعی ہے کہ مولف کے حق میں بھی دعائے خیر فرمادیں کہ رضائے حق نصیب ہو اور خاتمہ بالخیر اسکے بعد یہ بھی درخواست ہے کہ آپ صاحبوں کو سوانح کا مطالعہ کرنے میں جس وقت جو بھی مضمون نیا یا کوئی مستند قصہ یاد آتا جائے اسکو اسی کتاب کے حاشیہ پر لکھتے جائیں تاکہ طبع ثانی میں وہ زیادتی آپکے نام پر درج ہو اور آپ کے لئے ذریعہ ترقی مراتب دین بنے حق تعالیٰ اس پاکیزہ ذکر کو تا ابدالاباد قائم رکھے اور دن دونی رات چوگنی ترقی مرحمت فرما کر اہل عرفان و محبان سنت و اہل سنت کی لذت کا سبب بنائے آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

اطلاع

اس مبارک ذکر کا نام تذکرۃ الرشید رکھا گیا ہے چونکہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنا مقصود ہے اس لئے گو برائے نام شے قیمت رکھدی گئی ہے مگر غربا کی غربت اور امرا کی تونگری کا لحاظ ضرور قائم ہے آئندہ سنے نسخہ جدید وقتاً فوقتاً ضرورت ثابت ہونے پر مفت نذر ہوگی اور استطاعت و مقدرت والے اہل مال اصحاب سے جو کچھ بھی وہ قیمت دیر قبول کیجائیگی اور یہ انکی توفیق پر موقوف ہے کہ کچھ نسخہ خرید فرما کر غیر مستطیع یا کم استطاعت اصحاب کی رعایت کیلئے دفتر ہی میں چھوڑ دیں کہ عند الحاجت انکی توکیل نافذ ہو اور وہ مستحق ثواب بنیں چونکہ اسکی طباعی و اہتمام میں مبشرات منامیہ نے مقبولیت کا غالب گمان دلایا ہے اس لئے امید ہے کہ ان شاء اللہ اطراف عالم میں پہنچے گی اور کسی وقت کوئی چیز ہوگی۔ جو صاحب بھی اس کو ملاحظہ فرمادیں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کیوں نہ ہوں مؤلف اور اس کے اکابر و اعوان کے لئے ضرور دعائے خیر فرمادیں فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولادت

شاد باش ای خستہ ہجران بلا	مرہبے درد تو درمان میرسد	نامرادانِ تو تشنہ وادی غم	از ہدایت آب حیواں میرسد
در دلِ افسردہ روحے میدمد	مردہ تن را مژدہ جان میرسد	دور تو ای ظلمت شام فراق	کاختر اقبال تابان میرسد
شوق کن ای بلبل گلزار عشق	کاں گل نوباز گلستان میرسد	سر رشتہ خلق ترا آید بدست	تا بطرب عالم بحر عرفاں میرسد

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے بتاریخ دہم ذیقعدہ ۱۲۴۳ ہجری نبوی کے یوم دوشنبہ چاشت کے وقت اس گمراہ عالم فانی میں قدم رکھا یعنی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور صوبہ سرحد میں خانقاہ شیخ المشائخ مولانا عبد القدوس گنگوہی کے متصل اس چھتہ کے مکان میں جو اب مسعود آپکی ولادت شریفہ ہوئی جو درگاہ حضرت شیخ کے شرقی سمت میں تخمیناً پچیس ذرع قدم کے فاصلہ پر واقع اور بنکہ قایم ہے گویا دوشنبہ کی ولادت میں غیر اختیاری سنت نبویہ کا شرف حاصل فرمایا کہ بحیر کانوں میں پیرزدہ پونچیا کا ہی بطحائی پیغمبر کی طرز معاشرت و تحصیل معاد سے غافل ہو جانے والو ہوشیار ہو جاؤ کہ خواب غفلت سے جاگو اور اس تعلیم صادق کے امیدوار و منتظر رہو جو مردہ امتوں کی احیاء اور متروکہ طرق نبویہ کے رائج و نافذ ہونے کے متعلق خالق جل و علی شانہ کو میرے ہاتھوں یعنی در پردہ نائب رسول بنا کر متنبہ کرنے والا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ماں اور باپ دونوں سلسلے شریف النسب یعنی نجیب الطرفین شیخ زادہ انصاری اور ایوبی النسل تھے چنانچہ باپ کی جانب سے خاندانی سلسلہ جسکو حضرت نے خود بیان فرمایا تھا اس طرح ہے مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد صاحب بن قاضی بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی علی اکبر بن قاضی محمد اسلم الانصاری الایوبی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ماں کی جانب سے سلسلہ نسب جسکو حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب نے خاندانی شجرہ محفوظ سے نقل کرایا یوں ہے مولانا رشید احمد صاحب بن مسماۃ کریم النساء بنت [illegible] بن غلام شادی بن محمد صالح بن غلام محمد بن فتح محمد بن تقی محمد بن صلاح محمد بن قاضی محمد کبیر الانصاری بن قاضی محمد امین الدین عرف قاضی امن بن خواجہ فرید بن خواجہ شاہو بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ ہاشم بن خواجہ علاء الدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ نجیب الدین بن خواجہ عبد المجید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین بن

خواجہ[۲۳] شرف الدین بن خواجہ تاج الدین[۲۴] بن خواجہ سراج الدین[۲۵] بن خواجہ ہاشم[۲۶] بزرگ بن اسمٰعیل[۲۷] بن خواجہ عبداللہ ہراتی[۲۸] بن خواجہ ابو محمد منصور[۲۹] بن خواجہ علی[۳۰] بن خواجہ محمد[۳۱] بن خواجہ احمد[۳۲] بن خواجہ جعفر[۳۳] بن ابی منصور[۳۴] بن ایوب[۳۵] بن الشیخ ابی ایوب الانصاری کے اصل نام پاک آں صحابی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خالد بود رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نسبی سلسلہ جدی کی طرف سے گیارہویں پشت پر حضرت امام ربانی غوث صمدانی قطب العالم شیخ المشایخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے اسلئے کہ حضرت کے جد بزرگوار یعنی جناب قاضی پیر بخش مرحوم کی والدہ ماجدہ شیخ محمد صلاح کی صاحبزادی تھیں جن کا نام مسماۃ بولی تھا اور شیخ محمد صلاح کے جد سابع حضرت شیخ الشیوخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں چنانچہ سلسلہ اس طرح ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن مسماۃ بولی بنت محمد صلاح بن محمد صالح بن الشیخ عبدالاحد بن محمد طاہر بن فتح اللہ بن عبدالصمد بن عبدالحمید بن الشیخ الامام الہمام الاکمل عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آبا و اجداد یعنی سلسلہ نسب سے معلوم ہونے والی پاک اصلاب کا جدا جدا تذکرہ معلوم ہونا گو چنداں ضروری نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اصل مقصد یعنی سوانح رشیدی سے بعد ہو جائیگا اسلئے چھوڑا جاتا ہے ہاں اس مقدس تذکرہ کو وضاحت کے لئے جن مبادی کی ضرورت ہے انکا ذکر چونکہ لازمی ہے اس لئے سب سے اول یہ تمہید دینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا کے شریف النسب اور نجیب الطرفین ہونے کیلئے بلکہ محبت و عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث بننے کیلئے یہ جلالت نسبی کافی ہے کہ آپکے جد امجد حضرت مولانا ابو ایوب مدنی انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مہاجر ماہتاب رسالت کو مدینہ منورہ میں اپنے مبارک مکان کے اندر جگہ دی اور اس نعمت خداوندی کے بھرپور خزانہ کی تقسیم کا شرف اپنے میمون منزل کے دامنوں میں حاصل کیا جسکو اہل مکہ نے ناقدردان بنکر اپنے سے علیحدہ کیا تھا اس جان نثار میزبان رسول کے شیریں تذکرہ اور لذت والے نام سے کون مسلمان ہے جو ناواقف ہو اور اس خوش نصیب جامی و ناصر دین شیخ کی قابل فخر عزت اور تا قیامت مشہور رہنے والی خدمت سے کونسا کان ہے جو آشنا نہیں ہے

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

اس لازوال دینی دولت سے مالا مال ہونے والے اور سلطان دین کی ان گزشت بخششوں سے گودیں بھرنے والے صحابی کی نسل میں اگر ایسے درر نایاب بے بہا لعل پیدا ہوں جو ضعف ایمانی کے وقت سب سے پہلے اپنے قدم بڑھاویں اور تکلف ہونے والی دینی نعمتوں سے گود بھریں مردہ سنتوں کو زندہ کریں اور غفلت کی نیند سوئے ہوؤں کو جگائیں

تو تعجب ہی کیا ہے آخر سلطانی میزبانی کا صلہ انعام اور سلطان دین کے قدموں کی برکت کا اثر کچھ تو قیامت تک ضرور قایم رہے اور وہ یہی ہے کہ جس گلاب کے تختہ پر سلطانی تخت اوّل جلوہ افروز ہوا وہ قیامت تک کیلئے سدا بہار بنگیا اور کبھی نہ کبھی آخری زمانہ کو پہلی بہار کی جھلک دکھلانے کیلئے ضرور قابل حیرت روش پر پہلا اور پھولا پھلا اور مہکا

ادھر دسویں صدی میں عالم کے دماغ معطر کرنیوالا شاداب پھول یعنی شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کا وجود باجود ارض ہندوستان کے لئے سایۂ ناز اور نسل نعمانی و ذریت ابوحنیفہ کوفی میں وہ آفتاب ہدایت تھا جس نے دنیا میں چھائی ہوئی ظلمت و تاریکی پر نور عرفان و ضیاء ایقان کی چمکدار شعاعیں ڈالیں اور دل آویز مہک سے عالم کے دل کو ہوا لئے پس نسل ابوحنیفی و ذریت نعمانی میں اس خلف الصدق کی ضرورت تھی جو ہر دو اجداد کے ظاہری و باطنی فیضان سے مستفیض اور شریعت و حقیقت کے شمس و قمر کی نورانی شعاعوں سے بہرہ یاب ہو کر گمراہ ہونے والی مخلوق کا ہادی و راہبر قرار پائے اور نیابت رسالت کا حق ادا کرے۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳ جمادی الآخر ۹۲۵ھ ہجری کو اس عالم سے جسمانی انقطاع فرمایا اور تیسری صدی کا آخری سال ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ اس خاندان ابوحنیفی کا نام باقی رکھنے والے اور قدوسی سند کی عزت سنبھالنے والے نونہال نے اپنے وجود مسعود سے خانہ عالم معمور اور وہی قصبہ گنگوہ آباد کیا جس قدوسی خانقاہ اپنے شیخ کے سچے جانشین کی تلاش میں تین سو برس سے پریشان حال و ویران پڑی ہوئی تھی یعنی تیسری صدی کے پورے اختتام پر شیخ عبدالقدوس کے وصال کا سال و مہینہ و دن یعنی ۲۳ جمادی الآخر سنہ ۱۲۴۶ ہجری کا روز جب آیا ہے تو ہمارے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ پورے سات ماہ اور سات دن کی عمر پا چکے تھے فالحمد للہ علی احسانہٖ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی دادھیال در اصل قصبہ رامپور ضلع سہارنپور ہے مگر چونکہ حضرت کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحب مرحوم نے گنگوہ کو وطن بنا لیا اسلئے آئندہ نسل کا انتساب گنگوہ کی جانب ہوا اور تبدیل وطن کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب قاضی پیر بخش صاحب مرحوم کے ماموں زاد بھائی شاہ قطب علی صاحب مرحوم گنگوہ کے باشندے تھے شاہ صاحب پر بعض بنی اعمام اور کنبہ کی طرف سے مخالفانہ حملے ہوتے رہتے تھے یہانتک کہ بعض معاملات میں مخالفت و عناد حد کو پہونچ گیا اور اجتماعی قوت سے صرف لوٹ مار ہی نہیں بلکہ شاہ قطب علی صاحب کے قتل کے منصوبے اور جان سے مار ڈالنے کی تدابیر سوچی جانے لگیں۔ شاہ صاحب اوّل تو یکہ و تنہا سینہ سپر بنے ہوئے مردانہ وار ایذائیں سہتے رہے آخر قتل کے منصوبوں کی خبر نے جب پریشان کر دیا تو شاہ صاحب نے چار طرف

تھیں جنمیں ایک بہن حقیقی سب میں بڑی مسماۃ فصیحا بیبی اور دوسری بہن علائی تھیں جنکا نام امۃ الحق تھا +

طفولیت

بچپن کے مفصل واقعات کا معلوم ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے اور سبب یہ ہے کہ کوئی شخص دینی یا دنیاوی حیثیت سے کیسا ہی بڑا کیوں نہو اُسکے زمانہ طفولیت میں کسی کو کیا خبر ہو کہ آگے چلکر اس نونہال خوبی کی کہاں کہاں شاخیں پھیلیں اور کس کس مقام تک اسکی تازگی و شادابی اپنا اثر پہونچائیگی۔ باغ کا وہ پھل دار درخت جسکے آج نظر بد سے بچانیکی تدبیریں کیجاتی ہوں اگر باغبان سے اُسکے ابتدائی نشوونما کے ہر لحظہ دہر حال کی کیفیت دریافت کیجائے تو شاید اس حد تک نہ بتلا سکے جیسا کہ اسکی موجودہ ترقی معلوم کرنا چاہتی ہے کیونکہ ابتدائی حالت میں اس درخت کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا نہ تھا کسی زمانہ میں باغیچہ کا سرمایہ ناز بنے گا ہاں اجمالی کیفیت کے وجہ میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ہونہار بِروے کے چکنے چکنے پات۔ بزرگان دین و مشاہیر سلف کی سوانح کے ورق الٹئے اور صفحات پر نظر ڈالئے تو اس مضمون کی سچائی ظاہر ہو جائیگی کیونکہ نامان عالم در صفحۂ ہستی بآب زر سے لکھے ہوئے نام والے حضرات کے تمام حالات مصنفین نے شرح و بسط سے لکھے مگر جسوقت ماں کی گود میں شفیق ہاتھوں کی تھپکیاں کھا کھا کر سونے کے وقت کی حرکات کا حال اُنہیں مصنفین سے پوچھا جائے تو سوا خاموشی کے اُن کے پاس کوئی جواب نہو گا۔ اس راست خیالی کی جھلک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سوانح میں نظر آتی ہے کیونکہ آپکی جلالت شان و رفعت مکان اور علو مرتبت و بلندی منزلت آپکے حالات طفولیت کو جس بسط و تفصیل کے ساتھ مقتضی ہے مصنفین و مشاہیر حال اُسکا عشر عشیر بھی نہ روا دار حصہ بھی پورا نہ کر سکا دیگر نیچے اُترکر اخص الخواص صحابہ اور نیچے اُترکر خاص اصحاب اور پھر نیچے اُترکر عام خدم و جان نثاران رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طفولیت دریافت کیجئے تو بالکل ہی مطلع صاف ہو جاتا ہے غرض مشیت ایزدی اور عادت اللہ کا مقتضی و منشا اپنے مقبولین کے لئے سدا یہی قائم رہا ہے کہ انکا بچپن کا زمانہ آنے والے زمانہ کے مقابلہ پر ایسا گم صم گزرے کہ نہ دشمنوں کو دشمنی و ایذا رسانی کا موقع ملے اور نہ شفقت و خدمت کرنے والوں کو قبل از وقت اعانت و ہمدردی کا پس یہ زاویہ خمول کی گرمان اور غیر مشعور حال کے ساتھ نشوونما ہمعصر و ہم عمر حبیب بلکہ ربی و سرپرست بزرگوں کو بھی اسطرح تو یہ نہیں دلاتی کہ وہ اُس زمانہ کے حرکات و سکنات کو قصص و حکایات کے طور پر یاد رکھیں اور کسی زمانہ میں دریافت کرنے والے مشتاق خادموں کو بتلا سکیں۔

بدیں وجہ حضرت مولاق مسرہ کے حالات طفولیت کما ہی حقہ مجھے یا وجود کوشش معلوم نہو سکے ہاں بقدر مقتضا

پوت کے پاؤں گہوارے میں معلوم ہوتے ہیں" یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے علماء زمانہ کے مقتدا بننے والے امام کو ابتدا ہی سے عادات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے ساتھ سنوارا اور آراستہ فرمایا تھا بچپن ہی میں آپ خدا ترس درحمدل عابد خوش خلق متین و سنجیدہ غیور دباحیا صابر و مستقل مزاج حلیم و بردبار مہذب و باادب اور نہایت درجہ سلیم الطبع ثابت ہو چکے تھے آپکو ضداور اصرار ہٹ دھرمی و شرارت چھچورا پن اور بے تہذیب وغیر تربیت یافتہ بچوں کی عادتوں سے طبعاً نفرت تھی آپ کا پچھ سات سالہ عمر تک ناز پروردگی اور لاڈ پیار کا زمانہ اور آٹھویں سال یتیمی یعنی سرپرست و مربی کا سایہ سر سے اٹھ جانا جن عادات کو مقتضی ہے ان بدخصلتوں کا آپ میں نام بھی نہ تھا۔ آپ نے جسوقت اپنے سب سے پہلے اُستاد میانجی قطب بخش صاحب گنگوہی مرحوم کے سامنے کتاب رکھی ہے تو چند ہی روز میں اُستاد کی زبان سے ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ و یادداشت کے متعلق تعریفی الفاظ سنے میانجی مرحوم چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ننہیال کی طرف سے قریبی رشتہ دار بھی ہوتے تھے اس لئے مہربانی زیادہ فرماتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی اُس شفقت سے غافل نہ ہوتے تھے جو اُستادانہ حیثیت سے کرنیکی ضرورت ہوتی تھی۔ میانجی صاحب مرحوم کی خدا کرے آستہ بدی نہیں کیجاتی ضمناً و تبعاً اسکے اظہار کی حاجت ہوگی کہ پدرانہ شفقت و مربیانہ عاطفت کی بنا پر بے تکلفانہ اپنے شاگردوں کے منہ سونگھکر معلوم فرماتے کہ کچھ کھا کر آئے ہیں تو دریافت فرماتے کہ کیا کھا کر آیا ہے اور جب شاگرد بتاتا کہ فلاں چیز پکی تھی وہ کھا کر آیا ہوں تو سادگی کے ساتھ فرماتے کہ "واہ میاں خود کھا کر چلے آئے ہمارے لئے بچا کر نہ لائے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے بعد سے یہ معمول ٹھیرالیا تھا کہ جو چیز بھی گھر سے اپنے آپ کو ملتی وہ خود نہ کھاتے بلکہ جیب یا دامن میں رکھ لیتے اور مکتب میں آتے ہی اُستاد یعنی میانجی صاحب کی نذر کر دیا کرتے تھے" اس معمولی قصہ سے اُستاد کی قدر و عزت اور ایثار و قلت حرص خدمت و رضاجوئی اساتذہ اور اشارہ پا کر گہرے مضمون کے سمجھنے کی فراست و استعداد اور اُسپر عمل کی توفیق و پھر اسی کے وہ عالی مضامین نکلتے ہیں جنکی بچوں کو تو کیا معنی سمجھدار جوانوں کو بھی پروا نہیں ہوتی اور سب پر طرہ یہ کہ کئی دن تلک گھر والوں کو اسکی اطلاع بھی نہ ہوئی کہ ماجرا دے اپنا حصہ اپنے اُستاد کی نذر گزرانتے ہیں مگر چونکہ اس قصہ کے لیجانے کو جیب یا دامن کے علاوہ تیسرا ظرف نہیں تھا اسلئے کئی دن کے بعد چکنے کپڑے پاکر متعلقین نے دھکایا اور سبب پوچھا تب قصہ معلوم اور سربند راز آشکارا ہوا۔

ایک مرتبہ کسی واقعہ سے سبق حاصل کرلینا اور آئندہ اُسکا خیال و لحاظ رکھنا آپکی ابتدا ہی سے عادت ہوگئی تھی آپکی عمر کا چوتھا یا پانچواں سال تھا کہ آپکی والدہ ماجدہ نے آپکو اور آپ کے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد

صاحب کو پینے کے لئے کچھ دودھ بانٹ دیا جس پر حضرت نے بتقاضائے عمر کچھ حجت فرمائی اور زیادتی کے متعلق کچھ اصرار کیا آپ کے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد صاحب نے چھوٹے بھائی کی اس حجت و اصرار کو بزرگانہ شفقت کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنا حصہ پینے کے بعد حضرت کا بھی حصہ نوش جاں فرما گئے۔ حصہ کا قصہ تو ختم ہو لیا مگر حضرت مولانا نے اسی عمر میں یہ سبق پا لیا کہ حجت و اصرار اور ہرٹ یا ضد کرنے کا ثمرہ اپنا نقصان اور حق کا ضائع کر دینا ہے چنانچہ پھر مدت العمر کسی چیز پر ضد نہیں کی جو چیز جتنی بھی ملگئی بخوشی لیلی اور راضی ہو کر قبول فرمالی بلکہ خود یوں فرمایا بھی کرتے تھے مجھے دودھ کے قصہ سے یہ تجربہ حاصل ہو چکا ہے کہ ضد کرنے کا یہ نتیجہ اپنے اصل حصہ سے محروم ہو جانا ہے ؎

ایک تمغائے جوانمردی ہے ناسخ ترک حرص عمر بھر میں ہے دم آب اکتفا تلوار کو

ایام طفولیت میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بخار میں مبتلا ہوئے اور مرض کو اس مقدار استداد ہوا کہ کامل چار سال تک بخار نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایام مرض اور اثنا معالجہ میں طبیب نے صرف مونگ کو غذا بنا دیا اور تمام اشیاء سے پرہیز کرا رکھا تھا چنانچہ حضرت نے اس طویل مدت تک مونگ ہی پر اکتفا فرمایا اور متواتر چار سال مونگ کی دال اور مونگ کی روٹی یا مونگ کی کھچڑی تناول فرمائی کبھی اکتاہٹ سے نہ گھبرائے نہ شکایت کی نہ روٹی صورت بنائی نہ دوسری چیز کی خواہش کی اور نہ اس ایک قسم کے کھانے سے جی پر میل لائے" قصہ تو معمولی ہے مگر حضرت کی استقامت و پختگی اور زہد و قناعت صبر و تحمل اور علو ہمت و استقلال کے ان بیش قیمت جواہرات کا پتہ لگتا ہے جو حق سبحانہ نے آپ کے اس جسم خاکی میں ودیعت رکھ چھوڑے تھے جسکو تروبیج شریعت نبویہ اور اجیاء سنن مصطفویہ کی شاقہ محنتوں میں استقامت و پختگی اور صبر و تحمل بہرت برت کر فنا فی الاسلام ہو جانا تھا ورنہ ایک طعام پر گزران کیسا ہی لذیذ طعام کیوں نہ ہو جوان بلکہ بوڑھے تجربہ کار مردوں کی ہمت سے بھی خارج ہے مسلمانان بنی اسرائیل کا یہی لذیذ غذا یعنی من و سلوی پر بھی اکتفا نہ کر سکنا اور آیت مقدسہ واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر علیٰ طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلہا وقثائہا وفومہا وعدسہا وبصلہا اس مضمون کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے۔ آپکی عمر شریف کو چھٹا یا ساتواں سال تھا کہ بکوا کے چچازاد بھائی جناب عبداللہ اور محمد حسن صاحبان کھیلتے کھیلتے اپنے ہمراہ قصبہ انبہٹہ لیکر جا پہونچے چچازاد بھائیوں کی ہمراہی اور طفولیت میں کھیل کود کی رغبت نے پانچ چھ میل کی مسافت تو ہنستے بولتے قطع کرا دی بچپن کی امنگ اور ہمجولیوں کی معاشرت نے پاؤں کو پتہ بھی نہ لگنے دیا کہ کب گتگوہ گیا اور کس وقت انبہٹہ آیا۔ مگر انبہٹہ پہونچکر حضرت مولانا کے انقباض اور شرم و غیرت میں ڈوب

چار سال بخار میں مونگ پر گزران اور قناعت

راستہ کی دلچسپیاں

ڈوب جانیکی جو کیفیت ہوئی وہ بیان نہیں ہوسکتی۔ حیا کے باعث پیشانی پر پسینہ نہ تھا بلکہ تمام جسم گویا نہایا ہوا تھا نظریں مجھکی ہوئی اور آنکھیں جھپی ہوئی اُس اندرونی حالت کا پتہ دے رہی تھیں جو غیر تمند دل میں جگہ پکڑ رہی تھی آپ متحیر اور سرگرداں قدم اٹھاتے عزیز بھائیوں کے ساتھ چلے جاتے تھے مگر اس فکر میں مستغرق تھے کہ یہ دونوں صاحب تو اپنی خالہ کے یہاں جا ٹھہریں گے مگر اے طفیلی مہمان تو کسی کے گھر ٹھیر کر کس غیرت کے تقاضہ سے روٹی کھائے اور رات گزارے گا" مگر چونکہ وقت نا وقت ہو چکا تھا اسلئے واپس بھی نہ ہو سکتے تھے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن عجیب شش و پنج میں گرفتار تھے آخر تہمارات کو لوٹ جانے کی ہمت نہ پاکر "قمر درویش بجان درویش" چچا زاد بھائیوں کے ساتھ شب گزاری اور صبح ہی مکان واپس ہوئے۔ بلا اطلاع گھر سے باہر رات گزارنے کی وجہ سے گھر والوں کی جس پریشانی میں رات کٹی ہوگی وہ ظاہر ہے آخر دن نکلنے پر ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک نے جب مراجعت کی اور آپ سے حال پوچھا گیا تو آپ نے بالکل صحیح صحیح قصہ کہہ سنایا اور بیان کر دیا کہ "میں تو جاتا نہ تھا بھائی عبداللہ ضد کر کے ساتھ لے گئے اور مجھے دوسرے گھر روٹی کھلائی۔ بلا تعلق مجھے اجنبی جگہ روٹی کھاتے جیسی شرم آئی ہے میرا ہی دل خوب جانتا ہے میں نے روٹی کیا کھائی، روٹی نے مجھے کھایا"

ساڑھے چھ سال کی آپکی عمر تھی یعنی ساتواں سال کم و بیش آدھا گزر چکا تھا کہ ایک عجیب قصہ پیش آیا جسمیں استقلال و توکل کی کرامت معنویہ کے ساتھ بچپن کے زمانہ کی کرامت حسیہ اور مقبولیت بارگاہ احدیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ابتدا سے نماز کے شوقین اور اس درجہ پابند تھے کہ کیسے ہی کھیل یا بچپن کے کسی تفریحی مشغلہ میں کیوں نہ مشغول ہوں نماز کے وقت فوراً ترک کرتے اور مسجد میں آکر اکثر باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ گویا آپ لڑکپن کے موسم ہی میں یہ مضمون سمجھ چکے تھے ؎ فکر ہر کار و بذکر اول ہی سے رکھنا چاہیئے۔

پیش دیس جس شخص نے سمجھا وہ آخر بن ہوا ۔ آپ قصبہ سے باہر ٹہلتے ٹہلتے جنگل کی جانب تشریف لے گئے شام کا سہانا وقت تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے دل کی بند کلیاں کھلا رہے تھے یہانتک کہ عالم کو منور کرنے والے آفتاب نے افق مغرب کے قریب پہونچکر حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے بندوں کے دروازۂ دل پر دستک دی اور کہا کہ چلو مسجد کی جانب لپکو کیونکہ مغرب کا وقت قریب ہے" حضرت مولانا گو مغل شش سالہ تھے مگر اپنے مولیٰ کی یاد میں گویا شیخ عبادت گذار تھے اسلئے فوراً گھر کی جانب پلٹے بیاسی کے پھولوں کی دو چھڑیاں ہاتھ میں تھیں اور مسجد کی جانب جلد جلد قدم اٹھا رہے تھے اول گھر پہنچے اور اس سے کہکر کہ "اماں جلدی ان چھڑیوں کو رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں" جھپٹے ہوئے مسجد میں آداخل ہوئے۔ باوجود اس عجلت کے یہاں

جماعت کھڑی ہو چکی تھی وضو کے لئے پانی لینے کنوئیں پر گئے تو لوٹے خالی پائے دیر میں دیر اور ہوئی غرض گھبرا کر پانی کھینچنے کے لئے ڈول کنوئیں میں ڈالا دل نماز میں تھا اور ہاتھ ڈول رسّی پر درمیان شرکت جماعت میں تھا اور نگاہ کنوئیں کی من پر ایک پریشان حالت تھی جس میں ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے کہ رسّی پاؤں میں الجھی اور حضرت مولانا دھم سے کنوئیں میں گر گئے۔

کنوئیں کی من کے اوپر سے گرے کنوئیں میں گرنے کا دھیان کیجئے اور حق تعالیٰ کی محافظت نگہبانی تو دیکھئے کہ اس یوسف ثانی کا بال بھی بیکا نہوا کیونکہ آپ کنوئیں میں جس وقت گرے ہیں پانی نے اپنی گود پھیلا کر آپ کو لیا اور آہستہ سے جھکولا دیکر نیب کی اس جڑ پر بٹھا دیا تھا جو تہہ میں جمی اور سطح پر ابھری ہوئی تھی۔

حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب کا یہ بیان ہے کہ چونکہ ڈول رسّی آپ کے ساتھ ہی کنوئیں میں گئی تھی اسلئے قدرت نے ڈول کو الٹا کر کے آپ کو اُس پر بٹھا دیا اور آپ بآرام اس طرح تیرتے رہے جس طرح کسی چھوٹی سی ڈونگی کے ملائم گدّے پر کوئی شخص بیٹھکر پانی کی سیر کرے بہرحال اختلاف روایت ہمارے اصل مطلب کے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ نتیجہ ہر دو صورت میں یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قدرتی حفاظت کے گہوارہ میں آپ کو جگہ دی اور ظاہری اسباب کے توسط بغیر آپ کے بدن پر مطلق آنچ نہیں آنے دی جس وقت آپ کے گرنے کی آواز اور دھماکا ہوا ہے مغرب کی ایک رکعت ہو چکی تھی۔ نمازیوں کو دو رکعت کا پورا کرنا دشوار ہو گیا آخر سلام پھیر کر لوگ کنوئیں کی جانب لپکے اور حضرت کے دادی صاحبہ کے بھائی سید فیض علی صاحب نے کہا کہ "یہ گرنے والا تو رشید احمد معلوم ہوتا ہے"

نماز کے بعد کنوئیں کی من پر ایک جمعیۃ لگ گئی اور مجمع ہو گیا لیکن سب ایک دوسرے کا منہ تکتے اور پریشان حال ہکا بکا کھڑے کنوئیں کو جھانک رہے تھے کہ اندر سے آواز آئی "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں" غرض پیڑھا ڈالکر آپ کو جس وقت باہر نکالا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سی خراش کے علاوہ کسی حصۂ بدن پر مطلق چوٹ نہیں آئی۔ اس قصہ سے استقامت و استقلال اور مصیبت سے نہ گھبرانا اطمینان سے بیٹھا رہنا جماعت کے ختم ہونے اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کا منتظر رہنا کشایش و فرج من اللہ کا انتظار دوسروں کو اطمینان دلانا خدا پر توکل و اعتماد اور مقدمات عبادت میں تکالیف کا ایسا تحمل کہ کلمۂ شکایت زبان پر نہ آئے وغیرہ وغیرہ اُمور آفتاب روشن کی طرح ظاہر ہو رہے ہیں جنکا علیحدہ علیحدہ پایا جانا بھی مستقل خوش قسمتی پر دال ہے یہی ہے معنی "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" کے اور یہ مطلب ہے "پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے" کا۔

اس قصہ کے بعد جب حضرت مولانا کے والد جناب مولوی ہدایت احمد صاحب بقریب چھ ماہ رخصت آٹھ ماہ کلکتہ سے تشریف لائے تو مکتب کے سب بچوں کا امتحان لیا جن میں حضرت مولانا بھی شامل تھے چونکہ یہ سارے بچے ایک میانجی کے شاگرد اور نماز کا قاعدہ سیکھتے تھے اس لئے اسی میں امتحان ہوا اتفاق سے التحیات خود میانجی صاحب کو غلط یاد تھی اسلئے بچوں میں جس بچہ نے بھی سنائی برکاتہ کو بہ تشدید رابرّ کاتہٗ پڑھا مولانا ہدایت احمد صاحب نے اسکی تصحیح فرمائی اور کہا کہ برَکاتہٗ پڑھو سوائے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے باقی سارے بچوں نے بہ تمرد انکار کر دیا اور جواب دیا کہ ہم تو وہی پڑھیں گے جو ہمارے اُستانی نے پڑھایا ہے ہاں حضرت مولانا نے گردن جھکالی اور فرمایا کہ جو صحیح ہے ہمیں وہی ماننا چاہیے کوئی کیوں نہ بتلائے "

حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سراپا رشاد الحکمۃ ضالۃ المومن اخذ ھا حیث وجدھا کا معنی خیز مفہوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی گویا سرشت میں داخل اور گھٹی میں پلایا گیا تھا جسکا نتیجہ یعنی اتباع حق اور تمرد و ضد سے انکار آپ کی طبیعت میں عمر بھر ہمیشہ قایم رہا یعنی تا زیست سچ کی تلاش و جستجو رہی اور جو مضمون ہدایت جسوقت اور جس طرح منکشف ہوا اوسکو سر پر رکھ لینے میں کبھی عار نہ آئی مولانا ہدایت احمد صاحب کا یہ سفر دنیا آخری سفر اور وطن کا پھیرا زندگی کا آخری پھیرا تھا اس ہشت ماہہ رخصت کے چھ ماہ وطن مالوف یعنی قصبہ گنگوہ میں گزار کر جب مولانا گنگوہ سے کھپور روانہ ہوئے تو صرف چند ہفتہ حیات رہکر عالم آخرت کی جانب راہی ہوئے گویا عارضی و ناپائدار وطن دنیاوی سے مراجعت فرماتے ہی آخرت کے لمبے سفر کی طیاری فرمادی اور جلت کے ختم ہونے سے قبل قبل سچے اور پائدار گھر اور ہمیشہ ہمیش کے اخروی وطن کی جانب متوجہ ہوئے اور دار الخلد کو مسکن بنا کر گور کھپور ہی میں دفن کئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ ولیہ خدا تھیں باوجود عورت ذات ہونے کے عورتوں جیسی ضعیف الاعتقادی بال اور بچوں پر دین و ایمان کی بربادی کو پاس بھی نہیں آنے دیا عقاید اسلام میں مضبوط ہونے کے ٹوٹکوں سے طبعاً متنفر و مخالف دیندار و پرہیزگار عورت تھیں اور کیوں نہ ہوتیں آخر ایسے قطب وقت کی حاملہ و مرضعہ بننے والی تھیں جس سے لکھوکھا مخلوق کو ہدایت و رہنمائی اور دین میں استحکام و مضبوطی کی تعلیم حاصل ہونی مقدر ہو چکی تھی

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی طفولیت کا یہ واقعہ خود بیان کیا تھا کہ میری والدہ مرحومہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ رشید احمد جب تو بچہ تھا تو مجکو اللہ بخش جن نظر آیا تھا میں نے دیکھا کہ وہ تیری

چارپائی کے پاس آنکھ کھڑا ہو گیا اور مجھسے کہا کہ تو فلاں مزار پر عطر کے پھوئے چڑھا ورنہ میں تیرے لڑکے کو مار ڈالونگا والدہ فرماتی تھیں کہ میں نے اُس سے کہا کہ اچھا مار ڈال تیرے سامنے لیٹا تو ہے" گنگوہ میں شاہ داؤد شاہ صادق صاحب کا مزار ہے وہاں ایک طاق پر الہ بخش کے نام کے چڑھاوے چڑھتے اور عطر کے پھوئے چڑھائے جاتے ہیں والدہ فرماتی تھیں کہ جب کبھی الہ بخش نظر آتا اور یہ دھمکیاں نہ دیتا اور ڈرا دے دکھاتا تھا میں تو اُسکو یہی جواب دیتی تھی کہ میں تو ہرگز بھی نہ چڑھاؤنگی گر تجھسے مارا جائے تو مار ڈال اس کو رنے اور صاف جواب پر بھی تیرا بال بیکا نہ کر سکا اور مارنا تو مارنا تجھے ڈرا بھی نہ سکا۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ چونکہ بچپن ہی سے بالطبع سلیم القلب اور شیدائے سنت تھے اسلئے کبھی آپنے اپنے مکان میں کوئی تصویر نہیں رہنے دی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ساڑھے چار برس چھوٹی آپکی صرف باپ شامل علاتی بہن امۃ الحق بچپن میں گڑیاں کھیلتی تھیں حضرت قدس سرہٗ جسوقت باہر سے تشریف لاتے تو گڑیوں کو توڑ مروڑ کر پھینک دیا کرتے تھے۔

غرض حضرت مولانا قدس سرہٗ آخر عمر میں جسدرجہ پر پہونچنے والے تھے اُسکے آثار ابتداہی سے ایسے واضح تھے کہ صاحب فراست شخص اُسی زمانہ میں بہتیرا کچھ سمجھ سکتا تھا حضرت نے ایک مرتبہ خود ہی اثنا مواعظ حسنہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپ کو کہتا ہوں حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا اور جمعہ کا وقت آجاتا تو کھیل کو چھوڑ کر چلا آتا اور لڑکوں سے کہدیتا تھا کہ ہمنے اپنے ماموں صاحب سے سُنا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا (جہاں جمعہ فرض ہو) منافق لکھا جاتا ہے لوگوں کو کہتا ہوں آخر مسلمان ہیں خدا رسول پر تو یقین ہوہی گا پھر ایسے غافل کیوں ہیں"؟ مجمع میں سے کسی شخص نے کہا کہ حضرت یہ بدعتی لوگ فرمایا کہ نہیں دنیادار آدمیوں کا ذکر ہے" اِس مضمون سے اُس قلبی صلاحیت اور نسبت کی استعداد و قابلیت کا اندازہ کیجئے جسپر بہتیری مخلوق سلطنت لٹانا چاہتی ہے اور پھر حاصل نہیں ہوتی۔

سات سال کی عمر میں سب سے پہلا صدمہ آپکو اپنے والد ماجد کا اٹھانا پڑا اور چند ہی سال بعد چھوٹے بھائی سعید احمد مرحوم کا آپ نے کمر اور ہاتھ دونوں کی شکستگی کو مردانہ وار برداشت کیا اور بالکلیہ ماں کی اطاعت میں ہر وقت لگے رہے ادہر دادا کو مربی اور سرپرست سمجھا اُدھر غنجو ارماموں مولوی عبد الغنی کو باپ کی جگہ تصور کیا۔ تعلیم میں ہمّت صرف کی اور طبعی شوق سے بلا کسی کے سمجھائے بجھائے ڈانٹے ڈپٹے تہذیب نفس اور اصلاح حال میں مشغول رہے۔

تربیت و تکمیل شریعت

حضرت مولانا قدس سرہٗ کے والد ماجد جناب مولانا ہدایت احمد صاحب مرحوم کا جس وقت گوکھپور میں انتقال ہوا اس وقت حضرتؒ کی عمر چند ماہ اوپر سات برس کی تھی۔ باپ کا سایۂ عاطفت و ظل تربیت سر سے اٹھنے کے بعد آپ کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحب نے آپ کی پرداخت کی۔ آپ کے چار حقیقی ماموں تھے جن میں سب سے بڑے جناب مولانا محمد نقی صاحب جو حضرت کے خسر بھی ہیں اور منجھلے مولوی محمد تقی صاحب اور منجھلے جناب مولوی عبد الغنی صاحب یعنی مولوی ابو النصر صاحب کے والد اور سب سے چھوٹے مولوی محمد شفیع صاحب جو حضرتؒ سے آٹھ سال بڑے ہیں۔ ان چاروں ماموؤں میں مولوی عبد الغنی صاحب کو اپنے یتیم بھانجہ کے ساتھ بہت ہی محبت تھی گویا یوں سمجھئے کہ مولوی عبد الغنی صاحب کے نزدیک مولوی ابو النصر اور مولانا رشید احمد صاحب میں کوئی فرق نہ تھا۔ اسی تعلق بیگانگت نے مولانا مولوی ابو النصر صاحب کے تعلق کو حضرت قدس سرہٗ کے ساتھ کئی زنجیروں میں جکڑا تھا کیونکہ ان کے والد نے جو حضرت کے باپ کے قائم مقام تھے اپنے شکستہ اور یتیم بھانجہ کی خاطر عاطر پر کبھی میل نہیں آنے دیا مولوی ابو النصر صاحب جنکو ماموں زاد بھائی ہونیکے علاوہ حضرت کی خالہ یعنی حکیم مسعود احمد صاحب کی والدہ مرحومہ کے دودھ شریک بھائی ہونیکا رشتہ بھی تھا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت زیادہ اتحاد تھا۔ گو عمر میں مولوی ابو النصر صاحب حضرتؒ سے صرف دو سال چھوٹے ہیں مگر ہر وقت کے انیس و جلیس و ندیم و رفیق و شفیق یار غار رہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرتؒ بچپن کے زمانہ میں بھی اسی کھیل کے شوقین تھے جسمیں شجاعت و مردانگی پائی جائے لہو و لعب سے طبعاً متنفر تھے۔ محمد ابراہیم صاحب مرحوم جو اس زمانہ طفولیت میں حضرتؒ کے یار تھے فرمایا کرتے تھے کہ میاں مولانا رشید احمد اب جو کچھ ہیں اسکے لئے تو چشم بصیرت درکار ہے ابتداء عمر میں بھی انکی یہ کیفیت تھی کہ جو کام کرتے وہ متانت و سنجیدگی کے ساتھ کرتے تھے اور مجھے کبھی یاد نہیں پڑتا کہ مولوی صاحب کے کھیل یا تماشہ میں شریک ہوئے ہوں اور اگر ہمجولیوں کے اصرار سے کبھی ساتھ بھی ہو لئے تو ایک طرف بیٹھ جاتے اور یوں کہدیا کرتے تھے کہ تم سب کھیلوں میں تمہارے کپڑوں کی حفاظت کروں گا" علاوہ ازیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ بچوں کی طرح کبھی کھل کھلا کر ہنسے ہوں یا قہقہہ مارا ہو اگرچہ مولوی صاحب ہمارے ہم سن تھے مگر ہم سب اہل جلسہ پر آپکا رعب تھا جیسا کسی حاکم کا اپنے ماتحتوں پر ہوتا ہے یہانتک کہ اگر ہم کبھی کسی واہیات یا بیہودہ کھیل میں

مصروف ہوتے اور مولانا آجاتے تھے تو سارے جلسہ کو وہ مشغلہ چھوڑ کر مؤدب ہو بیٹھنا پڑتا تھا"

آپ بچپن میں بھی نہایت خوش الحان تھے مگر واہیات اشعار کے پڑھنے یا بچوں کی طرح گلی کوچوں میں گاتے پھرنے کے کبھی روادار نہیں ہوئے آپ کی خوش الحانی کی وجہ سے آپ کے رفقاء و احباب کی آپ سے فرمائشیں ہوا کرتی تھیں کہ کچھ پڑھکر سنا دو مگر آپ اکثر گریز فرماتے تھے ہاں جب اصرار زیادہ ہوتا تو کوئی نظم خصوصاً قصیدہ ابراہیم بن ادہم خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے اور جلسہ کو محظوظ فرمایا کرتے تھے آپ کے ان اشعار پڑھنے پر اہل جلسہ کی حالت غیر ہو جاتی اور وجد طاری ہو کر بیخود اور گریہ کے غلبہ سے مدہوش و بیتاب بن جاتے تھے

اس نوعمری ہی کے زمانہ میں حضرت قدس سرہ نے فارسی کرنال میں اپنے منجھلے ماموں مولوی محمد تقی صاحب مرحوم سے پڑھی جو فارسی میں مسلم الثبوت استاد تھے پس مولوی محمد تقی صاحب ماموں ہونے کے علاوہ چونکہ استاد بھی تھے اسلئے حضرتؒ انکا بہت ہی لحاظ و ادب ملحوظ رکھتے تھے اور مولانا محمد تقی صاحب ذہانت و ذکاوت کی تعریف اور فطانت و فہم کی توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فارسی کا کچھ حصہ مولوی محمد غوث صاحب سے بھی پڑھا ہے۔

علم فارسی سے فارغ ہونے کے بعد آپکو عربی کا شوق ہوا اور آپنے ابتدائی صرف و نحو کی کتابیں جناب مولوی محمد بخش صاحب رامپوری سے پڑھیں۔

رامپور چونکہ حضرت قدس سرہ کی دادھیال اور آپکے دادا قاضی پیر بخش صاحب کا اصل مسکن تھا اسلئے روحانی تربیت کا سلسلہ اُدھر منتقل ہوا۔ مولوی محمد بخش صاحب رامپوری حضرت کے نہایت ہی شفیق استاد تھے حضرت کو حزب البحر کی اجازت اقرب طرق سے یقیناً اور دلائل الخیرات کی نیابۃً ان ہی مولوی محمد بخش صاحب سے ملی ہے۔ ابتدائی کتب نحو و صرف پڑھانے کے بعد مولوی محمد بخش صاحب نے حضرتؒ کو ترغیب دی کہ علم عربی کا مکمل اور دینیات کی تحصیل کے لئے چونکہ وطن سے مہاجرت ضروری ہے اسلئے بسم اللہ کر کے دہلی چلے اور وہاں درسیات پوری کیجئے یہ قصہ ۱۲۶۱ھ ہجری کا ہے جبکہ حضرت کو دنیا میں تشریف لائے سترھواں سال تھا اسوقت آپ ہدایۃ النحو پڑھتے تھے چنانچہ آپ نے دہلی کا سفر کیا اور مولوی قاضی احمد الدین صاحب پنجابی جہلمی سے سبق شروع کیا۔ ہندوستان کا دارالخلافت شہر دہلی اُس زمانہ میں معدن علم و کمال تھا حجۃ اللہ البالغہ حضرت شیخ الشیوخ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے لگائے ہوئے شاداب باغ اور درخت اپنی بہار پر تھے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے سچے جانشین

مولانا محمد احسان صاحب نانوتوی

اور نواسے یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد اسحاق صاحب مرجع خلائق بنے ہوئے تھے کہ یکایک دونوں حضرات نے ۱۲۵۷ھ ہجری میں ہجرت کا عزم فرمایا اور غالباً ماہ ذی قعدہ میں روانہ ہوگئے دہلی میں اندھیرا چھا گیا اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔

اب اس دہلوی خانقاہ کی یادگار میں شاہ عبدالغنی صاحب و شاہ احمد سعید صاحب کے علاوہ صرف ایک شخص یعنی جناب مولانا مملوک العلی صاحب کا دم رہگیا جو اجمیری دروازہ عربک ہائی اسکول کے مدرس اول تھے۔ مولانا مملوک العلی صاحب کو ان مہاجرین کا ساتھ چھوڑنا نہایت شاق تھا چنانچہ خفیہ تدبیر اور کوشش سے ایک سال کی رخصت حاصل کی مگر معیت نہ ہوسکی آخر ۱۲۵۸ھ ہجری میں وطن سے روانہ ہوئے اور یکم ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہوکر برس دن میں پھر دہلی پہنچے اسوقت یہ سفر جلد طے ہونے میں عجیب سمجھا گیا۔ مولانا شاہ مملوک العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ رخصت یکسالہ بوضع نصف تنخواہ حاصل ہوئی اور تا زیست اسی مدرسہ میں درس دیا۔

مولانا مملوک العلی صاحب کی حجاز سے واپسی ایسے تنگدستی پر ہوئی کہ رخصت کے دن پورے ہوچکے تھے اسلئے وطن نہ آسکے سیدھے دہلی پہنچے جب سالانہ چھٹی ماہ ذی الحجہ میں ہوئی تو وطن یعنی نانوتہ ضلع سہارنپور میں تشریف لائے اور ایام تعطیل ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو پڑھانے کیلئے اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشہور اُستاد یہی استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ہیں جنکی خدمت میں ہر دو شمس و قمر کو ایک زمانہ میں مدت تک حاضر رہنے اور نخلستان علم کی خوشہ چینی کا اتفاق رہا۔ حضرت مولانا محمد قاسم العلوم تو ۱۲۶۰ھ ہجری ہی میں استاد الکل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی آئے تھے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو ۱۲۶۱ھ ہجری میں دہلی پہنچنے کا اتفاق پیش آیا۔ آپ اول دہر چند علماء کے درس میں جاتے اور طبیعت کا اطمینان فرماتے رہے کہیں تشفی بخش جواب ملتے ہیں اور کس جگہ دل کو تسلی و اطمینان حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ قدرت کو یک جان دو قالب بزرگوں کو عمر بھر کا زندگی میں اور غیر متناہی زمانہ کا آخرت میں رفیق بنانا منظور تھا اسلئے کہیں آپ کا دل نہ لگا کسی اُستاد کی تقریر میں اختصار مخل پایا اور کہیں تطویل عمل کسی جگہ شبہات کے جوابات کافی نہ ملے اور کہیں اپنا ہی دل نہ لگا اور خود بخود طبیعت اُچاٹ ہوئی آخر اسی ردوبدل اور دیکھ بھال میں آپکو مولانا مملوک العلی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور آپ سبق میں شریک ہوئے۔ یہاں پہنچنا تھا اور دل کا لگنا اسلئے کہ آپکی تیز طبیعت اور خداداد

سمجھ جس درجہ کے قابل اُستاد کی متمنی تھی وہ آپ کے ہاتھ لگ گئے۔ قابل اُستاد کا قاعدہ ہے کہ ذکی طالبعلم کو ڈھونڈھتا ہے اور سمجھدار طالبعلم کا دستور ہے کہ قابل اُستاد کی ٹوہ لگاتا ہے اسلئے ہر دو جانب سے دلی راحت کے سامان پیدا ہو گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخر تک ہیں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔

اس زمانہ کے دیکھنے والے متفق اللسان اس بات کے قایل ہیں کہ حق تعالیٰ نے فلک علم کے تیرن کو وہ ذکاوت عطا فرمائی تھی کہ میر زاہد قاضی صدر الشمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے کہیں کوئی لفظ دریافت کرنا ہوتا تو دریافت کر لیتے تھے باقی ترجمہ تک بھی نہیں کرتے تھے۔ مولانا کے دوسرے شاگردوں کو یوں خیال ہوتا تھا کہ کچھ سمجھتے نہیں یوں ہی ورق گردانی کرتے اور کتابوں کے ختم کر لینے کا نام چاہتے ہیں چنانچہ کسی نے حضرت مولانا سے کہہ بھی دیا مگر مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ جواب دیا کہ "تمہاں میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا" اور واقعی اُستاد الکل حضرت مولانا مرحوم کے سامنے بے سمجھے طالب علم کا چلنا مشکل تھا کیونکہ مولانا طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں؟

حضرت قدس سرہٗ اپنے ہم عمروں اور ہم سبقوں میں ہمیشہ سب سے زیادہ ممتاز اور سربرآوردہ رہے آپ کی ذہانت و صلاحیت خداداد کے باعث ہر اُستاد کی آپ پر نظر عنایت و شفقت رہی یہانتک کہ اگر کبھی کسی عذر کے باعث آپ درس میں تشریف نہ لاتے تو شفیق اُستاد قیامگاہ پر جاتے اور بیمار ہوتے تو عیادت فرمایا کرتے تھے غرض چند سال دہلی میں رہکر آپنے سب علوم درسیہ کی تکمیل بوجہ احسن کی دہلی میں علوم عقلیہ کے اندر آپ کے دو اُستاد جناب مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ البتہ حدیث اپنے قدوۃ العلماء زبدۃ الصلحاء حضرت مولانا المولوی شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ العزیز سے پڑھی شاہ صاحب بڑے پایہ کے شخص تھے علم ظاہری و باطنی میں شہرۂ آفاق علماء و صلحاء میں زبدہ و خلاصہ مشہور فقیہ اور معروف محدث تھے صحاح میں ابن ماجہ کا تحشیہ بنام انجاح الحاجہ شاہ صاحب ممدوح ہی کا ہے آپنے وصال سے چند سال قبل غدر کے قصہ میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مدینۃ النبی کو جائے قیام بنایا اور اکثر حرم اطہر میں مستغرق و مراقب رہتے تھے تادمِ خائف و ترساں روضۂ اطہر سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتے اور زائرین کے شور و غل مچانے پر یکدم کانپ اُٹھتے اور نہایت آہستہ آواز میں یوں فرمایا کرتے "صاحبو شور نہ کرو دیکھو رسول اللہ

اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم صاحب نے مولانا مملوک العلی صاحب سے

صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں" مدینہ المنورہ میں آپ درس بھی دیتے اور حدیث پڑھاتے تھے حجازی علماء اور اطراف عالم کے محدثین نے آپ کے علمی پایہ اور فن حدیث کے تبحر و علو مرتبت کو مان لیا تھا آخر جوار رسول میں بتاریخ ۶ محرم الحرام ۱۲۹۵ھ ہجری بعمر ۶۰ سال وصال فرمایا اور جنت البقیع میں قبہ عثمانی کے متصل مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ۔

شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ سلسلہ طریقت میں اپنے جد بزرگوار مجدد الف ثانی حضرت سید احمد صاحب سرہندی قدس سرہ کے طریقہ النقشبندیہ المجددیہ کے تمسک اور اپنے والد ماجد حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ سے مجاز تھے۔ آپکا سلسلہ نسب اور اسناد سلوک و اخذ طریقت آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے شیخ عبدالغنی بن ابی سعید بن صفی القدر بن عزۃ القدر بن محمد یحییٰ بن سیف الدین بن محمد معصوم بن احمد العمر السہتری قدس اللہ اسرارہم اور سلسلہ نسب فقہ حضرت امام الطریقۃ المجددیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یوں ہے شیخ احمد بن عبدالاحد ابن زین العابدین بن الشیخ عبدالحی بن الشیخ محمد الی الناصر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پس شاہ صاحب کو اس بجانب و شرافت نسبی پر کہ عمری فاروقی ہیں جو کچھ بھی ابناء زمان پر شرف حاصل تھا وہ ظاہر ہے۔

حدیث بھی آپنے زیادہ تر اپنے والد ماجد و حامی مربی پیر طریقت شیخ وقت حضرت ابو سعید رامپوری قدس سرہ سے پڑھی ہے آپکی اسناد متعدد طرق سے بالتفصیل بالغ الجنی میں درج ہے مختصر عرض کرتا ہوں موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ ابو داود۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ بالاستیعاب والد ماجد سے پڑھی اور بخاری شریف مرۃ و سماعاً شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ اسحاق صاحب اور آپکے والد شاہ ابو سعید صاحب دونوں شاگرد ہیں شاہ عبدالعزیز بن شاہ عبدالرحیم العمری قدس اللہ اسرارہم کے ہر دو سلسلہ سے آپکی اسناد حدیث تیسرے پشت پر جمع البانغہ جا ملتی ہے

مشکوٰۃ آپ نے شاہ رفیع الدین صاحب بن شاہ ولی اللہ کے صاحبزادہ حضرت مخصوص اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھکر سنائی تھی۔ مدینۃ المنورہ میں آپنے بخاری شریف کا کچھ حصہ تبرکاً الشیخ الحافظ المحدث محمد عابد الانصاری السندی ثم المدنی کو پڑھکر سنایا۔ اور حافظ صاحب نے جملہ صحاح کی اجازت آپکو عطا فرمائی اور اپنے ہاتھ سے سند لکھکر دی تھی۔ مقدس مدینۃ الرسول ہی میں شیخ اسمٰعیل بن ادریس الرومی نے آپکو اپنی طرف سے روایت احادیث صحاح کی اجازت کلیۃً عطا کی پس معلوم ہوا کہ علم حدیث میں آپکے اساتذہ و مشائخ پانچ حضرات ہیں یعنی آپکے والد حضرت ابو سعید شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ اسحٰق شاہ رفیع الدین صاحب کے صاحبزادہ شاہ مخصوص اللہ انصاری نبیرہ حضرت محمد عابد اور پانچویں شیخ اسمٰعیل

بن ادریس رومی جو مقدونیہ کے باشندے اپنے زمانہ کے علامہ تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

اسی سلسلہ اسناد میں حضرت امام ربانی کا واسطہ ڈال لیا جائے اور شاہ ولی اللہ فاروقی قدس سرہٗ کی اسناد الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو مشہور و معروف اور ہندوستان کے ہر ولدی کو معلوم ہے شامل کر لیجائے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کے تلامذہ کی اسناد حدیث مکمل ہو جائیگی۔

شاہ صاحب کے درس میں بھی ذکاوت طبع کے اندیہی دونوں نونہال چمنستان دین خلاصہ جماعت تھے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شاہ صاحب کو اپنے شاگردوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کے ساتھ تھی اور مریدوں میں مورد عنایات خاصہ حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ عالیہ اسلامیہ تھے رحمۃ اللہ علیہم۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا قدس سرہٗ سخت خارش میں مبتلا ہوئے یہانتک کہ دو تین روز سبق میں بھی نہ جا سکے شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خبر پاکر عیادت کو تشریف لائے اور آپکی تکلیف دیکھکر رونے لگے اس قصہ سے اساتذہ کی اس مہربانی و محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو انکو حضرت مولانا کے ساتھ زمانہ طالبعلمی میں تھی۔ یہ طالبعلمی کا سارا زمانہ گنگوہی و نانوتوی آفتاب و ماہتاب کا توام قریب یکجا اور یک جہتی کے ساتھ گذرا کبھی کسی مسئلہ میں دونوں حضرات کی باہم بحث بھی ہو جاتی اور گھنٹوں تک رہا کرتی تھی ان دونوں مشہور طالبعلموں کا مباحثہ کچھ ایسا نہوتا تھا جسکو دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا جاتا اساتذہ بڑے شوق اور تعجب سے اس بحث کو سنتے اور سراپا کان ہو کر اس جانب متوجہ ہو جاتے تھے کبھی لوگوں کے ٹھٹ لگ جاتے اور خاص و عام کا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ جانبین سے وہ وہ نکتہ سنجیاں اور باریک بینیاں ہوتی تھیں کہ باید و شاید ایک بار ایک استاد نے دونوں کی گفتگو سنکر یوں فیصلہ فرمایا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ابتداءً ہم دہلی میں دوسرے اساتذہ سے پڑھتے تھے لیکن تسکین نہیں ہوتی تھی کہیں سبق تھوڑا ہوتا تھا کہیں شبہات کا جواب نہ ملتا تھا مگر جب مولانا مملوک العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو اطمینان ہو گیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کر لیں گویا استاد نے گھول کر پلا دیا فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اچھے اچھے استاد دہلی میں موجود تھے مگر ایسے استاد کا مطلب پوری طرح ان کے قابو میں ہوا اور نوع مختلفہ سے تقریر کر کے شاگرد کے ذہن نشین کر دیا ایک

ہمارے استاد مولانا مملوک العلی صاحب اور دوسرے ہمارے استاد مفتی صدرالدین صاحب تھے رحمۃ اللہ
حضرت مولانا قدس سرہٗ کو حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہٗ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل تھا چنانچہ
حضرت اکثر دہلی کے قصے بیان فرماتے اور بارہا متعدد تذکروں سے حاضرین مجلسہ کو محظوظ فرمایا کرتے تھے ایک
مرتبہ مولوی ولایت علی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شاہ احمد سعید صاحب نے مائۃ مسائل مولانا اسحٰق صاحب
کا رد لکھا ہے اور وہ چھپ گیا ہے اسپر حضرت نے فرمایا کہ شاہ صاحب سے تو بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواب لکھیں
ہاں یہ ممکن ہے کہ مائۃ مسائل کے دو چار مسئلوں سے انکو خلاف ہو مگر یہ کہ سب سے خلاف ہو اور دلکھیں سمجھ میں
نہیں آتا کہ انکو حلقہ وغیرہ سے کب فرصت تھی اسی لئے سبق بھی ان کے یہاں کم ہوتے تھے استغراق کا یہ حال
تھا کہ ایک شخص ماشاء اللہ خاں نامی بوڑھا آدمی ہمیشہ سے ان کے ساتھ رہا اور انکی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا
مگر داڑھی منڈی رکھتا تھا کسی شخص نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ ماشاء اللہ خاں داڑھی منڈواتا
ہے اور برابر آپکی مجلس میں آیا کرتا ہے شاہ صاحب نے تعجب سے فرمایا کہ "اچھا وہ ایسا کرتے ہیں اب آئیں گے
تو منع کرونگا تھوڑی دیر کے بعد خانصاحب جو حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا
خانصاحب تم داڑھی منڈاتے ہو؟ خانصاحب نے جواب دیا کہ حضرت میری داڑھی ابھی نکلی کہاں ہے؟
شاہ صاحب کو فوراً الیقین آگیا اور فرمایا ہاں سچ ہے اور شکایت کرنے والوں سے کہا کہ میاں ابھی
اسکے داڑھی نکلی ہی کہاں ہے" ایک مرتبہ کسی بدعتی نے بادشاہ سے جاکر کہا کہ ان وہابیوں کو قلعہ میں آنے
نہ دیجئے دیکھئے ہم ان لوگوں کو بلاکر حضور کے سامنے مناظرہ کراتے ہیں آپ خود سن لیں گے کہ یہ لوگ کیسی
واہیات باتیں کرتے ہیں اسکے بعد وہ شخص شاہ احمد سعید صاحب اور چند دیگر علماء مخالف و موافق کے
پاس آیا اور وقت مقررہ پر قلعہ میں چلنے کو کہہ گیا شاہ صاحب نے بھی چلنے کا وعدہ کرلیا اور اس قصہ کی آپ کے
چھوٹے بھائی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کو کچھ خبر نہیں الغرض جب شاہ احمد سعید صاحب کے لینے کو سواری
آئی تو اسوقت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ کہاں قلعہ میں تشریف لے جاتے ہیں؟ قلعہ میں تو
ابتک اس خانقاہ سے کوئی صاحب نہیں تشریف لے گئے بلکہ خود سلاطین حاضر ہوتے رہے ہیں" حضرت
احمد سعید صاحب نے فرمایا اچھا نہ جاؤنگا اور سواری واپس کردی۔

اُس زمانہ میں دہلی کے اندر مولود کے بڑے جھگڑے پڑ رہے تھے ان ہی دنوں جناب مفتی صدرالدین
صاحب مرحوم ایک مضمون جواز قیام کا لکھکر شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں لائے اور پڑھکر سنایا

شاہ صاحب نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے اتفاق سے جلسہ میں شاہ عبدالغنی صاحب بھی موجود تھے مفتی صاحب انکی طرف بھی مخاطب ہوئے گویا ان سے بھی داد لیا چاہتے تھے تب شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ ان باتوں کو کون منع کرتا ہے کہ ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نہیں جائز انکا تو اسپر ہے کہ اگر قیام تعظیم مدنظر ہے تو پھر اسکی کیا وجہ کہ فقط ذکر ولادت شریف کے وقت قیام ہو اور وقت نہو بلکہ ذکر ولادت شریف بھی اگر مجلس مولود کے علاوہ دوسری جگہ ہو تو کوئی کھڑا نہو آپ ان باتوں کی دلیل لکھیں جنکا انکار ہے اس تقریر پر بھی شاہ احمد سعید صاحب نے یہی فرمایا کہ ہاں ٹھیک تو کہتے ہیں آخر مفتی صاحب بہکا بہکا کر گئے اور اپنی تحریر لیکر چلے گئے اسکے بعد حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ میں دونوں صاحبوں شاہ احمد سعید صاحب اور مفتی صاحب کا شاگرد ہوں مفتی صاحب نے اُس تحریر کو ایسا بند کر کے رکھا کہ پھر کبھی نہیں ظاہر کیا۔

اساتذہ کی حضرت مولانا قدس سرہ پر جسدرجہ عنایات اور شفقتیں تھیں اسکے ظاہر کرنیکو ایک قصہ نقل کرتا ہوں غدر کے بعد حضرت کو دہلی تشریف لانیکا اتفاق ہوا تو مفتی صدرالدین صاحب سے ملنے تشریف لیگئے۔ مفتی صاحب نہایت ہی شفقت و محبت سے ملے اور سب حالات پوچھنے لگے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب کو پوچھا کہ میاں قاسم کیا کرتے ہیں؟ آپنے فرمایا کہ مطبع میں تصحیح کرتے ہیں آٹھ یا دس روپے تنخواہ ہے۔ تو مفتی صاحب، نہایت تعجب کے ساتھ ران پر ہاتھ مار مار کر فرمانے لگے کہ "قاسم ایسا سستا قاسم ایسا سستا" پھر فرمایا کہ "فقیر ہو گئے فقیر ہو گئے" ان باتوں کے بعد نہایت محبت سے فرمانے لگے کہ "میاں رشید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اور تم کھانا ایک جگہ کھائیں" حضرت مولانا نے مناسب طریقہ جواب دیا اور آخر مفتی صاحب کے اصرار سے کھانا وہیں تناول فرمایا مفتی صاحب فرمانے لگے کہ "میاں رشید تم ہی اچھے ہو کہ تارک دنیا ہو گئے ہماری نوکری جائز نہیں تھی اور ہم خوب سمجھتے تھے کہ جائز نہیں مگر بزور علم اس کو جائز کہتے تھے"۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب نے حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی بابت دریافت کیا تو وہی سابق قصہ مفتی صاحب کا بیان فرمایا اور یہ بھی کہا کہ ایک بار شاہ صاحب نے مولود کیا پیچھے میں بھی اس میں شریک ہو گیا تھا اسکی حقیقت یہ تھی کہ مسجد میں اُسی بوریہ پر بیٹھے تھے جو ہمیشہ بچھتا تھا نہ فرش تھا نہ مٹھائی نہ خوشبو نہ اور تکلفات پھر کوئی کتاب کھولکر کچھ ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پڑھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے یہ تو مولود کی حقیقت تھی مگر اس میں بھی شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں شریک

ہوئے جنکی نسبت آجکل لوگ کہتے ہیں کہ شاہ عبدالغنی صاحب مولود کیا کرتے تھے۔

ایک شخص شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں حدیث کی اجازت لینے گئے اور اطراف سنانے بیٹھے تھے یہ شخص قاری تھے اور قاریوں کا دستور ہے کہ ہلکی آواز سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں حروف اچھی طرح ادا ہوتے ہیں اسوقت ان قاری صاحب کے پاس میں بھی بیٹھا ہوا تھا مگر وہ اسقدر آہستہ آواز سے پڑھتے تھے کہ میری بھی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا شاہ احمد سعید صاحب تو کیا سنتے ہونگے ادھر یہ صاحب اپنے پڑھنے میں مشغول تھے ادھر شاہ صاحب بھی کوئی دوسری کتاب کھولکر دیکھنے لگے یہ بھی فرمایا کہ اطراف سنانے آئے ہو اور پڑھتے ایسا ہو کہ خود ہی سنتے ہو گے غرض یہ تو اطراف پڑھکر روانہ ہو گئے اور شاہ صاحب نے کچھ نہ کہا۔

شاہ صاحب کا حکم ایسا تھا کہ ایک مرتبہ آپ سے ایک شخص نے جلالین کی اجازت چاہی اسکے بعد انکو وسوسہ ہوا کہ نہ معلوم شاہ صاحب کو خود بھی اجازت ہے یا نہیں پس رقعہ لکھکر شاہ صاحب سے اس بات کو دریافت کیا شاہ صاحب نے لکھ بھیجا کہ فقیر نے جلالین شاہ اسحٰق صاحب سے پڑھی ہے اور اُن ہی سے اجازت ہے

ایک دفعہ نواب قطب الدین خاں صاحب کے پاس شاہ صاحب کا لکھا ہوا کوئی مسئلہ گیا نواب صاحب نے اسکو شاہ صاحب کے پاس لوٹا دیا اور لکھا کہ یہ مسئلہ غلط لکھا گیا ہے میں تو ادب کی وجہ سے اسکو قلمزد نہیں سکتا آپ خود ہی اسکو مٹا دیں غرض جب وہ مسئلہ اور رقعہ شاہ صاحب کے یہاں پہنچا تو شاہ صاحب نے بیچون و چرا اسکو چاٹ لیا ان قصوں کے بعد حضرت مولانا قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بڑے مقدس لوگ تھے اب جسکا جی چاہے انہیں بدعتی کہے یا وہابی شاہ احمد سعید صاحب تو کسی کو رتبہ کرنا جانتے ہی نہ تھے جو کسی نے کہا "ہاں" سو اگر کسی نے کچھ لکھکر پیش کیا ہو اور آپ کا نام سپرد کرنیکو کہا ہو اور آپ نے ہاں کر لیا ہو اور پھر تحریر حضرت کے نام سے مشہور کر دی گئی ہو تو عجب نہیں ہے۔

حضرت قطب العالم قدس سرہٗ کو اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس اور تادب ملحوظ تھا۔ اکثر اپنے اساتذہ کے مناقب اور محاسن بیان فرمایا کرتے اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر لایا کرتے تھے شاہ احمد سعید صاحب پر ایک حالت کا غلبہ تھا جس میں شاہ صاحب معذور تھے حسن ظن۔ دلدہی۔ مروت اور سب سے زیادہ استغراق و محویت اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ مبتدعین کو بھی فی الجملہ اپنی کارسازی کا موقع ملجاتا تھا البتہ شاہ عبدالغنی صاحب کمال درجہ محتاط ورع متقی اور متین و سنجیدہ غیر مغلوب الحال شیخ تھے اسی وجہ سے شاہ عبدالغنی صاحب کے ساتھ حضرت مولانا کو بہت ہی زیادہ تعلق تھا اور اتباع و ارادت میں شاہ صاحب مدح

ہی کے حرکات و سکنات آپکو زیادہ پسند تھے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب کے یہاں جیسا کہ صوفیوں کا حال ہے کچی پکی سب طرح کی باتیں تھیں مگر شاہ عبدالغنی صاحب کا طریقہ نہایت صاف تھا۔ شاہ احمد سعید صاحب کے یہاں ختم تراویح میں چہل بنا ہوتی تھی اسلئے شاہ عبدالغنی صاحب آخر کی دو رکعتوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک بار حرام و حلال کا کچھ تذکرہ تھا حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب حالانکہ بڑے ہی محتاط شخص تھے مگر اسپر بھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ بچا نہیں جاتا" حضرت شاہ صاحب کے احتیاط و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مفتی صدرالدین صاحب نے ایک کتاب شاہ صاحب کے یہاں سے منگوائی لوٹاتے وقت اس کتاب کی جلد کہنگی کے باعث خراب ہوگئی تھی اسلئے مفتی صاحب نے اسکی نئی جلد بندھوا کر شاہ صاحب کے پاس کتاب کو واپس کیا اور لیجانے والے سے کہدیا کہ شاہ صاحب سے عرض کر دینا کہ موچی دوکانوں کے کرایہ سی جلد بندی کی اجرت دی گئی ہے تنخواہ میں سے نہیں دی گئی (مفتی صدرالدین صاحب سرکاری ملازم بعہدہ صدرالصدور مامور تھے اور اسکی تنخواہ فقہ سے ناجائز ہے) اسوقت تو شاہ عبدالغنی صاحب نے کتاب رکھ لی مگر دوسرے دن جلد توڑ کر علیحدہ کر دی ایکبار ان حضرت سے ملانے مفتی صدرالدین صاحب کا تذکرہ فرمایا کہ مرض الموت میں جب مفتی صاحب پر فالج گرا تو خوف الٰہی اسقدر غالب ہوا کہ برابر دعا کرتے اور جب کوئی شخص عیادت کیلئے پاس جاتا تو فرمایا کرتے تھے کہ بھائی تمام عمر میری حرام خوری میں گذری اگرچہ میں علم کے زور سے لوگوں کو منوا دیتا تھا بھلا پھر نجات کی صورت کہاں"؟ یہ الفاظ فرماتے اور بے اختیار روتے تھے اگر کوئی شخص تسکین و تشفی کی غرض سے کوئی آیت بشارت سناتا تو فرماتے کہ ہاں یہ میں بھی جانتا ہوں مگر اسکے مقابلہ پر آیات وعید بھی تو بہت ہیں"

چونکہ اس مقام پر حضرت کے اساتذہ رحمہم اللہ کی سوانح لکھنی مقصود نہیں صرف سوانح رشیدیہ کا جزو بنانے کے لئے حضرت کا طالبعلمانہ زمانہ دکھانا مطلوب ہے سو اس سے نظر آچکا کہ آپنے اپنی ذکاوت طبعی و سعادت قلبی کے باعث تمام اساتذہ کو اپنا والہ و عاشق بنا لیا تھا اور قدرت نے خود انتخاب فرما کر آپکو ایسے پاک نفوس کی خدمتوں میں پہونچا دیا تھا جنکا علم و ہنر اور فضل و کمال میں کوئی ہمسر نہ تھا ہر ایک جداجدا اپنے فن میں چیدۂ روزگار اور زہد و اتقا میں یکتائے زمانہ تھا آپنے کم و بیش چار سال دارالخلافہ دہلی میں علوم شرعیہ اور درسیات نظامیہ کی تکمیل کی اور مشائخ زمانہ کی خدمت کا شرف حاصل فرمایا معقول کے ہر فن میں پوری

دستگاہ پاکر لاثانی اور منقول کے ہر علم میں کامل رسوخ حاصل فرماکر بے نظیر عالم بنے۔ چونکہ آپکا صفا منزل دل اور خدا طلب وحق جو قلب فطرتی طور پر تحصیل طریقت کا شایق تھا اس لئے آپ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہٗ کی طرف زیادہ جھکتے اور بیعت کا بڑھا ہوا شوق پورا فرمانا چاہتے تھے مگر کاتب ازل نے آپکا حظ وافر دوسری جگہ تجویز فرمایا تھا اسلئے آپکو کامیابی نہو سکی وقتی مولانا آپ کے اس قصد اور اسکی کامیابی میں آڑے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحاح ستہ کے علاوہ معقول میں منطق وفلسفہ ادب وہیئت وریاضی اور منقول میں تفسیر واصول وفقہ ومعانی وغیرہا کی اکثر کتابیں آپنے مولانا الشیخ مملوک العلی صاحب سے پڑھیں اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا باقی کتابوں میں کلاً یا جزءاً آپکو دیگر علماء سے تلمذ رہا انمیں علماء آخر میں مولانا مفتی صدر الدین صاحب اور قاضی احمد الدین صاحب پنجابی ہیں رحمہم اللہ وطلاب ثراہم اجمعین۔

آخر اسوقت جبکہ آپکی عمر شریف تخمیناً اکیس سال کی تھی آپ کا زمانہ طالب علمی ختم ہو لیا اور آپنے اپنے وطن مالوف کی جانب مراجعت فرمائی۔

دہلی میں زمانہ طالب علمی جتنا بھی آپکو قیام کرنا پڑا اسکی مدت کو دیکھئے کہ بمشکل چار سال ہوتی ہے اور اس مبلغ علم واستعداد کو ملاحظہ فرمائیے جسکا مخالفین کو بھی اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں دونوں پر نظر ڈالکر بہت ہی تعجب ہوتا ہے کہ اتنے تھوڑے ایام میں یہ سمندر کیونکر بلا یا گیا۔ اسمیں شک نہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی اور مغلق مضمون کے جلد سمجھنے والے طالب علم تھے اور اسکے ساتھ ہی شوقین اور محنتی اس درجہ کہ شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹے بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات شرعیہ وطبعیہ میں خرچ ہوتے ہونگے اور اسکے علاوہ سارا وقت ایسی حالت سے گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہ میں ڈوبا جاتا ہے مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس کھانا رکھا کوئی اٹھا لیجاتا تو آپکو خبر نہ ہوتی۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے اور صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ مدرسہ کو آتے جاتے آپ کبھی ادھر اُدھر نہ دیکھتے تھے لپکے ہوئے چلتے اور چھپٹے ہوئے آتے تھے ایک مرتبہ خود ہی ارشاد فرماتے تھے کہ مدرسہ کے راستہ میں ایک مجذوب بیٹھا رہتا اور آتے جاتے راہیں ملا کرتا تھا ہم دور سے سلام کو کترا کر نکل جاتے پاس نہ جاتے تھے بیچارے بہت محبت کی نظر سے ہمیں دیکھتے اور پاس بلایا کرتے تھے مگر ہمیں اپنے کام سے کہاں فرصت تھی اور یہی ڈر لگا تھا کہ کہیں مجذوب

تھوجائیں۔ نہ پڑھنے کے رہیں نہ لکھنے کے۔ ایک مرتبہ انھوں نے ہمیں امرود دیئے ہمنے ڈرتے ڈرتے لے تو لئے مگر کھائے نہیں انھوں نے کئی مرتبہ کہا بھی کہ کھالے بچہ مگر ہمنے اپنے ہاتھ میں دبالئے اور وہاں سے چلدیئے گھر آکر طاق میں ڈالدیئے اُن میں سے ایک امرود ایک شخص نے کھالیا تھا وہ تو مجذوب ہو گیا دوسرا اپنی سوکھ کر گیا اسکے بعد ہم نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا گو پھیر پڑتا مگر دوسری گلی سے نکل جاتے تھے۔

ایام طالب علمی میں آپنے اپنی خورد و نوش کا دہلی میں کسی پر بار نہ ڈالا تین روپے ماہوار آپکے ماموں بھیجا کرتے تھے اُسی میں روکھی سوکھی روٹی اور دال ترکاری وقت پر جو کچھ آسانی سے ملگیا آپنے کھائی اور اُسی تین روپے میں کپڑے دھلائی اصلاح خط یا جو کچھ بھی ضرورت پیش آئی رفع کی۔ دہلی میں آپکو کئی کیمیاگر اور ایسے بھی ملے اور انھوں نے آپکی روش اور انداز کو دیکھکر یہ نیت محبت بتاما اور آپکو کیمیا کا بنانا سکھانا بھی چاہا مگر آپکی زاہد اور قناعت پسند طبیعت نے خود طمع یا حرص کرنی تو درکنار اسکا سیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کئی شخص کیمیا بنانے والے ملے دہلی میں ایک شخص نے بنا کر دکھلا بھی دی۔ ایک شخص نے ہمیں اسکا نسخہ زیادہ میری ترمذی میں پڑا ہے مگر میں نے کبھی دھیان بھی نہیں کیا طالب علمی میں تو کیا بعد میں بھی کبھی وسوسہ آیا کہ لاؤ دیکھوں تو سہی بنتی ہے یا نہیں گنگوہ میں جب آیا اتفاق سے کتاب میں وہ نسخہ نکل آیا ایک شخص کا نام لیکر فرمایا وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے نسخہ کی نقل مانگی ہمیں بخل کی ضرورت کیا تھی انکو نقل کرا دیا اور اصل کو اُسی وقت پھاڑ ڈالا اسکے بعد غالباً حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اُس سے بنگیا تھا

طالب علمی کے زمانہ میں جمعہ کے دن اگر وعظ ہوتا تو آپ اُسکو سُنتے بھی تھے لیکن اگر خلاف شرع یا بدعات ڈالنے والا ہوتا تو فوراً کھڑے ہو جاتے اور ہمیشہ کے لئے اُس وعظ سے متنفر اور واعظ سے خائف رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپنے فرمایا کہ طالبعلمی کے زمانہ میں مولوی فضل الرسول دہلی آئے اُن کے وعظ میں ہم بھی گئے وہ بیان کر رہے تھے کہ لوگ بزرگوں کے نام کے جانوروں کو حرام کہتے ہیں بھلا اس فعل سے اُس جانور کی جنس یا فصل کونسی چیز بد لگی جسکی وجہ سے اُسکی ماہیت میں فرق آگیا اور حرام ہو گیا۔ اور سنو جب لغیر اللہ کے نام سے نامزد ہونے سے حرام ہوتا ہے تو جسکی عبادت کیجائے وہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہونا چاہیئے سو اب گوگا کا پانی بھی حرام ہونا چاہیئے" حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تو یہ باتیں اور عجیب دلیلیں سُنکر اُنکی تقریر سے نفرت ہو گئی اٹھکر چلے آئے اور پھر کبھی اُن کے پاس نہیں گئے ہاں ہمارے ہم سبق ایک قاضی صاحب تھے وہ اُن کے معتقد ہو گئے مگر تھے بیچارے بہت بھولے بے وقوف ایک مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب نے

بنا ہے زیبا کے بعد بھی جس کو غسل ہی حرام ہوا ۱۲ منہ

درس میں فرمایا کہ لوگ زیر ناف کے بال غسلخانوں میں لیا کرتے ہیں اور سامنے چھوڑ دیتے ہیں برا کرتے ہیں جس جگہ کے بال کا بحالت اتصال جسد دیکھنا حرام ہے بعد انفصال بھی دیکھنا حرام ہوگا" اس پر قاضی صاحب بولے "مگر بزرگوں کا" انکی بات پر سب لوگ حتی کہ شاہ صاحب ہنس پڑے۔

زمانہ طالبعلمی میں حضرت مولانا اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے پڑھانے کی طرف بھی شوق ظاہر فرمایا کرتے تھے مگر اُس وقت جبکہ اپنے کام سے فارغ ہو جائیں اور کچھ حرج واقع نہ ہو چنانچہ سب سے پہلی جماعت جسکو حضرت نے دہلی میں سبق شروع کرایا وہ ہے جس میں ملا محمود دیوبندی شامل تھے اور ان کے بعد آپکی شاگردی کا فخر آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر صاحب دوسرے ماموں زاد بھائی یعنی حکیم مسعود احمد صاحب کے حقیقی ماموں مولوی ابو القاسم صاحب کو حاصل ہوا جو بعد میں بعہدہ انسپکٹری پولیس لودھیانہ مامور ہوئے۔ گنگوہ میں اوّل التلامذہ جناب سید مومن علی صاحب ہیں۔

نکاح

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کے چار حقیقی ماموں تھے جن میں بڑے ماموں مولانا محمد نقی صاحب کی صاحبزادی مسماۃ خدیجہ خاتون سے آپکا رشتہ قرار پایا تھا۔ مولوی محمد نقی صاحب خاندان قادریہ میں شاہ سیف اللہ صاحب نارنولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ نہایت پابند شرع اور عاشق سنت شیخ تھے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادات میں اتباع کرنے کا تو کیا پوچھنا عادات میں متابعت کا اس درجہ خیال تھا کہ رفتار و گفتار میں بھی نبوی طرز کی آپکو ٹوہ رہتی تھی مولوی محمد نقی صاحب کی یہ بات مشہور ہے کہ آپکو جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ بطحائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس چیز کی طرف رغبت تھی حضرت مولانا بلا تامل اُس چیز کا تناول اپنا معمول بنا لیتے اور چاہے مضر ہی کیوں نہ پڑے مگر اُسی پر مداومت فرمایا کرتے تھے مولانا ممدوح جھجر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے جان نثار خیر خواہ۔ ایام غدر میں آپ مفسدین کے ساتھ نہ تھے بلکہ اُس جماعت میں تھے جسکے غنیم سے لڑنے کی غرض سے دو حصہ کر دیئے گئے تھے کہ ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا۔ آپ بلحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوق شہادت اور سرکار کی جان نثاری میں مقتول ہو جانیکی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں چلے آیا

کرتے تھے۔ دل اشتیاق وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظار حصول لقا میں بے چین۔ دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گزر جاتا اور شام کو بے نیل مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت دعا بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظور محبوب کے قابل نہیں ہے آخر جسدن جنگ کا خاتمہ اور قصہ نوابی کا آخری فیصلہ تھا اُس روز مولانا محمد نقی صاحب نے فوجی لباس پہنا ہتیار زیب تن کئے اور غمزدہ آواز سے فرمایا کہ "آہ ایک وہ خوش قسمت بندگان خدا ہیں جو اپنے آقا کی نذر ہو رہے ہیں اور جیوڑہ آخر وہ حاصل کر رہے ہیں اور ایک ہم حسرت زدہ ہیں کہ بدن پر ایک زخم بھی نہ آیا" اس کلام کے بعد جب میدان کی طرف رُخ کیا اور لڑائی میں جانے لگے تو اپنے وفادار نوکر کو بلایا جسکا نام بندو تھا (یہ شخص گنگوہ کا رہنے والا اور مولانا کا قدیمی نمکخوار پرانا ہمراہی تھا) کہ "میاں بندو دل تو مجھے امید نہیں کہ یہ عزت مجھے حاصل ہوگی مگر شاید میں آج کی لڑائی میں مارا جاؤں پس اگر مرنے سے پہلے میں کچھ بولوں اور بات کروں تو مجھے غسل دینا اور نعش کو نہلا کر دفن کر دینا اور اگر فوراً میرا دم نکل جائے تو انہیں خون آلودہ کپڑوں میں مجھے دفنا دینا جس میں میرا دم نکلے" یہ آخری وصیت فرما کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ دو لمبا نے ہوئے جنگ کے ہولناک منظر کی طرف لپکے اور وار پر وار شروع کئے۔ چہرہ پر بجائے گھبراہٹ و سراسیمگی کے سکون و طمانیت اور بجائے وحشت و پریشانی کے مسکراہٹ و بشاشت تھی بجلی کی طرح کوندتے اور پھرتی کے ساتھ ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جاتے تھے کہ بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چہرہ پر تمنچے کا نشانہ لگایا۔ بندوق کا فیر ہونا اور گولی کا نکلکر چلنا تھا کہ خود بھی چلا اٹھے اور سفر آخرت کا تہیہ کر دیا۔

بندو کا بیان ہے کہ میاں کی آواز پر جسوقت میں لپکا اور میدان جنگ سے اُٹھا کر لایا ہوں تو بدن سے خون کے فوارے جاری تھے اور جوش کے ساتھ اُبل اُبل کر زخم سے بہہ رہا تھا آنکھوں نہیں کہہ سکتا کہ وہ خون تھا یا مشک کیونکہ جیسی خوشبو میں نے اُس روز خون میں سونگھی آج تک ایسی خوشبو سونگھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا شہید کا مزار دہلی میں پیش قلعہ پرانی سنہری مسجد کے شمالی جانب پہلو میں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی عمر شریف اکیس ۲۱ سال کی تھی کہ آپ کے دادا پر جو بجائے مرحوم باپ کے آپکی تربیت و سرپرستی فرماتے تھے اور دادہ ماجد پر جبکا سایہ عاطفت آپکے سر پر قائم تھا۔ امور دنیا کا تقاضا ہوا کہ نکلی ہو جائے پس چونکہ خطبہ یعنی منگنی اور نسبت کی تجویز پہلے ہی پختہ ہو چکی تھی اسلئے دہلی سے واپس

آنے پر آپ کے نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

نکاح کے دن جسوقت حضرت مولانا شادی کے شروع کپڑے پہنا کر گھر میں لائے گئے تو اتفاق سے ایک میراسن آنکھوں سے نابینا مجمع میں موجود تھی جسکا نام چندیا تھا اس بیچاری نے دنیا کی رسم کے موافق اپنی بھونڈی آواز میں گیت گانے کا ارادہ کیا اور یہ ٹکڑا مصرعہ "گوند لائی مالن سہرا" زبان سے نکلا اس واہیات فقرہ کو سننے کی حضرتؒ میں کہاں تاب تھی بے اختیار آپنے اسکے ایک دھول رسید فرمائی۔

میراسن پر دھول کا لگنا تھا کہ اسکا تو منہ بند ہوگیا گویا سانپ سونگھ گیا ہے اور گھر کے چھوٹے بڑے سب دولھا کو بھولکر پٹنے والی چندیا کی طرف جھک پڑے سارے لگے پیسوں کی نچھاور کرنے اور منہ بھر بھر کے چندیا پر ٹکوں پر ٹکے پڑتے اور چاروں طرف سے خوشامدیں ہو رہی تھیں کہ خدا کے واسطے تو دولھا کو کوسنا مت جو ہونا تھا سو ہوا اب بدشگونی کا کوئی لفظ زبان سے نہ نکلے۔

مردانہ جلسہ نکاح میں جب تقریب لائے تو نائکے نے خطبہ پڑھا اور پانچہزار سکہ چہرہ شاہی کی مقدار مہر کا تذکرہ ہوا حضرتؒ نے اس مجمع میں جہاں دولھا بنے بیٹھے تھے صاف انکار فرمادیا اور کہدیا کہ میں اسقدر بوجھ کا تحمل نہ ہوسکوں گا۔

حضرتؒ کے خسر جناب مولوی محمد یقی صاحب باتفاق سے وقت نکاح موجود نہ تھے رشتہ داروں کی طرف سے ردوکد ہوئی آخر بڑے بوڑھوں کے اصرار پر آپکو ماننا پڑا اور پانچہزار مہر پر بساعت سعید نکاح ہوگیا۔

نکاح کے بعد متصل ہی حضرت مولاناؒ کی اہلیہ نے جب دین مہر پر رضا و رغبت خود معاف فرمادیا اس وقت آپکے صفائی قلب کو کلی راحت حاصل ہوئی حضرت قدس سرہ کی اہلیہ حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کی عمر نکاح کے وقت پندرہ سال کی تھی کیونکہ حضرت سے چھ سال چھوٹی تھیں۔

نکاح کے بعد حضرت مولانا قدس سرہٗ کو کلام مجید حفظ کرنے کا شوق ہوا اور اس وجہ پر کہ آپنے بلا کسی کے استاد بنائے خود حفظ کرنا شروع کردیا اور اس زمانہ میں جسکو اہل دنیا یوں کہدیتے ہیں کہ پڑھنا بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے آپ حافظ قرآن ہوئے۔

حضرتؒ کے جدی مکان میں جس جگہ اسوقت باورچیخانہ اور زینہ ہے (غرب رویہ) اسوقت جنوب رویہ ایک کوٹھری تھی جسکے آگے ایک مختصر سا چھپر پڑا ہوا تھا اسی میں تمام دن آپ بیٹھے قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے نماز کے وقت کلام مجید پر رومال ڈالکر اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد میں آکر باجماعت نماز

نماز ادا فرماتے تھے اور فارغ ہوتے ہی چھپر میں بیٹھکر کلام مجید یاد کرنا شروع کر دیتے تھے آخر اس لازوال دولت سے مالا مال ہوئے اور مبارک ماہ رمضان کی تراویح میں امام جماعت بنکر محراب سنائی۔

چونکہ خدا طلبی کا شوق ازلی قلب مبارک میں جوش مارتا تھا اسلئے اپکو بیعت ہونے کے لئے شیخ کامل کی تلاش ہوئی اور قلوب کو نور کی طرف لانے والے پاک خدا نے آپکی رہبری فرمائی اس غیبی نصرت اور خدائی امداد سے آپ نے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کی جانب رخ کیا اور اس پائدار نعمت سے دامنوں کو بھر لیا کیا جسکی طلب میں سلاطین دنیا کو تخت و تاج چھوڑنا اور ملک و مال کو خیرباد کہنا آسان معلوم ہوا ہے۔

سلوک و تحصیل طریقت

بازار عشق و شوق محبت کے خان فروش — لیکیں کہ چل چلاؤ ہے دنیا سے دون کا
سیکھیں طریق وصل و لقاء خدائے پاک — دل بیچکر خریدلیں سودا جنون کا

حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ کو قاسم العلوم زبدۃ الافاضل مولانا المولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ساتھ طالبعلمی کے زمانہ میں چار سال تک مرافقت معیت اور مسبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس و قمر گویا جسم و روح یا مثل دو بدو کا علاقہ رکھتے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے حضرت مولانا قاسم العلوم کو جناب شیخ المشائخ قدوۃ العارفین حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ربط نسب بھی تھا کیونکہ اعلیحضرت کی ننہال قصبہ نانوتہ اور مولانا مرحوم کے خاندان میں تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی بہن بھی نانوتہ ہی میں بیاہی تھیں اسلئے حضرت اکثر نانوتہ تشریف لاتے اور مولانا محمد کاسم صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب دونوں حضرات حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اعلیحضرت کا ان دونوں نونہالان بوستان علم فضل کے ساتھ بچپن ہی میں غایت شفقت اور نہایت محبت و اخلاص کا برتاؤ تھا۔ کتاب کی تجرید بھی دونوں حضرات کو اعلیحضرت ہی نے سکھائی تھی جسکے بعد دونوں صاحبوں نے اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی جلدیں خود ہی باندھیں اس تعلق یگانگت اور ازلی ارتباط قلبی کے باعث حضرت مولانا قاسم العلوم نے وطن سے دہلی آتے اور دہلی سے وطن جاتے تھانہ بھون کی حاضری اور اعلیحضرت کی زیارت کو اپنا معمول بنا رکھا تھا اعلیحضرت بھی جب دہلی تشریف لائے تو حضرت مولانا مملوک العلی

صاحب کے پاس قیام فرماتے اور اُستاذ الکل کے رشید شاگرد بھی زیارت سے بہرہ یاب ہوتے تھے حضرت مولانا قاسم العلوم اپنے ہمجماعت طلبہ میں اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ و عملیہ کا تذکرہ فرماتے اور خوارق و کرامات کے اظہار و بیان سے آستانہ علیہ کی طرف ترغیب دلایا کرتے تھے خصوصاً امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ سے چونکہ جلوت و خلوت کی شرکت تھی بہت ہی خصوصیت کا ذکر ہوتا بلکہ اسکی کوشش تھی کہ حضرت مولانا بھی اُسی مقدس ہاتھ پر بیعت ہوں۔

امام ربانی قدس سرہٗ چونکہ پیدا ہی اسلئے ہوئے تھے کہ قطب وقت اور شیخ زمن بنیں اسلئے شروع ہی سے خدا طلبی اور اصلاح نفس یعنی تصوف و سلوک کے حاصل کرنے کا شوق آپ کے قلب میں جاگزیں تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کسی صاحب قلب سلیم راہبر کا دامن پکڑیں مگر چونکہ آپ کی فطرتی استقامت و استقلال نے آپکو شوق میں اس درجہ مغلوب نہ ہونے دیا تھا کہ طبع کے اطمینان کلی حاصل ہوئے بغیر کسی کے ہاتھ بیع ہو جاتے اسلئے آپ اعلیحضرت کے محامد و اوصاف و مناقب و فضائل سُنکر خاموش ہو جاتے اور قلب کو ٹٹولا کرتے تھے کہ اندر دل کس طرف میلان کرتا ہے۔

اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی زیارت جو حضرت مولانا کو حاصل ہوئی اسکا تذکرہ خود حضرت امام ربانی نے بارہا فرمایا کہ جب میں اور مولوی محمد قاسم صاحب دہلی میں استاذ رحمۃ اللہ سے پڑھتے تھے ہمارا ارادہ سلم شروع کرنے کا ہوا لیکن مولانا کو فرصت نہ تھی اسلئے انکار فرماتے تھے بالآخر میں نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں دو بار صرف پیر اور جمعرات (یا جمعہ) کو پڑھا دیا کیجئے خیر یہ منظور ہو گیا اور ہفتہ میں دو سبق ہونے لگے تو اس سبق کی ہمیں بڑی قدر تھی ایک روز یہی سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آنکلے اور انکو دیکھکر حضرت مولوی صاحب بمعہ تمام مجمع کے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ لو بھائی حاجی صاحب آگئے حاجی صاحب آ گئے اور حضرت مولانا نے مجھسے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "لو بھائی رشید اب سبق پھر ہو گا" مجھے سبق کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ "بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا ہا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ہیں ایسے ہیں "ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈ لینگے"۔ اول زیارت مجھے اُس وقت ہوئی تھی اسکے بعد سے حضرت حاجی صاحب ہم دونوں کا حال دریافت فرمایا کرتے اور یوں کہا کرتے تھے کہ سارے طالبعلموں میں وہ دو طالب علم (مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ) ہوشیار معلوم ہوتے ہیں اور بس۔

الحق گو حضرت مولانا اعلیحضرت کی زیارت کر چکے تھے مگر چونکہ شیخ الہند حضرت حاجی شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امام ربانی نے صحاح بھی پڑھی اور علم شریعت کا تکملہ کیا تھا آپکو حاضری کا بھی اس گھر بار دربار میں زیادہ اتفاق رہا اسلئے آپ کا دل بیعت کے لئے بھی ادہر ہی جھکتا اور ادہر ہی راضی ہوتا تھا کہ طریقت میں بھی اسی شفیق استاد کا دامن پکڑا جائے جسکے جامع بین الشریعت والطریقت ہونے میں شبہ نہیں ہے لیکن چونکہ مشیت ازلی آپ کے لئے دوسری تجویز قرار دے چکی تھی اس لئے آپ مجبور تھے چنانچہ آپکو اس ارادہ میں اس درجہ پختگی ہی نہ آئی کہ درخواست وسعی تک نوبت پہنچے یکایک صابی حال ہوا

ایک مرتبہ آپکو اسی زمانہ طالبعلمی میں مولانا قاسم العلوم اور چند دیگر احباب کے ساتھ مقامہ عمون جانیکا اتفاق ہوا اور سارے مجمع نے مسجد میں قیام کیا اتفاق سے آپکا جوتہ بدلا گیا اور کوئی صاحب اپنا جوتہ چھوڑ کر آپ کے نعلین پہن گئے۔ عشا کا وقت تھا آپ اور آپ کے احباب جوتہ ہی کی تلاش میں تھے کہ اعلیحضرت حاجی صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ "بدلا ہوا جوتہ ہمیں دکھاؤ" چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی خود ہی اس جوتہ کو اٹھا کر اعلیحضرت کے پاس لے گئے اعلیحضرت نے چراغ کے سامنے دیکھکر فرمایا "یہ جوتہ جیب حسن کا ہے" جیب حسن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھیوں میں ایک لڑکا تھا لیکن ابھی عمر اجنبی تھا کہ اعلیحضرت کو اس سے مطلق کبھی تعارف نہ ہوا تھا۔ یہ اعلیحضرت کی پہلی کرامت تھی جسکو مولانا نے اول مرتبہ دیکھا اور عقیدت کے ساتھ دلکی کشش کا باعث ہوا گویا ساٹھ سال تک تعمیر ہونے والے عالیشان محل کی اسوقت بنیاد رکھی گئی اور عمر بھر کی بیع و شرا کا اس بات میں سودا شروع ہوا۔

یہ اور اس قسم کے دیگر خوارق عادات اور کشف و کرامات کے دیکھنے سننے سے حضرت مولانا کی عقیدت و محبت اور ارادت اعلیحضرت کے ساتھ بڑھتی گئی مگر آپ کے متجسس قلب اور مبصر و نقاد نظر نے فارغ التحصیل ہونے اور شریعت و علم دین کے تکملہ تک کوئی فیصلہ نہ کیا کہ کہاں جانا اور کسکی غلامی اختیار کرنی چاہئے یہانتک کہ آپ گنگوہ تشریف لائے اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ظفر و وصول مقصود کے لمبا چوڑا دیکھ کر مبتلا ہونے کے منتظر رہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ایک مرتبہ خود یہ تذکرہ فرمایا کہ جب میں دہلی سے پڑھ کر فارغ ہو آیا ایکدن مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور میرے پاس ہی آکھڑے ہوئے میں لکھتے لکھتے نظر اوپر اٹھائی تو ایک نورانی صورت پر نگاہ پڑی قلم تو ہاتھ سے رکھ دیا اور دریافت کیا کہ

حضرت آپ کون ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ میں ہوں امداد اللہ۔ میں یہ سکر اچونکہ اخلاق حمیدہ سن چکا اور دہلی میں پہلی مرتبہ اور تھانہ میں شب کے وقت دوسری دفعہ سرسری زیارت بھی کر چکا تھا گو صورت ذہن میں بیٹھی نہ تھی) اُسی وقت اٹھا اور مصافحہ کیا۔ جیسا میں ادب اور تعظیم سے پیش آیا اُس سے زیادہ اعلیحضرت خلق وکرم اور تواضع ومحبت سے ملے

امام ربانی قدس سرہٗ کی غالباً اعلیحضرت سے تیسری ملاقات تھی اس زمانہ میں اعلیحضرت جب گنگوہ بالقصد آتے یا آنا جاتا ہوتے راستہ میں قیام فرماتے تو شہر میں مولوی سراج الدین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا کرتے جو حضرت امام ربانی کے سمدھی یعنی آپکی صاحبزادی والدہ حافظ محمد یعقوب کے خسر تھے۔ مولوی سراج الدین صاحب نہایت نیک اور متقی و پارسا شخص تھے جنکی یہ بات مشہور ہے کہ ابتداء ملازمت سے انتہاء عمر تک کبھی ایک پیسہ رشوت کا نہیں لیا اور ہمیشہ نیک چلنی و دیانہ داری کے ساتھ حلال کمائی سے گزارا کی مولانا ممدوح کو حضرت امام ربانی کے ساتھ نہایت درجہ محبت تھی اور ہمیشہ سے عقیدت کے ساتھ ملا کرتے اور باوجود عمر میں بڑے ہونے کے حضرت قدس سرہٗ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ تعلم سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم و تدریس کے شایق ہوئے خالی بیٹھے آپکا جی گھبراتا اور گو خود کتابیں دیکھتے یا تحریر میں مصروف رہتے تھے مگر جی چاہتا تھا پڑھانے کو اس لئے قدرت نے آپ کے پاس طالبعلم بھیجا اور آپ نے دروازہ تدریس کھولا۔ مولوی سید مومن علی صاحب ایک شخص نکوڈر کی تحصیل میں ملازم تھے انکو ابتداہی سے دینیات کی تحصیل اور عربی پڑھنے کا شوق تھا مگر زمانہ نے مہلت نہ دی اور ارادہ پورا نہ کر سکے اب جبکہ حضرت قدس سرہٗ کا دہلی سے فارغ ہو کر گنگوہ واپس آنا مشہور ہوا تو انکے دل میں پھر پرانا دبا ہوا خیال اُبھرا اور وہ نوکری چھوڑ چھاڑ گنگوہ حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ دونوں جانب حصول تمنا کا غیبی سامان چونکہ دونوں کے لئے انعام خداوندی تھا اس لئے حضرت مولانا نے سبق شروع کرانے میں کچھ بھی تامل نہیں فرمایا اور مولوی مومن علی صاحب کو شرح جامی پڑھانے لگے۔

انہیں ایام میں یہ اتفاق پیش آیا کہ کسی مبحث میں مولانا شیخ محمد صاحب کی ایک تحریر حضرت کے پاس کسی شخص نے بھیجی جس میں مولانا شیخ محمد صاحب نے اسپر زور دیا تھا کہ روضۂ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جگہ ایک قبر کے لئے چھوٹی ہوئی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہونگے اور یہ امر قطعی ہے اسکا منکر ایسا ہے اور ویسا ہے حضرت مولانا نے اسپر بجائے تصدیق و تصویب کے تحریر فرمایا کہ سامانبوت باحادیث

اخبار آحاد ہے اسلئے علم ظنی حاصل ہوگا قطعیت کا ثبوت دشوار ہے" حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے جو یہ تحریر گزری تو جوش غضب میں بیتاب ہوگئے کہ طفل مکتب نے میرا رد کرنا چاہا اسی حالت غیظ میں اپنے مطلب کی تائید میں ایک رسالہ لکھدیا اور حضرت مولانا کے پاس بھیجدیا مولانا نے اسکو اچھی طرح دیکھا مگر چونکہ سوائے ان احادیث و آثار کے ذکر اور اسناد کی تفصیل کے جنمیں یہ مضمون وارد ہے اور کچھ بھی نہ تھا حالانکہ مولانا خود ہی تحریر فرما چکے تھے کہ یہ احادیث اخبار آحاد ہیں اسلئے ثبوت علم ظنی ہیں پس اس رسالہ کی پشت پر تحریر فرمایا کہ "میں نے نہ احادیث کا انکار کیا نہ اسکا دعویٰ کہ یہ مضمون ثابت نہیں ہاں میں نے یہ لکھا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ اس بحث کی جملہ اخبار دارد وہ آحاد ہیں ان سے مضمون کی قطعیت کیونکر ثابت ہو جائیگی جو میرا شبہہ ہے اسکا رسالہ میں جواب نہیں اور جملہ احادیث مذکورہ میں اُن کا میں منکر نہیں اس کے بعد یہ شعر تھا ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ ہیں وہ طفل کیا گرے کہ جو گھٹنوں کے بل چلے

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اپنے زمانہ کے بزرگ و صالح شخص علیحضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی مولانا صاحب احباب اللہ ثناہ کے خلیفہ مجاز تھے مگر علم کا غلبہ تھا اور علم کے لئے تفقہ لازم نہیں غلطی و خطا سے عصمت ضروری نہیں اسلئے حقیقت میں اس مسئلہ کے اندر چوکے اور لغزش کھائی ادھر حضرت مولانا قدس سرہٗ ذکی الطبع فطن۔ فارغ التحصیل اور علامہ ہونے کے علاوہ صاف گو تحریر و تقریر میں بیباک جوان طبیعت تازہ علم اور سب پر طرہ یہ کہ حق بات کے اندر مناظرہ و مباحثہ میں مرد دلیر اور نڈر اس لئے آپ کا قلم نہ رکا اور جو لکھنا تھا صاف صاف لکھدیا حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اصل مسئلہ کا جواب چونکہ حق کے خلاف تھا اس لئے نہ دیسکے مگر مولانا کا لکھا ہوا شعر چونکہ زیادہ ناگوار گزرا اسلئے خفا ہوئے اور جو کچھ زبان پر آیا کہا چند جگہہ پر شکایت بھی کی کہ "میرے سامنے کا پیدا ہوا بچہ مجھے طفل لکھتا ہے" حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے مولانا کی یہ تقریر سنکر جواب دیا بھی کہ میں نے آپکو طفل نہیں لکھا بلکہ اپنے آپکو لکھا ہے آپکی تو شعر میں تعریف ہے کہ شہسوار ہیں جن سے لغزش ہوگئی گستاخی کا الزام تو مجھپر عاید نہیں ہاں اصل مسئلہ میں آپ کے ساتھ میں موافق نہیں ہوا اسپر آپ جو کچھ بھی فرمادیں وہ سر آنکھوں پر لیکن مولانا شیخ محمد صاحب کا دل میں بیٹھا ہوا غصہ رفع نہوا آخر حضرت امام ربانی کا ابتدائی عالمانہ جوش اور وہ مولویانہ علمی زور جسکو حمیت دین کہئے یا اصلاح نفس کا مقدمہ اسکا محرک ہوا کہ آپ خود تھانہ جائیں اور مسئلہ کی زبانی تقریر سے فیصلہ فرمادیں

اتفاق سے کسی برات کی شرکت میں آپکو رامپور جانا تھا اسی سفر کو سفر سیاحۃ بنانیکی نیت سے آپ رسالہ ہمراہ لئے رامپور آئے اور وہاں سے فارغ ہو کر مکان واپس ہوئے بلکہ اطلاع تک دئے بغیر تھانہ بھون روانہ ہو گئے اور چونکہ چند گھنٹہ کا کام سمجھے ہوئے تھے اسلئے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے بس وہی سامان سفر تھا باقی ایک جوڑا پارچہ بھی ہمراہ نہ تھا۔ چونکہ دین کے اخذ اور رضائے حق تعالیٰ کے حاصل کرنے میں فرمان برداد ضعیف بندہ مسلم کو جتنی کوشش کرنی چاہیئے حضرت مولانا گنگوہی نے اُس سے غفلت نہیں فرمائی تھی غرض بھی کیا تھا قوت فکریہ سے بھی کام لیا تھا گھنٹوں تفکر و تدبر میں مستغرق رہے طبیعت کو جانچا پڑتالا دلکو ٹٹولا اور دیکھا بھالا تھا آخر متعدد مرتبہ مسنون استخارہ فرمانے کے بعد تھانہ بھون کو کاربرآری کی جگہ سمجھ چکے تھے اس لئے اس سفر میں یہ بھی دھیان تھا کہ اعلیحضرت کی زیارت بھی ہو جائیگی اور موقع ہوا تو غلامی کا شوق ظاہر کرونگا

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف +

اعلیحضرت فاروقی نسب حنفی المذہب حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ حافظ کتاب اللہ سید السادات العظام افتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص والعوام منبع البرکات القدسیہ مظہر الفیوضات المرضیہ معدن المعارف الالٰہیہ مخزن الحقائق مجمع الدقائق سراج الاقرانہ قدوۃ اہل زمانہ سلطان العارفین ملک التارکین غوث الکاملین غیاث الطالبین سلاسل اربعہ میں مشائخ اعلام سے بیعت چشتان حب الٰہی کے پھول گو ظاہری علم شریعت میں علامہ دوراں اور مشہور زماں مولوی نہ تھے مگر علم لدنی کے جامہ عنبر شمامہ سے آراستہ اور نور عرفان و ایقان کے زیورات سے سرتاپا پیراستہ شیخ وقت قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر گو مہبط انوار و برکات اور مطرح فیوض و تجلیات ستر بنائے ہوئے تھے۔ خلقۃً ضعیف و نحیف خفیف الجسم اسپر مجاہدات و ریاضات اور تقلیل طعام و منام اور سب سے بڑھکر عشق حسن ازلی جو استخوان تک کو گھلا دیتا ہے جسکے باعث آخر میں کروٹ تک بدلنا دشوار تھا آپ کا دل عشق منزل ہر وقت نشہ لقا میں سرشار تھا ایام غدر میں قصہ فساد و الزام اور بغاوت کے زمانہ میں مکہ معظمہ ہجرت فرما ہوئے اور کل چوراسی سال تین مہینہ بیس روز گوشہائے عالم دنیا کو منور فرما کر بارہ یا تیرہ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ ہجری روز چارشنبہ وقت اذان صبح اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور جنت المعلیٰ (مقبرہ مکہ معظمہ) میں مولوی رحمت اللہ کی قبر کے متصل مدفون ہوئے۔ اطلب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

اعلیحضرت گھر سے خوشحال اور روزی جائداد کا معقول حصہ پائے ہوئے تھے جو بظاہر الحال گو ران

معیشت کے لئے کافی ووافی سامان تھا مگر آپ کا قلب سلیم چونکہ بالطبع زہد و توکل کا شیدا تھا اس لئے آپ نے اپنی ساری جائداد منقولی و غیر منقولی اپنے بھائی کے نام منتقل کر دی اور مسجد کے حجرہ کو مسکن بنایا تھا۔

اعلیحضرت چونکہ زاویہ خمول کی زیست اور گمنامی کے ساتھ ایام گزاری کی جانب بہت راغب تھے اسلئے ہمیشہ اپنے آپکو چھپایا اور بعجدگی و یکسوئی کو اخفاء و کتمان حال کا سبب بنایا مگر "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" اپنے چھپائے کب چھپ سکتے تھے خدائی مخلوق نے جوہر شناسی کو فرض سمجھا اور جیسا کہ دین کا اپنے زمانہ ولادت سے حال رہا ہے غربا، و مساکین اور عوام الناس طالب دین نیکبخت بندوں کی آمد شروع ہوئی مجبوراً بمقتضائے للامر آپ طالبین کو بیعت فرماتے اور اللہ کا نام سیکھنے کیلئے آنے والی خلقت کی دستگیری فرماتے تھے۔ آخر طالبین کا ہجوم دن بدن بڑھتا گیا اور آپ اسی توکل کے وسیع خوان پر مہمانوں کی بخوشی ضیافت فرماتے رہے یہانتک کہ آپ کی بھاوج نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ سوتیلی جائداد آپ منتقل فرما چکے خود توکل پر بعسرت تو فقر گزران ہے پھر آپ پر مہمانوں کی کثرت اور نوواردو مسافروں کی زیادتی گو آپ کو بارنہ معلوم ہو مگر میری غیرت تقاضہ نہیں کرتی کہ اس خدمت سے چشم پوشی کروں۔ اسلئے آج سے جتنے مہمان آئیں اُن کی اطلاع غریب خانہ پر فرما دیں انکا کھانا دونوں وقت یہاں سے آئیگا۔ اوّل تو اعلیحضرت نے انکار فرمایا کہ "نہیں میرے مہمان ہیں ان کی خدمت کا مجھ ہی حق ہے" مگر آخر بھائی صاحبہ کے اصرار کے سبب جو محض اخلاص کے ساتھ تھا آپ نے قبول فرمالیا۔ اور اس روز سے مہمانوں کا کھانا دونوں وقت وہاں سے آنے لگا۔

اعلیحضرت کی بھاوج کا حسن اعتقاد اور مخلصانہ برتاؤ تھا کہ مہمانوں کا کھانا خود پکاتی تھیں اور کسی مہمان کے ناوقت آنے سے بھی کبھی تنگ دل نہ ہوتی تھیں۔ ایک دن اعلیحضرت نے خواب دیکھا کہ آپ کی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کی بھاوج سے فرمایا کہ اُٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے اُس کے مہمان علماء ہیں اُس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔"

اعلیحضرت کی اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے شروع ہوئی اسلئے کہ علماء میں آپ ہی پہلے عالم ہیں جو اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے آپ کے بعد چار دانگ عالم سے جوق جوق علماء کی آمد شروع ہوئی اور اعلیحضرت کو علماء کا شیخ و راہبر بننے

شہ صاحب نے اعلیحضرت کی تعریفیں کر کے نہیں روکا بلکہ بعد میں اعلیحضرت سے اصرار کو کوشش کر کے مولوی محمد قاسم کو مجھے مرید کرایا" ۱۲ مخلص۔

میں وہ مرتبہ علیا حاصل ہوا کہ جسکی نظیر دنیا میں سلفاً و خلفاً شاید ایک دو مل سکے۔ اِس ردیائے صالحہ ہی کا ثمرہ تھا کہ تخمیناً سات آٹھ سو علماء سے زیادہ اعلیحضرت کے مرید ہیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت کی بھاوج شیعہ مذہب تھیں واللہ اعلم

غرض امام ربانی قطب صمدانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ تھانہ بھون میں داخل ہوتے ہی اول ہر محمد والی مسجد میں پہونچے دیکھا کہ ظہر کی نماز ہو چکی ہے اور اعلیحضرت اپنی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں حضرت مولانا حاضر خدمت ہوئے اور ختم تلاوت پر سلام مسنون عرض کر کے بیٹھ گئے۔ اِس سے قبل غالباً ایک مرتبہ دہلی اور دو مرتبہ گنگوہ اور ایک مرتبہ گزرگاہ وطن بنا کر شب کے وقت تھوڑی دیر کے لئے تھانہ میں اعلیحضرت کی زیارت ہوئی تھی یہ پانچویں ملاقات تھی مگر یوں کہنا چاہیئے کہ وطن میں اعلیحضرت کا مہمان بننے حاضری کی عمر بھر میں آپکو پہلا اتفاق تھا اعلیحضرت نہایت ہی کریمانہ اخلاق سے پیش آئے اور غایت درجہ خاطر و مدارات فرمائی اور دریافت فرمایا کہ کیسے آئے؟ حضرت امام ربانی نے مناظرہ کا قصد ظاہر کیا اعلیحضرت نے جواب دیا "ہاہا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں بچے ہیں" بس مباحثہ کا تو اسی جگہ فیصلہ ہو گیا اور حضرت یہ کہکر خاموش ہو گئے کہ حضرت آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں اسکے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں رہیں اور آپ نے موقع پاکر بالفاظ مناسب بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اعلیحضرت الطاب اللہ ثراہ نے عادت شریفہ کے موافق بیعت میں تامل ہی نہیں فرمایا بلکہ طلب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر کسنے اور اعتقاد و شوق بڑھانے کے لئے صورۃً انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص و شوق کے کیا تھا قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سراپا طلب بنا ہوا تھا نخوت علم و تکبر ہو لویت نام کو بھی نہ تھی اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی گفتگو پر نکل چکی تھی۔ پس نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا اُدھر سے انکار تھا اُسی قدر اِدھر سے اصرار اور جسقدر اُس جانب سے استغنا کا برتاؤ تھا اتنا ہی اس طرف سے احتیاج و افتقار کا اظہار چونکہ پیران عظام ہمیشہ طالب صادق اور ہونہار کی تلاش میں رہتے ہیں اسلئے انہیں امتحان والے دو تین دن میں حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طرح طرح سے آپکو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ" صاحب دل کا ایک دل چونکہ ایک کا ہو لیا تھا اسلئے نہ پھرنا تھا نہ پھرا اور ثابت قدم کوہ استقلال کے پاؤں ایک مخصوص آستانہ کی جانب لپک چکے اور امداد یہ دربار گہربار میں جم چکے تھے اسلئے نہ ڈگمگے تھے نہ ڈگے چنانچہ اسی

اثنا میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ سے آنے کا سبب اور حال دل پوچھنے لگے تو آپ نے بے اختیار فرمایا کہ "جدھر دل کا میلان ہے وہ قبول نہیں کرتے دوسرے اپنی طرف کھینچتے ہیں عجب قصہ ہے" جناب حافظ صاحب نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ "ابھی جلدی کیا ہے چند روز ٹھیرو یہاں کے حالات دیکھو" آخر جب آپکی پختگی ہر طرح ظاہر ہوگئی تو جناب حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیحضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو سلاسل اربعہ میں اعلیحضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب اعلیحضرت کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے ذکر شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اٹھا جائے اعلیحضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا "اچھا کیا مضائقہ ہے" اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ تو آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ "پھر تو مرمٹا"

القصہ حضرت مولانا قدس سرہ منظوری شرط کے بعد بیعت ہوئے اور اعلیحضرت نے آپکو یاد تسبیح تلقین فرمادیں۔ شب کے وقت اعلیحضرت نے وہ چارپائی جسپر آپ استراحت فرماتے تھے اپنے پلنگ کے پاس بچھوالی اور آرام فرمایا۔ آخر شب میں جب اعلیحضرت حسب معمول اٹھے تو حضرت مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی مگر چونکہ بیعت کے وقت شرط ہو چکی تھی اسلئے اعلیحضرت نے کچھ نہ فرمایا کہ اٹھ بیٹھو یا بتلائی ہوئی دوازدہ تسبیح کا ذکر کرلو لیکن قدسی نفس شیخ کا پگھلا دینے اور کام کر لینے والا سریع النفوذ فیضان پہلے ہی اپنا اثر کر چکا تھا اُدھر موثر قوی التاثیر اِدھر متاثر کمال درجہ کا قابل تاثر اور دونوں باتوں پر طرہ مواجہت و اتصال بھلا کس طرح ممکن تھا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ بستر پر لیٹے رہتے یا نیند آجاتی۔ دو چار کروٹیں آپنے ضرور بدلیں اور کسی درجہ میں چاہا بھی کہ نیند آجائے مگر حق تعالیٰ کو آپ سے جو کام چند ہی روز بعد لینا منظور تھا اُسکے اسباب قریبہ اسی پہلی رات سے پیدا ہونے مقدر تھے پس نہ آپ کی آنکھ لگی اور نہ آپ اس ناگوار و مضطرب حالت اضطجاع و تقلب کے متحمل ہو سکے آخر خود ہی اُٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف لائے۔ ایک گوشہ میں اعلیحضرت اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جا کھڑے ہوئے بہ نیت تہجد نوافل ادا کئے اور ذکر نفی و اثبات بالجہر شروع کر دیا۔

حضرت قدس سرہ نے جسوقت اس قصہ کا خود تذکرہ فرمایا تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آخر کار میں نے ذکر

بالجہر شروع کیا کلا اچھا تھا بدن میں قوت تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو" اُس دن سے ذکر جہر کے ساتھ مجھے محبت ہو گئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اُسکی ممانعت کی معلوم ہوئی۔

یہ پہلا صلہ تھا جو شیخ کی زبان سے بلتفاؤل نیک غیبی بشارت بنکر آپ کو ایک شب کی قلیل محنت پر عطا ہوا جسکا ادنیٰ ثمرہ یہ تھا کہ تا وصال حضرت مولانا قدس سرہٗ بارہ تسبیح منجملہ دیگر مراقبہ و مشاغل کے ایسی ہلکی آواز کے ساتھ ذکر فرماتے رہے کہ جسکو حجرہ کے پاس بیٹھنے والا سُن سکتا تھا بمقتضائے احب الاعمال الی اللہ علیہ الحدیث خدا کے نزدیک اس ذکر بالجہر کی کس درجہ محبوبیت پسندیدگی ہوگی جسکی مواظبت ابتدائی گھڑی سے انتہائی ساعت تک رہی ہو؟

ناظرین! حضرت قطب العالم قدس اللہ سرہٗ کے اُس وقیع الشان فقرہ کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں جو خادم کے دریافت کرنے پر آپکی ستھی زبان سے ظاہر ہوا کہ "پھر تو مرمٹا" صفحہ ہستی پر آب زر سے لکھنے اور لوح دل پر قلم اذعان سے کندہ کرنے کے لائق ہے حقیقت میں حضرت مولانا اسکے بعد مرمٹے آپنے اپنے نفس کو مار دیا ہوائے نفس کو ملیا میٹ کر دیا جس پاک نام سیکھنے کا قصد کیا تھا اُس میں کھپ گئے فنائیت حاصل کی اور اسپر اکتفا نہ کیا بلکہ فنا عن الفنا پر پہونچے کہ اپنی فنائیت سے بھی بیخبر اور فانی محض بنگئے آپ کے صفا کیش دل عشق منزل کا تیز پرواز پرندہ آستانہ امداد یہ پر حسب الٰہی کا ایسا مقید و گرفتار ہوا جیسا لاسہ کا پکڑا ہوا طیر یا قفس میں بند ہوا جانور کہ باوجود گھر کے تقاضوں اور افار کے بار بار بلاوں کے آپ تھانہ سے باہر نہ نکل سکے اور گو حاضری کے وقت قیام کا طلق قصد یا خیال نہ تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور اور قدرت کے دست تقدیر سے معذور چلہ پورا کرنا پڑا اور روز یہی رہا کہ آج نہیں کل چلا جاؤنگا اور کل نہیں پرسوں چلا جاؤنگا۔ اگر کبھی ادھر سے اجازت کی طلب ہوئی تو اعلیٰحضرت کا یہ جواب تھا کہ چلے جانا آج نہیں کل سہی اور اگر کسی وقت اُدھر سے استفسار ہوا کہ کب جاؤگے تو حضرت کی طرف سے یہ جواب تھا کہ آج نہیں کل چلا جاؤنگا۔ نہ انکا جانے کو جی چاہے نہ اُنکا بھیجنے کو دل چاہے۔

الفت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی دردمند — دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی،

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود — گر نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

یہانتک کہ آپکو بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ایک ہفتہ گزرا تھا کہ آٹھویں دن اعلیٰحضرت شیخ العرب والعجم

کی جانب سے دوسرا صلہ عطا ہوا اور واقع ہونے والی غیبی بشارت بایں الفاظ صادر ہوئی کہ "میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپکو دیدی آئندہ اسکو بڑھانا آپکا کام ہے"

حضرت قطب العالم قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اسوقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں وہ کونسی چیز ہے جو اعلیحضرت کو حق تعالیٰ نے دی تھی اور مجھے عطا ہوئی آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ کیا تھا؟ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت مولانا کا یہ سفر زیادہ تر بہ نیت مباحثہ مسئلہ فقہیہ تھا اور آپ جن دو کپڑوں کو پہنے ہوئے تھے انہیں میں تھانہ بھون چلے آئے تھے نہ دوسرا جوڑا ساتھ تھا اور نہ قیام کی نیت تھی کہ نیا بنوالیں محض بلا قصد و ارادہ ٹھیرنا پڑا کچھ اوپر چالیس دن اسلئے جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو انکو خود ہی دھولیا اور نہ میلے ہی پہنے رہے آخر اسی فیضان صحبت و مشغلہ ذکر میں چالیس دن پورے ہوئے اور حضرت قطب العالم قدس سرہٗ بخار میں مبتلا ہو گئے ادھر علالت کے باعث یہ خیال کہ اعلیحضرت پر تیمارداری و خدمت مرض کا بار ڈالنا خلاف ادب ہے اور ادھر گھر والوں کے شدید تقاضوں پر تقاضے کیونکہ جو دن گزرتا تھا متعلقین کا فکر بڑھتا اور خدا جانے کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے تھے کہ بیٹھے بٹھائے بلا سامان سفر و زاد راہ ایک دن کو تھانہ گئے تھے سبب کیا کہ ہفتے لگا دیئے اور گھر کا نام نہیں لیتے اس لئے حضرت امام ربانی نے اعلیحضرت سے رخصت چاہی اور اعلیحضرت نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ پورے بیالیس روز ختم فرما کر حضرت مولانا تھانہ بھون سے روانہ ہوئے اور اعلیحضرت بنفس نفیس معہ دیگر متعلقین کے ایک جم غفیر میں بغرض مشایعت مسنونہ ہمراہ ہوئے اور تھوڑی دور تک ہو نہار مسافر مہمان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے۔ حضرت مولانا کا اصرار تھا کہ آپ تکلیف نہ فرماویں مجھے آپکی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے اور اعلیحضرت کا دل یہ چاہتا ہے کہ جہانتک بھی طاقت یاری دے ساتھ چلیں آخر دونوں خادم و مخدوم معہ دیگر ہمراہی احباب و ہمعصر اصحاب کے پاپیادہ روانہ ہوئے اور سواری کی بہل خالی کبھی پیچھے اور کبھی آگے چلتی رہی۔ اعلیحضرت کی پدرانہ شفقت اور سادگی کے ساتھ بے تکلف مربیانہ محبت کا یہ اقتضا کہ مولانا سواری میں سوار ہو جائیں کیونکہ عشق کی اندرونی حرارت کے ساتھ بخار زدہ بدن کا ضعف راحت کا طالب ہے اور سعید و رشید مولانا کے غایت تادب و تکریم اور عجز و انکسار کے ساتھ خود دانہ توقیر و تعظیم کا یہ مقتضی کہ گو اعلیحضرت کا قدم قدم سرچشمۂ وصل و آب حیات

ہونے کی وجہ سے ذریعہ فلاح دین و دنیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی یہ قدم ہمینٹ لزوم بجائے زمین کے گویا آپ کے دل محروق پر چل رہے اور عزت کے ساتھ کلفت کا سبب ہو رہے تھے اسلئے کچھ عجیب سماں تھا کہ نہ امام ربانی حضرت مولانا قدس سرہٗ غایت ادب کے باعث سواری پر سوار ہو سکتے ہیں اور نہ اعلیحضرت اپنے لاڈلے روحانی بیٹے کی درخواست پوری فرماکر واپس ہوتے ہیں یہانتک کہ اعلیحضرت ہی پاس خیال کہ بیماری کی حالت میں پاپیادہ چلنا مباد چاہیئے دینی بیٹے کی کلفت و ماندگی اور زیادت مرض کا باعث ہو ٹھٹکے اور مجمع کو وہیں کھڑا کر کے حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ "اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اسکو بیعت کر لینا" حضرت امام ربانی فرماتے تھے کہ میں نے عرض کیا "مجھ سے کون درخواست کریگا؟" اعلیحضرت نے فرمایا "تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا"

یہ تیسرا انعام تھا جو اس پہلے سفر کی آخری ملاقات کے وقت حضرت مولانا قدس سرہٗ کو عطا ہوا یہی وہ عطیہ ہے جسکے حاصل کرنے کی غرض سے آستانے ڈھونڈے جاتے اور برسوں پیران عظام کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں۔

الحمد للہ کہ امام ربانی جس نیت و قصد کے ساتھ گنگوہ سے آئے تھے وہ تو بھول بھلیاں ہو گئی اور فکر و استخارہ کے بعد جو امر ذہن نشین ہوا اور مولانا قاسم العلوم کی تمنا تھی اس سے مالا مال و خاطر خواہ فائز المرام ہو کر تینتالیسویں دن واپس وطن ہوئے۔ کیا خدا کی دین ہے کہ جس دہلہ میں بیعت ہوئے اسی دہلہ میں صاحب نسبت بنے خلیفہ ہوئے اور چلتے چلتے اصرار و تقاضہ کے ساتھ اعلیحضرت کی زبان سے یہ مبارک حکم وارشاد سنا کہ دیکھو جو درخواست کرے اسکو ضرور بیعت کر لینا" یہی سفر سفر بیعت تھا اور یہی سفر سفر حصول خلافت یہی قلیل زمانہ زمان سعی تھا اور یہی چند ایام ایام ظفر و کامیابی روانہ ہوئے تھے مولانا شیخ محمد صاحب سے مباحثہ کرنے اور تبعاً و ضمناً انجان و ناواقف بنکر اللہ کا نام سیکھنے کے لئے اور آئے پڑھے لکھے عالم طریقت مجاز حقیقت شیخ عصر بنکر دوسروں کو اللہ کا نام سکھانے اور گنگوہ کو مہبط انوار و مرجع خلائق بنانے ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بیعت کی اجازت بلکہ تاکیدی حکم فرماکر اعلیحضرت نے رخصتی مصافحہ کیا اور دولتکدہ کیجانب

مراجعت فرمائی ادھر حضرت امام ربانی شیخ کی مفارقت جسمانی میں سراپا حزن وملال احباب سے مخصوص ہوبہل میں سوار گنگوہ آئے وطن پہونچکر جس کیف وذوق اور شغل وحال میں گزری اب اُسکا کیا پوچھنا نہ کسی میں کہنے اور بیان کرنے کی تاب ہے نہ معلوم کرنے اور دریافت ہوسکنے کی طاقت حضرت امام ربانی کے ماموں زاد بھائی اور طفولیت کے پُرانے رفیق وغمگسار شفیق جناب مولوی ابوالنصر صاحب سلمہ فرماتے تھے کہ تھانہ بھون سے واپس ہوکر حضرت اقدس کا قیام میرے مکان پر تھا نصف شب کو جب آپ اُٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رُخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں بھی لگا ہوا چلا آتا تھا جسوقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اُسکی تو کسی کو کیا خبر؟۔

تھانہ میں امداد یہ آستانہ سے جو بات حاصل ہوئی تھی اُس نے نہ کھانے کا رکھا نہ پینے کا۔ ہر وقت تفکر واستغراق سے کام تھا اور رونا سبب راحت وآرام اکثر تمام شب روتے گزر جاتی اور سارا سارا دن کسی گہرے فکر میں غرق ہوئے تمام ہوجاتا تھا آپکی والدہ ماجدہ نے ایک رضائی نیلے رنگ کی آپ کے لئے طیار کی تھی کہ شب کو مسجد میں آتے جاتے خنکی سے محفوظ رکھے اور ہلکی سُتری میں راحت پہونچائیگی آپ کے رونے اور آنسوؤں کے اُسی رضائی سے پوچھنے کی وجہ سے اُسکا رنگ بھی کچھ کا کچھ ہوگیا اور ہیئت ہی دوسری بدل گئی تھی۔

چونکہ شب کا آخری نصف حصہ حضرت مولانا کا مسجد میں بالجہر ذکر کرتے اور اپنے آقا تعالیٰ شانہ کی یاد میں گزرتا تھا اِس سے آپکے اہل وطن کو آگاہی ہوئی اور سمجھے کہ آپ تھانہ بھون مرید ہونیکو گئے تھے ورنہ اس سے قبل کسی کو اطلاع بھی نہ تھی کہ آپ کے سفر تھانہ کی نہایت کیا تھی غرض لوگوں میں اسکا چرچا شروع ہوا اور شدہ شدہ وہ مضمون جسکو آپ نے عمر بھر چھپا رکھنے کی خواہش کی تھی بطور خود مردوں اور عورتوں بیگانوں اور بیگانوں پر ظاہر ہونے لگا اور بوئے مشک کی طرح بستی کے چار کونوں میں پھیل گیا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو حقیقت میں کسی طالب کے بیعت کرنے کا شوق اور اپنے آپکو اس لائق سمجھنے کا واہمہ بھلا کیا ہوتا آپ کا اعلیٰحضرت کی طرف سے خلافت واجازت عطا ہوتے وقت سادگی کے ساتھ یہ عرض کرنا کہ "مجھسے کون بیعت کی درخواست کریگا" وہ طبعی اندرونی مضمون اور واقعی سچے دل کا مکنون تھا جس میں نام کو بھی تکلف وتصنع کا دخل نہ تھا اور حقیقت میں

اپنی ناقابلیتی کا قلبی اعتراف بھی وہ قابلیت تامہ ہے جس پر اجازت اور حق تعالیٰ کی طرف سے معاونت و برکت شامل حال ہوتی ہے پس گو آپ اس امر سے خالی الذہن تھے کہ آپ شیخ سمجھے جائیں گے اور آپ سے مرید بننے کی تمنا کیجائیگی" مگر اعلیحضرت کی راست گو زبان جو حقیقت میں فرمان رحمٰن کی ترجمان تھی یوں کہہ چکی تھی کہ "کوئی بیعت کرنا چاہے تو ضرور بیعت کر لینا" اس لئے پیشین گوئی جلد پوری ہوئے بغیر نہ رہی اور آپکو وطن واپس ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک عفت مآب نیکمل عورت نے آپ سے بیعت کی درخواست کی اور عرض کیا کہ "مجھے مرید کر لیجئے"۔

یہ ایک عجیب سماں تھا کہ جو قدسی نفس اللہ کا بندہ اپنے آپکو یوں سمجھتا ہو کہ دنیا ایسی بے وقوف کیوں ہونے لگی کہ مجھ نااہل و بیکار محض کو بھی کچھ سمجھے گی اُس سے وطن ہی کی ایک عورت بیعت کرنے کی درخواست کرے۔ پس امام ربانی نے خداداد حیا کے باعث گردن جھکالی اور کسر نفسی و طبعی تواضع کے سبب درخواست نامنظور فرمادی اور خوبصورتی کے ساتھ ٹالدیا۔ خدا کی شان ہے کہ جوں جوں ادھر سے انکار تھا دوں دوں اُدھر سے اصرار تھا یہانتک کہ اعلیحضرت ناچار تشریف لیجانیکی نیت سے روانہ ہوئے اور اسی سفر میں گنگوہ حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ امام ربانی کو میزبان اور اعلیحضرت کو مہمان بننے کا اتفاق ہوا اسوقت آپ نے اپنی خوش نصیبی پر جتنا بھی فخر کیا ہو بجا ہے اور احسان خداوندی کا جسقدر بھی شکریہ ادا کیا ہو زیبا ہے ابھی چند روز ہوئے آپ تھانہ میں اعلیحضرت کے مہمان تھے اور آج اپنے دین و دنیا کے آقا اور سرتاج کو اپنے خانہ بے تکلف پر سایہ افگن پا رہے ہیں اسوقت آپکی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں،

صاحب نصیب عورت کو اپنے درد کا درمان حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا کہ پیر کی بے اعتنائی کا گلا دادا پیر سے کیا جائے اور باپ کی شکایت ہو تو جد بزرگوار سے ہو پس اعلیحضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ "دیکھئے حضرت میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور مولانا بیعت قبول نہیں فرماتے" اب کیا تھا اعلیحضرت کے لطافت آمیز سوال تھے کہ "کیوں صاحب سائل کی درخواست کیوں منظور نہیں ہوتی"؟ اور حضرت مولانا شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے اگر جواب تھا تو کبھی یہ کہ "حضرت میں اس قابل نہیں" یا اس طرح کہ آقائے زمانہ کے تصرف فرمانے غلام کی کیا طاقت کہ کسی کا آقا

بنے مگر اعلیحضرت بارہا یہی فرماتے تھے کہ "جب کسی کو تم ہی سے عقیدت ہو تو وہ میرا مرید ہو کر کیا نفع اٹھائیگا"
خلاصہ یہ کہ اعلیحضرت اُٹھے اور امام ربانی کو اپنے ہمراہ درخواست کنندہ عورت کے مکان پر لائے اور فرمایا
لو میرے سامنے بیعت کرو۔

اللہ اللہ کیا خوش نصیب عورت تھی جسکا سوال گھر بیٹھے پورا ہوا اور جسکے روحانی امراض کا معالجہ کرنے
اور اللہ کا نام سکھانے کو دو دو حاذق طبیبوں کے خود مریضہ کے در تک آنیکی نوبت آئی۔ ادھر سایلہ کی مسرت
بے اندازہ کا نظارہ کیجئے جسکو چھپر پھاڑ کر بلا حساب دولت دی جا رہی تھی اور اُدھر امام ربانی کی حیا و شرم
اور اطاعت و فرمانبرداری پر نظر ڈالئے جو اعلیحضرت کے سامنے نیچی گردن جھکائے اُس عورت کو بیعت کرنے
اُسکے دروازہ پر جا رہے ہیں جسکا سوال رد فرما چکے تھے اور اسکے ساتھ اعلیحضرت روحی فداہ کی عزت
افزائی و کرم نمائی ملاحظہ کیجئے جو اپنے لاڈلے رشید کو شیخ بنانے کے لئے گنگوہ کے گلی کوچہ کو قطع
فرما رہے تھے یہی وہ پہلا موقع تھا جس میں امتثال امر کی سعادتمندی کو عمر بھر کے لئے حضرت قدس سرہٗ
نے پلّہ باندھا اور دل میں رکھ لیا تھا چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ مجکو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
سخت تاکید بیعت کرنے کی ہے اسلئے کرلیتا ہوں ورنہ جی اندر سے نہیں چاہتا۔" آہ اپنے شیخ کے سعادتمند
پیارے رشید پر بایں سعادت و اطاعت تخالف کا بُہتان باندھنے والوں کا قیامت کے دن
کیا حال ہوگا جبکہ دونوں روحانی باپ بیٹے جوار رحمت خداوندی میں ہمکنار ہوں گے اور اعمال ناموں
کے صفحات پر چمکدار حرفوں میں لکھا ہوا یہ ابتدائی واقعہ جس میں عورت کو بیعت لینے اور لوانے کیلئے
بیمنت لزوم قدوم نے راستہ قطع کیا تھا عالم آشکار مخلوق کے سامنے لاکر رکھا جائیگا۔ الغرض اعلیحضرت
اُس عورت کے مکان پر پہونچے اور اپنے روبرو حکماً حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ سے اُس عورت
کو بیعت کرایا اور نالوتہ تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ بیعت کرنے اور مجاز ہونے کے بعد جب گنگوہ واپس ہوئے تو تھانہ کی آمد و رفت
اور دربار امدادیہ کی حاضری کا یوں سلسلہ قائم رکھا کہ آٹھ دن گنگوہ رہے تو دس دن کے لئے تھانہ بھون
چلے گئے اور کبھی بارہ دن تھانہ رہے تو پندرہ دن گنگوہ قیام فرمایا غرض ہر پندرہواڑے اور ہر مہینے بلکہ
بعض دفعہ ہر ہفتہ اعلیحضرت کی زیارت اور شرف حضوری کو ضروری سمجھا۔

آپکی طالبعلمی کا زمانہ جسمیں کنبہ کے رشتہ دار بقدر وسعت خدمت کرنی اپنا فرض سمجھتے تھے گزر چکا تھا

کئی مہینے ہوئے آپ متاہل بن چکے اور نکاح ہولیا تھا آپکی سلیم فطرت اور طبعی غیرت اسکو گوارا نہ کرتی تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور دوسروں کی روٹیوں پر گزارا کریں اور اسکے ساتھ ہی آپکی متوکل ذات کسی مشغلہ معاش کو گوارا نہ کرتی تھی یوں چاہتے تھے کہ کنبہ اور اقارب کا سارا جتھا مجکو میرے حال پر چھوڑ دے اور فقر ہو یا فاقہ کسی حال کی بازپرس یا دیکھ بھال نہو مگر کنبہ میں خصوصاً ماموں سے کب ممکن تھا کہ آنکھوں پر ٹھیکری رکھیں اور بے باپ والے لاڈلے بھانجہ کے خبر گیراں نہو آخر اسی اثنا میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانے کی ایک جگہ سے نوکری آئی جسکی تنخواہ سات روپیہ ماہوار تھی آپ نے اعلیحضرت سے دریافت کیا اور منظوری چاہی وہاں سے یہ جواب آیا کہ "اسکو منظور نہ کرو اور زیادہ کی آدیگی" چنانچہ آپ نے بلانے والے کو انکار لکھدیا اور وہاں نہ گئے۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ سہارنپور کے مشہور رئیس اعظم نواب شائستہ خاں نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے آپکو بلایا اور دس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ حضرت امام ربانی گو اہل بصیرت حضرات کے نزدیک بڑے بیش قیمت تھے مگر اپنے نفس کے نزدیک بہت ہی ارزاں اور سستے تھے اسلئے آپ نے ہر مہینہ میں دس روپیہ کو گزارے کے لئے کافی اور اپنی حیثیت قابلیت سے زیادہ سمجھکر منعم درزاق خدا کا احسان سمجھا اور منظور فرمالیا۔ اعلیحضرت کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو فرمایا "اگر صبر کرتے تو اور زیادہ کی نوکری آتی" مگر چونکہ امام ربانی کو حقیقت میں نوکری کرنی منظور ہی نہ تھی صرف ایک تدبیر تھی جس سے آپ کنبہ کی طرف سے اپنے حال پر چھوڑ دئے جائیں اور اس کے ساتھ ہی دنیا طلبی یا کسب و شغل معیشت میں زیادہ کی حرص نہ تھی اس لئے یہ عجلت آپ کے دینی مدارج کی ترقی کا سبب بنی چنانچہ آپ نے کم و بیش کل چھ ماہ نوکری کی اور اسکے بعد وہ توکل تام اختیار فرمایا جسکی نظیر صفحۂ عالم پر بہت ہی کم نظر آئیگی۔

آپ نے اپنی عملی حالت سے تعلیم پر اجرت لینے کا مسئلہ متاخرین آپنے ضعفاء متوسلین کیلئے باعث تسکین اور سبب راحت و تسلی بنا دیا۔ بچوں کی تربیت و تعلیم کا پیشہ بھی اختیار کیا درجہ عبودیت میں کسب معاش کے حکم کی تعمیل بھی کی اپنا ضعف اور افتقار الی نعمۃ اللہ اپنے خدا کے سامنے ظاہر کیا۔ دس روپیہ کو ریاضت کی کمائی اور اس عطیہ خداوندی تلاث عشرۃ کاملۃ کو کسب حلال سمجھکر نہایت شکر گزاری کے ساتھ گود میں رکھا۔ ماں کی خدمت کی بی بی کا نفقہ ادا کیا اور سارے کنبہ کو خوش کیا طعنہ زن اصحاب کا یہ الزام رفع ہوا کہ کمانے کی ملاقوں میں قابلیت نہیں۔ آخر ان مراحل کو طے فرما کر اسی اپنی دھن میں

مشغول ہونیکی حالت غالب آئی جسکے لئے آپ پیدا ہوئے تھے اس لئے مستغنی ہوئے اور سہانپور سے نوکری چھوڑ کر گنگوہ پہونچے۔ گنگوہ پہونچکر آپ نے اپنے سچے آقا خداوند تعالیٰ شانہ کا قرب حاصل کرنے میں پوری ہمت صرف کردی۔ محنت و مجاہدہ۔ ریاضت و جفاکشی کو غذائے روحانی سمجھکر جتنی بھی کثرت ہوسکی بطوع و رغبت بڑھاتے رہے یہانتک کہ جیسا آپکی زبان سے ایک مرتبہ نکلا تھا کہ "میں تو مرمٹا" حقیقت میں سچ تھا آپ مرہی مٹے یہانتک کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی اور آپ بسا اوقات پہچانے نہ پڑتے تھے بعض دفعہ آپکی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ لوگوں کو آپ کسی مہلک مرض میں مبتلا اور اندیشہ سخت بیماری میں گرفتار ہونے کا خیال غالب تھا۔ اس دل کی لگی اور تقلیل طعام و کلام و منام کے ساتھ لوگوں کے طعن و تشنیع طنز و آوازے گویا اس مصیبت کا سامنا تھا کہ جسکا تحمل شریف النفس شخص کے لئے پہاڑ کے بوجھ سے زیادہ دشوار ہے کوئی کہتا تھا کہ "میاں تھانہ گئے تھے مرید ہوآئے رانکو خوب ہو حق ملتی ہے" کسی کی زبان سے نکلتا تھا "بس ہوگئے ہاتھ پاؤں ٹوٹے معذور مسجد کے ملانے" کسی کا طعن تھا کہ "بی بی بچوں کی بڑی مصیبت" کوئی آوازہ کستا تھا کہ "کمانے کے قابل نہوئے تو اور کرتے کیا؟"۔ کسی کی رائے تھی کہ "کھانے کو مرت دو اپنے آپ تنگ آکر کمانے کی سوجھیگی" غرض جتنے منہ اتنی باتیں آپ جس دھن میں لگے ہوئے تھے وہ ایسی محو کن اور رقابت سے متنفر کارہ تھی کہ دوسری طرف ہٹانا جانتی ہی نہ تھی آپ کو وہ استقلال اور سپر استقامت بنکر شب و روز اپنے کام میں مصروف رہے اور گویا پہلے ہی دن دنیا کو خیرباد کہکر عالم کو بالائے طاق رکھکر یہ سوچ لیا تھا کہ ؎

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں ۔۔۔ یا وہ بغل میں آئے یا جان قفس سے چھوٹے

آپ گو بالکل خاموش تھے مگر آپکی زبان حال پکار رہی تھی کہ ؎

لعن طعن و سب و شتم و طنز و مقت ۔۔۔ نیم بسمل جان پر سب، کچھ سہا،
کیا گلہ محبوب سے اُس خون کا ۔۔۔ مل رہا ہو جس کا ہر دن خوں بہا،

تھانہ بھون کے بازار جاں فروشی میں بضمن بیعت اپنا قیمتی دل بیچکر جو سودا آپ خرید چکے تھے اُسکے فرط عشق میں سودائی و مجنون بنکر اس درجہ محو مستغرق تھے کہ فریفتگی و استغراق سے بھی محویت تھی اور اعلیحضرت کے ارشاد و سراپا ارشاد کے بموجب آٹھویں دن جو خدائی نعمت آپکو حاصل ہوچکی تھی اسپر جاں نثاری میں اس درجہ شغف تھا کہ آپ کا رواں رواں بول رہا تھا ؎

تیر و تفنگ و نیزہ و شمشیر آبدار سب کچھ سہی یہ ایک نہیں کی نہیں سہی

دنیا کی یہ مصیبتیں کھانے پینے کی تکالیف آپکو لذیذ و شیریں معلوم ہوتی تھیں اور لوگوں کی دشنام دہی اور آوارگی کے خطاب میں آپ اپنی عزت سمجھے ہوئے تھے۔ آپ کا وہ دل جو ایک کا پابند ہو چکا تھا نوکری یا کسب دنیا کے ہر علاقہ کو پاؤں کی بیڑی اور ہاتھ کی کڑی سمجھتا تھا مشاغل معاش کا ہر سلسلہ آپکو گلے کا طوق نظر آتا اور چند روزہ دنیا کے ایام گزاری کا ہر طریق ایسا وحشتناک راستہ محسوس ہوتا تھا جسمیں قدم دھرنا حقیقت میں بے رحم ہلاکو راہزنوں کا لقمہ بننا ہے۔ عالم دنیا کو آپ جیلخانہ سمجھ چکے تھے آپ پر خلقت سے تنفر اور جبلوت سے اُنس کا وہ رنگ طاری ہو گیا تھا جسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ آج نہ امام ربانی سے کوئی انسان صورت سے واقف ہوتا نہ آپ کسی آدمی سے آگاہ ہوتے۔ اپنے اُستاد مولانا عبد المومن صاحب کی زبانی میں نے سُنا تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے اعلیحضرت کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب میں باوجود عالم ہونے کے خلق نہیں پایا جاتا۔ اعلیحضرت نے یوں جواب دیا تھا کہ "میاں غنیمت سمجھو کہ مولانا آبادی میں ہیں میرا رشید تو درجہ ملکوتیت پر پہنچ لیا تھا اگر حق تعالیٰ کو اصلاح خلق کا کام لینا نہ ہوتا تو آج خدا جانے کس پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھا ہوتا۔ علمی خدمت اور خداوند تعالیٰ کو ایک بڑا کام لینا منظور تھا اسلئے کہ پکڑ کر نیچے اتارا گیا اور بستی میں رکھا گیا ہے" اور کمال حضرت امام ربانی قدس سرہٗ دنیا طلبی سے بالطبع متنفر ہو چکے اور محبت زر و مال سے آپ کا قلب صافی بالکلیہ خالی اور پاک ہو لیا تھا چنانچہ وہ واقعہ جو پچیس سال کی عمر میں آپکو پیش آیا اس طبعی حالت کو ظاہر کر رہا ہے آپ کے والد جناب مولانا ہدایت احمد صاحب جائے ملازمت یعنی گورکھپور سے جو کچھ کماتے اور ضروری اخراجات سے پس انداز ہوتا اسکو اپنے والد جناب قاضی پیر بخش صاحب کے پاس بھیجدیا کرتے تھے اور چونکہ دیندار عالم تھے اسلئے ساتھ ہی ادب کے ساتھ لکھ بھیجا کرتے تھے کہ مکان یا دوکان جو چاہیں خرید لیں لیکن رہن کسی کی جائداد ہرگز نہ رکھیں۔ قاضی پیر بخش صاحب مرحوم اس درجہ متشرع نہ تھے جیسا کہ آنکو قطب العالم کا جد امجد بننے کے لئے سزاوار تھا عوام دنیاداروں کی طرح منفعت عاجلہ کی ٹوہ میں رہتے تھے اور اسی حالت کو سلیقہ سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے صاحبزادہ کی اس درخواست کو سنا اور متعدد قطعات آراضی رہن رکھے۔

جس وقت پچیس سال کی عمر میں حضرت امام ربانی خود مختار اور وارث با اختیار ہوئے تو آپ نے تمام رہن ناموں کو نکالا اور آمدنی و وصولیابی کے کاغذات سے دستاویزوں کو میلان کیا۔ محاسبہ میں جن کی رقم منافعہ راس المال کے مساوی ہو گئی انکو بیباقی میں ڈالکر چاک کر دیا اور جنپر دو چار باقی رہ گئے تھے وہ انکو

معاف کردئے اور جن دستاویزات میں منافعہ راس المال سے فاضل نکلا اُن کو وہ قسم واپس فرمائی اس معاملہ فک رہن میں سوا سو روپیہ جو نقد تھا وہ دیا گیا اور گھر والی کا اکثر زیور فروخت ہو گیا۔ اس طرح پر تمام مدیون قرضدار اصحاب بلا گمان و امید اپنی گئی ہوئی زمینوں کے دوبارہ مالک ہوئے اور امام ربانی کی دیانت کے طفیل قرض سے سبکدوش ہو کر از سر نو زمیندار قرار پائے

یہ قصہ بنظر ظاہر سرسری و معمولی ہے اور پڑھنے یا سننے والوں کو گوشتہ کہانی معلوم ہوتی ہے مگر جب گہری منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو اُس کمال اتباع سنت مرضیہ کا پتہ دے رہی ہے جس میں امتحان کے وقت بڑے بڑے مولویوں اور دیندار ارباب صورتوں کو پسپا اور عاجز ہوتے دیکھا ہے خصوصاً جبکہ کھائی اور پی ہوئی رقم کے واپس کرنے کو گھر کا اثاثہ نکالنا اور چند سال کی بیاہی دولہن سے یوں کہنا پڑے کہ پاؤں کے چھانور و کڑے ہاتھ کی چوڑیاں اور جوشن اور کانوں کی بالیاں پتے نکالدے تاکہ اسکو فروخت کر کے اُن قرضداروں کو جو واقع میں قرض خواہ ہیں بقدر دین دیدیا جائے اور دنیا کے زیور کا معاوضہ بہشتی زیور حاصل کیا جائے۔

اِس واقعہ سے قبل آپکی استعداد امر بالمعروف کا یہ نمونہ پیش آچکا تھا کہ آپ کے حقیقی چچا میاں علی حسن صاحب کے یہاں بدپیرزادگی وہ ظروف گلی اور گھڑے اور رکابیاں آیا کرتی تھیں جو الہ بخش کے نام پر چڑھائی جاتی تھیں حضرت امام ربانی کو جسوقت بھی اسکی اطلاع ہوتی وہاں جاتے اور لکڑی ہاتھ میں لے سب کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا کرتے تھے ہر چند کہ عورتیں آپکو اس سے روکتی اور کہتی تھیں کہ "تو روڈ مت ایسا ہی ہے تو بھنگن یا کسی چوڑھی چمارن کو دیدینگے اپنے کام میں نہ لائیں گے" مگر آپ ایک نہ سنتے اور جب تک بالکلیہ فراغت نہو جاتی وہاں سے واپس نہوتے تھے۔

اِس واقعہ نے آپ کے اُن رشتہ داروں کے کان کھڑے کر دئے تھے جو پیرزادے کہلاتے تھے کیونکہ انکو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ سے بدپیرزادگی کی بہتیری منفعتیں تھیں اور بظاہر اُن کے خیال میں جو کچھ بھی اُنکی عزت تھی اس مجلس عرس و سماع اور محفل سرود و مزمار کی بدولت تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ "آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"؟ اور حقیقت میں اُن کا یہ اندیشہ سچا تھا کیونکہ حضرت امام ربانی کسی درجہ میں بھی ان حرکات کو پسند نفرما سکتے تھے چنانچہ چند ہی روز بعد سے اسکا ظہور شروع ہو گیا کہ آپ نے وعظ فرمایا نصیحتیں کیں اور متبع شریعت بنانے کو جو بھی تدابیر فرما سکتے تھے اُن میں کوتاہی نہ کی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ میں سنجیدگی و استقلال۔ ہمت و دلیری۔ مروت و شجاعت۔ ایثار و سخا

کو وضع و تکسر اور صاف گوئی و حق گفتاری کے جو اوصاف قدرت نے پہلے ہی سے ودیعت رکھے تھے وہ اب بڑھتے جاتے اور اپنا اپنا موقع پر اثر دکھاتے جاتے تھے اعلیٰحضرت سے بیعت کے بعد چونکہ طبیعت کا رنگ دوسرا ہو گیا تھا اسلئے ان خصائل کا مظہر پاک شریعت کے وہ احکام بنگئے تھے جنکی تکمیل تئیس سال میں ظاہری پیغمبر کے ہاتھوں یکستان عرب میں کی گئی تھی آپ حق کی فرمانبرداری میں کبھی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ فرماتے تھے اور امیر ہو یا غریب ذیجاہ ہو یا معمولی حالت والا بوڑھا ہو یا جوان بڑا ہو یا چھوٹا شرع کا حکم سنا دینے اور مناسب وقت و حال نصیحت کرنے میں مداہنت تو کیا معنی تاخیر و تامل بھی نہیں فرماتے تھے مخلوق کی کبھی ایذا یا دھمکی سے ڈرتے نہ تھے اور عسرت یا فقر کی حالت سے کبھی تنگ دل نہوتے تھے ریاضت و مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جبکہ آپ ستر سال کی عمر سے متجاوز ہو لئے تھے کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت صلوٰۃ الاوابین پڑھا کرتے تھے جسمیں تخمیناً دو پارہ قرآن مجید سے کم کی تلاوت نہوتی تھی پھر اسکے ساتھ رکوع و سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والے کو سہو کا گمان ہو نماز سے فارغ ہو کر مکان تک جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھیرنے کی مدت میں کئی پارہ کلام مجید ختم کرتے تھے پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوٰۃ تراویح جسمیں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم فرج نہوتے تھے۔ تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس گیارہ بجے قیام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ضرور ہی اٹھ کھڑے ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک ہی بجے آپکو وضو کرتے پایا اس وقت اٹھکر ڈھائی تین گھنٹہ تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی بعض مرتبہ سحر کہلانے کے لئے کسی خادم کو دو بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپکو تحریمہ ہی باندھے پایا۔ صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف و اوراد اور مراقبہ و ملاحظہ میں مصروفیت رہتی پھر اشراق پڑھتے اور چند سامعات کو استراحت فرماتے اتنے ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاویٰ لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے تھے ظہر کے بعد حجرہ شریفہ بند ہو جاتا اور تا عصر کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے باوجودیکہ اس رمضان میں جسکا مجاہدہ لکھا گیا ہے پیرانہ سالی و نقاہت کے ساتھ وجع الورک کی تکلیف شدید کا یہ عالم تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک تشریف لانیمیں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی اس حالت پر فرائض تو فرائض نوافل بھی کبھی بیٹھکر نہیں پڑھے اور اُن میں گھنٹوں کھڑا رہنا بارہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھکر ادا فرمادیں تو مناسب ہے مگر جب آپ کا جواب تھا ہی تھا نہیں جی یہ کم ہمتی کی بات ہے" الشکر ہمت آفرا فلا اکون عبداً شکوراً

قائل کی نیابت کوئی سہل نہ تھی جو اس ہمت کے بغیر حاصل ہو جاتی۔

یوں تو ماہ رمضان المبارک میں آپکی ہر عبادت میں بڑھوتری ہوتی تھی مگر تلاوت کلام اللہ کا شغل خصوصیت کے ساتھ اس درجہ بڑھتا تھا کہ مکان تک آنے جانے میں کوئی بات نہ فرماتے تھے نمازوں میں اور نمازوں کے بعد تخمیناً نصف ختم قرآن مجید آپکا یومیہ معمول قرار پاتا تھا جس شب کی صبح کو پہلا روزہ ہوتا آپ حضار مجلس سے فرمادیا کرتے تھے کہ "آج سے کچہری برخاست رمضان کو بھی آدمی ضائع کرے تو افسوس کی بات ہے"۔ اس مجاہدہ پر غذا کی یہ حالت تھی کہ کامل رمضان بھر کی خوراک پانچ سیر اناج تک پہونچنی دشوار تھی۔

اب اگر کوئی بڑا بوڑھا اس زمانہ کا ہمجولی محرم راز آپ کے حالات کا مترقب صاحب حافظہ زندہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اسوقت امام ربانی کے مجاہدہ کی کیا حالت تھی جبکہ جسم میں طاقت تھی اور بدن میں جوانی کا موسم تھا اور شباب کا عالم دل میں امنگ تھی اور ہمت کے ساتھ قوت سوا اسکا پتہ چلنا دشوار بلکہ قریب قریب محال و ناممکن۔ اس کام کے اہل بڑے بوڑھوں میں ایک مولانا ابوالنصر صاحب کا دم باقی ہے سو صدمات و حوادث سے اس درجہ سقیم کہ کل گزشتہ کی بات کا آج بھی یاد رکھنا بشکل ضعف دماغ کے باعث قرآن کے حفظ میں بھی فرق آگیا بچپن کے وقائع کی یادداشت کا تو کیا ذکر۔ الغرض اللہ کی عبادت و طاعت میں مصروف رہنے کیلئے آپ نے بوسعید کا وہ حجرہ انتخاب فرمایا جسمیں آپکے اصلی خلوتخانہ یعنی قدوسی حجرہ میں سکونت منتقل فرمانے کے بعد اکثر بلکہ تقریباً ہمیشہ مسجد کا مؤذن رہا اور اسی نام سے وہ مشہور ہے۔ (خلوتخانہ)

الغرض امام ربانی کی وہ عالی اور بلند ہمت جو خدائی خزانہ عامرہ سے فطرۃً آپکو عطا ہوئی تھی سرتاپا تمام و کمال تحصیل قرب الٰہی میں صرف ہونے لگی اور آپکی عمر عزیز کا لحظہ لحظہ جو حق تعالیٰ نے تجارت آخرت کے لئے جواہرات بنا کر راس المال قرار دیا ہے پائدار منفعت کے کسب میں گزرنے لگا رات کی سنسان گھڑیوں میں آپ اپنے نجات دہندہ خدا کو پکارا کرتے اندھیری شب کی سیاہ چادر اوڑھکر اپنے پروردش کنندہ خالق کو سجدہ کرتے اس کے دربار میں حاضر ہو کر ناک رگڑتے گڑگڑاتے اور روتے روتے بیتاب ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں کے پاس بیٹھتے ہوئے اکتاتے گھبراتے اور تنگدل ہوا کرتے تھے جنگل کے درختوں کی سنسناہٹ آپکو پسند آتی اور ویران خالی گھروں کے گوشوں سے آپکو انس حاصل ہوتا تھا۔ برادری کی کسی تقریب یا جلسہ میں آپ بے عوتے تو آپکی زبان حال یہ شعر پڑھتی ؎

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اور کوئی غیر آباد ڈھنڈیا شکستہ و ہزیمت خوردہ کھنڈر آپکو نظر آتا تو بے اختیار آپکی حالت پکارتی ؎

دیوانہ کو ویرانہ سے کیوں الفت نہ آئے — آخر تو ہر اک شخص کا انجام یہی ہے
سب دھندے ہیں دنیا کے جو بچ جائیں گے اکدن — خلوت میں خدا ڈھونڈ یہی کام یہی ہے

آخر آپکی متلاشی خلوت طبیعت اور تنہائی کی جویاں و طلبگار حالت نے اپنے مقصود کی تہ میں مکان مسکونہ کے متصل اُس خراب و ویران حجرہ پر نظر ڈالی جو آپ کے جد امجد اور دینی و دنیوی مورث اعلیٰ یعنی شیخ عبد القدوس قدس سرہٗ کا کسی زمانہ میں سالہا سال تک معبد و خلوتخانہ رہا اور اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے گدھوں گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا تھا تو آپ بیچین ہوگئے۔ روضہ کے متصل مسجد کی پشت پر واقع ہونے والی اس خانقاہ قدسی کی سوانح اور گردش فلک کا سماں آپکی نظر کے سامنے پھرا تو آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو دئے۔ کبھی مقلب الافلاک خدا کی بے نیازی کا نقشہ آپکی نظر میں جا جس نے آسمان سے باتیں کرنے والے سیکڑوں قلعے خاک زمین میں گمنام و بے نشان بنا دئے اور کبھی فنائیت عالم اور ناپائداری حال کی حالت آپ پر طاری ہوئی جسکی بدولت ہزارہا گلاب کے تختوں سے بھرے ہوئے حدائق و باغات نجاست کی کوڑیاں اور انبار غلاظت کے ڈھیر بنگئے۔ امام ربانی کا جلد متاثر ہونے والا رفیق قلب اور اللہ والوں کے نشان قدم پر جان نثار کرنے والا دل بھر آیا جبکہ آپ نے قدوسی یادگار کی زیارت کو خانقاہ میں قدم رکھا آپ شان کبریائی کا نظارہ کر رہے تھے کہ آہ وہ قطب العالم کی پاک عبادت گاہ جس میں رحمت خداوندی ابر نیسان کی طرح رات دن برسا کرتی تھی جہاں شیخ الشیوخ کی اپنے جل و علیٰ شانہ کے سامنے ناک اور پیشانی رگڑی جاتی تھی آج کس وجہ کس بیرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں ہو حق کے نعرے اور ذکر کی دل آویز آوازوں سے دیواریں اچھتیں گونجا کرتی تھیں اور آج سوائے مچھر اور پتنگے مکڑا اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے کچھ بھی سنائی نہیں دیتا اور گرد کے بجرے جہاں شیخ کے متوسل اور سچے طالب اپنی لو رہیے بجھا کر اللہ کا نام سیکھنے کو راتوں ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے اُن میں اسوقت سوائے سانپ بچھو یا کیڑے مکوڑوں کے کوئی رہنے والا نہیں ہے جس جگہ واصل باللہ سید المشائخ کا وہ نورانی مصلے بچھا کرتا تھا جسکو ہاتھ لگ جانا بھی دنیا اپنے لئے نجات کا سبب سمجھتی تھی آج وہاں گدھا بندھا ہوا رینگ رہا اور اپنے بول و براز سے اس پاک زمین کو نجس بنا رہا ہے جس لطیف الطبع غوث وقت کی نظافت کا یہ اقتضا تھا کہ مسواک کئے بغیر نماز نہ پڑھی جاتی تھی اس قدسی نفس کے مسکن میں جگہ جگہ لید اور گوبر کے ڈھیر اور تودے نظر آتے تھے۔ اس عجیب حیرتناک منظر پر آپ کبھی روتے اور کبھی افسوس کرتے کبھی انقلاب دہر اور فنائیت عالم کا اذعان حاصل فرماتے اور کبھی اپنے قادر مطلق پروردگار کی قدرت جلیلہ کے علم سے غلبہ کے اطمینان

دلاتے غرض یہ نظارہ عبرت گاہ آپ کے لئے اندیاد ایمان واذعان اور عروج وترقی روحانیت ہی کا سبب بنا اور یہی وہ جدی میراث تھی جو تین سو برس کے بعد خلف الصدق کو حاصل ہونے والی تھی اور اسکے ساتھ ہی وہ کوٹھریاں اور چھرے جو شیخ کا دنیاوی ترکہ تھا وہ بھی قدرت نے آپ ہی تک پونچانے کیلئے ودیعت رکھا اور بایں ویرانی وبربادی تین صدی تک اُسکی محافظت فرمائی تھی کہ اچھی جگہ ہونے کے باعث نااہل دنیاداروں کی رال نہ ٹپکے اور حصہ یقرہ ہو کر کسی کی بیٹھک یا مسکونہ مکان قرار نہ پا جائے۔ آخر گودڑ میں چھپے ہوئے اس بے بہا لعل کا قدردان جوہری سن بلوغ اور حالت رشد کو پونچ گیا اور نجابت آلود نافہ میں ڈھانپے ہوئے مشک کا مرتبہ پہچاننے والا طبیب اس خوشبو سے عالم کا دماغ معطر کر دینے کے لائق بنگیا اس لئے ملکوتی صفات شیخ کی یہ میراث بھی اُسکے خلف الرشید سرتاپا نور نواسے یعنی مولانا رشید احمد صاحبؒ کے قبضہ وتصرف میں آگئی

امام ربانی اُٹھے اور گدھے گھوڑوں کی لید یعنی نفیس کوکرہ میں بھر بھر کر باہر پھینکی کوڑا کرکٹ جو جمع ہو کر کوڑی اور کھات کا انبار بنگیا تھا پھاوڑے سے صاف کیا اور کھرپے سے کھود کر زمین کو ہموار بنایا بستہری مٹی پانی میں بھگوئی اور گل سے نیچے اوپر زمین اور دیواروں کو لیپا چھت پر برسات کی گھاس اکھٹی ہو کر ایک ایک ہاتھ اونچا کوڑا ہو گیا تھا اسکو درانتی سے کاٹا اور کھرپے سے صاف کر کے مثل قلوب صافیہ آئینہ بنایا نئی مٹی ڈلوائی سوراخ بند کئے اور شکست وریخت کی اپنے ہی ہاتھوں اچھی خاصی مرمت کر لی زمین میں بوریہ کا فرش کیا گوشوں میں لوبان کی دھونی دی عطر بکھیرا۔ خوشبو چھڑکی اور اس مقدس حجرہ کو از سر نو آباد فرما کر اپنا خلوتخانہ قرار دیا جسکے سوا تین سو برس ۳۲۵ بعد آج دن پھرے مشہور مثل تو یہ ہے کہ بارہ برس میں کوڑی کے دن پھرتے ہیں مگر جسکا نام دن پھرنا یعنی پہلے ہی سماں کا نظر آجانا ہے اُسکے لئے تو تین سو برس بھی جلدی ہی میں داخل ہیں

مرتب

بہتر ہے وہی خلق میں جو خلق خدا کو ۔۔۔ پونچائے نفع عام ہے جاں کا ہو کہ تن کا
بس علم تو دو ہی ہیں بحکم شہ لولاک ۔۔۔ ایک علم رہ دین دوم علم بدن کا

وہ زمانہ جس میں حضرت مولانا قدس سرہ کا دل عشق منزل اپنے خالق جل شانہ کا قرب حاصل کرنیکی جستجو میں ہر وقت کوشاں تھا حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کو عام نفع رسانی کا بلند درجہ آپکو عطا ہوا اور قدرت کی طرف سے وہ اسباب پیدا ہوئے جنھوں نے امام ربانی کو طب جسمانی کی طرف متوجہ کیا کیونکہ وہ روحانی معالج

* تبھی ۱۲ حافظ محمد یعقوب

جسکے لئے آپ نائب رسول بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے بدنی امراض کے معالجہ کی روح تھی پس مقتضائے حکمت خداوندی نے آپ کو دست شفا عطا فرما کر خلقت پر ترحم و شفقت سکھائی بیمار پرسی اور مرضی کی تیمارداری تعلیم فرمائی خلق اللہ کے ساتھ احسان و سلوک کا خوگر بنایا ضعفاء و مایوسین کے حال زار پر ترس کھانے کی عادت ڈالی عامۃ الناس کے حقوق کی محافظت کا راستہ طے کرایا اور دنیاوی زندگی سے ناامید ہو جانیوالوں اور حیات عاجلہ کی تباہی و بربادی سے گھبرا جانیوالے لوگوں کے سروں پر آپ کا ہاتھ رکھوایا۔

حضرت امام ربانی نے اپنے خالق کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے ساتھ اس خدمت مخدومانہ کا جو حق ادا فرمایا اسکی نظیر فن طبابت کے مشاہیر اطباء میں بھی ملنی دشوار ہے وہی حجرہ بوسعید جسکو آپ نے اپنا خلوتخانہ بنایا تھا آپ کا مطب تھا اور وہیں ہندو مسلمان مریض چھوٹے بڑے پرائے بیماروں کا جمگھٹ رہتا تھا طبی جز کے متعلق میری سائلانہ درخواست پر مخدومنا و مولانا صاحبزادہ حکیم حافظ مولوی مسعود احمد صاحب دام مجدہٗ کی جو تحریر آئی ہے چونکہ مناسبت فن کے باعث وقیع و مستند ہونے کے علاوہ لفظی و معنوی حیثیت سے بھی قابل شرف و احترام ہے اسلئے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں وھوھذا۔

حضرت مولانا کے متعلق طب کے عنوان میں جو کچھ بھی لکھا جائیگا اسکو نمونہ کہنا بھی سوء ادب ہے مگر عجیب بات قابل ذکر یہ ہے کہ حضرت کو اسطرف توجہ کیونکر ہوئی اور تاریخ اس فن کے شروع کی کیسی عجیب و غریب ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کے ماموں مولوی محمد تقی صاحب طبیب تھے انھوں نے دہلی کے معزز طبی گھرانوں میں سے کسی جگہ پڑھا تھا وہ گنگوہ میں مطب کرتے تھے اور اُن کا مطب اُس زمانہ قحط الاطباء میں اچھا سمجھا جاتا تھا۔ ایک بار حضرت مولانا قدس سرہٗ کی والدہ کی خالہ بیمار ہوئیں اور سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ دست تو کچھ نہ تھے صرف اسفل معدہ میں درد تھا جس نے بیچین کر رکھا تھا حکیم مولوی محمد تقی صاحب اپنی خالہ کے معالج تھے دوائیں پلاتے تدبیریں کرتے کئی روز گزر گئے مگر مریضہ کو کوئی نفع محسوس نہ ہوا۔ حضرت مولانا کی عمر شریف اُسوقت کم و بیش ۲۲ سال تھی نانی نے آپ سے شکایت کی کہ "مجھے محمد تقی کی دوا سے فائدہ نہیں ہوتا بیٹے تو بھی تو بڑا عالم فاضل ہے تو ہی کچھ کر اور کوئی دوا ایسی بتا جس سے میری تکلیف رفع ہو" حضرت مولانا قدس سرہٗ نے اُسوقت سکوت فرمایا اور کچھ جواب نہ دیا مگر نانی کی بیحد تکلیف پر دل میں خیال ضرور پیدا ہو گیا کہ اسطرف توجہ کروں چنانچہ آپ وہاں سے اُٹھے اور میزان الطب میں معدہ کی بحث نکالکر مطالعہ شروع فرمایا۔

اس قسم کی کتاب کے مطالعہ سے نانی صاحبہ کے مرض پر اپنی رائے قائم کرنے کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا مرض ہے نانی صاحبہ کو؟ مولوی محمد تقی صاحب نے فرمایا کہ بند ہیضہ ہے فاضل بھانجہ نے سوال کیا کہ بند ہیضہ کی کوئی نوع ہے؟ اس معالج کو تامل کرکے جواب دینا پڑا کوئی نہیں"۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ نانی صاحبہ کو میرے خیال میں ورم معدہ ہے۔ مولوی محمد تقی صاحب آخر طبیب تھے اور بھانجہ کی ذکاوت طبع سے اچھی طرح واقف و آگاہ اسلئے ذرا غور فرمایا اور آخر آپ کی اس تشخیص پر تحسین و مسرت ظاہر فرمائی نیز حکمتاً یوں فرمایا کہ رشید احمد اپنی نانی کا تم معالجہ کرو اور بالضرور اس فن پر نظر ڈالو کہ خلق خدا کو نفع پہونچے۔ یہ اول معالجہ تھا جس میں کامیابی نے دست بستہ حاضری کو اپنا فخر سمجھا اور شیخ وقت کی دست بوسی کی۔

نانی صاحبہ کا حضرت امام ربانی نے معالجہ کیا اور بحمد اللہ وہ جلد شفایاب ہوگئیں انکو صحت کا حاصل ہونا تھا کہ مستورات میں اسکا چرچا ہونے لگا اور پرانے پرانے مریض ٹوٹ پڑے۔ اس زمانہ میں قصبہ گنگوہ کے اندر مولوی محمد تقی صاحب کے علاوہ اور بھی دو ایک شخص طبیب تھے لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ پر اس وہبی شفا اور غیبی عطا کے باعث بیمار خلقت کا رجوع اسدرجہ بڑھا کہ قریب قریب سب کے سب اس خدمت سے فارغ البال ہوگئے۔ اسکے بعد حضرت کا معمول تھا کہ حسب ضرورت میزان الطب پر نظر ڈالتے تھے اور توجہ و فوض کے بعد جو تدبیر آپ کے ذہن میں قرار پاتی اسکو عمل میں لاتے تھے چنانچہ جن ایام میں اس فن کو میں نے مستقل شروع کیا ہے کسی مذاکرہ کے ذیل میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ "بھائی میں ایسا طبیب ہوں کہ بالاستیعاب ساری میزان الطب بھی نہیں دیکھی جب کبھی کسیر اعظم میرے پاس آگئی تھی اسکو حسب ضرورت دیکھ لیتا ہوں ورنہ وہی میزان الطب تھی جس سے کام لیا"۔

بایں ہمہ حضرت مولانا قدس سرہ کے معالجات اور تشخیصات ایسے عجیب اور اونچے پیمانہ پر بکثرت دیکھے گئے ہیں کہ ناواقفوں کا تو ذکر ہی کیا اچھے اچھے واقفین فن بھی متحیر ہو جاتے تھے۔ آپکے معالجات عموماً نہایت مختصر اور سہل الحصول ادویہ مفردہ سے ہوتے تھے اسلئے کہ پہلے گنگوہ میں جیسے معمولی طبیب معالج تھے ایسے ہی ادویہ بھی نہایت معمولی اور بوسیدہ ملتی تھیں بلکہ حضرت مولانا اکثر جڑی بوٹیوں اور جنگل کے درختوں کی چھال اور پتوں سے معالجہ فرماتے تھے مرکبات بنانا گنگوہ کے عطار گویا جانتے ہی نہ تھے مولانا ہی نے جب مرکبات سے حسب ضرورت کام لیا تو مرکب ادویہ کا بنانا لوگوں کو معلوم ہوا۔ فہمیدہ عطار پیر جیو محمد جان آنے

ایک رشتہ دار کو بتلایا سکھلایا بنوایا اور استعمال کیں۔

حضرت کو دیہاتی اَن پڑھ جاہلوں سے بکثرت واسطہ پڑتا تھا اور وہ اپنی طبیعت و عادت کے موافق ترکیب استعمال وغیرہ کے سمجھانے میں اُلجھتے اور موقع و بیموقع انداز سے بار بار ایک بات کو کہدیا کرتے تھے حضرت امام ربانی اُن کے لب و لہجہ اور زبان[۱] میں اُنکو سمجھاتے اور کبھی جبین پر شکن یا تردّش نہ ہوتے تھے یہانتک کہ حاضرین جلسہ اُنکے واہیات کی گلجھٹوں سے اُکتاتے اور اپنے نفس پر بیحد مشقت محسوس کرتے تھے مگر ایسا شخص جو تہذیب نفس میں کامل اکمل ہو اُسپر اس ناگوار مضمون کا ادنیٰ شائبہ بھی پیدا نہوتا تھا آپ خندہ روئی کے ساتھ اُنکی کافی تشفی فرماتے اور جب تک طریق استعمال اچھی طرح اُسکے ذہن نشین نہو جاتا اُسوقت تک آپ بے توجہ نہوتے تھے۔

مستورات کے معالجات میں معمولاً نبض اور کمتر قارورہ[۲] مینی آپ کا معمول تھا شرم کے سبب گویا بیان کا عدم تھا اس پاکیزگی سے معالجہ فرماتے تھے کہ اتفاقاً ہی کسی قابلہ (دائی) سے سوال یا امداد کی ضرورت ہوتی تھی۔

اکثر ایسا ہوا کہ اطراف و جوانب کے وہ اطبا، جو ذی علم اور فن سے پوری واقفیت رکھتے تھے کسی معالجہ میں عاجز آگئے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے مشورہ لینے کی اُنکو ضرورت پیش آئی حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ جس مضمون میں آپنے مشورہ دیا عموماً اُسمیں کامیابی ہوئی حکیم سرفراز خاں پنڈولی والے غریب سادہ مزاج محبّ علماء و فقراء طبیب تھے مدت مدید تک چونکہ بخار میں مبتلا رہے اسلئے اپنے آپکو مدقوق تجویز کرلیا اور زندگی سے بالکل مایوس ہوگئے ایک بار حضرت مولانا کی زیارت کو حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کیا حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے محض اُنکی حالت پر نظر فرماکر دوا بتلائی حضرات ناظرین تعجب کرینگے اور کم از کم تبسم بھی کیونکہ جو دوا حضرت نے بتائی تھی وہ عجیب تھی آپ نے فرمایا کہ "خاں صاحب آپ آکھ کے چند پتے زرد شدہ لیکر آگ میں جلا لیجئے اور اُس راکھ کو شہد میں دو تین رتی کی مقدار ملا کر صبح کو چاٹ لیا کیجئے" حکیم صاحب نے اس نرالے کشتہ کے نسخہ کو ٹھنڈے دل سے سُن لیا لیکن چونکہ مُسن بھی تھے اور زندگی سے ناامید ہوچکے تھے اس لئے یہ سمجھکر کہ لاؤ استعمال کرکے دیکھ تو لوں آکھ کے پتے منگا کر اُسکی راکھ کی اور حضرت کی رائے کے موافق استعمال شروع کیا۔ دو تین ہی دن گزرے تھے کہ بیّن نفع محسوس ہوا پھر تو ہمت بڑھی اور خدا کے فضل سے ہفتہ عشرہ میں کلی نفع ہوگیا چنانچہ تندرست ہوکر بستر مرض سے اُٹھ کھڑے[۳] ہوئے اور شکریہ کو گنگوہ بھی تشریف لائے۔ یہ زندگی سے مایوس ہوجانے والے طبیب ابتک زندہ ہیں اس وقت اُنکی عمر ستّر سال کے قریب ہے۔

عسر ولادت کے لئے پرچہ ٹکی جڑان پر بند ہوا تے تھے باذن اللہ فوری نفع ہوتا تھا اور اسی ضرورت میں قند سیاہ اور کنجد سیاہ۔ جوش دیکر پلواتے تھے۔

تب کہنہ بلغمی میں مصری مصطگی ہموزن سفوف کرکے ۶ ماشہ خوراک فرمایا کرتے تھے۔

ایک عورت کو عرصہ سے مرض استحاضہ تھا اور بکثرت جاتا تھا اسکا شوہر مجبور ہو کر حضرت کے یہاں حاضر ہوا یہ شخص مخلص عقیدتمند پڑا وہ گرتھا حضرت نے اسکے حسب حال دوا تجویز کی اور فرمایا کہ انیسوں کا کھورا پانی کے ساتھ پیسکر ایک بقال شصت سالہ کو لقوہ پڑا ایک طبیب گنگوہی نے اسکی حیثیت سے زیادہ مالی طمع کی جس سے وہ اگتا گیا یہ حضرت سے تعلق رکھتا تھا آخر جب آپ تک یہ قصہ پہنچا تو آپنے فرمایا کہ "شہد کا استعمال کرو اور پانی کی جگہ بھی غذا ہی بکثرت کھلاؤ" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا غالباً تیسرے یا چوتھے دن بالکل صاف ہو گیا۔

ایک شخص نوجوان اٹھارہ سالہ عمر کا حاضر آستانہ ہوا جسکو پانچ سال سے مرض استسقا تھا آپنے اسکے لئے دوا تجویز فرمائی کہ عنب الثعلب اور کاسنی پلائی جائے اور روغن بھی انہیں عرقوں میں کھلائی جائے نیز ایک گرم تندور میں بدن مدفون کرنا بھی تجویز فرمایا چنانچہ اسی سے اس مستسقی کو پندرہ بیس دن میں آرام ہو گیا یہ شخص ابتک تندرست ہے اسوقت اسکی عمر پینتیس سال کی ہے۔

ایک پٹواری بقال عنین محض تھا اپنے علاج کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا ناظرین کو تعجب ہوگا اور ماہرین فن اطبا کو بھی کافی غور کی ضرورت ہوگی حضرت امام ربانی نے تین دانہ بادام اور ایک خرما سوتے وقت کھالینے کو ارشاد فرمایا بس اسی دوا سے اسکی حالت درست ہو گئی قوت رجولیت اسمیں آگئی چنانچہ اسوقت وہ صاحب اولاد ہے اور تندرست۔

ایک جوان ہندو بچہ ورملہ میں سخت ایذا اٹھا رہا تھا ناگاہ سامنے آگیا اور حضرت مولانا سے حال بیان کیا آپنے منجن تجویز فرمایا جسکے اجزا فلفل سیاہ۔ عاقرقرحا اور پوربی ہلدی (انبہ ہلدی) صرف تین تھے سنوں کا استعمال کے لئے بہانہ تھا کہ ادھر ملا گیا اور ادھر نفع محسوس ہوا دو تین ہی مرتبہ میں بالکلیہ آرام ہو گیا۔

ایک شخص نے مرض طحال کے متعلق بیان کیا کہ مجھے اسکی دوا معلوم ہے صرف ایک دن میں آرام ہو جاتا ہے حضرت مولانا نے دریافت فرمایا کہ اسکا عمل کیا ہے اس شخص نے جواب دیا کہ مریض کو دست اور قے بکثرت ہوتے ہیں مگر تندرست ہو جاتا ہے اس شخص کو دوا کا نام بتانے میں تامل تھا حضرت مولانا نے بیسکر تامل فرمایا اور اس دوا کا نام لے دیا وہ شخص متحیر ہو گیا اور عرض کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا فرمایا "اتفاقی بات ہے

کہ ذہن میں نام آگیا"۔

جن معالجات کا تذکرہ کیا گیا ہے واقفین فن کی نظر میں شاید سرد دست وقیع نہ ہو مگر نظر غایر کے بعد انصاف سے مجبوراً وقعت کرنی پڑیگی۔ طبی سلسلہ بھی دیگر عنوانات کی طرح نہایت ہی وسیع ہے لیکن چونکہ جامع کو ہر بحث کا نمونہ دکھانا مدنظر ہے اسلئے استیعاب کی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کوشش کی بھی جاتی تو ناممکن تھی اسلئے کہ اس فن کا مشغلہ حضرت کے وصال سے چالیس پچاس سال قبل کا ہے تاہم مختصراً چند کلمے اور بھی لکھے جاتے ہیں

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے اُن امراض کا معالجہ جن میں منہمکین فن علم الابدان پریشان ہو جاتے ہیں اور ادنیٰ کامیابی پر مسرت سے پھول کی طرح کھلجاتے ہیں اور افتخار و مباہات سے مذاکرات کرتے ہیں ایسی سہولت سے کیا ہے کہ بجز امداد غیبی کچھ نہیں کہا جاسکتا مسلول۔ مدقوق۔ مجذوم۔ مبروص وغیرہ بہتیرے مریض آپ کے پاس آئے اور شفایاب ہوئے۔ قدامت زمانہ کی وجہ سے اظہار اسماء دشوار ہے اسوقت ایک شخص مسلول کا نام یاد آگیا ناظرین میں اسکے واقف بھی بہت سے نکلیں گے اسلئے ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے پیر جیو نور الحسن گنگوہی جو ریاست ناہن میں سرکاری ملازم ڈاک تھے سل دق میں مبتلا ہو کر حاضر خدمت ہوئے آج اُنکی صحت کو چوبیس سال ہو چکے ہیں کہ مرض کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوا غرض معالجہ اور تشخیص میں جو بات حضرت مولانا کے یہاں دیکھی گئی قابل اطباء کو بھی اُس سے زیادہ ملا کیا ہوگا حالانکہ اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا تو کجا معمولاً بھی حسب ضرورت ہی دیکھا تھا۔ کبھی دریافت کا اتفاق نہیں ہوا مگر تشریح کے متعلق بھی جو کچھ آپ نے فرمایا اسکے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ آپنے دیکھ لیا تھا وہ از بر تھا اور حقیقۃً یہ ہے کہ جو کچھ تھا علم لدنی تھا اور اسکے ساتھ امداد غیبی ۱۲ انتھے تحریر الطبیب النحریر

ایک مرتبہ مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب خارشت میں مبتلا ہوئے کام تھا ہر وقت حضرت کی خدمت میں حاضر رہنا اور حجرہ شریف میں بیٹھنے کا اس لئے گندھک جیسی بودار دوا کا استعمال نہ کر سکتے تھے کہ حضرت کو بدبو سے ایذا ہوگی اس بے چارگی سے مرض بڑھتا رہا جب حضرت قدس سرہٗ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا مولوی یحییٰ بالائی میں گلاب ملا کر خوب کھاؤ اور گلاب ہی میں کاشغری سفیدہ ملا کر بدن پر مل لیا کرو" مولوی محمد یحییٰ صاحب یوں تو خود ہی نظیف الطبع نظافت پسند تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تو کہنا ہی کیا بڑی خوشی کے ساتھ دوا و غذا کا استعمال کیا چند ہی روز میں خارشت کی خاک اڑ گئی اور تندرست ہو گئے۔

ایک بار تمباکو کی خاصیتیں بیان فرمائیں کہ تمام زہریلے جانوروں کے لئے مفید ہے جس جگہ سانپ

بچھو یا بھڑ کاٹ کھائے وہاں اسکو مل دیا جائے اور جسکے پیٹ میں کیڑے پڑ جائیں اسکو تمباکو کا پتہ کھلایا جائے جو لوگ تمباکو کھاتے ہیں اُنپر زہریلے جانور کا اثر کم ہوتا ہے اور تمباکو کے کھیت میں سانپ تو جا ہی نہیں سکتا ضرورت کے وقت بول و براز کے لئے تمباکو کے کھیت سے بہتر اطمینان کی کوئی جگہ نہیں ہے اگر کسی شخص کے سانپ کاٹ کھائے تو حقہ کے نیچہ پر جہاں چلم رکھی جاتی ہے تمباکو کا دہواں جو کیرٹ کی طرح جم جاتا ہے کُرچ لیا جائے اور کاٹی ہوئی جگہ پر اُسکا لیپ کیا جائے اور سرمہ کی طرح سلائی میں بھر کر آنکھوں میں اچھی طرح لگا دیا جائے اور اسی کو پانی میں گھول کر اُس شخص کے حلق سے اُتار دیا جائے اگر مدہوش ہو تو پلا دیا جائے اور زہر چڑھنے سے بیہوش ہو چکا ہو تو منہ کھول کر کسی تدبیر سے حلق میں ڈالدیا جائے انشاء اللہ نفع ہوگا۔

سانپ کے کاٹے کا علاج

ضعف معدہ و قبض

ڈاکٹر محمد نذیر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اکثر معدہ کی شکایت رہتی اور قبض میں مبتلا رہتا تھا اور معدہ کی خرابی کے باعث دماغ اور دیگر اعضاء پر اُسکا اثر پہونچتا اور ضعف بڑھتا جاتا تھا جسوقت گنگوہ حاضر ہوا تو میں نے اپنا مرض جسمانی بھی ظاہر کیا حضرت نے فرمایا "اجی تم تو ڈاکٹر ہو" میں نے عرض کیا کہ حضرت بہتیری دوائیں استعمال کر چکا کچھ نفع نہیں ہوتا آپنے فرمایا چار ماشہ معجون فلاسفہ صبح و شام کھالیا کرو جناب میں نے اُس کا استعمال شروع کیا بحمداللہ دن بدن نفع بڑھتا گیا یہانتک کہ آج مجکو معدہ یا دماغ کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہے

حضرت مولانا قدس سرہٗ کا مطلب فی الحقیقت کتابی نہ تھا جسکی تحدید ہو سکے آپکی تشخیص صرف بنا ظنی کے ملکہ پرتو تھی بلکہ آئینہ سے زیادہ روشن قلب کی نورانیت تھی جسکے باعث معالجات تشخیص میں خطا شاذ و نادر تھی آپ نہ مریض کو مرض کا نام بتاتے تھے نہ اُسکی توضیح و تفصیل سمجھاتے تھے بلکہ بسا اوقات مریض کو اپنا حال مرض اور کیفیت بیان کرنے کی بھی نوبت نہ آتی تھی کہ آپ مختصر سی دوا بتا کر خاموش ہو جاتے تھے آپکی مقبولیت اور عنداللہ منزلت کا فیضان جسطرح مخلوق کی روحانی تندرستی پر پڑتا تھا اسی طرح جسمانی صحت بھی اُس سے نفع اُٹھاتی تھی آپکی بتائی ہوئی دوا کو مخلوق یوں سمجھ چکی تھی کہ چونکہ علم الٰہی میں مرض کے جانے کا وقت آگیا ہے اس لئے یہاں کی حاضری اور حضرت قدس سرہٗ کا اس دوا کے متعلق ارشاد تقدیری فرمان کے نفاذ کا حیلہ اور محض ایک بہانہ ہے کہ اِدہر اُسکا استعمال ہوا اور اُدہر اُسکا نفع معلوم ہوا یہانتک کہ چند دنوں میں کلی صحت حاصل ہو جاتی تھی۔ اِس واقعی بات کی شہرت اسدرجہ ہو گئی تھی کہ ہند بھی اس آستانہ کا چھوڑنا موت سمجھتے تھے جس زمانہ میں صاحبزادہ جناب حکیم مولوی مسعود احمد صاحب دام مجدہٗ دہلی سے فارغ ہو کر فن طبابت میں کمال حاصل کر کے مدرسہ طبیہ کی مستند و وقیع سند لیکر گنگوہ واپس ہوئے اور مطب جاری فرمایا تھا اُسی زمانہ سے

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے اپنے اس مشغلہ طبابت کو گویا ترک فرمایا۔ اس منفعت عامّہ کی نیابت خلف اکرم کے حوالہ فرما کر آپ نے معالجہ سے ہاتھ کھینچا اور جو مریض آئے انکو یہ فرما کر کہ "آپ مسعود احمد کے پاس جاؤ" ٹالدیا اسپر بھی اکثر مخلص عقیدتمند اصحاب خصوصاً بعض دیہاتی معتقدین کہدیا کرتے تھے کہ "حضرت ہمیں تو آپ ہی کی دوا سے نفع ہوگا" ہر چند کہ آپ اپنے کو اس مشغلہ سے بچانیکی کوشش کرتے اور اصرار کرنیوالوں کو بھی یہی جواب دیتے تھے کہ مسعود احمد دہلی سے سند لیکر آئے ہیں انھوں نے اس فن کو باقاعدہ پڑھا ہے۔ میں تو مجبوری کو دوا بتا دیا کرتا تھا ورنہ میں نے تو طب پڑھی بھی نہیں ہر کائے و ہر مرے انکا علاج علاج ہے اور میرا بتا دینا تو ایسا ہے جیسا بچہ کا تیر کہ کبھی نشانہ پر جا لگا آپ سب ہی کچھ فرماتے مگر جن معتقدین کے قلوب میں آپ کے الہامی معالجہ اور کشفی تشخیص کا سکہ جم چکا تھا وہ آپ ہی سے دوا دریافت کرتے اور یوں عرض کیا کرتے تھے کہ حضرت آپ اپنی زبان سے کوئی دوا ارشاد فرماویں آپکی بتائی ہوئی خاک ہمارے لئے اکسیر سے زیادہ فائدہ مند ہے چنانچہ آپکو مخلصین کی خواہش پوری کرنی پڑتی اور حسب عادت کوئی مفرد دوا یا جڑی بوٹی علاج کے لئے بتانی پڑتی تھی۔

زکام کے لئے اکثر گیہوں کی بھوسی چنہ ماشہ کی مقدار اچھی طرح پانی میں جوش دیکر قدرے نمک ملوا کر پلواتے تھے اور اگر زکام کے ساتھ کچھ حرارت محسوس ہوتی اور ہاتھ پاؤں گرتے معلوم ہوتے تو اسی میں چنہ ماشہ سونف کا اضافہ فرما دیا کرتے تھے۔ مولانا مولوی محمد حسن صاحب مراد آبادی ایک مرتبہ گنگوہ حاضر ہوئے اور زکام کی سخت تکلیف سے بیتاب ہو گئے انکو بھی آپنے اسی کا استعمال کرایا اور فرمایا کہ سفر میں دوا بھی سہل ہی ہونی چاہئے چنانچہ تیسرے چوتھے دن ہی تندرست ہو گئے۔ قبض کی شکایت میں آپ جس سہل ترین نسخہ کا استعمال کرایا کرتے تھے وہ یاد رکھنے کے قابل ہے اسلئے کہ یہ شکایت عام طور پر بڑھتی جاتی ہے خصوصاً جن حضرات کو چلنے پھرنے کا اتفاق کم ہوتا اور ایک جگہ بیٹھا رہنا پڑتا ہے انکو اپنے مزاج سے واقف ہو جانے طبیب کا مشورہ لیکر استعمال کرنا انشاء اللہ سود مند ہوگا سنا مکی کوٹکر ہموزن قند سفید ملا لیا جائے اور سوتے وقت چنہ ماشہ کی پھنکی پانی جائے صبح کو اجابت ہو جائیگی اور قبض ٹوٹ جائیگا جسدن تکلیف محسوس ہو اسی دن اس سہل الحصول دوا سے نفع اٹھایا جائے تو کیا اچھا ہو اور اگر دو چار اسہال کی ضرورت محسوس ہو تو حسب تذکار چنہ ماشہ استعمال کیجائے بعض دفعہ حضرت مولانا یہ گولیاں جن میں سیاہ مرچ۔ ابلوا۔ اور سہاگہ صرف تین جز ہیں گھی کوار کے عرق میں بنوا کر رکھ لیا کرتے اور حسب ضرورت بیمار دنکو تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔

تلی کے مرض میں سہاگہ کی کھیل کر کے شہد میں ملا کر چاٹنا بتا دیا کرتے تھے۔ عرق النسار میں ایک مرتبہ مٹی کا تیل پینا نافع فرمایا اور اس مرض میں مبتلا ہونیوالے شخص کو استعمال بھی کرایا فوری نفع ہوا۔ طحال و جگر کے امراض میں دو تولہ شربت بزوری کو آدھ پاؤ عرق مکوہ میں ملا کر پینا مفید فرمایا کرتے تھے۔ طحال میں ایک بار یہ نسخہ تجویز فرمایا ایک ماشہ تخم شبت یعنی سوئے کے بیج ۲ تولہ گلقند آفتابی میں ملا کر صبح کو چاٹا جائے اور ایک ماشہ سہاگہ تیلیا بریاں پیسکر ایک تولہ سکنجبین سادہ میں ملا کر شام کو چاٹ لیا جائے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ علاج میں اسکی بہت رعایت فرماتے تھے کہ دوائیں مفرد ہوں اور اگر مرکب بھی ہوں تو بہت ہی کم اجزا ہوں مقدار خوراک بھی اتنی زیادہ نہ ہو جسکا کھانا یا پینا مریض کو ناگوار گزرے بلکہ اگر مزیدار غذا یا کسی لذیذ کھانے سے مرض جاتا رہے تو یہ تجویز سب پر مقدم سمجھی جاتی تھی۔ ایسے عجیب و غریب قصے آپکی سوانح میں ملیں گے جن میں مرض اور علاج میں صورۃً مناسبت نہ ہونے کے باعث ناظرین کو تعجب ہوگا مگر جنہوں نے باوجود عدم تناسب نفع اٹھایا ہے یا تندرست ہونے والوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے وہی خوب سمجھتے ہیں کہ آپکا معالجہ اور طب محض مدادغیبی تھی اور کمال باطنی۔ حضرت قدس سرہٗ کے معالجات کے تذکرہ سے ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ناظرین انکو امراض میں استعمال کرنے لگیں اگرچہ عقیدت کی پختگی کے ساتھ حضرت کا نہ و ناحق تعالیٰ کی قدرت و فضل کا ادنیٰ کرشمہ ہی مگر جب روایت و نقل میں بھی احتمال غلطی ہو اور بتانیوالی صاحب کرامت زبان دنیاوی تعلق تکلم ختم کر چکی ہو تو ایسی صورت میں ہماری رائے یہی ہے کہ حاذق طبیب سے مشورہ لئے بغیر مندرجہ نسخہ جات کا محض اس عنوان میں دیکھ لینے سے استعمال ہرگز نہ کیا جائے ہاں طبیب کی رائے شامل ہو جائے تو دوسرے نسخوں سے انکو ترجیح ضرور ہے بدیں وجہ چند نسخہ بیان کر دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں کہ اس مبحث کا نمونہ بھی تمام ہو جائے۔

جریان ۔ پاؤ بھر گائے کا دودھ ہانڈی میں آگ پر رکھا جائے اور چھ ماشہ تا لمکھانہ آئیں ملا کر اچھی طرح جوش دیا جائے یہانتک کہ کھویا ہو جائے آئیں تولہ ڈیڑھ تولہ اپنی رغبت کے موافق شکر ملا کر صبح کے وقت کھا لیا جائے چند روز استعمال کرنے سے انشاء اللہ مرض جاتا رہیگا۔

اطریفل مقوی دماغ و رافع نزلہ ۔ ہیڑ۔ بہیڑہ۔ آملہ۔ دہنیہ چاروں چیزیں پاؤ پاؤ بھر لیکر کوٹ چھان لیجائیں اور جہاں تک بقدر ضرورت روغن خشخاش میں چرب کر لیجائیں جتنی مقدار طیار شدہ حاصل ہو اس سے دوچند شہد آئیں ملا لیا جائے اور ایک مرتبان میں رکھکر اسکا منہ خام کر کے گیہوں یا زمین کے اندر چالیس دن کے لئے دبائے کہ اسکی حرارت اسکو پکا دے اکتالیسویں دن مرتبان نکالکر دوا کا استعمال شروع کر دے عمر اور مرض کی حالت کے

۵۳ اگر مرتبانہ میں دبانا ہی نہ چاہو بلکہ چاروں دواؤں کو روغن خشخاش سے چکنا کر کے دونا شہد ملا کر رکھ لیا جائے اور ۳ ماشہ ۶ ماشہ استعمال کیا جائے تب بھی

موافق چھ ماشہ سے نو ماشہ تک بوقت صبح خوراک ہے (یہ نسخہ حضرت مولانا کو ایک شخص نے جیلخانہ میں خصوصیت کے ساتھ بتایا تھا)

مقوی دماغ ۔ ناریل خود خشخاش ۔ چھوارہ ۔ بادام ۔ کدو مغز ۔ کوٹ چھان کر ڈیڑھ پاؤ کھانڈ ملا کر سفوف بنالے دو ایک ماشہ سے ۱۲ عدد ۲۱ عدد ۳ تولہ تولہ سے دو تولہ تک صبح کے وقت استعمال کیا کرے۔

سوزاک و آتشک ۔ ایک تولہ ریوند چینی کو اچھی طرح کوٹ چھان کر دو تولہ شہد میں ملالے اور تین خوراک بنالے ایک خوراک روزانہ صبح کے وقت کھا لیا کرے اگر گرمی کا موسم ہو تو باسی پانی اور گرمی کا زمانہ نہ ہو تو برف ملا لیا ہو غرض جس قدر بھی ٹھنڈا پانی ملسکے گھڑا بھر کر رکھ لے اور جتنا بھی پیا جائے خوب پیٹ بھر بھر کر پیئے یہانتک کہ پیشاب اچھی طرح اور زیادہ مقدار میں آئے انشاء اللہ تین دن میں آرام ہو جائیگا کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے البتہ اگر ٹھنڈے پانی کے پینے سے تکلیف معلوم ہو تو تازہ پانی پیا رہے کیسا ہی سوزاک ہو باذن اللہ نفع ہوگا حتی کہ اگر خون بھی آنے لگا ہے تو انشاء اللہ آرام ہو جائیگا ۔ یہ نسخہ آتشک کے لئے بھی مفید مگر سوزاک کے لئے خصوصیت کے ساتھ نافع ہے ۔

جاڑہ بخار ۔ چھ ماشہ خوب کلاں ورچھ ماشہ سونف دونوں کو آدھ پاؤ پانی میں اتنا جوش دے کہ چھٹانک بھر رہجائے اگر جی چاہے اور نرغست ہو تو بقدر ضرورت کچھ میٹھا ملالے اور پی جائے بچے کے لئے نصف خوراک ہونی چاہیئے ۔

بواسیر ۔ کو کرچھنڈی جو ایک بودار گھاس کا نام ہے اسکو بھکرم بھی کہتے ہیں پالک کے مشابہ ہے عموماً غلاظت کے قرب و جوار میں پیدا ہوتی ہے اسکو کوٹ کر عرق پیا کرے اور اسی کی ٹکیہ نیم گرم کر کے مسوں پر باندھ لیا کرے جبتک پورا فائدہ نہو برابر استعمال کئے جائے انشاء اللہ مسے بھی جھڑ جائینگے اور آئندہ مادہ کو جوش بھی نہوگا ۔

وجع المفاصل ۔ سنبھالو کے پتے جسکی مقدار کم سے کم تین ماشہ اور زیادہ سے زیادہ چھ ماشہ ہے حسب مزاج بتدریج بڑھائے چائے کی طرح پانی میں جوش دیکر نمک ملا کر گرم گرم پی لیا کرے ریاحی درد کیلئے زیادہ تر نافع ہے ۔

کھانسی ۔ نئی ہو یا پرانی اور بلغمی ہو یا خشک انشاء اللہ سب کو نفع ہوگا ریوند کا سوکھا کڑا سینگی مغز بادام ۔ مغز چلغوزہ چاروں دواؤں کو ہموزن لیکر کوٹ لے اور مویز منقی ربع نکالکر اتنی مقدار میں ملالے کہ گولی بندھ جائے اور چنے کی برابر گولیاں بنا کر رکھ لے ایک گولی منہ میں ڈالکر اسکا عرق چوستا رہے جب وہ ختم ہو جائے تو دوسری گولی منہ میں رکھ لے غرض اسکو نگلے نہیں دن بھر عرق چوستا رہے انشاء اللہ جلد نفع ہوگا اور اگر سفر کی حالت ہو کہ ادویہ کا ملنا مشکل ہو تو صرف کاکڑا سینگی ہی کو پانی میں گھول کر گولی بنالے اور آہستہ آہستہ چوستا رہے کہ عرق ہلکا ہلکا حلق سے اترتا رہے

سوداویت دماغ ۔ پاؤ بھر بکری کے دودھ کو جوشدے اور اسمیں چھ ماشہ کاسنی بیل تازہ ملا کر نیچے اتارلے اور کوئی برتن دیگچی پر اس طرح ڈھانپ دے جیسے چاء دم کیا کرتے ہیں کہ بھاپ نہ نکلے تھوڑی دیر کے بعد

جب دودھ نیم گرم اور پینے کے قابل ہو جائے تو اگاس بیل نکال کر پھینک دے اور دودھ کو پی جائے کم سے کم چالیس روز اسکا استعمال کرے دماغی حرارت اور سوداویت انشاء اللہ بالکل جاتی رہیگی یہانتک کہ اگر مراق بلکہ جنون تک بھی نوبت پہونچگئی ہے تو باذن اللہ نفع ہوگا۔ گرم چیزوں سے پرہیز کرے اور گوشت کھانے کو جی چاہے تو مرغی کے چوزے کھائے بلکہ کیا عجب ہے کہ اس سے نفع زیادہ ہو۔ تپ لہنہ کے لئے بھی اسکو مفید فرمایا۔

بُہران ۔ شہد بی بونٹی کے پتے چھ ماشہ کی مقدار لیکر تین دانہ سیاہ مرچ کے ساتھ ۲ تولہ پانی میں ملا کر پیسے اور مریض کو پلادے کئی دن استعمال کرے جس شخص کے مزاج میں حرارت ہوگی اسکا انشاء اللہ زیادہ تر نفع ہوگا جنکے موذی مرض تک کو باذن اللہ فائدہ پہنچائیگا۔

مصفی خون ۔ برادہ شیشم نیم کی نکلی ۔ سہرس کی نکلی کیمری یعنی صحرائی انجیر کا نکل چاروں اجزا ہموزن ملا کر بھبکے یا قرمبیق میں عرق کھینچ لے تین تولہ سے پانچ تولہ تک حسب مزاج و موسم و عمر صبح و شام دو وقت پیتا رہے اور عرق کی کشید میں وقت یا ناکامی ہو تو یوں ہی پانی میں جوش دیکر روزانہ پیا کرے اور روزانہ جوش کرنے میں بھی حرج ہو یا سامان مہیا نہو سکے تو برادہ شیشم و نیم کی نکلی کو پانی میں بوقت شب بھگو کر رکھ لے اور صبح کو چھانکر پی لے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر رہنے والے اصحاب میں زیادہ تر وہ اصحاب تھے جنکے دماغ ضعیف ہو چکے یا ہوتے جاتے تھے یعنی طلبہ و علماء کی جماعت جن کے دماغ ہی مشغلہ درس و تدریس اور شبانہ روز مصروفیت تعلیم و تعلم کے باعث اسقدر ضعف لاحق ہوتا تھا کہ ہر وقت سر میں درد رہتا بصارت کمزور ہو جاتی بھوک کی خواہش کم پڑ جاتی اور دماغی محنت و کمزوری کے سبب طرح طرح کے امراض پیدا ہونے لگتے تھے یا ذاکر شاغل طالبین کا گروہ کہ نیند کو کم کرنے اور ذکر بالجہر یا قوت خیالیہ و فکریہ سے رات دن کام لینے کے باعث دماغ میں ضعف آجاتا اور پیوست غالب ہو جاتی تھی اسلئے آپ ان دونوں فریق کے لئے تقویت دماغ کا یہ نسخہ تجویز فرماتے تھے۔ اور خود بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ سیر بھر دھنیہ اور سیر بھر گیہوں لیکر دونوں کو علیحدہ علیحدہ بھاڑ میں بھنوائے اور چکی میں پسوا لے پیسنے کے بعد دونوں کو ہموزن کر کے ملائے انمیں ہر ایک سے نصف وزن یعنی آدھ سیر خشخاش خشک کچی پیسکر ملالے اور تین پاؤ مصری میں تینوں اجزا کا قوام کر کے چار چار تولہ کے لڈو باندھ لے روزانہ صبح کیوقت ایک لڈو کھا لیا کرے **تقویت دماغ** کے لئے مولوی محمود احمد صاحب مرحوم کو جو نسخہ آپ نے مرحمت فرمایا تھا اسپر مضمون کو ختم کرتا ہوں واللہ المتمم وھو الشافی والکافی ۔ پوست ہلیلہ زرد ۔ پوست بہیڑہ ۔ آملہ ۔ اسطوخودوس ۔ ناگر موتھا ۔ لونگ ۔ دارچینی ۔ مصطگی کو فتہ در شہد خالص آمیختہ دارند شش شش ماشہ صبح و شام بخورانند ۔

۱ تولہ ۱ تولہ ۱ تولہ ۳ تولہ ۳ تولہ ۳ تولہ ۳ تولہ ۱ تولہ

الزام بغاوت اور اس کی کیفیت

کیا ظلم و ستم ہے کہ مسیحائے جہاں کو — افساد و ستم پیشہ و سفاک کہا جائے
جو گوشہ نشیں خود ہی گرفتار محن ہو — کس منہ سے اُسے مفسد و چالاک کہا جائے

شروع ۱۲۷۶ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی اس حشتناک قصہ کا بقدر ضرورت تذکرہ بھی چونکہ سوانح کا جزو لازم ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتداء واقعہ سے لیکر انتہا تک اجمالی بیان کر دیا جائے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جسکے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا نہو۔ سلطنت مغلیہ کا آخری دَور اور لبریز ہو جانیوالے پیمانہ شاہی کا پچھلا نظر یعنی بدنصیب خاتماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونیوالی رعایا کی نحوست تقدیر نے انکو جو کچھ بھی سمجھایا اُسکا انھوں نے نتیجہ دیکھا اور اُنکی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا ہر بازار کھولا اور جوانمردی کے غرّہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جنکے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں یہ آگ پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اُٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس زمانہ کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ۔ اسی ہلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جسمیں قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قایم ہوا جسکی ابتدا یہ تھی کہ تھانہ کے رئیس قاضی عنایت علی خاں کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خاں چند ہاتھی خریدنے سہارنپور گیا وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھیرا ہوا تھا جسکو زمیندارانہ مخمصات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپوٹ کی فلاں رئیس بھی باغی و مفسد ہے چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے۔ زمانہ تھا اندیشہ ناک احتیاط کا اسی وقت

جب دودھ نیم گرم اور پینے کے قابل ہو جائے تو اگاس بیل نکالکر پھینکدے اور دودھ کو پی جائے کم سے کم چالیس روز اسکا استعمال کرے دماغی حرارت اور سوداویت انشاء اللہ بالکل جاتی رہیگی یہانتک کہ اگر مراق بلکہ جنون تک بھی نوبت پہنچگئی ہے تو باذن اللہ نفع ہوگا۔ گرم چیزوں سے پرہیز کرے اور گوشت کھانے کو جی چاہے تو مرغی کے چوزے کھائے بلکہ کیا عجب ہے کہ اس سے نفع زیادہ ہو۔ تپ[۱] کہنہ کے لئے بھی اسکو مفید فرمایا۔

بُہران ۔ شہد نیونٹی کے پتے ۶ چھ ماشہ کی مقدار لیکر تین دانہ سیاہ مرچ کے ساتھ ۲ دو تولہ پانی میں ملاکر پیسے اور مریض کو پلادے کئی دن استعمال کرے جس شخص کے مزاج میں حرارت ہوگی اسکو انشاء اللہ زیادہ تر نفع ہوگا جذام کے سوذی مرض تک کو باذن اللہ فائدہ پونہچائیگا۔

مصفی خون ۔ برادہ شیشم۔ نیم کی بکلی۔ سرس کی بکلی کیکری یعنی صحرائی انجیر کا بکل چاروں اجزا ہمونکو ملاکر بھبکے یا قرمبیق میں عرق کھینچے تین تولہ سے پانچ تولہ تک حسب مزاج و موسم و عمر صبح و شام دو وقت پیتا رہے اور عرق کی کشید میں وقت یا ناکامی ہو تو یوں ہی پانی میں جوش دیکر روزانہ پیا کرے اور روزانہ جوش کرنے میں بھی حرج ہو یا سامان مہیا نہو سکے تو برادہ شیشم و نیم کی بکلی کو پانی میں بوقت شب بھگو کر رکھلے اور صبح کو چھانکر پی لے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اصحاب میں زیادہ تر وہ اصحاب تھے جنکے دماغ ضعیف ہو چکے یا ہوتے جاتے تھے یعنی طلبہ و علماء کی جماعت جن کے دماغ میں مشغلہ درس و تدریس اور شبانہ روز مصروفیت تعلیم و تعلم کے باعث اسقدر ضعف لاحق ہوتا تھا کہ ہر وقت سر میں درد رہتا بصارت کمزور ہو جاتی بھوک کی خواہش کم پڑ جاتی اور دماغی محنت و کمزوری کے سبب طرح طرح کے امراض پیدا ہونے لگتے تھے یا ذاکر شاغل طالبین کا گروہ کہ نیند کو کم کرنے اور ذکر بالجہر یا قوت خیالیہ و فکریہ سے رات دن کام لینے کے باعث دماغ میں ضعف آجاتا اور پیوست غالب ہو جاتی تھی اسلئے آپ ان دونوں فریق کے لئے تقویت دماغ کا یہ نسخہ تجویز فرماتے تھے۔ اور خود بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ سیر[۵۲] پھر دہنیہ اور سیر بھر گیہوں لیکر دونوں کو علیحدہ علیحدہ بھاڑ میں بھنوائے اور چکی میں پسوالے پیسنے کے بعد دونوں کو ہموزن کرکے ملائے اسمیں ہر ایک سے نصف وزن یعنی آدھ سیر خشخاش خشک کچی پیسکر ملالے اور تین پاؤ مصری میں تمینوں اجزا کا قوام کرکے چار چار تولہ کے لڈو باندھ لے روزانہ صبح کیوقت ایک لڈو کھالیا کرے **تقویت دماغ** کے لئے مولوی محمود احمد صاحب مرحوم کو جو نسخہ آپ نے مرحمت فرمایا تھا اسپر مضمون کو ختم کرتا ہوں واللہ المتمم وھو الشافی والکافی۔ پوست بہیڑہ ۳ تولہ۔ آملہ ۳ تولہ۔ اسطوخودوس ۳ تولہ۔ ناگرموتھا ۱ تولہ۔ ملونگ ۱ تولہ۔ دارچینی ۱ تولہ۔ مصطگی کو فتہ در شہد خالص آمیختہ دارند شش شش ماشہ صبح و شام بخورانند ✦

۱ ؎ تار بخیہ

الزام بغاوت اور اس کی کیفیت

کیا ظلم و ستم ہے کہ مسیحائے جہاں کو — افساد و ستم پیشہ و سفاک کہا جائے
جو گوشہ نشیں خود ہی گرفتار محن ہو — کس منہ سے اُسے مفسد و چالاک کہا جائے

شروع ۱۲۷۶ھ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی اس وحشتناک قصہ کا بقدر ضرورت تذکرہ بھی چونکہ سوانح کا جزو لازم ہے اس لئے مناسب ہے کہ ابتدا واقعہ سے لیکر انتہا تک اجمالی بیان کر دیا جائے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جسکے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا نہو۔ سلطنت مغلیہ کا آخری دَور اور لرزہ ہو جانیوالے پیمانہ شاہی کا چھلا نظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بلاخیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونیوالی رعایا کی نحوست تقدیر نے انکو جو کچھ بھی سمجھایا اُسکا انھوں نے نتیجہ دیکھا اور اُنکی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں حاکم کی نافرمانی میں قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جوانمردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزارہا ہندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جنکے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں ہلچل پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اُٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس زمانہ کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مار پیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ۔ اسی ہلاخیز قصہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جسمیں قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قایم ہوا جسکی ابتدا یہ تھی کہ تھانہ کے رئیس قاضی عنایت علی خاں کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خاں چند ہاتھی خریدنے سہارنپور گیا وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی نیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھیرا ہوا تھا جسکو زمیندارانہ مخصمات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا پوٹ کی فلاں رئیس بھی باغی و مفسد ہے چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے۔ زمانہ تھا اندیشہ ناک احتیاط کا اسی وقت

دوڑ گئی اور رئیس گرفتار ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیرخواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانے کی خبر ملی۔

اس بدامنی کی حالت میں جبکہ قصبہ کی اصلیت ظاہر کرنے کیلئے مختصر الفاظ میں حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے عام باشندگان قصبہ کی یہ حالت ہوئی گویا ان کا مربی و منتظم بادشاہ سے اٹھ گیا اور شرعی و طبعی ضروریات مخصصات میں بھی کوئی خبر گیران نہ رہا جسکی بنا پر عمل کریں پس یہ لوگ اعلیحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھا لیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہئے اسلئے آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اسلئے دنیاوی نظم حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیر المومنین بنکر ہمارے باہمی قضیے چکا دیا کریں۔ آپس شک نہیں کہ اعلیحضرت کو انکی درخواست کے موافق انکے سر پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ نے دیوانی و فوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک قاضی شرع بنکر فیصل بھی فرمائے اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونیکی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی خبری کا موقع دیا حضرت امام ربانی قدس سرہ دلی برس ہوئے اعلیحضرت کو اپنے دین و دنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہی تھی اب جبکہ ہر چہار طرف بدامنی تھی آپ کے لئے یہاں حاضر رہنے سے زیادہ بہتر کوئی جگہ دنیا میں نہ تھی ادھر اعلیحضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضایا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب سمیت دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے

اتنی بات یقینی ہے کہ اس گھبراہٹ کے زمانہ میں جبکہ عام لوگ بند کواڑوں گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت ہی اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے قبل مصروف تھے بدستور اُن کاموں میں مشغول رہتے تھے کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت جبہ برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی آپکو اور آپ کے مختصر مجمع کو جب کسی ضرورت کے لئے شاملی کرانہ مظفر نگر جانے کی ضرورت ہوئی نہایت درجہ سکون و وقار کے ساتھ گئے اور طمانینت قلبی کے ساتھ واپس ہوئے۔ ان ایام میں آپکو اُن مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے حفاظت جان کے لئے تلوار البتہ پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر شیر کی طرح نکلے چلے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیحضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے

ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے ہٹنے یا ہٹجانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے طیار ہو گیا۔ اس رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہر آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیر ہوئے اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی اعلیحضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "کیا ہوا؟ میاں" عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا تو نہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو خادمانہ و مریدانہ تعلق پر اعلیحضرت کے ساتھ تو جو کچھ وابستگی تھی وہ تھی ہی مگر چچا پیر حضرت حافظ ضامن صاحب کے ساتھ بھی نہایت ہی درجہ مخلصانہ اُنس تھا اور حافظ صاحب بھی مولانا کے گویا جانداده عاشق تھے اسی گھمسان میدان میں مولانا کو پاس بلایا اور فرمایا "میاں رشید میرا دم نکلے تو تم میرے پاس ضرور ہونا" تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا۔ حافظ صاحب کا زخم سے چور ہو کر گرنا تھا اور حضرت امام ربانی کا لپک کر تر میچی منعش کا کاندھے پر اٹھانا قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھکر تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

دیکھنے والوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا کی اس مرزانگی پر تعجب تھا کہ کس اطمینان کے ساتھ سنسان مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے اپنے نور دیدہ چچا کے سفر آخرت کا سماں دیکھ رہے اور اپنے عاشق محبوب کی تزع کا آخری وقت نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر کلام اللہ یہانتک کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے رکھے وصال ہو گیا اور حضرت مولانا چچا کی وصیت کو پورا کرنے کے باعث مسرور ہو کر باطمینان اٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تمامی نسبت حضرت قدس سرہ کی طرف منتقل ہوئی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اللہ اللہ جس بزرگ نے دس برس ہوئے اعلیحضرت سے سفارش کر کے حضرت مولانا کو بیعت کرایا اور اس بیعت کے ایک کلمۃ الخیر سے ہمدردی ظاہر فرمائی تھی وہ قدسی نفس مرید آخری وقت میں اس آخری خدمت کا انجام دینے

کے لئے قدرت کی طرف سے تجویز ہوا تھا جس میں نہ کوئی پاس تھانہ قریب۔ بیگانہ تھانہ بیگانہ۔ آخر جب مفسدوں کی معرکہ آرائی سے پیچھا چھٹا تو حضرت اپنے شہید وفادار و جانی مربی کی نعش کو کاندھے پر لیکر اٹھے اور چارپائی پر لٹا کر یکے بعد دیگرے تھانہ میں بسمت مغرب زمین کی گود کے حوالہ کیا۔

جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اسکے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں انھوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا بستی کی دوکانوں کے چھپر انھوں نے تحصیل کے دروازہ پر جمع کئے اور اس میں آگ لگا دی یہانتک کہ جسوقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ ان نڈر بلاؤں نے جلتی آگ میں قدم بڑھائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھسکر خزانہ سرکار کو لوٹا تھا حالانکہ یہ مکمل پوش فاقہ کش نفس کش حضرات فسادوں سے کوسوں دور تھے ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی کوئی کہیں کا ڈپٹی ہوتا اور کوئی کسی جگہ کا صدر الصدور۔ کچہری کے عالیشان کمرے اور عدالت کے وسیع اور اونچی چھتوں والے مکانات کو چھوڑ کر قبر کی تنگی یاد دلانے والے حجروں اور کھٹرے بوریہ کے فرش والے تاریک گوشوں میں کیوں پڑتے مگر ؎

کون سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

بڑی مصیبت یہ تھی کہ حکام کے سامنے جانے کا کبھی انکو اتفاق نہیں ہوا ملزم و مجرم بننے کا موقع ہی نہیں ملا کہ براءت اور صفائی کا طریقہ معلوم ہو۔ نہ اتنی دنیاوی عزت کہ جسکا کوئی لحاظ کرے نہ وہ چہل پل اور بے تکان شناسائی کہ جسکا پاس ہو۔ نہ پاس روپیہ کہ بذریعہ وکالت اس الزام کو اٹھائیں اور خرچ کریں نہ ایسی اندھی جنگ بغاوت کبھی دیکھی یا سنی کہ جسکے نتیجہ سے کچھ بھی واقفیت نہو آخر بادل دردمند اپنے مالک جل و علیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور جو حکم غیب سے صادر ہوا سپر کا رند ہونے کے منتظر و آمادہ۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ سچ سچ ہو کر رہا اور جھوٹے جھوٹے ان حضرات پر اتہام کا بحمداللہ کوئی ثمرہ مرتب نہوا گو خدائی آزمایش میں بھڑ بھڑائے گئے۔ پریشانیاں اٹھائیں کوفت سہی روپوش رہے مگر انجام کار حق کو غلبہ ہوا اور "دودھ کا دودھ پانی کا پانی" ان پاک نفوس اور ملکوتی صفات بدنوں پر آنچ نہ آئی۔

اعلیحضرت قدس سرہ نے اسی قصہ میں اپنے شہیدانہ بچوں یعنی مولانا قاسم العلوم اور خلف الرشید امام

ربانی کو الوداع کہا کہ اب ارض ہند میں یکجائی فلک کو ناگوار ہے اور یہ دونوں لاڈلے بچے اپنے غمخوار روحانی باپ سے بادل ناخواستہ تن بہ تقدیر رخصت ہوئے۔ اعلیحضرت نے چند ماہ انبالہ شہری پنجلاسہ وغیرہا مواضع و قصبات میں اپنے آپکو چھپایا اور آخر براہ سندھ و کراچی عرب کا راستہ لیا۔ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہی اور ہوائی جہاز پر سوار ہو کر مکہ معظمہ پونہچے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند اور امام ربانی قدس سرہٗ نے گنگوہ مراجعت فرمائی۔

انہیں ایام روپوشی میں مولانا قاسم العلوم کو املیا گھتملہ لاڈوہ پنجلاسہ اور جنا پار کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور امام ربانی قدس سرہٗ نے قیام زیادہ تر گنگوہ یا رامپور میں کیا مگر اپنے ہادی برحق کی ہندوستان میں آخری زیارت کے شوق سے بیتاب ہو کر انبالہ شہری اور پنجلاسہ کے سفر کو اٹھے اور مستور الحال مخفی طور پر اس حق کو ادا فرما کر واپس وطن ہوئے اس زمانہ کی کیفیات ایسی عجیب و غریب گزری ہیں کہ اگر کھلی کہانیوں کے ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں اس لئے انکو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں۔

تینوں حضرات کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اسلئے لوگ تلاش میں ساعی اور جراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے اعلیحضرت نے وطن کو خیرباد کہی اور بہ نیت حرمین گھر سے باہر نکلے چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لئے آخری ملاقات ہند کے لئے گنگوہ تشریف لائے اسوقت حضرت مولانا قدس سرہٗ کی عفت مآب صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ کی عمر دو سال کی تھی جسوقت پنجلاسہ ضلع انبالہ میں پونہچے ہیں تو راؤ عبداللہ خاں رئیس کے اصطبل اسپان کی دیوان و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلی بچھایا اور جاں نثار خصوصی جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبداللہ خاں اعلیحضرت کے بڑے جاں نثار خادم اور مشہور مرید ہیں گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک بادجاہت شخص سمجھے جاتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیحضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اسکے قائم ہوتے اپنا مکان کھولہ بنیاد دنیاوی حیثیت سے کسدرجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر اسکے ساتھ ہی غلبہ حب دین اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پروا تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جسوقت راؤ عبداللہ خاں اعلیحضرت کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے اور پٹ بند کر کے اصطبل کے دروازہ کے قریب پونہچے ہیں تو سامنے سے دوش کو آتے دیکھا اور ہکا بکا سا شدہ دکھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

خدا جانے مجرکون اور کس بلا کا پتلا تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھری تک معین کر دی تھی چنانچہ دوش اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں گویا اپنے ناوقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ "ایں گلِ دیگر شگفت" مگر پائے ماندن نہ جائے رفتن اپنی جان یا عزت کے جانے ریاست و زمینداری کے ملیامیٹ ہونے اور ہتکڑیاں پڑ کر جیلخانہ پہنچنے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی تو مطلق پروا نہ تھی اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ ہائے غلام کے گھر سے اور آقا گرفتار ہوا اور عبداللہ خاں کی نظر کے سامنے اُسکا جان سے زیادہ عزیز شیخ یا بزرگ کیا جائے مگر اسکے ساتھ ہی راؤ صاحب اک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے تشویش کو دل میں دبا لیا اور چہرہ یا اعضا پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا۔ مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

دوش کا افسر گھوڑے سے اُترا اور یہ کہکر کہ "میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سُنی ہے اسلئے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا" اصطبل کی جانب قدم اٹھائے۔ راؤ صاحب "بہت اچھا" کہکر ساتھ ساتھ ہو لئے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پاکر کبھی مخبر کی دروغگوئی کا غصہ اور گاہے اپنی ناکامی و تکلیف سفر کا افسوس لاتا تھا یہانتک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اُس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیحضرت کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہکر کہ "اس کوٹھری میں گھاس بھری جاتی ہے" اُسکے پٹ کھولدئے راؤ عبداللہ خاں کی اُسوقت جو حالت ہوئی ہوگی وہ اُنہیں کے دل سے پوچھا چاہئے سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور لبریز پیمانہ حیات لبریز ہوکر اُچھلا چاہتا ہے اسلئے راضی برضا ہوکر "جی ہاں" کہا اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہوگئے۔

خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جسوقت کوٹھری کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلی ضرور بچھا ہوا تھا لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیحضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر ذرہاں و شاداں کچھ عجیب سماں تھا۔ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار کبھی اِدھر دیکھتا ہے کبھی اُدھر آخر مخبر کی دھمکی سمجھکر بات کو ٹالا اور کہا کہ خانصاحب "یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟" راؤ صاحب بولے جناب اِس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھویا

کرتے ہیں چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی طیاری تھی۔ افسر نے ہنسکر کہا کہ آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا صطبل کی کوٹھری"؟ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ "جناب مسجد فرض نماز کیلئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جھپی جگہہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے" لاجواب جواب سنکر افسر نے پٹ بند کردئے اور صطبل کے چاروں طرف غایر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہوکر یہ کلمات کہکر رخصت ہوا "راؤ صاحب معاف کیجئے آپکو اسوقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی" پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند آیا" راؤ عبداللہ خاں صاحب کی نظر سے دروش کے سوار جب اوجھل ہوگئے تو واپس ہوئے اور کوٹھری کھولی دیکھا کہ اعلیحضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کی کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں زینہ میں آکر فرمایا "پردہ کرو میں باہر جاتا ہوں" عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔ جارہے تھے کہ دروش راستہ میں ملی آپ ہی کی گرفتاری میں تھی۔ خدا کی شان ہے کہ ایک شخص نے آپ ہی سے پوچھا کہ "مولوی محمد قاسم کہاں ہیں"؟ آپ نے ایک قدم آگے بڑھا کر پچھلے پاؤں کی جانب نظر ڈالی اور فرمایا "ابھی تو یہاں تھا" یہ فرماکر آپ آگے چلے گئے اور دروش نے مکان پر جاکر تلاشی لی۔ آخر ناکام واپس ہوئے۔ ہرچند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے انکو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا اسلئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالی کی حفاظت برسر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیساکہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تا زیست خیرخواہ ہی ثابت رہے یہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھائی تھی سو اٹھائی اور اس ضمن میں کرامات و خوارق عادات غیبی حفاظت کے سامان اور سچائی ثابت ہونے کے اسباب ظاہر ہوئے اس قصہ کے بعد مولانا مسجد میں رہتے اور کوئی کسی قسم کا تعرض نہ کرتا تھا

حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا **رشید احمد** صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ کرنا تھا اسلئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوگیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اسوقت رہا کئے گئے اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آئے۔

گرفتاری و حوالات اور رہائی و برارت

دردِ دل کا ہائے درماں کیجئے	باغِ دہر کا ابر نیساں کیجئے	ڈالکر عالم کو چاہِ حزن میں	یوسفِ ثانی کو زنداں کیجئے

اعلیحضرت سے رخصت ہو کر امام ربانی گنگوہ واپس ہوئے تو نہایت درجہ محزون و مغموم۔ اُس وقت سیکڑوں افواہیں رات دن میں مشہور ہوتیں اور ہزاروں جھوٹی سچی گپ شپ اڑا کرتی تھیں۔ جدھر جایئے یہی تذکرہ کہ آج فلاں رئیس پھانسی دیا گیا اور فلاں شخص قتل کیا گیا اور جہاں دیکھئے یہی ذکر مذکور کہ وہ باغی سمجھا گیا اور اُسکو بجرم فساد سولی چڑھایا گیا۔ وہ روپوش ہے اور اُسکی تلاش ہے غرض ایسی گھبراہٹ کا گھمسان تھا کہ ہر عورت کو بیوہ ہو جانے کا ہر وقت خطرہ تھا اور ہر بچہ کو قدم قدم پر یتیم بنجانے کا اندیشہ و غم۔ حضرت مولانا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہو چکا ہے اور آپکی گرفتاری و تلاش میں دوش آیا چاہتی ہے مگر آپ کو استقلال بخ ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے اپنا تو بال برابر بھی فکر نہ تھا البتہ جب مفارقت احباب کا سماں بندھ جاتا تھا تو آپ کی زبان پر قطعہ آجاتا قطعہ

شَیْئَانِ لَوْ بُکِیَتِ الدِّمَاءُ عَلَیْھِمَا ۔۔۔ عَیْنَایَ حَتّٰی تُوْعَذِ نَابِذِھَابِ

لَمْ یَبْلُغَا اِلْعُشَارَ مِنْ حَقِّھِمَا ۔۔۔ فَقْدُ الشَّبَابِ وَفُرْقَۃُ الْاَحْبَابِ

سب سے زیادہ اپنے روحانی باپ اعلیحضرت کی مفارقت اور ہندوستان میں یتیم رہجانے کا غم تھا جو آپ کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا راتوں آپ کو اس رنج میں نیند نہ آتی اور دنوں آپ اس دھن میں رہتے کہ کسی طرح اعلیحضرت کی ایک دفعہ اور زیارت کر لوں مگر جائیں تو کہاں جائیں دلیں تو کس طرح ملیں اعلیحضرت کی کوئی جائے قیام معین نہ بحالت روپوشی کسی جگہ کا تعین آخر شدہ شدہ آپکو پنجالہ کا پتہ چلا اور آپ بسم اللہ کہکر گنگوہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں چلتے دنوں چھپتے خار دار جنگل پیدل قطع کرتے نگری پونہچے اور حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائپوری کے مکان پر مقیم ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبد الرحیم صاحب کو شرفِ بیعت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنانا کیا حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھکر دم فرمائی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ کے والد ماجد راؤ اشرف علیخاں نگہری کے خوشحال زمیندار اور نہایت نیک خیال دیندار شخص تھے۔ راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے اسوقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف تین یا چار سال کی تھی۔ راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارات کی اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ "اعلیحضرت ابھی تشریف فرما ہیں اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھئے" غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے حضرت مولانا نے اپنی بے سروسامانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ بیعت قرین مصلحت نہیں البتہ اگلے دن آپ آئیں اعلیحضرت سے سفارش کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چلدئے اور اعلیحضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے اسی حالت میں بیعت ہوئے جسکو سہرا بیعت اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے ہر چند اصرار کیا کہ بندہ کو ہمرکاب لیچلیں مگر اعلیحضرت نے نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اسی طرح خدا کا حکم ہے "جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا" آپ کو وہاں سے رخصت فرمادیا۔ حضرت مولانا بادل ناخواستہ الفراق کہتے روانہ ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اعلیحضرت نے تسلی و تشفی دی اور فرمایا "میاں رشید احمد تمسے تو حق تعالیٰ کو ابھی بہتیرے کام لینے ہیں گھبراؤ مت ہیں ہندوستان سے نکلتے وقت تمسے ضرور ملکر جاؤنگا خدا تمھاری عمر دراز کرے اور مراتب میں ترقی دے" اسکے بعد دیر تک چھاتی سے لگائے رکھا اور آخر کار پدرانہ شفقت اور مربیانہ محبت کے انداز پر خود بھی چشم نم ہوئے اور مولانا کو بھی رلایا۔

حضرت وہاں سے گنگوہ کی جانب واپس ہوئے یہاں دیکھا کہ بچہ بچہ پریشان حال اور آپ کا کنبہ کا کنبہ مضطرب و سراسیمہ ہے کیونکہ آپکی گرفتاری کا اشتہار ہو چکا تھا اور دوش آیا چاہتی تھی چنانچہ فارغ کے اسرار سے آپ اپنی دادھیال یعنی قصبہ رامپور چلے گئے اور وہاں جناب حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام کیا۔

چند ہی دن گزرے تھے کہ گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی پور ضلع سہارنپور مخبر کو ستر سواروں کے ساتھ لیکر جنمیں چند مسلمان اور اکثر سکھ تھے گنگوہ پونہچا اور آتے ہی جاسوسانہ نظروں سے مولانا کی تلاش شروع کی ساری دوش متفرق و منتشر ہوگئی اور ادھر ادھر پھیلکر کونوں بچاؤں اور مسجد و خانقاہ کے حجروں کو ڈھونڈنے لگی۔ حضرت مولانا کے غمگسار ماموں زاد بھائی بیچارے مولوی ابو النصر صاحب

جو صورت و وضع میں بھی فی الجملہ حضرت سے مشابہت رکھتے تھے سجدے کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقب بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا "چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے" مظلوم مولوی ابو النصر نے گردن اٹھائی اور بچہ اجل میں اپنے آپکو گرفتار دیکھکر جدھر اُس نے کہا چل کھڑے ہوئے حضرت مولانا کے دروازہ پر انکو لاکر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا کہ گھر کی تلاشی دلوا اور دکھا کہ کیا کیا ہتیار ہیں؟ عرصہ تک مولوی ابو النصر صاحب مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر "یہ نہ کہا کہ میں مولوی رشید احمد نہیں ہوں"۔

آخر حاکم کو کسی انداز سے معلوم ہوا کہ یہ قیدی وہ نہیں ہے جسکی تلاش ہے صورت و وضع میں اشتباہ کے باعث انکو پکڑ لیا گیا اور اصل ملزم رامپور میں ہے اسلئے ان کو تو چھوڑ دیا گیا اور گھر کی۔ حجرہ کی تلاشی لیکر دوش نے رامپور کا رُخ کیا کہتے ہیں کہ رامپور کی مخبری کرنیوالا شخص حکیم احمد امیر بخش تھا واللہ اعلم بالصواب۔

دوش رامپور پہنچی اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے۔ تخمینے سے یہ زمانہ ۱۲۷۹ھ ہجری کا ختم یا ۱۲۸۰ھ ہجری کا شروع سال ہے جبکہ آپکی صاحبزادی صفیہ خاتون کی عمر تقریباً دو سال کی تھی۔ چونکہ آپنے اپنی گرفتاری اور حاکم کے حکم کی تعمیل میں دوش کے ہمراہ چلنے سے کچھ بھی تامل یا اضطراب نہیں فرمایا اسلئے آپ کو کسی قسم کی کوئی اذیت نہیں پہنچائی گئی اور نہ ذلیل سمجھا گیا۔ صرف آپکے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دیئے گئے اور بند بہل میں آپ کو سوار کر سہارنپور چلتا کر دیا گیا۔ بیل تھے تیز رفتار اور حکم بھی عجلت کا اسلئے کچی سڑک پر وہ غبار اُڑا کہ راستہ چلنے والوں کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ بیچارے مولوی ابو النصر سراسیمہ و پریشان اور انکے بوڑھے باپ مولوی عبد الغنی صاحب جنھوں نے مولانا کو بیٹے کی طرح پرورش کیا تھا ننگے پاؤں پاپیادہ سوار کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرتے بہل کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے نہ تن بدن کی ہوش نہ جسم و جان کی خبر نہ یہ خیال کہ سہارنپور تک پیدل کیونکر پہنچنا ممکن ہے اور وہ بھی اس تیز دھوپ سے کچھ کھایا پیا نہیں عالم وحشت و پریشانی میں دوڑتے ہوئے غبار سے آنکھیں بند ببول کے کانٹوں سے پاؤں زخمی مدہوش و سرمست خاک بر سر خدا جانے کہاں جا رہے اور کہاں چل رہے تھے کہ آخر ایک جگہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور محبوب کا رہا سہا اتنا سا تہ بھی چھوٹ گیا حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیلخانہ بھیج دیئے گئے اور حوالات میں بند ہو کر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دیدیئے گئے

مولوی ابو النصر کو جسوقت ہوش آیا تو پھر وہی دوڑنے کی دھن تھی اُٹھاں وخیزاں سہارنپور پہنچے اور خدا خدا کر کے آبادی کی صورت نظر آئی۔ انکو تو آبادی سے کچھ لینا نہ تھا ایک رشید احمد کا دم چاہیئے تھا مگر

وہ کہاں اور یہ کہاں۔ اتنا تو انھوں نے سن لیا کہ مولانا جیلخانہ میں ہیں کیونکہ سہارنپور کا ایک شیخ زادہ اکبر علی نام اُن لوگوں میں شامل تھا جو حضرت کے جیلخانہ تک پونچانے کو مقرر ہوئے تھے چونکہ رحمدل مسلمان تھا اسلئے انکو بھوپنچکا اِدھر اُدھر تکتا ہوا دیکھکر بولا کہ "مولوی رشید احمد کو جیلخانہ پونچاکر آیا ہوں" ان بیچاروں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ جیلخانہ کدہر ہے اور اگر پتہ بھی ہوتا تو کرتے کیا جس اونچی چاردیواری کے کئی اندرونی حصونکی بیچ والی کال کوٹھری میں کوئی مجرم محبوس ہو اُس سے باہر کھڑے ہوئے پردیسی کو واسطہ کیا آخر مایوس ہوکر رونے لگے اور پھر وہیں فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ بیچارے اکبر علی کو بھی اپنپر رحم آیا اور وہ تسلی کی باتیں کہنے لگا۔

قصہ مختصر مولوی ابو النصر گو خود بھوکے پیاسے تھے مگر سب سے زیادہ حضرت مولانا کا بھوکا ہونا انکو شاق تھا اسلئے انھوں نے ہر جگہ خوشامد سے کام لیا اور نانوتہ کے کسی کیلی بردار کی معرفت حضرت کو کھانا پونچایا گو وہ کھانا کنکریوں پر کوئلے سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پونچا کہ "الحمد للہ تم سب گھر والے بخیر و سلامت ہیں" مگر انکو اور نیز تمام متعلقین کو روتے روتے کئی دن گزر گئے۔

اُس پردہ نشین عورت کا کیا پوچھنا جسکے سر کا تاج و دنیا و دین کا آقا اِس حال میں گرفتار تھا جسکو دیکھکر مرد بیتاب ہوئے جاتے تھے مگر اللہ رے صبر و استقلال صغیر سن بچی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب سلمہ اللہ کی گود میں تھی اور زبان پر خدا کی یاد عالم نظر میں تاریک اور دنیا میں چار طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی نہ تھی اپنے رنڈاپے اور چھوٹے سے دل والی نازک مزاج بچی کے یتیم ہو جانے کا گو فکر و افسوس ہو مگر مجال نہ تھی کہ کوئی شکوہ کا کلمہ منہ سے نکلے والدہ حافظ یعقوب فرمایا کرتی ہیں کہ "جسوقت یہ مار دھاڑ شروع ہوئی اور ہمارے دروازہ کے سامنے اور مسجد میں غل مچا پڑا مجھے کوئی لڑکی گود میں لے باہر کھڑی تھی وہ اِس ہولناک منظر کو دیکھکر چیخی اور کانپ اٹھی پیشاب بھی خطا ہوگیا ایک بھول بھلیاں سی اتنی بات یاد ہے اور کچھ خبر نہیں" خدا مبارک کرے اِس حافظہ کو کہ ڈھائی سال کی عمر اور اتنی یادداشت۔

الغرض حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اہلیہ حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ ولیہ کاملہ تھیں جنکے صبر و استقلال کی آزمایش کے لئے یہ قصہ بس ہے کہ ابھی چند ماہ ہوئے مہربان باپ مولوی محمد تقی صاحب جبر کی ریاست میں شہید ہو چکے تھے اور اب وہ پیارا شوہر جسکے دامن سے دنیا کی ایام گزاری وابستہ کی گئی تھی اُس مصیبت میں گرفتار ہے کہ جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں ہر لحظہ حاکم کے حکم کا انتظار اور آخری فیصلہ کا اندیشہ و فکر دلپر سوار ہے کہ دیکھئے کیا ہو؟ گھر کی چاردیواری میں مقید و محروس پردہ نشین عفت مآب کیا کرے نہ ساتھ

دینے کے قابل ہے نہ کچہری میں حاضری کے لائق پس مکان کا کو نہ تھا اور ہاتھ میں تسبیح آیۃ کریمہ کا ورد تھا اور دامن پھیلا پھیلا کر خدا سے دعائیں مانگتی۔

اس جانگداز سانحہ کو کوئی بسط کے ساتھ کون سے قلم سے لکھے قصہ مختصر حضرت مولانا تین یا چار یوم کال کوٹھری میں اور پندرہ دن جیلخانہ کی حوالات میں مقید رہے تحقیقات پر تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی آخر عدالت سے حکم ہوا کہ تھانہ بھون کا قصہ ہے اسلئے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ حضرت امام ربانی جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند دو پٹرا ڈکر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور اب یہاں کے جیلخانہ میں حوالات کے اندر بند کردئے گئے سنا ہے کہ دیوبند کے قریب گزرتے پر مولانا قاسم العلوم نظر براہ راستہ سے کچھ ہٹکر بغرض ملاقات پہلے سے آکھڑے ہوئے تھے گو خود بھی مخدوش حالت میں تھے مگر بیتابی شوق نے اسوقت چھپنے نہ دیا دور ہی دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا مسکرائے اور اشاروں ہی اشاروں میں خدائے تعالیٰ کے وہ وعدے یاد دلائے جو سچے سرکاری خیرخواہوں کیلئے اور امتحانی مصیبتوں پر صبر و استقلال ظاہر کرنیوالوں کیلئے انجام کار ودیعت رکھے گئے ہیں۔

مظفر نگر کے جیلخانہ میں حضرتؒ کو کم و بیش چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس اثنا میں آپکی استقامت۔ جوانمردی استقلال بخشگی۔ توکل۔ رضا تدین۔ اتقا شجاعت ہمت۔ اور سب پر طوعی تعالیٰ کی طاعت و محبت جو آپکی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی اسدرجہ حیرت انگیز ثابت ہوئیں کہ جنکی نظیر نہیں نظر آتی۔ ابتدا سے لیکر انتہا تک ساری حراست کے زمانہ میں آپکی نماز ایک وقت کی قضا نہوئی جیلخانہ میں آپکو صاف ستھرا پانی مسلمان کے ہاتھوں وضو کیلئے برابر ملتا رہا۔ حوالات کے دوسرے قیدی اور مظلوم دستم رسیدہ محبوسین کا گروہ آپ کا معتقد ہوگیا اور ان میں ہمتیرے وہیں آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ محبس کی کوٹھری میں بھی نماز باجماعت ادا کرتے اور ہر وقت اطمینان کے ساتھ ترقی درجات میں مشغول رہتے تھے۔ ارشاد ظاہری و باطنی کے افاضہ سے آپ کو کسی دن غفلت نہوئی وعظ اور پند و نصیحت کے ساتھ قرآن شریف کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور ایک وحدہٗ لاشریک خدا کی جانب رفقاء کو بلایا کرتے تھے کبھی ذکر میں مصروف ہوتے کبھی شغل میں کسی وقت صبر کی تعلیم دیتے اور کسی وقت شکر کی کبھی علم کا مذاق غالب ہوتا اور کبھی طریقت و سلوک کا جسوقت حاکم کے سامنے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتا بے تکلف اسکا جواب دیتے تھے۔ آپ نے کبھی کوئی کلمہ یا کریا زبان کو موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ نہیں کیا جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر سمجھکر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق کبھی آپ سے سوال ہوا

کہ "رشید احمد تمنے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟" آپ جواب دیتے "ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" کبھی دریافت ہوتا کہ "تمنے سرکار کے مقابلہ میں ہتیار اُٹھائے؟" آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تمکو پوری سزا دینگے آپ فرماتے "کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کرکے" ایک مرتبہ حاکم نے پوچھا کہ "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" آپنے فرمایا "کچھ بھی نہیں مگر زمینداری" غرض حاکم نے ہر چند تحقیق کیا اور تجسس و تفتیش میں پوری کوشش صرف کردی مگر کچھ ثابت نہوا اور ہر بات کا معقول جواب پایا آخر بری کئے گئے اور فیصلہ سنا دیا گیا کہ "رشید احمد رہا کئے گئے"۔

حضرت امام ربانی سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیحضرت نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ "اطمینان رکھو میں عرب روانہ ہوتے وقت تم سے ملکر جاؤنگا" مگر آپ گرفتاری و حوالات میں رہے آپکی رہائی سے قبل ہی اعلیحضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے جو شکن الفاظ محض تسلی کے لئے تھے جسکا وقوع نہیں ہوا حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا "اعلیحضرت وعدہ خلاف نہ تھے" چنانچہ دوسرے طرق سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیحضرت نے جیلخانہ کے اندر قدم رکھا اور کئی گھنٹے باتیں کرکے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔

مولوی ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیحضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیلخانہ میں تھے اعلیحضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ "میاں کچھ سنا کیا مولوی رشید احمد کی پھانسی کا حکم ہوگیا؟" خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں ابھی تک تو کوئی خبر آئی نہیں فرمایا "ہاں حکم ہوگیا چلو" یہ فرماکر اُٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیحضرت اور میں اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے شہر سے نکلکر تھوڑی دور جاکر اعلیحضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرماکر گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا پھر چلو مولوی رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دیسکتا خدائے تعالیٰ کو ان سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے" چنانچہ چند روز بعد اسکا ظہور ہوگیا والحمد للہ علیٰ ذلک۔

مولوی ابو النصر اور انکے والد مولوی عبد الغنی صاحب مع متعلقین احباب و اقارب کے جو مظفر نگر میں پڑے جھٹکے کھا رہے اور در بدر مارے پھرتے خاک اڑاتے چھ ماہ گزار چکے تھے روح افزا احکام سنتے ہی اچھل پڑے اور اس چہرہ پر تازگی آگئی جسپر مردنی چھائی ہوئی تھی وہ دل جو بند کلی کی طرح مرجھا رہا تھا

باسی پھول کی مانند مرجھایا پڑا تھا بادِ نسیم کے دوبارہ جلانے والے ٹھنڈی جھونکے سے پھر تازہ ہوگیا سپاہی کی خوشامد کر ہاتھ پاؤں جوڑ حکم رہائی کی تعمیل میں عجلت کے خواستگار ہوئے اور اپنے نو دیدہ محبوب کو جیل سے باہر نکال بگھی پر سوار یہ جادہ جا بیچارے پریشان حال مولوی ابوالنصر جو پھونک کر قدم دھرتے اور چپہ چپہ پر ڈرتے اور کانپتے جاتے تھے اس درجہ متوحش تھے کہ در و دیوار دشمن ہیں مبادا تقدیر پلٹا کھائے اور پھر حکم نہ بدلجائے اسلئے چاہتے تھے کہ گھنٹہ کی جگہ ایک پل میں کسی طرح مولانا کو دشمنوں کی نظر سے اوجھل کردوں چنانچہ بہلبان سے کہہ دیا کہ جتنا تیز چلا جائے خدا کا نام لیکر چل اپنے جانوروں کی چال دیکھ اور مجھے انعام لے بگھی کے پردے ڈال دیئے اور اپنے قاضی الحاجات حلال المشکلات پروردگار کا شکریہ ادا کرتے گنگوہ پہنچے ؎

صدشکر خزاں خوردہ چمن ہوگیا شاداب — آنکھوں کی گئی روشنی دوبارہ پلٹ آئی
سوکھے ہوئے دریا میں تموج نظر آیا — رحمت کی گھٹا بر سر گنگوہ سمٹ آئی

قصبہ کی گئی ہوئی رونق دوبارہ لوٹی اور بستی کی اجڑی ہوئی بہار نے دوبارہ پلٹا کھایا۔ آنسوؤں سے مانوس ہوجانے والی آنکھوں کا زائل شدہ نور پھر واپس ہوا اور غم کی چھائے ہوئے چہروں والے مُردہ دلوں نے از سر نو زندگی پائی۔ درخت کے پتہ پتہ سے اس گلستانِ شریعت کی آمد پر مسرت کا اظہار تھا اور در و دیوار والے مکانات کے گوشہ گوشہ سے مسیحا نفس شیخ کی تشریف آوری پر مبارکباد کی صدائیں کنبہ جمع ہوا در و دور سے دوست احباب آئے اقارب اکٹھے ہوئے اور قریب و بعید کے یگانہ رشتہ داروں نے زیارت کے شرف سے دامن بھرے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ جس مضمون میں جیل کی حراست سے قبل مشغول تھے اسی میں مقفل حوالات اور سنگین پہرہ والی کوٹھری میں مصروف رہے اور رہائی کے بعد وطن پونچکر بھی اسی مشغلہ کی دھن لگی چنانچہ آپ نے اپنی وہ خانقاہ جو آٹھ نو مہینے خبر گیری نہ ہونے کے باعث اجڑی پڑی تھی دوبارہ صاف کی اور اب درس جاری فرمادیا۔

اس قصۂ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ و فنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چنانچہ بعد جبکہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہوکر ہندوستان پونچے تو یہ مشغلہ اسقدر بڑھا کہ صحاح ستہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپنے التزام کرلیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بنا کر گویا چار طرف اعلان دیدیا کہ جسکو دین حاصل کرنا اور حدیث کا پڑھنا ہو وہ بطور پیغمبر کے لگائے ہوئے باغ کا دروازہ کھولدیا گیا اور حق تعالیٰ کی اخروی لذیذ نعمتوں کا دسترخوان بچھادیا گیا ہے

لپکے اور جسقدر کھایا جائے کھائے۔ حجت اللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلۂ روحانی کا سچا جانشین جسوقت مسند خلافت کا صدر نشین ہوا ہے حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور اطراف ہند برہما و سندھ پورب و بنگال پچھم و پنجاب مدراس و دکن برار و ممالک متوسط کابل و افغانستان کے بلاد متفرقہ میں ایک کھل بلی مچگئی۔ گروہا گروہ طلبہ گنگوہ میں آنے لگے۔ آپکے پاس پندرہ بیس سے لیکر ستر اسی تک کا ہر برس مجمع ہوتا اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو اپنا جانشین بنا کر سالانہ چلا جاتا اور ادہر ادہر منتشر ہو جاتا تھا۔

دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ امام ربانی کے گھر بار و دربار میں اسی وقت شروع ہو گیا تھا جبکہ آپ دہلی سے فارغ التحصیل ہو کر گنگوہ پونہچے اور سب سے اول مولوی سید مومن علی صاحب کو شرح جامی کا سبق شروع کرایا۔ اس زمانہ یعنی ۱۲۶۵ھ ہجری سے لیکر ۱۳۱۴ھ ہجری کے شروع تک جسکی مدت ایک کم پچاس سال ہوتی ہے آپکے پاس ادہر ادہر کے طالب علم آتے اور علم حاصل کرتے رہے اسی مدت میں آپکو چند ماہ ملازمت بھی کرنی پڑی اسی میں غدر کے وقائع اور گرفتاری کی پریشانیاں پیش آئیں۔ اسی میں اسفار حج داخل ہیں اور اسی میں وہ ریاضت و مجاہدہ شامل ہے جس نے آپکو قطبیت کے عالی رتبہ پر پونہچایا۔ انہیں ایام میں متعدد احباب و اقارب کی پے در پے اموات کے صدمے آپ نے اٹھائے اور اسی حال میں علم مخلوق کی جسمانی نفع رسانی یعنی طبابت کا مشغلہ رہا۔ غرض دین کی عقل اور معرفت کی سمجھ رکھنے والے اصحاب اسکو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ قدرت نے امام ربانی کو جس خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اسکی تکمیل کے لئے آپکو استقامت کا وہ مضبوط پہلو بخشا تھا جسکے ریشہ ریشہ میں حق طلبی اور رضا برقضا چمک رہی تھی حضرت امام ربانی کی پاک زندگی ایک ایک دن ہو کر جس اطاعت حق اور اصلاح خلق میں صرف ہوئی اسکو قسام ازل نے ایسی عجیب ترتیب پر منقسم فرمایا تھا جو اپنے اسلوب و طرز میں یکتا اور لاثانی ہے۔

اپنی ذاتی اصلاح کے لئے جس ترتیب کی حاجت تھی وہ اس طرح پوری ہوئی کہ اول اردو اور فارسی کی تعلیم اور اسی کے ساتھ ساتھ نماز کے طریقے اور دین کی ابتدائی ضروری قول کا تکملہ وطن میں ہوا۔ پھر علم شریعت کی تحصیل کے لئے وطن چھوڑنا اور دہلی جانا پڑا۔ اس سے فارغ ہوئے تو عملی صورت میں مناکحت و ازدواج کا ظہور ہوا۔ اسکے متصل ہی حفظ قرآن کی نعمت سے بہرہ یابی ہوئی جسم و روح کی ظاہری اصلاح اور ضروری احتیاج سے فارغ ہوتے ہی باطنی علمی کی تحصیل میں آپکو مشغول ہونا پڑا تھانہ حاضر ہو کر بیعت

ہوتے اور چند روز میں حصول نسبت کی نعمت کاملہ سے بہرہ یابی ہوئی۔ اصلاح نفس کے جملہ مراحل طے ہونے کے بعد اب اصلاح غیر اور ہدایت خلق کا وقت آگیا اس میں بھی قانون قدرت نے تدریج ملحوظ رکھی کہ اول جسمانی امراض کے ازالہ و طب یونانی کی نفع رسانی سے ہندو و مسلمان کفار اور بدایمان بچے اور جوان مرد و زن عرض عام مخلوق فائز و کامیاب ہوئی۔ چند سال بعد اسکا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا اور ظاہری علم شرع کی تدریس شروع کر دی یہانتک کہ اس سلسلہ نے اپنے منتہی یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پہونچکر اپنا ہی بنالیا اور اس درجہ ترقی کی کہ ہر سال دورہ صحاح کے ختم ہونے سے دوسرے علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے کا شغل بھی مغلوب بلکہ تقریباً معدوم ہوگیا۔ اور آخر کار عالم کی پیدائش کے مقصود اور شریعت کے حاصل یعنی اصلاح باطن اور تعلیم سلوک کا زمانہ آگیا یک لخت کتاب بند کر دی گئی اور روحانی افاضہ و استفاضہ نے اُس قوت کے ساتھ ترقی کی کہ آج اطراف عالم میں نگاہ اٹھاکر دیکھا جائے تو کیا عجب ہے کہ دنیا میں لاثانی ہونیکا دعویٰ مبالغہ نہو اسی پاک خلاصہ پر اپکی چند روزہ حیات ختم ہوگئی اور آپکو اپنے پیدا کرنے والے مہربان خدا سے لقا حاصل ہوئی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تدریس و دورہ حدیث

تھے ساقی میخانہ علم شہ ابرار اور ماہ تمام فلک دین عرب تھے،
گنگوہ میں درباره حدیث نبوی کے سرتاج رشید احمد ذی شان ادب تھے،

جس نے ہرے بھرے محمدی باغ اور سرسبز و شاداب احمدی گلشن کے مہکنے والے پھولوں اور کھلنے والے ہنس مکھ غنچوں کی عطر آمیز خوشبوؤں کو کبھی سونگھا ہوگا وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ شریعت بیضاء کے اصل الاصول مقدس پاکیزہ فن حدیث کا درس کیا نعمت ہے۔ اور پھر درس بھی وہ جسکو منفعت عامہ کے اعتبار سے ابر نیسا کی دھواں دھار بارش اور تقاری و روانی کی حیثیت سے دریائے موّاج و بحر تلاطم کی دلکش لہریں کہا جائے تو مناسب ہے۔ جس خوش نصیب طالب علم نے اُس بلبل چمنستان حدیث کی نوا سنجیاں سنی ہیں اور جس میمون قسمت مہمان رسول کو اُس کشور ستان والی مملکت نجد کے خوان حدیث پر اقوال رسول کی لذیذ نعمتیں کھانی نصیب ہوئی ہیں ان کے دل سے پوچھئے کہ وہ کیف کیا تھا جو قطب گنگوہی کے دربار عام و درگاہ حدیث خیر الانام میں بیٹھ کر قلب کو حاصل ہوتا تھا اور وہ کیا مٹھاس و حلاوت تھی جسکو آج روتے ہو چراغ لئے ڈھونڈتے پھرتے سوائے یاس و نا امیدی کچھ نہیں پاتے ہو۔

آپکی قوت اجتہادیہ۔ قابلیت استنباط خوبی تطبیق وارتباط۔ جودت ذہن۔ اتقان وعدالت۔ حافظہ وثقاہت۔ تقدس وتبحر۔ تقاری وسلاست بیانی۔ فراست وہمہ دانی۔ حلم ورفق لطف وشفقت خندہ روئی وکرم گستری مسکین نوازی اور طلبہ کی گستاخ وبیجا حرکات پر صبر وتحمل غرض جو ادا تھی وہ حق مبین کے بارآور درخت کا پھل اور بخاری وقت ہونے کی حیثیت سے تحدیث کے سدا بہار گلاب کا پھول تھی حضرت کی تحدیث میں یہ خاص برکت تھی کہ مضمون حدیث منکر اسپر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوجاتا تھا۔ یہ خاص بعد حق اسکا پتہ دے رہا تھا کہ یہ تحدیث کتابی نہیں ہے بلکہ حضرت قدس سرہ کے چشمان جو ل صفا منزل کے سامنے ایک آئینہ لگا ہوا ہے جسمیں صاحب حدیث علیہ السلام کے انوار کا عکس پڑتا ہے اس انعکاسی تجلی سے حضرت اپنے طلبہ کو متمتع فرمارہے ہیں۔ آپکی تدریس میں ایسا محویت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا کہ کاش تقریر کا سلسلہ دیر تک ختم نہو۔ حضرت کی تقریر ایسی سلیس عام فہم ہوتی تھی کہ پاس بیٹھے ہوئے عامی لوگوں کی بھی حرفاً حرفاً سمجھ میں آتی اور دل کے کواڑ کھولتی چلی جاتی تھی۔ اسناد حدیث کے متعلق پوری تحقیق فرماتے تھے۔ اختلافات احادیث اور تعارض کے متعلق مختصر مگر جامع تطبیق فرماتے تھے کہ ذرہ برابر گنجھٹ اور جھبرابر الجھن باقی نہ رہتی تھی۔ آپکی تقریر میں ایک یہ عجیب کرامت تھی کہ وسیع تقریر اور بلیغ تحقیق کی طرف دیکھا جاتا تو خیال ہوتا تھا کہ سبق بہت کم ہوا لیکن اوراق وصفحات شمار کئے جاتے تو حیرت ہوتی کہ اسقدر سبق کیونکر ہوگیا۔ آپکی تقریر کے بعد حواشی بالکل بیکار معلوم ہوتے تھے اور یوں خیال ہوتا تھا کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابی نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہوگا تو ہمارے حضرت وہیں کسی جگہ کھڑے سن رہے ہونگے۔

حضرت امام ربانی صحاح میں سب سے پہلے عموماً ترمذی شریف شروع کراتے تھے اور بالادماعلیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریر میں فرماکر طلبہ کے ذہن نشین کردیا کرتے تھے ہر ہر حدیث کا ترجمہ اور معنی مطابق سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور نفس مطلب کو ایسا کھول دیا کرتے تھے گویا پوست اور چھلکے سے مغز اور گودے کو نکالکر سامنے رکھدیا اسکے بعد احادیث کا باہم یا حدیث کا کسی آیت قرآن سے تعارض ہوتا تو اسکا رفع فرماتے اور مطابقت وموافقت ظاہر فرماتے تھے۔ بقدر ضرورت اسماء الرجال ذکر فرماتے۔ رواۃ کی تحقیق اور توثیق وتضعیف کرتے تھے اسناد میں ضروری جرح وتعدیل فرماتے اور اسکے بعد حدیث کی بات سے مناسبت بیان کرتے تھے۔ باہم عبارت اور سیاق وسباق میں ارتباط مخفی ہوتا تو اسکو کھولتے اور ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے ربط دیتے جاتے تھے اگر کوئی حدیث دیگر کتب کی کسی حدیث کے معارض

ہوتی تو اکو بھی تطبیق دیتے۔ اصول حدیث اور اصول فقہ کے نکات اور عبارت کے اشارات بھی بیان فرماتے تھے مشکل مقامات کو متنبہ کر کے کئی کئی بار بیان فرماتے اور اس پر بھی اگر طلبہ مکرر پوچھتے یا بیجا سوال و اپنی غلطی پر ناحق اصرار کرتے تو ہرگز چین بجبیں نہ ہوتے تھے ایک مرتبہ درس ہو رہا تھا قاری قرأت کر رہا تھا کسی مقام پر عطارہ کا لفظ آیا چونکہ قرأت کرنے والا لفظ کے معنی سمجھے ہوئے اور مادہ اشتقاق یعنی عطر جانے ہوئے تھا اسلئے بے تکان پڑھتا چلا گیا برابر میں ایک طالب علم ولائتی بیٹھا ہوا تھا جو اس لفظ کے معنی نہ سمجھا اس نے سمجھا قاری قرأت کنندہ جماعت طالب علم کے زور سے کہنی ماری اور کہا ٹھیرو ہم نہیں سمجھا اور حضرت کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ "عطارہ معنی چہ؟" آپ نے فرمایا "زوجہ عطر فروشندہ" حضرت کی زبان سے جواب کا ختم ہونا تھا کہ قاری نے پھر قرأت شروع کر دی بیچارا ولائتی اب بھی نہ سمجھا دوبارہ پھر کہنی ماری اور حضرت سے دریافت کیا مولانا عطارہ معنی چہ ہم نہیں سمجھا" آپ نے فرمایا "عطر فروش کی بیوی" پھر قاری نے قرأت شروع کی تیسری مرتبہ ولائتی نے پھر کہنی ماری اور تیز نظر سے دیکھ کر کہا "ٹھیرو ہم نہیں سمجھا عطارہ کا معنی" اس مرتبہ حضرت امام ربانی نے اونچی آواز سے جواب دیا "عطر بیچنے والا کا جورو" اسوقت ولائتی خوش ہوا اور کہا "ہاں سمجھا ہاں بھائی چلو"۔

ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دو سہی کتابیں ہوتی تھیں۔ ان کتابوں کے درس میں حدیث کا جز نہ ہوتا تھا صرف جو حدیث نئی یا مولف کی عبارت آئی اسکی توضیح مثل بیان گزشتہ فرماتے اور باقی حدیثوں کی قرأت پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام ربانی یوں تو ہر وقت ہی باوضو رہتے تھے مگر درس کے وقت خصوصیت کے ساتھ اسکا اہتمام فرماتے تھے کہ ابتدا سے انتہا تک ایک حرف بلا وضو نہ ہونے پائے اور باوضو رہنے کی طلبہ کو صراحۃً و کنایۃً تاکید فرمایا کرتے تھے اسی طرح آپکی پیشانی ہر وقت خندہ تھی اور آپ ہنس مکھ رہتے تھے ہر شخص کے ساتھ خلق سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے تھے مگر پڑھاتے وقت طلبہ کے ساتھ بہت ہی زیادہ بے تکلف اور ظریف الطبع بنجاتے تھے تاکہ کسیکو شبہ ظاہر کرنے یا کسی بات کے پوچھنے میں تامل اور رکاوٹ نہو جب طلبہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو خود ہی کوئی لطیف ایسا بیان فرماتے کہ سب ہنس پڑتے اور بعض دفعہ تو ہنستے ہنستے لوٹ جاتے اور پسلیوں میں درد ہونے لگتا تھا چنانچہ اس ظرافت اور انبساط کے سبب سب کے دل تازہ ہوتے اور دوبارہ پڑھنے کو تازہ دم اور پہلی حالت پر لوٹ آتے تھے حضرت امام ربانی میں یہ بھی ایک عجیب کمال تھا کہ جس مزاح یا ظرافت کے لطیفہ پر دوسروں کو ہنسی ضبط کرنی مشکل تھی آپکے چہرہ پر مطلق

بھی مسکراہٹ محسوس نہوتی تھی آپ کا اس سادگی کے ساتھ ہنسانے والا قصہ بیان کرنا ہی دوسروں کو زیادہ ہنساتا تھا مگر اسکے ساتھ ہی بہت جلد موڈ بے مہذب بنا کر بٹھا دیتا تھا آپکی کسی ظرافت کے باعث طلبہ کے دلوں میں کبھی آپکی وہ قدرتی ہیبت اور استاذانہ رعب زایل نہوتا تھا جو طلبہ کی سعادت اور علمی برکت کے لئے لازم اور ضروری ہے۔ ایک مرتبہ آپنے طلبہ کی ملالت طبع محسوس فرما کر اُن کے دلوں کو بہلایا اور تازہ کرنے کے لئے یہ قصہ بیان فرمایا کہ "میاں جب ہم دہلی میں پڑھتے تھے اُسوقت کا قصہ ہے ایک سقہ کمر پر مشک لادے چلتا دار کٹورے بجاتا اور جھنکار کی آواز پر لوگوں کو بلا رہا تھا کہ سبیل ہے سبیل بہتیرے آدمی آتے اور ٹھنڈا پانی پی کر چلے جاتے تھے ایک بچیارا گنوار بھی دیر سے اس آواز کو سن رہا تھا حیران تھا کہ دہلی میں سب کچھ کھایا بھٹی مٹے کی چیزوں کے نام سُنے مگر خدا جانے سبیل کیا چیز ہے اور کیسا مزہ ہے لاؤ اسے بھی پی کر دیکھو غرض سقہ کے پاس گیا اور اونک لگا کر بولا بھئی ہمیں بھی سبیل پلاؤ اُس نے مشک کا دہانہ کھولدیا اور وہ غٹ غٹ پینے لگا اتفاق سے پانی کے ساتھ کوئی مینگنی بھی مُنہ میں آگئی گنوار نے اسکو چبا کر نگل لیا جب پی چکا تو اوپر مُنہ اٹھا کر کہا ہے کہ "مُل شور تو اتنا کان پڑی آواز نا سُنائی دے اور سبیل بر ایک ہی ہے"۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا درس کچھ عجیب ہی درس تھا ہمیشہ طلبہ کی استعداد کے موافق کلام کرتے اور ہر شاگرد کی قابلیت اور سمجھ کے انداز پر گفتگو فرماتے تھے اسمیں شک نہیں کہ آپ کا ہمیشل درس اُس زمانہ کے تمام اساتذہ میں طلبہ کیلئے سب سے زیادہ نافع اور مفید تھا عقدہائے مشکلہ و عبارات مغلقہ کو بسہولت حل کرتے اور سہل ترین الفاظ میں سمجھا دیا کرتے تھے حدیث سے مسائل کا استنباط و استخراج فرماتے اور مذاہب بیان کیا کرتے تھے دوسرے مذہب کی کافی تقریر فرما کر امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی ترجیح بیان فرماتے اور شافی دلائل و براہین سے اسد جدلل بناتے تھے کہ شمس فی نصف النہار روشن ہو جاتا تھا آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حنفیہ مذہب سے خاص محبت ہے اور اسکی حقانیت پر کلی اطمینان ہے اسکے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحب مذہب کی اہانت ہو اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو قولاً و عملاً اُسکی اصلاح فرمایا کرتے تھے یہانتک کہ نفس تقلید میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپکو پسند نہ تھا۔ بعض طلبہ تشدد عصبیت میں محدثین سے بدظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانی فوراً تقریر کا رُخ پھیرتے اور کلام کا ڈھنگ بدلدیا کرتے تھے جسوقت کسی طالب علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شان کا کلمہ سنتے تو چہرہ پر کراہیت کا اثر پیدا ہوتا اور دوران سبق میں بجائے

ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر مثل امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کی وجوہ ترجیح بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلبہ کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے اور جہاں یہ بات پیدا ہو گئی فوراً ترجیح حنفیہ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے حافظہ آپ کا اسقدر قوی تھا کہ ایک کتاب میں کسی حدیث کا اگر دوسری کتاب کی کسی حدیث سے تعارض یا مناسبت ہوتی تو فوراً حوالہ دیتے اور بعض دفعہ صفحہ تک کا نشان بتادیا کرتے تھے۔ آپکے ایک شاگرد مولوی حافظ محمود حسین صاحب بریلوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کی خدمت میں پڑھتا پڑھتا جسوقت آپکی اجازت سے حج کو روانہ ہوا اور مکہ معظمہ پہونچا ہوں تو مشغلہ علمی سے انسیت کے باعث مولانا مولوی عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر کے درس میں حاضر ہوا کرتا اور جلد اوّل ترمذی شریف کی قرأت کیا کرتا تھا الہ آبادی مولانا کو عرصہ تک مشغلہ تدریس کے علاوہ مطالعہ کتب دینیات کا مکہ معظمہ میں بہت زیادہ اتفاق ہوا اور وسیع النظر محدث مانے جاتے تھے۔ ایک دن انناء قرأت میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق کسی موقع پر میں نے تذکرہ عرض کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موقوف صحیح مسلم میں مروی ہے کہ قرأت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو میں نے مسئلہ فرماتے تھے "یہ حدیث ہرچند اگر یہ کہ امام کے پیچھے یعنی مقتدی ہو موقوف جابر رضی اللہ عنہ پر ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ احکام کے متعلق ہے کہ صحابی اپنی طرف سے یہ استثناء نہیں کرسکتا تھا" مولانا عبدالحق صاحب اس تقریر کو سنکر پھڑک اٹھے اور بڑے شوق کے ساتھ باصرار فرمایا کہ ہند میں پونچکر جناب مولانا رشید احمد صاحب سے اس حدیث کا پتہ دریافت کرکے مجھے ضرور لکھنا کہ کس جگہ اور کس صفحہ پر ہے چنانچہ میں نے واپس ہوکر گنگوہ کی حاضری میں حضرت سے اس حدیث کا پتہ دریافت کیا اور بقید صفحہ و سطر لکھکر مولانا عبدالحق صاحب کو ۱۳۱۰ھ میں اطلاع دی۔

حضرت امام ربانی کا درس وہ بے نظیر درس تھا جسکا مزہ آپ کے شاگردوں ہی سے پوچھا چاہئے آپکی ہر ہر فقرہ پر عجیب و غریب بحث نے شاگردوں کو آپکا عاشق بنادیا تھا آپ سب کچھ تھے مگر اسپر بھی اپنے کو ہیچ سمجھتے تھے ایک دن طلبہ آپکی فرحت بخش تقریر سے محظوظ ہوکر بے اختیار ہوگئے اور آپ کے تبحر کی تعریف آپ کے روبرو کرنے لگے اسوقت آپ نے بیساختہ قسم کھاکر فرمایا "میں اپنے کو تم میں سے کسی کی برابر بھی نہیں سمجھتا چہ جائیکہ زیادہ سمجھوں" آپکی کسر نفسی کو دیکھنا چاہئے باوجودیکہ قسم کھانے کی آپکو مطلق عادت نہ تھی مگر اس موقع پر بلا اختیار قسمیہ الفاظ آپ سے صادر ہوئے۔

حضرت امام ربانی کو طلبہ کے عقاید اور اعمال کی درستی یوں تو ہر وقت ہی ملحوظ تھی مگر درس کے وقت

تو بہت ہی زیادہ اسکا پلہ جھک جاتا تھا شرک و بدعت کا جگہ جگہ قلع قمع فرماتے اور توحید و اتباع سنت کی موقع موقع پر ترغیب دیا کرتے تھے۔ زبانی نصیحت پر اکتفا ہرگز نہیں فرماتے تھے اگر ضرورت پیش آتی اور موقع ہوتا تو بہت ہی جوش و تیزی کے ساتھ بھی امر بالمعروف کرتے تھے اور اسکے ساتھ ہی روحانی فیضان اور قلبی توجہ سے تاریک دلوں کی ظلمت نکالتے اور زنگ آلودہ قلوب کی صیقل فرمایا کرتے تھے بعض اوقات حلقہ کا حلقہ محو حیرت ہو جاتا اور جلسہ کا جلسہ آسمانی سکینہ کے نزول کو محسوس کرتا تھا۔ علوم شرعیہ ہی کے ضمن میں معرفت و حقیقت کی اہمیت حقیقت و ثبات بتلاتے اور سلوک و طریقت کی تحصیل کا شوق دلاتے جاتے تھے کسی کسی طالب علم کو اسی درس میں وجد آجاتا اور چٹک پائے ہوئے قلب کو حال پیدا ہو جاتا تھا چنانچہ مولانا روشن خاں صاحب مرادآبادی جس زمانہ میں حضرت سے حدیث پڑھتے تھے چونکہ مولانا قاسم العلوم سے بیعت تھے اور تحصیل کے لئے گنگوہ بھیجے گئے تھے اس لئے ساتھ ہی ساتھ باطنی علوم بھی سیکھتے اور ذکر شغل کیا کرتے تھے طبیعت تھی مغلوب الحال اور پیدا ہونے والی تھی نسبت وجدی اسلئے بسا اوقات اوچھل اچھل پڑتے اور رو رو دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث آئی جسکا یہ مضمون تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھکر خطبہ شروع کیا آپ کے پیچھے ادھر ادھر جھومتے تھے جس سے اندیشہ ہوتا تھا کہ خدانخواستہ منبر سے گر نہ جائیں" اسپر مولوی محمد روشن خاں صاحب بولے کہ حضرت یہاں سے تو حال ثابت ہو گیا اور وجد کا پتہ چل گیا امام ربانی مسکرائے اور جی ہاں کہکر دوسری تقریر شروع کر دی۔

دورہ حدیث کے علاوہ تفسیر و فقہ اور اصول فقہ و اصول حدیث کا بھی سلسلہ درس جاری تھا گو آخر میں طبعی مناسبت کے سبب تحدیث ہی پر اکتفا رہگیا تھا مگر ابتدا میں جملہ علوم دینیہ کو رغبت و شوق کے ساتھ پڑھا تھے مولوی محمود حسین صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ تقریباً تیس سال ہوئے ہمارے مدرسہ مصباح العلوم میں ایک بزرگ مدرس تھے جنکا نام مولوی قادر علی صاحب تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہدایہ جلد ثانی مدت سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ سے پڑھی تھی اور حضرت نے اسوقت یوں فرمایا تھا کہ "یہ چودھویں مرتبہ ہے کہ میں تمکو ہدایہ پڑھاتا ہوں" حضرت امام ربانی کے اس تبحر فقہی کا کیا ٹھکانا ہے جو فقہا مشاہیر کی بسوٹ کتب کے پندرہ اور بیس بیس بار پڑھانے سے آپکو حاصل ہوا اور آپکے خداداد تفقہ اور فطری استعداد استخراج کے ساتھ ملکر سونے پر سہاگہ کا کام دے رہا تھا۔ آخر زمانہ میں تدریس کیلئے صرف حدیث نبوی باقی رہگئی تھی مگر فتاوی کا سلسلہ ہمیشہ بلکہ ظاہری بینائی جاتے رہنے کے بعد بھی اسی زور شور کے ساتھ قایم رہا جیسا طبیب الہند مجدد وقت شیخ اور علماء زمانہ کے سرتاج علامہ کی شان کو شایاں ہے۔

حضرت امام ربانی نے پڑھتے وقت تمام علوم مروجہ منطق و فلسفہ عقائد و کلام۔ ریاضی و ہیئت وغیرہ سب ہی علوم کی تکمیل اور سارے نصاب نظامیہ کو مع شئے زائد بوجہ احسن جماعت میں اول نمبر پر کر تمام کیا تھا مگر زمانہ تدریس میں تدین کے سبب سے سب کو ترک کر دیا اور سوائے علوم دینیہ کے کوئی فن نہیں پڑھایا بلکہ فلسفہ دیکھکر فخالف بعد شرع کے باعث ناجائز فرماتے اور اس درجہ تنفیر دلایا کرتے تھے کہ حد نہیں۔ ایک مرتبہ کسی طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا عقیدہ فلسفی مسائل پر نہیں ہے صرف زبان ہی سے انکو پڑھتے پڑھاتے ہیں اسمیں کیا حرج ہے؟ حضرت نے فرمایا اول تو زبان سے کلمات کفر و شرک کا نکالنا اور انکو دلائل سے ثابت کرنا اسکے اعتراضات کو دفع کرنا خود دلیل عقیدہ کی ہے اور اگر بالفرض عقیدہ نہو تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے مثلاً کوئی شخص تمکو گدھا۔ سور کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے سور یا ایسے ہو جیسا وہ گالی میں تمہیں بتا رہا ہے صرف زبان ہی زبان سے کہہ رہا ہے مگر بتلاؤ تو سہی تمہیں اسپر غصہ آئیگا یا نہیں؟ ضرور آئیگا پس ایسے ہی کلمات کفر و شرک کو سمجھو کہ ضرور موجب غضب خداوندی ہونگے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات حیادار سے حیادار مسلمان سے بھی زیادہ غیور ہے" طالب علم نے لاجواب ہو کر عرض کیا کہ "حضرت کیا کریں مجبوری ہے بدون اسکے نوکری نہیں ملسکتی" حضرت نے ارشاد فرمایا "اگر تمسے کوئی کہے کہ سو روپے ماہوار تمکو ملیگا پائخانہ کا ٹوکرا سر پر اٹھا کر بازار کے اس سرے سے دوسرے سرے لیجایا کرو انصاف سے کہو تمھاری غیرت اسکو قبول کریگی؟ ہرگز قبول نہ کریگی افسوس اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے میں اتنی بھی غیرت نہیں آتی جتنی ایک مباح کام کے کرنے میں غیرت آتی ہے" طالب علم لاجواب ہو گیا اور اس کے ساتھ دوسرے طلبہ کے ذہن سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گندے علوم کی رغبت یا اجازت جاتی رہی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا درس عموماً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہوتا اور گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوتا تھا۔ پھر وہی کتاب ظہر و عصر کے مابین ہوتی تھی جس سال طلبہ کا مجمع کم ہوتا یا جس زمانہ میں جماعت قلیل ہوتی تو حجرہ میں درس دیتے تھے اور حلقہ بڑا ہوتو مسجد میں مشغلہ تدریس جاری ہوتا تھا۔ گرمی کے موسم میں ظہر کے بعد اور سرما میں صبح کے وقت مسجد کی بیرونی محراب کے محاذ اور متصل حضرت تشریف رکھتے اور صحن مسجد میں مستفیدین طلبہ حلقہ باندھ لیتے تھے بعض مرتبہ عصر کے قریب نمازی اور بستی کے باشندوں کا بھی جمگھٹ ہو جاتا اور لوگوں سے مسجد کا اندرونی حصہ بھی بھر جایا کرتا تھا۔ عام حضار مجلس میں سے جو کوئی بھی اشارہ درس میں سے کوئی بات نہ سمجھتا اور دریافت کیا کرتا تھا تو اس کو بھی جھڑکتے نہ تھے بلکہ اس کے سمجھنے کی

بات ہوتی تو ہندی کی چندی بنا کر اُسکو سمجھا دیتے اور تسلی فرمادیا کرتے تھے۔ حلقہ میں مختلف دیار کے طلبہ پوربی بنگالی۔ ہندی۔ کابلی۔ فارسی۔ پنجابی لہجہ میں اپنی اپنی بولیاں بولتے اور استعداد و ظرف کے مناسب بھلے اور بُرے سارے ہی شبہات و اعتراضات کیا کرتے تھے سب کے ساتھ حضرت امام ربانی کا نرمی اور شفقت کا دستور تھا اور سب ہی کو تشفی بخش جواب دیکر راحت پونہچایا کرتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی آپکی نظر طلبہ کی نشست و برخاست حرکات و سکنات۔ رفتار و گفتار۔ چال ڈھال۔ وضع قطع۔ غرض ہر ظاہری حال پر برابر قایم رہتی تھی کہ کوئی طرز خلاف شرع تو نہیں ہے اگر کسی کو اپنے پڑھے ہوئے علم پر عمل کا شائق نہ دیکھتے تو اُسکی اصلاح کا زبان اور دل سے خیال رکھتے تھے اشارہ سے تصریح سے ترغیب سے ترہیب سے نرمی سے سختی سے جب تک متبع شرع نہو جاتا اُسوقت تک آپکو بے چینی رہتی تھی۔

حضرت امام ربانی آنے والے طلبہ میں اہلیت اور صلاحیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے جس طالبعلم میں کجی پاتے یا یہ سمجھ جاتے تھے کہ پڑھنے کے بعد اس سے ضلال اور اضلال کا اندیشہ غالب ہے اُسکو کبھی سبق شروع نہ کراتے بلکہ لطائف الحیل سے ٹالدیتے یا وہ روکھا برتاؤ فرماتے تھے جس سے وہ خود بددل ہو کر چلا جائے ہاں جن مہمانان رسول میں طلب صادق اور قابلیت و سعادتمندی پاتے تھے اُنکو اپنا عزیز رشتہ دار سمجھکر تا بعد ام بیٹا بنا کر رکھتے کتابیں دیتے حجرہ یا دوسری جائے قیام بتاتے کھانے کا انتظام فرماتے اور جب تک وہ آپکی خدمت میں پڑھتا رہتا برابر اُسکی خبر گیری رکھتے اور ہر ایک سے گاہے ماہے دریافت فرماتے رہتے تھے کہ کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے اگر انکو کوئی حاجت پیش آتی تو اُسکو رفع فرماتے اور غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر و تسلی کے کلمات سے تسکین بخشا کرتے تھے۔ طلبہ کی مدارات اور تعظیم و تکریم کا آپکو غایت درجہ لحاظ تھا جس طرح خود کی نظروں میں اس طالب دین فرقہ کی وقعت تھی آپ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کو پیارے پیغمبر کا مہمان سمجھکر عزت کی نگاہ سے دیکھیں آپکو ہرگز گوارا نہ تھا کہ انکو بنظر حقارت دیکھا جائے اور چٹی یا تاوان کا بوجھ سمجھکر روکھے سوکھے ٹکڑے ان کے حوالے کئے جائیں ایک مرتبہ کسی طالب علم کو کھلی ہوئی روٹی لاتے ہوئے آپ نے دیکھ لیا اُسکو پاس بلالیا اور پوچھا کہ تمہارا کھانا کہاں مقرر ہے؟ طالب علم نے آپ ہی کے کسی رشتہ دار کا نام لیا۔ حضرت امام ربانی نے فرمایا "اچھا اب وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کریگا" اُدھر اہلخانہ سے ناراضی کے کلمات کہلا بھیجے کہ افسوس اسی وجہ سے کہ بیچارے پردیسی علم دین حاصل کرنے تمہاری روٹیوں پر پڑے ہیں ان کو دروازہ کا فقیر سمجھکر ایسا برتاؤ کیا گیا سو کیا مضائقہ ہے "ملک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔

تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو انکا خدا انکے لئے دوسرا انتظام کریگا" وہ عفت مآب بی بی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عذرات پیش کر کے خطا معاف کرائی کہ حضرت آئندہ کبھی ایسا نہوگا آپ دیکھیں گے کہ دستر خوان میں کھانا ڈھک کر تعظیم کے ساتھ طلبہ کے پیش کیا کرونگی" عذر تقصیر آپ نے منظور فرمالیا اور اسوقت طالبعلم سے کہا کہ اب وہیں سے کھانا لایا کرو جہاں سے لاتے تھے۔

سردی

مقبول بارگاہ شیخ وقت بخاری زمانہ بوحنیفہ عصر امام ربانی قدس سرہٗ کے دربار عام کا چندہی سال میں اتنا شہرہ ہوا کہ تشنہ گان علم کے پل ٹوٹ پڑے طلبہ کے گروہا گروہ اور جوق جوق جماعتیں آنے لگیں اور اتنا کثیر مجمع ہوگیا کہ درس کے وقت حاضرین سامعین اور پڑھنے والی طلبہ کی پوری جماعت کا ایک جگہہ بیٹھنا مشکل ہوگیا کیونکہ حجرۂ شریفہ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ اتنے طالب علم سمائیں اور گرمی میں دھوپ کے وقت یا سردی میں ہوا کی تیزی کے وقت مسجد میں بھی بیٹھنا دشوار آنے جانے والے خدام بھی یہ تنگی دیکھکر دل تنگ ہوتے اور بہتیرے حاضر ہونے والے پیاسے جگہہ نہ ہونیکی وجہ سے محروم و ناکام واپس ہوجاتے اسلئے ادہر آنکا بھی کچھ خیال ہوا کہ حجرہ کے سامنے کچھ تعمیر ہوجائے اور خدام نے بھی باصرار درخواست کی کہ جگہہ بڑہالی جائے چنانچہ مخلص اصحاب کا بقدر وسعت کچھ چندہ ہوا اور باقی تیس اور پچاس کے مابین رقم آپ نے اپنے پاس سے خرچ کر کے حجرہ شریفہ کے سامنے ایک مختصر سہ دری بنوالی اور اسمیں درس دینے لگے۔

حضرت کی مقدس سوانح سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کی اس درجہ کثرت سنہ ۱۳۰۰ ہجری کے بعد یعنی آپ کے قیسرے حج سے واپس ہونے پر ہوئی ہے حالانکہ سہ دری اس سے تخمیناً اٹھارہ بیس برس قبل طیار ہوئی ہے پس سہ دری کے اضافہ کا سبب طلبہ کی کثرت سے ٹھیک نہیں معلوم ہوتا غالب یہ ہے کہ دوسری ضرورت ہوگی ہاں یہ ممکن ہے کہ طلبہ کی آسایش بھی فی الجملہ اس سے ملحوظ ہو غرض جو کچھ ہو سہ دری کی نیو کسی دینی ضرورت کے لئے ڈالی گئی اور پاک خدا کی یاد کسی طرز میں ہو اسکی اصل بنا تھی چنانچہ حق تعالیٰ نے اسمیں برکت عطا فرمائی اور سہ دری جسکو حجرہ قدوسیہ کا برآمدہ اور سقف صحن کہنا چاہئے طولاً۔ اگر عرضاً ہمگز تعمیر ہوئی۔

اسمیں شک نہیں کہ آپ اپنے کنبہ میں ہمیشہ سے ہر دلعزیز رہے وطن سے باہر خصوصاً دین کی محبت رکھنے والے علم دوست مجمع نے ابتداہی میں آپکو شیخ زمانہ سمجھ لیا تھا مگر جب بطحائی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی وطن میں قدر

نہوئی تو نائب رسول گنگوہی محدث کو تمام اہل گنگوہ کیونکر عزیز سمجھ سکتے تھے خصوصاً قدوسی خانقاہ کی طرف اپنے کو نسبت کرنے والے پیرزادے اول تو اس خداداد نعمت کو نعمت ہی نہ سمجھتے تھے اور سمجھتے بھی تو "گھر کی مرغی دال برابر" مفت میں ہاتھ آئے ہوئے اس لعل کی قدر ہی کیا کرتے جسکے حاصل کرنے میں ایک قدم بھی اٹھانا نہ پڑا اور سب پر طرہ یہ کہ اپنی پیرزادگی کے عقائد کاسدہ اور خیالات فاسدہ کا مخالف پاکر اپنا دشمن اور نقصان کنندہ سمجھے ہوئے تھے۔ ہر وقت موقع ڈھونڈتے اور بات بات پر گرفت اور الزام کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے آخر جب کئی سال گزرنے پر بھی کوئی بات ایسی ہاتھ نہ آئی جسپر چھیڑ شروع ہو تو اس سہ دری کے قصہ کو لے بیٹھے اور بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ کمیٹیاں کیں جلسے کئے گھر کی بیٹھکوں میں بیٹھ بیٹھ کر مشورے ہوئے کہ "آج مولوی رشید احمد نے سہ دری بنوائی ہے کل کو کچھ اور عمارت بنوا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دینگے چلو انکو اس مکان سے بے دخل کریں اور جو کچھ لاگت اس تعمیر میں لگی ہے وہ انکو دیکر قبضہ چھڑائیں" چنانچہ پیرزادوں کا ایک بڑا مجمع آپ کے پاس آیا اور حرف مطلب زبان پر لایا۔

حضرت امام ربانی کی خداداد ہیبت کے باعث دو چار آدمی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ کی منشا کے خلاف کسی بات کا اظہار کریں خصوصاً سہ دری کا معاملہ جسکو اسدرجہ مہتم بالشان سمجھے ہوئے تھے کہ خیال سماں میں طلبہ کے جم غفیر سے جنگ آزمائی اور معرکہ آرائی کر چکے تھے عام طور پر جیسا دنیا کا دستور ہے یوں سمجھ رہے تھے کہ قبضہ چھوٹنا کچھ آسان نہیں ہے مولانا سے مخالفت بھی ہوگی لٹھ بھی چلیں گے دو چار سر بھی پھوٹینگے اور خدا جانے کیا کیا کچھ وقوع میں آئیگا اس لئے جلسہ کا جلسہ اور جتھے کا جتھا حاضر خدمت ہوا۔

حضرت مولانا کو کچھ خبر نہ تھی کہ مجمع نے یہ تکلیف کیوں اٹھائی اور کس غرض سے آئے آخر ان میں سے جب ایک دل جگرے والا شخص آگے بڑھکر یوں کہنے لگا کہ "مولوی صاحب ان لوگوں کا منشا یہ ہے کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جو لاگت خرچ ہوئی ہے وہ لیلیویں" اسوقت آپکو آنے والوں کا عندیہ معلوم ہوا اور آپ نے نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ "بہت اچھا اتنی سی بات کے لئے مجمع کے آنیکی کیا ضرورت تھی اگر کسی ادنیٰ آدمی اور اپنے یہاں کے نائی دھوبی سے بھی یہ پیغام کہلا بھیجتے تب بھی مجھکو چھوڑ دینے میں تامل نہوتا" یہ فرما کر آپ نے تیس چالیس روپیہ جو کچھ بھی مکان کی لاگت میں جیب خاص سے خرچ کئے تھے لے لئے البتہ جو روپیہ چندہ سے آئیں صرف ہوا تھا وہ نہ لیا اور اسی وقت طلبہ سے فرما دیا کہ بستر کپڑے اور لکھنے پڑھنے کا سامان کتابیں وغیرہ سب نکال لو اور حجرہ خالی کر دو۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ گدھے گھوڑے باندھنے کو دھوبیوں نے اس مقدس خانقاہ پر قبضہ جمار کھا تھا اُسوقت شیخ کی اولاد میں کسی پیرزادے کا بھی دل نہ دکھا تھا اور آج جبکہ قال اللہ و قال الرسول کا بازار رونق بازار لگایا اور روح افزا باد نسیم سے لہرانے والے درختوں کا باغ جمایا گیا تو قبضہ مالکانہ کی سوجھی۔ وہ وقت جبکہ حضرت مولانا نے کھرپے اور پھاوڑے سے اس حجرہ میں پڑی ہوئی لید و گوبر کو کھود کھود کر نکالا تھا آپ ہی کو نہیں بلکہ پیرزادوں کو بھی اچھی طرح یاد ہوگا مگر یہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمایش تھی جسکا ثمرہ دین و دنیا میں بہت ہی جلد بھلا حاصل ہونے والا تھا اسلئے طبعی انسداد عرصہ کی سکونت کے سبب گو آپ پر ملال اس درجہ ہوا گویا کسی نے جان و مال کو لوٹ لیا ہو مگر خالی کرنے اور جائداد سوادت چھوڑ کر ہجرت کا امتحان دینے میں آپکا قدم مطلق نہ ڈگا۔ آپکی آنکھوں میں آنسو ضرور بھرے غایت حزن و غم سے چہرہ مبارک پر افسردگی چھا گئی مگر زبان سے اُف نہیں کی ہاتھ میں عصا لیکر اُسی وقت کھڑے ہو گئے اور مسجد کا راستہ لیا۔ اُسوقت جبکہ ناقدر دان پیرزادوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے آپ کے پاس طلبہ کا بھرپور مجمع تھا جن میں ولایتی۔ کابلی اور افغانی۔ ہندی سب ہی طلبہ تھے اور طلبہ بھی وہ جان نثار طلبہ جنکا استاد کے پسینہ کی جگہ خون گرانے میں فخر تھا مگر اللہ رے عالی ظرفی کہ آپ نے اتنا بھی نہ چاہا کہ سالہا سال کا مسکونہ مکان خالی کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت دیجائے اُسی وقت آپ نے پارچہ پوست شیدنی اور کتابوں کا ذخیرہ اپنے گھر پونچا دیا اور بستر اور دریا لپیٹکر مسجد کے گوشہ میں کھڑا کر دیا ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں لاٹھی لیکر مسجد میں قبلہ رُخ آ بیٹھے اور حجرہ کو بالکل خالی کر کے خدا کے گھر میں آ بسے۔

آپ کے رشتہ داروں اور جان نثار شاگردوں کو جو کچھ جوش خروش اس وقت میں پیدا ہوا ہوگا اُسکے اظہار کی کیا ضرورت ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غصہ میں بیتاب تھے آنکھوں سے خون ٹپکا پڑتا تھا ہر جانا مل نظر آتا اور جان دیدینی آسان معلوم ہوتی تھی مگر واہ رے آزمایش کی ثابت قدمی کہ حضرت امام ربانی نے کسی کو بولنے تک نہ دیا اور یوں فرمادیا کہ جس نے کوئی لفظ زبان سے نکالا وہ میرا دوست نہیں بلکہ دشمن ہے جاؤ دم سنجو اپنا کام کرو۔

جس محلہ کے اندر شیخ کا روضہ اور خانقاہ واقع ہے وہ سرائے کے نام سے مشہور ہے قصبہ اور سرائے کے مابین ایک بڑا تالاب حائل ہے جس نے محلہ سرائے کو قصبہ سے جو شہر کہلاتا ہے بالکل جدا کر دیا ہے شہر کے باشندوں کو جسوقت اس سانحہ کی خبر پونچی تو حضرت کے سمدھی جناب مولوی سراج الدین صاحب اور انکے

چھوٹے بھائی منشی فہیم الدین اور حضرت کے بہنوئی میر دار غلام ضامن علی صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب وغیرہ بیتاب و مضطرب لپکے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں بوریہ بچھا ہوا بستر اور عصا کونہ میں رکھا ہوا ہے آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے چہرہ مغموم ہے مگر زبان پر ذکر خدا جاری ہے چند طالب علم محزوں ادھر ادھر بیٹھے ہیں اور سنسان خالی حجرہ کے ارد گرد بھی ایک سناٹا چھایا ہوا ہے۔ یہ نو وارد مجمع سلام کر کے بیٹھ گیا اور تمہنی ہوا کہ اے ہمارے سرتاج دینی بادشاہ سرائے والوں نے آپکی قدر نہ پہچانی یہ انکی قسمت اب آپ ہم ناکارہ غلاموں کی عزت افزائی فرمادیں اور شہر تشریف لیچلیں مکانوں اور حجروں میں جو حجرہ پسند خاطر عاطر ہو اُسمیں سکونت اختیار فرمادیں۔ ہم اپنی عقیدت ظاہر نہیں کر سکتے البتہ اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ آخری پیغمبر کو جب اہل مکہ نے مکہ سے باہر کیا تو حق تعالیٰ نے اہل مدینہ کو یہ عزت دی کہ انھوں نے آنکھوں پر رکھا اور نعمت نصرت سے مالا مال ہوئے سچے نائب رسول کے لئے یہ واقعہ بھی آئی کا نمونہ اور نیابت کا جزو ہے ہماری خوش نصیبی ہے اگر ہماری درخواست منظور اور تمنا پوری ہو جائے۔

امام ربانی قدس سرہ نے ان لوگوں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا دعا دی کہ حق تعالیٰ تمھاری جائز مراد پر کمر کت دے باقی اس درخواست کو منظور نفرمایا کہ خود انکے ساتھ چلے جائیں بلکہ یہ کہکر کہ "میں یہاں بہت مراحت سے ہوں خدا کا بندہ خدا کے گھر میں پڑا رہے گا نہ کوئی نکالنے والا ہوگا نہ اٹھانے والا" انکو رخصت فرمایا۔

سرائے کے پیرزادے توقع کے خلاف حجرہ اور سہ دری کے اسقدر جلد اور بے تامل خالی ہو جانے سے دلوں میں لوہا مان گئے اور اپنی ناکردہ و ناشائستہ حرکت پر خود نادم و منفعل ہو چکے تھے منجانب اللہ انکو تنبیہ ہوا اور ایک نے دوسرے پر الزام رکھا کہ تمنے یہ گستاخ حرکت ہمسے کرائی ہائے افسوس جامع مسجد کے آباد حجرہ کو برباد اور معمور کو ٹھری کو ویران کرادیا دینی علوم کی درس و تدریس کو بند کیا اور تمام خیر و برکات کو موقوف غرض نادم و پشیمان ہو کر جلسہ کیا اور مشورہ کر کے حضرت امام ربانی کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اپنی گستاخی کی عذر کیا خطا کی معافی چاہی اور حجرہ کے پھر آباد کرنیکی درخواست کی۔

حضرت قدس سرہ کو مسجد میں قیام کئے ہوئے تین چار دن گزر لئے تھے آپنے مسجد کو چھوڑ کر حجرہ میں جانے سے انکار کیا مگر جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا اور ضعیف العمر بوڑھوں مسن سفید ریش بڑوں نے آپ سے اسکی تمنا کی تو آپ نے گردن نیچے جھکا لی اور بدستور سابق حجرہ میں رونق افروز ہوئے حضرت کا ایک کمال اُسوقت ظاہر ہوا تھا جبکہ آپ نے حجرہ خالی کیا تھا اور دوسرا کمال اسوقت نمایاں ہوا

جبکہ آپ نے انکی خطا کو معاف فرما کر حجرہ مالوفہ میں دوبارہ قدم رکھا اُسدن سے لیکر آجتک کسی نے ملکیت یا قبضہ کا نام نہیں لیا۔ وصال کی آخری گھڑی تک آپ اُسیں آباد و مقیم رہے وہی سہ دری ہے جسکے غربی جانب آپ کا پلنگ اُسوقت بچھا ہوا تھا جبکہ آپ سفر آخرت کے لمبے سفر کی خوشی خوشی طیاری کر رہے اور شوق لقاء حق میں اللھم بالرفیق الاعلیٰ کی زبان حال سے دعائیں مانگ رہے تھے حجرہ میں دوبارہ تشریف لانے کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تیرا یا گیا اور اسنے روپے اُن کے ہاتھ سے مجکو ملگئے۔

الغرض امام ربانی قدس سرہٗ کا درس اُس سال تک برابر جاری رہا جس سال میں آپکی بصارت ضعیف ہوئی اور نزول آب نے آپکو ظاہری بینائی سے معذور بنا دیا۔ ہجری ۱۳۱۸ھ اور عیسوی ۱۸۹۸ء وہ سال ہے جسمیں تدریس حدیث کا آخری دور تھا اُسی جماعت میں جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندہلوی شریک تھے یہ دورہ بینائی کے آہستہ آہستہ کمزور ہونے کے زمانہ میں بھی قائم رہا بلکہ جلد جلد ہوا کہ کسی طرح ختم ہو جائے آخر اثنار سال ہی میں نزلہ کے پانی نے آنکھ کی پتلی کو گھیر لیا اور حضرت امام ربانی ظاہری تعلقات سے سبکدوش ہو کر اب بالکلیہ اصلاح باطن اور تربیت مخصوصہ میں مشغول ہو گئے۔ آپکے گرد بار دریار حدیث سے کچھ اوپر تین سو طالب علم فیضیاب ہوئے اور فارغ التحصیل ہو کر ادھر اُدھر افادہ و افاضہ کے لئے منتشر ہو گئے جن میں بیسیوں اب بھی بحمداللہ زندہ اور تدریس میں مشغول ہیں بہتیروں کا وصال ہو گیا اور بہتیرے حضرات دوسرے کام میں مشغول ہو کر ایسے زاویہ خمول میں مستور ہیں کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہونا دشوار ہے کہ انکو بھی حضرت محدث گنگوہی قدس سرہٗ سے تلمذ کا شرف اور شاگردی کا اعزاز حاصل ہے۔

طلبہ کے فارغ ہو جانے اور دورہ ختم کر لینے کے بعد آپ اصل قاعدہ مسنونہ کے موافق انکو روایت کی اجازت زبانی عطا فرماتے اور جو طلبہ تحریری درخواست کرتے اُن کو اجازت نامہ تحریر بھی فرما دیتے تھے۔ حجۃ اللہ دہلوی کے سلسلہ علیہ کے موافق جو اہل طلبہ یا علماء بغیر اسکے کہ آپ کے سامنے بیٹھکر کوئی کتاب پڑھیں یا سنیں لیکن کسی کتاب یا کسی خاص حدیث کی اجازت چاہتے تو آپ اُس میں بھی دریغ نفرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ نے حدیث الجن کی اجازت چاہی تو آپنے بے تامل حدیث کو معہ سند لکھدیا اور مولانا کو اجازت عطا فرمانے کے ساتھ اُن علماء کو بھی اجازت دیدی جنھوں نے سوال نہیں کیا تھا مگر اجازت چاہتے تھے یا آئندہ کو چاہیں۔ اِس عطیہ عامہ کو ہدیۂ ناظرین کرنا مناسب سمجھکر والا نامہ بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

مولوی اشرف علی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپکا خط آیا سند حدیث نقل کرتا ہوں۔ حدثنی شیخی الشاہ احمد سعید المجددی قال حدثنی ابی الشاہ ابو سعید المجددی قال حدثنی شیخ المشیوخ الشاہ عبد العزیز الدہلوی قال حدثنی عمی الشاہ اہل اللہ الدہلوی عن القاضی الحبنی المعمر قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قتل فی عشر ذی الحجہ فدمہ ھدر۔ دانچہ قصداً من منقول و مشہور ست شنیدہ باشید و دیگر سلسلات انچہ منقول و مطبوع شدہ اندازاں یاد گیرند۔ بندہ اجازت استاد بالاجمال است بہیئت کذائیہ اخذ نکردہ بودم فقط والسلام۔ دیگر احباب را سلام رسانند دہر کجا ہد باد ہمیں کاغذ اجازت است بنمایند۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں لیکن تمیں شبہات و نکات حدیث و قرآن معہ جوابات درج کرتا ہوں جن سے ناظرین کو صرف اس بہار کا نمونہ دکھانا مقصود ہے جو حاضر باش خوش نصیب شاگرد دامن بھر بھر کر لوٹتی تھی شبہات سے قبل مضمون کے تکملہ کی غرض سے ایک اجازت نامہ بھی نمونہ کر دکھلانا چاہتا ہوں جو حسب استعداد و اہلیت فارغ ہونے والے بعض طلبہ کو حضرت امام ربانی کی طرف سے مہری و دستخطی عطا ہوا کرتی تھی اس اجازت روایت کو آجکل طلبہ کے گروہ میں سند کہا جاتا ہے اور عموماً درس سے فارغ ہونے پر مدارس اور مدرسین سے ملتی ہے سند کے سادہ الفاظ اور مختصر و جامع تحریر اس اخلاص کا پتہ دے رہی ہے جسکی بنا پر کئی سال تک گنگوہ چمنستان علوم شرعیہ اور گلشن اشجار سنت نبویہ بنا رہا۔

یہ اجازت ہادی شریعت رہبر طریقت مولانا الحاج المولوی محمد روشن خاں صاحب مراد آبادی کو عطا ہوئی اور حضرت امام ربانی نے اپنے قلم اور دست مبارک سے تحریر فرمائی تھی وھو ھذا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد و الہ و صحبہ و اتباعہ اجمعین الی یوم الدین بعد فیقول الراجی الی رحمۃ ربہ الصمد المصمد الضعیف عباد اللہ ابن رشید احمد الجنجوھی مولداً و مسکناً و الانصاری و الحنفی مشرباً و ان الاخ الاعز فی الدین المولوی محمد روشن خاں بن محمد امیر خاں المراد آبادی قد قرء علی الامہات الست المشہورۃ فی الحدیث مکملاً بعض الموطا للامام المہام مالک بن انس و عشرین حزباً من تفسیر الجلالین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و تفہم کما ینبغی لہ انا اجزتہ ان یروی عنی جمیع ما قرء عندی بتدبر و تیقظ فیہ اوصیہ بتقوی اللہ و المحافظۃ علی حدودہ و اتباع سنۃ رسولہ صلے اللہ علیہ وسلم و اقتفاء عہودہ و ان لا یسیئ الظن بجناب ائمۃ الدین و الفقہاء المجتہدین و ان لا یصاحب و لا یجالس السفہاء و اہل الاہواء و یتباعد ما استطاع عن الراسخین من العلماء و ان یلزم علیہ اشتغال علم الدین و دراستہ و یتجنب عما لا یعنیہ فلم یرم دراستہ و ان یجعل العلم وسیلۃ

لنیل رضا اللہ تعالیٰ ولقائہ ولانیسانی من صالح الاستغفار وخیر دعائہ واسأل اللہ تعالیٰ ان یوفقنا لما یحب ویرضیٰ ویجعل آخرۃ خیرا من الدنیا والحمد للہ رب العالمین وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

المرقم یوم السبت سابع جمادی الاولیٰ من سنۃ الف ومائتین واثنین وتسعین من ہجرۃ سید النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲۹۲ھ ہجری

فقط کتبہ بقلمہ العبد رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

نکات ومغلقات احادیث وقرآن،

(ش ۱) ایک مرتبہ مولوی میر شاہ خاں صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی میری زبان کی گرہ کھولدے کہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں" حق تعالیٰ نے قبولیت دعا کا اظہار بھی فرمایا کہ اوتیت سئولک یا موسیٰ کہ "تمہاری درخواست منظور ہے اے موسیٰ" حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی لکنت عمر بھر نہ گئی جب بات کرتے تو ضغطہ لسان کے باعث رگوں پر جوش وغضب میں ہاتھ مارا کرتے۔

(ج) فوراً حضرت امام ربانی نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہی ناتمام تھی خود ہی اسکا سوال کیا تھا کہ اتنی گرہ کھول کہ لوگ بات کو سمجھنے لگیں سو عطا ہوگئی پس جو بات کہتے گو بدقت کہتے مگر لوگ سمجھ ضرور لیتے تھے کیا کہہ رہے ہیں اگر یفقہوا قولی عرض نہ کرتے تو دعا تام ہوتی اور ساری لکنت جاتی رہتی۔

(ش ۲) مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت جسطور پر مبتدعین فاتحہ اور ایصال ثواب کرتے ہیں کیا اسکا ثواب مُردوں کو پونہچتا ہے؟

(ج) سُنا ارشاد فرمایا اصل قرأت قرآن کا ثواب کیوں نہ پونہچیگا اگرچہ اور زیادہ ہو کا گناہ بھی ہو فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ الآیۃ۔

(ش ۳) جس زمانہ میں آپ نے مغلطہ عامہ کی تصحیح میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان ہٹے کٹے فقیروں کو دینا بھی حرام ہے جنھوں نے بھیک مانگنا اپنا شعار اور پیشہ بنالیا ہے کیونکہ لا یحل لسوال الغنی ولا لذی مرۃ سوی سے انکا سوال کرنا حرام ثابت ہوا اور دینا چونکہ حرام کی اعانت ہے اسلئے ولا تعاونوا علی الاثم سے اسکی حرمت ثابت ہوئی کہ حرام کی اعانت بھی حرام ہے اسپر بہتیرے کج فہم اصحاب کی طرف سے شبہات پیش ہوئے السائل علیک حق ولوجاء علی فرس وغیر سب ہی کے لطیف معانی حضرت نے بیان فرمائے انمیں شبہات

میں قوی شبہ اما السائل فلا تنہر ہر بار بار تحریر اور تقریر اپیش کیا جاتا تھا ایک مرتبہ کچھ خیال آ گیا اور جوش میں آکر ارشاد فرمایا "مولوی یحییٰ ذرا تفسیروں میں دیکھو تو سہی کیا معنی لکھے ہیں اور کسی نے تہ کی بات بیان کی بھی ہے یا نہیں؟ پھر ہم مطلب بتائیں گے" چنانچہ بیضاوی مدارک جلالین سب ہی میں تلاش ہوئی کسی نے بھی ان کان عند لہ فاعطہ والا فلا تنہر کے علاوہ کچھ نہ لکھا عصر کے بعد پھر سے مجمع میں حضرت امام ربانی نے یوں تقریر فرمائی تعجب ہے ایسے بڑے لوگوں نے کچھ بھی نہ لکھا مجھے تو یہ حیرت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں سائل کو جھڑکو مت اور لوگ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ "بھیک دیدو" بھلا "فلا تنہر" سے دینا کہاں ثابت ہو گیا اسکے علاوہ ذرا پچھلے مضمون پر تو غور کریں کیا بیان ہو رہا ہے؟ الم یجدک یتیما فاوی ووجدک ضالا فہدی الخ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر احسان کا اظہار ہے کہ بچپلا زمانہ یاد کرو تم یتیم تھے ہم نے تمہیں ٹھکانا دیا راستہ معلوم نہ تھا ہم نے راہبری کی فقیر تھے ہم نے غنی بنا دیا آگے حکم ہے پس یتیم پر قہر نہ کرنا کیونکہ قدر سمجھ چکے ہو اور فقیر کو جھڑکنا مت کیونکہ تنگدستی و فقر کا زمانہ دیکھ کر اندازہ کر چکے ہو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو اس درجہ کا غریب ہو یعنی واقعی محتاج وہی آیت میں مراد ہے ورنہ مطلق سائل مراد لینے سے تو پچھلی آیت کو اس حکم سے ربط و مناسبت ہی باقی نہیں رہتی۔

(س ۴) ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت اگر وظیفہ شب کو نہ ہو سکے تو دن میں قضا کرنے سے وہی ثواب ملیگا؟

(ج) آپ نے فرمایا "ہاں کیوں نہیں ہو الذی جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا"۔

(س ۵) مولوی ابوالبرکات صاحب مئوی نے دریافت کیا کہ حضرت صدق اللہ وکذب بطن فلان الحدیث او کما قال کا کیا مطلب ہے اور کذب سے کیا مراد ہے؟

(ج) فرمایا کہ دستوں کا جاری ہونا بظاہر تو مرض کا زیادہ ہونا تھا مگر واقع میں یہی سبب تندرستی تھا اسی کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کذب سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ظاہر اور باطن میں تخالف ہی کا نام کذب ہے کما لا یخفی۔

(س ۶) اء نتم تزرعونہ ام نحن الزارعون لو نشاء لجعلناہ حطاما الایۃ اور آیت اانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون لو نشاء جعلناہ اجاجا کی تفسیر کے متعلق یہ نکتہ بیان فرمایا کہ۔

(ج) پہلی آیت میں لجعلناہ لام کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اور دوسری آیت میں جعلناہ بغیر لام کے اسمیں فصاحت تامہ ملحوظ ہے کہ زراعت میں فی الجملہ انسان کو مداخلت ہے پس مظنہ پائداری تھا اور آدمی سمجھ سکتا تھا کہ جو اناج غلہ کھیتی باڑی میری محنت و کاشتکاری سے پیدا ہوا ہے اسکو اپنی حفاظت سے محفوظ اور باقی رکھ

سکتا ہوں پس اسکا رفع حرف تاکید یعنی لام سے فرمایا کہ آدمی سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہم چاہیں تو اسکو ملیا میٹ بیکار بنادیں اور انزال مطر میں کسی طرح انسانی فعل کو دخل ہی نہیں ہے اسلئے تاکید کی حاجت نہیں کیونکہ اسکی حفاظت اور قابل انتفاع رکھنے کا انسان کو اپنی ناچاری کے باعث واہمہ بھی نہیں ہو سکتا اگر بارش نہو تو آسمان کو بیٹھا تکا کرے یا پانی شور ہو جائے تو ہاتھ ملتا پھرے کوئی تدبیر اور علاج نہو سکے۔

(ش ۷) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے "قیامت اسوقت آئیگی جبکہ دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا ایک بھی نہوگا" اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص ایک بار اللہ کا نام لینے والا بھی اسر ضہو جود ہو تو آسمان و زمین قائم رہیں اور قیامت نہ آوے یعنی اللہ کے نام میں یہ برکت ہے کہ ایک بار اسکا نام زبان سے کہنا بھی زمین و آسمان کو تھام لیتا ہے۔

(ش ۸) تعبد ربك كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك الحدیث کی توضیح میں ارشاد فرمایا کہ فاسجگہ علت کیلئے ہے پس معنی حدیث یوں ہوئے کہ "حق تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا اسکو دیکھ رہے ہو اسلئے کہ اگر تم اسکو نہیں دیکھتے (کیونکہ اسکی رویت دنیا میں غیر ممکن ہے) تو وہ تو تمکو دیکھ رہا ہے" اور اسی جزء کانك تراه حرف تشبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ "گویا تم اسکو دیکھتے ہو" تراہ محض نہیں فرمایا کہ حقیقۃً دیکھ ہی رہے ہو غرض مقصود حدیث میں جملہ ثانیہ فان لم تکن الخ سے بھی جملہ اولیٰ یعنی کانك تراه کا ثابت کرنا مقصود ہے نہ تردید و تشقیق جیسا کہ عام شراح سمجھ رہے ہیں اگر تقسیم مراد ہوتی تو یوں ارشاد ہوتا۔ فان لم تکن فی درجۃ کانك تراه فانه يراك "فليفهم۔

اسی اختلال اشتباہ کے بعد امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ سارے تصوف کا حاصل اور کمال کا اعلیٰ درجہ یہی تو ہے جسکو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دو لفظوں میں بیان فرمادیا اسی احسان کے حاصل کرنے کو تمام مجاہدہ و ریاضت ہے اور دین کی ساری تعلیم و تلقین اسی غرض سے ہے کہ یہ خلاصہ تصوف اور لب لباب حاصل ہو جائے۔

(ش ۹) حدیث سے لحوم الابل کا ناقض وضو ہونا صراحۃً ثابت ہے ہر چند کہ تاویل ممکن ہے مگر ضرورت تاویل و عدول عن الظاہر کی کیا ہے؟

(ج) حضرت ابوہریرہؓ نے جب فرمایا کہ مما مسّت النار سے وضو آتا ہے اور حضرت عبداللہ عباسؓ نے اعتراض کیا کہ توضأ من الحميم تو فقیہ کے اعتراض سے معلوم ہوا کہ وضو کے معنی حدیث میں حقیقۃً لغوی تھے

الوقوف اصلاح النفس کتاب جزء الدار بلیکیشنز دیوبند

نہ حقیقت شرعی اور حدیث مرفوع سے بھی وضو بمعنی نظافہ ہونا اس موقع پر دریافت ہوتا ہے پس وضو بمعنی نظافہ ثمیہ تو سب جگہ یہی معنی مراد ہوئے پس لحم ابل سے کلی اور ہاتھ دھونا نسبت بلحم شاۃ زیادہ ضروری ہے کیونکہ ابل میں بدبو ہوتی ہے لہذا حنفی اور شافعی کے نزدیک لحم ابل مثل ماست النار کے ناقض نہیں بلکہ باعث زیادہ نظافہ ہے اسلئے کہ رفع اذیت انس و ملائکہ اس سے ہوتا ہے معہذا جابرؓ سے منقول ہے کہ کان آخر الامرین من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار تو ما غیرت بعموم لحم ابل کو بھی شامل ہے یہ امور ظاہر بمعنی حقیقۃ شرعی سے عدول کے باعث جمہور کو ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

(ش ۱۰) عبداللہ بن زبیرؓ نے جو کعبہ کو از سر نو بنا ابراہیمی پر بنایا صحیح مسلم میں مروی ہے کہ طول میں واسطے موزونی بنا رکے کچھ بڑھایا پھر حجاج نے بحکم عبدالملک طول کو تو باقی رکھا اور باقی کو پہلی صورت پر اعادہ کیا اسکے بعد ترمیم نہیں ہوئی اب شبہ یہ ہے کہ طول میں جسقدر غیر کعبہ بڑھایا ہوا ہے اسکی محاذاۃ سے نماز کیونکر ہوگی اب نماز میں سخت رعایت کرنا پڑیگی مثلاً ب کی نماز جایز ہوا و ج کی ہمایز نہو

طول زاید	طول اصلی

(ج) طول سے مراد حدیث مسلم میں ارتفاع الی الشمار ہے طول و عرض جنوب و شمال اور شرق و غرب کا مراد نہیں پس حاصل یہ ہے کہ ارتفاع کو قائم رکھا اور جانب حطیم سے جو بڑھایا تھا کم کر دیا اور سب ہوا کعبہ کی آسمان تک قبلہ ہے خود ظاہر ہے۔ اور جو طول سے جنوباً شمالاً مراد ہوتا تو بنا ابراہیم علیہ السلام پر بیت کا ہونا کسطرح صحیح ہوتا کیونکہ اس صورت میں تو بیت بنا ابراہیم علیہ السلام سے زاید ہوا جاتا ہے بہرحال طول سے مراد ارتفاع ہے واللہ اعلم۔

(ش ۱۱) الا ثوب عصب استثناء صریح ہے حالانکہ حنفیہ شافعیہ اسکی حرمت کے قائل ہیں تحریم کی کیا دلیل ہے؟

(ج) احداد ترک زینت ہے لغۃً و شرعاً پس جسمیں زینت ہوویگی شے ممنوع ہوگی اور ثوب معصفر نہایت زینت کا ثوب ہے۔ چنری آپ نے بھی دیکھی ہے کہ ہنود کی عورتیں شادی میں پہنتی ہیں لہذا اس ثوب کو حرام کہتے ہیں بلکہ معنی عصب کے ایک رنگ سیاہ ہے اسکا استثناء فرمایا ہے ہرگاہ فرمایا ولا تلبس ثوبا مصبوغا تو عصب کا رنگین بھی آسمیں داخل تھا اور آسمیں زینت ہوتی نہیں لہذا اسکو مستثنیٰ فرما دیا واللہ اعلم۔

(ش ۱۲) تجعل نعبی و نھب العبد۔ بین عیینۃ و الاقرع۔ میں بین بمعنی دون کے ہے یا اور کچھ شمول پر معنی حقیقی ہیں یا مجازی؟

(ج) بین کے معنی درمیان کے ہیں کچھ ضرورت صرف کی نہیں جو عیینہ اور اقرع کو سو سو عدد عطا فرماتے اور انکو کم دیئے تو گویا جو حصہ انکا تھا وہ عیینہ اور اقرع کو تقسیم کر دیا مثلاً ان کو اسی دیئے تھے تو اسی سے سب کے

مساوی ہو کر بیس بیس جو اقرع و عیینہ کو زاید علاوہ چالیس ہر سہ کا حصہ تھا جب اُن کو چالیس میں سے کچھ نہ ملا انکا حصہ بھی اُن دونوں (عیینہ واقرع) پر تقسیم ہوا پس معنی درست ہو گئے کہ "آیا کرتے ہو میرے حصہ بہت کم یعنی بعض حصہ کو اقرع و عیینہ میں؟ یوں نہ کرو بلکہ میرا حصہ دیکر برابر کرو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۳) امرۃ قیصرۃ من بنی اسرائیل کے قصہ میں ہے۔ وضعت خاتما من ذھب معلق مطبق حشتہ مسکا معلق مطبق کے معنی ہیں؟

(ج) معلق مطبق کے کیا معنی کہ نگینہ انگشتری کا چاروں طرف سے اُبھار کر درمیان میں خالی جوف رکھا اور پھر اوپر سے بھی کسی شے سے بند مطبق کر دیا کہ مشک اوپر کی طرف سے نہ گر پڑے۔ اوپر سے ڈھانکا مگر ایسا چھید جس سے خوشبو نکلے باقی رکھا تھا ورنہ محض اغلاق اطباق سے خوشبو کیونکر نکلتی یا ایسا اطباق رقیق یا مسنبک شے کا تھا کہ خوشبو نکلتی رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۴) باب جر الازار میں ابوہریرہؓ کا قصہ ہے کہ ایک مسبل ازار کو دیکھکر حدیث بیان کی اُسمیں وھو امیر علی البحرین کا مرجع کون ہے یضرب رجلہ علی الارض کا کون فاعل ہے اور استخلاف مروان کا ذکر کیوں مذکور ہوا

(ج) وھو امیر علی البحرین ای الرجل الذی یضرب ابوہریرۃ رجلہ علی الارض یعنی مسخری اور استہزا کرنے لگے جیسا عادۃً لانے اور طعن کرنے کو پاؤں زمین پر مارتے ہیں اور فرماتے تھے جاء الامیر جاء الامیر یعنی امیر بحرین جر ازار کرتا ہوا آتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ یہ فعل حرام ہے اور استخلاف کا ذکر اسواسطے کیا کہ ابوہریرہ کو یہ جرأت تمسخر اور طعن کی امیر بحرین کے اس غرہ کے سبب تھی کہ خلیفہ بھی اُن کو معزز معظم رکھتے تھے ورنہ کسطرح جرأت ایسے کلام کی ہوتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۵) ہندہ نے زید کو آزاد کیا پھر ہندہ اول مری اور ایک بیٹا عمر اور ایک بھائی بکر چھوڑا پھر عمر مر گیا اور ایک عم خالد چھوڑا۔ اب زید (آزاد شدہ غلام) مر گیا۔ خالد اور بکر میں منازعت ہے خالد کہتا ہے کہ چونکہ ہندہ معتقہ کی موت کے وقت اُسکا بیٹا عمر موجود تھا اسلئے وہ وارث ولاء کا ہوا اور چونکہ میں عمر کا عصبہ ہوں اسلئے (عمر کے بعد زید کا ولا جو حق عمر تھا) مجھے پونچا۔ بکر کہتا ہے کہ معتق (یعنی زید) جب مرا ہے تو اسوقت معتقہ یعنی ہندہ کے عصبات میں سے صرف میں ہی ہوں (کیونکہ اُسکا حقیقی بھائی ہوں) پس تمہارا کوئی استحقاق اور رس نہیں ہے حسب قضائے روایت ابوداؤد ولا خالد کو ملنی چاہیئے اور حسب روایت وطا امام محمد کے بکر کو ملنی چاہیئے یہ تو دونوں کا اقتضاء میں اختلاف ہے اب حنفیہ کا عمل چونکہ حسب موطا ہے اس لئے

اسکی وجہ ترجیح اور ابو داؤد کا جواب مطلوب ہے۔

(ج) آپ کا حاصل سوال پہلی دفعہ بندہ نہیں سمجھا اب فہم میں آگیا۔ حضرت عمرؓ سے اور دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ الولاء للکبر اور مراد کبر سے اقرب الی المیت ہے تو جمہور مجتہدین نے اسکو قبول کیا اور الولاء لا یورث کو پیش نظر کیا اور ولا کو بوجہ نصرت کے قائم کیا لہذا ظاہر قضاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جو ابو داؤد وغیرہ نے نقل کیا عمل نہیں کیا اب ابو داؤد کی روایت کے معنی اس طرح بنانے سے درست ہو سکتے ہیں کہ موت مولی کی موت فرزند میں ہوئی تھی فقد موت میں واو مطلق جمع کے واسطے ہے اور قدمات سابقا قریبا وقت دیوہ الیہن اور اس ربا ع و مال میں تکرار تھا کہ مال کو لوٹانا چاہیئے تھا بنو معمر پر اور حضرت عمرؓ نے یہ مال ہی دلوایا تھا ما احرزالولد سے مال ہی مراد تھا کیونکہ ولا رجو لحمۃ کلحمۃ النسب ہے اسکا احراز ممکن نہیں اور اس مال ہی کا مرافعہ تھا یا یہ کہ واقعہ معاویہ وغیرہ کا عبدالملک کے وقت میں ہوا عبدالملک نہیں سمجھا اور عمرو بن العاص بھی نہیں سمجھے تھے مال پر ولاء کو قیاس کر لیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۶) احادیث سے سنیت قرءت فاتحہ صلوٰۃ جنازہ مفہوم ہوتی ہو رہا نہ پڑھنا بعض صحابہ کا وہ نافی تاکد ہو سکتا ہے نہ نافی سنیت کا پھر اس تاویل کی کہ قرءۃ نہ تھی ثنا تھی کیا دلیل ہے؟

(ج) مستحب وہ عبادت ہو کہ آپ نے چند بار کر کے ترک کر دیا بدیں وجہ کہ یہ واجب ہو کر نہ ہو جائے اور جو فعل کہ کرتے تھے اور پھر اسکی جگہ فعل کے خلاف کسی دوسرے فعل کو کر دکھایا تو یہ دوسرا فعل رخصت بیان جواز ہوتا ہے نہ امر مستحب۔ یہ فرق ہر اہل علم کو جاننا بہت ضرور ہے پس صلوٰۃ جنازہ میں بعد تکبیر اول کے ثنا کا پڑھنا تو امر شائع تھا کہ خود ابن عباسؓ کو اسکے خلاف کا اظہار کرنا ضرور تھا اور ابو ہریرہؓ و ابن عمرؓ نے تصریح کر دی کہ لیس فی صلوٰۃ الجنازۃ قراءۃ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ کا فاتحہ پڑھنا بوجہ ثنا اور بیان جواز کے تھا نہ بطریق تشریع کے ورنہ یہ قرأت فاتحہ بالضرور ایسے امر کثیر الوقوع میں دیگر صحابہ پر مخفی نہ رہتی اور ابن عباسؓ کا ایسے امر رخصت کا کہ وہ کما ہو حقہ تنزیہ سے خالی نہیں سنت کہنا دوسری جگہ مؤید اسی کا ہے چنانچہ سنن ابو داؤد میں اقعاء بین السجدتین کو سنۃ نبیکم فرمایا اور صلوٰۃ جنازہ من کل الوجوہ صلوٰۃ بھی نہیں بلکہ اشبہ بالدعا ہے اس وجہ سے فاتحہ کا بطور دعا و ثنا پڑھنا راجح ہے نہ بطور تشریع سنۃ و استحباب کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۷) تو مسلم جسکے پاس عادیث صحیحہ سے زائد ہوں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار اربع میں مختار ہے خواہ قدیمات کو رکھے خواہ جدیدات کو بعض حدیث میں لفظ تخییر صاف آگیا ہے پھر تعیین منکو حات کی کیا دلیل ہے؟

(ج) واقعہ حال سے کلیۃً و مطلقاً حکم معلوم نہیں ہو سکتا ہے لہذا آپ کا فرمانا کہ اختراعیہ ماشئت و اختر یقیناً محل تردد ہے کہ وہاں کونسی صورت پیش آئی تھی آیا وہ نکاح قبل تحریم جمع بین الاختین و جمع بین عشر نساء کے کیا گیا تھا کہ سب کا نکاح درست تھا پھر بعد تحریم جمع کے جواز کی عارض ہوئی یا بعد نزول تحریم کے اور ایک بعقد سے جمع بھی یا بعد نکاح سے بہ ترتیب پس شق اول میں تو کسی کے نزدیک بھی خلاف نہیں بلکہ اختیار سب کے نزدیک ثابت ہے اور دوسری و تیسری شق میں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ سب کو تفریق کر کے چار کو یا ایک اخت کو اختیار بنکاح جدید کرلے پس اشتراک معنی اور جہالت واقعہ کے سبب حاجت بنظر تفقہ ہوئی لہذا دیکھا گیا کہ اگر کوئی کافر محرم سے نکاح کرے تو بعد اسلام اسکی تفریق کرانے کا حکم ہوگا ایسا ہی یہاں بھی جو نکاح حرام واقع ہوا اسکی تفریق کرانا واجب ہوگا کیونکہ ان مسائل فرعیہ میں کفار علی الاصح مخاطب ہیں مگر ہمکو الزام حکم اسپر نہیں پہنچتا اور بعد اسلام کے الزام واجب ہے پس اس امر غیر مشروع کو کہ اس سے مزدہوا رفع کرنا واجب ہوگا نہ امر مشروع کا رفع لہذا ترتیب اختین میں دوسری اخت کا نکاح غیر مشروع تھا نہ پہلی کا اور جمع میں دونوں کا نکاح نہوا تھا پس مشروع کو رفع کیا جاویگا نہ مشروع کو اور عشرہ بہ ترتیب میں چار اول کا نکاح مشروع ہے نہ خامس کا علی ہذا فوضح الفرق واللہ اعلم

(ش ۱۸) بائع اگر اپنا مال بعینہ مفلس کے پاس پاوے اسکا احق ہونا بہت حدیث سے ثابت ہے بعض حدیثوں میں لفظ ابتاع وغیرہ مصرح ہے جہاں تاویل ودیعت کی مشکل ہے اسکے کیا معنی ہونگے؟

(ج) موت مشتری کا مسئلہ کہ "مشتری مفلس مرجاوے تو سب غرباء کی برابر ہو جاتا ہے چنانچہ ابو داؤد میں حدیث ہے" دلیل امام صاحب کی ہے بیع کے مسئلہ میں قبل قبض تو بائع احق بالمبیع ہوتا ہے کیونکہ ملک تام مشتری کی بسبب قبض نہ کرنے کے نہیں ہوئی اور بوجہ قبض کے السوۃ للغرباء ہوگا بسبب تمامی ملک کے موت کا مسئلہ نظیر و دلیل اسکی ہے لہذا معنی بعینہ کے عدم تغیر معنوی کہ امانت ہے مراد ہیں نہ تغیر صوری کہ بدلنا یا نقصان مبیع کا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۹) قصہ بنی قریضہ سے انبات عانہ کا بلوغ میں معلوم ہوتا ہے اگر مثل امام احمدؒ وقت معلوم ہونے دوسری علامات کے اسکو مناط بلوغ کا قرار دیا جائے تو کیسا ہے اور بالکل اعتبار نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

(ج) اس مسئلہ میں اگر تعذر عمر کے دریافت سے ہو تو حقن دماء کے مقام میں شارع نے انبات پر حکم فرمایا ہے کہ عمر کا دریافت کرنا وہاں متعذر تھا اور انبات عانہ یا لحیہ کا کوئی وقت مقرر نہیں اور کوئی ایسی دلیل بلوغ کی نہیں اسواسطے حنفیہ نے اسپر مدار نہیں رکھا اگر تحقیق ہو جاوے کہ انبات بدون بلوغ کے نہیں ہوتا یا ضرورت شدیدہ

سپر حکم ہو سکتا ہے چنانچہ امام ابو یوسف سے اعتبار انبات عانہ کی روایت منقول ہے مگر یہ
ہوگی کہ عمر کے دریافت سے تعذر اور ضرورت داعی ہو واللہ اعلم۔
شخص نے امۃ زوجہ سے زنا کیا صحابی کا فیصلہ کہ اگر زوجہ نے حلال کیا تھا تو یہ سزا (شاید جلد) ہے
یا تھا یہ سزا (شاید رجم ہے) یہ کس قاعدہ پر مبنی ہے اور اسکا کیا جواب ہے؟
بن بشیر کا یہ حکم موافق قاعدہ حنفیہ کے ہے کہ زوجہ کی جاریہ سے وطی کر کے اگر کہے کہ میں اس کو
تو بسبب شبہ فعل کے حد ساقط ہو جاتی ہے سو یہاں وہ واطی محض تھا بسبب تحلیل زوجہ کے
لے یہ کام کرنے کا محل تھا لہذا فرمایا کہ اسکو رجم نہ کرونگا اور تم کو ڑے بطور تعزیر کے تھے چنانچہ
ی یہ مذہب تھا اور در صورت عدم تحلیل کے حرام ہونا خود ظاہر ہے موجب رجم کا ہی مگر چونکہ شبہ فعل
تو وہاں بھی سقوط حد و تعزیر کا محل ہے مگر نعمان کا فرمانا بعد احوال متبادر کے تردید حتماً تھی واللہ اعلم۔
مذہب کفار عرب سے اسلام یا سیف سے بہت حدیثوں سے استرقاق عرب کا ثابت ہو اسکے معارض
ی ہے یا نہیں؟
رقاق عرب میں مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ مقاتلین بالغین کو رقیق نہ بنایا جاوے اور جزیہ لگا کر چھوڑ دیا
دین پر سو اسکے خلاف کوئی روایت حدیث کی نہیں ہے کہ جسکے جواب کی ضرورت ہو اور
انا درست ہے اور انکا ہی رقیق بنانا احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔
یث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ قاعداً کا نصف ثواب ہو صلوٰۃ قائماً سے اور صلوٰۃ نائماً نصف
اسے اگر یہ محمول ہو حالت عذر پر تب تو تنصیف کی کیا وجہ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ بندہ اگر
ں نیک عمل کرتا ہو تو مرض میں باوجود نہ کرنے کے اجر کامل ہوتا ہو چہ جائیکہ تبدیل ہیئت والا اگر محمول ہے
بیسا کہ ظاہر ہو تو صلوٰۃ نائماً کے جواز و مشروعیۃ کا قائل ہونا چاہئے جیسا کہ حسن بصری کا مذہب ہے
وہ نفل کا ہے ایسے مریض سے کہ قیام یا قعود سے عاجز تو نہیں مگر تکلیف ہوتی ہے جسکا تحمل مشقت
ہے شخص کے فرض تو نہ قعوداً درست ہوں اور نہ قدرت قعود میں نائماً درست ہو ہاں
علی النصف ہی ملیگا جیسا تندرست کا حال ہے مگر اسکو نائماً کی اجازت ہے بضرورت تکمیل نوافل
ندرست کو نائماً جائز نہیں کہ اس طرح شارع سے کبھی ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم۔

ہ مطبوعہ مطبع مجتبائی سابق صفحہ ۷۴ قال ابن المبارک ما بین المشرق والمغرب قبلۃ ہذا

ہ اور ہذا قال ابن المبارک اذا صلیت بینک وبین المشرق والمغرب قبلۃ فما استقبلت القبلۃ وقال ابن المبارک فی

لاہل المشرق واخذ عبداللہ بن المبارک الذی اسر لاہل مرو تخصیص اہل مشرق و اہل مرو کے کیا معنی ؟

(ج) چونکہ مشہور یہ تھا کہ یہ حدیث اہل مدینہ کے قبلہ کی شان میں ہے عبداللہ بن المبارک نے فرمایا کہ اہل مشرق کے واسطے بھی یہ حکم ہے جو مشرقی کہ مکہ معظمہ سے عرض بعید جانب مشرق میں رہتے ہیں مثلاً مرو۔ ہرات و بخارا پس چونکہ ابن مبارک مرو کے رہنے والے تھے اور مرو بھی ممالک مشرقی میں ہے لہذا مرو کے قبلہ کو فرمادیا ہے ورنہ خصوصیت کسی کی نہیں بلکہ یہ قبلہ اس ملک کا جو جنوب و شمال میں مکہ سے ہیں ظاہر ہے اور مشرق کے تو بعض ہی دیار پر صادق آتا ہے۔

(ش ۲۴) صفحہ ۵۷ فتقدم علی راحلتہ فصلی بہم الخ حنفیہ کے نزدیک صحت اقتدا کے لئے اتحاد مکان شرط ہے اس حدیث کا کیا جواب دیا جائیگا اس صورت میں عدم جواز کے حکم کو تفریع بعض متاخرین کی سمجھکر غلط کہا جائیگا

(ج) یہ واقعہ بضرورت واقع ہوا کہ بسبب کیچڑ کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی جیسا فرض ادا پر درست نہیں اور رکوع قیام سجود بسبب ضرورت کے ساقط ہوگئے اتحاد مکان امام و مقتدی کا بھی ساقط ہوا تو کیا شبہہ ہے حنفیہ نے شرط صحت اقتدا میں اتحاد مکان کو جو لکھا ہے تو وہ صورت عدم ضرورت لکھا ہے مطلقاً پس اگر ایسی حالت میں اتحاد مکان بھی ساقط ہوا تو کیا اعتراض ہے جب تین فرض رکن ہی ساقط ہوگئے واللہ اعلم۔

(ش ۲۵) احادیث کثیرہ سے جماعت نافلہ معلوم ہوتی ہے انکار حنفیہ کی کیا وجہ اور تداعی و عدم تداعی سے فرق کی کیا دلیل اور تداعی کی صحیح تفسیر کیا ہے ؟

(ج) احادیث کثیرہ سے مطلق جماعت نفل معلوم ہوتی ہے یا بعض سے تین مقتدی تک کی جماعت ثابت ہوتی ہے اسکو حنفیہ درست کہتے ہیں مگر بتداعی کہ جسکے معنی کثرت کے لکھے ہیں اس طرح کہ چار مقتدی ہوں دو پانچواں امام ہو اسکو مکروہ تحریمہ لکھتے ہیں کیونکہ تداعی کہ مثلاً ایک دوسرے کو آسکے لغوی معنی ہیں اور اسکو لازم تکثیر ہے یہ اہتمام کو چاہتا ہے اور اہتمام جماعت فرائض ہی ہے نہ نوافل میں نفل میں انفراد اخفا ہے پس جب لازم اہتمام جماعت نفل میں ہوگا مکروہ تحریمہ ہوگا سوائے مواقع مستثنیٰ کے کہ کسوف و استسقا تراویح ہے یا کم چار مقتدی سے کہ یہ خلاف قیاس ثابت ہے باقی بحال خود ہونی چاہئے تاقتدی عن حدود اللہ تعالیٰ لازم نہ آوے واللہ اعلم۔

(ش ۲۶) صحاح سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں جو اقامت مغرب و عشا کے لئے ہوئیں مثبت ہیں چھوڑکر عمل بالنافی یعنی روایۃ اقامۃ واحدہ کی کیا وجہ ؟

(ج) مزدلفہ میں دو اقامت دو اذان یا ایک اذان دو اقامت اور ایک اذان ایک اقامت ثابت ہوتی ہے حسب روایت نافی مثل مثبت کے ہو تو معارض مثبت کے ہوتی ہے۔ یہاں اسواسطے معارضہ ہوا پس قیاس کی طرف رجوع ہوا قیاس چاہتا ہے کہ ایک اذان ایک اقامت ہو کیونکہ نماز عشاء اپنے وقت میں ہے اور مغرب کا وقت نہیں رہا اذان و اقامت عشاء کے واسطے ہے پس اسکو ترجیح دیگئی واللہ اعلم۔

(ش ۲۷) ثمن المثل سے نہی آئی ہے اسکو ظاہر سے کیوں متصرف کرتے ہیں اسی طرح اکثر حدیثوں میں جمع علماء نے تاویلیں کی ہیں بعض جگہ کوئی دلیل صارف نہیں معلوم ہوتی اسکے لئے کوئی ضابطہ ہے یا ہر جگہ تشہی صارف کا ضرور ہے یا مبنی محض شرح مجتہد پر ہے؟

(ج) جو شے مال ہے اسکا استعمال کرنا درست ہے اسکی بیع شرا بھی درست ہے جیسا کلب مثلاً ثمن ہر بھی حسب قاعدہ کلیہ درست ہے کہ مال ہے اور کہنا اسکا حلال ہے لہذا حنفیہ اس نہی کو تنزیہ پر حمل کرتے ہیں کہ خلاف مروت کے ہے کہ ایسی شے پر بھی فلوس چھوٹے ورنہ کلیہ اسکی اباحت کو چاہتا ہے پس یہ حسب قاعدہ کلیہ کے ہے واللہ اعلم۔

(ش ۲۸) حدیث ہے من قتل متعمداً دفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا وان شاؤا اخذوا الدیۃ وہی ثلثون حقہ وثلثون جذعۃ واربعون خلفۃ وما صالحوا علیہ فہو لہم اس عمد سے مراد شبہ عمد تو ہو نہیں سکتا کیونکہ فان شاؤا اقتلوا اس سے آبی ہے پس عمد مراد ہے اور ان شاؤا اقتلوا وان شاؤا اخذوا الدیۃ تخییر میں صریح ہے اسکی کیا توجیہ ہے اور نیز اسکے بعد ما صالحوا علیہ فرمانا قرینا اسکا ہے کہ وہ تخییر قبل صلح ہے کیونکہ وہاں دیت کو متعین فرمایا اور صلح میں غیر متعین پس اگر وہ تخییر صلح پر محمول ہو تو تعیین و عدم تعیین معاً صلح میں مجتمع ہو جاویگی دوسرا شبہ اسمیں یہ ہے کہ حنفیہ نے کہا ہے کہ قتل عمد میں صلح زاید علی المنصوص المقدر پر جایز نہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جایز ہے حیث قال وما صالحوا علیہ فہو لہم۔

(ج) اس مسئلہ تخییر میں حنفیہ بھی تو انکار نہیں کرتے فرق اتنا ہے کہ موجب عمد فقط قصاص ہے اگر عفو قصاص بقید اخذ دیت ہے تو دیت ساقط نہیں ہوتی پس اسطرح پر چاہیں دیت لیویں اور چاہیں قتل ہی کریں اسمیں کوئی عقد ہی نہیں اور حسب دیت قائم ہو گئی چاہیں اہل لیویں چاہیں صلح کر لیویں اسمیں کوئی مخالفت نہیں واللہ اعلم۔

(ش ۲۹) ابن ماجہ باب زکوۃ الجنین زکوۃ امہ میں بعد حدیث کے ایک قول نقل کیا ہے "الزکوۃ لا یقضی بہا ذمۃ" قال ذمۃ بکسر الذال من الذمام وبفتح الذال من الذم اس عبارت کو کیا ارتباط اور کیا حاصل ہے؟

(ج) چونکہ مسئلہ زکوۃ جنین کا تھا اور یہ مقولہ زکوۃ جنین میں مشہور تھا لہذا اسکی تحقیق کر دی کہ یہاں ذمۃ بالکسر ہے

نہ بالفتح واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(ش ۳۰) حدیث میں وارد ہے من قال لا الہ الا اللہ ومات علیٰ ذلک دخل الجنۃ (جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اسی پر مر گیا تو جنت میں جائیگا) اسپر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ وان زنی وان سرق (گو زنا کرے اور گو چوری کرے) حضرتؐ نے ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق (ہاں اگرچہ زنا کرے اور اگرچہ چوری کرے) اس حدیث میں اور ان احادیث میں جہاں فسق وفجور اور محرمات وکبائر کے ارتکاب کی سزائیں بیان کیگئی ہیں تعارض معلوم ہوتا ہے امید کہ مختصر وجامع تقریر سے قلب پریشان کو تشفی وسکون عطا فرماویں کہ حضرت ابوذرؓ کو فاسق یعنی زانی یا سارق غرض مرتکب کبیرہ کے جنت میں جانے کے اندر کیا خلجان اور شبہہ تھا جسکی بنا پر تین بار یہی لفظ اعادہ کئے آخر علیٰ رغم انف ابی ذر سنا۔

(ج) دخول جنت مطلق ہے اور مطلق کے واسطے کسی فرد کا وجود ہونا مطلق کے وجود کو بس ہے پس کلمہ پر مرنے اور تصدیق جملہ ما جاء بہ الرسول علیہ السلام کرکے اگرچہ ترک اعمال سے فاسق ہو مگر مسلم ہے بعد صفائی معاصی کے دخول جنت کا ہوویگا اور حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ کا صدق صاف ظاہر ہوجاویگا اب کوئی حدیث عذاب کی اسکے معارض ہے اور نہ اس سے عذاب کا نہونا فساق کو معلوم ہوتا ہے اب کوئی شبہہ نہیں ابوذرؓ کا بار بار تحقیق کرنا اسواسطے تھا کہ وہ ان افعال کو خلاف اسلام کے جانتے تھے اسی واسطے تعجب کرتے تھے کہ وان زنی وان سرق جب آپنے تاکید فرمادی سمجھ گئے کہ یہ کفر نہیں مطلق دخول ہوجاویگا فقط

تفقہ اور افتاء

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا تفقہ اور استنباط واستخراج مسائل کی استعداد بھی چونکہ اپنے زمانہ میں لاثانی تھی اسلئے اسکے اظہار کی غرض سے نمونۃً چند شبہات فقہیہ کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔ آپکی عادت تھی کہ ہر سائل کو اسکی فہم کے موافق جواب دیتے اور عوام وخواص علماء وجہلا سبکی قابلیت واستعداد کا تحریر وتقریر میں لحاظ قائم رکھتے تھے علماء اپنے درجہ کے موافق شبہات کرتے تھے اور عامی اپنی حیثیت اور سمجھ کے لائق چونکہ حضرت مولانا اپنے زمانہ کے علماء میں سرتاج تھے اسلئے بڑے بڑے ذکی وفطن اور مقتدائے عصر علماء وقت کو اپنے مبلغ علم وفہم کے منتہے پر پہنچکر جو لاینحل شکوک معضلہ پیش آتے تھے وہ آستانہ عالیہ سے تحریراً وتقریراً حل ہوا کرتے تھے حضرت مولانا الحافظ الحاج انشاء اشرف علی صاحب ظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں شباب کے جو

کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اسکا ثبوت نہیں ہے ایک بار حضرت امام ربانی سے دریافت کیا تو آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیث مرفوع پڑھ دی استنزہوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ اور کلوخ لینا یقیناً استنزاہ میں داخل ہے پس بالکل اطمینان ہو گیا۔

تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے اسمیں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقاء کسوقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں حضرت قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا گیا فوراً ارشاد فرمایا کہ "ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اسمیں سبابہ سے اشارہ فرما رہے تھے" اور ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہو گیا کہ اخیر تک اسکا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو باب التشہد میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے امام ربانی کا سرعت انتقال ذہنی اور ملکہ استنباط و فقاہت ان دونوں واقعہ سے اظہر من الشمس ہے۔

سب سے مقدم اُس مراسلہ کا ہدیہ ناظرین کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اور مولانا الحافظ الحاج القاری شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہٗ کے مابین ۱۳۱۴ھ میں پیش آیا چونکہ علامہ زمن مولانا اشرف علی صاحب زید مجدہٗ کا تبحر علمی ہندوستان کے ہر ہر عالم کو تسلیم ہے اس لئے شکوک و شبہات کی تقویت اسی سے اندازہ ہو سکتی ہے اور اسکے ساتھ ہی مولانا تھانوی دام ظلہٗ کا وہ طبعی خدا داد جوہر قابل لحاظ ہے جسکو سلامتی قلب اطاعت حق فروتنی دہیچدانی اور سچا اسلام یعنی گردن نہادن بطاعت کہا جاتا ہے آپکا رجوع الی الحق جو تکبر و نخوت علمی سے بے لوثی کی علامت اور برحق علم کے سچے اثر کا ثمرہ ہے آپ کے کمال کو اس حد تک پونچا رہا ہے کہ واللہ العظیم مولانا تھانوی کے پانوں دھو کر پینا نجات اخروی کا سبب ہے یہ امتثال و اذعان کی مثال علماء زمانہ کے لئے مولانا تھانوی کی وہ پائدار یادگار ہے جو مردہ سنت کے زندہ کرنے میں اس چودھویں صدی کے اندر سب سے پہلے مولانا کے ہاتھوں ظاہر ہوئی۔ چونکہ مولانا تھانوی میرے عقیدہ میں سرتاج علماء ہونے کے علاوہ خود میرے محترم پیشوا اور دینی آقا ہیں اسلئے اس پاکیزہ تحریر کو جو انشاء اللہ قیامت کے ہولناک دن میں مغفرت کی دستاویز اور قلبی سلامتی و ایمان کی مہری سند ہوگا علی رؤس الاشہاد مولانا کے ہاتھ میں دیجائیگی سوانح میں شائع کرتا ہوں تاکہ احیاء سنت مبینہ کی کسی درجہ میں تائید کا حصہ مجھ ناکارہ کو بھی ملجائے اور تھانوی آقا کی کسی ادنیٰ مرتبہ میں مشرکے دن مجھے بھی معیت نصیب ہو جائے

اس مراسلہ مرضیہ کے بعد دیگر علماء زہاد اور خواص و عوام اہل اسلام کے پندرہ شبہات معہ جوابات تا بیان کرکے

مراسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد للہ تعالیٰ والسلام علی رسولہ الافضل الاعلیٰ - اما بعد من العبد الذلیل الی المخدوم المطاع الجلیل - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - والیکم یشتاق قلبی الواہ - وبعد فقد اجتمعت فی ہذا الایام بالمولوی منور علی فقال ان حضرۃ مولانا ساخطون علیک لاختیارک طریق بعض اقاربک الذی یغایرہ طریقہم فعلیک ان تعتذر الیہم وترضیہم فتوجہت بہذا الخبر توجعا فطیعا وتالمت تالما وجیعا لکن مالیت الا نفسی وما رأیت شیئا غیر الصدق یحمی فیا مولانا واللہ انی کنت فی ذلک الزمان غریقا فی بحار الحیرۃ والطلب وما اطلع الی من یخلصنی من ذالک الوصب والنصب - اذ نادی منادٍ من قریب من غیر ارادتی وقصدی ہات یدک بیدی انجیک من ہذا البحر اللجی وان الغریق یتشبث بکل حشیش - لما ہو فیہ من التہویش والتشویش - وقد کنت من وراء البحار من حبیبی مغیثی وطبیبی - ومعہذا ما ترکت بحمد اللہ یوما العمل بقول الاکابر - خذ ما صفا ودع ما کدر - ثم کما ساعدنی الجد بلثم تراب نعلیہ - وحضرت لدیہ - جدت الارادۃ - لیکون لما عسی ان یکون فات اعادہ - فلما رجعت ازدوت ظمار - واکاد احسب السراب ماء - ورأیتنی لا ازداد الا حیرۃ ووحشۃ - وضیقا ووہشۃ کتبت الی حبیبی ما وقع من الحال - وناديت بالبلبال ؎

یا مرشدی یا موئلی یا مفزعی	یا ملجائی فی مبدئی ومعادی
ارحم علیّ ایا غیاث فلیس لی	کہفی سوی جلیسکم من زاد
فازالانام یکمروانی ہائم	فانظر الیّ برحمۃ یا ہاد
یا سیّدی للہ شیئا انہ	انت لی المجدی وانی جادی

فعذرنی ونصرنی وقال جاد کلامہ - واقامنی علی ساحل السلامہ - فترنمت شوقا وتبینت ذوقا ؎

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند	واندراں ظلمۃ شب آب حیاتم دادند
کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں	خاک او گشتم وچندیں درجاتم دادند
قد لسعت حیۃ الہوی کبدی	فلا طبیب لہا ولا راقی
الا الحبیب الذی شغفت	فعندہ رقیتی وتریاقی

دانی واللہ قد رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ومحی احداد اللہ للعالمین مرشدا ووليا وبكم يا مولانا
ہادیا مہدیا فہذا الذی ذکرکان من خبری وحقیقۃ امری فباللہ مولیین الصدق ومحض الحق۔ ماکان فیہ من
کذب ولا شعر۔ ولا خداع ولا سحر۔ فیا سیدی لتشرفنی بقبلوا عذری بحلمکم العظیم۔ ولا تصغوا الی کل ہماز
لماز مشاء بنمیم۔ ولا تخرجونی من الجماعۃ۔ فانی ارجوان اکون معکم یوم تاتی الساعۃ۔ لکن لا اطیق ہجرتی ان
اناذبا بالمخالفۃ مع الاعلان عسی ان یکون من اللہ تعالی بمکان۔ فایذاؤہ یوجب الہوان والخسران فانی
احسبہ من فرقۃ اہل الملامۃ۔ ولکن لیس بمنصب الامامۃ۔ نعم النزمت علی نفسی انکار طریق یخالف السنۃ
والکتاب۔ علی راس المنبر وبطن المحراب۔ وان من مصلحتی ان یکتم ہذا السر۔ لئلا یلحقنی الضر والشر۔ وہو
الماموں من جنابکم۔ ومن قاری کتابکم۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ ویکون ہذا السر جہرا۔ وہا انا قد
استد الانتظار منی۔ ان تبشرونی برضاکم عنی۔ رضی اللہ عنا وعنکم وعن جمیع المسلمین بحق سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ابدالآبدین ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ ہجری۔

جواب از حضرت اقدس مدظلہم العالی

۱۱۵

اما بعد حمد اللہ علی نوالہ والصلوۃ علی رسولہ محمد وآلہ۔ فقد وصلت صحیفتکم الی۔ وقرأت قضیتکم علی
حتی تبینت معذرتکم لدی فحبالکم ان جبتم طریق السنۃ۔ ولا شقاق بیننا بعد ذالک ولا ظنۃ۔ غیر انی اجمع
معکم ترکبون امورا تہی عندی بدعۃ۔ ولعلکم لم تظنوہا داخلۃ فی تلک الشرعۃ۔ لکن ہذا من مثلکم بعید ولیس
المعرض عن سبل الاسلاف برشید۔ واما بادرۃ البیعۃ۔ ثم التدارک عنہا بالرجعۃ۔ فما احمد ہذا العود احسن
ولا انکم تتمم سرادا تیتم الذنب بالعلن۔ مع ان التوبۃ علی حسب الجنایۃ۔ کیف وانتم ممن یقتدی بہ فی
دیارۃ حتی ان بعضکم یزدنہ زادنتہ بہجۃ فی امصارہ۔ وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ فلہ
اجرہا واجر من عمل بہا الی یوم القیامۃ ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرہا ووزر من عمل بہا الی یوم القیمۃ و
قال ومن قرء صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الدین فاخاف ان یؤل الیکم وزر ہذا التضلیل۔ ہذا وانتم اعلم
بکم واللہ علی ما نقول وکیل۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ۔

جواب

بحضور لامع النور مخدوم ومطاع نیازمندان دامت فیوضہم وبرکاتہم۔ بعد تسلیم خادمانہ عرض ہے والا نامہ

۸ ذی الحجہ کو شرف صدور لایا سعزز و ممتاز فرمایا قلب حزیں کو تسلی ہوئی ابتک اِس سوچ میں کہ کیا عرض کروں جواب میں تاخیر ہوئی مگر چونکہ اظہار مرض میں شرم کرنے سے معالجہ بگڑتا ہے اسلئے کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوا جن دواؤں کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا وہ بہت صحیح اور بجا ہے فی الواقع مجھکو اُن میں ابتلا ہوا اب حضور کے الطاف و اخلاق کے وثوق پر دونوں امر کی نسبت بے تکلف اپنے خیالات ظاہر کرنیکی اجازت چاہتا ہوں اُمید ہے کہ اُس میں غور فرماکر جو حکم میری حالت کے مناسب ہو صادر فرمایا جاوے خدا کی قسم میں جو کچھ لکھتا ہوں محض استشارۃً و استرشاداً لکھتا ہوں نعوذ باللہ طالب علمانہ قیل و قال مقصود نہیں اور میں سچے دل سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ بعد حصول شفا قلب جس طرح حکم ہوگا اُسمیں ہرگز حیلہ و عذر نہوگا اُمید ہے کہ میری بے تکلفی کو معاف فرمایا جاوے کیونکہ بدون اظہار اپنے جمیع مافی الضمیر کے جواب شافی نہیں ہوتا ؎

چندانکہ گفتیم غم با طبیباں ۔۔۔ درمان نہ کردند مسکیں غریباں
ما حال دل را با یار گفتیم ۔۔۔ نتواں نہفتن درد از طبیباں

امر اول شرکت بعض مجالس کی۔ الحمد للہ مجھکو نہ غلو و افراط ہے نہ اُسکو موجب قربت سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اس توسع کا حضرت قبلہ و کعبہ کا قول و فعل ہے مگر اسکو حجۃ شرعیہ نہیں سمجھتا بلکہ بعد ارشاد اعلیحضرت کے خود بھی میں نے جہانتک غور کیا اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصلی عمل تو محل کلام نہیں ہے البتہ تقییدات و تخصیصات بلاشبہ محدث ہیں سو اسکی نسبت یوں خیال میں آیا کہ ان تخصیصات کو اگر قربت و عبادت مقصودہ سمجھا جاوے تو بلاشک بدعت ہیں اور اگر محض امور عادیہ مبنی بر مصالح سمجھا جاوے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں گو مباح کبھی بوجہ واسطہ عبادت بنجانے کے لغیرہ عبادت سمجھ لیا جاوے چنانچہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے اور میرے فہم ناقص میں تخصیصات طرق اذکار و اشغال اسی قبیل سے معلوم ہوئیں جو کہ اہل حق میں بلا نکیر جاری ہیں کوئی معتد بہ فرق تامل سے بھی نہ معلوم ہوا ہاں اُن تخصیصات کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے تو اُن کے بدعت ہونے میں بھی کلام نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ ایک اور خیال بھی آیا کہ گو اس صورت میں یہ بدعت اعتقادی نہوگا مگر اسکا اہتمام و التزام بدعت عملی تو ہوگا لیکن خصوصیات طرق ذکر اسمیں بھی ہم پلہ معلوم ہوئے تیسرا اور خیال ہوا کہ گو ایسے فہیم آدمی کے حق میں بدعت نہوگا مگر چونکہ عوام کو اس سے شبہہ اسکی ضرورت یا قربت کا ہوتا ہے اُنکے حفظ عقیدہ کے لئے یہ واجب الاجتناب ہوگا مگر اسکے ساتھ ہی یہ احتمال ان تخصیصات اذکار میں بھی نظر آیا

مضمون بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ اکثر عوام اس طریق کی خصوصیات کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور علماً و عملاً اُن کا پورا التزام کرتے ہیں مگر انکا خیال خواص کے فعل میں موثر نہیں سمجھا جاتا۔ چوتھا خیال ایک اور پیدا ہوا کہ سب کچھ سہی مگر یہ خصوصیات بعض قواعد و اصول فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر یہی امر ان خصوصیات اعمال و اشغال میں بھی معلوم ہوا بلکہ ذکر جہر وغیرہ تو امام صاحب کے قول کے صریح خلاف ہے، مگر باوجود ان سب قصوں کے جب خصوصیات طرق سلوک شائع و ذائع ہیں تو اس سے یوں سمجھ میں آیا کہ تخصیص وہ ہی بدعت ہوگی جو عقیدۃً ہو اور التزام بھی وہ ہی ممنوع ہوگا جسکے ترک پر شرعی حیثیت سے ملامت ہو اور عوام کا شبہہ خواص کے حق میں اس عمل کو بدعت نہ بناوے گا اور بعض اصول حنفیہ کی مخالفت شرع کی مخالفت نہ سمجھی جاوے گی ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوئی اسکا مرتبہ فروع و مسائل خلافیہ کا سا آنے لگا مگر اسکے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود رغبت ہوئی نہ اوروں کو ترغیب دی بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ خلافیات سے بالکل اجتناب کیا جاوے مگر جس جگہہ میرا قیام ہے وہاں ان مجالس کی کثرت تھی اور بیشک ان لوگوں کو غلو بھی تھا چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی مگر میں نے اسکی کچھ پروا نہ کی تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اول سفر ہوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اسقدر تشدد و انکار مناسب نہیں ہے جہاں ہوتا ہوا انکار نکرو جہاں نہ ہوتا ہوا یجاد نہ کرو اور اسکے بعد جب ہند کو واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کیجاوے چنانچہ مختلف مواقع و مجالس میں ہمیشہ اسکے متعلق گفتگو کرتا رہا اور جتنے امور اصل عمل سے زائد تھے سب کا غیر ضروری ہونا اور انکی ضرورت کے اعتقاد کا بدعت ہونا صاف صاف بیان کرتا رہا حتیٰ کہ اسوقت میری رائے میں اُن کا عقیدہ بعض کا عین توسط پر بعض کا قریب توسط کے آپہنچا مگر بوجہ قدامت عادت کے عمل کے ارتفاع کی اُمید نہیں ہے عدم شرکت میں اس اصلاح کی ہرگز توقع نہ تھی ایک غرض تو شرکت سے میری یہ تھی دوسرے میں نے وہاں دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق اور ہر جنس کے چنانچہ ان مجالس میں مواقع اُن کے پند و نصائح اور اصلاح عقائد و اعمال کا بخوبی ملا اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائد فاسدہ و اعمال سیئہ سے تائب و صالح ہوگئے بہت روافض سنی ہوگئے بہت سے سود خوار و شرابی و بے نماز وغیرہم درست ہوگئے غرض اکثر حصہ وعظ ہوتا تھا

دوسرا بیان برائے نام تیسرے میں نے دیکھا کہ وہاں بدون شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام ممکن نہیں ذرا انکار کرنے سے وہابی کہدیا در پے تذلیل و توہین زبانی و جسمانی کے ہو گئے اور حیلہ و بہانہ ہر وقت ممکن نہیں یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ فیصدی نوّے موقع پر عذر کر دیا اور دس جگہہ شرکت کر لی اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہو گی اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرایض و واجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالی سے امید تسامح ہے بہرحال وہاں بدوں شرکت قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ بہتیری منفعت بھی ہے کہ مدرسے سے تنخواہ ملتی ہے اور بفضلہ تعالی وعظ وغیرہ کے بعد تو لینے کی مطلقاً میری عادت نہیں ہے باوجود اصرار کے صاف انکار کر دیتا ہوں مگر تنخواہ ضرور لیتا ہوں اور دینی منفعت بھی میرے زعم میں تھی اور اب بھی ہے بلکہ روز افزوں ہے کیونکہ تعلیم و تدریس و وعظ وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے ان منافع کی تحصیل کی غرض سے منظور تھا کہ قیام کروں اور بدون شرکت قیام دشوار تھا اس ضرورت سے بھی شرکت اختیار کی لیکن ان سب اسباب ضرورت کے ساتھ بھی اگر کسی دلیل صحیح و صریح سے مجھکو ثابت ہو جاتا کہ اسکی شرکت موجب ناراضی اللہ و رسول کی ہے تو لاکھ ضرورتیں بھی ہوتیں سب پر خاک ڈالتا بفضلہ تعالی بہت سے منافع مالیہ کو اسی وجہ سے خیرباد کہہ چکا ہوں توسع رائے کے اسباب اوپر معروض ہو چکے ہیں بہرحال میرے خیال میں یہ امور خلاف اولی ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجایش نظر آتی ہے اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ واجب سمجھتا ہوں اور اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہوں اور اسکے ساتھ ایک خیال اور بھی ہوا اور وہ بہت نازک بات ہے وہ یہ کہ اگر یہ شرکت بالکل اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کیجاوے بلکہ اہل علم کے اعتقاد و تعظیم و تعلق و ارادت سے عوام کا ایمان ہے اس سے ہٹ کر بھی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعاً گنجایش ضرور ہے یہ خلاصہ میرے خیالات و حالات کا تھا اب حضور جیسا ارشاد فرماویں اگر اسمیں بالکل گنجایش نہیں ہے تو میں آج ہی تعلق ملازمت کو قطع کر دونگا زاق حقیقی حق سبحانہ تعالی ہے قیامت میں کوئی کام نہ آویگا مگر اس صورت میں حضرت قبلہ کو بعہ کے ساتھ شرعاً کیا تعلق رکھنا چاہیئے اور حضرت کے قول و فعل کو کیا سمجھنا چاہیئے اور اگر تھوڑی بہت گنجایش ہو خواہ عموماً یا خاص میری حالت جزئی کی مصلحت سے تو اس گنجایش سے تجاوز نہ کیا جاوے گا اور اگر اسکے کتمان کا حکم ہو گا تو انشاء اللہ تعالی عمر بھر اسکا انتساب حضرت کی طرف میری زبان و قلم سے

نہ نکلے گا غرض جس طرح حضور کا ارشاد ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ بسر و چشم منظور ہوگا اور شاید کچھ شبہہ پیدا ہو تو بے تکلف اُسکے مکرر پیش کر دینے کی اجازت کا خواہاں ہوں۔

امر دوم میرے تعلق سے عوام کا معتقد ہو جانا مجھکو چند بار اس امر میں اندیشہ سخت ہوا مگر جہانتک میں نے سوچا شاید بمشکل دو تین آدمی ایسے نکلیں گے جنکو اس وجہ سے اعتقاد ہوا ورنہ خود اپنی رائے سے بعض عوام معتقد ہو گئے قبل میرے تعلق کے جن لوگوں کو مجھسے حسن ظن تھا انھوں نے اس روایت ہی کی تکذیب کی اور جنکو کچھ احتمال سا ہوا بھی سو وہ مجھسے بدگمان ہوئے اُن سے نیک گمان نہیں ہوئے اور زیادہ وہی لوگ معتقد ہیں جنکو عمر بھر بھی مجھسے کچھ تعلق عمومی یا خصوصی نہیں ہوا اب جہانتک غور کرتا ہوں بالتعیین عدم قابلیت کے اعلان میں بہت سے مفاسد نظر آتے ہیں اولاً ابتک اکثر لوگ اس تعلق کی تکذیب کیے ہوئے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے نہ اسکا مشاہدہ کیا نہ معتبر ناقل سے اُنکو یہ خبر پہنچی ایک آدھ غیر معتبر عامی اسکے ناقل ہیں جنکی اکثر لوگ تکذیب کرتے ہیں اور میں نے ہمیشہ اسکا کتمان کیا اگر اعلان رجوع کا کیا جاوے تو مرجوع عنہ کا اقرار لازم آتا ہے دوسرے چونکہ اس اعلان میں صورۃً اُنکی اہانت ہے اسلئے اندیشہ ہے کہ اسمیں زیادہ شور و شر پھیل جاوے جسکا اثر معلوم نہیں اجانب و اقارب میں کہانتک پہونچے اس لئے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خط تو بے تعلقی کی اطلاع کا اُنکو لکھدیا جاوے وہ خود اگر اس کا اظہار کر دیں تو اسمیں کوئی فتنہ نہو گا کیونکہ اگر اظہار کیا جاوے گا تو اُس عنوان میں میری اہانت کیجاویگی اور فتنہ کا احتمال اُن کی اہانت میں ہے اور دوسرے لوگوں کے اطلاع کا یہ طریق ہو کہ تعیین بلا اعلان ہو جاوے اور اعلان بلا تعیین خفیۃً اطلاع کر دی جاوے اور عام مجمع میں بطور قاعدہ کلیہ کے شرائط اہلیت بیعت کے بیان کر دئے جاویں کہ جس شخص میں فلاں فلاں امور پائے جاویں وہ قابل بیعت ہے ورنہ نہیں چنانچہ بندہ نے دونوں امر کا اہتمام کیا ہے اور بھی زیادہ کرنے کا ارادہ ہے چنانچہ جمعہ گزشتہ میں یہ مضمون بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور شرائط بیعت کو بتلا کر تمثیلاً حضور والا کا اسم گرامی بھی بتلا دیا کہ جس شیخ کی ایسی شان ہو اُس کا غلام بننا چاہئے ورنہ اجتناب چاہئے اس مضمون کو مکرر بھی بیان کرنے کا ارادہ ہے اور در خاص طور پر بالتعیین بعض سے کہا جاتا ہے بعض سے کہنا باقی ہے بلکہ یہ فکر ہے کہ جو لوگ اپنی رائے سے بھی معتقد ہو گئے ہیں اُنکو بھی جہانتک قدرت ہو سمجھایا جاوے چنانچہ بعض مواقع پر کامیابی ہوئی بلکہ یہ خیال ہے کہ خود صاحب تعلق کو بھی بذریعہ خط امور حقہ پہونچائے جاویں اور دعا بھی کی جاوے علامہ تفتازانی

جس طرح یہ تعلق ستر اہوا ہے قطع تعلق بھی ستر اہو جاوے اور جسقدر اسمیں جہر اعلان ہوا ہے قطع تعلق میں بھی جہر و اعلان ہو جاوے بلکہ طریق مذکور میں جہر و اعلان کسی قدر زیادہ ہی ہے اس صورت میں مقصود بھی حاصل ہو جاویگا اور فتنہ بھی نہوگا ورنہ بہت سے خلجانات معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر شرعاً یہ طریق کافی نہو اور مشاق و متاعب کا برداشت کرنا ضروری ہو تو بفضلہ تعالیٰ اللہ و رسول کی تحصیل رضا میں مجھکو یہ سب کچھ گوارا ہے اگر اللہ و رسول ناراض رہے تو جان و مال و آبرو کو کیا چولھے میں ڈالونگا۔

احقر نے بلا تکلف اپنا مافی الضمیر پورا پورا حضور میں عرض کر دیا اب حضور ان مضامین میں اور نیز مصالح دینو یہ و اخرویہ میں خوب غور فرما کر ارشاد فرما دیویں ہندوستان میں بجز حضور والا کے کسی عالم یا درویش پر اطمینان کامل نہیں رکھتا نہ کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہوں نہ کسی سے اسقدر عقیدت و محبت و عظمت ہے حضور کی سختی کو اوروں کے لطف پر ترجیح دیتا ہوں گو ان امور کا عرض کرنا گستاخی سے خالی نہیں مگر اللہ جانے ولولہ قلبی اس عرض کا باعث ہوا آجکل بحصول رخصت وطن میں ہوں بوجہ حجاب اور نیز بایں خیال کہ مشافہۃً اسقدر انبساط ممکن نہ تھا حاجی صاحب سے عاجز ہو کر اپنے مدرسہ چلا جانے کا ارادہ ہے اگر ۱۹- کو بھی جواب تحریر فرمایا جاوے تو یہاں مل سکتا ہے ورنہ مدرسہ میں اب عرض ہے کہ اگر کوئی مضمون خلاف مزاج والا معروض ہوا ہو تو معاف فرمایا جاوے دوسرے توقف جواب سے شاید حضور کو انتظار کی تکلیف ہوئی ہو اسکو عفو فرمایا جاوے زیادہ حد ادب والسلام خیر ختام فقط ۱۳- ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

جواب از حضرت اعلیٰ مدظلہم العالی

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفا عنہ بعنایت فرمائے بندہ مولوی محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم بعد سلام مسنون مطالعہ فرماویں آپ کا عنایت نامہ بجواب نیاز نامہ بندہ کے پونہچا اسوقت میرے پاس کوئی سنانے والا نہ تھا اور ہر کسی کو اسکا دکھانا مناسب نہ جانا بعد مدت کے مولوی محمد صدیق گنگوہی گنگوہ سے یہاں آئے اس خط کے سرنامہ کو دیکھکر انھوں نے اسکے دیکھنے کی خواہش کی چونکہ وہ بھی محرم راز تھے اُن ہی بندہ نے پڑھوا کر سنا مگر موقع جواب کا اسوقت نہ ملا بانتظاری مولوی محمد یحییٰ صاحب کے کہ وہ اسوقت اپنے گھر گئے ہوئے تھے اس خط کو اٹھا رکھا جب وہ گنگوہ آئے تو آج دوسری محرم کو اسکا جواب لکھواتا ہوں۔

مکرما مراد اول کے باب میں آپکو جو کچھ اشتباہ واقع ہوا ہے وہ دو امر ہیں۔ امر اول اشغال طرق

مشائخ علیہم الرضوان ثانی اشارہ جناب مرشدنا طال بقاؤہ لہذا ہر دو امر کے باب میں بندہ کچھ لکھتا ہے سو آپ بغور ملاحظہ کریں کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں اُس کو مقیس علیہ ٹھیرانا سخت حیرانی کا موجب ہے خاصکر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اُسکا فرض اور اعلیٰ اُسکا مندوب اور صدہا آیات و احادیث سے مامور ہونا اسکا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق و اوضاع سے اُسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہی ہے کہ جسکا بسط بوجہ طول ناممکن ہے اگر آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہ ہی ثابت ہوتا ہے پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے اُسکی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض موکد ہو جاویگا اور بعض غیر موکد لہذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن و اذکار مذکورۂ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی و وافی تھے اُس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اُس اہل طبقہ کی بسبب بُعد زمانِ خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اُس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہذا طبیبان باطن نے کچھ اُنمیں قیود بڑھائیں اور کمی زیادتی ذکر کی کی گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہذا ایجاد بدعت نہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہدیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اسکے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا اُسکا حاصل کرنا بمرتبۂ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت بعد اسکے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی ثُمَّ وَ ثُمَّ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدلی جاتی ہے جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ نہیں کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں اُنکا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو پس اسکو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاویگا بلکہ تعمیل اصل اصل کی قرار دی جاویگی - دوسری نظیر اعلاء کلمۃ اللہ ہے جسکو جہاد کہتے ہیں بتامل دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا ملاحظہ احادیث سے آپکو معلوم ہے اور اس زمانہ میں استعمال اُن

آلات کا سارا مرضا و ایجاد توپ اور بندوق اور تار پیڑو کا واجب ہو گیا کیونکہ تحصیل اعلاء کلمۃ اللہ بدون اسکے محال ہے ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ شبہہ بکفار کہکر حرام بنا سکے بلکہ اُسکو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا کیونکہ تحصیل مقصود اسپر موقوف سی ہو گئی ہے پس یہ بھی مامور بہ ہو گیا علی ہذا القیاس اشغال کا حال ہے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آپنے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنا لیا اسواسطے کہ مقیس علیہ ضروری اور مامور بہ اور مقیس نہایت سے نہایت مباح اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں بلکہ بعض امور اُسمیں حرام اور مکروہ پھر اسکو اُسپر قیاس کرنا آپ جیسے آدمی سے کس طرح موجب حیرانی نہو لہذا اس آپ کے قیاس کو اسپر حمل کیا جائے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو ہنوز سمجھا ہی نہیں کاش ایضاح الحق الصریح آپ دیکھ لیتے یا ہمارے قاطعہ کو ملاحظہ فرماتے یا یہ کہ تسویل نفس و شیطان ہوئی اُسپر آپ بدون غور عامل ہو گئے اب اُمید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائیں گے تو اپنی غلطی پر مطلع و متنبہ ہو جاویں گے

اور امر ثانی کے باب میں اگرچہ سردست آپکو بوجہ فرط عقیدت و محبت کے ناگوار گزرے اور اس بندہ کو گستاخ و بے ادب تصور کرو مگر حق کہدینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں وہ یہ ہے کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہوا ہے اور جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے تھے اور ہوتے رہے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہوئے تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ استادوں سے کتب دینیہ میں انھوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اُس علم کو علم الیقین بنا لیویں تاکہ عمل کرنا نفس کو اُس علم پر سہل ہو جائے اور معلوم مشہود بنجاوے علی حسب استعداد اسواسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہمنے پڑھا ہے اسکے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اُسکے قول سے مطابق کر لیں کہ جسکو وہ غلط فرماویں اُسکو آپ غلط مان لیں اور جسکو صحیح کہیں اُسکو صحیح رکھیں کہ یہ خیال سراسر باطل ہے پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمادیگا تو اُسکا تسلیم کرنا جائز نہو گا بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہو گا کیونکہ ہر زن کا حق ہر دو پر ہے اور شیوخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ہن نشین نہ کردے مرید کو اُسکا قبول کرنا ہرگز روا نہیں اسکی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں ایک نظیر بیان کرتا ہوں اُسپر غور کیجئے۔

جب واقعہ یمامہ میں قراء بہت سے شہید ہو گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا

ہوا انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا اور اُسکا استحسان اُنکے ذہن نشین ہوگیا اور دونو کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو باوجود اسباب کے شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت آنکی بہ نسبت زید کے طویل تھی اور ان کے باب میں حکم عام شارع علیہ السلام سے ہو چکا تھا کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رواہ البخاری معہذا زید نے چونکہ اس امر کو محدثت سمجھا تو یہی فرمایا کیف تفعلون شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا کیونکہ ایجاد بدعت اُن کے نزدیک سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے لہذا مناظرہ شروع کردیا مگر جسوقت حضرات شیخین نے انکو سمجھا دیا اور بنسبت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اُسوقت بدل و جان قبول کرکے اُسکی تعمیل میں مصروف ہوگئے بخاری کو تم خود دیکھ پڑھا ہے اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

پس ایسا بدست شیخ ہونا کہ امور دینی کی کچھ تمیز نہ رہے یا اہل علم کا کام نہیں لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں اور اگر کسی عالم نے اسکے خلاف کیا ہو تو بسبب فرط محبت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے سو وہ قابل اعتبار کے نہیں اور ہم لوگ اپنے آپکو اس درجہ کا نہیں سمجھتے ع بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ مجلس سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "فعل مشائخ سنت نباشد" آپ نے سنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اسپر یہ فرمانا کہ "نصیر الدین درست کہتا ہے" تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے وہ امر بہت باریک جو آپ نے لکھا ہے اُسکے جواب میں اسی قدر کافی ہے اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے رہے ہیں اور اپنی معلومات مخالفہ سے تائب ہو جاتے تھے چنانچہ حضرت نے غذائی روح میں قصہ اس عارف کا جو غار میں رہتا تھا اور بکیہ موم کی آنکھ میں اور دبتی نجاست کی ناک میں رکھتا تھا لکھا ہے کہ انھوں نے مرید کے اس کہنے سے کہ اس صورت میں نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا اور خود بندہ کو واقعات پیش آئے ہیں کہ جناب حضرات جناب حاجی صاحب و جناب حافظ صاحب جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے مسائل دریافت کرکے اُن پر عامل تھے بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہوگئے اور واللہ کہ حافظ صاحب

نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ "تمکو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا" پس چونکہ بندہ ابتدائے صحبت سے خوگر دہ ایسی عادات کا ہے اور فرط محبت و عقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو بسبب تصدیق کہنے قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خود غرض بدنام کنندہ پیران کے بحسن ظن خود صحیح سمجھ گئے ہیں سردست قبول نہیں کرتا بلکہ حضرت کو معذور جانکر خطا سے بری سمجھتا ہوں قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من افتی بغیر علم فاثمہ علی من افتاہ لہذا حضرت کو معذور و بری جانکر اُن خود غرضوں کو آثم اور ضال و مضل و مکتسب اعتقاد نیز یہ در پردہ دین یقین کرتا ہوں ورنہ واللہ باللہ کہ تیر خاصۃ "ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے بلکہ تمکو جو کچھ پیش آیا ہے بفرط عقیدۃ واقع ہوا ہے میں تمکو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمھارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں اگرچہ میں تمھارا شاکی بھی ہوں مگر یہ شکوہ میرا بوجہ محبت کے ہے کیونکہ شکوہ اپنوں کا ہی ہوتا ہے غیروں سے کسی کو شکوہ نہیں ہوتا۔ امر اول کا جواب تمام ہو چکا۔

امر ثانی کے باب میں جو کچھ آپ نے تدبیریں لکھی ہیں اُسمیں بندہ کچھ دخل نہیں دیتا جسطرح مناسب جانو اور مصلحت سمجھو اُسکی تدبیر کرو غرض خلق خدا کو مبتدع کے پنجہ سے چھڑانا مذظور ہے جسطرح حاصل ہو اور جو تشدد کہ موجب فساد ہو اُس سے بچنا مناسب ہے۔

اس مرتبہ کے مواعظ و بیانات آپ کے جو تھانہ بھون ہوئے اُنکو سن سنکر بندہ بہت خوش ہوا اور تمھارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں فقط۔

اس تحریر میں اگر کوئی آپکو شبہہ ہو تو اُسکے اظہار کی اجازت ہے ہرگز شرم نہ کریں بندہ ہرگز ناخوش نہ ہوگا اگر مجھسے کوئی خطا ہوئی ہوگی تو بشرط فہم اُسکے قبول کرنے میں دریغ نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۵ محرم الحرام

تیسرا خط از مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ

از کمترین خدام محمد اشرف علی۔ بعد لیخدمت سراپا برکت دستگیر درماندگان رہنمائے راہ گم گشتگان حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ بعد تسلیم نیاز خادمانہ التماس ہے والا نامہ میں انتظار میں شرف صدور لایا حضور نے جو اس نادان ناکارہ کی دستگیری فرمائی اگر ہر بن مو سے اُسکا شکر ادا کروں تو محال ہے پس بجز اسکے کیا عرض کروں ع شکر نعمتہائے تو چند انکہ نعمتہائے تو۔ بالخصوص کلمات محبت و شفقت آمیز سے جو کچھ مسرت و طمانیت ہوئی شاید عمر بھر بھی کبھی مجھکو میسر نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ حضور کی ذات اقدس کو بایں افادہ ہم نیازمندوں کے سر پر سلامت رکھے چونکہ حضور کے

دربار سے مکرر استفسار کی اجازت عطا ہوئی ہے اسلئے بہت ادب سے اپنے بعض خیالات بغرض استشفاء عرض کرتا ہوں۔ امر اول میں ارشاد عالی اچھی طرح سمجھ میں آگیا مگر ابھی اسقدر شبہہ باقی ہے کہ مقیس کو اگر ذریعہ حصول ایک امر مامور بہ کا کہا جاوے تو ممکن ہے یعنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرنا اور آپکی محبت و عظمت کا دل میں جگہہ دینا ضرور مامور بہ ہے زمان سابق میں بوجہ شدت غلبہ وضع خود بخود جا بجا چرچا بھی رہتا تھا اور عظمت محبت سے قلوب بھی لبریز تھے بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپکے اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل جدا گانہ مدوّن کئے تاکہ اسکے مطالعہ سے وہ غرض حاصل ہو پھر یہی مضامین ہیئت اجتماعیہ منابر پر بیان کئے جانے لگے پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود و تخصیصات جن میں بعض ہی سے دولت عمل مقصود تھی بعض سے ترغیب سامعین بعض سے اظہار فرح و سرور بعض سے توقیر و تعظیم امر مذکور صاحب ذکر کی منظور تھی بڑھاتی مطمح نظر وہی حصول حب و تعظیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہا گو کہ حصول حب و عظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بمعنی لولاہ لامتنع عقلاً ثابت نہیں مگر یہ توقف مقیس علیہ میں بھی نہیں وہاں بھی توقف بمعنی ترتب ہے یا لولاہ لامتنع عادۃً سو اسکی گنجایش مقیس میں بھی ہے کیونکہ ترتب تو ظاہر ہے اور عند التامل امتناع عادی ہی ہے گو اسقدر فرق بھی ہے کہ یہ امتناع مقیس علیہ میں باعتبار اکثر طبائع کے ہے اور مقیس میں باعتبار بعض طبائع کے چنانچہ دیار و امصار شرقیہ میں بوجہ غلبہ الحاد و دہریت یا کثرت جہل و غفلت یہ حال ہے کہ وعظ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ان محافل میں یا بوجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آکر فضائل و شمائل نبویہ اور اس ضمن میں عقائد و مسائل شرعیہ سن لیتے ہیں اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت لوگ راہ حق پر آگئے ورنہ شاید انکی عمر گزر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول و فروع انکے کان میں بھی نہ پڑتے اور اگر توقف سے قطع نظر کیا جاوے تب بھی ترتب یقیناً ثابت ہے سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر انکی حاجت نہ تھی انتہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہو جائز ہے سو ذریعہ ہونا اسکا تو بہت ظاہر ہے سامعین کے قلوب اسوقت آپ کے احترام و عظمت و شوق و عشق و ادب و توقیر سے مملو و مشحون ضرور نظر آتے ہیں البتہ اسمیں جو امور مکروہ و حرام مخلوط ہو گئے ہیں وہ واجب الترک ہیں چنانچہ احقر ہمیشہ سے اسمیں ساعی ہے اور رہا بعض اصلاحیں جو کئی ماہ وعظ میں تفصیلاً بیان کی گئی تھیں بعض لوگوں نے اختصار کے ساتھ اسے چھاپکر شائع بھی کر دیا تھا ملاحظہ کے لئے مرسل ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ سب نے اُسکو تسلیم اور اکثروں نے عمل بھی کیا سوایسے امور مکروہہ مقیس علیہ میں بھی بہت سے شامل ہوگئے ہیں جنکی اصلاح واجب ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ..... اسکے متعلق بھی ایک رسالہ عنقریب لکھکر حضور کے ملاحظہ میں نظر اصلاح پیش کرونگا دعا کا امیدوار ہوں کیونکہ جہلاء صوفیہ کے سبب ندوۃ کی بہت ترقی ہو رہی ہے۔ سوابتک مقیس و مقیس علیہ میں اچھی طرح سے فرق سمجھ میں نہیں آیا ہے میں بدعت کی تعریف دیکھ لی وہ ماشاء اللہ تعالیٰ بالکل مقبول و صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ تمام معروضات میں وہ پیش نظر رہا کریگی۔

دوسرا امر جو متعلق اتباع شیوخ کے ارشاد ہوا ہے الحمد للہ کہ میرا اعتقاد کبھی اسکے برخلاف نہیں ہوا امر ناجائز شیخ کے فرمانے سے کبھی جائز نہیں ہوسکتا لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر ایمان و ایقان ہے مگر اتنا ضرور میرے خیال میں ہے کہ اگر مختلف فیہ مسئلہ میں شیخ کا میل کسی شق کا حکم کریں اسکا اتباع اقل درجہ جائز ہے تین شرط سے اول یہ کہ اس مسئلہ میں دلائل و قواعد شرعیہ سے اختلاف کی گنجایش ہو دوسرے یہ کہ شیخ گو حاکم اصطلاحی نہو مگر نورانیت قلب و شرح صدر و سلامت فہم رکھتا ہو جس سے یہ توقع ہو کہ اُسنے ایک شق کے ترجیح دینے کی قابلیت ہے بالخصوص جبکہ شیخ پر مسئلہ کے متعلق دونوں حکم متعارض پیش کئے جاویں اور دلائل جانبین کے بھی ذکر کردئے جاویں اور پھر وہ ایک شق کو ترجیح دیں تیسرے یہ کہ مرید کو بھی خواہ دلیل سے یا تصرف شیخ سے شرح صدر ہو جاوے سو احقر کے نزدیک مسئلہ متکلم فیہا میں یہ سب امور موجود ہیں یعنی بوجہ اسکے کہ ایک جم غفیر اُسکے جواز کی طرف گئے ہیں مختلف فیہ و مجتہد فیہ معلوم ہوتا ہے اور حضرت شیخ مدظلہ کے فہم میں اسقدر قوت ضرور سمجھ رہا ہوں کہ قولین متعارضین کے پیش ہونے کے بعد ایک جانب کو ترجیح دیسکیں اور مجوزین سے حضرت صاحب مدظلہ کو حسن ظن ہے مگر میں تو خود مشاہدہ کر آیا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی حضرت شیخ کی نظر میں خدام والا کی برابر مقبول و منظور و مبصر و محقق نہیں بارہا اس قسم کے تذکرے آئے حضرت صاحب خدام والا کی نسبت صنعت عظمیٰ و غلبیت کبریٰ اور ہندوستان میں عدیم النظیر وغیرہ وغیرہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ خدام والا کے جمیع احکام و فتاویٰ محض للہیت پر مبنی ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو خود اس مسئلہ میں شرح صدر ہے اور اسکو باصرار فرماتے ہیں اور دوسرے قول پر انکار بھی نہیں فرماتے ہیں اور مخاطب کو حضرت کے ارشاد سے اطمینان بھی ہوجاتا ہے ایسی صورت میں اتباع کو ابتک جائز سمجھا ہوا ہوں یہ اظہار تھا فی الضمیر کا۔ احقر نے بہت کوشش کی ہے کہ تمام عریضہ میں کسی مضمون میں مناظرہ کا رنگ نہ آنے پائے محض استفادہ و استشاد مقصود ہے

شاید بلا قصد کہیں ایسا ہو گیا ہو تو حضور کے مکارم اخلاق اور مراحم اشفاق سے امید ہے کہ انما الاعمال بالنیات پر نظر فرما کر معاف فرمایا جاوے حضور نے جو محبت کے ساتھ شکوہ فرمایا ہے اسپر اسی قدر مسرور ہوں جیسے کہ نبی سلمہ و بنی حارثہ آیۃ وَاِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کے نزول پر اللہ تعالیٰ حضور کی برکت سے ہم بے راہوں کو راہ پر لگاوے انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں خصوصاً و عموماً سعی کیجاویگی دعا سے مدد فرمایئے مواعظ پر حضور نے اپنی خوشنودی کا مژدہ ارشاد فرمایا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضور کی رضا کو دلیل قبول و وسیلہ نجات سمجھتا ہوں خدا کرے صدور خطا پر بھی حضور ہم خدام سے کبھی ناخوش نہ ہوں بلکہ تنبیہ فرماویں بخدمت جناب کاتب صاحب کہ غالباً مولوی محمد یحییٰ صاحب ہیں سلام شوق قبول ہو اگر کوئی اور صاحب ہوں تو اسم گرامی سے مطلع فرماویں میں خط سے نہیں پہچان سکا باقی خیریت ہے والسلام مع الاکرام از کانپور ۸ محرم الحرام یوم الخمیس ۱۳۱۵ھ ہجری۔

جواب از حضرت مولانا قدس سرہٗ

از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ کا خط آیا آپنے جو شبہہ مساواۃ مقیس و مقیس علیہ میں لکھا ہے موجب تعجب ہے مگر بمقتضائے حبک الشیٔ یعمی و یصم ایسے شبہات کا ورود عجب نہیں غور و دیکھو کہ مقیس علیہ خود ذکر ہے کہ مطلق ذکر مامور بہ کا فرد ہے اور اسکے ملاحظات و ہیئات یا ذکر ہیں یا وہ امور ہیں کہ نص سے انکی اصل ثابت ہے پس وہ ملحق بالسنۃ ہیں اور بضرورت موقوف علیہ مقصود کے تخصیص اور تعیین انکی کی گئی اور عوام تو کیا خواص میں بھی صدہا میں معدود شخص عامل ہیں لہذا عوام کے ضرور سمجھ جانے کا دعا محل نہیں اور مقیس میں جو قیود مجلس ہیں بعض موہم شرک ہیں اور بعض امور اصل مباح مگر بسبب اشاعت ہر خاص و عام کے ملوث ببدعت ہو کر ممنوع ہو گئے کہ عوام انکو ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں اور مجالس مولود میں جسقدر عوام کو دخل ہے خواص کو نہیں اور یہ قیود مذکورہ غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں آپ خود معترف ہیں پس اسکو مقیس علیہ کے ساتھ کیا مناسبت اور داعی عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اسوقت تک جائز ہے کہ کوئی منع شرعی اسکے ساتھ لاحق نہ ہو ورنہ رقص و سرود زیادہ تر داعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کیجاتی ہیں پس کون فہمی فہم بعلت دعوۃ عوام ان کا مجوز ہو جائیگا یہ جواب آپکی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر و لادت بہیئت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد محبت تصور کرتے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں ورنہ فی الحقیقت جو

امر خیر کہ بذریعہ نا مشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے اور جو کچھ بندہ کا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ مولود کے سننے والے اور مشغوف مجالس مولود صدہا ہوتے ہیں کہ اُن میں ایک بھی سنت کا متبع اور محب نہیں ہوتا اور عمر بھر مولود سننے سے محبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و محبت سنت ذرہ بھر بھی اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ بے اعتنائی عبادات اور سنن سے بیحد اُن کے جی میں آجاتی ہے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ آپکی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اُس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور یہ فعل آپ کا اُن کے لئے مؤید ہے پس یہ فعل مندوب آپ کا جب ہوئی خلق ہوا تو اُسکے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی تو سب واضح ہے ورنہ تاویل عجائب کو بہت کچھ گنجایش ہے مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک بھی اُن کے شبہات تمام نہ ہوں گے فقط۔

امر ثانی میں سُنئے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ "نفس ذکر جائز اور قیود بدعت" چنانچہ اس قسم کی تحریرات اب بھی موجود ہیں مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے خلاصہ اس کا ہفت مسئلہ میں آپ نے خود لکھا ہے کہ جناب حضرت مدظلہ مجوزین و مانعین ہر دو کی تصویب فرماتے ہیں حالانکہ ایک مسئلہ جزئیہ علمیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عند اللہ حق اُس میں ایک ہی ہے اور دوسرا غلط تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو حق جان لیوے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا کیونکہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے پس دونوں کی تصویب اور ایک کے ترجیح کے کیا معنی سوائے اسکے کہ دونوں جانب علماء تصور فرما کر اس مسئلہ کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اُسکو مسئلہ فرعیہ تصور فرمایا حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے ظاہر میں بھی مثل باطن کے اسی واسطے اہل اہوا اگرچہ صدہا علماء ہیں انکی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کہا جاتا اور حضرت اعلیٰ وجہ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا کیونکہ فرماتے ہیں کہ بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جاوے" اور اسپر حدیث من احدث فی امرنا ھذا الخ کو دلیل لائے ہیں اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیحضرت کی صحیح نہیں اسکو میں نہیں لکھتا اگرچہ بہ اصل انکی صحیح ہے مگر اندراج اس جزئیہ کا اس اصل میں صحیح نہیں ہے آپ تامل کرینگے تو واضح ہو جاویگا

اور اس مسئلہ کو مختلف فیہا و مجتہد فیہا سمجھنا تعجب ہے کیونکہ وہ مسئلہ مختلف فیہا بظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے کہ مجتہد مطلق یا مقید یا علماء راسخین ملحق بہم میں مختلف فیہ ہو اور عوام علماء کا اختلاف مسئلہ کو مجتہد فیہ نہیں بناتا بلکہ اسمیں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانون شریعت کے ہو اور دوسری رائے باطل ہوتی ہے فقط

اور یہ جو کچھ بندہ نے لکھا ہے اگر میں بھی یہ کہنے لگوں کہ میں نے بھی کشفاً اسکو معلوم کر لیا ہے تو بجا ہے مگر میرا منہ اس کلمہ کے کہنے کا نہیں ہے اور چونکہ آپکو بحسن عقیدۃ اسکے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے تو امید ہے کہ کسی کا لکھنا یا کہنا آپ کو مفید نہ ہوگا۔ البتہ اسمیں شک نہیں کہ ہمنے اہل مولود میں سے آجتک کسی کو متبع سنت نہیں دیکھا فقط والسلام مورخہ ۱۲۔ محرم ۱۳۱۵ھ ہجری۔

از مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب مدظلہ فیوضہ

از احقر خلق محمد اشرف علی عفی عنہ بخدمت سراپا برکت حضرت مولانا مقتدانا سیدنا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم پس از تسلیمات مقرون بالالاف التکریم و اصناف التعظیم معروض آنکہ والا نامہ موجب اعزاز و افتخار ہوا اپنی کج فہمی پہ حضور کے اشفاق کو کہ برابر تفہیم فرماتے ہیں دیکھکر نہایت شرماتا ہوں اور شرم سے دوبارہ عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی مگر حضور کی اجازت پر اس سے پہلے عریضہ میں اپنے شبہات کو پیش کیا تھا لیکن اس والا نامہ کا یہ مضمون (اور چونکہ آپ کو بحسن عقیدۃ اسکے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے تو امید ہے کہ کسی کی تحریر آپکو کافی نہ ہوگی) کسی قدر موہم نکلا خاطر خدام والا ہوا اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ وغضب دابۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اسی وجہ سے کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی کئی روز اسی شش و پنج میں گزر گئے مگر آخر میں یہ رائے ہوئی کہ انما شفاء العی السوال بے عرض کئے ہوئے کیسے دل صاف ہوگا اور یہ خیال ہوا کہ ابتک اس شرم ہی شرم میں شبہات پیدا ہو گئے اگر پہلے سے تقصیر کی جرأت کیجاتی تو یہ نوبت کاہے کو آتی اس وجہ سے پھر عرض کرنیکی ہمت ہوئی لیکن اسکے ساتھ ہی یہ التماس ہے کہ اگر میرا عرض کرنا خدام والا کو ذرہ بھر بھی موجب تکدر ہو تو بے تکلف صراحۃً فرمادیا جائے میں انشاء اللہ بلا حجۃ اتباع کرونگا کیونکہ احقر اپنی نسبت حضور سے ایسی سمجھتا ہے کہ جیسے مقلد کی نسبت مجتہد سے اور اگر اجازت ہوگی تو عرض کرسکونگا احقر بقسم کہتا ہے کہ میرے قلب میں تو نہ اس عمل کی محبت ہے نہ اسکے ساتھ شغف بلکہ میں خود اسکے ترک کو افضل و اولی سمجھتا ہوں چنانچہ اسی قسم کے امور کی بنا پر جلسہائے دستار بندی کا اہتمام ترک کر دیا گیا اور اس مضمون کو چھاپکر شائع بھی کر دیا مگر یہاں کے مجموعی حالات کے مقتضی ایسے ہیں کہ مخالفت

کرنا سخت دشوار موجب فتنہ ہے اور اس موقع پر ہر قسم کے لوگ مواعظ بھی سن لیتے ہیں منکرات کی اصلاح بھی اس طرح سے سہل ہے شریک ہو جاتا تھا مگر جب ہی تک کہ اسکو جائز سمجھا جاوے اسی واسطے جو شبہات دل میں آئے معروض ہوئے اور اُن سے مقصود محض حصول شفا ہے کہ جس سے مجھکو بفضلہ تعالیٰ جلدی امید کامیابی کی ہے اور متعصبین کو تو دل سے طلب حق مقصود نہیں ہوتی اسلئے اُنکو عمر بھر حق کا پتہ نہیں لگتا میں تو ہر نماز کے بعد دل سے دعا مانگتا ہوں اھدنا الصراط المستقیم الخ ربنا لا تزغ قلوبنا الخ اللھم ارنا الحق حقا الخ تنہائی میں بیٹھکر سوچا کرتا ہوں کہ حق کیا ہے میری اختیار میں بجز طلب و توجہ الی اللہ و سوال علماء محققین اور کیا ہے آئندہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اور توبہ توبہ میں کیا میرا شرح صدر کیا اور حضور کے جن کمالات کا مجھے اعتقاد ہے اُن کے روبرو کشف کیا چیز ہے جسکی تصدیق میں مجھکو تردد ہو آپ کے ارشاد کو بدل و جان تصدیق کرتا ہوں مگر بمقتضائے حدیث "انما شفاء العی السوال" اسوقت پھر کچھ عرض کرتا ہوں۔

امر ثانی میں تو مجھکو اجمالاً یوں اطمینان و شفاء کامل ہو گئی کہ اعلیحضرت مدظلہم کی معرفت جسقدر حضور کو ہے ہم لوگوں کو قیامت تک بھی نصیب نہ ہوگی اُس میں کلام طویل کرنا خدام والا کو پریشان کرنا ہے اب صرف امر اول رہگیا سو مقیس و مقیس علیہ میں واقعی یہ فرق تو ہے کہ مقیس علیہ کے عامل خواص میں بھی کم ہیں۔ اگرچہ اسوقت مدعیوں نے عوام جہلاء میں بھی یہ قصہ پھیلا دیا ہے اور وہ بھی بُرے عقیدوں کے ساتھ مگر یہ پھر بھی مقیس کی برابر شیوع نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ عاملان مقیس میں متبعان سنت کم ہیں اگرچہ اسکی وجہ سوء تعلیم بیان کرنے والونکی ہو مگر خیر کچھ سہی قلت ضرور ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر خیر بذریعہ غیر مشروع حاصل ہو وہ امر خیر نہیں ہے اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہو جاوے تو اُسکا ثمرہ کچھ بھی ہو جائز الحصول نہ ہوگا اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالس منکرہ بکثرت ہوتی ہیں اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار ترک ہے جبکہ عند الشرع فی نفسہ ضروری نہو اب اسوقت دو امر قابل عرض ہیں کہ تقیید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جبکہ اُس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر وہ مندوب ہو جب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قرب سمجھا جاوے درصورت اولیٰ تقییدات عادیہ میں شبہہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناء علی مصلحۃ ما عادت سمجھا جاوے تو فی نفسہ اسمیں قبح نہ ہوگا ہاں اگر موجب بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اسمیں قبح لغیرہ ہوگا لیکن اگر اسکا فاعل بیان سے اصلاح عقیدہ عوام کی بالاعلان کرتا ہے اسوقت بھی یہ قبح رہے گا یا نہیں اگر نہ رہیگا فبہا اور اگر

رہیگا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً اُنکی عقیدت میں اُنکی نسبت غلو و افراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اُسکی تائید ہوتی ہے اور اُسکا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ بعض خواص میں اُسپر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں ایسے اعمال میں شبہہ واقع ہوگا مثلاً تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اُسکو علماً اور عملاً اسقدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اُسکے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اسقدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل و فتویٰ وجوب اسکا موید ہے گو خود انکو علی سبیل الفرض اتنا غلو نہو اور دلیل ثبوت اسکی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت و منازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مودی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اُسکی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے غرض اتفاق و اختلاف دونوں جگہہ ہے اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اسقدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے اُن کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اُسکے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اُس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہو بلکہ خود اپنے دل میں اُس تاویل کی وقعت نہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلثہ میں اسکا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیفما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اُسپر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصران چار میں ہے مگر اسپر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جاوے باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان و وجوب مشہور و معمول ہے سو اس کا قبح کس طرح مفروغ ہوگا دوسرا امر یہ کہ مسئلہ متکلم فیہا کے اعتقادی ہونیکی کیا صورت ہے بادی النظر میں تو فرعی عملی معلوم ہوتا ہے"

تتمہ فائدہ کے لئے دوامر کی تحقیق اور منظور ہے کہ تشبہ منہی عنہ کی حد جامع ومانع کیا بعض طرق ریاضت کے مثل حبس دم وغیرہ کے اہل ہند کے اعمال سے ہیں اگر کھانا اہل ہند کے لباس سے ہی جہت تعری کیجہ سے وداع کے وقت احرام میں تخصیص بھی ہے اور نسوان اہل ہند اپنے معابد کے ساتھ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ التزام مالا یلزم اعتقاد وجوب سے ممنوع ہوتا ہے یا بلا ناغہ اسکے استمرار سے بھی گو کسی قدر صلابت واہتمام کے ساتھ ہو التزام ممنوع ہو جاتا ہے صحابی ملتزم قرأت قل ھو اللہ احد سے تا جملک علی لزوم ہذہ السورۃ دریافت فرما کر بہنی نفرمانا دلیل تقریری جواز لزوم عمل کی معلوم ہوتی ہے ان شبہات کے صاف ہونے کے بعد امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضور کو تکلیف دینے کی نوبت نہ آویگی میں بہت ادب سے اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں مگر کیا کروں خدا جانے سب جگہ سے ناامید ہو کر خدام والا سے رجوع کیا ہے اگر حضور بھی ناامید کر دینگے تو پھر کہاں جاؤنگا پھر شیطان بہکا دیگا کہ اجتہاد کر پھر خرابی ہوگی اللہ تعالیٰ آپکو بایں فیوض وبرکات سلامت باکرامت رکھے آمین

تازہ خبر حسرت اثر یہ ہے کہ کل مکہ معظمہ سے میرے ایک ملاقاتی کا خط ایک حاجی صاحب لائے ہیں لکھا ہے کہ حافظ حاجی احمد حسین صاحب امین الحجاج ۱۳- ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ کو رحلت فرمائے عالم بقا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم ارحمہ رحمۃ واسعۃ نہایت تبع ہے کئی طرح سے اول خود ان کے انتقال کا تبع دوسرے ان سے حجاج کو کسقدر نفع تھا تیسرے حضرت صاحب کی تنہائی وتشویش کا چوتھے چھوٹے چھوٹے بچوں کا خیال پانچویں خدا کرے رد وداقع میں کوئی قصہ نہ ہو اور اعلیحضرت یفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہیں ہم اللہ تعالیٰ ظلال فیوضہم زیادہ حد ادب بخدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب کاتب خطوط مولوی صادق الیقین صاحب اگر حاضر ہو گئے ہوں سلام مسنون از کانپور ۱۸ محرم ۱۳۱۵ھ ہجری۔

جواب

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند خط آپ کا آیا بظاہر آپنے جملہ مقدمات محررہ بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا البتہ تقلید شخصی کے سبب کچھ تردد آپکو باقی ہے لہذا اسکا جواب لکھوا تا ہوں مقید بامر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گزرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر ان دونوں سے کوئی امر واقع ہو جاوے تو ناجائز ہوگا اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید یا موردہ ہے بقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اسکے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کو

اتباع آئیں گویا لازم ہے اور طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اسکا ثمرہ ہو ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور اسپر انکا مرتب ہونا آپ پر واضح ہو جائیگا لہذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ تعالیٰ ہو گئی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہو گئی سو اسطے کہ تقلید ماموز کی دو نوع ہیں شخصی و غیر شخصی اور تقلید بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین ماموز ہو گئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اسمیں کچھ مفاسد پیدا ہوں تو اسکا حصول بدون اس ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام ہو گا بلکہ از الان مفاسد کا اس پر واجب ہو گا اور اگر کسی ماموز کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع سالم اس نقصان سے ہو تو وہ ہی فرد خاصۃً ماموز بنجاتا ہے اور اسکے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہو گا نہ اس فرد کا یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے سو اسطے تقلید غیر شخصی کو فقہا نے کتابوں میں منع لکھا ہے مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اسکے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اسکو تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہو گی مگر اتنا دیکھنا چاہیے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں پس اسکا حال قیود مجلس میلاد سے جدا ہے بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر نہ اگر غور کیا جاوے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شے ہے اور فرش و فروش و روشنی وغیرہ قیود ہیئۃ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدون ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں معہذا اوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہو گا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے آپکو معلوم ہو کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے یہ کلیہ فقہ کا ہے میں امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپکی اس طویل تحریر کا جواب حاصل ہو گیا ہو گا جو آپنے دربارہ تقلید لکھی ہے لہذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو۔ اس مسئلہ کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب دریافت فرمایا ہے سو غور کیجئے کہ جو امور مبتدع اور محدث ہیں ان سب کو ناجائز اور موجب ظلمت عقیدہ کرنا واجب ہے پس یہ اعتقادیات میں داخل ہے اگرچہ عمل انکا عملیات سے ہے یہی وجہ ہے کتب کلام میں جواز مسح خف و جواز اقتدا فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق وغیرہ بھی لکھتے ہیں کیونکہ گو یہ اعمال ہیں مگر اعتقاد جواز و عدم جواز اعتقادیات میں داخل ہیں۔ آپنے تشبہ منہی عنہ کی تعریف دریافت کی ہے سو تشبہ امر مذموم میں مطلقاً حرام ہے اور جو امر غیر مذموم مباح ہے وہ اگر خاصہ کسی قوم کا ہو تو بھی ناجائز اور اگر بقصد تشبہ کوئی فعل کیا جاوے وہ مطلقاً ناجائز ہے سوائے اسکے اور سب درست ہے اور یہ بحث براہین قاطعہ میں بسط سے لکھی گئی ہے

اسمیں دیکھ لیویں اور یہ بھی استطراداً لکھتا ہوں کہ شارح منیہ شرح کبیری منیہ میں جو دہلی میں چھپ گئی ہے صلوٰۃ الرغائب کی کراہت کے جو وجوہ لکھے ہیں اُنکو آپ دیکھیں کہ مجلس مولود کا حال اُسپر قیاس کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

رہا حبس دم سو وہ فی حد نفسہ مباح ہے اور عقلاً اسمیں چند منافع ہیں جذب رطوبات اور جلب حرارت اور دفع نشتت خواطر چنانچہ اطباء اسکو صراحۃً معالجہ رطوبت قلبیہ میں تحریر کرتے ہیں اور ہر عاقل اسکو جان سکتا ہے لہذا جوگیوں نے مورث صفائے باطن جانکر اسکو اختیار کیا اور اسلامیین نے بھی اس وجہ سے اسکو اختیار کیا جوگیوں کا فعل ہونیکی وجہ سے نہیں لیا بلکہ عقلاً اسکو نافع سمجھکر اختیار کیا ہے اسی واسطے قادریہ وچشتیہ کے یہاں چونکہ حرارت کی ضرورت ہے انھوں نے اسکو موکداً اپنے اعمال میں داخل کیا اور نقشبندیہ کے یہاں استحساناً گو وہ حرارت کو ضروری نہیں جانتے مگر بعض درجہ میں بعض وجہ سے یعنی بوجہ استحکام مذکر اسکو مستحسن سمجھتے ہیں اور سہروردیہ کے یہاں چونکہ حرارت کی رطلقاً حاجت نہیں لہذا اُن کے ہاں ممنوع ہے بلکہ وصول کے واسطے عدم حبس کو شرط کرتے ہیں پس اسکا اختیار کرنا اس ضرورت کے واسطے ہے اور حبس خاصہ جوگ کا نہیں بلکہ یہ امر عقلی ہے کہ سب عقلاء اپنے اپنے موقع پر اُسکو کرتے ہیں اور نظیر اسکی شرع میں موجود ہے کہ تشہد میں رفع سبابہ کے ادامۃ النظر الی السبابہ مشروع ہے اور غض بصر تحصیل خشوع کے واسطے اور غض بصر غیر محارم سے رفع تشتت کے واسطے پس اسمیں تشبہ کا کیا امکان ہے یہ کوئی امر حسی نہیں اور نہ خواص کفار سے اور متضمن منافع ضروریہ کا لہذا اسکے جواز میں کلام نہیں ہو سکتا اور انگریز کہ ہر دو فریق میں شائع ہے اسمیں تشبہ نہیں ہو سکتا البتہ پردہ کا فرق ہے سو اسمیں تشبہ حرام ہے علیٰ ہذا رجعت قہقری خاصہ کسی قوم کا نہیں ہے۔

التزام مالا یلزم بدون اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے اگر باصرار ہو اور اگر امر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز ہے اور مستحب ہے بشرطیکہ عوام کو ضرر نہ کرے اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہے چنانچہ کتب فقہ میں سنن مستحبہ کا التزام مکروہ لکھا ہے اور سورہ قل ھو اللہ احد کی صورۃ میں جو آپنے لکھا ہے خود ہی غور فرماؤ کہ جب اُس صحابی نے اسپر التزام کیا اور جملہ صحابہ نے اُسپر اعتراض کیا تو اعتراض صحابہ کا اس التزام پر بلا وجہ شرعی نہ تھا اسی واسطے جب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ امر پیش ہوا تو آپنے صحابہ کو منع نہ فرمایا کہ اس امر پر کیوں اُسکے ساتھ تکرار کرتے ہو بلکہ خود اُنکو بلا کر پوچھا کہ ان کا کہنا کیوں نہیں مانتے ہو پس اگر یہ امر جائز و موہم نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو ہی منع کر دیتے اور جب اُس شخص نے اپنی محبت کا حال بیان کیا تو آپ نے اُن کو اجازت دی کہ فی حد ذاتہ یہ امر جائز تھا اور فضل اس سورۃ کا محقق تھا اور اس اجازت سے

ایہام رفع ہوگیا تھا کیونکہ ایہام کا غیر مشروع ہونا سب صحابہ پر واضح ہوگیا کیونکہ اُسوقت کے آدمی ایسے عوام کے درجہ میں نہ تھے کہ باوجود اس واقعہ کے پھر بھی اُسکو واجب جانتے اور بچہلوں کے واسطے یہ انکار صحابہ کا اور تقریر اُن کے انکار کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہونا حجت ہوگیا تو اس واقعہ سے کچھ شبہہ نہیں ہو سکتا اِس بحث کو براہین میں بسط سے لکھا ہے مگر آپنے اُس کتاب کو دیکھا ہی نہیں میں امید کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص براہین کو اول سے آخر تک بتدبر دیکھے تو باب بدعات میں اُسکو کوئی شبہہ نہ ہو کیونکہ اُس کے مؤلف نے اِس باب میں سعی بلیغ کی ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء اگر آپ کو اب بھی کوئی شبہہ ہو تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے آپ اُسکو ظاہر کریں اگر گنجایش جواب ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ جواب لکھوں گا ورنہ خیر مگر تحریرات بندہ کو تدبر سے محفوظ کرکے اُسکے بعد شبہہ کرنا چاہیئے عوام علماء کو جو جرأت ارتکاب بدعت کی ہوئی تو کلام اہل حق کے عدم فہم سے ہوئی فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم ۲۵۔ محرم ۱۳۱۵ھ ہجری۔

جواب از مولانا المولوی اشرف علی صاحب ادام اللہ ظلہ

بالاخدمت بابرکت قدوۃ العرفاء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم تسلیم بصد تعظیم قبول باد۔ والا نامہ شرف صدور لایا معزز فرمایا۔ حضرت عالی کے ارشادات سے اِس عمل کے جو مفاسد علمیہ وعملیہ عوام میں غالب ہیں پیش نظر ہوگئے اور ارادہ کرلیا کہ ہرگز ایسی مجالس میں شرکت نہ ہوگی۔ اب یہاں کی حالت عرض کرکے حکم کا انتظار ہے۔ الحمد للہ کہ میں یہاں نہ کسی کا محکوم ہوں نہ کسی سے مجبور۔ مگر پوری مخالفت کرکے قیام دشوار ہے۔ گو اب بھی یہاں کے بعض علماء مجکو وہابی کہتے ہیں اور بعض بیرونی علماء بھی یہاں آکر لوگوں کو سمجھا گئے کہ یہ شخص وہابی ہے اسکے دھوکہ میں مت آنا مگر چونکہ من وجہ عوام سے موافقت عملی تھی اسلئے کسی کی بات نہ چلی اب چونکہ شرکت عملی کا بھی ارادہ نہیں تو دقتیں ضرور پیش آوینگی۔ اب تین صورتیں محتمل ہیں ایک یہ کہ ایسے مواقع پر کوئی حیلہ کردیا کرونگا مگر اسکا ہمیشہ چلنا محال ہے دوسرے یہ کہ صاف مخالفت کی جاوے مگر اس میں نہایت شور و فتنہ ہے جسکی حد نہیں نیز دینی مضرت یہ ہے کہ اسمیں جملہ عوام سے ایذا رسانی کا اندیشہ ہے دینی مضرت یہ کہ اب تک جو ان لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی کچھ سبب بے اثر بے وقعت ہوجاویگی اس بدگمانی میں کہ یہ شخص تو وہابی ہے اب تک پوشیدہ رہا تیسری صورت یہ کہ یہاں کا تعلق ملازمت ترک کردیا جاوے اور میں تو اس صورت کو بلا انتظار حکم عالی اختیار کرلیتا مگر دو امر کا خیال ہوا ایک یہ کہ خود سبب معیشت کو ترک کرنا اکثر موجب ابتلاء و امتحان ہوتا ہے کہ خدا جانے اُسکا تحمل ہو یا نہ

اور اموال موروثہ کا تیا پانچا پہلے سے کر چکا ہوں اور دوسری جگہ تعلق ملازمت سے اعلیحضرت منع فرما چکے ہیں اور میرا بھی دل نہیں چاہتا۔ دوسرا خیال یہ ہوا کہ بظاہر پھر بقاء مدرسہ کا دشوار ہے اور یہاں دین کا چرچا عوام و طلبار میں اِس مدرسہ ہی کے سبب ہے ورنہ عوام میں بہ ہر یت خواص میں فلسفیت کا بڑا زور تھا حضور کے امر سے یہ دونوں اندیشے مرتفع ہو جاویں گے یعنی انشاء اللہ مجھ کو بھی دشواری پیش نہ آویگی یا گر آویگی تو اسکے برداشت کی قوت ہو جاویگی اور مدرسہ بھی حضور کی دعا سے چلتا رہے گا اب جو ارشاد ہو عمل میں لاؤں یہاں ربیع الاول والآخر میں ان مجالس کی زیادہ کثرت ہے سو اگر شش ثالث کا حکم ہو تو اختتام صفر تک اسکا انتظام کر لوں حقوق وغیرہ ادا کر دوں مدرسکا کوئی مناسب انتظام بتدریج کر دوں۔ اور اب سے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نیا کام بلا استجازۃ حضرت والا کے وقوع میں نہ آویگا اور اگر غلطی سے کوئی امر صادر ہو جاوے تو بے تکلف احقر کو متنبہ فرما دیا جایا کرے انشاء اللہ تعالیٰ امتثال امر میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اب جواب عریضہ کے ساتھ اس امر سے بھی اطمینان فرما دیا جاوے کہ اب تو حضور کو کسی قسم کی ناخوشی اس خادم سے نہیں ہے زیادہ حد ادب بخدمت مولوی محمد یحیی صاحب سلام مسنون۔ اشرف علی از کانپور ۲۹ محرم ۱۳۲۵ھ ہجری انتہی

اسکے جواب میں حضرت قدس سرہ نے مولانا کے اِس رجوع الی الحق کا شکریہ اور اپنے شاباش تحریر فرمائی اور جواب الجواب میں مولانا مدظلہ کی طرف سے شکریہ آکر کتاب ختم ہوئی ختم اللہ لنا بالحسنیٰ آمین۔

مراسلت کے دوسرے پہلو یعنی مکتوب الیہ کو نافع نہونے کا انداز دکھلانے کے لئے بمقتضائے تعرف الاشیاء باضدادہا دو سرا مراسلہ بتبعا درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگر خصم کا تعنت اور محض ضد پر ہونا معلوم اور متیقن ہو جائے تب بھی حضرت امام ربانی قدس سرہ اہل مسائل کے جواب میں کوتاہی نفرماتے تھے کہ مبادا جاہلانہ ضد بڑھے اور شان تکبر کے غلبہ سے گمراہی زیادہ ہو پس مناظرہ و مباحثہ کیلئے یا تبلیغ و اظہار حق بہر حال جب تک کسی درجہ میں منفعت خلق کا گمان رہتا تھا حضرت قلم سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے باقی یہ بات تو کھلی ہوئی ہے کہ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء۔

مراسلہ ثانیہ

کسی شخص نے آپکی خدمت میں یہ استفتا بھیجا جو ذیل میں درج ہے حضرت امام ربانی نے بعنوان الجواب اپنے قلم سے فتویٰ لکھدیا جسکو بجنسہ لکھتا ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علمار دین و مفتیان شرع متین مسائل مفصلہ ذیل میں مع حوالہ کتاب ارقام فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

(۱) قبلہ وکعبہ۔ قبلہ دارین۔ کعبہ کونین یا قبلہ دینی وکعبہ دنیوی یا قبلہ آمال وحاجات یا قبلہ مرادات یا قبلہ صوری وکعبہ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے القاب آداب میں والد کو یا عموی کو یا اخوی کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں حرام ہے یا مباح اور مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

(۲) گردن کے بال جو کانوں سے نیچے ہیں مونڈوانا جائز ہیں یا نہیں مکروہ تحریمی ہیں یا تنزیہی۔

(۳) چاندی سونے کے مُن انگر کہیا کو رتہ میں لگانا اس حال میں کہ یہ امر یقینی ہے کہ وزن کئی تولہ ہوتا ہے مبکہ زنجیر بھی ایک آسیں ہوتی ہے لگانے جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) خطبہ عیدین یا جمعہ میں اشعار فارسیہ یا عربیہ یا اردو پڑھنے درآنحالیکہ اس سے مقصود ترغیب وترہیب ہوتا ہے اور اشعار میں بھی مضمون خشیہ ورغبت ہی ہو جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ایسے کلمات مع کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمہ ہیں لقولہ علیہ السلام لا تطروني الحدیث جب زیادہ حد شان نبوی سے کلمات مدحیہ آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) گردن دوسرا عضو ہے سر کی حد سے نیچے کے بال گردن کے مونڈانے درست ہیں البتہ بعض سر کے بال لینے اور بعض چھوڑنے مکروہ ہیں تحریماً لقولہ علیہ السلام نہی عن القزعۃ الحدیث فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) چاندی سونے کے مُن درست ہیں آسیں مساحت کا اعتبار ہے نہ وزن کا وزن خاتم میں معتبر ہے مُن تابع ثوب کا ہے مثل ٹھپہ گوٹہ کے کہ آسیں مساحت کو دیکھتے ہیں نہ وزن کو اور الذہب درمختار کے باب الحظر والاباحۃ میں جائز لکھتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) خطبہ جمعہ وعیدین میں اشعار پڑھنا خلاف سنت کے ہے لہذا مکروہ ہوگا کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ شوائب کا نہیں اور رفتہ رفتہ منجر بافراط ہو جاتا ہے پس مکروہ ہوا فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

خط مولوی قاسم علی صاحب ابن مولانا المولوی عالم علی صاحب مراد آبادی

اقول وباللہ التوفیق کہ جواب سوال اول صحیح ہے اور جواب سوال دوم کا صحیح طور سے یہ ہے کہ مونڈوانے صرف بال گردن کے بغیر سر کے بال مکروہ تحریمہ ہیں البتہ سر کے بال سمیت مونڈوانا درست ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے وعن ابی حنیفۃ رح یکرہ ان یحلق قفا الا عند الحجامۃ کذا فی الینابیع اور اسی طور سے فتاویٰ ابراہیم شامی

میں کتاب مفید المستفید سے منقول ہے من شاء فلیطلع۔ جواب سوال سوم کا بدیں تفصیل ہے کہ چاندی اور سونے کے بٹن لگانے محض بہ نظر زینت بلا قصد تکبر اور تفاخر کے اگرچہ درست ہیں مگر مکروہ بکراہۃ تنزیہہ ہے کہ ترک انکا اولیٰ اور مستحب ہے اسلئے کہ جواز انکا جو درمختار سے جناب مجیب صاحب نے ثابت فرمایا ہے وہ ساتھ کلمہ لاباس کے ہی وعبارۃ کہذا الاباس بازراء الدیباج والذہب اور کلمہ لاباس دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ خلاف اسکا اولیٰ اور مستحب ہے اور ترک اولیٰ کو مکروہ تنزیہہ کہتے ہیں چنانچہ خزانۃ الروایات میں لکھا ہے لفظ لاباس دال علی ان المستحب غیرہ اور منظر تکبر اور تفاخر کے لگانا مکروہ تحریمہ ہے جیسا کہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں فالحاصل ان کل ما کان علی وجہ التکبر مکروہ وان فعل لحاجۃ وضرورۃ وہو الختار وظاہرہ انہ لو کان لمجرد الزینۃ بلا تکبر ولا تفاخر یکرہ لکن نقل بعدہ عن الظہیریۃ ما یخالفہ تامل فقط۔ جواب سوال چہارم کا اس بنا پر صحیح ہے کہ باوصف وجود مقتضی کے خطبہ عیدین اور جمعہ میں اشعار کا قرون ثلاثہ سے عدم منقول ہونا دلیل بدعۃ مکروہ کی ہے کما حررہ ملا سعد رومی فی کتابہ مجالس الابرار فقط محمد قاسم علی عفی عنہ۔

جواب جواب الجواب حضرت قدوۃ العلماء قدس سرہ العزیز

از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم مولوی قاسم علی صاحب کے تعاقبات دیکھے سو بہت شکر کرتا ہوں کہ مولوی صاحب نے پہلے جواب کو تو صحیح فرما دیا اگر اسکو بھی غلط کہدیتے تو کیا کوئی انکا کر لیتا۔ دوسرے جواب میں جو مولوی صاحب نے روایۃ عالمگیریہ سے نقل کیا ہے تو اس سے عجب ہے کہ مولوی صاحب کو یہ بھی تحقیق نہیں ہوا کہ قفا کے معنی کیا ہیں قفا موخر سر کو کہتے ہیں کہ وہ اجزاء سر کے ہیں حدیث ہے یعقد الشیطان علی قافیۃ احدکم ثلث عقد الخ کیا گردن ہیں گرہ لگانا مولوی صاحب اسکا ترجمہ کرینگے سبحان اللہ۔ گردن کا ترجمہ عربی میں رقبہ ہے نہ قفا سو لاریب فقط قفا کا مسندانا ترعہ میں داخل ہے کہ تحریماً مکروہ ہے جسکو آخر جواب میں لکھا ہے اور گردن کا مسندانا جسکو رقبہ کہتے ہیں دوسری شے ہے چونکہ مولوی صاحب قفا اور رقبہ کے ایک معنی سمجھ گئے اعتراض کر دیا ہے ورنہ قفا جزو سر ہے اور گردن دوسرا عضو ہے پس یہ تعاقب فقط غصہ قدیم اور عدم فہم معنی قفا سے ہوا ہے ورنہ جواب مسئلہ صحیح وہ ہی ہے جو بندہ نے لکھا ہے فقط تیسرے جواب میں چاندی سونے کے بٹن کو بندہ نے مباح لکھا ہے اور معنی لاباس کے مباح کے ہی ہوتے ہیں اور ترک اولیٰ اکثر جا ہوتے ہیں اور کہیں مستحب مندوب پر بھی لاباس بولدیتے ہیں سو یہاں لاباس بمعنی مباح ہے اگر مباح کو ترک اولیٰ کہا جائے مضائقہ نہیں مگر یہاں کراہۃ تنزیہہ مراد نہیں چنانچہ درمختار کی عبارت میں جہاں یہ مسئلہ بٹن کا لکھا ہے لاباس بسائر الالوان یعنی سوائے سرخ وزرد کے تو اب مولوی صاحب کو لازم ہے کہ سبز اور

سیاہ کو بھی مکروہ تنزیہی فرمادیں اور یہ غلط ہے غرض مولوی صاحب نے یہ قاعدہ کلیہ بنالیا ہے کہ لاباس کراہت تنزیہ پر بولا جاتا ہے حالانکہ یہ کلیہ نہیں ترک اولیٰ کو کراہت تنزیہ ہر جگہ لازم نہیں ہوتی اگر فقہ کا فہم ہو دریافت ہو جاوے کسی جگہ ایسا ہو جاتا ہے کسی جگہ نہیں سو یہاں مکروہ تنزیہ مراد نہیں البتہ مباح ہے اگر مباح کو ترک اولیٰ کہا جاوے تو درست ہے مگر کراہت تنزیہ کے واسطے دوسری دلیل اثبات کراہت کی حاجت ہوتی ہے سو یہ بحث مولوی صاحب کی عبث ہے اب رہا کراہت تحریمہ بشرط تکبر کے سو یہ چاندی کے بٹن پر کیا موقوف ہے اگر دریس کا دوپٹہ ململ کا انگرکھا تکبر سے پہنے گا تحریم ہو جاویگی سب مباحات میں یہ ہی ہے اس تحریر مولوی صاحب سے بندہ کو نہایت تعجب ہے کہ مولوی صاحب کو فقط روایات پر نظر ہے مگر فہم تفقہ نہیں معلوم ہوتا جو کچھ تھے جواب کی تصحیح مولوی صاحب نے کی اور دلیل صحت وہ ہی ہے جو بندہ نے لکھی مگر عبارت بدلکر ادا کیا ہے سو کچھ مضائقہ نہیں شکر ہے کہ جواب تو صحیح رہا فقط والسلام

(بعد ایں تحریر از جانب مولانا قاسم علی صاحب صدائے برنہ خاست نہ بہ تصویب و نہ بہ غیر آں)

شبہہ اول کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت بندوق سے جو شکار کیا جائے اور وہ بلا ذبح کئے صرف گولی لگنے سے مرجائے اسکو اکثر مالکیہ آجکل حلال کہتے ہیں اور انبار زمانی علماء کو بھی اسمیں تردد ہے بظاہر یہ کہا ہے کے مثل معلوم ہوتا ہے۔

(جواب) حضرت نے ارشاد فرمایا لوگوں کو اسکی حلت کا اس وجہ سے شبہہ ہوا کہ فقہ میں احراق بالنار کو قاطع لکھا ہے اور اسی بنا پر بندوق کی گولی کو بھی محرق اور قاطع سمجھکر بعض علماء نے حلت کا فتویٰ دیدیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے مولانا مملوک العلی صاحب سے ہمنے اسکو دریافت کیا تھا فرمایا کہ روئی پر نشانہ لگاؤ معلوم ہو جائے گا چنانچہ ہمنے ایسا ہی کیا گولی پار ہو گئی اور روئی کچھ نہ جلی سو گولی توڑنے والی ہے محرق نہیں ہے جب تک ذبح نہ کیا جائے بندوق کا شکار حلال نہیں۔

(شبہہ) ایک پنجابی عالم نے استفتا بھیجا جس میں ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ معین ذابح یعنی جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے کو بھی بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اسکی سند میں نواب قطب الدین خاں مرحوم کی عبارت پیش کی تھی کہ مولانا شاہ اسحٰق صاحب اسکے قائل تھے اور بس۔

(ج) حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر چھری چلانے میں شریک ہوا اسپر تو بسم اللہ کہنا واجب ہے اور ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر واجب نہیں ہے اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہند میں یہی خیال تھا جیسا کہ نواب صاحب نے لکھا ہے مگر جب شاہ صاحب ہجرت کر گئے تو عرب میں ایک حنفی عالم کے سامنے (نام بندہ بھول گیا) جو بڑے فقیہہ تھے یہ استفتا پیش ہوا انھوں نے جواب لکھا ہے کہ قفط ذابح پر واجب ہے

اور یہ فتویٰ مولوی احمد علی صاحب کی ترمذی میں حسپاں تھا ہمنے یہ فتویٰ مولوی صاحب کے پاس اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے عبارت یہ تھی "رب زدنی علما۔ بل علی الذابح فقط۔ اسی قسم کا سوال شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں ہوا مگر اسوقت شاہ صاحب کی بصارت جاتی رہی تھی اور استفتا کا جواب مولانا شاہ اسحٰق صاحب نے لکھا مگر ان سے چوک ہوگئی اور اسی جواب پر شاہ صاحب نے بھی مہر کردی اس غلطی یہاں سے واقع ہوئی مگر جب شاہ اسحٰق صاحب نے ہجرت کی تو استفتار کے بعد وہ بھی عدم وجوب کے قائل ہوگئے اسکے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا اور میں نے تو اس کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ ما انہرالدم وذکر اسم اللہ علیہ فکل (او کما قال) کیونکہ ہمیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فقط اس چیز پر جو مہرق دم ہو اور اسپر نام خدا لیا جائے کھانے کا حکم دیا ہے پس جب چھری چلانے والے نے بسم اللہ کہا اور چھری پر جو مہرق دم ہے تسمیہ ہوا اگرچہ ہاتھ پاؤں پکڑنے والے نے نہیں کہا تو اس جانور کی حلت میں شبہہ کیا رہا۔

(ش ۳) مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات متعلق بہ وفات عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ ہیں ظاہر ہے پس اس مرزائی جماعت کا اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور انکے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر رکھنا کیسا ہے؟

(ج) مرزا قادیانی گمراہ ہے اسکے مرید بھی گمراہ ہیں اگر جماعت سے الگ رہنا اچھا ہے جیسا رافضی خارجی کا جدا رہنا اچھا ہے انکی واہیات بات سنو اگر ہوسکے اپنی جماعت سے خارج کردو بحث کرکے ساکت کرنا اگر ہوسکے ضرور ہے ورنہ ہاتھ سے انکو جواب دو۔ اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے اسکا جواب علما نے دیدیا ہے مگر وہ گمراہ اپنے اغوا و اضلال سے باز نہیں آتا جیسا اسکو نہیں ہے کہ شہر مادے جو عقیدہ صحابہ آجتک ہے وہ یہ ہے کہ زندہ آسمان پر گئے اور نزول فرما کر دنیا میں فوت ہوں گے اسکے خلاف باطل ہے فقط والسلام

(ش ۴) یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جس میت کے واسطے پچیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا جاوے وہ جنتی ہے پس اگر دوسرے روز پڑھتے ہیں تو دو جا اور تیسرے روز پڑھیں تو تیجا علی ہذا القیاس چوتھا وغیرہ ہیں اور اسکو علما بدعت کہتے ہیں پس اب میت کو ثواب کس طرح پونچایا جاوے اور میت کی قبر کے پاس یا مکان پر یا قریب کسی مسجد میں بیٹھکر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ کسی دن مقررہ پر پڑھیں یا نہیں اور قبر پر قرآن پڑھوانا یا قاریوں کو کچھ دینا اور تیجہ دسویں وغیرہ میں جانا کیسا ہے؟

(ج) جسوقت میت پر جمع ہوتے ہیں اسکی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں وہ اپنے کاروبار میں رہیں اور باقی کلمہ پڑھتے جاویں جسقدر ہوجاوے اور باقی مقدار کو اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں کوئی حاجت اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہوکر پڑھنا تو نہیں ذکر ہوا پڑھنا فرمایا ہے جسطرح ہو پڑھ لوے

اور وہ چیز کہ جس پر کہ خون کو اور اس میں سے خارج ہوتا ہو جاوے کھانا جائز ہے

از مولانا محمد مرتضیٰ خان صاحب زید مجدہ

قبر پر قرآن پڑھوانا درست ہے اگر تو جہالی اللہ تعالیٰ ہو اجرت کا خیال دونوں کو نہ ہو اور جو حسب عادت عرف دیا جاتا ہے وہ بھی بحکم اجرت ہے ایسے پڑھنے کا ثواب نہیں ہوتا نہ قاری کو نہ میت کو اور رسوم تیجہ دسوئیں وغیرہ میں جانا بھی منع ہے فقط واللہ اعلم۔

(ش۵) ایک گائے مابین مسلمان اور ہندو کے مشترک ہے اور دونوں ایسی جگہ رہتے ہیں کہ ریاست و حکومت اہل اسلام کی ہے اور گائے مسلمان کے پاس ہے وہ قریب المرگ ہوا اسکے مردار ہونے کا خوف ہوا اور شریک ہندو کی طرف سے قطعاً اجازت ذبح کی نہیں بلکہ سخت ممانعت ہے تو آیا ایسی صورت میں شریک مسلمان کو جائز ہے کہ اس گائے کو ذبح کرے یا واجب ہے یا ممنوع؟ اگر وہ شریک مسلمان ذبح کرلے تو آیا تاوان نصف حصہ شریک ہندو کا بذمہ اس مسلمان کے واجب ہوگا یا نہیں اور اگر بر عایت مذہب شریک ہندو کے ذبح نہ کرے اور مردار ہوجائے تو آیا یہ مسلمان شریک گنہگار ہے یا نہیں اور اگر وہ گائے شریک ہندو کے پاس ہے تو کیا ایسی حالت میں ہوئے شرع اس ہندو پر لازم ہے کہ اسکی حالت کی مسلمان کو اطلاع کرکے اسکو ذبح کرالے یا نہیں اگر لازم ہے اور اطلاع نہ کرے تو کیا شرعاً اسپر کوئی تعزیر یا سزا واجب ہوگی یا نہیں اور اگر اس ہندو نے اطلاع نہ کی اور گائے مرگئی تو شرعاً تاوان نصفی حصہ شریک مسلمان کا بذمہ شریک ہندو واجب ہوگا یا نہیں مفصل جواب ہر ایک شق کا بدلائل شرعیہ بیان فرمایا جاوے بینوا توجروا۔ خلیل احمد۔

(ج) مرتے جانور کا ذبح کرنا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ ذبح نہ کرنے سے اضاعت نہیں ہے۔ اضاعت کسی فعل ضائع کرنے والے کے ایقاع کا نام ہے یہاں کوئی فعل مضیع واقع نہیں ہوا بلکہ اصلاح سے امتناع ہے اور فرق ہے دوا مضر دینے یا کھانے میں اور دوا نہ کرنے میں کہ اول حرام ہے اور دوسرا مباح۔ ابوداؤد کے باب فیمن ضطر الی المیتۃ میں ہے ان رجلاً نزل الحرۃ ومعہ اہلہ وولدہ فقال رجل ان ناقۃ لی ضلت فان وجدتہا فاسکہا فوجدہا فلم یجد صاحبہا فمرضت فقالت لامرأتہ اخرجہا فانفقت فقالت اسلخہا حتی نقدد شحمہا ولحمہا ونأکلہ فقال حتی اسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأتاہ فسألہ فقال ہل عندک غنی یغنیک فقال لا قال فکلوہا فجاء صاحبہا فأخبرہ الخبر فقال ہلا کنت نحرتہا قال استحییت منک انتہی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتے جانور کا ذبح کرنا واجب نہیں مگر ہاں بر عایت مذہب ہندو ذبح نہ کرنا البتہ گناہ ہے لقولہ تعالیٰ ولا تتبع اہواءہم عما جاءک من الحق الآیۃ (مائدہ) دلا تتبع اہواء الذین لا یؤمنون بالآخرۃ الآیہ (انعام) پھر جو مسلمان نے ذبح کردیا تو ضمان حصہ کافر ہرگز نہیں آسکتا کیونکہ ضمان اتلاف وافساد میں ہوتا ہے نہ اصلاح میں اور ذبح سے اصلاح ہوئی نہ افساد پس ضمان

اس طرح ہو سکتا ہے مگر نصف قیمت چمڑہ گوشت کی ہندو کو دینا ضرور ہے اور جو گائے ہندو کے پاس ہو اور اس نے شریک کو خبر نہ کی اور مر گئی تو اس پر ضمان نہیں آتا کیونکہ ان کے مذہب میں یہ خبر کرنا سخت منع ہو اور ذبح کرنا ہمارے شریعت میں مرنے کو واجب نہیں انا امر نا بتر کہم وما یدینون اور حدیث بالا سے بھی واضح ہوا اور رد محتار کے باب لقطہ میں لکھا ہے لو انفتح زق خمر بہ رجل فلوم یاخذہ بری انتہی لو منع المالک عن اموالہ حتی ہلک یاثم ولا یضمن انتہی ان روایات سے عدم ضمان واضح ہو البتہ اگر یہ امر ان کے عہد میں لکھا ہوا ہو تو مواخذہ ہو ویگا "فی رد المحتار فصل الجزیۃ" وقد ذکر الامام ابو یوسف فی کتاب الخراج فی صلح اہل عبیدۃ مع اہل الشام انہ صالحہم واشترط علیہم حین دخلہا ان لا یشتموا مسلما ولا یضربوہ الی ان قال فان نحن خالفنا شیئا مما شرطنا لکم فلا ذمۃ لنا وقد حل لکم منا ما یحل لکم من اہل المعاندۃ والشقاق انتہی ملخصا پس اس صورت میں اس پر جو کچھ ضمان ہے مناسب ہو دینا چاہئے واللہ اعلم

(تنبیہ) مقدس اذکیاء علماء کے مجمع میں ایک مرتبہ یہ فقہی معاملہ پیش ہوا وہ کون صورت ہے کہ کوئی عورت کسی اجنبی بچہ کو دودھ پلائے اور دوسری عورت یعنی اسکی سوکن اپنے خاوند پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے اسکو سائل نے نظم کر کے بھیجا تھا جو ذیل میں درج کیجاتی ہے حضرت اسوقت مولوی رشید احمد برادر خود مولانا خلیل احمد صاحب کے نکاح کی تقریب میں انبیٹھہ تشریف لائے تھے

داشت یکے مرد و زن در نکاح	ہر یکے در حسن چو بدر منیر	زاں دو یکے مر بچہ غیر را	از رہ نادانی خود داد شیر
گشت بر آں زن دیگر حرام	تا بقیامت نشود حل پذیر	ہر کہ ازیں مسئلہ گوید جواب	مفتی آفاق بود بے نظیر

سارا مجمع حیران تھا اور فکر دقیق تھا مگر حل نہ ہوتا تھا آخر حضرت کے سامنے جو پیش ہوا تو بے تکلف ارشاد فرمایا (ج) کہ ایک عورت نے اپنے صغیر سن خاوند کو دودھ پلایا پھر کسی دوسرے سے نکاح کر لیا اب اسکی سوکن اس بچہ کو دودھ پلائے تو دوسری عورت یعنی بچہ کی پہلی دودھ پلائی اپنے خاوند پر حرام ہو جائیگی۔ چونکہ اسقدر گہرے معمے کا اتنا جلد بے تکلف جواب ملا تھا اسلئے تمام علماء متحیر رہ گئے حاضرین میں سے جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب سنبھلی نے سوال کی بحر میں جواب کو نظم فرمایا اسکو بھی ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں

مرضعہ شد با پسر کہ خورد شیر	پس بر ضاعت شد او محرم صغیر	باز زنے ہند او آں مرضعہ	عقد نمود ند بمرد ے کبیر
ہند او آں طفل کہ مذکور شد	از رہ غفلت بزنے داد شیر	زاں بسبب مرضعہ اولی شد او	محرم آں شوہر خود بے نکیر

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورت مرد کے ابن رضاعی کی بیوی ہے کیونکہ سابق میں اس طفل کے نکاح میں تھی مدتوں جو ہندہ کی سوکن خاوند پر حرام ہو گئی وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ رابعہ جوان عورت نے اسکا کسی بچہ سے نکاح ہوا جسکا نام زید ہے رابعہ نے اپنے شوہر یعنی زید کو دودھ پلایا تو بی بی بن گئی اسلئے حرام ہو گئی

اب رابعہ اور ایک اجنبی عورت یعنی ہندہ نے عمر سے نکاح کیا چند روز کے بعد ہندہ نے اُسی بچہ یعنی زید کو جو ابھی تک شیر خواری کی عمر میں ہے دودھ پلا دیا تو رابعہ عمر پر حرام ہو جائیگی کیونکہ رابعہ ایک زمانہ میں زید کی منکوحہ بی بی رہ چکی ہے اور ہندہ کے اُسکو دودھ پلانے سے یہ بچہ یعنی زید اس ہندہ کے خاوند یعنی عمر کا رضاعی بیٹا بنگیا ہے پس دوسری عورت یعنی رابعہ اپنے خاوند یعنی عمر کی بہو ہوگئی اسلئے کہ اُسکے رضاعی بیٹے یعنی زید کی بی بی ہے پس حرام ہو جائیگی یہی اسمیں اشکال تھا کہ تعجب ہے دودھ پلائے ہندہ اور خاوند پر حرام ہو جائے اُسکی سوکن یعنی رابعہ سو ظاہر ہو گیا کہ مذکورہ صورت میں ایسا ہو جائیگا للہ درّہ ثم للہ درّہ جسکا جواب سمجھنے میں بھی گھنٹوں دماغ چکرائے اُسکا ابتداءً اخلال اور وہ بھی اسقدر جلد کس فقہی مرتبت اور سرعت انتقال ذہن و رسائی فہم و ذکا پر دال ہے۔

(مثل ۶) زوج نے اپنی زوجہ کا بقدر چار سو روپیہ کے مال جہیز اور جو کچھ اُسکو میراث پدر سے ملا تھا بعد رضا و زوجہ خرچ کر لیا اور کوئی تذکرہ قرض یا ہبہ کا درمیان میں نہ ہوا بعد اسکے زوج نے اُس زوجہ کو خود چند بار زیور بنوا دیا اور خرچ کر لیا آخر میں زیور بقدر نو سو روپیہ کے زوجہ کو بنوا دیا اور فوت ہو گیا اور کوئی تصریح معاوضہ یا ہبہ کی نہ کی اسکے بعد زوجہ بھی فوت ہو گئی اور وہ زیور قبضہ ورثہ زوج میں بعد وفات زوجہ پہونچ گیا زوجہ نے قریب وفات خود مہر معاف کر دیا اب ورثہ زوجین میں اُس زیور کے متعلق نزاع ہے ورثہ زوج اُسکو ملک زوج قرار دیتے ہیں پس شرعاً اُس زیور کے مستحق ورثہ زوج ہیں یا ورثہ زوجہ؟

جواب از علماء دیگر جب وہ زیور زوج نے زوجہ کو بنوا کر دیا اور اظہار عاریت نکیا اور مشیر زوجہ کا زیور خرچ کر چکا تھا اور تا حیات خود زوجہ اُسپر قابض و متصرف مالکانہ رہی تو وہ مملوک زوجہ سمجھا جائیگا کہ شہادت ظاہر دلیل ملک زوجہ ہے

قال فی الشامی وما یصلح للنساء فھو للمرۃ لشہادۃ الظاہر وفی العالمگیریۃ امرۃ رفعت لھا متاعا الی الزوج وقالت ربح ہذا واصرفہ فی لوازم البیت ہل علیہ قیمتہا نعم اور قاعدہ فقہاء ہے کہ موت احد الزوجین میں قول حی معتبر ہوتا ہے واللہ اعلم

جواب ثانی جواب مذکورہ غلط ہے بلکہ وہ زیور متنازعہ فیہ ملک ورثہ زوج ہے ورثہ زوج ذوالید ہیں اور مدعا علیہ۔ اور ورثہ زوجہ مدعی اور مدعیان بینہ یعنی گواہ سے تملیک ثابت نہیں کر سکتے کہ زوج نے زوجہ کو بمعاوضہ مال زوجہ یا بمعاوضہ مہر یا بطور ہبہ مبتدأ مالک کیا اور ورثہ زوجہ اصل ملکیت زوج کے مقر ہیں پس اسوقت صرف دلیل ظاہر موجب استحقاق نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

(ج) از حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ۔ دونوں جواب مذکورہ بالا غلط ہیں اول میں غلطی اس طرح ہے کہ زوج کا زوجہ کو زیور بنا کر دینا محتمل دوام کا ہے یا عاریت یا ہبہ پس مجیب کا یہ کہنا کہ تصرف مالکانہ زوجہ کا رہا صورت سوال

حصر عبادت طواف کا حق تعالیٰ کے واسطے بعبارۃ النص وباشارۃ الخص ثابت ہوا۔ معہذا حدیث فخر عالم علیہ السلام کہ "لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ" کہ جس سے طواف غیر اللہ تعالیٰ کا کرنا شرک ثابت ہوتا ہے اور اجماع امت کا بھی ہے کہ عبادت خاصہ حق تعالیٰ کی غیر کو جائز نہیں اور علی قاری شرح مناسک میں لکھتے ہیں "ولا یطوف" لے لما یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ ویحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء" انتہی پس اصول اربعہ سے شرک ہونا طواف غیر کا ثابت ہوتا ہے اب اقوال علماء کہ طواف تعظیم ہے اور تعظیم اولیاء اللہ کی جائز ہے اور حصر موجود نہیں وہ اصل شے کی حل ہے ہر چار مقدمہ ممنوع ہیں کیونکہ تعظیم اولیاء کی وہ جائز ہے کہ مخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو اور حد عبادت کو نہ پونچی ہو اور جو تعظیم کہ عبادت ہو وہ ہرگز غیر کو جائز نہیں لقولہ تعالیٰ "امران لاتعبدوا الخ" پس تعظیم عبادت غیر کو اگر چہ انبیاء علیہم السلام ہوں حرام و شرک ہوئی البتہ وہ تعظیم کہ عبادت کے درجہ میں نہیں وہ اولیاء کو درست ہے مگر اسکا درجہ در یافت کرنا بھی منصوص سے ہوگا بہر حال جو تعظیم کہ بایجاب اللہ تعالیٰ ذات حق تعالیٰ کے واسطے فرض ہوئی وہ خواص حق تعالیٰ سے ہوئی اور غیر کے واسطے حرام ٹھیری پس طواف جو عبادت مفروضہ للہ تعالیٰ ہے اولیاء کو حرام رہیگی اور قصہ ہونا عبادت کا نص سے ثابت ہو لیا اور یہ کہ عبادت اولیاء کی درست قطعاً باطل کیونکہ عبادت غایۃ التذلل والتعظیم ہے یہ ہرگز کسی کو درست نہیں اور اصل حل ہونا اسوقت ہے کہ کوئی نص اس اباحت کی ہو چونکہ نص تحریم عبادت لغیر اللہ یہاں موجود ہے پس یہاں اصل حرمت ہوگئی اب کسی تعظیم کو درجہ عبادت سے خارج کرنا اور غیر اللہ کے واسطے جائز کرنا خود مخالف دلیل کا ہوویگا سو معاملہ علی القلب ہے سائل نے یہاں نظر تحریم عبادت کی نص پر نہیں کی ورنہ ایسی بات نہ کہتے حالانکہ یہ نص نہایت ظاہر ہے "ایاک نعبد" کہ ہر روز بہت دفعہ تکرار اس کا ہوتا ہے۔ الحاصل یہاں اس مسئلہ میں نص تحریم موجود ہے پس اصل تعظیم غایۃ تعظیم کی حرمت ہے مگر جس درجہ کو نص بھی مماثل نص محرم سے مستثنیٰ فرما دیوے وہ جائز ہو جاویگا والا لا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱) ایک شخص صلوٰۃ عصر دو مثل سے قبل باجماعت ادا کرتا اور اسپر مصر ہے یوں کہتا ہے کہ صحیح قول یہی ہے اور دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کا قول صحیح نہیں نہ کسی روایت معتبرہ سے ثابت اس شخص کا یہ قول اور عمل باقی نمازیاں مسجد کو ناگوار گذرتا ہے پس شافی جواب مرحمت ہو کہ کسکو برسر حق سمجھا جاوے۔

(ج) بعد ایک مثل کے وقت عصر کا ہو جانا مذہب صاحبین اور ائمہ ثلثہ علیہم الرحمۃ کا ہے اور اسپر امامت جبرئیل علیہ السلام جو مکہ میں واقعہ ہوا دلیل ہے اور بعد دو مثل کے وقت عصر ہو جانا مذہب مشہور امام ابو حنیفہ

لے الطواف بالبیت مثل الصلوٰۃ الا ان اللہ تعالیٰ اباح فیہ الکلام فمن تکلم فیہ فلا یتکلم الا بخیر (منہ)

مولانا محمد حسن صاحب قنوجی زید مجدہ

علیہ الرحمہ کا ہے اور اسکی دلیل چند احادیث ہیں از انجملہ یہ حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جسکو بخاری نے اپنی صحیح میں اسطرح نقل کیا ہے کہ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں تھے جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال نے اذان کہنا چاہا چونکہ موسم گرمی شدید کا تھا آپنے فرمایا ابرد یعنی سرد کرو وقت کو "چند بار یہی کہا ہوا اور راوی فرماتے ہیں حتی ساوی الفیٔ التلول یہانتک کہ برابر ہو گیا سایہ ٹیلوں کے ساتھ" پس اس حدیث سے مثل روز روشن واضح ہو گیا کہ گرمی شدید کے موسم میں کہ مدینہ و نواح مدینہ کہ ساڑھے تیئس ۲۳½ درجہ میں واقع ہوا اور چوبیس ۲۴ درجہ تک آفتاب میل کرتا ہے لہذا وہاں شدت گرما میں سایہ اصل کم ہو جاتا ہے جب ٹیلوں کا سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو اسوقت بالضرور ایک مثل گزر کر دوسرا مثل شروع ہو جاتا ہے اسوقت میں اذان ظہر کہی نماز پڑھی گئی یہ اہل دانش پر بدیہی امر ہے پس دو مثل میں جب وقت ظہر باقی رہا تو بالضرور بعد دو مثل کے وقت عصر ہو گا۔ اس حدیث سے شلین کے بعد وقت عصر ہونا بحمدہ واضح ہے اب حدیث معارض امامت جبرئیل علیہ السلام کے ہوئی تو واقعہ مدینہ کا موخر ہے اور امامت کا واقعہ مقدم اور باتفاق ائمہ آخر قول فعل شارع علیہ السلام کا ناسخ و محقق ہوتا ہے اور پہلا منسوخ ہوتا ہے تو احتمال نسخ یہاں بھی موجود ہے پس بایں درجہ مذہب مشہور امام صاحب کا راجح معلوم ہوتا ہے لہذا یہ مذہب بھی قوی ہوا اسی واسطے بہت سے اکابر محققین علماء و فقہاء نے دو مثل کو ماخوذ و راجح فرمایا ہے چنانچہ در مختار رد محتار و بحر الرائق کے مطالعہ سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر واضح ہو جاتا ہے پس جب دو مثل کی روایت و مذہب دونوں صحیح اور قوی ہیں تو اس سے اعراض ایسے مواقع میں کہ مخالفت پیدا ہو مسلمانوں میں تفرقہ ہوا اور مخالفت نص قطعی ولا تفرقوا کے حرام و گناہ کبیرہ اور موجب رضائے ابلیس ملعون ہے شارع علیہ السلام نے مستحبات کو رفع نزاع کے محل میں ترک فرمایا اور ترک کا حکم دیا پس غایت الامر ایک مثل سایہ میں نماز مستحب ہوا اور مثل کے بعد بھی وقت مستحب بے ہتا ہے اگرچہ اول افضل ہو پس ایک امر افضل کے واسطے تفرقہ مسلمانوں کی جماعت میں ڈالنا اور ایک مسجد میں دو آدمی سے جماعت کر کے علیحدہ نماز پڑھنا سوائے ناواقفی حکم شرعی کے کوئی امر مفہوم نہیں ہوتا لہذا اس شخص کو تفریق جماعت سے روکنا چاہیئے اور جو باز نہ آوے تو بہ تشدد منع کرنا چاہیئے اگر قوۃ ہو کیونکہ منع مفسدہ واجب ہے کما ہو مبرہن فی الحدیث والفقہ فقط

(شش ال) جلد لحم انسان کی نجاست کی علت ہدایہ مصطفائی صفحہ ۲۴ پر کراہت قرار دی ہے حالانکہ یہ علت نجاست کی علت نہیں ہو سکتی البتہ اگر ہے تو حرمت کی علت ہے اگرچہ اعلیٰ درجہ کی حرمت نجاست کو مستلزم ہے لیکن اسکی حرمت کو حرمت لعینہ کا قائل ہونا بحیثیت استدلال بعید ہے کیونکہ مثل خنزیر منصوص نہیں ہے و امثالہ ظنیات پر ہے پس اسکی نجاست کے قائل ہونیکی کوئی وجہ نہیں بہت اشیاء ایسی ہیں کہ حرام ہیں اور

نجس نہیں بایں ہمہ اگر تامل کیا جاوے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرامت کے ساتھ نجاست کا قائل ہونا اجتماع متضادین ہے اِس مقام کے علاوہ شرعاً کوئی جزئی مکرم و نجس پائی نہیں گئی علاوہ ازیں آگے بڑھکر صاحب ہدایہ طہارت سؤر انسان کے قائل ہوتے ہیں اور اسکی علت بیان کی ہے "لانہ متولد من لحم طاہر" پس بظاہر یہ صریح تہافت ہے کیونکہ اول دلیل سے نجاست ثابت کی اور یہاں اسکی طہارت بیان فرمائی پس اگر جلد و لحم نجس ہیں تو سؤر کی طہارت کی کوئی وجہ نہیں اور اسکی علت "لکونہ فی معدنہ" قرار دیجاوے تو سوائے خنزیر سب سباع میں جاری کرنا چاہیئے اور وہاں بھی سور کی طہارت کا حکم کیا جائے اور یہ دوسرا تعارض ہوا کہ نجاست اپنے معدن میں بحکم طہارت رہتی ہے تو پھر سباع کا لحم انکی حیات میں لکونہ فی معدنہ حکماً طاہر ہوا تو سور بھی طاہر ہوگا "لکونہ متولداً من لحم طاہر" حالانکہ وہ نجس ہے پس قضیہ منعکس ہوگیا اور اگر انسان کی طہارت و نجاست کا دارمدار باعتبار حی و میت کے کہا جاوے تو یہ حکم بھی تمام سباع میں مشترک ہوا جاتا ہے غرض ہیچ در ہیچ شبہات ہیں مختصر خلاصہ عرض کر دیا ہے۔

(ج) شبہات ہدایہ آپ نے کیا لکھے اجتہادیات کی لِم کا استفسار ہے بھلا یہ کس طرح کسی سے بنیھے گی اگر عبارت ہدایہ پر خدشہ ہو تو اسکا جواب سہل مگر محشیوں کے کلام اور قدماء کی روایات کی علل پوچھتے ہو خیر خاطر عزیز کے لئے کچھ تو لکھتا ہوں ہدایہ صفحہ ۲۴ میں کہیں تصریح نہیں کی کہ کرامت علت نجاست ہے آپ نے خود ہی تراش لیا اور اعتراض کئے وجہ شبہہ یہ ہوا کہ ماتن نے کہا کل اہاب دبغ فقد طہر و جازت الصلوٰۃ و الوضوء فیہ الا جلد الخنزیر و الآدمی الخ تو متن سے دریافت ہوا کہ جلد آدمی دباغت سے پاک نہیں ہوتی اور پھر شارح نے آدمی کی جلد کی وجہ کرامت بیان کی تو آپ سمجھے کہ چونکہ جلد آدمی بوجہ کرامت نجس تھی پاک نہ ہوئی اور شبہہ قائم کر دیا اور فی الحقیقت یہ عبارت متن حدیث کی عبارت ہے مگر استثناء حدیث میں نہیں سو حدیث کی شرح میں طول ہوتا ہے گو بلطف اور علم بھی ظاہر ہوتا ہے سو اُس سے تو اعراض کرتا ہوں اور اصل شارح کا مطلب بیان کرتا ہوں کہ جلد آدمی جب انسان سے سلخ کیجاویگی تو یا وہ مُردہ ہوگا یا زندہ اگر مُردہ کی کھال ہے تو بوجہ موت نجس حکمی ہوگئی تھی اور جو زندہ سے جدا ہوئی وہ بوجہ حدیث "ما ابین عن الحی فھو میت" نجس ہوئی بوجہ میتہ ہونے کے اور جو اُتارتے اُتارتے آدمی مرگیا اور پھر جلد الگ ہوئی تو وہ بھی نجس بوجہ موت ہوئی کیونکہ انسان مُردہ میتہ اور نجس ہوتا ہے مثل دیگر حیوانات میتہ کے مگر یہ شرافت انسان کی ہے کہ غسل سے پاک ہوتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے" سو یہ نجاست بوجہ موت جو حاصل ہوئی تھی اسکو ہدایہ کہتا ہے "بطہر الاجلد

حاشیہ: اگر کھال جسکو دباغت دیجاوے پاک ہو جاتی ہے اور نہ دو ہو

الآدمی خانہ لایطہر" اور اسکی وجہ کراہت بیان کردی کہ اگر یہ بھی حکم طہارت کا پیدا کرتی تو لوگ اسکو استعمال کرتے پھر ان بناتے شارع نے اسکی طہارت کو منع کردیا سو اسمیں کوئی خدشہ نہیں کہ آدمی منجس نہیں منجس موت ہی دلیل ۱۲ اور کراہت مانع طہارت ہے کہ طہارت موجب اہانت ہے جو کراہت کے خلاف ہے غرض شارع کراہت کو مانع طہارت ٹھیراتا ہے تاکہ بوجہ اسکے اہانت کو رفع کرے نہ موجب نجاست جیسا آپکو شبہہ ہوا۔ اگر اسپر طمانیت نہو تو سنو کہ استثناء فقط "طہر" سے نہیں بلکہ "طہر وجاز" سے ہے کہ مجموعہ سے جواز استعمال مستفاد ہوتا تھا تو گویا یہ معنی ہوئے "اذا دبغ حل استعمالہ" اس سے استثناء کیا اور وجہ حرمت استعمال کی خنزیر میں نجاست العین اور آدمی میں کراہت بیان کردی سو یہ توجیہ از سر رافع خدشہ ہوا اور العمو بہ ہر دو روایت کے موافق رہیگی کہ جلد آدمی کو اگر دباغت دیویں تو بعض طہارت کے قائل ہوئے ہیں مگر استعمال کے محرم ہیں اور بعض طہارت کو بھی تسلیم نہیں کرتے اور تحقیق یہ ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال بدن سے جدا ہوہی نہیں سکتی اور جو جھلی آتاری وہ دباغت پذیر نہیں ہوتی بعض مسائل فقہاء کے محض بوجہ فرض ہوا کرتے ہیں اور حدیث سے قید صلوح دباغت واضح ہے معنی یہ ہیں "کل اہاب یصلح للدباغۃ اذا دبغ فقد طہر" واللہ تعالیٰ اعلم (رش ۱۲ کمینہ غلامان خلیل احمد اپنے ملجا و ماوی میزاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علی العالمین غیاث المریدین غوث المسترشدین نائب رسول رب العالمین قطب زمانہ مجتہد عصرہ دادا نہ حضرت مولائی و مرشدی مولانا مولوی رشید احمد صاحب دام اللہ ظلال برکاتہم علی العالمین کے خدام کی خدمت عالی میں ملتمس عرضداشت ہے کہ امت نام بجواب عرضداشت توقع سے بہت پیشتر اور امید سے نہایت بڑھکر نعمت غیر مترقبہ ہو کر شرف ورود پا اس کمترین غلامان کے سر نیاز کو تاج افتخار پہنایا بوجہ عدیم الفرصتی حضور کے خیال تھا کہ جوابات بدیر اور مختصر ہوں گے لیکن الحمد للہ کہ حسب خواہش جوابات تحریر ہوئے کس کس عبارت اور کون کون سے لطف کا شکریہ ادا کروں ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار ۔۔۔ کہ اگر خار گر گل ہمہ پروردہ تست

کہ اس ناکارہ غلامان کے واسطے باوجود عدیم الفرصتی و ضعف طبع کے تکلیف گوارا فرمائی صلواۃ کے بعد بیساختہ دعا نکلی کہ حق تعالیٰ شانہ ذات مصدر فیوض و برکات کے علم و عمل و عمر میں برکت عطا فرماوے اور باب فیض رسانی قائم رکھے بتوجہ حضور اکثر جوابات فہم میں آگئے اور شبہات مرفع ہوگئے لیکن بعض جوابات میں ہنوز خدشہ باقی ہے حسب اجازت خدام عرض کرتا ہوں اور نہایت نادم ہوں کہ غلام کی کم فہمی سے خدام حضرت کا

وقت گرامی ضائع ہو متعلق علیتہ کرامت شبہہ رفع ہوگیا لیکن یہ شبہہ باقی ہے کہ لحم حیوانات سباع حالت حیوۃ میں طاہر ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے موت کو "لا یفسد الماء" لکھا ہے اور دلیل لکھی ہے لانہ مات فی معدنہ فلا یعطی لہ حکم النجاسۃ بمنزلۃ حال محاذاتہ تو اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ لحوم سباع بھی جبکہ وہ اپنے معدن میں ہوں طاہر ہونگے کبیضۃ الزکیونکہ طہارت و نجاست اجسام میں حکم نقیضین ہیں تو اس صورت میں اُن کا سور بھی طاہر ہونا چاہیئے "لانہ متولد من لحم طاہر" بخلاف خنزیر و میتہ کے کہ خنزیر بجمیع اجزائہ حی و میت ظاہر و باطن سے نجس العین ہے اور ایسا ہی میتہ بھی ہو اُن کے لئے معدن ہی نہیں بلکہ تو نجس ہے اور علاوہ اُن کے سباع وغیرہ کے حالت حیات میں ظاہر جلد نجس نہیں ہے بلکہ طاہر ہے جو اُن کے لحم کی معدن ہے تو لحم طاہر ہوا پھر اُن کے سور کی نجاست اس اصل کے خلاف ہے یہ شبہہ پہلی عرضداشت میں بضمن سوال اول عرض کیا تھا۔

(ج) مولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم بقایا خدشہ قلت تدبر سے پیدا ہوئی شئے نجس ہر جگہ نجس ہی ہوتی ہے مگر وہ جب تک اپنے مقام و معدن میں ہے اُس پر احکام نجاست جاری نہیں ہوتے اور بعد نقل کے جاری ہوتے ہیں مثلاً آدمی کے معدہ میں نجاست ہے عروق میں دم نجس ہے اسکو حامل نجاست نہیں کہتے جب اپنی جگہ چھوڑ کر عضو پر آگئی حکم نجاست جاری ہوا حامل نجاست ٹھیرا علی ہذا لحم سباع جب تک جلدی میں ہے گو نجس ہے مگر حکم نجاست کا نہیں دیا جاتا جو کوئی اسکو مثلاً کر دن پر رکھکر نماز پڑھے حامل نجاست نہ ہوگا نماز درست ہو جاویگی جب وہ مرگیا تو بوجہ میتہ ہونے کے نجس ہوا اور جو زندہ کا گوشت جدا کیا وہ نجس ہوا اب اسکے سور پر قیاس کرنا عجب ہے کیونکہ لحم نجس تھا لعاب نجس تھا تا مقام معدن حکم نجاست نہ تھا جب پانی میں لعاب خلط ہوا لعاب معدن سے الگ ہوا نجس ہوگیا پانی بھی نجس ہوگیا اول تو آپکو یہ خیال ہوا کہ معدن میں پاک ہوتا ہے یہ محل ہے بلکہ نجس ہے پر حکم نجاست نہیں دیا جاتا دوسرے یہ سوچا کہ لعاب معدن سے جدا ہو کر پانی میں ملا ہے پھر کیونکر نجس نہ ہوویگا اور پانی مخلوط کس طرح طاہر ہوویگا۔

(ش ۱۳) ہدایہ مصطفائی صفحہ ۳۶ البئر الماء علی الماء کی نسبت لکھا ہے کہ اسکا تیمم بسبب مرور علی الماء منتقض ہو جاتا ہے "ماسی الماء فی الرحل" پر لکھا کہ اعادہ صلوٰۃ نہیں حالانکہ عذر نائم فوق الناسی ہے نوم مستلزم نسیان کو ہے من غیر عکس تو نائم کا عدم قدرت بہت زیادہ ہے بس باعتبار دلیل کے نائم کا انتقاض غیر معقول ہے اور باہم دو امر متعارض اگرچہ روایت مصححہ عدم انتقاض ہے لیکن تعجب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اُس کو ترک فرما کر متعارضین روایات جمع کر دی ہیں پس اول تو جیہ علۃ انتقاض تیمم ہونی چاہیئے کہ کس بنا پر اس روایت کا

دار مدار ہے پھر تقریر رفع تعارض کی فرمائی جاوے۔

(ج) فرق نسیان اور نوم کے مسئلہ میں یہ ہے کہ نسیان باختیار العبد نہیں سو ایسی حالت میں کہ اصل عدم الما ہے یعنی سفر نسیان مانع قدرت ہوا اور کوئی امر مذکر بھی نہیں جیسا حالت صلوٰۃ میں معتبر نہیں ہوتا خلاف صوم کے کہ وہاں معتبر ہو کر ناقض نہوا سو بوجہ قوت اصل کے عدم ما رہے اور بذل سعی طلب ما رکے کہ ظن عدم الوصول ہے تیمم درست ہوا اور نائم میں بعد تیمم کے نوم مثل اختیاری کے ہے اور حالت نوم میں امر ضروری بقا کا جو بذل سعی ہے اور ظن عدم الحصول دونوں مفقود لہذا اسکو حکم قادر کا دیا کہ اپنی غفلت سے سویا اور قدرت کو ضائع کیا اب رہا یہ کہ یہ روایت قوی ہے یا ضعیف اس سے کیا بحث ہے صاحب ہدایہ کو یہ روایت معلوم نہو آخر بشر تھا یا اسکے نزدیک یہ روایت قوی ہو بایں وجہ یا بوجوہ دیگر سو کوئی تعجب کی بات نہیں پچھلے لوگوں کو دوسری روایت کی قوت معلوم ہوئی فقط۔

(ش ۱۴) یہ جواب فہم میں نہیں آیا کیونکہ اس جواب کی بنا اس فرق پر ہے کہ "نسیان باختیار العبد نہیں تو مانع قدرت ہے اور نوم باختیار العبد ہے کہ اپنے اختیار سے سویا اور قدرت کو ضائع کیا تو مانع قدرت حکمی نہیں" تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوم و نسیان ہر دو اختیاری نہیں بلکہ نوم عدم اختیار یہ میں نسیان سے بڑھکر ہے کیونکہ اگر کوئی شخص حزم کے ساتھ کسی امر کا تذکر رکھے تو ممکن ہے کہ نسیان طاری نہو بخلاف نوم کے کہ ستہ ضروریہ میں سے ہے بسا اوقات تیقظ قدرت و امکان سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ صرف دواعی ہر دو نوم کے اختیاری ہیں لیکن ایسی حالت میں نوم کے دواعی بھی اختیاری ہونے سے نکل جاتے ہیں اور حق جل و علیٰ شانہ نے نوم کو بے اختیاری بمنزلہ موت ارشاد فرمایا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عدر نائم کو مثل ناسی کے قرار دیا "من نام عن صلوٰۃ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا" صاحب ہدایہ نے بھی امام شافعی کی دلیل میں نوم کا عذر نسیان سے زیادہ تسلیم کیا ہے "والعذر البالغ لعدم القصد" لیکن متنازعہ فیہ میں ابلغیت یا عتبار شعور و عدم شعور کے ہوگی غرض زوال قدرت میں نوم نسیان سے ابلغ معلوم ہوتی ہے باقی رہا بذل سعی طلب ما را اور اصلیۃ عدم الما اور ظن عدم الحصول تو بذل سعی اگر ناسی میں مفقود ہے تو نائم میں بھی مفقود ہے ترک سعی میں ہر دو مساوی بلکہ بوجہ عدم شعور نائم کچھ زیادہ اور اصلیۃ عدم الما باعتبار مفارقہ جو متعلق مسئلہ نائم کا ہے پائی جاتی ہے اور اصلیۃ عدم الما باعتبار حل مسئلہ جو متعلق مسئلہ ناسی ہے فہم میں نہیں آتی کیونکہ حل فی الحقیقۃ مسافر کے واسطے معدن الما ہے تو اصل میں وجود ما ہے نہ عدم ما ناسی کے حق میں پس

ظن عدم الحصول اسی پر متفرع تھا تو ناسی کے لئے ہر سہ امور مفقود اور نائم کے لئے اول مفقود اور ثانی و ثالث موجود ہے تو اس اعتبار سے بھی عذر نائم فوق الناسی ہوا اور بعد تسلیم فرق مذکور جبکہ حقیقت قدرت زائل ہو کر بمنزلہ میت اور جماد کے ہو گیا تو اسکو حکماً قادر کہنا ایک عجب بات ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ پاؤں کاٹکر معذور ہو جاوے یا کوئی شے کھا کر ایسا مریض ہو جاوے کہ استعمال پانی کا اسکو مضر ہونے لگے اگرچہ اس حالت میں باختیار خود قدرت زائل کی ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص حکماً قادر ہے لہذا اسکا تیمم منتقض ہو گیا یا اسکو تیمم جائز نہیں تو ایسا ہی نوم اگرچہ اسکا کسب باختیار ہوتا ہم جبکہ وہ حقیقۃً معذور ہو چکا تو اب اسکو قادر کہنا گویا اجتماع متنافیین کا قائل ہونا ہے اور بلا امداد محشی کے ہر سہ جوابات کہ نوم کا عذر سماوی العباد ہونا یا امر باطنی لازم یا وقف علیہ ہونا یا صورت نوم کا وقوع نادر ہونا بخلاف نسیان کے خلاف بداہت کے ہیں دور کی خلش کو رفع نہیں کرتے بہر کیف فہم میں نہیں آیا کسی قدر واضح تر ارشاد ہو کہ فہم نارسا کی رسائی ہو۔

(رج) اس نائم کے مسئلہ میں بندہ نے دعوٰی ترجیح اس روایت کا نہیں کیا تھا مگر چونکہ آپنے لکھا تھا کہ توجیہ علت انتقاض کرو کہ کس بنا پر ہدایہ نے لکھا ہے تو بندہ نے اسکی توجیہ کی تھی اور آخر میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ قوۃ و ضعف روایت سے بحث نہیں مگر تم مدعی ہو کر اسکے خلاف کے دلائل پیش کرنے لگے سو درست ہے جب یہ روایت ضعیف اور مقابلہ اسکے قوی تو یہ وجوہ قوت دوسری روایت کے ہوویں گے گو ناتمام ہوں کلام یہ تھی کہ نسیان میں بعض وجوہ سے قوت مفہوم ہوتی ہے گو بنظر دقیق مساوات نوم ہو جیسا فتح وغیرہ لکھتے ہیں تو غرض فی ظاہری بیان کرنا تھا نہ نظر دقیق کی طرح اس طرح کہ ناسی یقظان ہے اور مخاطب بطلب آب اس نے طلب میں جسقدر ہو سکا سعی کی اور نسیان اسکا رفع الحکم ہوا اور یہ خدشہ کہ اسکو طلب مار میں ڈیرہ کا بھی دیکھنا واجب تھا کہ وہاں پانی ہوتا ہے عادۃً لازماً تو اس نے کوتاہی فی الطلب کی چاہیئے کہ تیمم درست نہ ہو اسکو دفع کیا تھا کہ اصل میں پانی کا عادۃً لازماً ہونا حضر میں بلاد میں ہے نہ صحرا اور سفر میں کہ وہاں اصل عدم ہے اور یہ امر ظاہر ہے انکا ہو سکا خواہ مخواہ کلام ہے پس کوتاہی اس سے طلب میں نہیں ہوئی اور نائم اگرچہ مخاطب ہے مگر اس سے سعی نہیں ہوئی کیونکہ وہ عاجز ہے سعی کی ضد میں مبتلا سو معذور ہوا اور نوم کو مثل اختیاری کے کہا تھا نہ اختیاری سو یہ فرق ہے اور اس فرق کے آثار ایک فرع میں ظاہر بھی ہیں اگرچہ وہاں دوسری وجہ بھی ہو کہ صوم میں نسیان سے کھانا ناقض صوم نہیں اور نوم میں کھانا مفسد ہے سو یہ وجہ فرق کی تھی اگرچہ اسکو مقابل روایت والے رفع کر دیویں تو بس آپکو اسقدر کہنے کا کہ دلیل فرق کو اٹھانیکی حاجت نہیں گو آپ کے دلائل مساوات کے بھی ضعیف ہیں

مولانا محمد حسن صاحب نانوتوی زید مجدہٗ

نسیان کی نوم سے مساوات حدیث میں اور وجہ سے ہے کہ ہر دو مخاطب ہیں اور قوۃ نسیان کی دلیل مذکور میں بوجہ دیگر ہے علی ہذا توقی رفع نائم کی من امر اللہ تعالیٰ ہونا اور وجہ ہے کہ سبب شیار باذن اللہ موجود ہوتی ہیں اور قوت عذر نسیان بایں وجہ کہ وہ سعی کر رہا ہے جو اسکو حکم تھا اسکا اتیار کیا خلاف نائم کے کہ وہ عاطل ہے "والمسالک لا ینسب الیہ شیٔ" علی ہذا بلغیۃ عذر نائم ہے مگر پھر بھی یہ ہے کہ جب دوسری روایت قوی تسلیم کیگئی اور مسالک کی طرف کوئی چیز منسوب نہیں ہوسکتی تفصیل ۱۲

ان سب دلائل کو تو ترکر قوی روایت کے دلائل قوی کہے جائیں گے بہرحال ترجیح ظاہری بیان کرنا تھا نہ حقیقی سو آپکی فہم میں کیوں نہ آیا اور کیوں اسکے رفع میں ہمت لگائی فقط زیادہ بحث بے سود ہے لہذا اسی قدر لکھدیا ہے گو اسکی بھی حاجت نہ تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۵) صفحہ ۱۹ س ۱۵ "والوظیفۃ فی ہذہ الاعضاء تعبدیۃ الخ اگر "والوظیفۃ فی ہذہ الاعضاء" سے مطلق وضوء مراد لیجاوے تو عبارت سابق "وہذا القدر فی الاصل معقول الخ کے مخالف ہے کیونکہ وہاں بجواب استدلال شافعی "ولان غسل الخ کے گویا نفس وضو کی تعبدیۃ کے قائل ہوئے البتہ اقتضاء علی الاعضاء الاربعہ کو غیر معقول کہا ہے اور اس جگہ اس تقدیر پر نفس وضو کی تعبدیۃ کے قائل ہوئے اور اگر اس جگہ بھی اقتصار علی الاعضاء الاربعہ مراد ہے تو اسکو ثبوت مدعا میں کچھ دخل نہیں کیونکہ عدم جواز توضی بماء اعتصر من الشجر کو اقتصار کی تعبدیۃ سے کیا علاقہ البتہ اگر یہ ثابت ہو اور عبارت اس طرح کہی جاوے "والوظیفۃ فی التوضی بماء المطلق تعبدیۃ فتقتصر علی غیر المنصوص علیہ" تو مثبت مدعا ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ محشی نے جو نیچے لکھا ہے وہو الماء المطلق اگر مرجع مضاف ہے تو غلط ہے اور اگر مضاف الیہ ہے تو صحیح لیکن خلاف ظاہر اسکے بعد استثناء "والماء الذی یقطر من الکرم" فہم میں نہیں آیا کیونکہ مدار جواز توضی و عدم جواز کا ماء مطلق و مقید پر ٹھیرا چنانچہ تفریعات آئندہ دلالت کرتی ہیں صنع عبد کو کچھ دخل نہیں اور دلیل سابق مقتضی عدم جواز توضی بھی انہیں جاری ہے کیونکہ علت عدم جواز توضی مقیدیۃ یا تعبدیۃ ہر دو میں مشترک ہے تو حکم عدم بھی مشترک ہونا چاہیئے باوجود اسکے پھر جواز توضی کا قائل ہونا اصل معلل عن القیاس میں قیاس جاری کرنا ہے جو سراسر قواعد اصول کے خلاف ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ ماء الکرم بسبب عدم دخل صنع عبد کے ملحق بماء مطلق ہوگیا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مدار اطلاق و تقیید کا اسپر ہے کہ اگر ماء مطلق بولکر ذہن کی سبقت اسکی طرف ہو تو مطلق ہے ورنہ مقید ہوگا بہرکیف یہ ماء مقید ہوا اور غیر منصوص علیہ تو عدم صنع للعبد کی وجہ سے مطلق نہیں ہوسکتا ہے غرضکہ جواز توضی بماء یقطر من الکرم مخالف اصول ہے یہ عبارت مع ماسبق فہم میں نہیں آئی توجیہ ارشاد ہو؟

(ج) صاحب ہدایہ اول کہہ آیا تھا کہ ماخرج عن السبیلین ناقض جو ہوا تو اسمیں یہ امر معقول تھا کہ خارج نجس ہو علت اسکی عقل میں آگئی تھی سو جیسا سبیلین سے خارج نجس نے نقض کیا ایسا ہی دوسرے محل سے اگر خارج نجس ہوویگا تو ناقض ہوویگا مگر خروج نجاست سے سارا جسد نجس ہونا چاہیے جیسا لفظہ سے سو اگرچہ شارع کے ارشاد خارج سبیلین سے یہ تو فہم میں آگیا کہ نجاست کے خروج سے جسد نجس ہو مگر یہ اعضاء اربعہ کا دھونا ہی رافع نجاست ہوا اسکی وجہ عقل میں نہیں آئی فقط اب لوظیفہ میں آکر دوسری بات کہی وہ یہ کہ شارع نے رافع نجاست ماء مطلق کو قرار دیا فی قولہ فلم تجدوا ماءً الخ میں کیونکہ مطہر ماء ہوا اور ماء نہو تو تراب ہو دیگر مائعات کا ذکر نہ کیا تو معلوم ہوا کہ وظیفہ یعنی جو شے کہ مقرر کی گئی طہارت اعضاء بضوء کا فقط پانی ہے دیگر مائع نہیں تو یہاں شبہہ تھا کہ نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں بھی شارع نے ماء کو ہی مقرر کیا تھا تنے مائعات سے بھی جائز رکھا قیاساً حال آنکہ شافعی نے انکار کیا یہاں بھی تم قیاساً مائعات سے وضو جائز کہہ دو تو جواب دیا کہ وظیفہ ازالہ نجاست حکمیہ کا ماء ہی اور یہ امر خلاف قیاس ہی کیونکہ ازالہ نجاست حقیقیہ میں تو عقل کہتی تھی کہ جس شے سے قلع نجاست ہو جاوے وہ مثل ماء کے ہی مائع اور قالع مگر حکمی کا تو حال معلوم ہی نہیں اسلئے کہ خروج نجاست تو مثلاً دبر سے ہوا اور سارا بدن نجس ہوا عقل میں نہیں آتا کہ کیا وجہ مگر سبیلین کے خروج سے حکم نقض کا جو دیا تھا تو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ جب اصل نجاست عقل میں نہیں آتی کہ کسوجہ سے ہے اسکے ازالہ میں فقط پانی کو فرمایا تو اب عقل کیا حکم دیوے کہ دیگر مائع مقام پانی کے ہو جاوے قلع نجاست مرئیہ میں فہم کی رسائی تھی حکمیہ تو وہ فقط حکم سے معلوم ہوئی اسکی حقیقت معلوم نہیں اسکے قلع کی کیفیت سے خبر نہیں لہذا ماء مطہر طہارت ہوا اگر دوسری شے کو فرماتے تو وہ بھی معلوم ہو جاتی اب فقط ایمان ہے کہ نجاست حکمی ہوتی ہے اور اسکا رفع ماء سے ہوتا ہے اور عقل کا دخل نہیں لہذا ماء مطلق پر قصر ہوا مگر ماء مطلق دافع میں وہ ہے کہ جسکو عرف اہل لسان میں ماء بولتے ہوں کیونکہ قرآن بزبان ولغت عرب نازل ہوا ہے تو اب معتصرات تو خارج ہو گئے مگر ماء الذی یقطر من العنب میں کلام ہے سو اصل جواب یہ ہے کہ اسکو اہل لسان ماء مطلق جانتے ہیں یہ بات لغت کی ہے قیاس کا دخل نہیں مگر اسکی دلیل محض فرق معتصر اور قاطر کے لئے بیان کر دی ورنہ اثبات لغت بقیاس ہو جاوے یہ نہیں بلکہ وجہ اصطلاحی کی بتانا مقصود ہے بس آپ کا خدشہ رفع ہوا کیونکہ اثبات لغت بقیاس درست نہیں نقض بقید اشتراک وغیرہ سب زائد ہو گئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ اللہ اس تبحر کا کیا ٹھکانا ہے جو حضرت مولانا قدس سرہ کی مختصر و جامع تحریر کے لفظ لفظ اور حرف

لہ یعنی الماء یطہر ولا یطہر بہ شیء آخر کما فی الہدایۃ

سولانا محمود حسن صاحب دیوبندی زید مجدہ

حرف سے فوارہ کی طرح اُبل رہا ہے اگر ناظرین کو معلوم ہو کہ زیر دست شبہات کے قلم برداشتہ جوابات کس حالت اور کس زمانہ میں مولانا قدس سرہٗ نے تحریر فرمائے ہیں تو تعجب پر تعجب ہو ان ایام میں حضرت مولانا پر پے در پے چند اموات کے صدمے پڑ چکے تھے آپ کا صدمہ دیدہ دل مولوی علاء الدین مرحوم کی جانکاہ موت کے بعد ہی بھائی سے زیادہ پیارے اُستاذ زادے جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب کی اہلیہ معہ فرزند فرید الدین کی رحلت کا سانحہ برداشت کر چکا تھا کہ یکے بعد دیگرے چند اموات اور ہوئیں چنانچہ حسن والا نامہ میں یہ جوابات تحریر فرمائے گئے ہیں اسی کا آخری حصہ یہ ہے "صدمہ فوت مولوی علاء الدین صاحب مرحوم کا سنا ہوگا اور والدہ بھائی زوجہ مولانا محمد یعقوب صاحب معہ اپنے فرزند فرید الدین کے رحلت فرمائی حق تعالیٰ رحم فرماوے اور بخشے مولانا پر کیا کچھ صدمات ہوئے کہ انکی نسل کے چھ سات آدمی اور زوجہ فوت ہوئے ایک سخت صدمہ ہاں یہ ہوا کہ حافظ محمد سعید جو وکیل تھے اور مولوی محمود حسن صاحب کے برادر زوجہ تھے بیضہ میں فوت ہو گئے ہائے ہائے دنیا کیا ناپائدار جا ہے اور ہم کو کسقدر غفلت ہے"

علامۂ عصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ کے ہدایہ جیسی دقیق فقہی کتاب پر شبہات دیکھئے اور صدمات سے شکستگی کی حالت میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کی قلم برداشتہ وہ جوابی تحریر جسکے سمجھنے میں اب بھی ذہین آدمی کو غایت غوض و تدبر کی حاجت ہے۔ وہ ایک والا نامہ جسمیں سے تین شبہات کے جوابات ہدیۂ ناظرین کئے ہیں اسی درجہ کے قوی نو دس شبہات کے جوابات سے بھرا ہوا ہے لیکن چونکہ سوانح میں صرف نمونہ کا دکھانا مقصود ہے اسلئے اسی پر اکتفا کیا گیا اور اجتہادی قابلیت کے اظہار کی غرض سے جہاں علل احکام کی لم بیان ہوئی ہے اسکو درج سوانح کر دیا گیا ہے میری موعودہ ۱۵۰ تعداد ختم ہو گئی اسلئے باقی فیوضات علمیہ کو علیحدہ رکھتا ہوں گو جی بالکل نہیں چاہتا کہ اس بے بہا جواہرات بھول بھلیاں کے بھرپور خزانے کو جسکا ایک ایک دانہ ہفت اقلیم کے معاوضہ میں لیا جائے مگر مجبوری کا کیا علاج اگر سوانح کے اجزا زیادہ بڑھ گئے تو حضرت کے متوسلین جنمیں زیادہ جماعت غربا و مفلسین کی ہے اسکو خریدنہ سکیں گے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ دوسرے وقت اسکو ہدیۂ ناظرین کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے تاہم شبہات قرآن و حدیث کے متعلق وحید العصر شیخ مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب مدظلہ کی چند تحریرات جنکے جوابات حضرت قدس سرہٗ نے تحریر فرما عطا فرمائے ہیں بیان کئے بغیر قلم آگے نہیں چلتا اسمیں بھی طبع پر جبر کر کے دس پر اکتفا کرتا ہوں ان دس جوابات شبہات سے وہ نکات علمیہ ناظرین کو معلوم ہوں گے جنکا وجود اب کمیاب مشکل سے ملیگا۔ گو ان مضامین علمیہ کا زیادہ تر نفع علم و دست جماعت طلبہ اور علماء کے لئے مخصوص ہے مگر بسبب تفاوت استعدادات ناظرین اوراق بھی اپنی

ذکاوت ورسائی فہم سے لذت وکیف ضرور حاصل فرماویں گے یہی وہ نکات ہیں جنپر علم کے طلبگار شخص کو جان اور مال کا نچھاور کرنا شہادت میں داخل اور ذریعہ افتخار دین ودنیا ہے۔ میری استدعا ہو کہ یہ مباحث دقیقہ کئی کئی مرتبہ خلوت میں خالی الذہن ہوکر دماغی تفکر اور نہایت تدبر کے ساتھ دیکھنے چاہئیں اور طہارت قلب وجسد کے ساتھ توجہ الی اللہ کی معیت میں اس گلستان محمدی کی گل چینی کیجائے "واللہ الہادی ہو حسبی ونعم الوکیل"۔

(ش ۱) قولہ تعالیٰ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (الآیۃ اور بیشک بعض پتھر ایسے ہیں کہ بہہ پڑتی ہیں ان سے نہریں) وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ (اور بیشک بعض پتھر ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر نکلتا ہے ان سے پانی) وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اور بیشک بعض پتھر ایسے ہیں جو گر پڑتے ہیں خدا خوف سے) الآیہ ہر دو آیات باعتبار معنی متحد معلوم ہوتی ہیں پھر تکرار سے کیا نفع نیز وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ الآیہ میں ہبوط وسقوط حجر کو ثمرہ خوف الٰہی بیان کیا گیا ہے پس تفجر وتشقق اور ہبوط کی اس ترتیب المذکور فی القرآن کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی نیز وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ الخ اور اَفَتَطْمَعُوْنَ الخ کو اس آیت سے کیا ربط ہے؟۔

(ج) تفجر انہار اعلیٰ درجہ کا متاثر ہوتا ہے کہ نہریں پھوٹ کر جاری ہوئیں اور تشقق ہو کر پانی نکلنا ادنیٰ درجہ ہے اور فقط ہبوط اس سے بھی کم درجہ تو اعلیٰ سے اسفل کو کلام کا سوق ہوا ہے کہ پتھروں کا یہ حال ہے کہ بعض سے نہریں جاری ہوگئیں اور بعض سے شق ہو کر پانی نکلا اور بعض باوجود ہبوط ہوگئے مگر بنی اسرائیل کو باوصف ان معجزات باہرہ اور رویت قدرت قاہرہ اور احسانات بینہ ظاہرہ کے اعلیٰ تو کیا ادنیٰ تاثر بھی نہوا تو ادنیٰ ادنیٰ حال حجر سے بھی انکا حال خوار وخراب ہے تفجر انہار اعلیٰ درجہ کا متاثر ہو کر ہمہ تن خشیہ سے پاتی ہوا اور اسکا نفع خلق کثیر کو ہوا ہر قسم کا اور تشقق خود منتفع کسی درجہ کا ہوا اسکے ماسے بھی واحد بعد واحد کو کچھ نفع ہوا یا نہوا مگر خود منتفع خشیہ ہوا اور ہبوط کو خود تو اضع خشیہ حاصل ہوا اگرچہ کسی کو اس سے کوئی فائدہ نہوا مگر متاثر ہو کر متقل امر ہوا خلاف بنی اسرائیل کے کہ وہ اپنی جبلت عصیان پر برابر ہیں اور جھوٹے حیل ان کے اور تیز بیانی لغو ہے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ الخ پس ایسے قدیم بدفہموں ہرتمین از حجارہ سے "الولد سر لابیہ" کیا توقع ہدایت کرتے ہو اَفَتَطْمَعُوْنَ الخ والسلام۔

(ش) مسلمان نے جو مال بنیت رشوت جدا کیا یا تقرب بغیر اللہ کے لئے قبور پر چڑھاوا چڑھایا اسکی حرمت کا محقق کسوقت ہوتا ہے اور اسکا استعمال کیا مالک یعنی رشوت دینے والے یا چڑھانے والے کے لئے بھی جائز ہے اگر ایسا ہے تو مال رشوت دینے والے پر مال کے رد کا حکم کیونکر صحیح ہوگا نیز سائبہ یعنی جو جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑا جائے اسکی حرمت کسوقت متحقق ہوگی اور مالک کو اپنی نیت حرام کے واپس کھینے کا یہاں

قرآن ہے "علام رب فیہ" اسمیں شک نہیں کہ یہ وہی ہے یہ وہی ہے "پھر کیا وجہ کہ بنی اسرائیل اسپر ایمان نہیں لاتے پس وہ وہی ہے ثم بشر رہ ۱۲۵ سوالون۔

اختیار ہے یا نہیں امید کہ "قولہ تعالیٰ وما اہل لغیر اللہ بہ" کے مفہوم کو واضح فرماویں؟

(ج) جو مال مسلم نے رشوت کے واسطے یا تقرب لغیر اللہ کے واسطے جدا کیا تو یہ مال حرام نہیں ہوا اگر اس مال کو خود کھاوے یا ہدیہ دیوے بدون اس نیت کے یا للہ دیوے تو حلال ہے اور نیت لغو ہو گئی اگرچہ قبل ان تصرفات کے گنہ اور شرک ہو چکا تھا اور جو اسی نیت پر دوسرے کو دیا گیا تو عقد تام ہوا اور بسبب عقد باطل کے مال حرام ہو گیا سب کے حق میں سوائے مالک کے اگر اسکے پاس رد ہو جاوے نہ بر ملک دیگر تصرف کرنے میں۔ پس یہ ہی حال چڑھاوے قبور اور منذور لغیر اللہ کا ہے خواہ حیوان ہو یا غیر حیوان اور جو حیوان تھا اور خود مالک نے اسی نیت پر ذبح کیا بسم اللہ پڑھکر تو وہ بسبب میتہ ہونے کے حرام ہوا اگرچہ ملک سے نہیں نکلا گوشت مردار کھال بدباغت پاک۔ اگر استعمال کرے حلال ہے گناہ نہیں اور جو اسکو چھوڑ دیا یا اس نیت کہ "جو لیوے وہی مالک ہو جاوے" تو بفور اخذ کے حرمت محقق ہو گئی جیسا اوپر گزرا کہ عقد تام ہو گیا پھر اس اخذ نے اگر اس نیت مسیّب پر ذبح کیا تو مزید ہو گیا گوشت مردار نجس کھال پاک اور حرام الاستعمال سب کے حق میں اور جو اس نیت پر ذبح نہیں کیا بلکہ خالص بسم اللہ کے ساتھ ذبح کیا اور تعظیم غیر بالکل نہ تھی تو وہ حیوان میتہ نہیں مگر حرام ہے گوشت اور پوست اسکا کھانا استعمال کرنا حرام مگر نجس نہیں مثل طعام حرام کے ہی بسبب عقد حرام کے اور جو اس نیت سے نہیں چھوڑا بلکہ فقط ارواح خبیثہ کی ملک پر چھوڑا ہے تو آخذ غاصب بحق مالک ہے کیونکہ ملک مسیّب نہیں نکلا تھا۔ اب اگر ذبح کیا تو غصب کا قاعدہ اسپر جاری ہوویگا حرمت لا ہلال کا دخل اسمیں نہ ہوویگا۔ الحاصل ایک حرمت بسبب تعظیم غیر ذبح پر ہونے کی ہے وہ تو ہر حال ہے خواہ مالک کرے خواہ غیر کرے اور دوسری حرمت منذور غیر اللہ ہونیکی ہے وہ بدون قبض دوسرے کے حاصل نہیں ہوتی انشاء اللہ تعالیٰ قاعدہ فقہ سے یہ صحیح ہے اور دوسرے کی تحریر کی تحقیق نہیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں اور مراجعہ کتب کی اسوقت فرصت نہیں اور عشرہ سے طبع صاف بھی نہیں یہاں مرض بہت کم ہے ہیضہ شاذ و نادر کسی کو ہوتا ہے انبہتہ کثرت ہے محمد ہاشم کا فوت عبرت انگیز ہے۔

(ش ۳ ص) صاحب خزانۃ الروایات نے اپنی کتاب میں یہ جزئیہ لکھا ہے زید نے عمر کو نوکر رکھا ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کیا راستہ میں عمر (نوکر) کا وطن اصلی آگیا تو عمر بحکم تبعیۃ مسافر ہی رہیگا بحکم وطن اصلی مقیم نہو گا لہذا قصر نماز پڑھے آنحضرت کی اسکے متعلق کیا رائے ہے۔

(ج) اس جزئیہ میں بندہ کے نزدیک وطن اصلی کا اعتبار ہو کر سفر نہ رہیگا تمام صلوٰۃ پڑھے نہ قصر۔ صاحب خزانہ کو جواب میں خطا ہوئی مسافر سے مستقل بنفسہ سمجھ لینا صحیح نہیں مسافر وہ ہے کہ سفر اسمیں موجود ہو

اور وطن اصلی ضد سفر ہے مشتق میں مبدء اشتقاق کا بالفعل ہونا واجب ہے تاکہ حقیقی معنی صحیح ہوویں ورنہ مجاز ہوجاویگا وہو خلاف الاصل اور صاحب خزانہ کا استنباط "نوی الاقامۃ" سے ہے بایں وجہ کہ صفائیت ہونا چاہئے واضح ہو کہ تابع صاحب نیت ہے کیونکہ مطلب عبارت فقہاء "والمعتبر نیۃ المتبوع" الخ سے صاف ظاہر ہے کہ نیت تابع کا اعتبار نہیں نہ یہ کہ وہ صاحب نیت ہی نہیں مگر متبوع کی نیت مرجح ہے اسلئے کہ تابع بدون متبوع کے پھر نہیں کرسکتا سو محض نیت سے کام نہیں چلتا نیت تابع کی محل تردد ہے کہ اسپر عمل ہوگا یا نہوگا خلاف متبوع کے۔ اور جس جا متبوع کی نیت میں تردد ہوگا وہ بھی معتبر نہیں ہوتی۔ دار الحرب میں قیام کی نیت اگر امیر لشکر اسلام کرے تو معتبر نہیں اسواسطے کہ قیام محل تردد ہے نہ یہ کہ صاحب نیت نہیں درمختار میں قرضخواہ کا اصل قرضدار کو تابع لکھا ہے اور پھر لکھا ہے کہ اگر قرضخواہ نے اپنے وطن میں مسافر قرضدار کو پکڑ لیا تو مقیم مسافر ہی رہیگا اور مالدار اگر قبل پندرہ روز دین دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو مسافر ہوگا" دیکھو تابع کو صاحب نیت کہا الصبی اذا خرج مع ابیہ فبلغ فی اثناء الطریق وقد بقی الی المقصد اقل من ثلثۃ ایام لا یقصر حالا لکن اذا بلغ تابع اب ہوتا ہے مگر صبی پر خطاب اب بعد بلوغ آیا تو اب وہ مسافر جب ہو کہ سنہ منزل باقی ہوں پہلے نیت معتبر نہیں بلکہ نفس تبعیت اب نے کام نہ دیا علی ہذا اگر مسافر کسی بلد میں اقل مدت قیام کرے اور تو کر مقیم کو رکھے تو وہ تو کر مقیم اپنے بلد میں تبعاً للمساز مسافر نہیں ہوتا کیونکہ تبعیت سفر بعد وجود سفر ہوتی ہے علی ہذا بعد وجود سفر تبعیت سفر لئے بقاء سفر ضروری ہے یہ مسئلہ وطن اصلی کا نہیں جیسے صاحب خزانہ سمجھے بلکہ وطن اقامت کا ہے کہ قطع سفر و بقاء سفر میں حاجت نیت کی ہے جب دو نیت متعارض ہوئیں تو قوی کو راجح کیا خلاف وطن اصلی کے کہ وہ ضد سفر ہے نیت کو وہاں مطلقاً دخل نہیں لہذا ضد راجح نہیں ہوسکتے فقط واللہ اعلم۔

(ش۴) "کل مولود یولد علی الفطرۃ" الحدیث اور حدیث قصہ خضر علیہ السلام اور قتل غلام میں تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں ارشاد ہے وکان طبع یوم طبع کافراً" پس کوئی وجہ استثناء سمجھ میں آتی ہے کہ کلیہ سے یہ لڑکا جسکو خضر علیہ السلام نے قتل کردیا تھا مخصوص ہوا ورنہ تعارض مرفوع ہوتا ہے۔

(ج) شارع علیہ السلام نے رفع تعارض خود فرمادیا ہے کہ ایک جا "طبع" فرمایا اور دوسری جا "ولد" فرمایا طبع اور ولد میں فرق بین ہے طبع وہ ہے کہ جز صلاحیت اور استعداد کا من میں ایک قوت رکھی جا وے اور "ولد علیہ" یہ ہے کہ ایک ہیئت موجودہ کیساتھ اختلاط ہووے تو بس ہر مولود علی الفطرۃ ہے اور فطرۃ کے ترجمہ میں گو اختلاف عبارات ہے مگر حاصل سب کا دین و اسلام ہے سو وہ اقرار توحید و ملت جو عالم ارواح میں قدیمت

مولانا محمد حسن صاحب نے تو بندی زید مجدہ

آدمؑ سے واقع ہوا جس میں سب کافر مشرک فاسق مسلم مشریک ہیں وہ فطرۃ ہے اسپر ہی مولود مفطور ہوتا ہے اور اس اقرار پر جو بلفظ "بلیٰ" قرآن شریف میں مخبر بہ ہے تا ولادت کوئی انکار یا خلاف طاری نہیں ہوا سو کل مولود مخلوق وقت ولادت اُس فطرۃ مقررہ پر مولود ہیں کوئی خلاف سرزد نہیں ہوا فقال علیہ السلام کل مولود یولد علی الفطرۃ" حالانکہ بدیہی امر ہے کہ ابلیس اور تمام کفرہ نے بھی اُسوقت میں اقرار توحید و ملت کیا تھا ایسا ہی غلام حضرؑ نے اقرار کیا تھا وہ بھی مولود علی الفطرۃ المذکور تھا کیا خصوصیت اُس غلام کی ہے بعہذا سب کفار اور وہ غلام مطبوع علی الکفر تھے کہ اُن میں استعداد کامن کفر کے استحسان و عمل خلاف کی رکھی گئی تھی جسکا ظہور گاہ بتقلید آبا رہوتا ہے اور گاہ بتقلید غیر آبا اور گاہ خود اپنی طبیعت سے فوارہ نمط جوش ہوتا ہے کہ جبلت اپنی ظہور سے ممنوع نہیں ہو سکتی اسکی ہی خبر دیگئی کہ اگر جبل کے زوال کی خبر سنو قبول کرو جبلت کے زوال کو ہرگز مت مانو سو فرمایا "کان الغلام طبع کافرا لو عاش طبع سائر الکفرۃ" جبلت محتاج تقلید کی نہیں ہوتی تقلید تو تعالک دینے والی ہوتی ہے جسکی جبلت میں کوئی استعداد ہوتی ہے ادنیٰ ذریعہ دیکھکر مشتعل ہو جاتی ہے اور جبلت بدون تقلید بھی وہی ظہور ہوتا ہے اور جو استعداد جبلی نہیں ہوتی وہ بہت شدت سے اثر کرتی ہو۔ فرمایا کہ والدین غلام مومن ہیں اگر یہ غلام مجبول علی الکفر زندہ رہتا تو بسبب شدت محبت والدین کے یہاں مؤثر قوی محبت ولد کہ یمسک الشیٔ ویعمی ویصم ہے باوجود جبلت والدین علی الاسلام کے اثر کفر موثر قوی کا اثر ہوتا سو حق تعالیٰ نے اُن تمہاری کسی شے سے محبت اندازہ ابراہیمؑ دلی ہو صالحین کی محافظت کردی اور ولد کو بھی عذاب سے نجات دی کہ مواخذہ کفر مطبوع پر جب ہے کہ اُسکا ظہور بھی ہو جائے ورنہ الا "سانپ کے بچہ کو باوجودیکہ مطبوع علی اللدغ ہے پرورش کرتے ہیں محبت سے رکھتے ہیں اسکی جبلت پر غصہ نہیں آتا جب وہ بڑا ہو کر کاٹتا ہے اُسوقت طیش میں کچلا جاتا ہے" اگر جبلی کفر پر مواخذہ ہوتا تو عالم ارواح میں ہی سب کو عذاب شروع ہوتا اور اطفال مشرکین کو بھی عذاب ہوتا و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً ارشاد فرماتے۔ کاغذ تمام ہوا اور یوں ظن ہوتا ہے کہ جواب اشکال تمام ہو چکا زیادہ بسط کی ضرورت نہیں اگر آپ کے نزدیک جواب صحیح ہو مجکو بھی اطلاع ہو اور جو خدشہ آپکے طلبہ کا یا آپ کا باقی ہو تو مضائقہ نہیں دوبارہ اطلاع ہو فقط والسلام الحاصل تین حالت مخلوق کی ہوئی ایک طبع دوسری فطرۃ کہ اقرار ازلی ہوتا ولادت بلکہ تا عقل و تمیز باقی ہے تیسری ملت کہ اکتساب اختیاری ہے عقل سے شروع ہے بلوغ سے معتبر تو اب عذاب تیسری حالت پر ہے دو پہلی سے باز پرس نہیں دوسری حالت پہلی کے ساتھ جمع تھی بعد بلوغ استقلال کامن کا ظہور کسی وقت ہو کر دوسری حالت کو رفع کرتا ہے یا مقرر کر دیتا ہے فقط

بعد فراغ تحریر خط ایک بات ذہن میں آئی وہ بھی لکھنا مناسب ہوا کہ منشاء اعتراض تعارض یہ ہے کہ طبع اور فطرۃ کو ایک جان گئے اور فی الواقع طبع اور ہے اور فطرۃ اور جیسا تقریر پریشان خط سے واضح ہوگا اور اسقدر تحریر سے بھی لاطائل ہوگئی اگر پہلے سے یوں تقریر ہوئی تھوڑی سی تحریر سے کام ہو جاتا کہ طبع اور فطرۃ کے معنی جدے جدے لکھدیتا مگر خیر مضائقہ نہیں فقط۔

(مش۵) ہمشکوٰۃ احمدی صفحہ ۱۱ ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب الا بما یلی وجہ عدم وقوع شرک پر عرب میں دلالت کرتی ہے کیونکہ یاس شیطان کی بنی آدم کے شرک سے باوجود اسکے کہ وہ اصل جبلت سے آگاہ ہے قریب محال ہے باوجودیکہ دوسری جگہ اسکی مؤید موجود ہے صفحہ ۴۴۷ قال قلت یا رسول اللہ انشرک امتک من بعدک قال نعم اما انہم لا یعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا الخ صفحہ ۵۳۰ وانی لست خشی علیکم ان تشرکوا بعدی بھی عدم وقوع شرک پر دلالت کرتے ہیں پس قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۴۷۰ لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصا الحدیث بظاہر روایات سابقہ کے مخالف ہے۔

(ج) شیطان نے جو قوت اسلام و سوخ مسلمین کا دیکھا تو مایوس ہوگیا کہ مسلمون ہرگز شرک نکرینگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بابلغ وجوہ اسکو ثابت کیا کہ ایمان اسلام اعلیٰ درجہ کا محقق ہوگیا کہ شیطان جیسے طویل الامل کو یاس ہوگئی مگر کس سے یاس ہوئی مصلین یعنی مسلمین سے نہ کہ کفار سے دیکھو حضرت ابلغ البلغاء کے کلام کو کہ مسلمانوں سے یاس شیطانی فرمائی نہ وجود شرک سے اور شیطان کی بقاء توقع کفار میں باقی رکھی اول تو ظاہر ہے کہ یاس کو عدم الوقوع لازم نہیں جسکو یاس صحت قریب الموت ہو جاتی ہے اور پھر تندرست صحیح ہو جاتا ہے تو کیا ضرور ہے کہ شیطان کی یاس کو عدم الشرک لازم ہو کمال قوت دیکھکر مایوس ہوا مگر انجام قوت نہ رہے رفتہ رفتہ وہ نوبت پہونچے کہ فقط کلمہ بھی باپ دادا کے سنے سنائے پڑھیں کوئی نہ جانے کہ کیا چیز ہے کما ورد فی الحدیث تو اسوقت ظہور شرک ہو تو کیا معارضہ ہوا اور شیطان اگر بقول آپکے اصل جبلت سے واقف ہے تو اصل فطرت سے بھی واقف ہے کہ اسلام ہے اور بالفرض جو جبلت آدمی کی شرک ہے تو خود فخر عالم علیہ السلام کا بیان قوت ایمان عرب کا بابلغ وجوہ ہوا کہ بیان واضح آپ سے غیر جبلی بھی جبلی ہوگیا اب باحدیث انشرک امتک الخ کا حدیث سوا اسکا بیان یہ ہے کہ امت کے دو معنی ہیں کبھی امت دعوت مراد ہوتی ہے جسمیں یہود اور سب کفار داخل ہیں تو یہاں یہ تو مراد ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ مشرک امت دعوت تو خود حیات میں بھی موجود تھی اسکے سوال کا کیا محل تھا دوسری امت اجابت کہ فقط مسلمان ہیں صلحا اور فساق سبھی داخل ہیں اور کفار خارج یہاں یہی

مقصود ہے جب سائل نے قوت اسلام اور وضوح دلائل اُسکے دیکھے تو پوچھا کہ بعد آپ کے ایسا ہی حال رہیگا یا مثل یہودی اور نصرانیوں کے آپکی امت اجابت میں شرک ہو جاویگا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ شرک جلی تو نہ ہوگا البتہ خفی آجاویگا اور جو شخص مرتد ہوا اجابت کی شان سے نکل گیا اُسکا بھی خدشہ رفع ہوا اور جب رَیج چلیگی جس سے سب مسلمان مرجاوینگے اُسکے بعد بت پرستی عرب میں شروع ہو دیگی تو وہ لوگ بھی امت اجابت نہیں ہاں امت دعوت ہیں کہ سوال سے خارج ہیں ہاں اہل ہوا رکا خدشہ رہا سو یا بطور محدثین اُنکو کافر کہو یا بطور متکلمین فاسق پس خدشہ یعنی ہوگیا اور شرک امت کی کیفیت اوپر بیان کر چکا ہوں حسب حدیث۔ اور حدیث لست منہم علیکم الخ میں صحابہ خاص مخاطب و مراد ہیں سیاق و سباق حدیث کو دیکھو نہ قیامت کے قریب کے مسلمان پس کچھ بھی اشکال نہیں فقط

(ش ۶) قولہ صلے اللہ علیہ وسلم "حتی یقاد للشاۃ الجماء من الشاۃ القرناء" جبکہ بہائم مکلف نہیں تو باہم اقتصاص کی کیا وجہ ہے صدہا جانور ایک دوسرے کی خوراک ہوا انسان پر حرام کئے گئے تو ایا سب کا معاوضہ ہوگا؟

(ج) قصاص بہائم میں لوجہ تکلیف نہیں بلکہ بوجہ مساوات ہے مکلف کو عذاب بالنار ہوتا ہے بہائم میں بدلدیکر معدوم کئے جاوینگے اور یہ قصاص اُس امر میں ہے کہ خلاف حکم کے ہو گوشت کھانے کی جہاں اجازت ہے وہ عین عدل و امتثال امر ہے وہاں کیا ظلم تھا جسکا قصاص ہوا اور جس جانور کو طعمہ دوسرے جانور کا بنایا گیا وہ بھی برمحل ہوا یہ قصاص ایسے امر میں ہوگا جیسا ایک بیل نے دوسرے کو سینگ خواہ مخواہ مار دیا یا دو جانور باہم لڑے اور ایک کے سینگ میں دوسرے کے نہیں تو بلا سینگ کے زیادہ چوٹ لگ گئی۔ بہرحال یہ مقاصاۃ بوجہ تکلیف نہیں ہے مکلف کی سزا دونخ وغیرہا سے ہے جو مصرح نصوص ہے فقط واللہ اعلم۔

(ش ۷) قولہ صلے اللہ علیہ وسلم "فاخرج من کان فی قلبہ ادنی ادنی مثقال حبۃ خردلۃ من ایمان فاخرجہ من النار" اسکو مقتضی ہے کہ جس شخص میں ادنی سے ادنی درجہ ایمان کا ہوگا وہ بشفاعت حضرت سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نار سے خارج ہوگا تو پھر اسکے بعد جو ارشاد ہوا "فاقول اُئذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ فاخرجن منہا من قال لا الٰہ الا اللہ" اگر اس سے مراد مومن ہے تو وہ تو پیشتر ادنی درجہ ایمان میں داخل ہو کر تحت شفاعت داخل ہو چکا ہے تو اس جگہ پس ذلک لک کے کیا معنی ہیں اور اگر کافر یا منافق مراد ہے جو طلا تصدیق قلبی کلمہ گو ہوا ہے اور ظاہر یہی ہے کیونکہ درائے ادنی درجہ ایمان کوئی درجہ باقی نہیں تو پھر "فاخرجن منہا" کے کیا معنی ہوئے کفار و منافقین نہ داخل شفاعت نہ مستحق اخراج عن النار۔

(ج) جس نے کلمہ کہا اور دل میں ادنی درجہ تصدیق معانی کلمہ کا ہو وہ مومن ہے کہ ایمان میں تجزی نہیں

کمی زیادتی کیفی ہے یہانتک تو شفاعت سے نکلے آخر درجہ ایمان کا یہ ہو کہ زبان سے کلمہ کہا اور دل میں اسکی تصدیق کا کوئی درجہ نہیں مگر تکذیب بھی نہیں بلکہ قلب اسکا بالکل سادہ ہے تصدیق و تکذیب سے اور تصدیق تکذیب میں مانعۃ الجمع ہو مانعۃ الخلو نہیں پس یہ لوگ بھی آخر کار نکالے جائینگے یہ توجیہ شاید تمکو تعجب میں ڈالے مگر اسکا نشان حدیث سے دونگا اگرچہ مقام دشوار ہے جب علماء سے پوچھو گے تب لطف پاؤ گے ابن ماجہ کے صفحہ ۳۰۳ ابواب الفتن کے باب فی باب القرآن والعلم میں حدیث حذیفہ میں مذکور ہے یہ مضمون وہاں سے نکل آویگا فقط

(ش۸) صفحہ ۴۸۲ "ولا یتکلم یومئذ الا المرسل وکلام الرسل یومئذ اللھم سلم سلم" اسکے بعد مذکور ہے صفحہ ۴۸۶ "شعار المومنین یوم القیامۃ علی الصراط رب سلم سلم" پس ہر دو روایات بظاہر متعارض ہیں؟

(ج) وہ کلام کہ غیروں کے باب میں ہو سوائے رسل کے کوئی نہ کر سکیگا کیونکہ نفسی نفسی کا قصہ ہوگا اور اپنی اپنی حالت میں مدہوش دوسرے سے بالکل بے خبر ہونگے خلاف رسل کے کہ امت کیلئے دعا کرتے ہونگے اور خود مطمئن ہونگے اور مومنین کا کلام اپنی ذات خاص میں ہو کہ عبور کے وقت اپنے حال پر ہر اساں سلم سلم کہتے جاوینگے غرض کلام کے ہر دو جا ایک معنی نہیں کما وضع فقط و السلام اگر کہیں کوئی خدشہ ہو تو مطلع کر دیویں اگرچہ تم جیسے ذکی کا جواب مجھ جیسے مٹھے سے کیا ہو مگر بوجہ آپکے حسن ظن کے جرأت کرتا ہوں استفسارات آپکے سب قوی ہیں ہر ایک جواب دے نہیں سکتا بعد استفسار ظاہر ہو جاویگا والحمد للہ رب العالمین۔

(ش۹) تشرک امتک میں جب امت اجابت مراد ہوئی تو حاصل سوال یہ ہوا کہ آیا امت اجابت شرک کرکے مرتد ہوگی؟ تو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ارتداد بشرک واقع نہوگا تو اس صورت میں اگر نساء دوس کی عبادت ذی الخلصہ بعد قبول اسلام واقع ہوئی تو ارتداد بشرک منفی پایا گیا اور بظاہر مخالف ولا یعبدون حجرا ولا وثنا کے ہوا تو یہ ارشاد کہ جو شخص مرتد ہوا وہ اجابت کی شان سے نکل گیا فہم میں نہیں آیا کیونکہ ہنوز بظاہر تعارض باقی ہے ہاں اگر یہ تسلیم کیا جاوے کہ یہ قصہ بعد اختتام دورۂ اسلام وہبوب ریح ہے تو کوئی خدشہ نہیں مگر اسکے لئے قرینہ درکار ہے۔

(ج) اتشرک امتک الخ میں امۃ موصوف بقید اجابت ہے تو یہ قضیہ مشروطہ ہے مادام الوصف نفی محمول کی ضروری ہے نہ بعد رفع وصف کے اور ایمان و شرک کا اجتماع یہاں مثل "وما یومن باللہ الا وھم مشرکون" الایہ کے ہے جیسا یہود و نصاریٰ باوصف دعوئے کتاب و نبوت مشرک تھے تو بس ارتداد سے خروج عن الامۃ ہوا اقتضیہ کلیہ صادق رہا مگر آپ نے غور نہ کیا ہاں اگر ثبوت شرک نساء دوس کا بعد ریح کے ہو تو خدشہ رفع ہو جاوے فقط

عزیز کا حدث اٹھانے کو اسکا ثبوت ضرور ہوا اگرچہ ضرورت نہ تھی قال مسلم فی صفحہ ۳۹۰ من الاحمری عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لایذہب اللیل والنہار حتی تعبد اللات والعزی الی ان قال ثم یبعث اللہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان فیبقی من لا خیر فیہ فیرجعون الی دین آبائہم الحدیث فارتفع الاشکال والحمد للہ تعالیٰ۔

پس اشکال رفع ہو گیا ۱۲

(شرح) صفحہ ۳ حدیث حسن یہاں اطلاق حسن خلاف اصطلاح ہے کیونکہ شرط حسن تعدد طرق ہے اور اس روایت کی نسبت کہا ہے کہ عبدالرحمن بن مفرد ہوا پس اسکا حسن کس اعتبار سے ہے۔

(ج) روایت حسن اصطلاح میں وہ ہے کہ راوی اسکا ضبط میں صحیح کے درجہ سے کم ہو لیکن مرفوع نہو تعدد طرق اسمیں شرط نہیں کیونکہ یہ تعریف حسن لذاتہ کی ہے تعدد طرق کی وہاں ضرورت ہوتی ہے کہ حسن لغیرہ ہو یہ معنی کہ ضعیف تھی دوسرے طرق سے جو اسکو قوت ہوئی وہ حسن لغیرہ ہو گئی اور ترمذی کی باب العلل میں جو تعریف حسن ہیں تعدد طرق لیا ہے تو حسن لغیرہ میں ہی لیا ہے نہ حسن لذاتہ میں اول صفحہ پر ترمذی کے اس عبارت کا ذکر بھی کیا ہے جہاں صحت حسن۔ غریب کے جمع کا ذکر کیا ہے فقط

حضرت امام ربانی قدس سرہ چونکہ علماء ہند کے امام و سرتاج اور مقتدایان اسلام کے مرجع و پیشوا تھے اسلئے حق تعالیٰ نے آپکو دین میں وہ مجتہدانہ فہم عطا فرمائی تھی جس سے آن بالاتجل مسائل معضلہ کا حل ہوتا تھا جن میں اذکیاء کی عقول متحیر اور فقہاء عصر کی افہام عاجز ہو جاتی تھیں آخر کار بحث و مباحثہ ہونے اور غوض کی ماندگی ظاہر ہو جانے پر وہ مسائل و شبہات آپکی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے اور حضرت مخدوم عالم بے تکلف اس طرح جواب عطا فرماتے تھے کہ سائل حیران رہجاتا تھا نیز چونکہ امام ربانی کا وجود باجود حق تعالیٰ کی مسلمان مخلوق یعنی امت محمدیہ کے لئے باعث رحمت اور سبب اصلاح تھا اسلئے جن اغلاط عامہ میں لوگ اسدرجہ مبتلا ہوتے تھے کہ عوام تو عوام خواص کا بھی اس غلطی کے غلطی سمجھنے تک ذہن نہ پونہچتا تھا حضرت مولانا ان غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور اسی وجہ سے بار بار خود تذکرہ فرما کر سامعین کو تبلیغ کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہانتک ہو سکے اسکی ترویج کریں ورنہ آشنا کانوں تک پونہچادیں کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص جس تک یہ مسئلہ پونہچایا گیا اس سننے والے سے زیادہ سمجھدار ہو گو اس قسم کے مسائل اس وجہ سے کہ ابتداءً لوگوں کے کان میں پڑتے تھے اسلئے کہ طبیعت اصحاب بھڑکتے اور عوام کو بھڑکاتے تھے کیونکہ اسوقت تک غلطی میں پڑے رہنے کا الزام ان مولویوں کو اپنے سر ہرگز گوارا نہ تھا علمی دولت کے ملنے سے مغرور و متکبر ہو جانے والی طبائع کب گوارا کر سکتی تھیں کہ جس نا جائز

مضمون کو جائز یا جائز کو ناجائز سمجھکر اتنا زمانہ مولویت کی عزت کے ساتھ گزارا اور اسپر عمل کرکے عوام کے پیشوا و ہادی کہلائے اب اُس بزرگی اور علمی رفعت پر بٹہ لگے اور متبعین کو یہ ظاہر ہو کہ ہمارے مولوی صاحب کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا یا معلوم تھا مگر غلط اسوجہ سے ایسے مسائل بجائے اسکے کہ شکر گزاری کے ساتھ سر اور آنکھوں پر رکھے جاتے مخالفتوں کا لباس پہنکر بہت ہی خطرناک بنجاتے تھے متعصبین و متکبرین اور مخالفین و متعنتین کو بے باکی اور زبانی ایذا رسانی فحش بیانی کا اسدرجہ موقع ملجاتا تھا کہ ایمان کے لالے پڑجاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ امام ربانی مسئلہ بیان فرماتے ہی مردہ سنت کے احیا کا اجر حاصل فرمالیتے تھے اور اسکے بعد مخلوق کی ایذا رسانی اور آپ کے غایت صبر و تحمل سے جو کچھ آپکے مدارج عالیہ میں ترقی ہوتی تھی اُسکا تو کوئی شخص اندازہ ہی نہیں کرسکتا مگر تاہم آپ کے ضعیف القلب متوسلین اس نوع سے بہت کوفت پاتے اور مناظرہ مباحثہ تحریری و تقریری تک نوبت آجاتی تھی۔

اِس جگہہ مناسب سمجھتا ہوں کہ پینتیس مسائل اس مبحث کے بیان کردوں تاکہ امام ربانی کے اُس مرتبہ علمی اور درجہ فقہی پر فی الجملہ دلالت ہوجائے جو مرجع العلماء ہونیکی حیثیت سے حق تعالیٰ نے آپکو عطا فرمایا تھا فقہی مسائل میں اذکیاء کے شکوک رفع کرنے اور اختلافی امور کا سدباب سچا فیصلہ فرمانیکی جو اعلیٰ قابلیت منجانب اللہ آپکو ملی تھی مسائل مفصلہ ذیل سے ظاہر ہوجائیگی جسکی بنا پر ہم غلاموں کی زبان سے قطب العالم مرجع العلماء سلطان العارفین مجدد زماں وحید عصر القاب آپکی شان میں نکل رہے ہیں +

شبہات فقہیہ و مسائل مختلف فیہا

(مسئلہ ۱) مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف بالاستہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل تو معطی چندہ اگر مرجاوے تو غرباء و ورثاء کا حق ہے اسکی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام و خلفاءؓ میں جو بیت المال تھا اُس میں بھی یہ اشکال جاری ہے بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیئے اور مستہلک ملک مستہلک ہو کر جو صرف کیا جائے اسکا متبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ یا امین انجمن کو سخت دقت ہے امید کہ جواب باصواب سے تشفی فرماویں۔

(ج) مہتمم مدرسہ کا قیم و نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسا امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے پس جو شے کسی نے مہتمم کو

مولانا اصادق الیقین صاحب

وی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اسکے قبض سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکمیتہ والذوات ہوں مگر نائب معین ہے پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی کی نہیں نہیں ہو سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہو گی اور نہ خود معطی کی ملک رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۲) اکثر لوگ عورتوں کو مسلمان کر کے فوراً نکاح کر لیتے ہیں اور شوہر کافر پر اسلام پیش نہیں کرتے یہ نکاح تو نہوتا ہو گا اور پیش کرنے پر بھی اگر انکار کرے تو تفریق میں قاضی کی ضرورت ہے وہ یہاں ہے نہیں البتہ اگر دار الحرب ہو تو تین حیض گزرنے سے بینونہ ہو جاویگی۔

(ج) عورت کو مسلمان کرنے کے ساتھ ہی نکاح کرنا درست نہیں اگر ذات زوج ہے جیسا آپ نے لکھا ہے اسی طرح درست ہو گا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۳) خبر مسلم کی دیانات میں مقبول ہے نہ کافر کی اور معاملات میں دونوں کی مقبول ہے پھر مسلم عادل و فاسق میں فرق کیا ہے کہ فاسق میں تحرّی واکبر رائے معتبر ہے نہ عادل میں پھر درمختار میں جزئی لکھی ہے "جاریۃ لزید قال بکر وکلنی زید بیعہا حل لہ شراؤہا وطؤہا الخ" اسمیں تفصیل کی ہے کہ اکبر رائے پر عمل کرنے اطلاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر خواہ عادل ہو یا فاسق (دونوں میں تحرّی واکبر رائے ضروری ہے) حالانکہ عادل میں تحرّی شرط نہیں ہے؟

(ج) جاریہ کے مسئلہ میں تحرّی کی ضرورت درصورۃ فسق مخبر ہے چنانچہ ہدایہ میں مقید کر دیا ہے عادل میں ضرورت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۴) کھانے کے قبل ہاتھ دھونا کسی حدیث یا روایت فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

(ج) ترمذی میں "باب الوضوء قبل الطعام وبعدہ" ضبط کیا ہے اور حدیث بیان کی جسمیں یہ جملہ ہے "فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۵) ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے لیکن زکوٰۃ نہیں دیتا اور مشرکین کے خورد نوش و شادی و غمی میں شریک ہوتا ہے ایسے شخص کا نماز روزہ قبول ہے یا نہیں اور اسلام میں داخل ہے یا نہیں۔

(ج) جو شخص نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ نہیں دیتا اور مشرکین کی شادی غمی کا شریک رہتا ہے اسکی نماز قبول ہوتی ہے۔ اس وجہ ترک زکوٰۃ سے اور دیگر امور غیر مشروعہ کے ارتکاب سے فاسق ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرہ الآیہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۶) چند لوگوں نے ایک بزرگ عالم سے بیعت کی تھی وہ بزرگ اس دار فانی سے رحلت گزین عالم جاودانی ہوئے اب مریدین کسی دوسرے بزرگ سے بیعت ہو سکتے ہیں یا نہیں اور تجدید بیعت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ج) ہر قسم کی بیعت کی تجدید درست ہے اگر بیعت توبہ ہو تو جب معصیت ہو گئی دوبارہ توبہ کرنا ضرور ہے خواہ اس پہلے بزرگ کے ہاتھ پر ہو خواہ دوسرے بزرگ کے ہاتھ پر اور اگر بیعت دخول سلسلہ کی تھی تو دو تین سلسلوں میں داخل ہونا قدیماً و حدیثاً جاری رہا ہے اور جو بیعت کسی نسبت کے حاصل کرنے کے واسطے تھی تو بعد موت کے دوسرے بزرگ سے تحصیل نسبت کا ضرور ہو گا کیونکہ سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ افادہ احیا سے ہوتا ہے نہ اموات سے اگرچہ علی الشذوذ اویسیہ بھی ہو جاتی ہے۔ اور تجدید بیعت ہر ہر خاندان میں بزرگان و اکابر دین سے کی ہے کچھ مخفی نہیں بیعت کرنا عہد استوار کرنا توبہ کا مودت قوم کا یا تلمذ کا ہے پس اسکی تکرار و تجدید کی کوئی وجہ منع کی نہیں صحابہؓ نے بعد انتقال فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلفاء اربعہ سے علی الترتب بیعت کی اور بعد فوت ایک استاد کے دوسرے سے تعلم کا طریقہ جاری رہا بہر حال تجدید بیعت کوئی امر خلاف شریعت و طریقت کے نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ش۷) روافض و اہل سنن میں مناکحت جائز ہے یا نہیں؟۔

(ج) جن لوگوں کے نزدیک رفاض کا حکم مرتدین کا ہے انکے نزدیک ہرگز نکاح جائز نہیں اور شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ کا فتوی اسی پر ہے اور جن لوگوں کے نزدیک رافضیوں کا حکم اہل کتاب کا ہے تو ان کے نزدیک رافضیہ عورت کا مرد سنی سے نکاح جائز ہے اور عورت سنیہ کا مرد رافضی سے جائز نہیں اور بعض علماء نے جو انکو فاسق کہا ہے تو اس صورت میں نکاح ہو جاتا ہے مگر یہ اچھا نہیں کہ اس میں فساد دین کا ہے اور بندہ کے نزدیک رفاض کا حکم اہل کتاب کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ مقدار صدقہ فطر اوزان مروجہ ہندوستان کے حساب سے کسقدر ہے کلام فقہاء سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ صاع = ۴ من اور من = ۲ رطل اور رطل = ۱۲ استار اور استار = ۶۰ درہم اور درہم = ۱۴ قیراط اور قیراط = ۵ جو اس حساب سے صاع ۴۰۰ درہم کا ہوا دریافت طلب وزن درہم ہے کہ مشہور ۳ ماشہ ہے حالانکہ حساب مذکور سے کم ہوتا ہے یعنی درہم = ۷ جو کا ہوا اور رتی ۴ جو کی ہوتی ہے تو درہم ۲ ماشہ ۱ رتی کا ہوا وزن مشہور اور اس وزن کی مخالفت سے مقدار میں تفاوت عظیم ہو گا علیٰ ہذا نصاب زکوٰۃ بھی وزن مشہور یعنی ۵۲۔ تولہ چاندی سے کم ہو گا امید کہ مفصل ارشاد فرما کر تشفی فرماویں اگر تولوں کے حساب سے ارشاد ہو تو یہاں کے وزن سے حساب معلوم ہو جائے؟

(ج) ۷۰ جَو کی دم کر کے اُس سے درہم بنا لو اور حساب کر لو اور رتی جو ۴ جَو کی لکھی ہے غلط ہے بلکہ تین جَو کی رتی ہوتی ہے۔

(ش ۹) زید کہتا ہے کہ بہت باتیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دین میں رہ گئی تھیں بعد میں جب علماء نے غوض کر کے وہ باتیں نکالیں اُسوقت دین کامل ہوا ہے۔ بکر کہتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی بات دین میں چھوڑ گئے ہوں جسکی تکمیل بعد میں کوئی کرے اور نقص دین کا ذمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لگاوے ایسا شخص کافر ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا پس زید و بکر میں کسکی رائے صائب اور کون قول صحیح ہے بینوا توجروا

(ج) تکمیل دین کی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی بایں معنی کہ نصوص کلیہ ایسی نازل فرمائی گئیں کہ اُن سے نصوص تمام جزئیات دین کی جو قیامت تک پیش آئیں نکل سکتی ہیں اگرچہ تصریح جزئیات کی نصوص میں مذکور نہیں پس بایں معنی تکمیل دین ہو چکی اور اخراج و استنباط جزئیات کا جو نص میں مذکور نہیں بعد میں مجتہدین و علماء نے کیا اگر یہ معنی نقصان سے مراد زید کی ہے مگر تعبیر و بیان میں نقصان ہے تو یہ عقیدہ قول درست ہے ورنہ کلمہ کفر ہے کہ خلاف نصوص قطعی کے ہے واللہ اعلم۔

(ش ۱۰) زید کے والدین مجالس عرس و مولد شریف و گیارہویں شریف وغیرہ بڑی محبت و اعتقاد سے کیا کرتے ہیں اور اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف کا منکر وہابی اور ایمان سے خارج ہے اور چونکہ زید وہابی ہو گیا ہے یعنی ہمارے عقیدہ و اور ان مبارک اعمال سے بیزار ہے بلکہ انکو معصیت سمجھتا ہے اور کبھی ان مجالس حسنہ میں شریک ہو کر سعادت حاصل نہیں کرتا اسلئے اُسکے والدین بھی اس سے سخت ناخوش و بیزار ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک زید توبہ نہ کرے اور مجلس مولود شریف منعقد کر کے خود مولد شریف نہ پڑھے تب تک میں ہرگز اس سے راضی نہونگا اور نہ اسکا منہ دیکھونگا اور نہ بولونگا چنانچہ قسم بھی کھالی ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ امور بدعت اور گناہ ہیں اسلئے میں انکو ہرگز اختیار نہیں کر سکتا اور معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں ہے پس از روئے شرع شریف زید حق پر ہے یا اُسکے والدین اور زید کو ان امور مروجہ میں شریک ہو کر اپنے والدین کو راضی کرنا کیا واجب نہیں ہے اور کیا والدین کو مکدر و ناخوش کرنا گناہ اور موجب ناخوشی خدا و رسول نہیں ہے؟

(ج) زید اپنے اس مقال و خیال میں سچا ہے کہ یہ مجالس جس التزام و منکرات سے یہاں ان دیار میں منعقد کی جاتی ہیں معصیت سے ہرگز خالی نہیں ہیں اور اُن میں شرکت درست نہیں ہے۔ ایسے امر میں کہ جو معصیت ہے

اطاعت والدین لازم نہیں ہے بلکہ ناروا ہے قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق البتہ اگر والد زید صرف اسقدر خواہاں ہے کہ زید تنہا یا کسی ایسی مجلس میں جہاں امور منکرہ نہ ہوں اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو کہ جسکے ساتھ مجالست وغیرہ ناروا ہے، تو ایسی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میلاد شریف یا آپ کے غزوات و عادات و آداب و سخن کا بیان کرے جو معصیت نہیں ہے عین عبادت ہے اس سے دریغ اور انکار زید کو بلا وجہ شرعی مناسب نہیں ہے اور پدر زید کو زید پر یہ جبر کرنا کہ وہ مجالس منکرہ قبیحہ میں شریک ہو یا ایسی مجلس خود منعقد کرے ہرگز درست نہیں ہے اور نفس ذکر آپکا معصیت نہیں بلکہ انہیں اور کسی قسم کی معصیت کا شائبہ نہ ہو۔ اور جو مجالس کہ ان میں کسی قسم کی خرابی اور معصیت نہیں ہے انہیں بھی اگر زید شریک نہ ہو تو اسپر کچھ ملامت نہیں ہے کیونکہ نفس ذکر مندوب ہے اور مندوبات کے ترک پر ملامت اور طعن مناسب نہیں ہے اور یہ اعتقاد کہ منکر مولود وغیرہ مجالس کا کافر ہے ہرگز بجا نہیں ہے ایسا اعتقاد رکھنے والے سخت خاطی ہیں۔

(مش ۱۱) زید نے ثواب صوم حاصل کرنے کے لئے عمر کی دعوت افطار کی۔ عمر نے اپنی جہالت اور عقیدہ فاسدہ سے اپنے نمک یا اور کسی چیز سے چکھ کر روزہ افطار کر لیا تا کہ ثواب صوم جانے نہ پاوے بعدہ اشیاء زید مبذول تناول کیں ایسی حالت میں زید کو ثواب افطار کرانے کا موافق حدیث کے ملیگا یا نہیں؟

(ج) روزہ دار کو کھانا کھلانے سے کھلانے والے کو پورا ثواب ملیگا اگرچہ روزہ دار نے اپنی کسی چیز سے روزہ افطار کر لیا ہے واللہ اعلم۔

(مش ۱۲) حقہ کا پینا حلال ہے یا حرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ جمہور اطباء کا یہ قول ہے کہ طب کی رو سے حقہ کا پینا بجز صرف بیجا اور لہو و لعب کے کوئی نفع کسی قسم کا نہیں رکھتا پس اگر درحقیقت یہ قول صحیح ہے تو پھر اسکا پینا اسراف بیجا اور لہو و لعب میں داخل ہو یا نہیں اور اگر اسراف بیجا اور لہو و لعب میں داخل ہے تو پھر اسکی حرمت و حلت میں تحریراً کیا حکم ہے مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مسائل اربعین میں لکھتے ہیں۔

ودلیل المسئلۃ علی ان الملاہی کلہا حرام اور رواج اس حقہ کا قہوہ و ثلثہ میں تھا یا نہیں اور اگر بعد قرون ثلاثہ کے یہ رواج پایا ہے تو پینا اسکا بدعت سیئہ میں داخل ہے یا نہیں اور حقہ کے دھوئیں کی بدبو سے اور حقہ کش کے دہن کی بدبو سے جیسی کچھ تکلیف انسان کو پہنچتی ہے وہ ظاہر ہے چنانچہ اس دلیل پر حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز قدس سرہٗ نے اسکو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

(ج) حقہ کے باب میں بہت فتاوی اور رسائل طبع ہوئے اور بحث مباحثہ ہوا مگر بندہ کے نزدیک راجح

اور مسئلہ مذکورہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ لہو و لعب کی جملہ اشیاء حرام ہیں

اور حق یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اسوقت میں علاج بلغم ہے اگر ازالہ بدبو کا ہو جاوے تو مباح بلا کراہت ہے باقی تکلفات ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۳) ہمارے دیار میں رواج ہے کہ ناچ باجہ کے بغیر شادی بیاہ نہیں کرتے اور عملاً اسکو فرض و واجب سے بہت بڑا رکھا ہے مستفتی اگر خیال کرے تو ہزارہا مسلمانوں میں سے ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جسکا نماز روزہ کبھی کسی حال میں قضا نہ ہوئے پاتا ہو اور نکاح بدون ناچ باجہ کبھی کوئی کرتا ہی نہیں اور اگر احیاناً کبھی کسی شخص نے بخوف خدا یا اپنے افلاس و محتاجی کے باعث اسکو موقوف بھی کیا تو کوئی اسکا شریک حال نہیں اور اگر کوئی فرد بشر شریک حال ہوا بھی تو نہایت کراہت کے ساتھ پس یہ تو یقینی علم ہے کہ ناچ باجہ قطعی حرام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ گناہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا مرتبہ کفر پر پہنچا دیتا ہے پس از روئے شرع شریف ایسے لوگوں کے حق میں کیا ارشاد ہے؟

(ج) ایسے لوگ فاسق ہیں اور جب تک مسلم کے فعل و قول کی تاویل ہو سکے تکفیر کرنا روا نہیں پس بارتکاب ایسے افعال کے وہ فاسق ہوئے کافر کسی کو نہ کہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۴) اندنوں تالابوں کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہے دھوبیوں نے انہیں تالابوں میں کنویں کھود لئے ہیں انہیں کنوؤں کا پانی ناندوں میں بھرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ نجس و ناپاک اور طاہر و پاک سب کپڑے ایک ہی میں شامل کر کے دھوئے جاتے ہیں اور ان ناندوں کا پانی کنوؤں میں اور کنوؤں کا پانی ناندوں میں بلا تکلف جاتا ہے اور دھوبی طریقہ طہارت کا بھی نہیں جانتے اور اگر انکو طریقہ تطہیر بتایا بھی جائے تو اسپر عمل نہیں کرتے علاوہ ازیں تمام کپڑے بکری کی مینگنیوں میں شب کو سوندکر دن کو دھوتے ہیں بدوں سوندے ہوئے نہیں دھوتے پس اس قسم کے کپڑوں کی طہارت میں کیا ارشاد ہے یعنی ایسے کپڑے بدوں گھر میں طاہر کئے ہوئے جائز الاستعمال ہیں یا نہیں اور ایسے کپڑوں پر نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) یہ امر محقق نہیں ہے کہ آپ کے کپڑوں کے ساتھ مثلاً نجس کپڑا ملایا ہی گیا تھا اور اس چاہ کا پانی جسوقت آپکا کپڑا دھویا گیا مثلاً نجس ہی تھا لہذا آپ کے کپڑے پاک ہیں عملی ہذا ہر فرد بشر کے کیونکہ اصل شے کی طہارت ہے اور پانی در اصل طہور ہے اسکی نجاست اسوقت ثابت ہو کہ وقوع نجاست اور عدم خروج یقینی ہو جبکہ یہ امر مشکوک ہے تو شک سے نہ کوئی چیز نجس ہوتی ہے اور نہ کوئی شے ثابت ہوتی ہے اور کپڑا دھوبی سے دھو کر آپکے پاس آتا ہے وہ پاک ہے کوئی وجہ نجاست کا اسمیں نہیں اور یہ امر کہ نجس پانی سے

صاف کیا گیا آپکو معلوم نہیں والیقین لایزول بالشک بعد اسکے مذہب مالکیہ میں پانی نجس ہی نہیں ہوتا (یقین زائل نہیں ہوتا شک سے)
جب تک کوئی وصف نجاست کا پانی میں ظاہر نہو جائے اور کپڑے میں کوئی وصف ظاہر نہیں لہذا پانی پاک اور کپڑا پاک علیٰ مذہب مالک ایسی ضرورت میں مذہب دیگر ائمہ کا اختیار کرنا باتفاق جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(ش۱۵) رمضان شریف کی نماز تراویح میں مسجد کے اندر بعد ادائے چار رکعت وقت تسبیح معمولی اور دعا کے اگر تمام مصلی متفق ہو کر بہ نیت رونق و کیفیت و شوکت اسلامی ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بآواز بلند کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اس طرح ذکر کرنا بعد جلسہ تراویح کے صحابہ و تابعین سے منقول نہیں لہذا یہ ہیئت بدعت ہے کما قال فی الواقعات قراۃ الفاتحۃ بعد المکتوبۃ لاجل المہمات وغیرہا مکروہۃ لانہا بدعۃ لم ینقل عن الصحابۃ والتابعین انتہی
اور بحر الرائق میں روایت ہے عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع قوما اجتمعوا فی المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا فرح الیہم فقال ما عہدنا فلک فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وما ارکم الا مبتدعین الخ
ان دونوں سند سے دریافت ہوا کہ اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقع پر کوئی طرز خاص قرون ثلثہ میں پایا گیا ہے اسکو دوسری طرح بدلنا بدعۃ ہے پس ہر چند کلمہ طیبہ جہراً جائز ہے اپنے موقع جواز پر مگر جلسہ تراویح میں اسطرح ثبوت نہیں تو اس طرح ثبوت نہیں تو اسطرح کرنا بدعۃ ہوگا معہذا عوام اسکو سنت سمجھ جاوینگے اور جس مباح کو عوام سنت جانیں وہ بدعۃ ہو جاتا ہے قال فی العالمگیریہ ما یفعل عقیب الصلوٰۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فہو مکروہ کذا فی الزاہدی انتہی بہرحال ذکر اسطرح کرنا بدعت ہے اگرچہ نفس ذکر کلمہ طیبہ کا جہر سے درست مگر اس موقع پر کہ قرون خیر میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہوا بلکہ یہ محل اخفا کا ہے لہذا بدعت ہوا اور نیز اسمیں فساد عقیدہ عوام کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۱۶) جس چارپائی میں کھٹمل ہوں اسپر کھولتا ہوا پانی کھٹملوں کے دفعیہ کی غرض سے ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بات تو مشہور معروف ہے کہ آگ و پانی کا عذاب کسی جاندار کو دینا خواہ انسان ہو یا حیوان بجز اللہ جل شانہ کے اور کسی کو جائز نہیں مگر سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں چونکہ کھٹمل موذی ہیں اسلئے انکے دفعیہ کے لئے گرم پانی چارپائی میں ڈالنا کچھ مضائقہ نہیں۔

(ج) گرم پانی سے کھٹمل مارنا در اصل احراق ممنوع نہیں ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش۱۷) یہاں یہ امر شائع ہے کہ مردہ کی مغفرت کے لئے قرآن مجید اس طرح دیتے ہیں کہ میت کے صوم و صلوٰۃ

(یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ) ہر مباح جو یہانتک پہونچا ہے وہ مکروہ ہے ایسا ہی زاہدی میں ہے ۱۲ مؤلف

وغیرہ جو کچھ تمام عمر میں فوت ہوئے اُسکا تخمینہ کرلیا پھر جسقدر روپیہ اُسکے حقوق کا فدیہ ہوا اُسکا حساب کرلیا بعدہ ایک شخص کو روبرو بٹھلا کر کہا کہ فلاں کے حقوق کا فدیہ اسقدر روپیہ ہوا اس روپیہ کے عوض تم قرآن مجید ہم نکو دیتے ہیں اُس نے وہ قرآن مجید قبول کرلیا اگرچہ فدیہ فی ہوا و قیمت قرآن مجید کی صہ ہو۔ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید بے بہا شے ہے جو کچھ اسکی قیمت ٹھیرائی جائے وہ بجا ہے اسکو مسئلہ اسقاط کہتے ہیں شرعاً یہ حیلہ درست ہے یا نہیں اور مفید میت ہو سکتا ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو جو قرآن مجید کہ ورثہ میت نے دیئے ہیں اُنکی نسبت کیا حکم ہے جسکو دیئے ہیں وہ اُسکا مالک ہو گیا یا اُسکا واپس کرنا اُسپر لازم ہے ورثہ میت فدیہ حقوق میت کیا حکم ہے جسکو دیئے ہیں وہ اُسکا مالک ہو گیا یا اُسکا واپس کرنا اُسپر لازم ہے ورثہ میت فدیہ حقوق میت اگر بوجہ افلاس ادا نہ کرسکیں تو اور کوئی حیلہ مشروع ہے یا نہیں؟

(ج) صورت اولیٰ عند الضرورت درست ہے اور جیسے آجکل شائع ہو گیا ہے کہ باوجود میت پر قضاء روزہ نماز و کفارہ لازم نہ ہونے کے بھی اس رسم کو پورا کیا جاتا ہے یا باوجود اُسکے بہت سے اموال ترکہ میں چھوڑنے کے اور اُسپر قضاء و کفارہ روزہ و نماز لازم ہونے کے پھر بھی اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور فقراء کی حق تلفی اور اللہ جل شانہ عم نوالہ کے ادا حقوق میں دھوکہ و حیلہ برتا جاتا ہے یہ اصلا درست نہیں ہے اسکے مرتکب گنہ گار و خاطی اور بدعتی یا چور ہیں فقط واللہ اعلم۔

(مش ۱۸) طعام المیت کی حد کیا ہے جو کھانا ایصال ثواب کے لئے فقراء کو دیا جاوے اسی کا کھانا مکروہ ہے یا جو کھانا سوم وغیرہ میں برادران کو تقسیم کیا جاتا ہے نہ واسطے ایصال ثواب کے بلکہ محض ایک رسم ادا کرنے کے واسطے وہ بھی طعام المیت ہے؟ اگر یہ بھی طعام المیت ہے تو بزرگوں کی فاتحہ کے کھانے (جسکو نیاز بولتے ہیں) اور اس کھانے میں کیا فرق ہے کیونکہ ایصال ثواب تو بزرگوں کے فاتحہ میں بھی مقصود نہیں ہوتا ہے والا خود نہ کھاتے بلکہ مجوزین محض فعل مستحسن سمجھتے ہیں اور فاتحہ کہکے کھا لیتے ہیں سوم کے کھانا پر بھی فاتحہ ہوتا ہے اور کھا لیتے ہیں برادران میں تقسیم کر دیتے ہیں بلکہ فاتحہ بھی نہیں ہوتا ہے یوں ہی تقسیم کر دیتے ہیں جواب صاف بدلائل واضحہ بیان فرمائیے۔

(ج) طعام المیت وہی ہے جو ایصال ثواب کے لئے طیار کیا جاوے اور جو طعام برادری کی نمود کے واسطے طیار ہوتا ہے وہ طعام المتبارین ہے اُسکی ضیافت قبول کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تقبلوا طعام المتبارین اور جو بزرگوں کے ایصال ثواب کے واسطے پکاتے ہیں وہ بھی طعام المیت ہے اُسکا حکم بھی وہی ہے جو عام کے ایصال ثواب کے واسطے ہووے اصل وجہ یہ ہے کہ صدقہ کا طعام موجب ضعف

(۱) قبر کی کیا کرو کھانا ہم تفاخر کرنے والوں کا

قلب کا ہوتا ہے کہ عمدۃً معصیت کو زائل کرتا ہے تو یہ طعام مثل آب مستعمل کے ہوتا ہے کہ ایک گونہ اسمیں تکدر ہے اسی واسطے بنی ہاشم کو منع ہے بوجہ اُنکی عزت کے یہانتک کہ زکوٰۃ میں نہایت تکدر ہے مگر اہل مصرف کے حلال ہے گو تکدر ہو للضرورۃ اگر مصرف اجتناب کرے اگرچہ مصرف کو مباح ہے اور کوئی گناہ نہیں مگر تکدر سے خالی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۹) خواص ادویہ کا دارمدار تجربہ پر ہے انہیں تو اثر ہوا بعض دعویہ جنکا ثبوت الہام و وحی سے ہوا ہے اُنمیں بعض وقت اثر ہوتا ہے اور بعض وقت نہیں یا بعض اشخاص کے ہاتھ پر اثر ہوتا ہے اور بعض کے ہاتھ پر نہیں اسکی کیا وجہ ہے حالانکہ شرعی منافع عام امت کے واسطے ہیں اور موثر حقیقی ہر جگہ حق تعالیٰ شانہٗ ہے

(ج) تاثیر دعا حق ہے مگر اُسکے موانع بعض وقت ہوتے ہیں اُنکی خبر کسی کو نہیں ہوتی لہٰذا اثر نہیں ہوتا مثلاً تلوار کا قطع کرنا مشاہد ہے مگر بعض وقت سیدھی تلوار پڑتی ہے تو قطع نہیں ہوتا یا نرم جسم پر اثر نہیں ہوتا ایسا ہی حال دعوات کا ہے کہ بعض موانع خفیہ ہوتے ہیں اُسکی خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہے وہ مانع تاثیر ہوتے ہیں۔

(ش ۲۰) یہاں دو مولویوں میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ تار کے ذریعہ سے رویت ہلال عید و رمضان کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں امید کہ آنحضرت مسئلہ کی تحقیق اور رائے سامی سے مطلع فرماویں کہ تار برقی از روئے فقہ کس شے کے حکم میں داخل ہے؟

(ج) تار برقی کا حال مثل تحریر خط کے ہے کہ نسخ و نستعلیق بھی نقوش اصطلاحی ہیں جیسے انگریزی ناگری وغیرہا اور حروف تار بھی اصطلاحات ہیں پس جیسا خط سے خبر ملتی ہے ویسا ہی تار سے تحریر کے ذریعہ سے ملتی ہے اگرچہ قلم تحریرات کا کوتاہ اور تار کا قلم طویل ممتد ہے پس جیسا تحریر خط میں وسیلہ معتبر عادل ہونا ضرور ہے تار میں بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے۔ چونکہ تار کے دینے لینے والے کفار فساق غیر معتمد ہیں امور دینیہ میں لہٰذا تار کا اعتبار چاہیئے کہ نہ ہو مگر جو ہر دو طرف عدول ہوں۔ پس یہ تو اصل قاعدہ ہے کہ دیانات میں قول کافر کا معتبر نہیں بناءً علیہ تار کی خبر معتبر نہیں اسپر کاربند نہ ہو صوم میں نہ افطار میں مگر زمانہ حال کو دیکھکر کہ تار کی خبر صحیح ہوتی ہیں چونکہ غالب ظن قلوب میں اُسکے صدق کا راسخ ہوگیا ہے تو اگر اپنے غلبہ ظن کی وجہ سے عمل کر لیوے تو وجہ ہو سکتی ہے صوم میں ایک عدل کی خبر اور افطار میں عدلین کے اخبار پر تو بھی بعید نہیں باعتبار زمانہ کے۔ پس بندہ دونوں فریق کو حق پر جانتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ تار برقی اخبار ہے بذریعہ کتابت کے فقط واللہ اعلم۔

(اسی والا نامہ کے جواب میں مولوی ممتاز علی صاحب نے کوئی تحریر ارسال خدمت حضرت قدس سرہٗ کی

تھی جسمیں کچھ شبہات تھے جنکا مبنی خیال کی غلطی تھی اُسکے جواب میں جو الانامہ حضرت کا پہنچا ہے چونکہ وہ اسی مسئلہ کی توضیح ہے جس میں حضرت نے اپنے غلبۂ خیال ورائے کو اشارۃً ظاہر فرمایا ہے اسلئے اُسکا اندراج بھی مناسب ہے وہو ہذا) فقہا نے لوگا یہ قاعدہ کہ دیانات میں قول کافر کا معتبر نہیں مطلق لکھا ہے اور فاسق کا اگر تحری اُسکے صدق کی ہو تو معتبر ورنہ غیر معتبر اور امور شاہی میں بھی ایسا ہی جزئیہ لکھا ہے کہ اگر حاکم اعلیٰ کا حکم نائب کو پہنچے بذریعہ ثقہ تو معتبر ہے ورنہ نہیں اور کتاب القاضی الی القاضی بھی احکام حکومت ہی ہوتے ہیں جسکے گواہاں میں کسقدر احتیاط کرتے ہیں سو آپکا اس قاعدہ کو مقید کرنا تو درست نہیں ہوتا مگر یہاں یہ کہ بعض اوقات قرائن صدق ہوتے ہیں وہاں عمل کرلیوے تو عجب نہیں اگرچہ کافر کا قول ہو۔ سو وہ تحری اور قرائن کا قصہ ہوا کہ بعض روایات سے کافر کی خبر میں بھی تحری کے ساتھ عمل کرنا دیانات میں جائز کردیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ خاص رویت ہلال میں فاسق کا بھی قول فقہا قبول نہیں کرتے بلکہ مسلمین عدول کا ہونا لکھتے ہیں تو ایسی حالت میں ذریعہ فاسق کا بھی لغو ہوگا اور فقط فجر کا عادل ہونا جب کہ فی ہو کہ وہ خود زبان سے کہے دانہ الحظ یشبہ الخطا وعدم اعتبار درمیانی لوگوں کا ہونا اُسکو غیر معتبر بنادیتا ہے پس اصل قاعدہ تو عدم قبول کا ہے مگر قرائن سے اگر قبول کرلیویں کہ چند قرائن جمع ہوجاویں اور ظن حاصل ہوجاوے وہ دوسری بات ہے اسی واسطے بندہ نے بھی شائد لکھا ہوگا کہ قرائن سے عمل کرلیوے تو جواز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے فقط۔

(ش ۲۱) غلہ کی تجارت مطلقاً حرام ہے یا کسی طور جائز بھی ہے اور احتکار ممنوع کی تعریف کیا ہے تو ضیح ارشاد فرماویں

(ج) غلہ کو خرید کر رکھنا اسطرح کہ خریدنے سے کسی کو نقصان نہ ہو جائز ہے اور پھر اگر یہ نیت کرے کہ جب گراں ہوگا فروخت کرونگا تو یہ نیت تمام عالم کے نقصان کی ہوئی گرانی سے خوش ہوتا ہے اور ارزانی سے ناراض پس اگر یہ بات نہ ہو تو درست لہذا یوں کرے کہ غلہ کثیر خرید کر فروخت کرنا شروع کردیوے جو کچھ نرخ بازار کا ہو اُسی پر بیچتا رہے انتظار گرانی کا نہ کرے تو احتکار نہ ہوگا۔ غرض تجارت غلہ میں بُری نیت کا گناہ ہے تجارت میں حرمت نہیں ہے اسی واسطے اس تجارت کو غیر محمود لکھا ہے کہ نفس کی چوری سے بچنا دشوار ہے الحاصل تجارت غلہ منع نہیں مگر نیت کی خرابی کو منع کرتے ہیں پس جسمیں مدعا ہی خلق کی نہو اُسکو کون منع کرتا ہے فقط۔

(ش ۲۲) ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو مار پیٹ کر اور یہ الفاظ کہکر اپنے مکان مسکونہ سے نکالدیا اور زیور وغیرہ اپنا لے لیا کہ "میں تجکو نہیں رکھتا اور میں نے تجکو چھوڑ دیا" پس وہ عورت اپنے والدین کے گھر میں چلی آئی اور بعد عرصہ چھ یا آٹھ ماہ کے اُسکے خاوند کی طرف سے طلاقنامہ لکھا گیا اور تحریر کے ایک ماہ بعد عورت مذکورہ نے

نکاح ثانی کرلیا پس یہ نکاح ایام عدت میں ہوا یا نہیں اگر ایام عدت میں ہوا تو اب کیا کرنا چاہیئے ؟

(ج) طلاق عورت پر اُسوقت واقع ہوگئی تھی کہ اُسکے زوج نے کہا تھا کہ تجکو چھوڑ دیا اور طلاقنامہ لکھنے سے صاف واضح ہے کہ اس کلمہ سے غرض اُسکی طلاق دینے کی تھی کہ یہ کلمہ کنایہ طلاق کا ہے تحریر طلاقنامہ سے نیت طلاق کا ہونا محقق ہوگیا پس عدت اُسوقت سے ہوویگی کہ اُسکو گھر سے نکالا تھا لہذا یہ نکاح درست ہوگیا اور بعد انقضاء عدت کے نکاح ہوا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(ش ۲۳) سلس البول یا ریاح کے ہر وقت جاری رہنے سے صاحب عذر سمجھا گیا ہے اُس سے کیا مراد ہے ؟

(ج) ہر وقت جاری ہونے کی جس سے صاحب عذر ہو یہ مراد ہے کہ چار رکعت نماز ادا نہ کرسکے بدون عذر کے اور جو چار رکعت کی قدر عذر بند رہے وہ صاحب عذر نہیں ہوتا بلکہ تندرست ہوتا ہے شرعاً۔

(ش ۲۴) سُرخ رنگ کسنبہ و یا ٹول یا پڑیہ پختہ کا ہو کوئی مباح کہتا ہے کوئی حرام پس مفتی بہ کیا ہے اور مطلق سُرخ کپڑے کا پہننا عالم کو جسکی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اُسکا استعمال کریں کیسا ہے ؟

(ج) کسنبہ کا سُرخ اور زرد اور گلابی مرد کو حرام ہے اور سوائے اسکے سُرخ خام یا پختہ اکثر علماء کے نزدیک درست ہے اگر پہنے تو جائز ہے احتیاط اولیٰ ہے اور عالم کو سُرخ اگر معصفر ہو تو پہننا حرام پہننے والا گناہگار ورنہ کچھ حرج نہیں کہ اُسکے جواز پر فتویٰ اکثر علماء کا ہے فقط واللہ اعلم۔

(ش ۲۵) جانور حلال مثل بکری و گاؤ وطیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے کون کون حرام ؟

(ج) سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں ذکر۔ فرج مادہ۔ مثانہ۔ غدود۔ حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے خصیہ۔ پتہ یعنی مرارہ جو کلیجہ میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہ پر حمل کرتے ہیں فقط

(ش ۲۶) مکان مسکونہ کو رہن دخلی لینا اور اُسمیں سکونت بلا کرایہ اختیار کرنا جائز ہے یا حکم سود میں ہے یا مکروہ ہے اور گناہ کسقدر ہے بعض فقہا کہتے ہیں کہ مکان کو رہن دخلی لینا جائز ہے سود نہیں اس سبب سے کہ رہن کے بعد مرہون پر قبضہ کرنا جائز ہے اور سکونت و قیام کے معاوضہ میں مرمت مکان کی مرتہن کرتا ہے اگرچہ مکان لیاقت ۵ ماہوار کرایہ کی رکھتا ہے اور مرمت میں ۴ ماہوار خرچ ہوتے ہیں تاہم جائز ہے بدیں وجہ کہ راہن نے فقط مرمت پر قناعت کی اسی کو کرایہ تصور کیا۔

(ج) انتفاع رہن سے حرام مثل ربوا کے ہے کسی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ سکونت حلال ہے بلکہ قبض کہا ہے

قبض کو سکونت لازم نہیں اور یہ سب صورت ناجائز حرام ہے فقط۔

(مش ۲۷) ڈھیلے سے استنجا سکھانے اور اس حالت میں سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کے متعلق عام خیال کی اصلاح اور تحقیق حق میں زبانی جو تقریر حضرت قدس سرہ نے فرمائی اُسکو اپنی یادداشت کے موافق ملخصاً درج کرتا ہوں۔

(ج) پیشاب کرنے کے بعد استنجا ڈھیلے سے سکھانا جیسا کہ شائع ہے گویا یہ ہیئت خیر القرون میں نہ تھا مگر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد استنزہوا عن البول فان عامۃ عذاب القبر منہ کے حکم میں داخل ہے اسلئے مستحب ہوا اور اسکا مدار تجربہ پر ہے کہ آجکل عام طور پر ضعف مثانہ کی شکایت ہے اور پیشاب کے بعد قطرہ ضرور آتا ہے جسکا جب جی چاہے تجربہ کر دیکھے یعنی پیشاب کے بعد ڈھیلے سے طہارت حاصل کرکے کھڑا ہو اور قدمچہ سے نیچے پاؤں رکھے عموماً اُسی وقت قطرہ آتا ہے۔ اسی بنا پر غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے والے کیلئے میں کہا کرتا ہوں کہ نماز توڑ دے کیونکہ غیر مقلد ڈھیلے سے استنجا نہیں سکھاتے پس جب قطرہ سے پاجامہ کا دامن نجس ہو گیا تو امام کی بھی نماز نہیں ہوئی مقتدی کی تو کیا ہوگی؟ ہاں بظاہر ہے کہ استنجا سکھانے کی حالت پر پیشاب کرنے کی حالت نہیں ہے پس اس حال میں سلام کرنا یا جواب سلام دینا مکروہ نہیں ہے کیونکہ سلام و کلام کی ممانعت حالت بول میں ہے اسلئے کہ وہی ستر کے کھلنے کا وقت ہے اور بول سے فارغ ہو کر استنجا سکھانا جب کلام کیلئے مانع نہیں ہے تو ذکر اللہ اور سلام کے لئے کسطرح مانع ہو جائیگا او کما قال۔

(مش ۲۸ ج) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عالمگیریہ میں انڈا کو حلال لکھا ہے حالانکہ مشاہدہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ پنجہ سے شکار کرتا ہے لہذا حرام ہے جنہوں نے حلال لکھدیا ہے اُنکو شکار کا حال معلوم نہ ہوگا۔

(مش ۲۹ ج) ایک بار ارشاد فرمایا کہ کنوے کے اندر چھپکلی مر جائے یا پھٹ جائے تو بوجہ عدم خون سائل کے پانی ناپاک نہیں ہوتا جسطرح مچھر تتیہ سانپ یا کنکھجورے کے پانی میں مرنے اور پھٹنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ فقہاء میں جس نے سام ابرص سے کنوئیں کو ناپاک کہا ہے وہ کوئی دوسری نوع ہے جس میں بہنے والا خون ہوتا ہو۔

(مش ۳۰) اگر مقرض روپیہ منی آڈر کرکے مستقرض کے پاس بھیجے تو خرچہ منی آڈر کسکے ذمہ ہوگا؟

(ج) جس نے قرض طلب کیا اگر اُس نے منی آڈر کرکے روانہ کرنے کی اجازت دی ہے تو خرچ منی آڈر وہ دیویگا ورنہ مرسل پر ہوویگا کہ اُس نے خود تبرع کیا ہے فقط۔

(ش ۳۱) تین بھائیوں میں سے دو نے تیسرے سے کہا کہ سرکار بہاولپور میں زمین افتادہ کی درخواست دیدو چنانچہ اُس نے درخواست دیدی اور سرکار سے ہر ایک کے نام زمین تجویز ہو گئی اُسکے بعد ہر دو نے اُس سے بے تعلقی کی اور بعد چند روز مر گئے اولاد نے اپنے چچا سے اپنے آباء کا حصہ طلب کیا پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ مستحق حصہ ہیں یا نہیں؟

(ج) اگر والی بہاولپور از خود قابض و متملک متغلب ہو گیا تھا تو سب زمین افتادہ غیر مملوک اُسکی ہیں مثل امراء کے وہ متصرف ملک کا ہے تو جب اُس ارض موات کے احیاء کی اجازت اُس نے کسی کو دی خواہ کسی کے نام سے دی مگر جو بھی ارض ہے وہ ہی مالک ہے کوئی بھی شریک اُسکا نہیں اگرچہ دفتر میں نام کسی کا درج ہو مگر یہ صورت بظاہر ملک بہاولپور کی معلوم نہیں ہوتی بلکہ نواب بہاولپور کو کسی سلطان سے جاگیر اس حد تک ملک کی ملی ہے تو اس صورت میں نواب مالک تمام ارض مقطع کا ہوا۔ اب جو درخواست دینے والا طالب تملیک نواب سے ہے پس تجویز ہبہ ہو یگا پس اگر دو برادر نے اجازت دی تھی اور تیسرے بھائی نے حسب اجازت اُسکے طلب کیا اور نواب نے ہر ایک کے نام پر دیا تو ہر ایک کے نام پر ہبہ ہوا اور وکیل اپنا اصیل اور دو کا وکیل تھا اُس نے قبول قبض کیا تو بوجہ مشاع ہونے کے فساد ہبہ تو عند الامام ہے مگر ملک فاسد بھی ہے پس جب دونوں برادر نے ترک کیا اور کہدیا کہ ہمکو حاجت نہیں اور ایک بھائی کے پاس چھوڑ دیا تو یہ بھی انکی طرف سے ہبہ ہی ہے۔ لفظ ہبہ کا ضرور نہیں تو جیسا ہبہ تھا ویسے ملک اُس واحد کی ہے اور ان دونوں کی ملک سے خارج ہو گیا۔ ہبہ بدون لفظ کے بھی تعاطی سے ہو جاتا ہے پس اب بعد موت دو برادر کے دعوٰی اولاد کا باطل ہے اور جو بدون اطلاع دو برادر کے ہوا تو اُنکی ملک ہی نہیں ہوئی کیونکہ نہ قبول اُنکی طرف سے ہے نہ قبض اُنکا ہے لہذا ہر دو صورت میں ملک قابض متصرف کی ہے اور دعوٰی برادزادگان کا لغو ہے اسکی روایات اگر دیکھو تو باب ہبہ میں اور احیاء موات میں اور باب عشر و خراج میں ملیں گی رد محتار میں تفصیلاً اور در مختار و ہدایہ میں اجمالاً حفظ۔

(ش ۳۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ ایک زاہد خشک اور ایک صوفی میں مفصلہ ذیل بحث ہے صوفی: ظاہر فعل بد پر کسی کو برا کہنا خطا ہے اگر کوئی زنا کرتا ہو یا شراب پیتا ہو تب بھی نیک گمان رکھو شاید اسمیں کچھ بھید ہو چنانچہ اولیاء اللہ کے قصے اس طرح پیش آئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے فعل بد پر بدگمان نہو شاید باطن میں ولی ہو۔

زاہد۔ فعل بد تو بد ہی رہیگا ہمارا نیک گمان فعل بد کے ساتھ خطا ہے۔

صوفی۔ تم لوگ علماء ظواہر کے بندہ شیطان سے زیادہ گندہ اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے والے ہو تمہارے ہی بھائیوں نے انپر ظلم کیا اور پشیمان ہوئے اور تا قیامت بدنام رہیں گے اگر فعل ظاہری پر ایمان رکھتے ہو تو کہو کہ منصور اور شمس تبریز نے ظاہراً کلمہ کفر کہا یعنی انا الحق اور قم باذنی اوا جتک کسی نے انکو کافر نہیں کہا اور فرعون کو سبھوں نے کافر و مردود کہا پس انکو کیوں ولی کامل مانا اور اسکو کیوں کافر جانا تمہارے ظاہر کے اعتبار سے نعوذ باللہ دونوں پر ایک حکم ہونا چاہیے جن مولویوں نے انکو سزا دلائی وہ اپنے گناہ کا مزہ چکھیں گے اور انکو ان کلمات کے کہنے کا ثواب ملیگا۔

زاہد۔ اگر ان علماء کو عذاب اور ان حضرات کو ان کلمات کا ثواب ملیگا تو آپ کا فرمانا درست ہم اپنے اس عقیدہ کو چھوڑ دینگے اور فعل بد کو بھی بد کہا کرینگے۔

(ج) زاہد خشک کی گفتگو صحیح ہے اور اُن صوفی صاحب کا کلام باطل ہے لیکن اگر کسی بزرگ سے کوئی خطا ہو گئی ہے تو اُس فعل کو برا سمجھے اچھا نہ کہے اور نہ بھید بتاوے مگر ان بزرگ کی بدگوئی نہ کرے۔ ہم کو حکم ظاہر پر عمل کرنے کا ہے باطن کی تفتیش کرنے کا حکم نہیں صحیح بخاری میں لکھا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے کہ "فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہ جسکو ہم دیکھیں گے کہ ظاہر اُسکا خراب ہے اُسکو بدہی جانینگے اگرچہ وہ کہے کہ میرے اندر نور معرفت ہے اور اگر ہم کسی کا ظاہر اچھا دیکھیں گے تو ہم اُسکو اچھا ہی جانیں گے اگرچہ اُسکا باطن خراب ہو" پس اس قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ہم کو حکم ظاہر پر لگانا واجب ہے اسرار بتا کر فعل شنیع کو صحیح جاننا حرام ہے اسی واسطے حسین بن منصور کے قتل پر امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ جو کہ سید العلماء تھے اور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام سلاسل اولیا کے مرجع ہیں دونوں نے فتوئی قتل کا دیا پھر معاذ اللہ اُن کے ساتھ بدگمانی کرنا کسی صوفی کا کام نہیں بلکہ جاہل صاحب مذہب باطل کا کام ہے اگرچہ حسین کو کافر نہیں کہتے مگر اُن کے اس قول کو جو بظاہر کفر ہے خطا ہی ٹھیرایا گیا اور اُن کے اصرار پر قتل کیا گیا ہر چند کہ اُسکی تاویل ممکن تھی اور جو فعل کہ محرم شرعی ہے اُسمیں تاویل نہیں ہو سکتی صحابہ کرام علیہم الرضوان کہ ادنیٰ انکا اعلیٰ درجہ کے ولی سے صدہا درجہ اعلیٰ (شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء کرام کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ ادنیٰ صحابی کی جوتیوں کی خاک کے بھی میں برابر نہیں ہوں) اُن سے جب کوئی معصیت سرزد ہوئی کسی نے تاویل نہ کی اور

نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معذور فرمایا بلکہ سزا اُس فعل کی دی کہ جسکی تفصیل بہت طویل ہے پس قول صوفی صاحب کا محض باطل ہے اور شاہد صاحب کا قول صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(ش ۳۳) شرع کا کیا حکم ہے کہ کوا ایسی جو عموماً بستیوں میں پایا جاتا ہے حلال ہے یا حرام فقہا نے بعض اقسام کوے کو حلال لکھا ہے اور بعض کو حرام اب یہ دریافت کرنا منظور ہے کہ یہ کوا قسم حرام میں ہے یا حلال میں؟ بینوا توجروا۔

(ج) کتب فقہ میں اقسام غراب میں الفاظ مختلف ہیں مگر جب یہ فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مدار اسکی خوراک پر ہے پس یہ کوا جو ان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر یہ عقعق نہو تو بھی اسکی حلت بھی شبہ نہیں ہے اسلئے کہ جب وہ بھی خلط کرتا ہے اور نجاست و غلہ و دانہ سب کچھ کھاتا ہے تو اسکی حلت بھی مثل عقعق کے معلوم ہوگی خواہ اسکو عقعق کہا جاوے یا نہ کہا جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

(ش ۳۴) زید اپنے آپکو حنفی بتاتا ہے مگر مولوی نذیر حسین دہلوی کا مداح ہے اور آمد و رفت بھی رکھتا ہے یوں کہتا ہے کہ جامع شواہد میں جو عقاید غیر مقلدین کے درج ہیں وہ غلط ہیں صاحب جامع نے غیر مقلدوں پر تہمت کی ہے زید کو اکثر بلکہ ہمیشہ غیر مقلدوں کے ساتھ شریک ہو کر انکی مسجد میں نماز پڑھتا ہے اب حنفیہ کی مسجد کا امام بننا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ غیر مقلدوں کی مدح کرنیوالے شخص کی امامت میں تو کیا حرج ہو سکتا ہے میں تو حنفیہ کی کتابوں سے رافضی اور خارجی کی امامت کا ثبوت دیدوں پس ایسے شخص کی امامت اور وعظ سننا جایز ہے یا ناجایز مشرح قول فیصل تحریر فرماویں کہ نزاع باہمی رفع ہو۔

(ج) غیب کی بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اصل حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں غیر مقلد تقیہ کر کے اکثر اپنے آپکو حنفی کہدیتے ہیں اور واقع میں حنفیہ کو مشرک بتلاتے ہیں خود مولوی نذیر حسین نے مکہ معظمہ میں غیر مقلد ہونے سے تبرّی اور حلف کیا اور حنفی اپنے آپکو بتلایا اور ہندوستان میں وہ ہر روز سخت غیر مقلد تھے اور اب بھی وہ ویسے ہی ہیں موجب الزام کا یہ حال تو اُنکے مقتدی کیسے کچھ ہونگے اور مولو نذیر حسین کا حنفیوں کو بدتر از ہنود کہنا معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے اور خود مخلص شاگرد ان کے تقلید شخصی کو شرک بتلاتے ہیں تو یہ شخص مداح اُن کا کس طرح حنفی ہو سکتا ہے یہ دعویٰ اُسکا قابل قبول نہیں بظاہر حال۔ اور جامع الشواہد سے لاریب دوسرے غیر مقلدین بھی تبرّی کہتے ہیں مگر جس جس رسائل سے صاحب جامع شواہد نے نقل کیا ہے اُنمیں ہرگز تحریف نہیں چند موقع سے بندہ نے بھی مطالعہ کر دیکھی ہے اور یہ عقاید بعض غیر مقلدین کے بعض معتبر دنکی زبانی دریافت ہوئے اور وہ خود

اقرار کرتے ہیں پس یہ قول اسکا قابل اطمینان نہیں اور حال زید کا جو اس سوال میں درج ہے بظاہر اُس کے غیر مقلد ہونیکی تصدیق کرتا ہے اور یہ کہنا اسکا کہ کتب حنفیہ سے صحت امامت رافضی اور خارجی کی دیتا ہوں غلط ہے یہ بھی دلیل اُسکے غیر مقلد ہونے کی ہے۔ جو رافضی خارجی کفر کے درجہ میں ہیں انکی امامت کہیں نہیں لکھی اور جو فسق کے درجہ میں ہے اور کفر کے درجہ کو نہیں پہونچا اُسکی امامت کراہت تحریمہ ہو جاتی ہے اور اُسکے امام بنانیوالے بیشک گنہگار ہوتے ہیں اور پہلے وقت کے رافضی خارجی اکثر ایسے ہوتے تھے پس غیر مقلدین اسوقت کے جیسا صاحب شواہد نے نقل کیا لاقل کہ فاسق ہونگے اور جو غیر مقلد حنفیہ کو مشرک کہتے ہیں اور تقلید شخصی کو شرک بتاتے ہیں بیشک فاسق ہیں سو انکی امامت مکروہ تحریمہ ہے اور دانستہ انکو اما م بنانا حرام ہے اگرچہ نماز مقتدیوں کی بکراہت تحریمہ ادا ہو جاوے اور نماز بھی جب ادا ہو کہ کوئی مفسد نماز نہووے ورنہ اس گروہ کو اس سے بھی باک نہیں ہے۔ قے ہونے اور خون نکلنے سے یہ لوگ وضو نہیں کرتے اور انکو ناقض وضو نہیں جانتے بھلا اگر ایسے وضو سے امام ہوں گے تو حنفیہ کی نماز کب انکے پیچھے درست ہو سکتی ہے۔ گنگوہ میں ایک غیر مقلد نے اول فرض ظہر کے جمعہ کے دن تنہا قبل جمعہ کے پڑھے پھر بے خبری میں جو مولوی جاکر انکو لوگوں نے امام جمعہ بنا دیا تو جمعہ لوگوں کو پڑھا دیا اور پھر لوگوں سے خود اقرار اس قصہ کا کیا۔ اب بھوتیہ اور دھوکا دہی انکا کام ہے جو عالم ہیں اور مولوی برکت علی شاگرد نذیر حسین کا تھا حنفیہ کے قاعدہ کے موافق اسکا جمعہ بعد ظہر برباد گیا۔ یہ حال اُن لوگوں کا ہے پس بشرطیکہ کوئی مفسد صلوٰۃ کا بھی غیر مقلد امام نہ ہو تو بھی ایسے غیر مقلدوں کو جو حنفیہ کو مشرک بتا دیں امام بنانا حرام ہے چہ جائیکہ اُنپر اعتماد بھی نہو۔ اور وہ غیر مقلد عالم بالحدیث جو ہوائے نفسانی سے خالی اور محض لوجہ اللہ تعالیٰ انصاف اور صدق سے عمل کریں اور کسی مقلد کو برا نہ کہیں اور سب کو حق پر جانیں ظاہر میں نظر نہیں آتے کوئی معتقی ہوگا۔ اس زمانہ کے چھوٹے بڑے پڑھے اور جاہل سب زبان سے تو اپنے آپکو حنفی بتلاتے ہیں مگر تقلید شخصی شرک ہی جانتے ہیں اور کہتے ہیں سب دعوے اُن کے دروغ اور عند التحقیق فریب معلوم ہوئے۔ پس ایسے شخص کی امامت ہرگز نہ کرادیں اور ایسے شخص کا وعظ بھی سننا عوام کو نہیں چاہیئے کہ مآل اسکا اچھا نہیں اور مآل عدم تقلید بہت بد ہوتا ہے فقط واللہ اعلم کتبہ احقر رشید احمد گنگوہی

(ش ۳۵ ج) اس عنوان کو اس مسئلہ پر ختم کرتا ہوں جسکو حضرت امام ربانی قدس سرہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا اور کہا کہ سننے والے دوسرے کو پہونچا دیں عام لوگ اسکی طرف سے غافل ہیں اور یہ غفلت انکو بہت نقصان پہونچا رہی ہے وہ یہ کہ امام کے پہلے سلام کے ختم ہونے سے پہلے اگر مقتدی سلام ختم کر دیگا تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائیگی

اب حضرت مولانا کے دست مبارک کے تحریر کئے ہوئے پچاس فتاویٰ نذر ناظرین کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

فتاویٰ

(س ۱) کوئی پیر اس ارادہ سے مرید کرے کہ مجھکو جب کوئی حاجت پیش ہوگی تو مریدوں سے روپیہ تحصیل کرونگا اور مرید کرنے سے مقصود اصلی اُسکا اوقات بسری ہو اور ضمناً کسی قدر ہدایت بھی ملحوظ ہو اور جبراً قہراً مریدوں سے روپیہ لیوے کہ تم لوگ ہمارے مرید ہو کیوں نہیں مجکو خرچ دیتے ہو اور سب سے چندہ کرکے روپیہ لے تو ایسے پیر کے ہاتھ پر مرید ہونا جائز ہے یا نہیں اور ایسا شخص پیری کے لائق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

(ج) ایسا شخص مذکور فی السوال لائق بیعت نہیں ہے کیونکہ مشائخ نے اخذ بیعت کے لئے جو شرائط مقرر فرمائی ہیں ان میں ایک شرط زہد عن الدنیا بھی لکھتے ہیں قال الشیخ ولی اللہ قدس سرہ والشرط الثالث ان یکون زاہداً فی الدنیا راغباً فی الآخرۃ الخ پس جو شخص کہ تحصیل مال مریدین سے مرادر کھتا ہے وہ بذریعہ تعلیم دین کے دنیا حاصل کرتا ہے اور طریقہ حقہ الی رضوان اللہ تعالیٰ کو مکسب حطام دنیا ٹھیراتا ہے اور وعید حدیث یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین الخ میں داخل ہے پس ہرگز قابل پیری کے نہیں اور بیعت اس سے حلال نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲) کیا حکم شرع ہے اس مسئلہ میں کہ کسقدر فصل درمیان امام و جنازہ کے ضروری ہے اور نہایت فصل امام اور جنازہ کے درمیان کہاں تک جائز ہے مع حوالہ کتاب بیان فرمایئے۔

(ج) امام صلوٰۃ جنازہ اور جنازہ میں وہ فصل مانع جواز صلوٰۃ کا ہے جو مابین امام و مقتدی جماعت صلوٰۃ مطلقہ کے مانع جواز اقتدا کا ہے کیونکہ اتحاد مکان امام و جنازہ شرط جواز صلوٰۃ ہے شرح منیہ وغیرہ کتب فقہ سے صاف واضح ہے اور جنازہ کو بعض وجہ سے حکم امام کا دیا ہے پس وہ فصل جو اقتدا کا مانع ہے وہی فصل جنازہ و امام کے مابین مانع جواز صلوٰۃ جنازہ ہوگا قال فی الدر المختار ویمنع من الاقتداء خلاء فی الصحراء یسع صفین الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۳) صلوٰۃ جنازہ بطور دوام بلا تامل اس عذر سے کہ کوئی میدان وسیع قریب میسر نہیں بلا کراہت مسجد میں جائز ہے یا نہیں پھر اس عذر کی حالت میں صلوٰۃ جنازہ مسجد میں اولیٰ ہے یا طریق میں؟ اور بلا عذر مسجد میں ادا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

(ج) راہ میں نماز جنازہ بایں عذر درست ہے اور مسجد میں مکروہ۔ واللہ اعلم۔

(س۴) یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا مثل اسکے استعانت و امداد یا دہائی وغیرہ کے الفاظ جس رقیہ وغیرہ میں موجود ہوں اسکا پڑھنا اس عقیدہ سے کہ منجانب اللہ ان الفاظ میں ایک نوع کا اثر ہے جس (یعنی) علمان سے کام مقصد برآری ہوتی ہے اور ہر امر میں متصرف ہونا اللہ واحد ہی کی شان ہے جائز ہوگا یا نہیں اور اس کا بطلان مع اس عقیدہ کے آیۂ شریفہ فلما آتاہما صالحا جعلا لہ شرکاء سے ہو سکتا ہے یا نہیں قطع نظر اسکے فساد عقیدہ عوام انہیں متصور ہے یا نہیں؟

(ج) اس کلمہ کو ہر حال پڑھنا ناجائز ہے مگر بعقیدہ علم غیب و تصرف اختیاری شرک ہے اور بدون اس کے محض برکت لفظی کے خیال سے مکروہ مگر جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۵) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ اصل مذہب امام صاحب کا معانقہ کے بارہ میں کیا ہے اور نماز عید کے بعد معانقہ کرنے کا کیا حکم ہے جائز ہے یا مستحب یا مکروہ اور مکروہ ہے تو کس قسم کی کراہت ہے تنزیہ یا تحریم؟

(ج) معانقہ کرنا بشرطیکہ کوئی مفسدہ انہیں نہو جائز ہے اور اگر کوئی مفسدہ ہے تو مکروہ تحریمہ و حرام ہے لقولہ علیہ السلام نہی عن المکاعمۃ والمکاعمۃ کے معنی معانقہ ہے اور اگر کچھ فساد نہیں تو مطلقاً مباح ہے اور جو کوئی وقت اسکو بالخصوص کیا جاویگا تو بدعت ہو جاویگا جیسا کہ بعد عید کے عوام کے نزدیک یہ مثل ضروری کے ہو گیا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو اس پر اعتراض مثل ترک واجب کے کرتے ہیں لہذا اب بوجہ فساد عقیدہ عوام اور خواص کا للعوام کے بدعت ہے چنانچہ مصافحہ مطلقاً سنت ہے مگر وقت تخصیص وقت کے بدعت ہو گیا ہے

قال فی رد المحتار قد یقال ان المواظبۃ علیہا بعد الصلوات خاصۃ قد یودی الجہلۃ الی اعتقاد سنیتہا فی مخصوص ہذہ المواضع وان لم یخصوصیۃ زائدۃ فی ہذا المواضع علی غیرہا مع ان ظاہر کلامہم وادلتہم لم یفعلہا احد من السلف فی ہذہ المواضع ویقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد الصلوۃ لکل حال الخ غرض جب مطلق مصافحہ مسنونہ اس تخصیص سے بدعت ہو گیا ہے تو معانقہ مباحہ کو بطریق اولی مکروہ و بدعت کہنا ضرور ہوگا خصوصاً حالت فساد میں جیسا کہ یوم عید میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۶) اگر مستورات کسی ایسے مکان کی چھت پر جو مسجد سے دو چار قدم کے فاصلہ پر واقع ہو صرف امام کی قرأت کی آواز کان میں آنے کی بنا پر اقتدا کر لیں خواہ صف نساء مقابل صف رجال ہو یا نہو پس انکی نماز ہو جائیگی یا نہیں اور فرض ادا سمجھا جائیگا یا نہیں؟

(ج) اگر مسجد کے پاس مکان ہے ایسے فرق سے کہ درمیان مسجد اور مکان کے اسقدر راہ نہیں کہ اس میں گاڑی چل سکے یا راہ ہی نہیں اور قدر قلیل فصل ہے تو اقتدار درست ہے اور جو ایسی راہ حائل ہو کہ گاڑی چل سکے تو اقتدار درست نہیں قال فی الدر المختار ویمنع من الاقتدار طریق تجری فیہ العجلۃ۔ انتہی واللہ اعلم۔

(س۷) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ سال سے زید مفقود الخبر ہے باوجود تجسس بلیغ کے اس مدت میں کہیں اسکا نشان نہیں ملا زوجہ اسکی جوان بعمر ۱۸-۲۰ سال موجود ہے اس کے گزارے کی کوئی صورت نہیں بتنگ زیور فروخت کر کے بسر کی اب وہ بھی ختم ہوا۔ اگر واسطے مزدوری کے لوگوں کے گھر آمد و رفت کرے فتنہ عظیم کا خوف غالب ہے نہ کوئی اعزہ میں سے ایسا شخص موجود ہے جو اس کی تربیت و حفاظت کر سکے صرف ایک ماں ہے کہ وہ بھی صبح و شام کی معلوم ہوتی ہے پس ایسی حالت میں کہ نہ کوئی اسکا خبر گیر نہ نگراں سوائے مزدوری کے کوئی صورت بسر اوقات کی نہیں اور اسمیں فساد غالب مرتب ہونے والا ہے شرعاً اس عورت کا نکاح کسی شخص کے ساتھ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) بسبب ضرورت کے اب مذہب امام مالک قدس سرہ پر عمل کرنا کہ بعد چار سال و عدت موت کے زوجہ مفقود نکاح کر لیوے درست ہے لہذا اس صورت میں نکاح اس زوجہ مفقود کا درست ہے کسی سے کر دیا جاوے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۸) اگر موزہ اسفل کعب تک سیا ہوا ہو اور عین کعب و اعلیٰ کعب صرف بندش سے ستور کیا جاوے تو اسپر مسح جائز ہوگا یا نہیں؟

(ج) جو موزہ نصف یعنی اسفل کعب تک سیا ہوا ہو اور اوپر سے بندھا ہوا ہو اور چلنے میں مقدار تین انگشت کی نہ کھلے اسپر مسح درست ہے۔

(س۹) اگر بافات کشمیرہ یا مثل اسکے اور کسی سوتی دبیز موٹے کپڑے کا موزہ بنوا لیا جاوے تو اس پر مسح جائز ہوگا یا نہیں؟

(ج) ایسا دبیز کپڑا کہ پانی کو نشف نہ کرے اور چلنے میں گرے نہیں اسکا موزہ درست ہے اور مسح اسپر جائز ہے

(س۱۰) شہد کا چھتہ اگر شے مملوک میں لگا ہو تو قبل اخراج و اخذ شہد بھی مملوک ہوگا یا نہیں؟

(ج) شہد کا چھتہ ارض مملوکہ غیر سے توڑنا بشرطیکہ اس نے پانی وغیرہ ڈالکر بٹھلایا نہو توڑنا جائز ہے واللہ اعلم

(س۱۱) ہم چند مسلمان اپنی کم ہمتی سے نماز تہجد کی توفیق نہیں رکھتے اس دولت سے محرومی بہت حسرت

دلاتی ہے خیر ہمیشہ مداومت کے ساتھ ہونا تو دشوار ہی ہے ماہ مبارک رمضان بھر بھی نہیں ہو سکتی مگر ایک صورت سے البتہ بسہولت ممکن ہے اگر اس کی اجازت مرحمت ہو اور کسی قسم کی قباحت نہو تو رمضان المبارک بھر اس دولت عظمیٰ سے مستفیض رہیں اور وہ یہ ہے کہ آخر شب میں نماز تہجد جماعت سے ادا کریں اور ایک پارہ روزانہ سن لیا کریں جیسا ارشاد ہو عمل کریں۔

(ج) اگر جماعت تہجد میں تین مقتدی اور ایک امام ہو تو نماز تہجد جائز ہے مگر اسکا التزام ناجائز ہے پس چاہیئے کہ کبھی جماعت سے پڑھ لیا کریں اور کبھی بغیر جماعت کیونکہ التزام سے وہی مفسدہ لازم آئیگا کہ جسکے سبب فقہاء منع کرتے ہیں اور جس سے تہجد کے وقت التزام نہو سکے وہ اول شب میں نفل پڑھ لیا کرے تو تہجد کا ثواب ہوتا ہے واللہ اعلم۔

(س۱۲) جب کنویں کی رسّی نجس زمین پر پڑی رہتی ہو اور وہاں کی کیچڑ سے آلودہ اور جوتوں سے پامال ہوتی ہو یہ رسّی اگر کنویں میں گرے یا بھیگ کر اسکا پانی کنویں میں ٹپکے تو وہ کنواں بمذہب حنفی نجس ہو گا یا نہیں اور وہ رسّی اگر تر ہاتھوں کو لگے تو ہاتھ نجس ہوں گے یا نہیں پھر وہ ہاتھ جو پانی اور ڈول کو لگے تو اس پانی اور ڈول کا کیا حکم ہے؟

(ج) جس رسّی کا نجس ہونا یقینی ہو اسکے کنویں میں جانیسے پانی نجس ہو جاتا ہے حسب مذہب حنفیہ شک نہیں ہے۔ ایسے ہی اگر ہاتھ اس رسّی میں لگیں تو وہ ہاتھ بھی پاک نہیں رہے ناپاک ہو گئے مگر جب اس زمین کے نجس ہونے پر مدار ہے تو اول اس کی تحقیق چاہیئے کہ وہ زمین نجس ہے یا نہیں پس جب وہ زمین نجس ہے تو اسپر گیلی رسّی کا پڑنا اور ہاتھ لگنا بیشک کنویں کی نجاست کا سبب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۱۳) جو کنویں مکان کے اندر خواہ باہر خواہ شارع عام پر ایسے ہیں کہ جن میں ہندو مسلمان سب پانی بھرتے ہیں اور یقینی گمان ہے کہ جس ڈول یا گھڑے سے ہندو پانی بھرتے ہیں وہ گوبر سے لپی ہوئی جگہ یا دوسری جائے نجس پر رکھے جاتے ہیں یا ہندو لوگ اپنے نجس ہاتھوں سے ان گھڑوں اور ڈول کو چھوتے ہیں یا ہنود کے نجس کپڑوں میں وہ ڈول اور گھڑے آلودہ ہو کر ان کنوؤں میں جاتے ہیں پس ان سب صورتوں میں پانی ان کنوؤں کا نجس ہے یا طاہر اور جو کنویں مکان کے اندر یعنی مسلمانوں کے گھروں میں ہیں انپر ہنود کھڑے ہو کر پانی بھرتے جاتے ہیں اور نہاتے جاتے ہیں اور ان کے جسم سے قطرے پانی کے ٹپک ٹپک کر کنویں میں جاتے ہیں اور تمام چھینٹیں اس پانی کی کنویں کے اندر جاتی ہیں اس صورت میں پانی ان کنوؤں کا

ناپاک ہو جاتا ہے یا طاہر رہتا ہے؟

(ج) مسائل چاہ میں بضرورت وسعت کو اختیار کیا جاتا ہے اور جو مسئلہ مختلف فیہ مجتہدین کا ہوتا ہے اسمیں وسعت کی رائے کو اختیار کرلینا وقت حرج وعموم بلوے کے درست لکھتے ہیں پس ایسی صورت میں جب تک کہ عین نجاست کا گرنا چاہ میں معلوم ومشاہد نہو اسکو ناپاک نہ کہنا چاہئے بلکہ اگر خود گرتا بھی دیکھ لیوے جب بھی برائے ضرورت وبلوے اسکو ناپاک نہیں کہہ سکتے۔ دیکھو کہ میگن اونٹ بکری کی امام صاحب کے یہاں نجس ہے مگر جنگل کے چاہ میں اگر نصف آب چاہ تک میگنیوں سے ڈھک جاوے جب بھی پاک لکھتے ہیں بضرورت کیونکہ امام مالک کے یہاں میگن نجس نہیں تو اب ہندوستان میں خصوصاً گانوں میں جب گوبر کا اور پیشاب گائے بیل کا یہ عمل درآمد ہے تو چاہ ہرگز پاک نہیں رہ سکتا لہذا ایسے امور سے چشم پوشی ہو اور جب تک مشاہدہ نہو جاوے بلکہ دیکھکر بھی استعمال آب کرتا رہے کذا الفہم من کتب الفقہ۔

(س۱۴) امام نے فرض نماز مغرب یا عشا ربا فجر یا جمعہ کی باجماعت پڑھائی اور ہنوز تین آیت سے کم یا تین آیت کی برابر زاید کے پڑھنے کی نوبت آئی ہے کہ امام کو قرأت میں سہو ہوا اور اس جماعت میں سے کسی مقتدی نے امام کو لقمہ دیا اور امام نے لقمہ لیکر نماز کو تمام کیا پس اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

(ج) صحیح یہ ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز نہیں جاتی خواہ حاجت پر بتاوے خواہ بلا حاجت۔ امام لیوے یا نہ لیوے تین آیت سے قبل بتادے یا بعد کسی حال نماز امام ومقتدی کی دونوں کی نہیں جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۱۵) ایک شخص نے سود لے لے کر روپیہ جمع کیا اور بعد کو اس فعل سے بصدق دل توبہ کرلی پس اب بعد توبہ کے اس شخص کا وہ روپیہ اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں اور درصورت ناجائز ہونے کے یہ روپیہ کسی طرح کسی کو دینا جائز بھی ہے یا نہیں اور اگر کسی کو بھی دینا جائز نہیں ہے تو اس روپیہ کو کیا کیا جاوے؟

(ج) سود سے جو روپیہ جمع کیا گیا ہو وہ توبہ کرنے سے حلال نہیں ہو جاتا البتہ اس فعل کا گناہ توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے مگر حق غیر صرف توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔ اب وہ مال ان لوگوں پر واپس کرنا ضروری ہے کہ جن سے وہ مال سود میں لیا گیا اور اگر وہ معلوم نہوں اور تحقیق انکی یا ان کے وارثین کی نہو سکے تو پھر بہ نیت ایصال ان کے جن کے یہ مال ہیں ایسے فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے کہ جن کے پاس اصلا کھانے کو نہو اور ایسے صدقہ سے خود امیدار اپنے ثواب کی رکھتی خطا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۱۶) ایک شخص کے مکان سے مسجد ملی ہوئی ہے مگر یہ شخص نماز فجر کو مسجد میں نہیں آتا اور عذر یہ کرتا ہے کہ جب تک میں اٹھوں اور استنجا اور وضو سے فراغت کروں جماعت ہو جاتی ہے اور کہتا ہے کہ حضرات صحابہؓ جب کسی عذر سے نماز فجر کی جماعت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے تو بوجہ حجاب کے نماز گھر میں ادا کر لیتے تھے لہذا میں بھی گھر میں پڑھ لیتا ہوں پس یہ عذر اسکا صحیح ہے یا غلط؟

(ج) جماعت بعض کے نزدیک واجب ہے اور ہمیں کسی کو انکار نہیں کہ وہ سنت موکدہ ہے پس اگر احیانا کسی عذر سے جماعت فوت ہو جاوے تو امید عفو ہے مگر جو شخص ترک جماعت پر مطلقاً یا کسی خاص وقت میں مداومت کرے اور اسکا کچھ تدارک نہ کرے اور اسکے انتظام کے درپے نہ ہو وہ فاسق ہے اور اسکو اس فعل کا چھوڑنا ضروری ہے مگر جب یقین ہے کہ جماعت ہو چکی تو پھر مسجد میں آنا کچھ ضروری نہیں ہے چاہے گھر میں پڑھ لے چاہے مسجد میں آکر پڑھ لے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۱۷) ایک شخص سمی زید جو محض جاہل شریر مفسد بدوین نماز روزہ سے کچھ کام نہیں رکھتا اپنی زوجہ کو تکالیف پہنچاتا ہے کلمات کفر و شرک جو چاہتا ہے بکتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ کو خدا کہدیا عقیدہ بھی ایسا ہی کچھ خراب رکھتا ہے پس ایسے کلمات کفر و شرک بکنے سے اسکی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(ج) اگر اسکے کلمات کفر صریح ہوں اسکی تاویل نہ ہو سکتی ہو تو وہ مرتد ہے اور نکاح اسکا فسخ ہو جائیگا اسکے عورت کی وقت فسخ سے بعد عدت کے اور جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔

(س۱۸) پیتل یا پھول کے ظروف میں بدون قلعی کے پانی کا استعمال جایز ہے یا نہیں؟

(ج) پیتل و کاسی کا برتن اور سونے اور چاندی کے سب درست ہیں مگر جسمیں کسی قوم کفار وغیرہ سے تشبہ لازم آوے وہ بوجہ تشبہ کے ناروا ہو جاویگا اور وہی ظرف جسمیں تشبہ نہ ہو درست ہو جائیگا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۱۹) مدت رضاعت امام صاحبؒ کے نزدیک ڈھائی سال اور صاحبینؒ کے نزدیک دو سال اور امام زفرؒ کے نزدیک تین سال ہے اوسپر زیادتی کسی لاغر و ضعیف بچہ کے لئے تبرعاً جائز ہے یا نہیں اور مدت رضاع لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے برابر ہے یا کم و بیش؟

(ج) مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ پس اس سے زیادہ بسبب ضعف کے پلانا درست نہیں اور صبی و صبیہ دونوں ہمیں برابر ہیں کچھ تفاوت نہیں للعموم قال الدر مختار ولم یبح الارضاع بعدہ تمام الحولین فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور مباح نہیں دودھ پلانا مدت رضاعت کے بعد

(س۲۰) معتکف اگر مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں کلام کرے تو اعتکاف رہا یا نہیں اور اگر نہیں رہا تو دوسری نیت سے اعتکاف تمام کرنے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(ج) معتکف کو مسجد سے باہر کلام کرنا ہر طرح درست ہے اس سے ہرگز اعتکاف میں نقصان نہیں ہوتا جیسا حال کلام کا مسجد میں ہے ویسا ہی خارج مسجد ہے پھر اگر کسی نے کلام کیا اور اسکو مفسد اعتکاف جانکر دوبارہ نیت اعتکاف کرلی اس سے بھی کچھ حرج نہیں ہوا پہلا اعتکاف ہی ہو جاویگا۔ واللہ اعلم۔

(س۲۱) انگریزی اکثر دواؤں میں شراب یا جوہر شراب کی آمیزش ہوتی ہے مگر یہاں اس کے علاوہ چونکہ دوسرا علاج ہی نہیں اس لئے کیا کیا جائے۔ مرہم یا عطر جسکی حالت آمیزش جوہر شراب میں دوا جیسی ہو اس کے لگانے اور اس کپڑے سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(ج) جس دوا میں غلظ شراب یا جوہر شراب ہو وہ نجس اور استعمال اسکا حرام ہوگا کہ وہ شرعاً ناپاک ہے پس علاج ترک کرنا چاہئے علی ہذا جس عطر میں جوہر شراب ہوگا وہ نجس اور پارچہ بھی نجس ہوگا استعمال بھی ناجائز ہوگا جواب مسئلہ کا تو یہ ہوا اب رہا یہ کہ دوسرا علاج وہاں نہیں سو اگر ترک علاج کرے تو بہتر ہے مگر جب اضطرار کی نوبت ہو تو اسوقت مباح ہوگا تو اگر ایسی حالت میں دوا کا استعمال کرے تو بدن و پارچہ کو محفوظ رکھے اور برتن کو پاک کر لیوے۔

(س۲۲) نماز یا وظیفہ میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ایسی نماز و وظیفہ کا کیا حکم ہے صحیح ہوگی یا نہیں؟

(ج) جو نماز بلا حضور ہے فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے حضور فرض لیکن صلوٰۃ کا نہیں اور جو وظیفہ بلا حضور پڑھا جاوے اسکا ثواب ہوتا ہے مگر حضور کی صورت میں اجر بہت ہے واللہ اعلم۔

(س۲۳) گھی گرم کیا ہوا رکھا تھا اسمیں لڑکے نے ناپاک ہاتھ ڈال دیا اب اس گھی کو کس طرح پاک کیا جاوے اگر تھوڑا سا ہوتا تو اسقدر دقت نہ تھی سات آٹھ روپیہ کا ہے؟

(ج) اگر گھی سخت ہو تو جس جگہ ہاتھ نجس لگا ہے وہاں سے تھوڑا تھوڑا نکال نکال کر دو باقی کو کھلا لو اور اس الگ کردہ کو پاک کرلو اور جو پتلا بہتا ہوا تھا جیسا گرمی میں ہوتا ہے تو سارے کو پاک کر لو گھی کے پاک کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسمیں پانی ڈالو اسقدر کہ پانی کے اوپر گھی ہو جاوے اس کو آگ پر رکھو کہ سب پگھل جاوے اور پانی جل جائے اس طرح تین بار پانی جلا دو پاک ہو جاویگا اگرچہ اس طرح گھی خوشبودار نہیں رہتا مگر پھر الائچی وغیرہ سے خوشبودار کر کے استعمال کرلینا۔

(س۲۴) ایک شخص نے تجارت میں کسی ایسے شخص کو شریک کیا جس کے پاس رشوت وغیرہ کا روپیہ یا غصب کا

از افادات محمود احمد صاحب نقشبندی ریاض نظر

مال ہے پس اسکی شرکت سے اس شریک اول کا پاک مال تو ناپاک نہوگا اور نفع میں حرمت و نجاست تو نہ پیدا ہوگی (ج) مال خبیث جس مال میں ملجاویگا وہ خبیث ہو جاویگا اختلاط کے بعد کس جزو کو امتیاز کر سکتے ہیں ہاں اگر مال خبیث مثلاً رشوت کا مال تھا اسکو جدا کرنا چاہے تو جس سے رشوت لی ہے اسکو وہ قدر واپس کر دیوے تو باقی مال حلال ہو جاویگا اگر وہ شخص اور اسکے ورثہ نہیں مل سکتے تو اسقدر روپیہ اس نیت سے صدقہ کر دیوے کہ قیامت کے دن اہل حقوق کو دلایا جاوے۔ علیٰ ہذا غصب کے روپیہ کا حال ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س۲۵) جس مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے اسکی زکوٰۃ خریداور لاگت پر حساب کیجائیگی یا اس شہر میں نفع قیمت پر جس پر بیچنے کا قصد ہے۔

(ج) زکوٰۃ کے اسباب کی آخر سال میں قیمت فروخت بازار کے اسکی زکوٰۃ دیوے اصل خرید سے کام نہیں اگر نقصان قیمت میں یا نفع اس قیمت کی زکوٰۃ دیوے جو دینے کے روز اسباب تجارت کی قیمت ہے۔

(س۲۶) ملازم پیشہ شخص جسکا تنخواہ پر گزارہ ہے ہر مہینہ آتا ہے اور خرچ ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کسطرح واجب ہوگی اور ادا کیا طریق ہوگا اور اگر سال کے اندر وقتاً فوقتاً بہ نیت زکوٰۃ دیتا رہا تو وہ محسوب ہوگی یا نہیں؟

(ج) نوکر آدمی کے ہاتھ میں جسوقت روپیہ آیا مثلاً ۵۰ نقد وہ اسکی وقت مالک نصاب ہوگیا پھر اس نے ایک ماہ میں مثلاً تیس خرچ کئے بیس باقی رہے دوسری تنخواہ ملی پھر ستر ہوگئے پھر خرچ کئے کچھ کم ہوئے پس جب سال تمام ہوا تو اس وقت کی جمع کو دیکھے تو جسقدر اسوقت روپیہ موجود ہے اس کی زکوٰۃ دیوے مثلاً ہر ماہ کی بیس بچت تھی سال تمام پر مالک ۲۴۰ ہوئے تو ۲۴۰ کی زکوٰۃ دیوے لے۔ اگر وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ سال بھر ادا کرتا رہے تو آخر نہایت سال میں مال موجودہ کو دیکھے اور اپنی زکوٰۃ دادہ کو دیکھے اگر قدر مال موجودہ کی دے چکا ہے تو ادا ہوا اور جو کچھ اسقدر موجود میں باقی ہے اب دیدیوے اور زائد دینگی اگلے سال میں مجرا لیوے اور سال بھر میں جو پیشگی دے چکا ہے وہ محسوب نہیں ہوتا پیشگی دینے میں یہ فائدہ دینے والے کا ہے فقط۔

(س۲۷) ایک خریدار سے اپنی شے کی قیمت کچھ کہنی اور دوسرے سے کچھ یا ایک ہی سے اول ایک قیمت کا ظاہر کرنا اور پھر کم قیمت پر دیدینا صحیح ہے یا کچھ قباحت ہے؟

(ج) اپنے مال کا مختار ہے کسی کو روپیہ کو دیوے اور دوسرے کو دس روپیہ کو دیوے کچھ حرج نہیں۔ اور اول قیمت زیادہ کہہ کر کم کو دینا درست تو ہے مگر ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں اسکے

نہیں چنداں گناہ نہیں۔ اگر صدق اختیار کرے تو بعد چندے سب کو حال معلوم ہو جاتا ہے ہو سکے تو بہتر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(س ۲۸) سوکھی مردار مچھلی کی جسکا بہار بنگال میں عام رواج ہے اور تمباکو یا تاڑی پڑی ہوئی ڈبل روٹی کی تجارت جایز ہے یا نہیں اور کفار کے میلوں تہواروں میں دوکان لیجانیکا کیا حکم ہے؟

(ج) سوکھی مچھلی کی اور ترکی سب کی بیع شرعاً حلال ہے۔ جیسے کھانا حلال ہے بیع کیوں حلال نہوگی وہ مردار حرام نہیں ہوتی مردار مچھلی کا حلال ہے۔ تمباکو فروخت کرنا مکروہ ہے گو مال ہونے کی وجہ سے قیمت حرام نہیں مگر کراہت کی وجہ سے اعانت مکروہ کی ہے لہذا مکروہ ہے۔ ڈبل روٹی جس میں تاڑی پڑے ناجایز ہے امام محمد کے نزدیک کیونکہ تاڑی ان کے نزدیک مثل شراب کے ہے پس اسکی بیع بھی ناجایز ہوگی اور امام صاحب کے نزدیک کھانا بھی جایز بیع بھی درست فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے احتیاط چاہیئے کفار کی عید میلہ میں جانا بھی حرام اور مال کا خرید و فروخت بھی حرام واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲۹) اگدی جو گاڑے بھینس یا بیل اور ان کا دودھ فروخت کرتے ہیں۔ ان جانوروں کی زکوٰۃ کس طرح ادا کریں اور بچہ والے جانوروں کا دودھ بیچنا جایز ہے یا نہیں؟ یا کسی شخص کے پاس گھوڑے ٹٹو ہیں جو کرایہ پر چلتے ہیں یا بیل گاڑی ہے جسکی قیمت سو روپیہ یا اس سے بھی زاید ہے اسپر زکوٰۃ اس مال کی واجب ہے یا نہیں؟

(ج) جس جانور کے شیر کو فروخت کرتا ہے اسمیں زکوٰۃ نہیں ہے اگر اپنے گھر سے کھلاتا ہے اور اگر جنگل میں چرتا ہے تو بشرط نصاب عدد کے بعد حولان حول زکوٰۃ آویگی اور جو تجارت کی ہے تو قیمت اگر نصاب کو پہنچ جاویگی تو زکوٰۃ ہوویگی ورنہ نہیں پس گائے بھینس کو اگر تجارت کی نیت سے خرید کیا تو اسکی قیمت میں زکوٰۃ ہوگی اور شیر فروشی کا کچھ ڈر نہیں اگر وقت حولان حول قیمت شیر ہوا سکو بھی قیمت کے ساتھ اور دیگر اپنے مال کے ساتھ جمع کر کے مجموعہ سے زکوٰۃ دیوے۔ جانور کرایہ میں زکوٰۃ نہیں ہے نہ یہ سائمہ جنگل کا ہے نہ تجارت کا ایسا ہی گاڑی بیل کا حال ہے۔

(س ۳۰) ایک شخص ملازم پیشہ ہے اسکے آقا کو اگر کسی ایسے کام میں جانا پڑے جو شرعاً ناجائز ہے تب بھی اپنے ملازم کو خدمت کے لئے ساتھ رکھتا ہے اور نوکر کو مجبوراً جانا پڑتا ہے پس اس ملازم مسلمان پر فاسق یا کافر کی خدمت و معاونت کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

(ج) جو شخص سفر معصیت کا کرتا ہے اس سفر میں اسکا کاروبار کرنا اور ساتھ جانا درست ہے مگر اس فعل معصیت

میں شریک نہونا چاہیے خواہ شرک کا کام کا نوکر ہو خواہ کسی مسلمان فاسق کا بہر حال سفر میں اُسکا کام کرنا درست ہے اور ساتھ جانا بھی درست ہے بسبب روزگار کے کہ اپنا کام روزگار کرنا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مسئلہ ۳۱) طاعون مروجہ حال کے بارہ میں جو احادیث نقل کیجاتی ہیں وہ کس درجہ کی ہیں صحیح قابل استناد ہیں یا ضعیف و معلول ہیں منجملہ اُن کے دو حدیث کا متن لکھتا ہوں ان دونوں کی صحت دریافت طلب ہے ایک حدیث یہ ہے اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوہا واذا وقع بارض وانتم فیہا فلا تخرجوا منہا اور دوسری حدیث یہ ہے وبمن فر من کان کا لفار من الزحف اور بقیہ یہ صحت استفسار یہ ہے کہ لفظ ارض سے کون زمین مراد ہے شہر یا قریہ یا مکان اقامت یا محلہ شہر جو کچھ مراد ہو اُسکی تعیین فرمائی جاوے اور نہی اس حدیث سے تحریمی ہے یا تنزیہی پس جو شخص اُسپر کاربند نہو وہ شرعاً گنہگار ہوگا یا نہیں اور لفظ فرار سے جو ورود حدیث میں واقع ہے کیا مراد ہے آیا مطلق خروج از مقام طاعون یا خروج خاص جیسے شہر کا باشندہ دیہات میں چلا جاوے یا دوسرے شہر میں نکل جاوے جو معنی مراد ہوں ظاہر فرمائے جاویں شانیا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس ممانعت خروج سے کیا مصلحت ہے اکثر تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مقام طاعون سے چلے گئے ہیں وہ مع جملہ قبائل کے اس بلا سے محفوظ رہے ہیں اور جو لوگ وہیں مقیم رہے اکثر اُن میں سے مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے جس سے انگریزوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہاں سے ہٹ جانا بھی اُسکا علاج ہے پس جو کوئی وہاں سے بہ نیت علاج ہٹ جاوے وہ شخص عند الشرع گنہ گار تو نہو کا کیونکہ نیت اُسکے فرار کی نہیں ہے بلکہ تبدیل مکان بقصد علاج ہے جسکی اجازت خود شرع سے مفہوم ہوتی ہے۔

(ج) یہ روایات صحیح ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو اُس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں نہ جاویں کیونکہ اسمیں بے مروتی اور تقدیر سے بھاگ کر تدبیر پر پورا بھروسہ ہے حالانکہ مسلمان کو تقدیر پر مطمئن ہو کر اور اُسپر پختہ ہو کر پھر تدبیر کی اجازت دیگئی تھی۔ اگر سب لوگ طاعون زدہ شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جاوینگے تو اس شہر کے مریضوں اور مُردوں کی خبر گیری کے لئے کوئی بھی نہ رہیگا البتہ اگر اُسی شہر کے دوسرے محلہ میں یا اُسکے آس پاس جنگل اور باغوں وغیرہ میں چلے جاویں ایسی طرح کہ اہل شہر کی خبر لیتے رہیں تو درست ہے اور جب شہر سے چلے جاوینگے تو نیت و قصد علاج سے یہ ممانعت مرتفع نہو جاویگی بلکہ وہ بھی گناہ میں داخل ہے البتہ اگر کسی اور ضرورت کیوجہ سے وہاں سے چلا جاوے مثلاً ملازم سرکاری ہے اب اسکو چھٹی ملگئی ہے تو وہاں سے چلا جانا معصیت نہوگا واللہ اعلم۔

(س ۳۲) بعالیجناب حضرت مولانا رشید احمد صاحب ادام اللہ فیوضہم بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں۔ کچھ ضروری امور باسید جواب عرض کرتا ہوں امیدوار ہوں کہ بہ ترتیب لکھ جواب سے معزز فرمادیں۔

(۱) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کا حکم اور اسکے منافع بتلائے وہ منافع کیا انہیں کے لئے مخصوص تھے یا ہمارے واسطے بھی وہی منافع ہیں؟

(۲) قرآن شریف میں استغفار کے واسطے بہت جگہ ارشاد فرمایا ہے اور صحیح حدیث میں بہت کچھ فضائل ارشاد ہوئے ہیں تو یہ فضائل کن الفاظ کے پڑھنے سے اور کسقدر پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں صرف استغفر اللہ کے پڑھنے سے یا استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ کے پڑھنے سے اللھم اغفر لی وتب علی انک انت التواب الرحیم کے پڑھنے سے اور ان تینوں صیغوں میں افضل کسکا پڑھنا ہے اور کسقدر پڑھنے سے فضیلت ہو وہ حاصل ہو سکتی ہے؟

(۳) جتنی دیر میں استغفر اللہ استغفر اللہ ہزار مرتبہ پڑھا جاتا ہے اسی قدر دیر میں استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ تین سو بار پڑھا جاتا ہے پس اول کا ہزار مرتبہ پڑھنا بہتر ہے یا آخر میں سے کسی ایک کا تین سو بار پڑھنا بہتر ہے؟

(۴) اگر بغیر حضور قلب کے استغفار پڑھا جاوے تو اس صورت میں فوائد و منافع استغفار کے حاصل ہوں گے یا نہیں یا بلا حضور پڑھنے سے گناہگار ہوتا ہے؟

(۵) اگر کوئی ایسا شخص جس نے روضہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا ہو اور بسبب ایک مرتبہ دیکھ لینے کے آپ کے روضہ منورہ کا تصور صحیح طور پر کر سکتا ہو اگر یہ خیال کرکے کہ میں روضہ منورہ کے سامنے موجود ہوں درود شریف پڑھا کرے اور اس طرح خیال کرکے پڑھنے سے اسکے قلب میں رقت اور آنحضرت روحی فداہ کی محبت زیادہ ہوتی ہو تو ایسا خیال کرکے درود پڑھنا کیا بت پرستی میں داخل ہوا اور پڑھنے والا گناہگار ہوتا ہے یا ثواب ہے اور اسکا ثمرہ جو رقت قلب اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازدیاد محبت پیدا ہوتا ہے وہ القاء رحمانی ہے یا وسوسہ شیطانی؟

(۶) اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وسلم پڑھنا بہتر ہے یا اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وآلہ بعدد کل معلوم لک پڑھنا بہتر ہے پہلا درود جس عرصہ میں ایک ہزار دفعہ ہوتا ہے دوسرا پانسو مرتبہ پس پہلے کی ایکہزار تعداد کا زیادہ ثواب ہے یا دوسرے کی پانسو مقدار کا؟

(۷) صلوٰۃ اشراق کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ بلند ہونے پر ہو جاتا ہے اگر کسی شخص کا وظیفہ معمولی ۹ بجے

دن تک ہو تو وہ شخص آفتاب کے بلند ہونے پر وظیفہ کے درمیان اشراق کی نماز پڑھے یا وظیفہ ختم کر کے نو بجے اشراق پڑھے کونسی صورت افضل ہے؟

(ج) بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ کا خط آیا حال دریافت ہوا کوتاہ ربیع الاول سے ابتک ایک ضعف اور بخار خفیف ہے سبق بند اور کاروبار سب ابتر اور اس تمام زوال میں بخار کی کثرت ہے حق تعالیٰ رحم فرماوے جواب سوال یہ ہے

(۱) استغفار کے منافع اس امت کے واسطے بھی وہی ہیں جو حضرت نوحؑ نے فرمایا تھا قرآن میں اس امت کو سنانے کو ذکر فرمایا ہے۔

(۲ و ۳) استغفار کے معنی بخشش چاہنے کے ہیں جس لفظ سے بخشش چاہنا ہوگا بس وہی استغفار ہے خواہ کسی زبان میں ہو خواہ کسی صیغہ میں ہو اگر کوئی کہے الٰہی میری توبہ ہے یہ بھی استغفار ہے اور اگر کہے الٰہی بخشدے یہ بھی استغفار ہے اللھم اغفرلی اور استغفر اللہ یہ بھی استغفار ہے غرض کسی لفظ سے استغفار کرے جو فضیلت استغفار کی ہے سب میں حاصل ہوگی مگر وہ صیغہ کہ اسکی فضیلت حدیث میں آگئی ہے اسمیں زیادہ ثواب ہوگا اسواسطے استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ افضل ہے اسواسطے کہ متضمن ہے کلمہ توحید پر اور صفات حق تعالیٰ کی اس میں زاید ہیں ورنہ نفس استغفار میں سب برابر ہیں پس گھڑی بھر میں اگر استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ ہزار بار اور اتنی ہی دیر میں مثلاً استغفار حدیث کو سو بار کہے تو بوجہ استغفار کے وہ افضل ہوگا اور بوجہ فضیلت توحید کے یہ افضل ہوگا فضیلت کلی نہیں دیسکتا بعض وجہ کر وہ افضل ہے اور بعض وجہ کر یہ افضل ہے۔

(۴) بغیر حضور کے استغفار پڑھنے میں جو فضائل کہ استغفار کے ہیں حاصل نہیں ہوتے مگر ثواب سے خالی بھی نہیں ہے

(۵) تصور روضہ مطہرہ کا وظیفہ کے وقت میں اگرچہ بت پرستی تو نہیں مگر میں پسند نہیں کرتا۔

(۶) درود کے صیغوں کا وہی جواب ہے جو استغفار میں لکھا گیا۔

(۷) اشراق کا وقت بلندی یک نیزہ سے شروع ہو کر ایک ربع دن تک رہتا ہے جب چاہے پڑھے بلکہ مؤخر کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اول اپنے ہاتھ سے لکھنا شروع کیا تھا لیکن بوجہ بخار کے نہ لکھ سکا اسلئے دوسرے کے ہاتھ سے لکھوا کر اسے بھیجا ہوں والسلام

(ص ۳۳) اولیاء اللہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں باعتبار ولایت و تقرب کے فرق بعید ہے حالانکہ احادیث میں صحابہ کی معصیتوں کے تذکرے آئے ہیں اور سزائیں بھی دنیا یا قبر یا آخرت کی مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کو سرتاپا طاعت اور عبادت کے عادی و خوگر ہوتے ہیں گویا معصیت و نافرمانی جانتے ہی نہیں کہ کیسے لگا کی

عمر بھر کے حالات ٹٹولے جائیں اور سوانح دیکھی جائیں تو سوائے کشف و کرامات اور محویت و استغراق کے دنیا کی طرف توجہ نظر ہی نہیں آتی اُن کے بارے میں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ارشاد خداوندی ہے اِس تقریر پر متفرع ہو کہ بہتیرے واہیات خیالات وساوس وارد ہوتے ہیں اس لئے متمنی ہوں کہ اس مسئلہ کی تقریر فرما کر مطمئن فرماویں؟

(ج) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ اور اول درجہ کے اولیا ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر اعلیٰ سے اعلیٰ ولی بعد صحابہ کا نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبد القادر جیلانی بایں مرتبہ عظمی فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ کہ لوگوں کے نزدیک ادنیٰ ہیں اور طرح طرح کے اُنپر حرف لگاتے ہیں اس درجہ کے ہیں کہ اُن کے گھوڑے کے سم کی خاک میری آنکھ میں اگر پڑ جائے تو میری نجات و سعادت ہے۔ عوام یوں جانتے ہیں کہ ولایت و کشف و کرامت اور خلوت نشینی کا نام ہے یہ غلط ہے ولایت "مقبولیت و اتباع کا نام ہے" یہ اشغال و مراقبات جو ایجاد کئے ہیں اسواسطے ہیں کہ جو مرتبہ حسن اخلاق و معاملات کا صحابہ کو حاصل تھا اسکا کچھ حصہ ان اشغال کے ذریعہ سے حاصل ہو جاوے غرض ادنیٰ صحابی اعلیٰ ولی بعد قرن صحابہ سے افضل ہے باقی رہا عذاب کا ہونا تو اولیا اصطلاح عوام کے اُس سے کب خالی ہیں خدا کے سب بندے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرتے رہے اولیاء کو عذاب ہو سکتا ہے اور عذاب ایسا ہی جیسا زرگر سونے چاندی کو صاف کرنیکے واسطے بوتہ میں ڈالکر صاف کرتا ہے اولیاء سے جو کچھ معصیت ہوئی اور تو بہ ہوئی اسکو صاف کرتے ہیں معصوم انبیاء علیہم السلام کے سوائے کوئی نہیں اولیاء سے گناہ کبیرہ صغیرہ ہو جاتا ہے اور اکثر بھی ہو جاتا ہے پھر تو نصیب ہوئی پھر ولی ہو گئے اسمیں کوئی امر خلاف قاعدہ نہیں۔ عوام کے نزدیک اولیاء سے گناہ نہیں ہوتا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے اِس سے تم توبہ کرو الحاصل یہ آیت اصحاب کے حق میں اول ہے اور دیگر اولیاء کے واسطے پیچھے اور معصیت سے کوئی خالی نہیں ولایت جس شے کا نام ہے وہ صحابہ میں ہزار ہا درجہ اوروں سے زاید تھی کشف کرامات کا نام ولایت نہیں فقط والسلام عبد اللہ شاہ مدت سے بیمار چلے جاتے ہیں سلام کہتے ہیں اس مسئلہ ولایت کو زبانی بیان ہو تو خوب سمجھو گے اول تحقیق ولایت جاننا لازم ہے پھر خلاصہ نسبت مشائخ جاننا کہ کیا شے ہے پھر غرض تحصیل نسبت کا جاننا کہ کیا مقصد اُس سے ہے پھر تحقیق اسکی کہ صحابہ کا کیا حال تھا جب یہ سب باتیں معلوم ہو لیویں پوری فہم اس مسئلہ کی اُسپر موقوف ہے فقط والسلام

(س ۳۴) لیلۃ القدر میں روح کے نزول سے کیا مراد ہے اور اسکو الف شہر سے بہتر کہنا کس امت کی عبادت کے اعتبار سے ہے

(ج) شب قدر کو ملائکہ مع جبرئیل نزول فرماتے ہیں اور برکات ہوتی ہیں مگر اسکا مشاہدہ اہل باطن کو ہوتا ہے نہ عوام کو اور عبادات کا ثواب ساری شب میں ہزار ماہ کا ہے اور تھوڑے میں بحساب ملتا ہے اگر گھنٹہ بھر جاگا اور عبادت کی تو شب کے بارھویں حصہ کا ثواب ملا فقط۔

(س۳۵) قرآن مجید کی تلاوت میں اگر موذن اذان کہے تو جواب اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہو تو اسکو اذان کے وقت چپ ہو کر جواب دینا اذان کا بہتر ہے اور اگر پڑھتا رہے تب بھی مضائقہ نہیں۔

(س۳۶) کسی فاسق مسلمان کا کھانا کھانے اور کافر ہندو یا عیسائی کا کھانا کھانے میں شریعت کیا حکم دیتی ہے اور وکیل یا کسی سرکاری ملازم کی دعوت کیسی ہے؟

(ج) جس شخص کی کمائی حلال ہے اسکے گھر کا کھانا حلال ہے اگرچہ وہ کافر یا بیدین فاسق فاجر ہو اور جسکی کمائی حرام ہے اسکے گھر کا کھانا نادرست اور حرام ہے اگرچہ وہ کیسا ہی متقی کہلاتا ہو وکلا کی کمائی حرام ہے اور اور ملازمان سرکاری کی بعض کی درست ہے بعض کی نادرست جہاں اشتباہ ہو وہاں تحقیق کر لینا چاہیئے جسکے یہاں دونوں طرح کا مال ہو وہاں تحقیق ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ غالب پر اعتماد کیا جاوے۔

(س۳۷) وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا یا استنجا کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(ج) استنجا و وضو کے بچے ہوئے پانی دونوں سے وضو کرنا استنجا کرنے کے بعد جو پانی باقی رہے اس سے یہ دونوں درست ہیں کسی میں کچھ کراہت نہیں اور نہ کوئی خاص ثواب ہے۔

(س۳۸) معتکف کو حاکم کی طلبی کے باعث کچہری جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(ج) معتکف کو بلا ضرورت اعتکاف سے نکلنا نہ چاہیئے اور بضرورت نکلنا جائز ہے۔ حاکم کا بلانا بھی ایک ضرورت ہے پس اعتکاف سنت و نفل میں چلا جانا چاہیئے اور اعادہ اعتکاف آئیگا اور اگر اعتکاف واجب ہے تو اعادہ چاہیئے۔

(س۳۹) سمجھدار بچے حافظ قرآن ہو کر محراب سناتے ہیں رمضان میں تراویح اُنکے پیچھے ہو جاتی ہیں یا نہیں؟

(ج) لڑکے نابالغ کے پیچھے تراویح درست نہیں ہے اور جب تک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی جاوے یا اُسکو پندرہ برس پورے نہ ہوں وہ نابالغ مانا جائیگا۔

(س۴۰) حیض کی حالت میں اگر عورت کا انتقال ہو تو اسکو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کیونکر کیجائے اور عورت کا

صوفی محمد یٰسین صاحب گنگوہی دام فیوضہ

مہر اگر خاوند نے اپنی ناداری کے باعث ادا نہیں کیا تو عورت سے مرتے وقت معاف کرانا چاہئے یا نہیں لہٰذا اگر بلا معاف کئے مرجائے تو مفلس خاوند پر مہر واجب ہے یا نہیں؟

(ج) حائض اور نفساء اور جنب کو کلام اللہ شریف کے سوائے اور سب کلمہ درود استغفار پڑھنا درست ہے اور جس عورت کا مہر ادا نہیں ہوا اور وہ مرگئی حسب الحصص اسکے وارثوں کو دینا چاہئے یا ان سے معاف کرانا چاہئے علیٰ ہذا القیاس جس عورت نے مہر معاف نہیں کیا اسپر زبردستی نہیں ہوسکتی اسکو اختیار ہے چاہے معاف کرے یا نہ کرے خاوند کی عدم استطاعت سے مہر ساقط نہیں ہوسکتا جب خاوند کے پاس ہو فوراً دیدے

(س۴۱) عورت کو کس عمر میں بالغ سمجھیں گے اور نابالغ عورت کا خاوند مرجاوے تو اسپر عدت ہے یا نہیں اور اگر ایسی لڑکی کا خاوند کے مرنے سے چند روز بعد دوسرا نکاح کردیا جائے تو وہ صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) عورت جب بالغ ہوتی ہے کہ کوئی علامت علامات بلوغ سے مثل انزال اور حمل وحیض کے پائی جاوے اور عدت نابالغہ پر بھی واجب ہے جو نکاح عدت سے پہلے ہوا باطل ہے اور اسکا مرتکب اور اسمیں باوجود علم کے شریک ہونے والا فاسق ہے بعد عدت وہ نکاح دوبارہ ہونا چاہئے ورنہ زوجین میں جو کچھ مباشرت وصحبت وغیرہ ہوگی وہ سب زنا ہوگی۔

(س۴۲) قرآن مجید اگر کہنہ و بوسیدہ ہوجائے تو اسکو کیا کرنا چاہئے نیز مسجد کا ٹوٹا پھٹائی کا کسی نمازی کے بایں خیال کہ خدا کی چیز ہے لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) قرآن مجید کہنہ ہوگیا ہو تو اسے محفوظ جگہ میں دفن کردینا چاہئے اور جو شخص مسجد کی کوئی چیز لے لیوے وہ گنہگار ہوگا اور اسپر ضمان واجب ہے متولی مسجد کو دیوے۔

(س۴۳) کسی شخص کو روپیہ دیکر اس طرح شرکت کرنا کہ محنت تم کرو نفع نقصان میں نصفا نصف شریک رہے جائز ہے یا نہیں؟

(ج) کسی شخص کو روپیہ دیکر منافع میں شریک ہونا بطور مضاربت کے درست ہے اگر نقصان روپیہ والے کو ہوتا ہے اسمیں عامل و کارکنندہ کو شریک کرنا باطل ہے اور نفع چاہے نصفا نصف مقرر کرے چاہے کم زیادہ مگر نقصان میں وہ شریک نہیں ہوسکتا۔

(س۴۴) اگر کسی بکری کے بچے نے مادہ سور کا دودھ پیا ہو تو اسکا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

(ج) جس بکری کے بچے نے شیر خنزیر سے پرورش پائی ہے اسکے زمانہ شیر خواری یا اسکے بعد کچھ دنوں اگر اسکا

کچھ اور شے اُس دودھ کے سوا بھی کھلاتے رہے ہوں تو اُسکا کھانا کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر ابھی دودھ ہی پیتا ہے اور صرف اُسی پر اکتفا کرتا ہے تو اُسکو چند روز کچھ اور غذا کھلا کر ذبح کرلیں۔

(س۴۵) عورت کو جرمن سلور کا زیور جیسا کہ آجکل بکثرت بنکر آنے لگا ہے پہننا جائز ہے یا نہیں اور جھوٹا گوٹا لگانا کیسا ہے؟

(ج) عورتوں کو زیور چاندی سونا کانچ پیتل تانبہ کانسی سب شے کا درست ہے۔ پس جرمن سلور کا بھی درست ہے اور جھوٹا گوٹا بھی لگانا درست ہے۔

(س۴۶) مسلمان حجام کو کسی ہندو کی داڑھی مونڈنی جائز ہے یا نہیں اور فسادیوں کے بال صاف کرنے کیسوں میں نیز اگر مصلیان میں پچھلی رات کو آٹھ رکعت کوئی شخص پڑھتا ہو تو اول شب میں تراویح کا پڑھنا اسکے لیے بھی سنت مؤکدہ ہے یا نہیں؟

(ج) کسی مسلمان یا کافر کی داڑھی مونڈنا درست نہیں ہے اور نہ اُسکی اجرت لینی درست ہے۔ داڑھی کا کلوں پر منڈوانا اولیٰ نہیں اگر منڈوالیوے تو جائز ہے اور لب پر جو بچہ ریش ہے اُسکو منڈوانا جائز نہیں تراویح تہجد کے غیر ہے تہجد کے پڑھنے سے تراویح ساقط نہیں ہوتی فقط واللہ اعلم۔

(س۴۷) ایک شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ دو رکعت ہو چکیں اسکو دوسری مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ملنے کی امید ہے پس دوسری جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) جب کسی مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو اُسکو چھوڑ کر دوسری جگہ اس خیال سے جانا کہ پوری جماعت ملے درست نہیں ہے۔

(س۴۸) نفل کی کسی رکعت میں اگر ایک ہی سورت دو یا تین بار پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اور سنت میں اگر اشراق یا چاشت کا نام لینا بھول گیا تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

(ج) نوافل میں کسی وجہ سے ایک ہی سورۃ کو ایک رکعت میں مکرر پڑھنے سے کوئی کراہت نہیں آتی اور نوافل میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے بتعین کہ اشراق یا چاشت کے نوافل پڑھتا ہوں ضروری نہیں ہے اور نہ یہ کہنا ضروری ہے کہ "منہ میرا طرف کعبہ شریف کی" صرف نیت اور ارادہ نماز کا کر لینا اور نیت باندھ لینا کافی ہے البتہ فرائض میں تعین نماز اور وقت ضروری ہیں۔

(س۴۹) کسی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اور چند آدمی جو جماعت کے پابند ہیں کسی ضرورت سے جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو انکو دوبارہ جماعت کر لینی چاہیے یا نہیں؟

(ج) مسجد محلہ میں جب ایک جماعت ہو چکی ہو دوسری کرنی درست نہیں ہے اور جو مسجد راستہ پر ہو اور اسمیں امام اور نمازی مقرر نہوں اسمیں تکرار جماعت درست ہے۔

(س۵) اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کے لڑکے کی بیوی سے جسکو بہو کہتے ہیں اسکے مرنے یا طلاق دینے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) زوجہ پسر سے باپ نکاح نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اور اگر وہ بیٹا اس شخص کا نہیں بلکہ اسکی زوجہ کا بیٹا ہے تو اسکے مرنے کے بعد اسکی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔

یہانتک جو کچھ بیان کیا گیا یہ سب نمونہ تھا نبوی فیضان کے اس مسلک عام کا جسکو شریعت بیضاء کہا جاتا ہے اور جسپر چلنا ہر بشر پر فرض بنایا گیا ہے۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ جادۂ شریعت میں حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ کی یہی نیابت نبوت کا اظہار اس جزیرۂ خضم ہونیولا اب اس ضمنی تاریخی واقعات کے بعد اس طریق مستوی میں قطب العالم کی راہبری دکھانی منظور ہے جسکو خلاصہ شریعت کہا جاتا اور طریقت و سلوک و معرفت و تصوف و اصلاح نفس کے متعدد ناموں سے پکارا جاتا ہے مذکورۂ بالا علمی عنوانات میں اسکا التزام رکھا گیا ہے کہ جملہ تحریرات حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی دستی درج کی گئی ہیں شبہات و فقہیات متداولی و مراسلات تمام کمال وہی شامل کتاب ہوئے ہیں جنکے جوابات حضرت نے خود اپنے قلم سے تحریر فرمائے ہیں ان شاء اللہ شاذ و نادر کوئی تحریر ایسی آئی ہوگی جو کسی معتبر کاتب اور خاص خادم کے توسط سے لکھوائی گئی ہو۔ ان تحریرات خاصہ میں بھی انتخاب کیا گیا ورنہ صرف مضامین علمیہ کا ہر عنوان تلاش کے بعد ایک مستقل ضخیم کتاب بننا چاہتا ہے اگر حق تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اس ترتیب کو ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

حق تعالیٰ شانہ نے محدث گنگوہی قدس سرہٗ کو چونکہ جامع بین الشریعت والطریقت امام بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اس لئے دین کے دونوں پہلو اُنکی ستودہ صفات ذات سے ترقی پذیر اور بارونق بنے۔ آپنے مشکوٰۃ نبوت سے روشنیاں اس درجہ حاصل کیں جو ہندوستان کے وسیع ملک کو چمکا دینے کیلئے کافی ثابت ہوئیں اور ان شاء اللہ کئی صدی تک اپنی چمک دمک سے ظلمت جہالت میں پڑی ہوئی مخلوق کو نور کی طرف نکال لانے کا کام دیتی رہیں گی آپنے تین سو سے زیادہ طلبہ کو عالم بنایا جنمیں بہتیرے حضرات متفرق بلاد میں پھیلے ہوئے ترویج دین اور تدریس علم میں آج تک مشغول ہیں۔ چند مشاہیر حضرات کے نام عرض کرتا ہوں ابو الانوار مولوی عبد الغفار صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف مولوی محمد حسین فقیر دہلوی۔ مولوی عبد الرحمٰن گنگوہی۔ حکیم مولوی جمیل الدین صاحب نگینوی۔ مولوی حسین شریف صاحب ولایتی۔ مولوی حکیم نصیر الدین صاحب میرٹھی مرحوم

مولوی احمد شاہ صاحب شاہجہانپوری ۔ مولوی حکیم محمد ابراہیم المعروف بہ حیات علی تہراوی ۔ مولوی امان اللہ کشمیری
مولوی عبدالکریم پنجابی ۔ مولوی محمود حسین بریلوی ۔ حکیم عبدالعزیز مرحوم ساکن بگلا دیسی ۔ مولوی محمد حسین خاں
ساکن گڈہی ۔ حکیم مولوی صدیق احمد ساکن گڈہی ۔ حکیم عبدالوہاب نابینا دارد حال حیدرآباد دکن ۔ مولوی
امام الدین مرحوم ساکن گمتھلہ ۔ مولوی محمد حسین مانک پوری ۔ مولوی معشوق علی پورہی ۔ ملا محمد جی بخاری ۔ مولوی
صفات احمد غازی پوری ۔ مولوی سراج الدین ظلدی ۔ مولانا حامد حسن دیوبندی اور مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی جو
اسلامی ریاست بھوپال میں نہایت عزت کے ساتھ قدردان علم رئیسہ دام اقبالہا کی خواہش و طلب پر بشاہ کیصد
روپیہ ماہوار گئے اور چھوٹے صاحبزادہ کے آتالیق رہے اور اب بحسن کارگزاری مدرسہ وقفیہ عربیہ کے مہتمم ہیں حضرت
قدس سرہ ہی کے خاص شاگرد اور جان نثار قدیمی خادم اور بیعت و توبہ کے مجاز ہیں مولانا مولوی محمد روشن خاں صاحب
مرادآبادی دام فیضہ نے اسی استاد سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا جو مجاز طریقت ہیں اور مولانا مولوی قادر علی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا ہی شاگرد اور مجاز طریقت تھے جو مدرسہ دہلی میں مدرس اور علماء مشاہیر
میں گنے جاتے تھے علم باطنی سے مالا مال تھے ۔ مولوی سعد اللہ صاحب بھی گنگوہی دربار کے تعلیم یافتہ ہیں جو آجکل
سری نگر کشمیر میں قاضی ہیں ۔ مولوی ماجد علی صاحب جونپوری کو بھی حضرتؒ ہی سے تلمذ ہے جو آجکل ریاست
مینڈھو میں مدرس اول ہیں ۔ مولوی محمد اسحٰق صاحب بنہٹوری مجاز طریقت ہیں اور دہلی میں بشاہ بیس ایک مخلص
تاجر کے مہمان بنے ہوئے ہیں ۔ مولوی حکیم احمد صاحب رامپوری اور جناب مولوی سعید اللہ بن صاحب رامپوری
جو اسوقت ریاست بھوپال میں مہتمم سائر کل ہیں مولوی رضی الحسن کاندھلوی اور مولانا صادق الیقین صاحب
مرحوم سبھی حضرتؒ ہی کے شاگرد اور مجاز طریقت خلیفہ تھے جنکا تیسرا سال ہے مکہ معظمہ میں بعد فراغ ماہ
محرم الحرام وصال ہوا ۔ حافظ امیر حسن گنگوہی ۔ مولوی مومن علی گنگوہی ۔ مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی پیر جید
عبدالرحمٰن گنگوہی ۔ مولوی نذیر احمد بنہٹوی ۔ مولوی اللہ رکھے انبہٹوی ۔ مولوی عبدالرحمٰن کرنالی ۔ مولانا فتح محمد
تھانوی ۔ مولانا محمود حسن صاحب سادھوروی اور مولوی امیر حسن انبہٹوی کو بھی حضرت سے تلمذ حاصل ہے حضرت قدس سرہ
کے دونوں صاحبزادوں جناب مولانا المولوی حکیم مسعود احمد صاحب بن فضلہ و دام اللہ ظلہ اور مولانا المولوی
محمود احمد صاحب مرحوم مغفور نبی شیخ وقت آفتاب عالم پدر بزرگوار سے پڑھا آپکے دادا مولانا حافظ محمد ابراہیم
صاحب حافظ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جنہوں نے صاحب بستہ ہوکر گنگوہ میں وصال فرمایا اور نیز آپ کے بھانجے
مولوی الطاف الرحمٰن کو مولوی لطف الرحمٰن صاحب اور آپکی ہمشیرہ کے بھانجے مولوی ابو الطیب بن ابو القاسم بن

مولوی محمد نقی صاحب مرحوم ابھی آپ ہی سے پڑھتے تھے حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی اور ملا عبدالرزاق صاحب جو آجکل سلطنت خداداد افغانستان کے دارالسلطنت شہر کابل میں قاضی القضاۃ ہیں حضرت مولانا ہی کے شاگرد ہیں۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب و مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مولوی حبیب الرحمن صاحب دیوبندی کو بھی تلمذ کا شرف حاصل ہے اور سب سے آخری زمرہ میں امام ربانی غوث صمدانی قطب العالم قدس سرہ کے تلامذہ میں مولانا المولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ہیں جنکے نام نامی سے حضرت کے منتسبین میں غالباً کوئی چھوٹا بڑا شخص ناواقف نہ ہوگا۔ اسی آخری دورہ میں چونکہ حضرت مولانا کی بینائی پر آشوب نے اثر کیا اور تحریری جوابات سائلین سے بالکلیہ معذوری ہوگئی اسلئے یہ شاگرد اس خدمت کیلئے منتخب ہوئی اور طبعی فکاہت رسائی سہم نفقہ صلاحیت و استعداد نفس اور شیخ المشائخ کی بہ وقت خدمت و مزاج شناسی کی بنا پر وقت و حال یعنی کامل ۱۲ سال تک حضرت کی آنکھ سے اوجھل نہونے پائے۔ حضرت قدس سرہ کے علمی فیضان اور تدریس و تفقہ کے آثار کا نمونہ دکھلانے کے لئے اگر مولوی محمد یحییٰ صاحب کو پیش کردیا جاتا تو کافی تھا بجائیکہ اس بحر زخار سے سیراب ہونیوالی سیکڑوں کی تعداد میں پانچ اور پچاس علماء کے نام ہدیۂ ناظرین کردئے گئے

آیئے اب اس سبزی کا نظارہ کرائیں جسمیں اس چمنستان دین کی کئی سو علماء نے گل چینیاں کی ہیں افسوس آج وہ باغ علم جسکے باغبان نے دنیا کو چھوڑ دیا ویران پڑا ہوا ہے مکان کی حالت ابھی تک وہی ہے جو تدریس کے زمانہ میں تھی مگر افسوس کہ مکین موجود نہیں ہے جسکے دم سے اینٹ اینٹ پر رونق و تازگی برستی تھی۔ حضرت کے تلامذہ کے لئے خصوصاً اور ناظرین کیلئے عموماً اوجھل ہوجانیوالی حالت کا فوٹو لوا کر اس گذشتہ سماں کا نظارہ کرانا مناسب معلوم ہوا جسکو دیکھنا اب دشوار ہوگیا۔ صحن خانقاہ میں چارپائی اپنی جگہ بچھی ہوئی ہے بستر لگا ہوا کیفیہ کے قریب عمامہ اطہر دھرا ہے سرہانے سے لگی ہوئی لاٹھی کھڑی ہے پٹی کے نیچے تعویذ مبارک موجود ہیں بیچ کے دروں میں کہروں رکھدی گئی ہیں چاروں طرف مونڈھیں پڑے ہیں قبلہ کی سمت چوکی بچھی ہوئی ہے اوپر مصلےٰ پھیلا ہے وضو کا لوٹا رکھا ہوا ہے صبح کیوقت اشراق کی نماز یہاں ہوتی تھی شام کیوقت تارگھر والی جگہ قائم ہوتا تھا افسوس کہ اب اجڑ گیا چڑیاں اڑ گئیں باغ کی بہار ختم ہوگئی پھول پھلواری لٹ چکی چہکنے والے مرغان سحر اور چہچہانے والے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے طیور نے اپنی اپنی راہ لی حتی الوسع ہر شے اپنے موقع پر دکھانیکی کوشش کیگئی ہے سامنے والی سرسری وہ رمگاہ ہے جسکو مسطورہ مضمون نے علاقہ حقیقی سے تعبیر کیا ہے

عطا فرمائے حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر کو جنھوں نے حضرت کے ساتھ خادمانہ علاقہ کا جوش انصاف میں ظاہر فرما کر میری خواہش بھی پوری کی

بقیہ واقعات اور حج فرض

غدر کے اگلے سال یعنی ۱۲۷۴ ہجری ماہ ربیع الثانی میں حضرت امام ربانی کی صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب کی والدہ ماجدہ صفیہ خاتون تولد ہوئیں ان سے ایک سال قبل ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جسکا انتقال چند ایام کی عمر میں ہوگیا تھا۔ اولاد میں یہ پہلا ذخیرہ آخرت تھا جسکو پیش خیمہ حق تعالیٰ نے عالم بقا میں پہونچایا خدا کی شان ہے کہ دین کو دنیا پر ترجیح دینے کے امتحانات میں حضرت امام ربانی سے غیر اختیاری امور بھی اسی کامیابی کے مظہر بنتے تھے کہ جگر کے ٹکڑوں اور فواد کے ثمرات میں سب سے پہلا ثمر عالم آخرت میں مستوجب اجر و ذخر ہوا۔ صاحبزادی صاحبہ کی عمر ۴ سال دو ماہ کی تھی کہ بیوم جمعہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۷۸ ہجری نبوی کو صاحبزادہ جناب مولانا حکیم مسعود احمد صاحب تولد ہوئے صاحبزادہ صاحب کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ کو دوسری صاحبزادی عطا ہوئیں جنکا نام امام بھانی رکھا گیا تھا مگر تقریباً تین چار سال کی عمر میں انتقال کر گئیں

صاحبزادی صاحبہ نے جسوقت ہوش سنبھالا چونکہ گھر کے گوشہ گوشہ میں پنے پاک خدا کی یاد کا چرچا دیکھا اسلئے بالطبع عبادت سے مانوس اور طاعت کی طرف راغب رہیں قطب العالم کے دولتکدہ میں سوائے دین کے شغلوں اور رضائے مولیٰ کی طلب کے سامان کے اور کیا تھا جسکی طرف بچپن میں طبیعت جھکتی اگر کھیل بھی تھا تو نماز کا اور مشغلہ تھا تو صاف ستھرا رہنے اور پڑھنے پڑھانے کا۔ بولنا آیا تو اللہ کا نام لوایا گیا اور لطق نے یاوری کی تو کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا گیا۔ صاحبزادی کی پہلی معلمہ یعنی انکی والدہ ماجدہ چونکہ خود ولیہ تھیں اسلئے تعلیم و تربیت کا پوچھنا کیا ہو بھی حرکت تھی وہ موافق سنت کے اور نشست و برخاست تک شریعت غرا کے مطابق یہانتک کہ قرآن مجید ناظرہ سے پڑھکر ختم کیا اور اب باپ سے ترجمہ پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت امام ربانی نے درس کا عام دروازہ کھولدیا اور صبح سے بارہ بجے تک طلبہ کے پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ کھانا تناول فرمانے کی ضرورت سے گھر میں تشریف لاتے تو ایکی مایہ قرآن مجید صاف کیا کرتیں اور روزانہ پارہ آپکو سنایا کرتی تھیں اسی حالت میں آپنے صاحبزادی کو ترجمہ قرآن مجید شروع کرادیا اور عام فہم دینی تعلیم کی گھر میں بنیاد ڈالی جسوقت صاحبزادی نے ترجمہ شروع کیا رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس لذیذ نعمت میں شریک ہوئیں چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں ترجمہ

ترجمہ پڑھاتے اور اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے جاتے تھے۔ مسائل بتاتے اتباع شرع کی رغبت دلاتے خدا کی نافرمانی سے ڈراتے اور تہذیب اخلاق کی تاکید فرماتے جاتے تھے۔ یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی کی طرف سے تقریباً آدھ گھنٹہ کا وعظ ہوتا تھا جسمیں مستورات کی اصلاح نفس کا وہ حق ادا کیا جاتا جو گھر کے سرد ہو مردوں پر حق تعالیٰ نے فرض فرمادیا ہے۔ آپ کثرت مشاغل کے باعث گھر میں بہت کم قیام فرماتے مگر جتنی دیر بھی قیام فرماتے گھر والوں کی اصلاح حال اور ترقی مراتب ہی میں مصروف رہتے تھے حرکات و سکنات پر نظر رکھتے چلتے پھرتے لباس وضع تکلم و سکوت غرض ہر ایک ادا کی نگہداشت کو اپنے ضروری سمجھ لیا تھا اسی سرسری قیام میں کوئی اللہ کی بندی خدا کا نام سیکھنے آئی تو اسکو بیعت فرماتے اور تسبیحات کی تعلیم فرماتے تھے۔ نماز کی محبت چونکہ آپکے رگ وپے میں رچ گئی تھی اسلئے آپ چاہتے تھے کہ گھر والے اور تمام متعلقین و واقفین اسدرجہ عاشق رشید ہوجائیں کہ حالت نزاع میں بھی اسی کا تصور و دھیان رہے الغرض نسوانی تعلیم کے متعلق جو کچھ آپکو سکھانا اور پڑھانا تھا وہ ترجمہ قرآن کے درس میں آپنے ختم کردیا اس طرح پر آپ کی بکثرت صاحبزادی ضروریات دین کی عالمہ ہونے کے علاوہ آسمانی کتاب یعنی کلام اللہ کے مضامین سے آگاہ اور بقدر ضرورت وعظ کہنے پر قادر ہوگئیں۔

الزام بغاوت سے سبکدوش اور گرفتاری سے رہائی پائے کامل تین سال گذر چکے تھے اپنے شیخ و مرشد علیہ حضرت مخدوم الکل حاجی امداد اللہ شاہ صاحب سے چوتھا سال تھا آپکی محبت شیخ جو قدرتی آپکے دل میں ودیعت رکھی تھی دن بدن بڑھتی جاتی تھی کہ آپ تعلیم و تعلم کے دینی مشغلہ سے انپر دلکو بہلاتے اور پاک خدا کی یاد میں رات دن گزارتے تھے مگر مرشد العرب والعجم کی زیارت و پابوسی کا شوق اور حاضری حرم محترم کا غلبہ اشتیاق آپکو چین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ یہ زمانہ آپ پر عسرت کا تھا حق تعالیٰ کی طرف سے آپ فقر کے امتحان میں مبتلا کئے گئے تھے سہارنپور کی ملازمت تعلیم چھوڑنے کے بعد آپنے کہیں نوکری نہیں کی ایک مرتبہ چند ماہ کے لئے کتب و دینیات کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ بھی عارضی اور گنگوہ کے قصبہ میں نہ چلسکنے والا برائے نام حیلہ پس جس تنگدستی کیساتھ آپکی اسوقت گذری تھی اسکو آپ ہی کا دل خوب جانتا تھا۔

آخر عمر کے دس بارہ سال میں جو فتوحات آپ پر ہوئیں انکا اس ابتدائی زمانہ میں وہم و گمان بھی نہ تھا جبکہ آپ عنقریب غنی ہونے والے تھے اسلئے غنا سے قبل افلاس اور عیالداری کے باوجود تنگدستی و عسرت کی

غیر اختیاری سنت سے مالا مال کئے گئے حق تعالیٰ نے نبوی نیابت اور بطحائی اتباع کو اس مضمون میں بھی پورا فرمایا گیا خدا نے تمکو یتیم نہ پایا پس ٹھکانا دیا اور گم گشتہ راہ پایا پس راہبری فرمائی اور محتاج عیالدار پایا تو غنی بنا دیا" اس زمانہ فقر و احتیاج میں چونکہ آپ کا دل عشق منزل حب خداوندی کی دولت لازوال سے مالا مال تھا اسلئے آپ خوش اور اپنی حالت پر مسرور و فرحاں تھے آپ کو اپنی زاہدانہ گزران بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی آپ چاہتے تھے کہ میرے کپڑوں کی پوسیدہ حالت کوئی دیکھنے نہ پائے۔ یہی وہ زمانہ تھا جبمیں کسی مہمان کا آنا آپ کو ناگوار گزرتا تھا کیونکہ آپ اسکی مہمانداری پر قادر نہ تھے اور اسکے ساتھ ہی اپنی تنگی معیشت اسپر ظاہر ہونی پسند نہ فرماتے تھے اگر کوئی مسافر آپکے یہاں اترتا تو آپکا دل اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا اور بیچین ہو جاتا تھا آپ کا دلی منشا رہتا تھا کہ جس حال میں پڑا ہوں ایسا گوشہ گمنامی میں پڑا رہوں کہ کسی کان یا آنکھ کو اس حال کی اطلاع نہو۔ اسی عسرت کے عالم میں مرشد کی زیارت کا وہ شوق جسکے پورا کرنے کو بادی بھار میں بحر ہند قطع کرنے اور چھ ماہ سفر کی صعوبت اٹھانے کی حاجت تھی تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کر رہا تھا شوق کا یہ عالم تھا کہ اگر بازوؤں پر پر لگ جائیں تو آپ حجاز کیجانب اڑ جائیں اور عیالداری و عسرت کا یہ حال تھا کہ آپکو گھر سے نکلنا اور چلنا پھرنا تک دشوار تھا خدا کی شان کہ ڈپٹی عبدالحق صاحب مرحوم میرٹھی کا قصد سفر حج مصمم ہوا اور اس خیر دریا دل شخص نے اپنے ساتھ متعلقین و وابستگان کا بھی غفیر لیجانا چاہا۔ سنا ہے کہ کپڑے دھونے والے دھوبی اور خط بنانے والے حجام نے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی تو ڈپٹی صاحب نے بخوشی منظور فرمائی اور ساتھ لے لیا۔ انہیں ڈپٹی صاحب ممدوح کی خواہش ہوئی کہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب بھی میرے ہمراہ چلیں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب بھی میرے ساتھ ہوں چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے نہایت مسرت کے ساتھ اسکو منظور فرمالیا اور غیبی معاونت پر اپنے پاک پروردگار کا شکر ادا کیا۔

حکیم ضیاء الدین صاحبؒ رامپوری حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے اور چونکہ حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ امام ربانی قدس سرہ کو نہایت مناسبت و محبت تھی اس لئے حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے ساتھ وہ دوستانہ بے تکلفی کا برتاؤ تھا کہ جسکی نظیر حضرتؒ کی سوانح میں ملنی مشکل ہے حکیم صاحب تشریف لاتے تو بے تکلف حضرتؒ کی چارپائی پر لیٹتے اور بیٹھتے تھے حضرت ہی کی چوکی پر وضو کرتے اور وہیں نوافل پڑھتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ حکیم صاحبؒ حضرت کی چارپائی پر بے تکلف لیٹ جاتے اور

حضرتؒ چٹی کے برابر نیچے فرش پر بیٹھکر راز دنیا کی باتیں فرمایا کرتے مگر اسکے ساتھ ہی حکیم صاحبؒ کو ادب اسدرجہ ملحوظ تھا کہ جسکا سمجھنا اس سادہ برتاؤ پر مشکل ہے جس احترام و وقعت کی نگاہ سے حکیم صاحب کو امام ربانی دیکھتے تھے اسکی مثال عام متوسلین میں بھی نہیں مل سکتی۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب کو اطلاع ملی کہ حضرت امام ربانی کسی بات پر آپ سے ناراض اور رنجیدہ خاطر ہو گئے اس وحشت اثر خبر کا سننا تھا کہ حکیم صاحب کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا سراسیمہ و پریشان اسی وقت رامپور سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے اور سیدھے گنگوہ پہنچے۔ خانقاہ پہنچکر اتنی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت کے سامنے جائیں اور بالواسطہ عرض معروض فرمادیں ظہر کی نماز ہو چکی تھی امام ربانی عادت شریفہ کے موافق تلاوت کیلئے خلوتخانہ میں تشریف لیجا چکے تھے اور حجرہ کا دروازہ بند ہو لیا تھا حکیم صاحب اس چھتہ میں جو مسجد کے جنوبی و شرقی گوشہ میں بنا ہوا تھا نگوں بیٹھ گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں نے بہہ بہہ کر رخساروں پر تار باندھ دیا۔

حضرتؒ کے خادم خاص عبداللہ شاہ مرحوم خلاف عادت حضرت کے بے تکلف دوست اور مخلص عاشق کو اس پریشان حالت میں بیٹھا ہوا مضطرب و بیقرار روتا ہوا پایا کر حیران ہو گیا پاس حاضر ہو کر سلام کیا اور وجہ دریافت کی تو حکیم صاحب نے رو کر اسطرح جواب دیا کہ "اگر ہو سکے تو حضرت سے اتنا عرض کر دو کہ خطاوار غلام اپنا قصور معاف کرانیکے لئے آستانہ پر حاضر ہے" خادم لپٹے پاؤں لوٹا اور عرض کیا کہ حضرت ایک ضروری بات عرض کرنی ہے ذرا تکلیف فرما کر اسکو سن لیں جناب حکیم ضیاء الدین صاحب ایسی پریشان حالت سے چھپر کے نیچے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ دیکھنے والے کو ترس آتا اور تعجب ہوتا ہے یوں فرماتے ہیں کہ "خطا معاف کرانے حاضر ہوا ہوں" چنانچہ حضرت امام ربانی اسی وقت اٹھے اور باہر تشریف لاکر حکیم صاحب کو گلے سے لگا لیا تھوڑی دیر تک حکیم صاحب پھوٹ پھوٹ کر روئے آخر بات صاف ہونے پر پھر وہی بے تکلف دوست بنگئے جیسا کہ پہلے تھے

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے مرشد العرب والعجم کی مکہ میں اور اپنے محسن و شفیق استاد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی مدینہ منورہ میں زیارت کا شوق پورا ہوتا دیکھا اور ہر سفر میں حکیم ضیاء الدین صاحب کی معیت و مرافقت پائی اسلئے نہایت مسرت کیساتھ ڈپٹی صاحب کے ہمراہ حجاز چلنے کیلئے طیار ہو گئے اور جو کچھ بن پڑا اہل و عیال کے لئے انتظام خورد و نوش فرکر ۱۳۰۸ھ ہجری کے اوایل میں رامپوری قافلہ کے ساتھ کراچی کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت کے ماموں زاد بھائی اور جان نثار رفیق طفولیت مولوی ابوالنصر صاحب نے حضرت کا تہیہ سفر

حج دیکھا تو بے چین ہوگئے اور ہر چند کہ حضرتؒ نے منع فرمایا مگر مفارقت گوارا نہ کر سکنے کے عذر سے جو کچھ اثاثہ موجود تھا اونے پونے بیچ کھوچ کر معہ اہلیہ ایک چھکڑے میں اسباب سفر لاد کر ساتھ ہو لئے خلاصہ یہ کہ حضرت امام ربانی کا سارا خرچ ڈپٹی صاحب کے ذمہ تھا اور مولوی ابو النصر صاحب جو حضرتؒ کی معیت پر جان دیتے تھے اپنے خرچ سے اس رامپوری قافلہ کے ہمراہ ہوئے جس میں حکیم ضیاء الدین صاحب اور مولوی سعید الدین صاحب مقیم بھوپال کے والد ماجد حافظ وحید الدین صاحب حاجی علاؤ الدین صاحب حاجی محمد یوسف صاحب اور ڈپٹی عبد الحق صاحب کا سارا کنبہ اور متعلقین تھے۔

اس زمانہ میں حج کا سفر اس زمانہ کا سفر حج نہ تھا کہ گھر سے باہر نکلکر ریل میں بیٹھے تو تیسرے دن بمبئی اور بمبئی سے دخانی جہاز میں بیٹھے تو بارھویں دن باب الحرمین یعنی جدہ کا بندر دکھائی دینے لگا۔ اسوقت کی سہولت و راحت کو اس وقت کی صعوبت و مشقت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا اور یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حج کا فریضہ ادا میں جسقدر دشوار تھا اتنی مشکل کوئی عبادت نہ تھی ہفتوں چھکڑے اور بیلیوں میں بیٹھنا پڑتا تھا جنکے ہچکولوں سے ہڈیوں کا چورا ہوتا تھا مہینوں پانی میں چلنا پڑتا تھا۔ دریائی سفر ان بڑی کشتیوں میں طے کیا جاتا تھا جنکو بغلہ کہتے ہیں۔ بغلہ میں بقدر وسعت تین چالیس آدمی بیٹھتے اور مرطوب ہوا کے جھوکوں سے دوران سر میں مبتلا ہو کر ایک دو کے پر جا پڑتے تھے اٹھتے تو چکر آتا اور استفراغ بیہوش بنا تا اور پڑتے تو غشی کا بادل چھا جاتا تھا۔ یہ بغلے بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کے رخ پر چلائے جاتے تھے جنکو ملاح کھیتے اور دن بھر چلا کر شام کے وقت کسی بستی کے قریب کنارے پر باندھ دیا کرتے تھے اسوقت مدہوش پڑی ہوئی سواریاں اوٹھا کر تین گھاس پھونس سے کچی پکی کھچڑی طیار ہوتی اور اللہ عزیز کر کے کھالی جاتی تھی۔ وقت ملتا تو دن بھر کے تھکے ماندے کچھ تکان رفع کرتے ورنہ یوں ہی پڑے آسمان کو تکتے رہتے تھے صبح سے قبل ٹھنڈے وقت مجھک مچکے میں اس چھوٹے جہاز کا لنگر پھر کھولا جاتا تھا خدا خدا کر کے بندرگاہ کا کنارہ نظر آتا اور خشکی پر اترنا نصیب ہوتا تھا کراچی سے پھر بادبانی جہاز کا سفر ہوتا تھا جو عموماً بمبئی کے بندر سے مال بھرتا ہوا عدن و مکلا و صنعا و مخا اور یمن کے دیگر بندرگاہوں پر ٹھیرتا مال چڑھاتا اتارتا جدہ پونہچا کرتا چونکہ اس جہاز کا ظاہری دار و مدار مضبوط کپڑے کے پردوں یعنی ان بادبانوں پر تھا جنکو ہوا کے رخ پر باندھا جاتا تھا کہ ہوا کے تند جھونکے ان سے ٹکرا کر جہاز کو پانی میں کاٹتے ہوئے آگے کو دھکیلیں اسلئے اول تو قطع مسافت میں زیادہ وقت گزرتا تھا اور دوسرے ہوا کے رخ بدل جانے پر جہاز بھی اپنا منہ پھیر لیتا تھا اکثر ایسے

ع حکیم ضیاء الدین صاحب مقیم بھوپال حقیقی بھائی حافظ وحید الدین صاحب والد ماجد حافظ محمد یوسف صاحب و حافظ محمد اسحٰق صاحب

اتفاقات سننے میں آئے ہیں کہ چلتے چلتے جدہ کا کنارہ نظر آیا اور ہوا پلٹی تو جہاز کی الٹی رفتار اور پچھلے پاؤں لوٹنے سے بمبئی کا کنارہ دکھائی دینے لگا ہے ان بیچارے مسافروں پر جنکو نیچے پانی اور اوپر آسمان کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا ایسے حسرتناک وقت میں جو کچھ گزرتا ہوگا وہ انہیں کا دل جانتا ہے آج تو بحری و بری ہر دو سفر دخانی قوت سے بفضل اللہ اس درجہ سہل ہو گئے کہ پچھلی مشقت کا سمجھنا بھی دشوار ہو گیا۔ بادی جہازوں میں عموماً ہندوستان سے جدہ تک پونہچنا تین چار ماہ میں ہوتا تھا ہاں اگر تقدیر یاوری کرتی تھی تو بعض دفعہ دخانی جہاز سے بھی وقت کم صرف ہوتا اور چھٹے ساتویں دن ہی موافق ہوا کے تیز دھکے بھاری اور بڑے سے بڑے جہاز کو جدہ پونچا دیتے تھے۔

اسی مشقت والے سفر کے زمانہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو بمعیت رامپوری جماعت کثیرہ کے اس پہلے سفر حج کا اتفاق ہوا جسکو حج فرض کہا جاتا ہے چنانچہ آپ فیروزپور تک چھکڑے میں بیٹھے اور وہاں سے کشتیوں میں بہاولپور کے نیچے کو گزرتے ہوئے حیدرآباد سندھ پونہچے وہاں سے بغلہ میں سوار ہو کر کراچی بندر آئے اور کراچی سے بغلہ ہی کی سواری میں بمبئی تک پونہچے آپکے نازپروردہ جسم اور نازک بدن نے اس کٹھن سفر کی ساری مشقتیں راحت سمجھکر برداشت کیں سارے سفر میں آپکی ایک نماز بھی قضا نہیں ہونے پائی آپ سفر میں بھی اسطرح اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے جیسا کہ حضر کی حالت میں وطن کے اندر لگے ہوئے تھے سفر کی وہ پریشانیاں جو مسافروں کو گھبرا دیا کرتی ہیں آپ پر کچھ بھی اثر نہ ڈال سکیں آپ ہر نا کامی میں ایسے ہی بشاش و مسرور رہے جیسا کامیابی پر ہونا چاہیئے تھا۔ وقت یا تکلیف کا جو مضمون بھی پیش آتا چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوا اسلئے کبھی اس سے اکتاتے نہ تھے الغرض جہاز آیا اور کرایہ طے ہو گیا سب نے ٹکٹ لے لئے اور جہاز پر سوار ہو گئے سواریاں سوار ہو کر منتظر تھیں کہ جہاز لنگر اٹھائے آفتاب غروب ہو گیا مگر جہاز نے لنگر نہ اٹھایا۔ انتظار کی تکلیف برداشت ہونی آسان نہیں ہے روانگی میں اتنی تاخیر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف پریشانی چھا گئی کہ دیکھئے جہاز کب لنگر اٹھائیگا اور کب روانہ ہوگا اسی حالت پر کئی دن گزر گئے لوگوں کا انتظار پریشان تر ہوتا رہا۔ کئی دن تک کنارے پر بندھے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سب اکتا گئے حضرت امام ربانی کے سوائے جہاز کا کوئی مسافر ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان خاطر نہ ہوا ہو حضرت امام ربانی نے جب رفقاء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا "میاں گھبراتے کیوں ہو جہاز چوتھے روز روانہ ہوگا" خدا خدا کر کے چوتھا دن آیا تو پل پل اور لحظہ لحظہ پر مسافروں کی نگاہ تھی کہ دیکھئے آج بھی روانگی ہوتی ہے یا نہیں آخر آدھا دن گزرنے

بھی جب روانگی کا کوئی اثر و نشان نہ پایا تو لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج تو جو تھا دن بھالیجے آج بھی رہے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کپتان نے لنگر کھلوا کر جہاز چھوڑ دیا اور بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کی آواز سے جہاز میں گونج اٹھیں۔

چھوٹا سا جہاز یعنی بغلہ جسوقت کہ انچی سے روانہ ہوکر بسوئے بمبئی جا رہا تھا کنارہ چھوڑے ہوئے عرصہ گزر لیا تھا کہ دفعۃً غلیظ ابر آسمان پر نظر آیا جو آگے بڑھتا اور اوپر چڑھتا بغلہ کے سر پر آ ٹھیرا اور بنا شر وع ہوا تند ہوا کے تھپیڑوں نے بغلہ کو ہلایا اور ٹھنڈے پڑے ہوئے پانی میں جوش پیدا کر دیا سمندر میں تلاطم پیدا ہو گیا اور اطمینان سے بیٹھی ہوئی سواریوں کو ایک سخت طوفان نے آدبایا۔ جہاز کے ناخدا نے اول تو بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کی روک تھام کی مگر جب جہاز کی حفاظت قابو اور اختیار سے باہر ہو گئی تو مایوس ہو گیا تھک گیا اور بہ الفاظ کہے کہ "حاجیو دعا مانگو طوفان آگیا" طوفان کا نام ہی ایسا موحش ہے کہ انسان گھبرا اٹھتا ہے اور جنپر بحری سفر کے وقت یہ حالت گزری ہو انکی سراسیمگی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس دہشتناک منظر کے وقت جبکہ سمندر کی موجیں پہاڑ بن بنکر جہاز کو تہ و بالا کرتی ہیں بڑے بڑے باہمت بہادر گھبرا اٹھتے ہیں بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک اس ہیبت ناک نظارہ کا پیش خیمہ ہے اور تلخ و شور پانی میں ڈوب کر جان دینا نتیجہ و انجام پھر بھلا بغلہ کی کیا ہستی کیا۔ کراچی و بمبئی کے مابین طوفان کا آنا تھا کہ جہاز والوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ناخدا تک کے ہاتھ پاؤں پھول گئے سواریوں میں ہل چل پڑ گئی کسی طرف آہ و بکا اور گریہ وزاری اور کہیں وحشت و سراسیمگی اور سکوت و تحیر جسکو دیکھئے پریشان حال اور جسے خیال کیجے مضطرب و خائف اسوقت حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا "بھئی کوئی مرجگا تو ہے نہیں ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود نہیں جا رہے" اطمینان کے کلمات حضرت نے غایت طمانینت کے ساتھ رفقاء سفر کو سنائے مگر وہ تسکین و تسلی جو خداداد آپکو حاصل تھی دوسروں کو حاصل ہونی دشوار تھی اسلئے اضطراب رفع نہوا یہانتک کہ تیسرے دن بادل چھٹ گیا ہوا تھم گئی تلاطم کمزور پڑ گیا اور جہاز اپنی اصلی رفتار پر چلنے لگا۔

جسوقت بغلہ اپنی حالت پر آگیا اسوقت حجاج کو اطمینان حاصل ہوا اور ناخدا نے وہ گھڑی دیکھی جس سے پتہ معلوم ہو کہ بغلہ کہاں چل رہا اور طوفان کے طمانچوں سے راہ راست کتنی مسافت پر چھوڑ آیا ہے ناخدا گھڑی دیکھکر حیران ہو گیا اور سواریوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ طوفان تمھارے سفر کا بڑا رفیق نکلا آج اسوقت جہاز اس جگہ چل رہا ہے کہ معمولی ہوا میں آٹھ روز تک بھی یہاں نہ پہنچ سکتا۔ طوفان میں جہاز بالکل سیدھے

چلا اور چند گھنٹوں میں تند ہوا نے چند روز کی مسافت قطع کرادی۔

سنا ہے کہ طوفان کی سخت شدت کے وقت جسکی تھوڑی دیر بعد سکون کے آثار پیدا ہوئے حکیم ضیاء الدین صاحب یا کسی دوسرے شخص نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں دیکھا تھا کہ متلاطم سمندر میں ایک جانب اعلیحضرت حاجی صاحب اور دوسری جانب حضرت حافظ ضامن صاحب جہاز کو کندھے پر رکھے ہوئے آگے کو دھکیلتے اور موجوں کے تھپیڑوں سے اسکی حفاظت فرماتے جارہے ہیں اور کہتے ہیں "گھبراؤ نہیں" الغرض حق تعالیٰ نے اس مصیبت کو دنیاوی رحمت بھی بنایا اور طوفان آب کو بحری سفر کے جلد قطع ہونے کا ذریعہ گردانا چنانچہ بخیر و عافیت سارا قافلہ کئی بندرگاہوں پر ٹھیرکر جدہ پونچا اور وہاں سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تمام ہمراہیوں سمیت اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

بلدۃ الحرام میں حج و عمرہ کے علاوہ اپنے شیخ برحق مرشد العرب والعجم اعلیحضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے فیض صحبت کی جو جو نعمتیں آپنے حاصل فرمائیں اُن کا کسی کو علم ہی کیا ہے جو بیان کیجائیں مختصر یہ ہے کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں مقیم رہے فرط محبت کے باعث آپکو اعلیحضرت نے اپنے ہی پاس رکھا حج کیلئے عرفات جاتے وقت آپ کا اونٹ اعلیحضرت نے اپنے اونٹ کے متصل کیا اور منیٰ و مزدلفہ میں آپکو اپنے ساتھ ہی لگائے رکھا آپنے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ ابدال جیسے اہل خدمت اولیاء کا ایک گروہ جارہا ہے اور آپ انکو دیکھ رہے ہیں آپ فرماتے تھے کہ میں نے خواب ہی میں دعا مانگی کہ یا اللہ مجھے بھی ان سے لاحق کردے" یہ دعا مانگ کر میں اُن کے پیچھے دوڑا اور انکی جماعت میں جالا صبح کو یہ خواب اعلیحضرت سے ذکر کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے "پھر اب کیا چاہتے ہو لاحق تو ہو گئے" بلدۃ الحرام ہی میں آپنے یہ خواب دیکھا کہ آپکے ہاتھ کی چاروں انگلیوں سے خون جاری ہے دو سے بکثرت اور تیسری سے کم اور چوتھی سے اور کچھ کم آپ فرماتے تھے کہ میں نے یہ خواب مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے بیان کی تو یہ تعبیر دی کہ تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہونگی دو کا جریان بہت زیادہ ہوگا اس خواب کے بیان فرمانے کے بعد بکمال تواضع ارشاد فرمانے لگے کہ افسوس سے اب تک منتظر ہوں مولوی مظفر حسین صاحب زندہ ہوتے تو کہتا کہ آپ ہی نے تعبیر فرمائی تھی لیجئے اب کچھ کیجئے"

مکہ معظمہ ہی میں آپ مقیم تھے کہ بدن مبارک میں خارش کا اثر محسوس ہوا اور دن بدن زیادتی ہوتی رہی آپ جس لازوال دولت سے مالامال ہونے کے لئے گنگوہ سے چلے تھے اسکے تحصیل کی مشغولیت اور حصول

کی لذت نے مرض کے علاج کی طرف متوجہ ہی نہونے دیا مرض اندر ہی اندر بڑھتا اور بدن پر پھیلتا رہا یہانتک حج سے فارغ ہونے کے بعد سلطانی راستہ سے مدینہ منورہ جانے والا قافلہ طیار ہوا اور آپ اپنے رامپوری مجمع کے ساتھ بلدۃ الرسول کی جانب روانہ ہو گئے۔

سفر کی صعوبتیں خصوصاً سفر حج وہ قابل امتحان مشقتیں ہیں جنمیں ہر کھوٹا کھرا مسلمان کسوٹی پر کسا جاتا ہے بالخصوص سفر مدینہ منورہ تو سارے سفر کی جان ہے ان بارہ منازل میں رفقاء سفر کے بہت کم قافلے ایسے ہوتے ہیں جنمیں باہم جنگ و جدال یا منازعت و خلاف نہ ہوتا ہو ہمدردی اور ایثار گویا طبائع سے باہر ہو جاتا ہے نفسا نفسی کا بازار گرم اور اپنی اپنی راحت کا ہر مسافر کو دھیان و فکر لگا رہتا ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی استقامت و اخلاص سارے سفر میں قدم قدم اور منزل بہ ظاہر ہوتی آپنے اپنے رفقاء میں ادنیٰ ادنیٰ شخص کی تھوڑی راحت کو اپنی بڑی سے بڑی اور ضروری سے ضروری راحت پر مقدم سمجھا ہر ایک کا تکلیف میں ساتھ دیا اور اسکے ساتھ ہی اپنے معمولات نوافل تک میں فرق نہ آنے دیا مدنی راہ میں ایک جگہ ڈپٹی عبدالحق صاحب کو کسی قسم کی کوفت لاحق ہوئی تو رنج و غصہ کے باعث اونٹ سے اتر پڑے اور قسم کھالی کہ میں اس اونٹ پر نہ بیٹھوں گا" جنھوں نے یہ راستہ طے کیا ہے وہ شتربان بدوؤں کی طبائع سے واقف ہیں کہ انھیں اپنی قطار کے سامنے کسی کے مرنے اور جینے کی بھی پرواہ نہیں ہوتی ڈپٹی صاحب کے قسم کھانے اور اونٹ کی سواری سے کرایہ دیکر پیدل ہو جانے کی تو کیا پرواہ کرتے چنانچہ بدو نے ڈپٹی صاحب کے اونٹ کی رسی قطار سے کھولدی اونٹ جماعت سے علیحدہ ہو گیا ڈپٹی صاحب معہ اپنے دو ہمراہیوں کے کھڑے رہگئے اور قافلہ چلدیا حضرت مولانا کی نظر جو ڈپٹی صاحب پر پڑی تو فوراً اپنے اونٹ سے کود پڑے اور قافلہ کو چھوڑ کر ڈپٹی صاحب کے پاس آکھڑے ہوئے حضرت امام ربانی کو قافلہ سے علیحدہ دیکھنا آپکے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر کو کب گوارا تھا انھوں نے بھی اپنا اونٹ قطار سے علیحدہ کر لیا اور حضرت کے پاس آکھڑے ہوئے۔ قافلہ دوڑ نکل لیا اور آناً فاناً دور ہوتا جا رہا تھا اور یہ چند نفر فرق و دق میدان میں ایسی خطرناک جگہ کھڑے ہوئے تھے جہاں پتھروں سے مسافر کا مارڈالنا راہ زنوں کے نزدیک کوئی بات نہیں مگر چلیں تو کسطرح چلیں قسم کے باعث ڈپٹی صاحب اونٹ پر سوار نہیں ہوتے اور پیدل چلنے کی سکت نہیں حضرت مولانا اور دیگر ہمراہی ڈپٹی صاحب کے بغیر چل ہی نہیں سکتے تھے آخر مولوی ابوالنصر صاحب نے اپنی اپنی کجاوہ اونٹ سے اتار لیا اور ڈپٹی صاحب سے کہا کہ آپ میرے اونٹ پر سوار ہو جائیں تاکہ قسم بھی نہ ٹوٹے اور کسی طرح قافلہ میں

جاملیں چنانچہ ڈپٹی صاحب معہ اپنے ایک ہمراہی کے اس اونٹ پر سوار ہوئے اور مولوی ابو النصر صاحب کی اہلیہ ڈپٹی صاحب کے اونٹ پر سوار کی گئیں اسی اونٹ پر امام ربانی کو جگہ ملی اور مولوی ابو النصر معہ دو ہمراہی کے پاپیادہ روانہ ہوئے کم و بیش تین کوس پر قافلہ ملا اور آخر دونوں اونٹ قطار میں باندھنے کے بعد مولوی ابو النصر صاحب اپنے اونٹ پر اور حضرت مولانا قدس سرہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے۔

مدینۃ الرسول میں داخل ہو کر روضہ اطہر کی حاضری ہوئی جو دنیا میں آنے والے ہر مسلمان کا منتہائے مراد اور قصوی مقصود ہے اور پھر آپ اپنے شفیق استاد شیخ العصر سید نا و مولانا شاہ عبد الغنی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے یہاں کی چند روزہ حاضری میں جو بھرپور فیض آپکو حاصل ہوئی اسکی اطلاع بھی کسی دوسرے کو نہیں ہے بیت اللہ میں شیخ طریقت کے گھر پار دربار کا حضور تھا اور بیت الرسول میں شیخ شریعت کے سدا بہار گلزار کی گل چینی غرض حرمین شریفین میں بیت اللہ و بیت الرسول کا جوار حاصل کرنے والے دونوں آفتاب و ماہتاب ہند مری آپکی ترقی مراتب کا وسیلہ بنے آخر کار قافلہ کی واپسی کا وقت قریب آگیا اور مراجعت جماعت معین و مقرر ہو گئی۔ رامپوری قافلہ کے میر قافلہ جناب ڈپٹی عبد الحق صاحب نے جنت البقیع کی پاک زمین سے علیحدگی نہ چاہی وہیں انتقال فرمایا۔ اور قیام تک کیلئے جوار رسول کے شرف سے بہرہ مند ہوئے۔ امام ربانی قدس سرہ معہ ہمراہیان مکہ معظمہ واپس ہوئے اور وہاں سے ہندوستان کی جانب مراجعت فرمائی۔

سنہ ۱۲۸۱ ہجری دو ماہ ہوئے شروع ہو چکا تھا خارش جسکی ابتدا مکہ معظمہ میں ہو چکی تھی دن بدن رو بترقی تھی اول خشک تھی اب تر ہو گئی تھی ابتداءً معمولی تھی اور اسوقت ہولناک تگبگی تھی اسی حالت میں آپ جہاز پر سوار ہو گئے جہاز پر سوار ہونا تھا اور گویا پھونس میں آگ کا لگنا دفعۃً بخار چڑھا اور اتنا شدید ہوا کہ سرسام ہو گیا کامل تین دن تک آپ اسی درجہ بیہوش اور دنیا و مافیہا سے غافل رہے کہ اپنے تن بدن کی بھی مطلق خبر نہ رہی۔ درست جاری ہوئے اور اتنی تعداد میں کہ گنتی اور شمار سے باہر ہو گئی اسی حالت میں جبکہ آپ اور آپکے تمام رفقاء آپکی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے آپکی تیمارداری آپکے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر صاحب نے کی۔ مولانا ابو النصر کی وہ خدمتگزاری جو اس ہولناک مرض میں واقع ہوئی وہ مشہور خدمت و تیمارداری ہے جو صفحہ سوانح کی پیشانی پر مدتوں روشن اور چمکتے حروف میں قائم رہیگی بمقتضائے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کی زبانی اکثر سنا گیا کہ آپ فرماتے تھے ایسا حقیقی بھائی بھی نہیں ہو سکتا جیسا

سے وہ امر مہالہ کو حق پہنچ رہا ہے اسپر حاجرا ہے ۱۲ حاشیہ

ابوالنصر نے میرے ساتھ کیا کہ مثل مادر مشفقا اپنی گود میں لیکر پاخانہ پیشاب کراتے تھے" مولوی ابوالنصر صاحب کے کپڑے ہمیشہ خارش کی پیپ اور لہو میں بھر جاتے اور اکثر پاخانہ پیشاب میں بھی ملوث ہوتے تھے لیکن مولوی صاحب مردانہ وار اپنے کپڑے اور بدن اور نیز حضرت قدس سرہٗ کا بدن اور کپڑے دھوتے اور کچھ کراہت نہ کرتے تھے گویا پاخانہ کو صندل اور پیشاب کو گلاب بنا لیا تھا۔ حضرت امام ربانی کو تین دن کے بعد جب وقت ہوش آیا تو کروٹ لینے کی طاقت نہ تھی چوتھے دن پیشاب ہوا تو ایسا سرخ گویا خالص خون ہے آنکھیں کھولیں تو اسدرجہ لال کہ گویا بانات سرخ کے ٹکڑے ہیں اسوقت ہوش کہیئے یا بیہوشی حضرت قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ "افسوس ایک بھائی تھا وہ بھی جدا ہو گیا" مولوی ابوالنصر صاحب جو حضرت مولانا کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے بیٹھے تھے بولے کہ "بھائی میں تو آپ کو گود میں لئے بیٹھا ہوں اور یہ سامنے آپکی بھاوج ہے" حضرت بولے "تم تو ایسے ہو کہ میں تمکو ماں کہوں یا باپ کہوں"

رقیق دستوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ تین لحاف بچھونے کارڈ یکے بعد دیگرے استنجا میں ختم ہو لیا آخر ایک نیچے بچھانے کو جب کوئی اور بستر نہ ملسکا تو احرام کے کپڑے جنکو تبرک بنا کر گھر لانا چاہا تھا اس ضرورت میں نکال لئے گئے اور یکے بعد دیگرے اُن کا استعمال ہوا جب ایک کپڑا ملوث ہو جاتا تو اسکو جہاز سے سمندر کے شور پانی میں لٹکا دیا جاتا اور دوسرا دھلا ہوا کپڑا اتکا لکر کام میں لایا جاتا تھا پیشاب میں اسدرجہ تعفن اور شورپیت تھا کہ جس کپڑے پر پڑا اسکو بودار بنا کر بیتاب کا کام دیا اور جلا کر گویا راکھ بنا دیا۔ ہوائی جہاز تھا نہ دوا نہ دارو علاج ہو تو کیسا اور دوا ہو تو کیونکر خدا خدا کر کے ساتویں دن بمبئی کا کنارہ نظر آیا اور حجاج خوشی خوشی اپنے وطن یعنی سرزمین ہند پر جہاز سے اترے مولوی ابوالنصر نے حضرت قدس سرہٗ کو بھی بہزار دقت و دشواری جہاز سے اتارا اور بمبئی میں رامپوری قافلہ کے ہمراہ ایک کرایہ کے مکان میں مقیم ہوئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو جو مرض لاحق ہوا تھا وہ اسدرجہ شدید ہو لیا تھا کہ صحت و تندرستی کا خیال محض وہم اور گمان ہی گمان رہگیا تھا بمبئی پونچکر علاج بھی ہوا اور پوری سعی و کوشش کے ساتھ ہوا مگر مرض میں رائی کے دانکی برابر بھی کمی نہ ہوئی جو لحظہ تھا وہ ترقی مرض کا تھا اور جو ساعت تھی وہ زیادتی بیماری کی تھی اول اول آپ کے بے تکلف مخلص دوست جناب حکیم ضیاء الدین صاحب نے اپنی رائے سے آپکو یونانی ادویہ کا استعمال کرایا اور جب وہ مایوس ہو گئے تو ایک شخص عبداللہ شاہ نطاسی حکیم جو وہاں موجود تھے آپ کے معالج بنے۔ ایک دن انھوں نے بھی دوا دی آخر دو سے دن دست بند ہو

ہو گئے اور جواب دیدیا کہ کسی دوسرے طبیب کا علاج کرو مولوی ابو النصر صاحب کے دل کو لگی ہوئی تھی کہ کسی طبیب کی تلاش میں ادھر اُدھر مارے پھرتے اور کبھی حضرت کی چارپائی سے لگ کر آ بیٹھتے اور خدمت و تیمارداری میں مشغول ہوتے وقت پر روٹی کھانا اور بمعمول کے موافق شب کو سو جانا عرصہ ہوا چھوٹ چکا تھا اب تو نہ لیٹے چین تھا نہ بیٹھے کل پڑتی تھی آخر ایک بید کے پاس پہنچے اور کہا کہ "میرا بھائی بیمار ہے اسکو چلکر آپ دیکھ لیں"۔ بید نہایت ہی خلیق اور بامروت شخص تھا جسوقت مولوی ابو النصر صاحب نے اپنے مریض کو دکھانے کی درخواست کی اُسوقت بید کے پاس مریضوں کا ایک مجمع موجود اور اپنا اپنا عرض حال کر رہا تھا بید نے نو وارد مسافر کا توحش اور جان سے زیادہ عزیز مریض کے شدت مرض کی وجہ سے سراسیمگی و اضطراب کو دیکھ لیا تھا اسلئے یہ کہکر کہ "دو منٹ ٹھیریئے ابھی چلتا ہوں" جلدی جلدی موجودہ بیماروں سے فراغت پائی آخر چھڑی ہاتھ میں لے ساتھ ہو لیا اور حضرت امام ربانی کی نبض بھی دیکھی قارورہ بھی دیکھا اور اول سے آخر تک سارا حال اطمینان کے ساتھ سُنا تیمارداروں کو تسلی دی اطمینان دلایا ڈھارس بندھائی اور چند گولیاں اپنے پاس سے دیں کہ ایک ابھی کھلا دو چنانچہ ایک گولی آپ کو کھلا دی گئی خدا کا فضل تھا کہ مرض میں گو نہ خفت محسوس ہوئی مگر نہ ایسی جسپر اطمینان یا امید زیست قائم ہو۔

بید کا علاج قائم رہا اور جو تدبیر اس نے بتائی وہ کی گئی عوارض میں فاقہ بھی ہوا مگر افسوس کہ اصل مرض میں کچھ کمی نہ ہوئی اسی مرض میں آپ کو تشنج کے دورے شروع ہو گئے جو پے در پے پڑتے اور نحیف جسم کو ضعیف و نقیہ کئے ڈالتے تھے یہ بمبئی میں ایک مہینہ قیام رہا آخر منشی علاؤالدین صاحب کی اہلیہ کا وہیں انتقال ہو گیا اور اب قافلہ کو بمبئی میں رہنا دشوار پڑ گیا ناچار وہاں سے روانگی ہوئی کسارہ کی گھاٹی تک آپ لاچاری قافلہ کے ہمراہ ریل میں آئے کیونکہ اسوقت ریل یہانتک جاری ہو چکی تھی اور کسارہ سے اندور تک کرایہ کی دوسری سواریوں میں سارے قافلہ نے سفر قطع کیا۔

اندور پہنچکر مولوی ابو النصر صاحب نے ارادہ کیا کہ حضرت امام ربانی کا یہاں معالجہ کیا جائے کیونکہ دن بدن مریض کی حالت غیر ہوتی جاتی تھی خصوصاً چھکڑے اور بیل یا خام و پختہ سڑک پر چلنے والی دوسری سواریوں میں سوار ہونے اور ہچکولے برداشت کر جانیکی طاقت مریض میں اب باقی نہ رہی تھی اس لئے غیر معین مدت کے قیام کا تہیہ کر لیا اور سارے قافلہ سے کہدیا کہ آپ لوگ جائیں میں تو اپنے بھائی کا یہاں معالجہ کراؤں گا۔

قافلہ کے پاس خرچ ختم ہو چکا تھا وطن سے نکلے کئی ماہ گذر لئے تھے سفر کی ماندگی دکان نے ہر شخص کو نڈھال بنا دیا تھا اس لئے مولوی ابو النصر صاحب کی نامعلوم مدت قیام کا کوئی شخص ہمزبان نہو سکا سب لوگ رامپور کی جانب رخصت ہوئے اور مولوی ابو النصر جنکی راحت و آرام عزت و احترام بلکہ گویا زندگی صرف حضرت کا دم تھا معہ اپنی اہلیہ کے شہر سے باہر اسی سرائے میں ٹھیر گئے جسمیں عارضی پڑاؤ کے لئے اترے تھے۔

مولوی ابو النصر صاحب اپنے ہمراہ وطن کی ایک عورت مسماۃ ولایتہ کو خادمہ بنا کر ہمراہ لے گئے تھے جسکی خورد و نوش کا بار سارے سفر میں مولوی صاحب ہی پر رہا وہ بمبئی میں پہونچکر کسی معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی اور معیت سے اسدرجہ بیزار ہوئی کہ پیدل نکل کھڑی ہوئی یہانتک کہ گنگوہ پہونچ گئی خدا کی شان ہے کہ حضرت کی تیمارداری میں جبکہ کئی خدمتگاروں کی حاجت تھی رہی سہی پرانی خادمہ نے بھی جواب دیدیا تو اسکا نعم البدل فوراً ہی یہ ملا کہ مقام گھاٹی کسارا میں ایک شخص مسمی رحمت اللہ نے اپنے آپکو معہ اپنی اہلیہ کے مولوی ابو النصر صاحب پر پیش کیا کہ ہمیں اپنے ہمراہ لیلیجئے میں آپکا کام کیا کرونگا اور عورت گھر میں مدد دیگی اور بیوی کا ہاتھ بٹائیگی چنانچہ انکو غنیمت اور غیبی معاونت سمجھکر رکھ لیا گیا اور حقیقت میں انھوں نے کام بھی بہت دیا چلی جانے والی خادمہ ولایتہ کو ایک لحظہ بھی یاد نہ آنے دیا مگر افسوس کہ اندور میں غیر معمولی اور غیر معین قیام میں یہ بھی ساتھ نہ دیسکے اور اجازت لیکر رخصت ہو گئے۔

مریض کی خدمت و تیمارداری میں حاجی محمد یوسف صاحب رامپوری خصوصیت کے ساتھ مولوی ابو النصر صاحب کے ممد و معاون رہے مگر اندور میں سارے قافلہ کے ساتھ چونکہ وہ بھی راہی وطن ہوئے اسلئے اب حضرت امام ربانی کے ہولناک سخت مرض کی تیمارداری کے لئے صرف ایک مولوی ابو النصر کا دم رہگیا جو کسی ضرورت سے باہر جائیں تو گھر کی خبر لینے والا کوئی نہیں اور گھر میں ہیں تو بازار سے آٹا دال تک خریدنیوالا کوئی نہیں اس میں شک نہیں کہ مولوی ابو النصر صاحب کی اہلیہ نے حضرت کی خدمت میں اپنا قدم اپنے خاوند سے پیچھے نہیں ہٹنے دیا خدا انکو غریق رحمت کرے کوئی عفت مآب شریف عورت اگر اپنے خاوند یا ماں باپ بلکہ اولاد یا بھائی بہن کی اگر خدمت کر سکتی ہے تو بس زیادہ سے زیادہ اتنی ہی کر سکتی ہے جتنی مولوی ابو النصر کی گھر والی نے حضرت امام ربانی کی خدمت کی مگر آخر عورت ذات یعنیں کبھی گھر سے باہر قدم نکالنا جانا نہیں اور یہاں پڑی وہ مصیبت سہنے کے تحمل سے مرد عاجز ہو جائیں تاہم خود کمر ہمت باندھی اور خاوند کی ڈھارس بندھائی کہ اطمینان سے حضرت کا معالجہ کرو گھر کی ہر خدمت کو میں انجام دے لونگی اور باہر کی

ضرورتیں تم پوری کرلینا خدا ہمارا کفیل و کارساز ہے انشاء اللہ نتیجہ بہتر ہی ہوگا۔

ریاست اندور میں مولوی ابو النصر بالکل اجنبی و بیگانہ تھے تن تنہا نہ کوئی شناسا نہ واقفکار نہ یار نہ مددگار دس بارہ رفیق جو مہینوں سے یگانہ و عزیز بنے ہوئے تھے جدا ہوئے زادراہ جو ساتھ لیکر چلے تھے ختم ہونے کے قریب پونہچ گئی سب کچھ تھا مگر یگانہ روزگار بھائی کی صحت و زندگی کے متمنی تیماردار نے مرض کے معالجہ کی تدبیر کو سب پر ترجیح دے رکھی تھی اسوقت اندور میں حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم بمشاہرہ ایک ہزار روپیہ راجہ کے طبیب بنے ہوئے مقیم تھے طبیب تھے مشہور اسلئے مولوی ابو النصر سرائے سے نکلکر شہر میں آئے اور سیدھے حکیم صاحب ممدوح کے مکان پر پونہچے سلام کرکے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ "میں مسافر ہوں میرا بھائی بہت بیمار ہے اسکے علاج کی نیت سے اندور میں ٹھیر گیا ہوں اگر آپ کرم فرماویں تو حق تعالیٰ آپکو اجر عطا فرمائیگا حکیم محمد اعظم صاحب باوجودیکہ والی اندور راجہ کے ملازم تھے ایک ہزار روپیہ ماہوار کے علاوہ ہر قسم کی خاطر و مدارات ہوتی رہتی تھی مگر اسدرجہ مستغنی المزاج اور آزاد طبع تھے کہ ایک بار جو بدار بلانے آیا کہ راجہ صاحب طلب فرماتے ہیں مولوی ابو النصر بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم محمد اعظم صاحب نے منہ چڑھا کر صاف جواب دیدیا کہ "ہم اسوقت نہیں آسکتے" مولوی ابو النصر حکیم صاحب کی اسدرجہ عالی دماغی اور نخوت و تنک مزاجی دیکھکر دل میں کھٹکے کہ "بھلا اس غریب مسافر مریض کی اس دربار میں کیا پوچھ ہوتی ہے جسکو بلا فیس دربار دیکھنے کی حاجت ہو" حکیم صاحب ممدوح نے فراست سے مولوی صاحب کے اس خیال کو معاً تاڑلیا اور فرمایا کہ "مولانا آپ کے لئے یہ جواب نہیں ہے" چنانچہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور پیادہ پا اس سرائے میں تشریف لائے جہاں حضرت بستر مرض پر مسافرانہ حالت میں پڑے تھے نبض دیکھی من اولہ الی آخرہ حال سنا اور تسلی کے کلمات کہکر نسخہ لکھا اور چلے گئے اسوقت معلوم ہوا کہ راجہ کے یہاں حاضری سے انکار دینی بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ مولوی ابو النصر کی تنہائی پر غیبی تائیدات و تفضلات آلہیہ نے کھلم کھلا دستگیری فرمائی اسکے بعد جہاں جاتے تعارف نکلتا اور جس سے ملتے واقفیت و شناسائی کا بتوسط پتہ چلتا تھا چنانچہ مکان کی تلاش میں حکیم صاحب کی رائے کے موافق مصاحب علی صاحب کے پاس پونہچے تو حکیم صاحب کا توسط بھی شناسائی سے زیادہ مفید ثابت ہوا بیچارے نہایت خلق کے ساتھ ملے اور اس مکان کا پتہ دیا جو مولوی محمد حسین مدرس مدرسہ ہلکر کا تھا۔

مولوی ابوالنصر صاحب مولوی محمد حسین کے پاس گئے اور مکان کی خواہش کی وہ بھی نہایت مہربانی سے پیش آئے اور وطن اصلی دریافت کیا خدا کی شان ہے کہ اُسوقت اس سوال کا جواب قصبہ رامپور زبان سے نکلا جو مولوی ابوالنصر صاحب کی دادہیال تھی رامپور کا نام سنکر مولوی محمد حسین نے مولوی محمد نواز کا حال پوچھا جو مولوی ابوالنصر کے ممسرے یعنی اُنکی اہلیہ کے حقیقی ماموں تھے مولوی محمد حسین صاحب کو جب یہ تعلق قرابت معلوم ہوا تو بولے کہ وہ میرے اُستاد ہیں اور اُن کے احسانات کی تلافی مجھسے عمر بھر نہیں ہوسکتی آپ بے تکلف مکان میں تشریف لائیں میں اور میرے متعلقین آپکے خادم ہیں۔

یہ دوسرا کھلا ہوا فضل خداوندی تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے زنانہ اور مردانہ دونوں مکان بلا کرایہ نہایت عزت اور اصرار کے ساتھ مولوی ابوالنصر صاحب کو ملے اور چونکہ انہیں ایام میں مولوی محمد حسین صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوچکا تھا جس نے صرف ایک خورد سال دختر چھوڑی تھی اسلئے مکان میں نووارد مسافروں اور محسن اُستاد کے رشتہ دار حاجیوں کے اُتارنے میں انکو بھی کوئی وقت پیش نہ آئی الغرض حکیم محمد اعظم صاحب کا علاج شروع ہوگیا اور حکیم صاحب ممدوح بلا کسی مالی طمع کے دوزانہ حضرت امام ربانی کو دیکھنے کے لئے مکان پر پیدل آتے رہے۔

نسخہ جو حکیم صاحب نے تجویز کیا اُسمیں سخت مرض کے سامنے موجودہ افلاس کی رعایت نہ کی گئی تھی۔ مشک بھی اُسمیں شامل تھا اور عنبر بھی مولوی ابوالنصر کو خیال تھا اور خیال بھی سچا تھا کہ مسافر سے اس نسخہ کی قیمت جو لیجائیگی وہ ایک سفر حج کے خرچ سے کیا کم ہوگی کبھی مالی ضعیف حالت دیکھتے تو عطار کی دوکان پر جاتے جھجکتے اور شرماتے تھے مگر جب محبوب کے مرض پر تکلیف پر نظر ڈالتے تو یوں کہتے تھے کہ چاہے جان بک جائے مگر دوا کی حسرت دل میں باقی نہ رہے آخر بنام خدا نسخہ ہاتھ میں لیکر عطار کی دوکان پر پہنچے عطار نے مسافرانہ صورت دیکھکر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں اور اثنا کلام میں یہ معلوم کرکے کہ مولوی ابوالنصر صاحب کا حاجی عبدالکریم قلعہ دار بھوپال سے قریبی تعلق و رشتہ داری ہے بہت ہی مدارات سے پیش آیا اسی تقریب سے بیش قیمت نسخہ عرف اصل لاگت پر نہایت ہی کم داموں میں طیار ہوگیا قصہ مختصر یہ ہے کہ دو تین جو کی مقدار دوا کا استعمال شروع ہوا شافی مطلق خدا کو امام ربانی سے ابھی بہت کچھ دینی کام لینے تھے صاحب اکسیر اعظم کے ہاتھوں آپکی شفا درزانل ہی میں مقدر ہوچکی تھی اسلئے دوسرے ہی دن نفع محسوس ہوا اور پھر روز بروز مرض میں کمی پیدا ہوتی چلی گئی۔

قیام اندور ہی کے ایام میں غیبی معاونت کا یہ قصہ پیش آیا کہ سکندر جہاں بیگم والیہ بھوپال نے سفر حج اختیار کیا اور راستہ میں اندور کے اندر انہیں دنوں قیام ہوا جبکہ مولوی ابوالنصر مسافرانہ گزران اور اجنبیانہ پردیسی انداز پر امام ربانی کا عنبری معجون سے معالجہ کر رہے تھے۔ حاجی عبدالکریم صاحب جو ریاست کے قلعہ دار اور اسوقت سفر حج میں رئیسہ کے ہمراہ تھے مولوی ابوالنصر صاحب کی اہلیہ کے چچا تھے کیونکہ مولوی محمد نواز کی بہن حاجی عبدالکریم قلعہ دار کے حقیقی بھائی منشی خیرالدین کے نکاح میں تھیں جو وزیر ریاست تھے اور منشی خیرالدین کی لڑکی یعنی مولوی محمد نواز کی بھانجی مولوی ابوالنصر کی اہلیہ تھیں جو اس وقت امام ربانی کی تیمارداری میں اپنے خاوند کے ساتھ اندور میں مقیم تھیں اندور میں پہونچکر حاجی عبدالکریم نے مولوی ابوالنصر سے ملنے آئے اور اسی مسافرانہ پریشان حالت میں انکی دو مرتبہ دعوت کی گئی۔

اپنے نمکخوار ملازمان ریاست کی قدردان رئیسہ نے جب سنا کہ منشی خیرالدین کی صاحبزادی یہاں مقیم ہیں تو ملنے کے لئے نہ آنے کی شکایت کی اور آخر طلب کر بھیجا کہ ہمسے آکر ملجاؤ مولوی ابوالنصر کی اہلیہ کئی ماہ سفر اور حضرت امام ربانی کی خدمتگزاری و تیمارداری میں جس پریشان حال کے اندر تھیں وہ ایسا فقیرانہ مگر صابرانہ انداز تھا کہ گو اپنے دل میں ہر طرح خوش ہشاش بشاش اور خدا کی شکرگزار تھیں مگر باعزت صاحب اقبال رئیسہ سے ملنے کے قابل حالت نہ سمجھتی تھیں اسلئے عذر کر بھیجا کہ "میری موجودہ حالت حاضری کے لائق نہیں ہے اس مسافرانہ وقت میں درد دولت کی حاضری طمع دنیاوی کی نیت سے سمجھی جائیگی اور محتاجانہ سوال کا قصد خیال کیا جائیگا اس وجہ سے حاضری کی ہمت نہیں ہوتی امید ہے کہ معاف اور معذور سمجھی جاؤنگی" عقیلہ و دانشمند بیگم نے خیرالدین کی صاحبزادی کے اس عالی خیال کو نہایت عزت کیساتھ دیکھا اور دو سو روپیہ بتقریب دعوت اپنی طرف سے حاجی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ ان کے مکان ہی پر بھیجدیا کہ ہماری دعوت قبول کرو اور اسکو اپنے صرف میں لاؤ۔

رئیسہ تو بقصد حج آگے روانہ ہوگئیں مگر مولوی ابوالنصر صاحب کی عزت عام طور پر اندور میں دوبالا ہوگئی اور شہر کے بڑے بڑے لوگ انکو نظر وقعت سے دیکھنے لگے دو سو روپیہ کی رقم نے امام ربانی کے معالجہ اور سفر خرچ میں بہت مدد دی۔ عزیز مشتہ دار کی دعوت میں اتنا خرچ نہوا تھا جتنا مل گیا اور پاس کا روپیہ ابھی تمام نہوا تھا کہ حق تعالیٰ نے بتقول رقم کا غیب سے سامان فرمادیا حضرت امام ربانی حکیم محمد اعظم صاحب کے نسخہ سے دن بدن روبصحت تھے آپ کے ناتوان جسم میں توانائی اور رگ و بدن میں قوت و زور آتا جاتا تھا

یہانتک کہ آپ بطور خود کروٹ لینے اور کبھی کبھی اٹھکر بیٹھ جانے کے لائق ہو گئے اسوقت حکیم صاحب نے اجازت ہی نہیں بلکہ مشورہ دیا کہ اب حالت قابل اطمینان ہے بسم اللہ کرو اور وطن کو جاؤ مگر دوا کا استعمال اسوقت تک قائم رکھنا کہ پوری توانائی بدن میں آجائے" چنانچہ مولوی ابوالنصر اندور میں ایکماہ قیام کے بعد بھائی کو لیکر عنبری مجون روزانہ کھلاتے ہوئے وطن کی جانب روانہ ہوئے اور بعد طے مراحل و قطع منازل بخیر و عافیت زندگی و صحت کے ساتھ گنگوہ پونہچے۔ گنگوہ پونہچکر حضرت اقدس کے جسم میں طاقت بھی عاید آگئی اور سات آٹھ ماہ میں بالکل تندرست ہو گئے والحمد للہ علیٰ ذلک۔

سفر میں پیش آنے والے واقعات کو ضرورت سے زاید سمجھکر نظرانداز کر دیا گیا چونکہ مولوی ابوالنصر صاحب مدظلہ کی یہ خدمت حضرت کے چھوٹے بڑے سارے متوسلین کو معلوم ہے اسلئے اس کے مختصر ذکر پر اکتفا کیا گیا تاکہ ایک گونہ اس احسان کی شکرگزاری ہو جائے جسکو امام ربانی نے اکثر بایں الفاظ ارشاد فرمایا تھا کہ "مولوی ابوالنصر تو میری ماں ہیں ان کے بدن پر شاید کوئی حصہ ایسا نہو جو میرے بول و براز سے ملوث نہیں ہوا" اور چونکہ اس قصہ میں تائیدات غیبی کا اسدرجہ وقوع ہوا جنکو حضرت امام ربانی کی کرامت کہا جا سکتا ہے اسلئے بقدر ضرورت واقعات بیان کر دئے گئے حقیقت میں مولانا ابوالنصر صاحب کی خدمات و تعلقات جنکو مختصراً ذکر کیا گیا ہے بہ نظر سرسری بھی نہایت وقیع اور قابل یادگاری و شکرگزاری ہیں خدمت کا وقت گزر لیا مخدوم راہی جنت الفردوس ہوئے خادم بابرکاب اور سفر آخرت کے لئے تیار بیٹھے ہیں مگر گزشتہ ایام کی گزر جانے والی خدمت اُس وقت فنا نہیں ہو سکتی جب تک امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب کا پایدار ذکر اور تذکرۃ الرشید کا یہ عنوان فنا نہو جائے اب با آخرت کا قصد کرنے کے وقت اور قطب زمانہ کے ساتھ یہ مخلصانہ برتاؤ مقبول ہو گیا ہے اور انشاء اللہ مقبول ہوا ہی ہوگا تو نجات ابدی اور آخرت کی جاویدلذتوں کے حاصل ہونیکا بڑا ذخیرہ ہے "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"

اوایل ۱۲۸۰ ہجری میں آپ حج کو تشریف لے گئے تھے اور محرم ۱۲۸۱ ہجری میں واپس وطن ہوئی مراجعت وطن کے چھ سال بعد آپ کو دوسرا صاحبزادہ عطا کیا گیا یعنی ماہ رجب ۱۲۸۷ ہجری نبوی میں مولوی محمود احمد صاحب مرحوم پیدا ہوئے جنھوں نے بعمر عالم شباب

میں ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ ہجری کو انتقال فرما کر باپ

کی زندگی میں دنیا سے مفارقت اختیار فرمائی

بیعت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی مدظلہ

امام ربانی قدس سرہ کے سنہ وار حالات جلیہ کی تلاش سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اعلیحضرت حاجی صاحب رح کے دست مبارک پر علماء میں سب سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ نے بیعت کی اسی طرح حضرت مولانا قدس سرہ کے دست مبارک پر علماء عصر میں سب سے اول حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دامت فیوضہم نے بیعت کی ہے جسکا مطلب یہ ہوکہ اعلیحضرت حاجی صاحب کی بھاوج کا وہ سچا خواب جسمیں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں تشریف لاکر یوں فرمایا تھا کہ اُٹھ حاجی امداد اللہ کے مہمان علماء ہیں انکی روٹی میں پکاؤنگا" اس طرح عالم ظہور میں آئی کہ ملا تو سب سے پہلے مہمان امام ربانی ہوئے اور روحانی نسل میں بتوسط پہلی مہمانی حضرت مولانا انبہٹوی کے نصیب میں آئی ہاں جرگہ۔

چونکہ سوانح امام ربانی میں بحیثیت کمال شیخ الشیوخ قطب صمدانی قدس سرہ مولانا انبہٹوی کا بیعت ہونا قابل اندراج معلوم ہوا اسلئے بجنسہ وہ تحریر درج کرتا ہوں جو میری سماعت و رعایت پر حضرت مولانا نے ارسال فرمائی ہے

وھوھذا حامدا و مصلیا بندہ ناچیز خلیل احمد عفی عنہ اپنے برادران طریقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ حضرت مخدوم العالم امام ربانی مولانا الحافظ الحاج مولوی رشید احمد قدس سرہ کے واقعہ رحلت کے بعد جب خدام کے قلوب فی الجملہ قرار پکڑا تو از کہنہ تا مہ سب کی دلی یہ خواہش اور آرزو تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جمع کئے جائیں اور آپ کے مکتوبات شریفہ جمع فراہم کرکے شائع ہوں اور آپ کے مرضیات عالیہ جو متعلق شرح مشکلات احادیث درس کے وقت بعض علماء نے فراہم کئی ہیں انکو جدا گانہ طبع کرا کر شائع کرایا جائے حق تعالیٰ شانہ نے جس طرح آپکی ذات بابرکات کو اپنی وسیع رحمت کا میزاب اور بے پایاں فیض کا چشمہ بنایا تھا اسی طرح آپکی رحلت کے بعد بھی ہر ایک قریب و بعید آپکے دریا فیض سے جرعہ نوش ہے مگر مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کا بوجھ ہاتھی ہی اُٹھا سکتا ہے ہر ایک شخص اس بار کو اٹھا نہیں سکتا تھا ایک عرصہ تک اسی میں شش و پنج رہا بالآخر یہ قرار پایا کہ یہ عظیم خدمت مولانا الحاج مولوی عاشق الٰہی صاحب کو جو اس خدمت کے ہر طرح اہل ہیں تفویض کیجائے اور ہر شخص اپنی یادداشت کے موافق حالات لکھکر انکو دیدے اور وہ ان میں سے انتخاب کرکے ایک مجموعہ مرتب کریں چنانچہ انھوں نے بطیب خاطر قبول فرمایا اور اس ناکارہ کو بھی امر فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ کے احوال کے متعلق معلومات کا ذخیرہ جسقدر تیرے پاس ہو

لکھکر بھیجدے میں اگرچہ اسوقت حضرت رحمہ اللہ کے خدام میں پرانا خادم ہوں میرے علم میں اسوقت حضرت رحمہ اللہ کے خدام میں کوئی نہیں جسکی بیعت مجھسے مقدم ہو مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ بیعت کے بعد سے باہر رکھا گیا اور حضور میں حاضر رہنے کا کم اتفاق ہوا ہے اور نیز مزید برآں میرا حافظہ بھی قوی نہیں لہذا میں زیادہ واقعات کے متعلق نہیں لکھ سکتا ہاں اتنا لا للہ مختصراً عرض کرتا ہوں"۔

سلسلہ غلامی میں داخل ہونے سے پیشتر مجھکو حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں کوئی خاص تعلق نہ تھا نہ کوئی قرابت قریبہ تھی۔ اگرچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اور یہ خادم بطیوخ انصاری اولاد ابی ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے مگر جب سے خادم کے خاندان کا تعلق حضرت سید شاہ ابو العلائی نہٹوی قدس سرہ کے ساتھ وابستہ ہوا اسوقت سے ہم لوگ پیرزادہ کہلانے لگے اور بعض بنی الجد بوجہ نادانستہ سیادت کے مدعی بن بیٹھے اور رسوم و بدعات جو پیرزادوں میں مروج ہوتی ہیں ہمارے خاندان میں بھی مروج ہوئیں۔ ایام عرس میں دھمولک و مزامیر پر وجد و حال تصوف کا کمال تھا۔ گو خاص میرے سلسلہ میں بھی پیرزادگی کا اثر تھا مگر بحمد اللہ بوجہ میرے سلسلہ میں اسکا اثر زیادہ مضمحل رہا اور علم و علماء کی قدر و وقعت ہی تھی

(۱) میرے دادا شاہ احمد علی صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ قطب علی صاحب رحمہ اللہ معمولی پیرزادہ ہی نہ بلکہ خاندان چشتیہ صابریہ میں ایک مقدس بزرگ صاحب مراتب بلند و احوال و خوارق رجمند تھے شب و روز ذکر و فکر میں مشغول و مستغرق رہتے تھے (۲) میرے دادا صاحب کے والدہ جناب مجذوب وقت سید احمد صاحب رحمہ اللہ بریلوی کے سلسلہ بیعت کے ساتھ مشرف ہوئے (۳) میرے والد ماجد شاہ مجید علی اور چچا مولانا مولوی انصار علی و والد مولوی عبد اللہ صاحب ناظم دینیات مدرسۃ العلوم علیگڈھ کو جناب مولانا مولوی مملوک العلی صاحب صدر مفتی نانوتوی رحمہ اللہ کے ساتھ شرف مصاہرت حاصل ہوا (۴) میرے چچا مولانا مولوی انصار علی نے دہلی حضرت مولانا مولوی مملوک العلی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا اور عالم ہوئے بلکہ اسی خاندان کی برکت ہے کہ ہمارے خاندان میں علم آیا اور میں نے اور میرے بنی الاعمام نے مدرسہ دیوبند و سہارنپور میں تحصیل علم کیا والحمد للہ علی ذلک

طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ ایک معمولی واقفیت تھی اور ہم صرف یہ سمجھتے تھے کہ ایک مقدس عالم ہیں۔ ایک روز میرے چچا مولوی انصار علی نے جبکہ میں انکی خدمت میں پڑھتا تھا فرمایا کہ پڑھنے کے بعد مولوی صاحب یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے تصوف حاصل کیجیو ایک دفعہ مجھکو غالباً بارھویں چودھواں سال ہوگا رمضان میں گنگوہ گیا اور شب کو آپکا قرآن شریف سننے کیلئے خانقاہ میں حاضر ہوا

اور درخت نیم کے نیچے کھڑے ہو کر سُنا اُسوقت آپ تراویح پڑھا رہے تھے آپ نہایت خوش الحان حافظ تھے آپ اسقدر خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ اسوقت تک اُسکی حلاوت قلب میں ہے اور اُسمیں سے لفظ اَمْ تَحْتَہٗ عَلَی الْخَیْرِ یاد ہے اور اب کہہ سکتا ہوں کہ آپ اسوقت سورہ احزاب پڑھ رہے تھے۔

اثنار طالعلمی میں میری شادی گنگوہ ہوئی اور اسوجہ سے مجھے گنگوہ قیام کا زیادہ اتفاق ہوا اور قیام گنگوہ کے زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اکثر حاضر رہتا تھا مجکو خوب یاد ہے کہ مجھے اُسوقت آفتاب کی طرح محسوس ہوتا تھا کہ اُس احاطہ مبارک میں ایک نورانیت اور قلب میں بشاشت اور طمانیت محسوس ہوتی تھی حالانکہ میں اُسوقت نہ مرید تھا اور نہ چنداں معتقد تھا۔ دوسرے اُسوقت جو لوگ حاضر باش آستانہ تھے حافظ عبد الرحمٰن صاحب و مولوی الطاف الرحمٰن صاحب وغیرہ اُن کے نفوس اخلاق رذیلہ سے مزکی اور اوصاف حمیدہ کے ساتھ محلّی فیض صحبت کی برکت سے پاتا تھا ان کے اخلاق اور سادگی اور اتباع سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت گویا بالکل نقل صحابہ تھی مگر باینہمہ یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ حضرت سے درخواست بیعت کروں۔

جب میری تحصیل ختم ہو گئی اور مدرسہ منگلور ضلع سہارنپور میں مدرس بنا کر بھیجا گیا تو اُن ایام میں ایک خاص کیفیت اور رغبت الی العبادۃ طاری ہوئی۔ اُس زمانہ میں جناب قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کا حلقہ بڑے زور شور کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ میرے بھی دل میں آیا کہ میں بھی بیٹھا کروں مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں سے مشورہ و اجازت حاصل کر لوں چنانچہ مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا انھوں نے تحریر فرمایا "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" وصول الی اللہ تعالےٰ کچھ اسی طریق میں منحصر نہیں ہے۔ جو تم کرتے ہو یہ بھی ایک طریق وصول الی اللہ ہے۔ ابھی تمھارے لئے حلقہ میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے"۔

اسی اثنار میں غالباً ۱۲۸۸ھ یا ۱۲۸۹ھ ہجری میں خیال بیعت پیدا ہوا۔ اتفاقاً انہیں ایام میں حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف لائے اور حسب استدعا بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا بندہ نے شب کو تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار مؤتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجکو خیال بیعت ہے اور ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب۔ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے؟

اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجکو اپنی خدمت میں قبول فرمائیے ورنہ جو امر میرے لئے بہتر ہو مجکو فرمائیے۔ اسکے جواب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طویل تقریر فرمائی جسکا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے اسوقت کوئی بہتر نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں آپ ہی اگر سفارش فرمادیں گے تو یہ امر طے ہوگا۔ فرمایا اچھا جب میں گنگوہ آؤں اسوقت چلے آنا چنانچہ میں متلاشی رہا چند روز کے بعد مجکو حضرت مولانا کے گنگوہ جانے کی خبر معلوم ہوئی۔ میں بھی فوراً پونہچا اور عرض کیا الکریم اذا وعد وفی تبسم فرماکر فرمایا بہتر ہے پھر صبح کو بعد فراغ حضرت سے باتیں کرکے مجکو بلایا میں حجرہ میں حاضر ہوا۔ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے سلام کرکے بیٹھ گیا حضرت مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو ساکت رہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا "مجھسے تو یہ جلا ہے وغیرہ مرید ہو جاتے ہیں اور تم تو خود پیرزادہ ہو اور چناں ہو چنیں ہو تم مجھسے کیوں بیعت ہوتے ہو" کچھ تو مجھپر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش کھو دیئے اور بجز اس کے کچھ عرض نہو سکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر و حقیر و ناکارہ ہوں فرمایا بس بس اچھا استخارہ کرلو میں مسجد میں آتا ہوں۔ میں نے اسی وقت مسجد میں جاکر وضو کرکے دو رکعتیں پڑھکر دعا استخارہ مسنونہ پڑھی کہ حضرت تشریف لائے پوچھا کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے غلامی میں داخل فرمالیجئے اتفاقاً اسی وقت مولوی محمد اسحٰق انبہٹوی ابن برادر حمید علی جو حضرت کی خدمت میں پڑھتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اُنپر نظر عنایت تھی وہ بھی بارادہ بیعت آبیٹھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں کو توبہ کرائی اور سلسلہ غلامی میں داخل فرمایا والحمد للہ علیٰ ذلک

صاحبزادی کا نکاح

مولوی محمود احمد مرحوم مغفور کی ولادت کے وقت صاحبزادی صاحبہ کی عمر تیرہ سال اور چند ماہ کی تھی ترجمہ قرآن مجید ختم ہو چکا تھا۔ خانہ داری کے امور میں ہوشیار بنچکی تھیں خداداد سلیقہ شعاری اور سن تمیز سے حاصل ہونے والی تہذیب و درستی اخلاق نے کنبہ اور برادری میں ممتاز اور ہر دل عزیز بنا رکھا تھا جوں جوں عمر بڑھتی جاتی تھی دوں دوں اتقا اور پرہیزگاری میں زیادتی اور حیا و عفت میں ترقی

ہوتی جاتی تھی والدہ ماجدہ چونکہ غایت درجہ منتظمہ و مدبرہ تھیں اسلئے صاحبزادی کی اس انتظامی قابلیت کا پوچھنا ہی کیا جسکے کام میں لانے اور مستقل طور پر دوسرا گھر چلانے کا وقت قریب آلگا تھا غالباً یہی سال تھا کہ مولوی ابوالنصر صاحب حج سے واپس ہونے کے بعد مرض شقیقہ میں مبتلا ہوگئے صبح ہوتے ہی سر میں ایک جانب درد شروع ہو جاتا اور جوں جوں دن چڑھتا تھا درد بڑھتا تھا ہر چند علاج کئے مگر افاقہ نہ ہوا آخر حکیم تفضل حسین صاحب کا معالجہ شروع ہوا جو یونانی طبیب ہونے کے علاوہ عامل بھی تھے حکیم صاحب نے دوا کا استعمال بھی کرایا اور عملیات سے بھی کام لیا مگر درد میں جبہ برابر کمی نہ ہوئی بلکہ کسی درجہ میں زیادتی ہی ہوتی رہی بیچارے مولوی ابوالنصر علاج کرتے کرتے تھک گئے جو کچھ بن پڑا وہ کیا اور جس نے بھی کوئی دوا بتائی وہ استعمال کی مگر جب لاچار ہوگئے تو تھک کر بیٹھ رہے چند دوراندیش سمجھدار رشتہ داران کا خیال اس طرف گیا کہ مولوی ابوالنصر مریض نہیں بلکہ مسحور ہیں کسی دشمن نے سحر کر دیا ہے پس دوا دارو فضول ہے عمل اور تعویذ ہونا چاہئے۔

سحر کا خیال آیا تو ساحر کی تفتیش ہوئی اور خیال دوڑایا گیا کہ کس شخص کو اس ناشائستہ حرکت کی جرأت ہوئی آخر غلبہ ظن اس جانب ہوا کہ اس امر شنیع کے مرتکب وہ دونوں رافضی ہیں جنھوں نے شقیقہ سے چند روز قبل ایک مقدمہ میں مولوی ابوالنصر صاحب کے ہاتھوں سخت زک اٹھائی ہے۔ اکثر قرائن سے اس خیال کی تائید بھی ہوئی ان دونوں میں ایک شخص کا نام صادق علی تھا اور دوسرے کا نام خدا جانے کیا تھا مگر بھولو کے عرف سے معروف اور مشہور تھا یہ دونوں شخص سیّد اور آل رسولؐ کہلاتے تھے مگر رفض کے سبب اپنے مذہبی اصول کے موافق عام سنّیوں سے عداوت رکھتے اور نقصان و اذیت پونہچانے کو اجر و ثواب کا کام سمجھتے تھے اور مولوی ابوالنصر صاحب سے تو عدالت میں ایسا نیچا دیکھا تھا جسکا خار مرتے دم تک نکلنا دشوار تھا اس لئے یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ انھوں نے مولوی ابوالنصر صاحب پر سحر کرایا جسکا ثمرہ وہ شقیقہ پیدا ہوا جسکے علاج سے اطبا عاجز ہوگئے۔

ایک دن حضرت امام ربانی دولتکدہ میں تشریف فرما تھے صاحبزادی صاحبہ پاس کھڑی تھیں کہ آپکی اہلیہ مرحومہ نے نہایت افسوسناک لہجہ سے کہا کہ "دیکھئے میرے بھائی (مولوی ابوالنصر) کی جان بھی رہیگی یا نہیں انپر تو دشمنوں نے سحر کرا دیا" اس کلمہ کے سننے سے یکایک حضرت نے اوپر گردن اٹھائی اور خلاف عادت ایک تیز نظر دیکھکر یوں ارشاد فرمایا کہ "پھر کیا؟ اگر کرا دیا ہے تو وہ خود ہی نہیں رہیگا اور دوسرا اندھا ہو جائیگا"

"اندھا ہوگیا" ماضی کا صیغہ تھا جو گزشتہ زمانہ میں وقوع کی اطلاع دے رہا تھا حالانکہ صادق علی بالکل تندرست اور سالم الاعضا رہتا البتہ بھولو کے ایک آنکھ نہ تھی تاہم کانے کو بھی اندھا نہیں کہا جاتا اس لئے صاحبزادی صاحبہ نے تعجب کے لہجہ میں عرض کیا کہ "اندھا؟ ابا اسکے ایک آنکھ تو ہے" حضرت قدس سرہٗ نے جواب دیا "اجی وہ بھی گئی سمجھو اور دوسرا بھی گیا"۔

حضرت کے یہ جو شیلے الفاظ جو پیارے جان نثار اور سفر کے مخلص خدمتگزار بھائی پر دشمن کی بدزبانی کے صدمہ سے نکلے تھے خدائی تیر تھے جو نشانہ سے چوکنا جانتے ہی نہ تھے چنانچہ جس روز کا یہ واقعہ ہے اس سے اگلے دن صادق علی کو دفعۃً ہیضہ ہوا جس سے جانبری نہ ہوسکی یا صدق زندہ مگر مرض میں مبتلا رہا آخر مال واستفراغ نے چین نہ لینے دیا آنکھیں گڑ گئیں چہرہ اور تمام بدن پر سمیت پھیل گئی اور اگلے دن منہ مٹی کے نیچے پونہچ گیا۔ صادق علی کا ہیضہ میں دفعۃً انتقال کہ چند گھنٹوں میں زمین برد ہوگئی کہ آج بالائے زمین تھا اور کل زیر زمین ایسے موسم میں واقع ہوا کہ بستی بھر میں اس وبائی مرض کا کہیں نام یا نشان بھی نہ تھا۔

ایک ماہ گزرنے نہ پایا تھا کہ صادق علی کا رفیق بھولو جو ایک آنکھ سے معذور تھا دوسری بھی کھو بیٹھا اور نیٹ اندھا ہوگیا صاحبزادی صاحبہ فرماتی ہیں کہ میری عمر میں حضرت قدس سرہٗ کی یہ پہلی کرامت تھی جسکو میں نے دیکھا اس سے قبل مجھے کوئی معاملہ ایسا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا جسکو میں کرامت کہہ سکتی الغرض دونوں دشمنوں کا یہ حشر ہوا اور مولوی ابوالنصر صاحب کے مرض میں کمی شروع ہوگئی یہانتک کہ چند روز میں بالکل تندرست ہوگئے اور بلا کسی دوا دارو یا عمل وتعویذ کے شقیقہ سے نجات پائی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ سفر حج سے واپس آنے اور مرض سے نجات پانیکے بعد اپنے قدیمی شغل تدریس میں مشغول ہوگئے تھے۔ اتباع سنت محمدیہ اور محبت شریعت نبویہ میں آپکو جو لذت حاصل ہوتی تھی اسکی حلاوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی آپکو طریقہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالطبع وہ غیرت پیدا ہوگئی تھی کہ آپ پیش آنے والے جملہ معاملات اور خانگی امور بات تک میں بطحائی سادہ قانون کی اطاعت لازمی سمجھتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مردہ سنتوں کے احیاء کی زندہ مثالیں اپنی زندگی میں چھوڑتا جاؤں ولادت وزیست کے غمی وشادی کے واقعات کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالکر دنیا کو دکھلادوں کہ دنیا کی ضرورتیں متبع سنت بنکر کس طرح پوری ہوتی ہیں۔ اسلئے جبی مقتضیٰ پر آپ کا دل خواہش کرتا تھا کہ صفیہ خاتون کا نکاح نہایت سادہ اور خاتون جنت فاطمۃ الزہراؓ کے نکاح کا نمونہ ہو۔

گنگوہ کے اس حصہ میں جسکو شہر کہا جاتا ہے مولوی سراج الدین صاحب رہتے تھے جو نہر کے محکمہ میں ملازم سرکاری ڈپٹی مجسٹریٹ نہایت صالح پرہیزگار اور متقی دیندار شخص تھے مولانا ممدوح حضرت قدس سرہ کے ہم جد اور اوپر کسی پشت پر ہم نسب ہوتے تھے معہ اپنی اہلیہ کے حضرت سید صاحب سے بیعت تھے اتباع سنت کا قلب میں خاص اثر لئے ہوئے تھے چنانچہ مولانا کی یہ بات مشہور ہے کہ محکمہ نہر میں جہاں ادنی سے ادنی ملازم کی بھی لہر آجاتی ہے برسوں رہے مگر کبھی ایک پائی رشوت نہ لی غرض مولوی سراج الدین صاحب نے بذریعہ رسل و رسائل اور زبانی پیغام کے اپنے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم کو رشتہ دامادی میں منسلک کرنے کی درخواست کی۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب حافظ قرآن ہونے کے علاوہ حضرت قدس سرہ سے صحاح پڑھ چکے اور اس دورہ میں تلمذ کی عزت حاصل کر چکے تھے جس میں مولوی مومن علی گنگوہی اور حافظ عبد الرحمن صاحب حکیم صاحب کے استاد اور حضرت کے خاص شاگرد و مجاز طریقت) وغیرہ شریک تھے اسلئے چال چلن و تدین و علم و فضل کے متعلق کوئی بات تحقیق طلب یا قابل استفسار نہ تھی مگر بتعمیل ارشاد "وشاورہم فی الامر" حضرت کو اپنے دینی سرداروں اور دنیاوی رشتہ داروں سے اجازت و مشورہ لینا تھا اسلئے آپ نے جواب میں فرمایا کہ "میں اپنے عزیزوں احباب سے مشورہ کر کے جواب دونگا ابھی ہاں یا نہ کچھ نہیں کہہ سکتا" چنانچہ کئی ماہ تک استفسارات ہوتے رہے جہاں جہاں اطلاع کی ضرورت تھی وہاں آپ نے اطلاع کی اور جس جس سے مشورہ لینا مناسب یا ضروری تھا ان سے استشارہ فرمایا جب چھ ماہ گزر لئے اور مولوی سراج الدین صاحب کو جو گویا سراپا انتظار بنے ہوئے تھے کوئی جواب نہ ملا تو ضبط نہ کر سکے اور حضرت مولانا قدس سرہ کے خادم حاجی دین محمد کی معرفت کہلا کر بھیجا کہ حضرت میری درخواست پر کیا ارشاد ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ سب جگہ سے جواب آچکا ہے صرف اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا مکہ معظمہ سے جواب نہیں آیا اسکا انتظار ہے اور اسی پر لاو نعم کا دار و مدار ہے چنانچہ چند روز کے بعد مکہ معظمہ سے اعلیٰحضرت کا والا نامہ باظہار منظوری آگیا اور حضرت امام ربانی نے صاحبزادی کے نکاح کا قصد پختہ فرمایا۔

یہ تھا خطبہ مسنونہ اور منگنی کا وہ شرعی قانون جسکو آجکل مسلمانوں نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی بہت ہی مہتم بالشان بنا رکھا اور طرح طرح کی خرافات و اہیات رسوم کو دخیل دیکر بدعت کا خلجان اپنے سر ٹھہرا لیا ہے مکہ معظمہ سے والا نامہ آنے پر حضرت قدس سرہ نے اطلاع کر دی کہ آئندہ جمعہ کو صفیہ کا نکاح

کردونگا۔ آپکی اہلیہ مکرمہ یعنی لڑکی کی ماں نے چند ضروریات کی وجہ سے چاہا بھی کہ چندماہ کیلئے نکاح ملتوی کردیا جائے تو بہتر ہے مگر حضرت قدس سرہٗ چونکہ قدم قدم پر سنت کا اتباع ملحوظ رکھنا چاہتے اور ہر ہر امر میں طریقہ مرضیہ نبویہ کو اپنا مقتدا و پیشوا بنانا چاہتے تھے اسلئے تاخیر مناسب نہ سمجھی بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سولہ سال کی عمر میں ہوا ہے پس یہی مسنون ہوا اور چونکہ صفیہ کی عمر اب سولہ سال کی ہوگئی ہے اس لئے میں ابھی نکاح کرونگا۔

یہ مبارک سال جس میں اس مبارک عقد کا انعقاد ہوا ۱۳۰۹ھ ہجری نبوی تھا اور مہینہ ربیع الاول جسکا تقدس مولد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ظاہر ہے جمعہ کا دن جو عید المومنین ہونیکے علاوہ ہفتہ کے دنوں میں منتخب اور خلاصہ ہے غرض بقیہ چند روز باتوں باتوں میں گزر گئے اور وہ جمعہ آگیا جسمیں نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد نکاح کی تجویز ہوئی تھی۔

صبح کو قریب کی رشتہ دار عورتوں کے یہاں اطلاع بھیجدی گئی کہ آج صفیہ کا نکاح ہے جسکو شریک ہونا ہو آجائے اور نماز جمعہ سے کچھ قبل حاجی دین محمد کی زبانی مولوی سراج الدین صاحب کے کہلا بھیجا گیا کہ حافظ ابراہیم جمعہ سے آئیں پڑھے۔ خاص مستورات اور کنبہ کی عورتیں آئیں انکو کھانا کھلایا گیا دولھا کیلئے دو جوڑے طیار کئے گئے تھے مگر اسدن بھیجے نہیں گئے جمعہ کی نماز کے بعد اعلان کردیا گیا کہ نکاح ہوگا سب صاحب ٹھیر جائیں سنتوں سے فارغ ہوکر حضرت نے خطبہ نکاح پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد چھوارے تقسیم کرائے حضرت امام ربانی نے عقد نکاح میں مہر فاطمی کی سنت ادا فرمائی اور یہ الفاظ کہے کہ بعوض دین مہر چار سو مثقال جسکے ایک سو پچاس روپیہ سکہ ہندوستان ہوتے ہیں جو مہر حضرت فاطمہ کا تھا الخ

نکاح سے فارغ ہونے کے بعد آپنے گھر میں کہلا بھیجا کہ لڑکی کو رخصت کردو چنانچہ ڈولا دروازہ پر لاکر رکھا گیا اور نہایت سادگی کے ساتھ صفیہ خاتون مہکے سے سسرال روانہ ہوئیں۔ ماں نے وہ امانت جسکو نو مہینہ پیٹ میں رکھا اور پورے سولہ برس بڑے لاڈ پیار کے ساتھ پالا تھا زندگی بھر کا ساتھ دینے کیلئے حافظ محمد ابراہیم صاحب کے حوالہ کی اور اس سادگی کے ساتھ کہ نہ تاشا تھا نہ باجا جہیز کے کپڑوں کا صندوق ہمراہ تھا نہ زیور کی صندوقچی پلنگ تھا نہ پیڑھی۔ یہ وہ سماں تھا جسکو دیکھکر اجنبی عورتیں بھی رو پڑتی ہیں ماں درتائی کا پوچھنا ہی کیا چنانچہ صفیہ خاتون جسوقت ڈولے میں سوار کی گئیں ہیں تو کنبہ کی بیقراری اور ماں کی بیچینی و اضطرابی کسی سے دیکھی نہ گئی حضرت امام ربانی باوجودیکہ وہ وقار تھے مگر اس نونہال

ناز پروردہ لڑکی کی آہ وزاری اور اضطرابی دیکھکر ضبط نفرما سکے جو دولھن بنکر اجنبی گھر رخصت ہو رہی اور سولہ سال کے بعد ماں باپ اور اس گھر سے روانہ ہو رہی تھی جس میں ولیہ ماں کی آغوش اور قطب وقت باپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی حضرت نے اسوقت تو ضبط سے کام لیکر بیٹی کو رخصت فرمادیا مگر اگلے ہی دن واپس بلا بھیجا جب اگلے دن صاحبزادی اپنے میکے آئیں تو حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "میرا قصد تو بیٹی کو پانچویں روز بلانے کا تھا مگر جب صفیہ کی نائی اسکو سوار کرا رہی تھی تو یہ بہت بیقرار تھی اسکی بے قراری دیکھی نہ گئی اسلئے اگلے روز بلا لیا"۔

یکشنبہ کے دن جو کچھ مختصر سا جہیز اسوقت کے مناسب حال باپ نے مہیا اور طیار کیا تھا سعہ دونوں جوڑوں کے دولھا کے گھر اس طرح بھیجدیا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہوئی کہ کیا چیز دیگئی اور کتنا سامان سسرال پونہچایا گیا بس یہ مجموعی کیفیت ہے اس شادی کی جس میں آج ہزارہا رسوم اور بات بات پر اصرار و ہٹ کے باعث طرح طرح کے جھگڑوں اور نزاع کے سامان اکھٹے کرلئے گئے ہیں بارک اللہ فیہما وجمع بینہما بالخیر

مولوی سراج الدین صاحب حضرت مولانا قدس سرہ سے عمر میں بہت بڑے تھے مگر سید صاحب کے دیکھنے والے اور مجدد عصر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اسلئے دینداری ولایت اور کمال اتباع شریعت کے قدرشناس تھے باین وجہ حضرت قدس سرہٗ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ ایسے پاک نفس شخص سے شادی میں رسومات کا ہونا تو کیونکر صحیح تھا اسکا تو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ حضرت کی صاحبزادی جس نے شریعت کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی سسرال میں کسی قبیح رسم کو دیکھیں جبکہ مولوی سراج الدین صاحب کے ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ نکاح کے دن چھوارے بھی چھپا کر لائے اور لائے تو خانقاہ کے حجرہ میں رکھدئے کہ مبادا حضرت کو اطلاع ہو اور ناراض ہوں کہ کیوں لائے؟ آخر کار بعد نکاح جب حضرت ہی نے اجازت دی تو نکالکر تقسیم کئے غرض امام ربانی نے صاحبزادی کے نکاح سے بخیر و خوبی فراغت پائی اور اس حق کی سبکدوشی کو عام اہل اسلام کیلئے اتباع شرع کا نمونہ بنا کر سامنے رکھدیا۔

حافظ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے اس زمانہ میں جبکہ ان کے والد ماجد نسبت کا پیغام حضرت کو دیچکے تھے ایک خواب دیکھا تھا کہ "حضرت مولانا قدس سرہٗ تشریف فرما ہیں سامنے امرود کا درخت ہے جس میں چند امرود لگے ہوئے ہیں ایک امرود توڑ کر حضرت نے انکو دیا" بیدار ہونیکے بعد خود ہی یہ خواب شاگرد انہ تعلق پر اپنے استاذ حضرت امام ربانی سے عرض کرنے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خواب سنکر سکوت فرمایا

کوئی تعبیر نہیں دی البتہ اتنا کہا "دیکھا جائیگا جو کچھ ہوگا" نکاح کے بعد حافظ صاحب سمجھے کہ خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سرتاپا مشمر شجرہ دین شیخ وقت کا ثمرۃ الفواد اور جگر گوشہ صاحبزادی نکاح میں آئیں۔

صاحبزادی صاحبہ اپنے والد ماجد قدس سرہ سے بیعت بھی ہوئیں اور اکتساب بھی فرمایا آپ کی دین کے متعلق جملہ قابلیتوں کے اظہار میں اتنا کہدینا کافی ہے کہ حضرت امام ربانی نے ایک موقع پر یوں فرمایا "اگر عورتوں کو بیعت لینے کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ مرید کیا کرتی" اس استعداد تام پر عجز و انکسار و اخفا و کتمان حال کا یہ عالم ہے کہ علوم باطنیہ کے تذکرہ پر خاموش ہو جاتیں اور یوں فرمایا کرتی ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسی سوانح میں اندراج کے لئے جب اس غلام آستانہ نے بیعت و تعلیم نسوانی کے متعلق کچھ امور دریافت کئے تو صرف اپنی بیعت کا حال بیان فرمادیا کہ "مجھے بیعت کی تمنا مدت سے تھی مگر عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی آخر ایک دن میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی بیعت فرمالیں اور اس درخواست پر حضرت نے یہ جواب دیا کہ بیٹی تجھے استعداد الحمد للہ تعالیٰ ضرورت نہیں تو تو میری ہی ہے اور اگر توبہ کا ارادہ ہے تو خیر" چنانچہ عصر کے بعد دولتکدہ میں تشریف لائے اور مجھے بلا کر حکماً اپنے پاس بٹھالیا میرے دونوں ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھامکر آیت مقدسہ واذا جاءک المومنات یبایعنک الخ تلاوت فرمائی اسکے بعد جو کلمات بیعت کے وقت ارشاد فرمانے کا معمول تھا وہ الفاظ فرمائے اور بیعت کرلیا۔ اسکے بعد لطف تعلیم فرمائے اور احادیث کی چند دعائیں ورد کے لئے بیان فرمائیں" صاحبزادی صاحبہ نے سوائے اتنے حصہ کے اور واردات و حالات یا اپنی کیفیت کے متعلق کوئی لفظ بیان نہیں فرمایا باوجودیکہ بارہا صاحبزادہ استفسار پر سکوت و انکار کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدت فیوضہ نے ایک جوش کے ساتھ فرمایا بھی دیا کہ "تم آپ نہیں فرماتیں تو لیجئے میں کہے دیتا ہوں لطائف ستہ جاری ہیں" مگر اسپر بھی کوہ وقار و حلم شیخ کی برابر و متحمل بیٹی نے سوائے اسکے کچھ جواب نہ دیا کہ مجھے خبر نہیں۔

حق تعالیٰ عمر و مال و دین و کمال ولایت میں برکت و ترقی عطا فرمائے عورتوں میں یہ ایک قابل قدر دین کا جوہر ہے جسکو نسوانی تعلیم و تربیت کے متعلق شیخ وقت قطب العالم مولانا قدس سرہ نے اپنے بعد دنیا میں نمونہ بنا کر چھوڑا ہے متعنا اللہ بطول بقائہا۔ دو سال دو ماہ کے بعد یعنی ماہ جمادی اول ۱۲۹۱ھ میں حق تعالیٰ نے امام ربانی قدس سرہ کو نواسا عطا فرمایا جسکا نام محمد اسحاق لکھا گیا مگر افسوس کہ نونہال نے حافظ قرآن اور غایت درجہ صالح و دیندار ہو کر عین زمانہ شباب میں بعمر اٹھارہ سال یعنی چوتھی ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو شب میں انتقال فرمایا جدین کے تیسرا

اور والدین کو بہت صدمہ مفارقت اولاد کا پہنچا۔ منہ

نکاح صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب دام فضلہٗ

صاحبزادی کے نکاح کو چوتھا سال اور حافظ محمد اسحٰق مرحوم کو پیدا ہوئے دوسرا برس تھا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے صاحبزادہ حکیم مولوی حافظ مسعود احمد صاحب مدظلہ کے نکاح سے فراغت چاہی شروع ۱۲۹۲ھ ہجری میں جبکہ صاحبزادہ صاحب کو سترہواں سال لگ لیا تھا اس سنت نبوی کا انصرام ہوا۔ حضرت قدس سرہ کے جد امجد یعنی قاضی پیر بخش صاحب مرحوم کے چار صاحبزادی تھے جن میں سب سے بڑے حضرت کے والد ماجد جناب مولوی ہدایت احمد صاحب مرحوم تھے اور انکے تین صاحبزادے میاں حسین علی۔ صابر حسن اور علی حسن صاحب حضرتؒ کے چچا تھے۔

بڑے چچا میاں حسین علی صاحب کے تین صاحبزادے تھے منشی عبداللہ۔ عبدالقیوم۔ عبدالسمیع اور دو صاحبزادیاں تھیں ایک صاحبزادی جو سب سے بڑی تھیں محمد حسن صاحب کو بیاہی تھیں اور دوسری صاحبزادی جو سب سے چھوٹی تھیں حضرتؒ کے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد صاحب مرحوم کے نکاح میں آئی تھیں حضرت کے تینوں چچازاد بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی منشی عبداللہ صاحب پنجاب میں ملازم تھے انکی صاحبزادی مسماۃ محمود النساء سے صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب کے عقد کی تجویز ہوئی اور بعد مشورات حضرت کے چچا اور لڑکی کے دادا میاں حسین علی صاحب کے مکان میں ڈالا گیا کہ آپ اپنے مرحوم بھائی کے سعادتمند پوتے کو اپنے فرماں بردار صاحبزادہ کی دامادی میں قبول فرمائیے مگر چونکہ منشی عبداللہ صاحب کا جو اپنی جائے ملازمت پر تھے انتظار تھا اسلئے اقرار و انکار کا کوئی جواب نہیں ملا صرف اتنا کہدیا گیا کہ عبداللہ پنجاب سے آئیں تو جواب دیا جائے۔

جب منشی عبداللہ صاحب بحصول رخصت وطن آئے تو صاحبزادی صاحبہ اور انکی والدہ ماجدہ یعنی حضرت امام ربانی کی اہلیہ مکرمہ پیام رشتہ لیکر صبح کے وقت گئیں اور منشی عبداللہ صاحب کی اس نئے قائم ہونے والے تعلق کی تقریب میں پہلی مہمان بنیں۔ عصر کے بعد حضرت مولانا قدس سرہ اپنے چچا میاں حسین علی صاحب کے ہمراہ بنفس نفیس منشی عبداللہ کے مکان پر تشریف لائے اور خطبہ کی گفتگو کا افتتاح ہوا۔ باتوں کا سلسلہ کچھ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا کیونکہ میاں حسین علی صاحب نے یہ فرما کر طے کر دیا کہ میاں عبداللہ سنو میں تمہارا بھی باپ ہوں اور رشید احمد کا بھی (العم صنو ابیہ) لڑکا اور لڑکی دونوں

میرے ہی ہیں انکی طرف سے مانگتا ہوں اور تمہاری طرف سے دیتا ہوں بس میں نے رشتہ کر دیا" والد ماجد کے اس فیصلہ پر منشی عبداللہ صاحب خاموش ہو گئے اور بطیب خاطر رضا کا اظہار فرمایا مگر چونکہ مروجہ رسومات دنیاوی کے بہت زیادہ پابند تھے اسلئے اتنا کہا کہ مجھے کوئی عذر نہیں ہے صرف یہ خیال ہے کہ "مجھے جو کچھ مقدور ہوگا وہ ان کے گھر بھیجوں گا یہ اسکو واپس نہ کریں" حضرتؒ نے جواب دیا کہ "اسمیں کیا انکار ہے جو کچھ دوگے سب لوٹا دیگا یہاں تو خرچ بہتیرا ہے" منشی عبداللہ صاحب کو امام ربانی کے خیالات اور قطع رسومات کا حال اچھی طرح معلوم تھا اسلئے کہنے لگے کہ تمہارے یہاں برادری کا تو قصہ ہی نہیں پھر وہ خرچ کہاں ہوگا؟ آپنے فرمایا کہ برادری سے کیا لینا غریب محتاج طالب علم میرے مہمان دینے کی جگہ بہتیری ہیں پھر بھلا مجھے لوٹنے کی کیا ضرورت ہے غرض رشتہ طے ہو گیا حضرت قدس سرہ مکان واپس تشریف لائے تھوڑی دیر کے بعد ستورات بھی ہنسی خوشی کامیاب اپنے گھر لوٹ آئیں۔ بس یہ وہ خطبہ تھا جسکو منگنی کہا جاتا ہے اس قصہ کے چند سال بعد یعنی ۲۰ صفر المظفر ۱۲۹۲ ہجری کو نکاح ہوا۔

نکاح کی تاریخ معین سے چند روز قبل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب کو اطلاع دی چونکہ حضرت مولانا کے نزدیک یہی چند حضرات کنبہ تھے اور یہی مقدس رفقاء برادری اسلئے غمی ہو یا خوشی نکاح ہو یا ختنہ اگر مدعو ہوتے تھے تو یہی چند حضرات مدعو ہوتے تھے اور انبساط ہوتا تھا تو انہیں اصحاب سے ہوتا تھا باقی دنیاوی برادری کے برادرانہ تعلقات کا سوائے اُن مواقع کے جہاں صلہ رحمی وحسن سلوک اور قرابت داری کے حقوق کی حفاظت و نگہداشت شرعاً حکم ہے دوسری جگہ طلق خیال نہ ہوتا تھا۔ آپ ان مضامین کے پابند نہ تھے کہ رشتہ کا پیام جائے تو برادری کی ایک جماعت کے ہاتھوں جائے یا دولہن رخصت ہو تو ساری برادری کے جمع ہوئے بغیر رخصت نہ ہو غیرہ وغیرہ پس آپ نے صاحبزادہ کے نکاح میں جسکا ادا کرنا سنت نبوی ہونے کی بنا پر آپ کیلئے ذریعہ مسرت تھا۔ صرف دینی رفقاء کو مدعو کیا اور دین کے سرور میں آخرت کے ساتھیوں کو شریک کرنا چاہا مگر اسکے ساتھ ہی چونکہ زیادہ پھیلاؤ اور اہتمام مقصود نہ تھا اسلئے ان دو حضرات کی دعوت پر اکتفا فرمایا باہم آپکے متوسلین و متعلقین اس اطلاع سے بے خبر نہ رہے اسلئے جسکو بھی امام ربانی کے ساتھ قلبی تعلق تھا اس نے بغیر بلائے شرکت کا عزم کیا اور جسکو کوئی اشد ضرورت مانع نہ ہوئی وہ وقت پر حاضر خدمت ہو گیا۔

اس تقریب بے بلا تو بید و اطلاع بیرونی مہمانوں کا ایک مجمع عظیم ہو گیا جنکے لئے متوکلانہ دسترخوان کسی ان تک

بچھایا گیا اور جب تک یہ لوگ ٹھیرے اُس فرش کی برکتوں سے منتفع ہوتے رہے جو نہ اس نیت سے فراہم ہوا تھا اور نہ اتنی جماعت کو بظاہر حال کفایت کر سکتا تھا الغرض سب سے پہلے امام ربانی نے اس رسم کو توڑا کہ خوشبو جوڑا اور زیور دولھا کے یہاں سے دولہن کے یہاں نا بن لیکر جائے اور وہ ان کو اُسوقت تک سر سے نہ اُتارے جب تک کہ اپنا حق یعنی منہ مانگی اُجرت یا رسمی دعرفی نیگ جبراً وصول نہ کرلے۔ آپنے دولہن کا جوڑا اور جو کچھ مقدور بھر زیور اپنی صاحبزادی کے ہاتھ روانہ فرمادیا وہ ڈولی میں بیٹھکر گئیں اور خاوند کے گھر کا پہلا ہدیہ دولہن کے گھر پر پہنچا آئیں شام کو نکاح ہوا نہ قاضی بلایا گیا نہ رجسٹر کھولے گئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ نکاح پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد برکت کی دعا مانگ لی۔ اگلے دن رخصت ہوئی مولوی ابوالنصر صاحب اور حاجی غلام المجید دولہن کے ڈولے کے ہمراہ تھے منشی عبداللہ صاحب کے مکان سے دولہن کو سوار کرایا اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دولتکدہ میں لا اُتارا۔

دولھا والوں کی جانب سے جو رسوم شائع اور مروج ہیں اُن میں سے ایک رسم بھی ادا نہوئی یہانتک کہ دولہن کے رخصت کے وقت حضرت امام ربانی ڈولی کے ہمراہ بھی نہوئے منشی عبداللہ صاحب چونکہ رسوم کے زیادہ پابند تھے اسلئے اُنھوں نے اپنے متعلق رسوم میں جو چاہا کیا یہانتک کہ بہو کی ڈولی کے ہمراہ خسر کا نہونا بھی شکوہ و شکایت میں لایا گیا مگر شکایت کی بنا چونکہ محض رسم پر تھی اسلئے حضرت نے معذرت کا تو کیا ذکر پروا بھی نہیں کی۔

شادی کے موقع پر رسماً دستور ہے کہ دولہن کے کمینوں کا خرچ دولھا والے دیتے ہیں اور دولھا کے کمینوں کا حق دولہن والوں سے ادا کرایا جاتا ہے اس مبارک شادی میں اسکو بھی توڑ دیا گیا جب منشی عبداللہ صاحب کو اُن کے کمینوں کا خرچ اِدھر سے نہ دیا گیا تو اُنھوں نے بھی اُس جانب کے جبری حقوق والوں کی خدمت نہ کی اپنے اپنے کمینوں کو جو کچھ مناسب سمجھا اپنے آپ دیدیا اور اصل حق الخدمت کی برضا و سہولت جانبین سے ادائگی ہوگئی۔

دولہن کی رخصت سے قبل جہیز کے صندوق کپڑا برتن پلنگ پیڑھی سارا سامان مکان سے باہر نکالکر برگد کے درخت کے نیچے رکھا گیا اور رسمی قانون کے موافق منشی عبداللہ صاحب نے صندوق کھولکر ایک ایک کپڑا نکالکر مجمع کو دکھایا برتنوں کا معائنہ کرایا ایک ایک چیز گنوائی اور چھوٹی بڑی سب اشیاء کی زیارت کرائی جسوقت اِس رسم کا تتمہ ہوا اُسوقت حضرت امام ربانی وہاں سے اُٹھکر کھانا کھانے کی غرض سے

دولتکدہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "جوڑے کھول کھول کر دکھائے جا رہے ہیں کیا فضول حرکت ہے"۔
رخصت کے دن بھی حضرت کے مہمانوں نے بدستور امام ربانی کے دسترخوان پر کھانا کھایا حضرت نے ہمیشہ یوں فرمایا کہ جب دولہن شوہر کے گھر آجائے تو اسکے بعد وہ سب کھانا جو دوست احباب یا عزیز و اقارب کو کھلایا جاتا ہے ولیمہ میں محسوب ہے۔ الغرض شادی سے فراغت ہوئی اور مہمان یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھر کو رخصت ہوئے حکیم صاحب کے نکاح سے فراغت کے بعد حضرت مولانا نے احد الوالدین کی طرف سے حج بدل کا عزم فرمایا اور مغفورہ ماں مرحوم باپ کے احسانات تربیت و حقوق پرورش کی فی الجملہ مکافات بایں طریق ضروری سمجھی کہ اس مالی و بدنی دشوار عبادت کا انکی روحوں کو ایصال ثواب کیا جائے چنانچہ پہلا حج بدل جو حضرت کا دوسرا سفر حج ہے اس نکاح سے دو سال بعد ۱۲۹۷ھ ہجری میں واقع ہوا اور تیسرا حج جو حج بدل میں دوسرا ہے ۱۲۹۹ھ ہجری میں پورا ہوا۔ یہ معلوم نہیں کہ ماں کی طرف سے پہلا حج تھا اور دوسرا حج باپ کی طرف سے یا برعکس بہرحال وہ مجمع علما جسکے متعلق یہ مسلم ہے کہ ایسا مقدس مجمع سرزمین ہند سے حجاز کی جانب بحیثیت مجموعی غالباً دوسرا روانہ نہیں ہوا یہی پہلا حج بدل ہے جسکو حجاز کا دوسرا سفر کہنا چاہئے اسلئے مناسب ہے کہ بقدر ضرورت اسکا تذکرہ بھی ہدیۂ ناظرین ہو جاوے۔

دوسرا حج بدل اور مجمع علماء

۱۲۹۴ھ ہجری نبوی وہ سال تھا جس میں ٹرکی اور روسی دو زبردست سلطنتوں میں باہم جنگ ہو رہی تھی اور بالطبع ہر مسلمان اسلامی سلطنت روم کی فتحیابی کا دل سے خواہشمند اور زبان سے دعاگو تھا۔ اس سال حضرت امام ربانی نے حج کا قصد فرمایا اور آپ کے اس مبارک سفر حجاز کی جسوقت دیگر حضرات کو اطلاع ہوئی تو سرزمین ہندوستان کے منتخب و چیدہ علماء سب ہی معیت کے لئے طیار ہو گئے۔
عام اہل اسلام نے جب دیکھا کہ دفعۃً خلاصہ ہندوستان بجانب حجاز جا رہا ہے اور اس وسیع ملک کی سرتاپا چمکدار نورانی شعلیں عرب کی طرف روانہ ہو رہی ہیں تو ایک ہل چل مچگئی اور جس سے بھی ہو سکا وہ معیت و ہمرکابی کے لئے طیار ہو گیا اسلئے کہ بطور خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ حضرات دینی معاونت کے لئے بجیلہ سفر حجاز حقیقت میں ملک روم کا سفر کر رہے ہیں۔ ٹرکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہو کر مجاہد فی سبیل اللہ بنیں گے اور جس کے نصیب میں مقدر ہے

جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کر گیا۔

لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا اسلئے کہ اول تو جانے والے حضرات میں کسی کی یہ نیت نہ تھی دوسرے امت محمدیہ کے لئے شارع علیہ السلام کی طرف سے جو جہاد اکبر تعلیم ہوا ہے یہ حضرات اسکے سپہ سالار اور امیر لشکر بنے ہوئے تھے اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کا ظلمتکدہ انہیں دو چار شعلوں سے منور ہو رہا تھا اسلئے انکو نبوی نیابت میں یہاں کی تاریکی کفر و عصیان میں ڈوبی ہوئی مخلوق کو ہدایت کرنا فرض تھا یہی ان کے لئے جہاد تھا اور اسی میں ان کے مراتب کی ترقی اور مدارج کی بڑھوتری تھی پس نفس سفر حجاز بھی باداء فرض عین یا حج بدل بدشواری ہو سکتا تھا لڑائی کے میدان میں جا کر تلوار کا اٹھانا تو کجا۔

سب کچھ تھا مگر عام خیالات کی غلطی کے رفع ہونے کی کوئی سبیل نہ تھی حق تعالیٰ کی مشیت یوں ہی تھی کہ نیکو کار مخلوق کا جم غفیر ایک مرتبہ شریک سفر امام ربانی ہو اسلئے ضلع سہارنپور و مظفر نگر کے اکثر حضرات اور دیگر اضلاع کے متعدد نفوس جس ریلوے اسٹیشن سے ساتھ ہونا آسان ہوا سوار ہوئے اور آگے پیچھے بھی ڈانگی بہ نیت معیت و ہمرکابی کا قافلہ بنتا رہا۔

مشاہیر علماء میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ہمراہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب حکیم ضیاء الدین صاحب مولانا محمد مظہر صاحب مع اہلیہ مولانا محمد یعقوب صاحب مولانا رفیع الدین صاحب مولانا محمود حسن صاحب مولانا حکیم محمد حسن صاحب مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب مولوی سخاوت علی صاحب انبہٹوی اور حضرت کے خاص خادم مولوی پیر محمد صاحب سہارنپوری اور مولانا محمد قاسم صاحب کے خاص شاگرد مولوی حافظ عبد العدل صاحب و مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی مولوی احمد حسن صاحب کانپوری مع اہلیہ اور حضرت کے بھانجے مولوی الطاف الرحمٰن صاحب وغیرہم تھے۔ حاجی عبد المجید صاحب گنگوہی اور حاجی ظہور احمد صاحب انبہٹوی بھی اس قافلہ میں شامل تھے سارا قافلہ کچھ اوپر سو حضرات کا تھا جن میں مولانا محمود حسن صاحب حکیم محمد حسن صاحب اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ۷ شوال کو وطن سے روانہ ہو کر بمبئی پہونچ گئے اور حضرت امام ربانی اپنے مجمع کو ساتھ لیکر بارھویں شوال کو سہارنپور کے اسٹیشن پر ریل میں سوار ہوئے۔

اس سال جس میں اس مقدس مجمع کا یہ مبارک و مشہور سفر حجاز واقع ہوا خشکی کا دخانی جہاز (ریل) بمبئی تک مسلسل جاری ہو گیا تھا اور بمبئی سے جدہ تک کے لئے بحری دخانی آگبوٹ (سٹیمر) ایجاد ہو کر

چل نکلے تھے سہارنپور سے چل کر غازی آباد ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبلپور کو دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ جبلپور سے بمبئی تک ریل کا سلسلہ قائم تھا مگر دو گاڑیاں روانہ ہوتی تھیں ایک سواری گاڑی کہلاتی تھی جو دن بھر چلتی اور جس اسٹیشن پر رات ہو جاتی وہیں شب گزارتی تھی اور دوسری ڈاک گاڑی تھی جو رات دن چلتی اور سواری گاڑی سے رفتار میں بھی تیز جاتی تھی۔ ڈاک گاڑی کا کرایہ زیادہ تھا اور سواری گاڑی کا محصول کم مگر بجز اسکے کہ مسافر کو منزل مقصود پر پہنچنے میں وقت کم صرف کرنا پڑتا تھا ڈاک گاڑی میں اور کوئی آسایش بڑھی ہوئی نہ تھی تاہم وقت کے قدردان شخص کے لئے یہ منفعت تھوڑی نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو سب منافع سے بڑھی چڑھی اور زیادہ کارآمد ہے۔

مولانا محمد مظہر صاحب کے سالے منشی محمد نذیر صاحب اٹاوہ میں تحصیلدار تھے اور انکی ہمشیرہ یعنی مولوی محمد مظہر صاحب کی اہلیہ بھی اس سفر میں حج کو جا رہی تھیں اپنے بہنوئی سے ان کا اصرار تھا کہ سارا قافلہ میرے غریب خانہ پر ایک شب قیام کرے اور ماحضر قبول فرمائیے اسلئے حضرت امام ربانی کے پاس اکثر رفقاء سفر کی معیت میں اٹاوہ تک کا ٹکٹ تھا قافلہ کے بعض حجاج کسی صلاحت یا اس قیام کی بیخبری و عدم اطلاع کے باعث آگے تک کا ٹکٹ لے چکے تھے۔ اٹاوہ کے مشہور مخیر رئیس اور علم و فقر دوست امیر منشی ممتاز علی خاں صاحب کمبوہ اسوقت کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے یکایک انکو اطلاع ملی کہ فلک ہدایت کے نیرین اور نجوم بغرض سفر حجاز براہ اٹاوہ بمبئی کو جا رہے ہیں اسلئے اس دولت عظمیٰ کے حصول سے محرومیت کو برداشت نہ کر سکے اور فوراً اٹاوہ پہنچے چنانچہ جسوقت اس بھرپور مجمع کو لیکر ریل گاڑی اٹاوہ کے اسٹیشن پر پہنچی ہے تو استقبال کے لئے منشی محمد نذیر صاحب تحصیلدار اور نواب ممتاز علی خاں صاحب معہ اپنے کئی سو ہمراہیوں کے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔

اس مسرت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر ان دونوں حضرات کو حاصل ہوئی کہ گھر بیٹھے ہندوستان کے دین و ایمان کی جان انکی مہمان بنی جن حضرات کے پاس اٹاوہ تک کے ٹکٹ تھے وہ اترے اور مابقی قافلہ جو آگے کا ٹکٹ لیچکے تھے محصول کی اضاعت کے اندیشہ سے بجبر اس عارضی مفارقت پر راضی ہوئے نواب ممتاز علی خاں صاحب نے قافلہ کی تفریق کا جب یہ سبب معلوم کیا تو اصرار والحاح کے ساتھ سب کو اتار لیا اور کہا کہ میں اسٹیشن ماسٹر سے سب کہہ سن لونگا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہم خدام کی مہمانی قبول نفرماویں اور اٹاوہ میں ایک روز یوم قیام کئے بغیر بمبئی روانہ ہو جائیں

چنانچہ سارا قافلہ جیسا کہ ساتھ آرہا تھا ساتھ ہی آیا اب خدا جانے کہ وہی ٹکٹ کسی سفارش کی بدولت کام آئے یا دوسرے ٹکٹوں کا تبادلہ ہوا بسکی کفالت ممتاز علی خاں صاحب کے ذمہ تھی بہرحال سارے قافلہ کی تحصیلدار صاحب اور نواب صاحب دونوں جان نثار خادموں نے دعوت کی اور شرف ملازمت و نعمتہائے خدمت سے بہرہ اندوز اور مالامال ہوئے آخر حضرات کے ارشاد کے موافق جسوقت کا حکم ہوا اُسپر ریل میں سوار کرانے اسٹیشن پر حاضر ہوئے اور سارے قافلہ کو گاڑی میں بٹھا کر جسوقت ریل نظر سے غائب ہوئی رخصت ہو کر گھر واپس ہوئے۔

اِس مقدس مجمع کے سفر عرب سے ہندوستان کا شاید کوئی شہر نا واقف نہ رہا ہو اسلئے جس اسٹیشن پر گاڑی پونچکر ٹھیرتی زیارت کے شوق میں بھرا ہوا اہل اسلام کا مجمع استقبال کرتا نظر آتا اور جس کے نصیب میں یہ معیت مبارکہ مقدر ہو چکی تھی وہ اجازت لے کر ساتھ ہوتا جاتا تھا مولوی احمد حسن صاحب کانپوری معہ اپنی اہلیہ کے اس مجمع کے ساتھ تھے آخر زمانہ میں اگرچہ مولانا کا کچھ رنگ بدلگیا تھا مگر اُسوقت تو اس درجہ معتقد تھے کہ حضرت امام ربانی کے اکثر اوقات گھنٹوں پاؤں دباتے اور کسی شے کی حضرت کو ضرورت ہوتی تو لپکتے اور پیشقدمی کیا کرتے تھے۔

آٹادہ سے روانہ ہو کر سارا قافلہ الہ آباد پونہچا اور الہ آباد سے جبلپور جبلپور پونہچکر کچھ رائے کا اختلاف ہوا کہ مسافر گاڑی میں بیٹھنا چاہیئے یا ڈاک میں مگر چونکہ اکثر کی رائے یہی تھی کہ مال سے زیادہ وقت عزیز ہے اسلئے ڈاک کی ایک گاڑی رند کرالی گئی اور محصول سارے قافلہ پر منقسم کر دیا گیا اس طرح پر بمبئی تک کرایہ فی کس پچیس روپیہ پڑا گاڑی کے درجوں میں کنارے کا ایک درجہ مستورات کے لئے خاص کر دیا گیا تھا اور اسکے برابر والا درجہ اُن مردانہ سواریوں کے لئے مخصوص تھا جنکی معیت میں زنانہ سوار ہاں تھیں تاکہ اپنے متعلقین اور پردہ نشین عورتوں کو دقت یا تکلیف نہونے پائے باقی درجوں میں بلا امتیاز جس کا جہاں جی چاہا بیٹھ گیا۔

اللہ کے مقبول بندوں میں ہر ایک کا رنگ جدا ہوتا ہے اِس لئے اِن مقدس نفوس میں بھی یہ تفاوت موجود تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب پر فقر و درویشی اور حسن خلق کا غلبہ تھا جسکی وجہ سے آپ ہر وقت مجمع کا مرکز بنے رہتے اور آپکو مخلوق گھیرے رہتی تھی مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ پر وہی انداز غالب تھا جو نیابت نبوت کے آثار جلیہ میں عالمانہ طرز ہوا کرتا ہے۔ آپ بھاری بھرکم نہایت سادہ مزاج منتظم بدیر

اور کم گو تھے سوائے کسی مسئلہ کا جواب دینے یا معمولی گفتگو میں عامی بات چیت کرنے کے اور کوئی بات نفرماتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہما میں کشوف کو یہ کے اکثر ذکر تذکرے ہوتے مکاشفات بیان کئے جاتے خوابیں ظاہر کیجاتیں غلبہ ظن پر رائے زنی ہوتی اور درویشانہ صوفیانہ چھیڑ چھاڑ برابر قائم رہتی تھی مگر حضرت امام ربانی اس قسم کی گفتگو کے وقت بالکل خاموش ہو بیٹھتے اور ایسے بنجاتے تھے گویا کچھ سنا ہی نہیں غرض یہ مسلم ہے کہ سوائے ان سرپرآوردہ پیشوایانِ اسلام اور اہل بصیرت حضرات کے جنکو عام مخلوق بھی ولی کامل اور شیخ وقت صوفی سمجھتی تھی امام ربانی کو مجمع کا کوئی شخص بھی درویش یا فقیری سے مناسبت رکھنے والا نہ سمجھتا تھا عام طور پر آپ محض مولوی سمجھے جاتے تھے مگر زبردست اور جزئیات پر حاوی مولوی گنے جاتے تھے ہاں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب یوں فرمایا کرتے تھے کہ میاں حضرت مولانا رشید احمد کی عالی ظرفی کا کیا ٹھکانا ہے سب کچھ پیٹے بیٹھے ہیں مگر کیا ممکن کہ ذرہ برابر ظاہر ہو جائے یہ ہمارے ہی ظروف ہیں کہ ایک بات بھی ضبط نہیں کر سکتے جو کچھ آتا ہے وہ اُبلتا اور چھلک جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ ان حضرات کا بھی انکسار اور کمال قوت قدسیہ تھا ورنہ بات یہ ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست" حق تعالیٰ نے جسکو جس کام کے لئے بنایا ہے اُس میں وہی استعداد و قابلیت رکھی ہے جو کار مفوضہ کی تکمیل کے لئے معین ہوتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں رنگا ہوا مقدس مجمع بخیر و عافیت بمبئی پہنچا اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے یہاں رحمت اللہ انبہٹوی کے پاس حجرہ مسجد میں قیام فرمایا جو حکیم اسمٰعیل کی مسجد میں موذن تھے اور بانگی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

ریل کے سفر میں نماز کا جو اہتمام اس مقدس مجمع کی بدولت عام حجاج کو نصیب ہوا وہ دوسری جگہ کہاں ملسکتا تھا جو بیچارے کسل دکاہلی یا ضعف و نقاہت کے باعث نماز میں سستی کا اظہار نہ کر سکتے تھے انکو بھی مستعد بننا پڑا اور حد درجہ پابندی جماعت سے عملاً معلوم ہو گیا کہ نماز مسلمان کیلئے سفر و حضر میں کسقدر ضروری عبادت ہے۔ اکثر نماز با جماعت ریلوے اسٹیشن پر اُتر کر ایسی جگہ ادا کیجاتی تھی جہاں ریل کا قیام باطمینان فراغت نماز تک مقرر ہوا اور اگر وقت مستحب کے گزر جانے کا اندیشہ ہوا تو ریل کے اسٹیشن پر ٹھیرے وقت ریل ہی میں جماعت کھڑی ہو جاتی تھی اور اگر اتنی بھی گنجائش نہ ملی تو چلتی گاڑی میں نماز پڑھ لی جاتی تھی مگر جماعت کے ساتھ۔

وضو کا اہتمام ایک دو اسٹیشن پہلے سے ہوتا تھا جنکو وضو نہ ہوتا وہ فکر اور کوشش کے ساتھ پانی حاصل کرکے وضو کرتے اور وضو کے بعد کئی کئی وقت تک وضو کی نگہداشت و محافظت رکھتے تھے جنکو پانی نہ ملسکتا وہ تیمم کرتے اور نماز میں شریک ہو جاتے تھے کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکتے تو بیٹھکر پڑھتے تھے غرض یہ ممکن نہ تھا کہ شرعی سہولت پر عمل نکریں اور اس شیطانی وسوسہ پر کہ "اس طرح نماز سے جی خوش نہیں ہوتا" نماز کو ترک کردیں چنانچہ اس قافلہ کی یہ بات مشہور رہی ہے کہ قافلہ میں ایک بوڑھے شخص مزاج کے وہمی تھے انھوں نے تیمم کے لئے مٹی کا ڈھیلا مخصوص کر رکھا تھا ہاتھ مارتے مارتے وہ کالا پڑ گیا تھا۔

امامت اکثر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ یا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اور کبھی کبھی کوئی تیسرا شخص بھی کھڑا ہو جاتا تھا نماز نہایت ہلکی پڑھی جاتی اور ساری شرعی ضروریات اور سہولتوں کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی اسٹیشن پر گاڑی ٹھیری اور مولوی سخاوت علی انبیٹھوی کو امام نماز بنکر قافلہ نے پلیٹ فارم پر صف بندی کرلی مولوی سخاوت علی صاحب نے قرأت میں تطویل کی اور رکوع و سجدہ بھی سفری ضرورت سے زیادہ طویل کئے جسوقت سلام پھیرا تو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے فرمایا "کہیں ایسی نماز ایسے سفر میں پڑھی جاتی ہے"؟ چنانچہ آیندہ کے لئے سب کو تنبیہ ہو گیا اور سب سمجھ گئے کہ شریعت نے جو سہولت کسی امر میں عطا فرمائی ہے اسکو قبول نہ کرنا احسان فراموشی اور سوء ادب ہے اسکے بعد حسب نماز ہوئی وقت اور محل اور گنجایش و طبائع مصلّین کا لحاظ رکھکر ہوئی۔

راستہ میں بہتیری کرامتیں اُن حضرات سے صادر ہوئیں چونکہ مختصراً قصہ سفر بیان کرنا مقصود ہے اسلئے اُن سے چشم پوشی کی گئی البتہ ایک موقع کا تذکرہ برسبیل ذکر سفر کردینا ضروری ہوا۔

حضرت کے بھانجہ مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں فجر کا وقت تھا صبح صادق ہو چکی تھی کہ ایک اسٹیشن پر ریل ٹھیری ماموں صاحب (حضرت مولانا قدس سرہٗ) اُترے وضو کیا اور دو سنتیں پڑھیں جماعت فجر کا تہیہ دیکھکر ریل میں جسقدر مسلمان سوار تھے قریب قریب سب اُتر کھڑے ہوئے اور جلدی جلدی وضو کرکے شریک نماز ہو گئے کئی صفوں کی جماعت پلیٹ فارم پر نہایت وقار و اطمینان کیساتھ ہو رہی تھی کہ ریل نے سیٹی دیدی بیسیوں نمازی ریل کی آواز پر نیت توڑ توڑ کر جلدی جلدی ریل میں سوار ہو گئے اور لگے ہنسنے اور قہقہے مارنے کہ "خوب نماز پڑھی بھئی خوب نماز پڑھی"۔

حضرت امام ربانی معہ اپنے ہمراہیوں کے اسی اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہے تشویش و

اضطراب کا کوئی اثر لہجہ یا آواز تک میں پیدا نہیں ہوا خدا کی شان ہے کہ ادہر نماز ہو رہی تھی اور ادہر ریل چیخ رہی تھی مگر ایک قدم آگے کو سرک نہ سکتی تھی یہانتک کہ نمازیوں نے سلام پھیرا اور مختصر دعا مانگ کر ریل میں سوار ہو گئے حضرت امام ربانی کا معہ اپنے قافلہ کے سوار ہونا تھا اور ریل کا چلدینا اس موقع پر پورے ۱۵ منٹ کا وقفہ ہوا جسکو تیز رفتار گاڑی نے آگے جاکر پورا کیا ریل کا توقف اور چل نہ سکنا کرامت حسی تھا جسکو ناظرین باوقعت سمجھتے ہیں مگر مولف کے نزدیک حضرت امام ربانی کی استقامت اور نماز میں مشغولیت ومحویت کی وہ بخشگی جس نے ریل کی سیٹی اور آواز کی طرف دھیان بھی پیدا نہونے دیا وہ معنوی کرامت ہے جو اہل بصیرت کے نزدیک زیادہ بصیرت کا باعث ہے پس اگر ریل اس موقع پر روانہ بھی ہو جاتی اور آپکو دوسری گاڑی میں سفر کرنا پڑتا تب بھی اس معنوی کمال میں کچھ فرق یا کمی نہ آتی اس قسم کے معنوی کمالات قدم قدم پر اس مقدس مجمع سے ظاہر ہوتے جاتے تھے مگر ظاہر میں چونکہ حسی خرق عادت کو کمال سمجھتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ کی طرف سے اُس کا بھی ظہور ہو گیا تاکہ نیت توڑنے والوں اور ہنسنے والے گروہ کو تنبیہ ہو جائے اور یہ واقعہ بالتخصیص انکی ہدایت کا ذریعہ بنجائے۔

بمبئی پونچکر قافلہ کو بائیس ۲۲ دن ٹھیرنا پڑا روزانہ جہاز کا انتظار تھا مگر آگبوٹ تھا کہ آنے کا نام نہ لیتا تھا لوگ گھبراتے اور تنگ آئے جاتے تھے ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمانے لگے کہ "آج معلوم ہوا ہے سارے قافلہ کو مولانا محمد قاسم صاحب روک رہے ہیں انکے چند رفقاء متوسلین ضلع مظفر نگر سے آنے والے ہیں جب تک وہ نہ آجائیں گے اُسوقت تک نہ جہاز آئے نہ جائے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مظفر نگر کا قافلہ جس دن بمبئی پونچا اُسی دن ایک جرمنی جہاز کا حاجی قاسم نے ٹھیکہ لیکر شام ہی کو ٹکٹ کھولدیا اور فروخت کرنا شروع کر دیا چھتری کا محصول ۵ روپیہ اور تحق کا کرایہ ۱۵ روپیہ اکثر قافلہ نے تحق کے ٹکٹ لئے اور ان حضرات کے پاس مابقی قافلہ کی معیت میں چھتری کے ٹکٹ آئے اگلے دن کشتیاں کنارے پر آلگیں اور جدہ کے جانے والے سارے مسافر جہاز پر سوار بھی ہو گئے دوسرے دن جہاز نے عرب کی جانب رخ پھیرا اور رخصتی سیٹی بجاکر روانہ ہو گیا۔ جہاز کا کپتان نصرانی المذہب تھا مگر شریف خاندان اور خلیق طبع اسلئے جہاز کے مسافروں کو بہت ہی راحت ملی جس نے جہاں چاہا بستر لگایا اور جس جگہہ آرام ملا اُسپر قبضہ جمالیا کپتان آتا تو راستہ میں جگہہ نہ ملنے کے باعث ہنستا مسکراتا اور "حاجی بابا ذرا راستہ دیدو ہم نکل جائیں" کہتا ہوا چلا جاتا تھا جہاز میں بڑی لمبی صف بنبی ہوئی

پانچوں نمازیں جماعت سے ادا ہوا کرتی تھیں کپتان اس پیاری عبادت کو سلیم وسلیس انداز کے ساتھ ادا ہوتے دیکھتا تو خوش ہوتا اور مسلمانوں کی اس عبادت پر تعریف کیا کرتا تھا غرض آٹھویں دن یمن کے بندرگاہ پر جہاز نے لنگر کیا اور ایک دن رات وہاں ٹھیر کر حجاز روانہ ہوا چوتھے دن جدہ کا بندرگاہ نظر آنے لگا خلاصہ یہ کہ سارا قافلہ نہایت آرام اور راحت کے ساتھ تیرہویں دن بمبئی سے چلکر جدہ آپہنچا۔

کپتان بھی حج کو جانے والے مسافروں سے کچھ اسدرجہ مانوس ہوا کہ بلا محصول سویز کی سیر کرانے کی خود اپنی سواریوں سے درخواست کی مگر چونکہ ان حضرات نے جو ساری قافلہ کے سردار اور میر قافلہ تھے اس فضول سفر میں وقت کا ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اسلئے جہاز کا لنگر باب الحرمین کے کنارے ڈالدیا گیا اور کپتان نے درخواست کی خوشنودی و راحت یابی کا ایک پروانہ آپ لوگ اپنا دستخطی مجھ دیں تاکہ آقا کے نزدیک میری وقعت کا باعث ہو اور عہدہ میں ترقی کا سبب بنے۔

حقیقت میں مسافروں کو اس نیک دل عیسائی نے اپنے خلق و تلطف سے راحت پہنچائی تھی اسلئے سب نے بخوشی اس درخواست کو منظور کیا۔ رضا اور راحت رسانی کا اظہار عربی زبان میں کیا گیا اسپر امام ربانی قدس سرہٗ نے دستخط فرمائے اور مجمع کے دستخط کرائے غرض مکمل کرکے یہ سندی دستاویز کپتان کے حوالہ کردی گئی کپتان نے اسکو چوما اور آنکھوں سے لگایا پھر سر پر رکھ لیا اور یہ کہا کہ "یہ میرے لئے سند ہے" اس دستاویز خوشنودی کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا گیا اور وہ بھی کپتان کو دیدیا گیا۔

جہاز کے سارے سفر میں بھی حضرات کا فرق طبائع اپنا اپنا رنگ جدا دکھلاتا رہا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اکثر اوقات مجمع میں گھرے رہتے اور خلق اللہ کو کلمات طیبات سے مستفید فرماتے رہتے تھے مگر حضرت امام ربانی حجاج کی خدمت و راحت رسانی اور تمام رفقاء کے مال و متاع کی محافظت اور انتظام و نگرانی میں مشغول رہتے تھے اپنے ہمراہیوں میں سے ہر ایک کی چیز پر نظر رکھتے کہ ادھر اُدھر غائب یا ضائع ہو کر گم نہ ہو جائے کوئی دوران سر میں مبتلا ہوتا تو بار بار اسکے پاس جاتے اور تسلی دلاسے کے علاوہ چٹنی اچار جو کچھ ملتا اسکو کھلاتے تھے کسی کی جائے نشست تکلیف کی پاتے تو اسکے لئے دوسری جگہ کا فکر کرتے اور کسیکو محزون و مغموم یا پریشان حال دیکھتے تو اسکی تشفی فرماتے تھے۔ غلہ کی بوریاں اور جنس و سامان خوراک یا دیگر ضروریات کے صندوق جنکو جہاز والوں نے مالک کے موجود نہونے کی وجہ سے نیچے کے تہ یا مال گودام میں ڈالدیا تھا حضرت امام ربانی اپنے رفقاء کی ضرورت محسوس فرماکر نشان و پتہ اور علامات پوچھ پوچھ کر انکو تلاش کرانے

اور نکلوا کر مالک کے پاس رکھ کہہ جاتے تھے یلملم کے قریب جسوقت جہاز پونہچا اور کپتان نے اطلاع دی کہ "جو حاجی احرام باندھ لو" تو حضرت امام ربانی نے وعظ بیان فرمایا اور ارکان و ضروریات حج سے لوگوں کو آگاہ کیا پھر خود بھی احرام باندھا اور ہمراہیوں کو بھی باقاعدہ احرام بندھوایا۔

مولوی محمد حسن میرٹھی مہاجر مکی نے اسی سال مطوفی لی تھی چنانچہ جسوقت انکو اطلاع ہوئی کہ اولیاء ہند کا مقدس مجمع عرب کو آرہا ہے تو اعلیحضرت حاجی صاحب سے اجازت لیکر سارے مجمع کو اپنی نگرانی میں لینے جدہ آئے اور بندرگاہ پر سارے قافلہ کا استقبال کیا اور خیر مقدم کہا مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انکی مطوفی کا افتتاح اس مقدس جماعت کی خدمت سے ہوا مگر دوسرے مطوفوں کو انکی یہ عزت افزائی گوارا نہوئی اسلئے حسد کرنے لگے اور وہ رخنہ اندازیاں کیں کہ تین دن تک مولوی محمد حسن صاحب کو کرایہ کے اونٹ بھی نصیب نہوئے جنپر اس قافلہ کو سوار کراتیں آخر چوتھے دن بدقت کامیابی ہوئی اور غالباً ۲۰۔ ذیقعدہ کو یہ قافلہ جدہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوا۔

اونٹوں کے سفر میں اکثر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ردیف مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ہمراہ حاجی عبدالمجید صاحب گنگوہی۔ شبری کے اونٹ کا کرایہ للحہ تھا اور شغدف کے اونٹ کا پانچ روپیہ۔ جدہ سے مکہ معظمہ دو پڑاؤ ہے پہلے دن منزل کا اختتام بحرہ یا جدہ میں ہوتا ہے پس جو اونٹ اول وقت چل نکلے تھے انھوں نے بحرہ میں اور باقی قافلہ نے جدہ میں قیام کیا۔ اس طرح پر راستہ میں قافلہ کے دو حصے ہوگئے اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پونہچے۔

اعلیحضرت حاجی صاحب رح کو اپنے لاڈلے اور چاہیتے پیارے ہندی قافلہ کے جدہ سے روانہ ہونیکی اطلاع مل چکی تھی باوجود ضعف و نقاہت کے سنت استقبال اور جوش محبت میں شہر سے باہر ملنے کی خواہش پوری کئے بغیر نہ رہ سکے خدا جانے کسوقت کے منتظر کھڑے اور راستہ کیجانب آنیوالے قافلہ کا انتظار فرمارہے تھے جسوقت قافلہ باب مکہ پر پونہچا تو سب نے دیکھا کہ اعلیحضرت پٹکے سے کمر باندھے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ پاس کھڑے تھے۔ شیخ کے شیدا اور مرشد کے جان نثار خدام اسی وقت سواری سے نیچے اُتر پڑے اور بغلگیر ہو ہو کر خوب دل کھولکر ملے۔

مولانا حکیم محمد حسن صاحب چونکہ کچھ پہلے پونہچ لئے تھے اسلئے پاس کھڑے ایک ایک کا نام و نشان اور پتہ بتاتے جاتے تھے اسلئے کہ شب کا وقت تھا اور قافلہ میں بہتیرے آدمی ایسے بھی تھے جن سے اعلیحضرت کو

ملنے کا بہت کم اتفاق ہوا ایسے ملے ہوئے زمانہ مدید گزر چکا تھا اعلیحضرت سراپا خلق کی مسافر نوازی تھی کہ قافلہ کے ایک ایک متنفس سے اجنبی ہو یا واقف کار بغلگیر ہوئے اور جب تک وہی علیحدہ نہ ہو گیا اعلیحضرت نے اپنے سینہ علم و معرفت گنجینہ سے علیحدہ نہیں کیا۔ شتو حضرات سے بغلگیر ہونا اور مسکرا مسکرا کر مزاج پرسی کوئی معمولی بات نہ تھی خصوصاً اس پیرانہ سالی و ضعف جسمانی کے وقت الغرض اعلیحضرت سارے قافلہ کو اپنی رباط میں لائے اور وہیں ٹھیرایا۔ یہ مکان اعلیحضرت کو اسی سال ملا تھا بلکہ ابھی تک آپ اسمیں سکونت منتقل نفرمائی تھی اسلئے زیادہ مناسب سمجھا گیا کہ اس مقدس جماعت کا اول اس مکان میں قیام ہو۔ صبح کو سارے مجمع کی دعوت بھی اعلیحضرت ہی کے دسترخوان پر ہوئی ہر چند کہ امام ربانی قدس سرہ نے عرض کیا بھی کہ آدمی بہت ہیں مگر اعلیحضرت نے یہ فرما کر کہ "میری خوشی اسی میں ہے کہ سب احباب میرے یہاں کھاویں" مجبور فرما دیا۔

سوائے چند اصحاب کے کہ انھوں نے اپنی راحت دوسری جگہ دیکھکر جدا مکان کا انتظام کیا قافلہ کا اکثر حصہ اعلیحضرت کی رباط ہی میں مقیم رہا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے دوبارہ چودہویں سال اپنے شیخ کی زیارت کی اور شرف ملازمت حاصل فرما کر فیوضات نامتناہی سے بہرہ اندوز ہوئے حج کا زمانہ قریب تھا اسلئے اس سے فراغت حاصل کی۔

آپکے عزیز اوقات کا زیادہ حصہ اعلیحضرت کی خدمت میں حاضر رہنے یا مطاف کے اندر طواف بیت اللہ میں گزرتا تھا رفقا سفر نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ حضرت مولانا قدس سرہ پر باوجود کوہ وقار ہونیکے حالت طواف میں خشوع و خضوع کا اسدرجہ غلبہ ہوتا تھا کہ چھپائے چھپ نہ سکتا تھا ایک مرتبہ آپ ململ کا ہلکا کرتہ پہنے طواف میں مشغول تھے مطاف میں ایک بزرگ بیٹھے آپکو تک رہے تھے جسوقت شوطین آپکا گزر ان بزرگ پر ہوا تو انھوں نے ایک کلمہ کہا جسکی طرف حضرت امام ربانی کو محویت و استغراق کے باعث خیال بھی نہوا کہ کیا فرماتے ہیں دوسرے شوط میں جب دوبارہ انھوں نے وہی کلمہ پکار کر کہا تو آپنے غور سے سنا اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں جب آپنے انکی طرف دیکھا تو وہ فرمانے لگے "اِلْبَسْ لباس الصالحین" (صالحین کا لباس پہنا کیجئے) آپنے اپنے ململ کے کورتہ کیجانب اشارہ فرمایا اور جواب دیا کہ "ھٰذا لباس الصالحین" (یہ بھی تو صالحین ہی کا لباس ہے) ان بزرگ نے فرمایا کہ "لا لا خشن خشن" (نہیں نہیں موٹا دبیز) حضرت امام ربانی یہ جواب دیکر کہ "طیب بارك الله" (بہت اچھا خدا آپکو برکت دے)

طواف میں مشغول ہوگئے اور شوط پورا فرمایا۔

حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ بیعت حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تھے مگر اعلیحضرت حاجی صاحب کی طرف سے مجاز تھے اور تعلق قلبی بھی بہت بڑھا ہوا تھا اسلئے حضرت حاجی صاحب کی دوبارہ زیارت اور حضرت امام ربانی کی معیت مقدسہ کے لئے اس سفر حج میں ساتھ آئے تھے مدینہ منورہ پہلے سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ حاضر ہو چکے تھے اسلئے اس مرتبہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے براہ جدہ واپس وطن ہوئے اور حضرت امام ربانی قافلہ کے ہمراہ بعد حج سلطانی راستہ سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے۔ قافلہ بیروں مدینہ منورہ ہی تھا کہ رات ہوگئی اور شہر پناہ کے دروازے بند کر دئے گئے اسلئے قافلہ کو مناخہ میں ٹھیرنا پڑا علی الصباح حضرت امام ربانی معہ دیگر حضرات کے صلوٰۃ صبح ادا کرنے کے لئے قافلہ سے باہر نکلے اور مسجد نبوی کی جانب روانہ ہوئے نماز سے فارغ ہو کر روضہ اطہر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور بڑے جوش و شوق کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کیا اسکے بعد مواجہہ شریفہ میں مراقب ہو کر بیٹھ گئے یہانتک کہ آفتاب نکل آیا اس وقت آپ اپنے خاص رفقاء کو ساتھ لیکر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شاہ صاحبؒ کو اس مجمع کے ساتھ جو کچھ تعلق یگانگت تھا اُسکا پوچھنا ہی کیا؟ بہت ہی مسرور ہوئے اور عرصہ تک حالات پرسی میں مشغول رہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شاہ صاحبؒ نہایت کم گو تھے اکثر اپنی کیفیت میں مستغرق و مستلذ رہتے اور بلا ضرورت ایک بات بھی زبان مبارک سے نہ نکالتے تھے مجمع میں جو اجانب اور ناواقف اصحاب تھے اُن سے بھی شاہ صاحب نے اخلاق کریمانہ کے ساتھ مصافحہ فرمایا مگر مولوی الطاف الرحمٰن صاحب کو جو اعلیحضرت کے بھانجہ ہی نہیں بلکہ عاشق زار تھے بالتخصیص حضرت مولاناؒ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ مولوی الطاف الرحمٰن کا اپنے ماموں کے ساتھ تعلق محبت حقیقت میں عشق کے درجہ پر پونچا ہوا تھا ان حضرت نے پڑھا بھی اپنے ماموں ہی سے تھا مگر فراغت کے بعد ہر چند ملازمت اور نوکری کے لئے حضرت نے انکو باہر بھیجنا چاہا مگر ماموں کی مفارقت گوارا نہ کر سکے اور اگر بہتیرا کہنے سننے پر امتثالاً للامر کہیں گئے بھی تو بیس حیلے اور تدبیریں ایسی کیں کہ آخر مخدوم العالم ماموں کو لکھنا پڑا کہ چلے آؤ۔

جس سال مولانا خلیل احمد صاحب اپنی جائے ملازمت ریاست بہاولپور سے رخصت لیکر حج کو روانہ ہوئے ہیں تو حضرتؒ کے حکم کے موافق مولوی الطاف الرحمٰن کو اپنی جگہہ قائم فرما گئے تھے مولوی

الطاف الرحمٰن صاحب چلے تو گئے اور جس طرح بن پڑا چند روز رہے بھی مگر ماموں کے فراق میں اکثر اوقات رویا کرتے تھے خصوصاً شب کو سونے کے لئے چارپائی پر لیٹتے تو گھنٹوں آنسو بہاتے اور کروٹیں بدلا کرتے تھے آخر تاب مفارقت نہ لاسکے اور آب و ہوا کی ناموافقت و طبع کی علالت کا بار بار ماموں صاحب سے تحریراً اظہار کر کے اجازت حاصل کی اور جب واپس وطن ہوئے تو حضرت کے پاس حاضر ہوتے ہی بالکل تندرست ہو گئے حضرت بارہا فرمایا کرتے کہ الطاف الرحمٰن تجھے کیا ہو گیا تو کری کیوں نہیں ہو سکتی؟ مگر ان کے پاس سوائے اسکے کچھ جواب نہ تھا کہ مجھے آپکی خدمت سے علیحدہ ہونا بہت شاق ہے۔

حضرت امام ربانی کو بھی ان کے ساتھ خاص انس و تعلق تھا اول تو بھانجے تھے اور دوم شاگرد اور سب سے بڑی بات یہ کہ نہایت صالح متقی اور پیار سا اپنے ماموں کے قدم بقدم تھے اسی سبب سے حضرت مولانا انکو زیادہ محبوب سمجھتے تھے اس مرتبہ حج کے سفر میں بھی ہمراہ لیا۔

مدینہ منورہ میں اس مقدس قافلہ نے کم و بیش بیس دن قیام کیا مشاہد و مقامات متبرکہ پر حاضر ہو کر کیفیات غریبہ و انوار عجیبہ کی گلچینی فرمائی حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک شخص ملا سفر نامی بخاری کو ان حضرات کے حوالہ فرما دیا تھا کہ جہاں حاضر ہونا چاہیں وہاں لیجائیں چنانچہ مسجد قبا و قبلتین و بیار سبعہ و جبل احد وغیرہ سب ہی زیارتگاہوں پر حاضری دی اور خوب خوب گلہائے نعم خداوندی سے دامن دل بھرا۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کا قصد یہ تھا کہ اپنے مرشد حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں رہ پڑیں چنانچہ شاہ صاحب سے اجازت بھی حاصل کر لی تھی مگر مولانا محمد یعقوبؒ صاحب اور مولانا محمد قاسمؒ صاحب اسپر مصر تھے کہ مولوی رفیع الدین صاحبؒ قافلہ کے ہمراہ واپس ہندوستان چلیں کیونکہ مدرسہ دیوبند کے اہتمام کے لئے ایسا آدمی ملنا دشوار تھا حضرت امام ربانی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے کمال محبت و غایت وثوق کے و اعتماد کے لئے یہ دلیل بھی کافی ہے کہ اس معاملہ کا فیصلہ آپ پر محول کیا گیا اور شاہ صاحبؒ نے حضرت مولانا سے دریافت فرمایا کہ "مولوی رشید احمد تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے مولوی رفیع الدین کا منشاء ہے کہ میرے پاس مدینۃ الرسول میں رہیں اور ان کے ہمراہی انکو واپس لیجانے پر مصر ہیں" آپ نے جواب دیا کہ حضرت دیوبند کا مدرسہ اسلام کی ایک بڑی خدمت ہے اس کے اہتمام کے واسطے مولوی رفیع الدین صاحب جیسا متدین آدمی ملنا مشکل ہے اس لئے مولوی محمد یعقوب صاحب اصرار فرماتے ہیں کہ مدرسہ کو نقصان نہ پہنچے" یہ سنکر شاہ صاحب نے فرمایا

ہاں اگر ایسا ہے تو بیشک مولوی رفیع الدین کا ہندوستان ہی جانا ضروری ہے" اسکے بعد ہر چند حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو قدموں سے جدا نہ کیجئے مدرسہ کا کچھ انتظام ہو ہی جائیگا لیکن شاہ صاحب نے قیام کی اجازت ہی نہ دی اور جب فرمایا یہی فرمایا کہ "بھائی دین کی خدمت بڑا کام ہے شریعت محمدیہ کی خدمت گو شہ نصیبوں ہی کو ملتی ہے جب حق تعالیٰ تم سے اپنے دین کا ایک کام لے رہے ہیں تو اسمیں حرج ڈالنا معصیت سے خالی نہیں" غرض مدینہ منورہ میں تخمیناً بیس یوم قیام فرما کر یہ مقدس بھرپور مجمع مکہ واپس ہوا اور پھر باطمینان ایک مہینہ سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام کیا۔

جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہگیا تھا یا وطن پونہچنے کی ضرورت تھی وہ رخصت ہو کر جہاز میں سوار ہو لئے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ نے معہ اپنے خاص رفقاء کے یہاں سے جانے کا نام نہ لیا۔ ایک ماہ گزرنے پر آپکے اکثر ہمراہیوں کے پاس زادراہ قریب الختم پونہچ گیا اور باہم خفیہ مشورے ہونے لگے کہ کسطرح حضرت سے چلنے کی درخواست منظور کرائیں مگر رعب و لحاظ کے باعث کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی اور ہمت بھی ہوتی تو منظوری دشوار تھی غالباً یہی جواب ملتا کہ "جسکو عجلت ہو وہ چلا جائے" اسلئے ایک مرتبہ ضرر مند اصحاب نے اعلیحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ساری حالت عرض کی اور چاہا کہ حضرت سے کو حکماً ہندوستان جانیکو فرماویں کہ ہمیں معیت کی نعمت سے محرومی نہو چنانچہ اعلیحضرت نے درخواست منظور فرمائی اور حضرت امام ربانی سے فرمایا کہ "مولانا جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو مگر ہمراہیوں کے پاس خرچ کم رہگیا ہے اور آپ کی ذات سے اہل ہند کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے اسلئے مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب ہندوستان واپس ہوں"۔

اعلیحضرت کے حکم پر حضرت مولانا سوائے تعمیل کیا فرما سکتے تھے واپسی کا قصد فرما لیا اور تہیہ سفر شروع کر دیا اتفاق سے جس روز چلنا قرار پایا تھا عین اسی دن یونانکے فتح ہونے اور روس کے قبضہ میں جانیکی وحشتناک خبر مکہ میں پونہچی مگر اس طرح کہ تصدیق و تحقیق کی کوئی صورت نہ پائی ہر چند کہ اس خبر نے طبعی رنج و غم اور تحقیق کی طلب و فکر کے باعث پھر قصد سفر ملتوی کرنے پر مجبور کیا لیکن اعلیحضرت حاجی صاحب نے یہ فرما کر کہ "سلسلہ اخبارات بند ہو رہا ہے یہاں مہینوں میں بھی تصدیق یا تکذیب اس خبر کی نہو سکیگی جاؤ بسم اللہ کرو جو کچھ مقدر تھا ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا" الغرض اعلیحضرت کے لاڈلے مسافر رخصت ہو کر جدہ پونہچے اور جو جہاز جانے کو طیار کھڑا ہوا تھا گو تنگی جگہ کی تکلیف تھی مگر یہ کہکر اسی نے تحت لے لئے

کہ جب مکہ چھوٹ گیا تو ذرا سی راحت کے انتظار میں جدہ پڑے رہنے سے کیا فائدہ اسی دن شام کو جہاز روانہ ہو گیا اور تمام حضرات تیرہویں دن بخیر و عافیت بمبئی پہنچ گئے اور بمبئی سے گنگوہ۔

الحمد للہ کہ سارا سفر سہولت و راحت کے ساتھ انجام کو پہنچا البتہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو علالت لاحق ہوئی جو بظاہر خفیف محسوس ہونے کی وجہ سے سفر کی مزاحم یا رفقاء کی پریشان بنانیوالی تو نہ ہوئی مگر آہستہ آہستہ بڑھکر آخر کار وہی بیماری مرض الموت بنی اور تیسرے سال ۱۲۹۷ھ میں جان ہی لیکر گئی۔

حضرت امام ربانی ۱۲۹۵ھ ہجری میں واپس گنگوہ آکر پھر اسی خدمت دین متین اور تعلیم و تلقین مسترشدین میں حسب عادت معہودہ مشغول ہو گئے جسکے لئے خلاق ازل نے آپکو دنیا میں بھیجا تھا۔ اسی ماہ رجب میں آپکو حق تعالیٰ نے دوسرا نواسہ عطا فرمایا جسکا نام محمد یعقوب رکھا گیا مگر اس دار ناپائدار میں شادی و غم توام ہیں اور اولیاء کی آزمایش و امتحان کیلئے تو صدمات و امراض اعزہ گویا لازمی ہیں۔ بقا سوائے ذات پاک باری تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس لئے اس کے سامان شروع ہو گئے اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کو منجملہ ان اسباب و اقارب کے جو باعث راحت روح اور موجب ٹھنڈی چشم تھے یکے بعد دیگرے متعدد صدمات میں دو بڑے صدمے اٹھانے پڑے یعنی ایک اپنے ماموں مولوی عبدالغنی صاحبؒ کا جو یتیم ہونیکے زمانہ سے اب تک باپ کی جگہ سرپرستی اور شفقت و تیمارداری کیا کرتے تھے اور دوسرا اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم والخیرات رحمۃ اللہ علیہ کا جنکے ساتھ طالب علمی کے زمانہ اور نوعمری کے وقت یعنی اٹھارہ سال کی عمر سے آجتک رنگ و بو یا جسم اور جان کا تعلق بگانگت رہا تھا یہ دونوں جانکاہ حادثہ ایک ہی سال ۱۲۹۷ ہجری میں واقع ہوئے اس روح فرسا تصادم سے آپکے نازک قلب پر جو کچھ چوٹ لگی اسکا اندازہ کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ خود امام ربانی قدس سرہٗ نے بر سبیل تذکرہ یوں فرمایا تھا کہ مولوی محمد قاسم کی مفارقت کا مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ اگر ایک بات نہ ہوتی تو اسی وقت میری جان نکل جاتی" کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا بات تھی فرمایا "وہی جسکی وجہ سے تم مجھے بڑا سمجھ رہے ہو"۔

آیئے اب اس حجرہ کی اندر سے آپ کو زیارت کرائیں جو حجرہ قدوسی کہلاتا ہے اور حضرت کے مقدس ہاتھوں نکالیپا پوتا صاف کیا ہوا تھا اسی حجرہ میں مولانا انبہٹوی نے بیعت کی سلسلہ جنبانی کی تھی اور یہی خلوتخانہ کم و بیش پچاس برس تک حضرت مولانا کی عبادت گاہ رہا ہے اسی حجرہ میں آپکو نماز پڑھتے کسی جانور نے کاٹا تھا جو مرض الموت قرار پایا اور اسی کے متعلق آپ کی ہجرت کا وہ امتحان واقع ہوا جسمیں بیزاروں نے آپ سے منازعت کی

حج سوم

سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے دوسرے حج بدل کی طیاری کی مگر اس سفر کا تہیہ دفعۃً ہوا اور وقت اتنا تنگ ہو گیا تھا کہ حج میں شریک ہو سکنے کی لوگوں کو اُمید نہ تھی۔ چوتھی ذیقعدہ کو آپ روانہ ہوئے اور زمانہ وہ تھا کہ جزیرہ کامران میں دس روز کا قرنطینہ سلطان روم کی طرف سے قائم ہو گیا تھا کہ جو حجاج براہ عدن جدہ جائیں وہ اس جگہ صحت جسمانی کے امتحان کو دس یوم خس پوش مکان میں بھیریں بمبئی سے حجاج روانہ ہو چکے تھے بچے بچائے چند لفر باقی تھے جو جہاز کے منتظر تھے کہ جس طرح بن پڑے عرب میں تو جا پڑیں خدا کی شان کہ جہاز آیا اور جدہ کا ٹکٹ تقسیم ہونے لگا حج میں صرف بارہ چودہ روز باقی تھے جن میں سے قرنطینہ کے دس یوم نکال کر دیکھا جائے تو چار پانچ دن کا ہی وقفہ تھا ہر چند لوگوں نے منع کیا کہ اب جدہ کا ٹکٹ لینا فضول ہے امسال کسی طرح حج نصیب نہیں ہو سکتا روپیہ خراب کیجیے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ توجہ نہ فرمائی اور ٹکٹ لیکر جہاز پر سوار ہو گئے۔

جہاز نے بمبئی سے لنگر اُٹھایا تو ساتویں دن عدن پونہچا اور چند گھنٹہ بندرگاہ عدن پر ٹھیر کر وہاں سے چلا تو سیدھا حجاز کا رُخ کیا یہاں تک کہ نویں دن جدہ نظر آنے لگا۔ جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر آ اُترے کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کامران کیا شے ہے اور کہاں واقع ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ زبردست رومی سلطنت کا حکم ماننا ہر جہاز کے مالک پر ضرور تھا کسی کی طاقت نہ تھی کہ تعمیل سے سرتابی کرے اور مانا کہ وہ سال قرنطینہ کا پہلا ہی سال تھا مگر ہر ملک میں شائع ہو جانیوالی اس اطلاع سے کسی جہاز کے کپتان کا کان نا آشنا نہ رہا تھا مگر کوئی غیبی قوت جہاز کو آگے کھینچ رہی اور حق تعالےٰ کے شاہنشاہی حکم سے جہاز سیدھا عرب کے بندرگاہ پر چلا رہا تھا اسلئے اُسکو کوئی روک نہ سکا۔ سُنا ہے کہ کامران کی راہ سے باہر جانے اور حد معینہ سے جہاز کے متجاوز ہونے پر ترکی افسروں کی طرف سے آگے چلنے کی ممانعت اور جہاز کا رُخ کامران کی جانب پھیرنے کی ہدایت میں بار بار سُرخ جھنڈیاں دکھائی بھی گئیں اور جہازی علامات سے اس بیباکی کا سخت جرم ہونا کپتان کو سمجھایا گیا مگر جہاز کا مُنہ کامران کی طرف نہ پھرنا تھا نہ پھرا آخر واپسی کے وقت اس جہاز کو سلطنت ٹرکی کی طرف سے اِس جرم کی سزا بھی ملی یعنی بجائے دس یوم کے بیس دن کا ڈبل قرنطینہ کرنا پڑا اور تین ہزار روپیہ کی رقم جرمانہ کی دینی پڑی۔

حضرت امام ربانی بمبئی سے چلکر نویں دن بعافیت جدہ پونہچ بھی گئے وہاں سے اونٹوں کا بندوبست بھی جلدی ہوگیا چنانچہ مکہ معظمہ پونہچے اور اگلے دن ارکان حج شروع ہوگئے نہایت اطمینان کے ساتھ آپ وقت پر منا روانہ ہوئے اور وہاں سے عرفات غرض حج کے پورے ارکان و آداب بڑے احترام و تمامیت کے ساتھ ادا کئے اور تیسری مرتبہ مرشد العرب والعجم شیخ الکل اعلیحضرت حاجی صاحب کی زیارت و شرف ملازمت سے مشرف و کامیاب ہوئے۔

اس مرتبہ سفر حج میں حاجی ظہور احمد صاحب انبہٹوی کے خسر منشی تجمل حسین صاحب آپ کے ہمراہ تھے انکا بیان ہے کہ سفر میں حضرت امام ربانی قدس سرہ جب آخر شب میں بیدار ہوتے اور قافلوں کی نسبت ماندہ کر کھڑے ہو جاتے تو میں بھی آپ کے اقتدار کی نیت کر کے آپ کے پیچھے کھڑا ہو جایا کرتا تھا جس خشوع و خضوع اور با اثر لہجہ میں آپ قرآن مجید پڑھا کرتے اسکی کیفیت بیان نہیں کر سکتی جان تھی کہ نکلی جاتی تھی اور دل تھا کہ سینہ کے اندر تڑپتا اور بیتاب ہوا جاتا تھا ایک مرتبہ آخر میری زبان سے نکل گیا اور میں نے عرض کیا کہ "حضرت تہجد میں آپ قرآن مجید کیا پڑھتے ہیں چھری لیکر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں" حضرت امام ربانی مسکرائے اور فرمایا کہ "ہمارے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ دہلی کی سکونت کے زمانہ میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں نے پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص جو نہ مجھسے واقف تھا اور نہ میں اُن سے جب چلنے لگے تو یوں کہتے جاتے تھے "واہ رے قرآن پڑھنے والے خدا تیری عمر دراز کرے تو نے تو آج بھیرویں ختم کر دی"۔

ایک شخص گنگوہ کے رہنے والے بھی اس سال سفر حج کو گئے تھے اور ہر چند کہ حضرت امام ربانی حسب وطن کے باعث انکو اپنے ہمراہ رکھنا پسند فرماتے تھے مگر وہ عجلت کر کے پہلے چلدیئے کیونکہ وہ بھی یوں سمجھے ہوئے تھے کہ آپکے ساتھ جانے سے حج نہیں ہو سکتا خدا کی شان کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے قرنطینہ بھی نہ جانا کہ کیا ہے اور باطمینان وقت سے پہلے مکہ معظمہ بھی آپونہچے ان بیچاروں نے آتے وقت عام حجاج کی طرح کامران میں دس روز قرنطینہ بھی بھگتا اور واپسی کے وقت بھی جلدی کرنے اور حضرت مولانا کا ساتھ چھوڑنے کا نتیجہ اٹھایا کہ خوشی خوشی اسی جہاز میں بیٹھ لئے جسمیں حضرت مولانا بمبئی سے آئے تھے کیونکہ حج کے قریب آنے کی وجہ سے سب جہازوں سے اول روانہ ہونے کو وہی طیار کھڑا ہوا تھا اسمیں بیٹھنے کا ثمرہ یہ ہوا کہ واپسی میں جہاز کے ساتھ انکو بھی بیس یوم کا قرنطینہ بھگتنا پڑا

گویا آمد و رفت میں پورا ایک مہینہ قسطنطنیہ میں صرف ہو گیا اور حضرت مولانا کو نہ جانے قسطنطنیہ ہوا نہ واپسی میں آتے
اس سفر کی واپسی ۱۳۰۰ھ ہجری میں ہوئی جب آپ وطن پونچھے تو بتیسرے نواسہ محمد یوسف کو آپنے
دیکھا جو ماہ محرم کی اٹھائیس تاریخ کو تولد ہو چکے تھے۔

حضرت امام ربانی فرماتے تھے کہ "جب میں حج کو جا رہا تھا تو مفتی عنایت احمد صاحب (مؤلف
تاریخ حبیب آلہ) بقصد ہجرت حرمین بمبئی میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ انکو جب میرے بمبئی پونچنے کی اطلاع
ہوئی تو ملنے کے لئے تشریف لائے حالانکہ مجھسے کبھی پہلے ملاقات نہوئی تھی اول اپنا نام بتلایا اور غایت
توضیح کے لئے اپنے چند رسالوں کا نام لیا مگر میں جیسا مفتی صاحب سے ناواقف تھا اسی طرح ان رسائل
سے بھی ناواقف تھا آخر یہ فرمایا کہ چونکہ ہمنے سنا کہ آپ اہل علم ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان
سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ملنے کو دل چاہا غرض تھوڑی دیر تک بیٹھے اسکے بعد تشریف لیگئے پوڑھے
آدمی ہو کر جب مفتی صاحب مجھسے ملنے کو خود تشریف لائے تو میں کیوں نہ جاتا آخر دوسرے دن میں بھی
انکی خدمت میں حاضر ہوا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب کو شاہ
ولی اللہ صاحب کے خاندان سے نہایت محبت تھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال
طوبیٰ کی سی ہے کہ اسکی شاخ ہر ایک جنتی کے گھر میں ہوگی جسکے گھر میں طوبیٰ کی شاخ نہو وہ جنتی نہیں"
اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب اور جہاز میں گئے اور میں دوسرے جہاز میں روانہ ہوا خدا کی شان کہ
جس جہاز میں مفتی صاحب گئے وہ تباہ ہو گیا اور سواریاں غرق ہو گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ حج حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا آخری حج تھا اس کے بعد آپکو سفر حج کا اتفاق نہیں ہوا بالاستقلال
تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے اسی سال کے بعد آپنے حدیث کے علاوہ دینیات کے دوسرے علوم کا بھی درس
کم کر دیا تھا ایک سال میں صحاح ستہ یعنی بخاری[1] مسلم[2] ترمذی[3] ابن ماجہ[4] نسائی[5] اور ابو داود[6] ختم کرا دینے کا
التزام فرما لیا تھا جسکا نام دورہ ہے یہ سلسلہ اسوقت تک برابر قایم رہا جب تک آپکی ظاہری بصارت قائم
رہی۔ اس ظاہری تدریس کے ساتھ علم باطنی کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری تھا بلکہ اب دن بدن بڑھتا جاتا
تھا اسلئے کہ آپکے روحانی رفیق حضرت مولانا قاسم العلوم کی روحانی اولاد بھی آپکی تربیت میں آچکی تھی آپنے اپنے
متوسلین بلا واسطہ میں اور مولانا مرحوم کے مریدین میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا آپ ایکمرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی
محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دولہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح انکے ساتھ ہوا پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر انکی بچونکی کفالت میرا ہی ذمہ

سرپرستی مدارس و دستار بندی

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ علم دین کے نہایت قدردان جوہری تھے مقدس مذہب اسلام کی اس پاک خدمت اور بطحائی پیغمبر کی اس سچی نیابت کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے اور آخرت کی بہبودی کا بہت بڑا وسیلہ سمجھتے تھے طلبہ اور علماء کے ساتھ آپکو خاص انس تھا اور مدارس اسلامیہ عربیہ کے ساتھ مخصوص محبت تھی جہاں علم دین کی ناقدردانی اور جہالت و بددینی کے ساتھ الفت و یگانگت سنتے آپکا دل دکھتا تھا اور جس جگہ قال اللہ قال الرسول کا چرچا اور تعلیم و تعلم کا شعلہ مسموع ہوتا آپ مسرور ہوتے اور بالطبع اسکی جانب میلان و توجہ فرمایا کرتے تھے آپکی پاک زبان اور اللہ والا دل ہمیشہ دعائیں مانگا کرتا کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ دین کے نمونے ہمیشہ ہرے بھرے رہیں آپ قلبی توجہ کے علاوہ مدارس کے متعلق بدنی اور مالی خدمت کا پورا حصہ لیا کرتے تھے اور جس وقت ضرورت پیش آتی تھی مشورہ اور اصلاح و انتظام و وعظ کے لئے تکلیف سفر برداشت فرمایا کرتے تھے۔

یوں تو آپ کو دینی محبت کے باعث ہندوستان کے جملہ مدارس اسلامیہ کے ساتھ محبت تھی مگر مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ گویا عشق تھا یہ دونوں دینی مدرسے اپنی بنا کے اعتبار سے بھی قریب قریب ہمعصر اور توام ہیں اور بانی کے لحاظ سے بھی ہمجد اور اخوین ان دونوں نونہالان چمنستان دین میں قدامت و اصلیت کا افتخار مدرسہ عالیہ دیوبند کو حاصل ہے دونوں مدرسوں کی بنیاد حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں رکھی گئی مگر مدرسہ عالیہ دیوبند کی شروع سال میں بماہ محرم ۱۲۸۳ھ ہجری نبوی ابتدا ہوئی اور مظاہر العلوم سہارنپور کا چھ مہینے بعد بماہ رجب ۱۲۸۳ھ ہجری افتتاح ہوا قدرت نے دونوں مدرسوں میں مدرسین و اہل شوریٰ بھی ایسے چیدہ و منتخب مخلص اہل دل دیندار عطا فرمائے تھے جنہیں زمانہ کو ناز تھا مظاہر العلوم میں مدرس اول حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بانی و مہتمم مولانا مولوی سعادت علی صاحب اور مولانا کے انتقال پر سرپرست حضرت مولانا المولوی احمد علی صاحب محدث قدس سرہٗ اور مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے اور مہتمم حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ۔

۱۲۹۷ھ ہجری جسکو مدارس دینیہ کی تاریخ میں عام الحزن اور سال غم کہا جاتا ہے وہ سنہ ہے جسکی چوتھی جمادی الثانی کو پنجشنبہ کے دن معدن الحسنات قاسم الخیر والبرکات قدوۃ الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں بمقام دیوبند اس عالم فانی سے انتقال فرماکر احباب و اقارب دنیا کو اسوقت الوداع کہا جبکہ آفتاب خط استوا سے ڈھل گیا تھا گویا زوال شمس اسدن اس آفتاب دین کے ڈھلنے کی اطلاع دے رہا تھا جسکی چمکدار شعاعوں سے آجتک عالم جگمگا رہا ہے۔ اور اسی سال حضرت فقید النظیر وحید العصر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے بمقام سہارنپور داعی اجل کو لبیک کہی گویا دونوں مدرسے یتیم ہوگئے دونوں جانکاہ و روح فرسا حادثوں سے زمین باوجود وسعت کے تنگ اور عالم روز روشن میں تاریک نظر آنے لگا اسوقت حضرت قطب العالم قدس سرہ کی وہ تو جہان مدارس کی طرف عالم آشکارا ظاہر ہوگئی جو ابتک ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے مخفی و مستور تھی چنانچہ ۱۲۹۸ھ کی روداد مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں امام ربانی کی سرپرستی شائع ہوگئی اور ام المدارس کے ساتھ آپکا ظاہری و باطنی علاقہ دنیا پر ظاہر ہوگیا۔

سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں مولانا مولوی محمد مظہر صاحب اور سنہ ۱۳۰۱ ہجری میں مولانا فیض الحسن صاحب کا وصال ہوگیا جنھوں نے مظاہر العلوم کو من کل الوجوہ یتیم بنا چھوڑا اسوقت مدرسہ مظاہر العلوم کی بھی ظاہری و باطنی سرپرستی آپ کے حوالہ ہوئی۔

دیوبند میں حضرت قدس سرہ کو بارہا تشریف لانیکا اتفاق ہوا جن میں وہ تشریف آوری ضرور قابل ذکر ہے جسکو ہر نظر بصیرت مدرسہ عالیہ دیوبند کی پیشانی پر آب زر سے لکھا ہوا محسوس کررہی ہے وہ جلسہ جسمیں امام ربانی اسوقت دیوبند تشریف لائے جلسہ دستار بندی کے نام سے موسوم ہے۔

مدرسہ عالیہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی چار مرتبہ ہوا اول سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں پانچ مولویوں کے دستار باندھی گئی دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں نیز پانچ علماء کی دستار باندھی گئی تیسری مرتبہ سنہ ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستار بند ہوئے چوتھی مرتبہ جسمیں گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی یہی جمعہ دہم ربیع الاول سنہ ۱۳۰۱ ہجری یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا جو تاقیامت یادگار رہیگا اور جسکا مختصر ذکر کرنا جزو سوانح قرار پایا ہے۔

اس جلسہ دستار بندی کا مدرسہ کی طرف سے خاص اہتمام ہوا اول تو موسم ہی نہایت باکیف تھا جاڑے نکل چکے تھے ہلکی خنکی موجود تھی راتیں چاندنی تھیں تقریب تاریخ میں تعطیلات دفاتر سرکاری کا لحاظ

۴ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ و صدر مدرس مدرسہ عربیہ رشیدیہ و رئیس دارالافتاء و دارالاشاعت و دارالتصنیف و دارالترجمہ و دارالتالیف و دارالتحریر و دارالتقریر و دارالتدریس و دارالتعلیم کاندھلہ ضلع سہارنپور یوپی

۵ دونوں حضرت کی وفات کا سال فتی الشرعیہ ہمارے دوست مولوی ۱۲ ۔ مؤلف

کیا گیا تھا جلسہ سے دو ماہ پیشتر تاریخ و وقت جلسہ مقرر کر کے تقریباً دو ہزار خط و اڑھائی سو اشتہارات مطبوعہ اکثر شہروں اور قصبوں میں شائع کر دیئے گئے تھے اس اشاعت کے علاوہ بعض مناسب مواقع پر بذریعہ قلمی خطوط اور زبانی پیغام کے دعوت دی گئی تھی غرض عام اطلاع میں حتی الوسع کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا بلکہ خاص حضرات کو اطلاع در اطلاع کی گئی تھی حضرت امام ربانی کا لب سڑک ریل تشریف لانا ایسا نہ تھا جسکی مشتاقان زیارت قدر نکرتے خصوصاً اسلامی مدرسہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی کی شرکت کے وقت اس دولت عظمیٰ کا حصول تو بہت ہی بیچین کرنے والا تھا پس دو ہزار سے زیادہ عام و خاص مہمان شریک جلسہ ہوئے جن میں سب سے پہلے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی تشریف آوری تھی آپکا اپنے طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ گنگوہ سے روانہ ہو کر دیوبند پونہچنا تھا کہ جلسہ کی بنیاد قائم ہو گئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جلسہ ایک جسم تھا اور مولانا اسکی جان۔ آپ کے تشریف لانے پر جو مہمانوں کی اطراف ہند سے آمد شروع ہوئی تو جوق جوق آتے اور گرد ہا گرد پروانہ وار اس طرح جھکے پڑتے تھے گویا پیاسوں کیلئے سبیل لگائی گئی ہے۔

آفریں ہے باشندگان دیوبند کی ہمتوں پر کہ اتنا بھاری جلسہ اسقدر مہمانداری جسکے مہمانوں کی پوری تعداد کا پہلے سے تعین ناممکن اور پھر اس خوش اسلوبی و فراخ دلی سے میزبانی کی کہ بڑے بڑے رؤسا کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ ان مخلص دینداروں نے اپنی شادی بیاہ کی تقریبات سے زیادہ قابل اہتمام اس دینی تقریب کو سمجھا اور دینی مہمانوں کو اپنے مہمانوں سے زیادہ پیارا جانکر خاطر تواضع کی۔ عین ہجوم مہمانداری کی شب کو جملہ مہمان اور کئی سو صاحبان شہر کی ضیافت جناب حکیم مشتاق احمد صاحب رئیس دیوبند کے یہاں ہوئی حسن انتظام اس سے ظاہر ہے کہ دس بجے تک مہمانداری سے فراغت ہوئی اور کسی کو اتنی شکایت کا موقع نملا کہ ہمیں پانی مانگنے سے ایک منٹ کے بعد ملتا

بعد نماز صبح اس نو تعمیر مکان میں جہاں اسوقت مدرسہ قائم ہے اجتماع شروع ہوا اور ۸ بجے تک جلسہ کا نصاب مکمل ہو گیا اسوقت مدرسہ کے مدرس اول حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت دلچسپ اور پر تاثیر تقریر فرمائی جسمیں مختصر مگر جامع الفاظ کے اندر حالات مدرسہ بیان فرمائے اور اس نئی تعمیر کا آمد و خرچ اور ضرورت کا اظہار فرمایا جو ۱۲۹۳ھ ہجری میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کی رکھی ہوئی بنیاد پر قائم ہوا اور حضرت مولانا

رفیع الدین صاحب کے الہامی نقشہ پر آٹھ سال سے تعمیر ہو رہا تھا اور اب تک ساڑھے بائیس ہزار روپیہ خرچ ہو کر بضرورت جلسہ قابل جلوس بنا لیا گیا تھا۔

تقریر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا منبر سے اتر آئے اور وہ دستار ہائے فضیلت امام ربانی قدس سرہٗ کے سامنے لاکر رکھی گئیں جو فارغ التحصیل طلبہ کے سر و پر باندھنے کے لئے رؤسار شہر کی طرف سے آئی تھیں چنانچہ قطب العالم محدث گنگوہی قدس سرہٗ نے کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک سے ہر ایک کے سر پر دستار باندھی اور فرادی فرادی ہر ایک سے کچھ کلمات نصیحت ارشاد فرمائے۔ یہ جلسہ دیوبند کے مدرسہ کی دستار بندی کا آخری جلسہ ہے جسکے بعد گو سیکڑوں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے مگر دستار بندی کی رسم کسی کے ساتھ ادا نہیں ہوئی۔

خوشا قسمت ان گیارہ علماء کی جنکے سروں کا تاج وہ عمامہ بنا جسکے پیچ قطب العالم کے ہاتھ نے ڈالے اور زہے نصیب اُن حضرات کے جنکا عطیہ امام ربانی کے ہاتھوں علماء کے سر و پر رکھا گیا وہ گیارہ حضرات جنکی اس مقدس و مشہور جلسہ میں دستار بندی ہوئی مفصلہ ذیل ہیں۔

حکیم امت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب تھانوی دامت فیوضہ حضرت مولانا الحافظ المولوی علاؤ الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا الحاج المولوی محمد اسحٰق صاحب نہٹوری زید فضلہ۔ جناب مولانا حافظ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی۔ استاذی سیدی و مولائی مولانا المولوی عبد المومن صاحب دیوبندی ادام اللہ ظلہ۔ جناب مولانا الحافظ الحاج المولوی ظفر حسن صاحب دیوبندی مدرس اول مدرسہ چھتا مسجد۔ المولوی محمد صدیق صاحب دیوبندی۔ جناب مولانا الحافظ المولوی محمد یحییٰ صاحب دیوبندی مرحوم جناب مولانا الحافظ المولوی قاضی نصرۃ الدین صاحب نگینوی۔ مولانا المولوی محمد مرتضیٰ صاحب دہلوی۔ مولانا المولوی عبد الرحمٰن صاحب مرادآبادی۔

اسی جلسہ میں شیخ تہال احمد صاحب رئیس دیوبند نے ایک دوشالہ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول کو اور دوسرا دوشالہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ کو عطا فرمایا اور اکثر حاضرین جلسہ نے زر نقد بصورت چندہ دینا شروع کیا جسکی تعداد ایک ہزار ستاون روپیہ بارہ آنہ ہو گئی یعنی کل مصارف جلسہ صاف وصول ہو کر صاف بچ رہے۔

رسم دستار بندی ادا ہونے کے بعد حضار جلسہ کو بآواز کہدیا گیا کہ کھانا طیار ہے سب صاحب کھانا کھا کر

۱۲ منہ

اُٹھیں چنانچہ تمام مہمانوں نے اُسی جلسہ میں نہایت لطف وحلاوت کے ساتھ وہ کھانا تناول فرمایا جو خاص مدرسہ کی طرف سے تھا یہ مہمانی کئی ہزار مہمانوں کی ہوئی جنکو بدفعات کھلایا گیا اور خدا کی دی ہوئی برکت کے باعث پھر بھی بچ رہا غرض جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا کسی قدر مہمان تو اُسی روز واپس ہو گئے اور بہتیرے حضرات ٹھیرے رہے جنکی مہمانی آخر تک منجانب مدرسہ واہل شہر ہوتی رہی محض اللہ کا فضل تھا کہ مسجد کے گوشوں میں بیٹھنے والے علماء سے آنیوالے ہزارہا مہمانوں کی خاطر ومدارات کا وہ مضمون دا ہوا جسکی نظیر منتظم اور مدبر سے مدبر امراء میں ملنی مشکل ہے چھوٹے بڑے اور واقف وانجان مہمانوں میں کسی کو پانی کے لوٹے یا لیٹنے کی چارپائی تک کی تکلیف یا شکایت پیش نہیں آئی۔

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا اسلئے نووارد عاشق مہمانوں کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں باصرار عرض کرنیکی گنجایش ملی کہ وعظ فرماویں اور چند ساعات کلمات طیبات سے تشنہ گان پند ونصایح کو سیراب ومحظوظ بنائیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اول تو انکار فرمایا کہ مجھے وعظ کہنا نہیں آتا یہ منصب مولوی محمد قاسم صاحب کا تھا مگر جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ومولانا محمد یعقوب صاحب نے نہایت اشتیاق ظاہر کیا کہ حضرت آپکا وعظ سننے کو بہت ہی دل چاہتا ہے تو آپنے یہ فرمایا کہ آپکا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھ سے آتا ہے کہدونگا درخواست منظور فرمالی اور جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں وعظ فرمایا۔

وعظ کیا تھا "وان من البیان لسحرا" کا مصداق تھا اور بیان کیا تھا محبت الٰہی کا دریائے مواج اور قلزم متلاطم تھا جس نے اس کنارے سے لیکر اُس کنارے تک ہر صغیر وکبیر کی حالت کو دگرگوں کر دیا تھا آپ حدیث کی کتاب ہاتھ میں لیکر منبر پر بیٹھے اور کیفما اتفق اسکو کھولکر جو حدیث نظر پڑی اسکو پڑھکر ترجمہ فرمانے لگے آپ کے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا نہایت سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزے کے مسائل تھے جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں مگر خدا جانے وہ عملی تاثیر کیا تھی جس نے سارے جلسہ کو سکوت وصامت اور بہوت وسرنگوں بنا رکھا ہر شخص اس قلبی فیضان سے متاثر تھا اور مسجد کی دیواریں تک مست وسرشار نظر آتی تھیں حضرت مولانا مولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کیفیت کو سالانہ روئداد میں مختصر الفاظ کے ساتھ اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ "وعظ کیا تھا گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے در ودیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی الحمد للہ اُس کے خالص ہندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ٹھیٹھ دیہاتی زبان میں کیا کیا

تاثیرات ہیں کہ بشر کیا شجر و حجر بھی مان جاتے ہیں مولانا نے کوئی دقیق رضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ بآواز بلند اللہ کہا معلوم نہیں کہ کس دل اور کیسے سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا اسوقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو اہل مجلس کو دیر تلک افاقہ نہ ہوتا مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مستقل ہے ع سینہ میں قلزم کوزے قطرہ کا ظرف ہی ہا ۱۲ منہ

اس پر کیف جلسہ کا حظ وافر انہیں سے پوچھا چاہیے جنکی خوش نصیب آنکھوں اور کانوں نے یہ حیرت خیز سماں دیکھا اور درد انگیز وعظ سنا تھا یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ربانی نے جسوقت حق جل شانہ کا نام مبارک لیا ہے چھوٹا بڑا ہر شخص اس سے متاثر تھا اکثر پر رقت طاری اور گریہ و بکا کا وہ ہجوم تھا کہ بے اختیار تڑپنا چاہتے بلکہ بعض تڑپتے اور لوٹتے تھے۔ قلب پر کیفیت سب کے طاری تھی اور سبب کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس مضمون پر یہ بے اختیاری ہو رہی ہے سنا ہے کہ وعظ سے قبل مجمع میں واعظین کی تقاریر اور تاثیرات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ بعض وعظ کہنے والے بیان و تقریر کا اسدرجہ ملکہ رکھتے ہیں کہ حاضرین کا ہنسا دینا اور رولا دینا گویا ان کے اختیار میں ہے کہ جب چاہا ہنسا دیا اور جسوقت رنگ بدلنا چاہا اور رولا دیا حضرت امام ربانی نے بھی یہ گفتگو سنی اور بات ٹالنے کے لئے یوں ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے تھے کہ ہاں اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں گنی جاتی رولانا اور ہنسانا بات ہی کیا ہے اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام بھی نکلے تو اسپر مخلوق رونے لگے" چنانچہ پندرہی ساعات کے بعد عظ میں وہ مضمون جو علم الیقین تھا عین الیقین بنگیا اور کئی ہزار مخلوق نے اخلاص و صدق کی ماہیت اور حقیقت سے آگاہی حاصل کر لی جسکا نام ہوش میں آنا ہے وہ حالت صحیح کو عصر کے بعد نصیب ہوئی ورنہ عصر تک جسے دیکھئے کیفیت میں مست اور کسی غیبی اثر سے متاثر نظر آتا تھا۔ اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی موجود تھے گو آخر زمانہ میں مولوی صاحب کا رنگ بدلگیا تھا مزاج میں سماع کی طرف جھک گئی تھی انتقال بھی بحالت سماع اجمیر کے عرس میں ہوا مگر حضرت کے مداح اور کمال دلدادہ کے قائل عمر بھر رہے اور جسوقت کا یہ ذکر ہے اسوقت تو امام ربانی کے مخلص خادم بنے ہوئے تھے سنا ہے کہ الہ آباد واپس جاکر یوں کہتے تھے کہ میں نے یہ کیفیت کبھی دیکھی اور نہ سنی صرف ایک کتاب میں حدیث تو دیکھی تھی اسکے

مولوی محمد علی الہ آبادی نسبتی برادر مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی

تذکرہ تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ایک حالت طاری ہو گئی تھی جبکہ سیدنا حضرت جبریل علیہ السلام نے بام کعبہ پر آکر اللہ کا نام لیا اور تب سیدنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے آنکھوں سے دکھا دیا اور دلکو مزہ چکھا دیا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے چند یوم دیوبند میں قیام فرمایا اور آخر راہ سہارنپور گنگوہ واپس تشریف لیگئے سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم جسکو مدرسہ عالیہ دیوبند کا مماثل و عدیل کہنا چاہیئے اپنے افتتاح کیوقت سے یہ سرپرستی و اہتمام خاصان خدا بابرکت رفتار پر چل رہا تھا اسکی عمر بھی اٹھارہ سال کو قریب پہنچ چکی تھی دو مہینے بعد انیسواں سال شروع ہونیوالا تھا اس اٹھارہ سال کی مدت میں بہت اشخاص فارغ التحصیل بنکے اور اصابت نظامیہ کا تمکہ کرکے اپنے ملک و وطن اور اد سر اد ہر دیگر بلاد میں منتشر ہو چکے تھے اہل سہارنپور کو چونکہ ابتک دستار بندی کی جلسہ کیطرف مطلق توجہ نہوئی تھی اسلئے کوئی جلسہ وہاں منعقد نہیں ہوا تھا چنانچہ اب جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ دیوبند سے فارغ ہوکر سہارنپور تشریف فرما ہوئے تو مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے دو فراغ التحصیل طلبہ کو دستار فضیلت باندھنے کی خواہش ظاہر فرمائی جسکو حضرت نے بخوشی قبول فرمایا اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جناب مولانا مولوی فخر الدین صاحب گنگوہی زید فضلہ اور مولانا حافظ محمد جان صاحب پنجابی حال قاضی ریاست ٹونک کے سر پر دست مبارک سے دستار باندھی اسطرح ایک ہفتہ کے اندر دونوں نئی مدرسوں کے جلسے دستار بندی سے بخیر و خوبی اور بحسن انتظام و خوش اسلوبی فراغت حاصل ہوئی اور قطب العالم قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی +

الحمد للہ کہ حصہ اول جسمیں شرعیات کے عنوانات کو غلبہ ہے ختم ہوا دعا فرمایئے کہ حصہ دوم جسمیں طریقت اور اسکے متعلقات کا بیان ہوگا جلد آپکے ملاحظہ میں آئے امید ہے کہ شروع ذی الحجہ میں وہ بھی آپکے ہاتھ میں ہوگا اب میں آپسے رخصت ہوتا ہوں ہاں مشورۃً یہ عرض کرنا ہے کہ سلوک اور سچے تصوف کی حقیقت معلوم کرنیکے لئے آپکا جی چاہے تو رسالہ تبلیغ دین ملاحظہ فرمالیجئے جو امام غزالی کی کتاب اربعین کا سلیس اردو ترجمہ ہے صرف آپ حضرات کیلئے اسکی قیمت بجائے ۱۰ر کے ۸ر کرتا ہوں اسکو غور کے ساتھ ملاحظہ فرمانے کے بعد جو کیفیت آپکے قلب پر طاری ہوگی اسکے نفع کا آپ خود اعتراف کرلیں گے اور پھر حصہ دوم کے مطالعہ میں جو لطف آئیگا وہ انشاء اللہ وصول الی اللہ کا وہ کھلا ہوا راستہ آپکو بتائیگا جسکی آپکو بلکہ ہر مسلمان کو طلب و خواہش ہے۔ روحانی امراض اور اسکی تشخیص کے بعد کامل معالجہ سے آگاہی اگر ضروری ہو تو یہ کتاب آپکے ملاحظہ سے ضرور گزرے گی والسلام فعم الختام +

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

طریقت

بر زمیں حال پیر راہ داں	پیر را گر زمیں رہبر کرد	پیر را گر نہ بر سر کرد	ہست بس بر افت خوف خطر
ہر کہ تنہا بادیہ ایں راہ بود	ہم بعون ہمت پیران رسید	بس خدا کہ ندیدستی تو ہیچ	ہیں مرد تنہا زہر سو ہیچ
گر نباشد سایہ پر تو گول	تا نہ گیرد سایہ ات عاقل	اندر آور سایہ اں عاقلے	تا نہ گردد سایہ ات بر تو وبال
ظل او اندر زمیں چوں کوہ قاف	روح کو سیمرغ بس عالی طواف	در پناش رو بپوش کو راست ظل	تا نہ گردد سایہ ات بر تو وبال

اللھم انت المعبود - انت المسجود - صاحب الفیض والجود لا الہ الا انت لا شریک لک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اللھم انت نور السموات والارض ومن فیھن لیاک نعبد وایاک نستعین بک نقلوک حق وبنیک سید نا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق وکل ما جاء بہ من عندک حق لا ریب فیہ ولا مراء ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم اللھم نور قلوبنا واستر عیوبنا واصلح ذنوبنا ولا تکشف عوراتنا واشف عاھاتنا واغفر خطایانا وسیئاتنا انک انت الغفور الرحیم اما بعد بندہ معبود ابو محمود عاشق الٰہی عفی عنہ اہل حق کی خدمت میں بصدق دل عرض کرتا ہو کہ بندہ ناکارہ اس باب میں محض نابلد ہے اسوجہ سے حصہ اول تذکرۃ الرشید کے ختم ہونے پر کئی ہفتے متواتر باوجود وعدہ پریشان خاطر اور متفکر و حیران رہا کہ اس حصہ میں قلم اٹھائے یا نہ اٹھائے اپنی نا واقفیت و بے مائگی کا غلبہ سکوت کی جانب تھا مگر ان روحانی سرپرستوں کے ارشادوں نے مجبور فرمایا جنکی باطنی قوت قدسیہ و اندرونی توجہ و فیضان نے پہلے جزو کی تکمیل کرائی تھی اسلئے جو کچھ ثقات سے سنا ہے بیان کرتا ہوں حق تعالیٰ اس تحریر کو ذریعہ ہدایت خلق و اصلاح حال بنائے اور میرے لئے ذخیرہ آخرت و حصول رضا کا سبب گردانے بحرمت سید الانبیاء والمرسلین آمین

سلوک نام ہے تصفیہ الظاہر والباطن کا یعنی اعضاء ظاہر و قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی طاعت و خدمت میں مشغول رکھنا بایں طور کہ ہادی عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریق و تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اسد رجہ جو اوراد و عبادت پڑھائے کہ سنت ہو یہ عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلق شعار بنجائے تکلف کی حاجت نہ رہے - یہ ظاہر ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خلاصہ موجودات

اور ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے اعدل الخلق ہیں پس آپ کے جملہ حرکات و سکنات جنکو آپ کی عادات کہا جاتا ہے اُس کامل اعتدال پر تھے جنکی تقلید ہر متنفس کے قلب کو معتدل بنا سکتی ہے اور چونکہ اعضاء کیساتھ قلب کو خاص تعلق عطا کیا گیا ہے اسلئے مسلمان جب کوشش کرتا ہے کہ عبادات کے علاوہ عادات میں بھی سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابتاع دائماً ملحوظ رکھے تو اسکے اعضاء میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے اور کجی دور ہو جاتی ہے جسکا اثر قلب پر پڑتا رہتا ہے یہانتک کہ قلب جو انسان کے جسم کا خلاصہ ہے اخلاق رذیلہ سے متنفر اور خصائل حمیدہ سے متصف ہو کر معتدل بنجاتا ہے قلب کے اس اعتدال کا نام نسبت ہے اور اسی کے حصول کی ہر سچے مسلمان کو طلب ہے۔ جسوقت قلب میں اعتدال و راستی پیدا ہو جاتی ہے اُس وقت اسکو طاعات میں لذت آنے لگتی اور معصیتوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے عبادات بالطبع مرغوب و محبوب بنجاتی ہیں اور حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی امر کا ارتکاب گراں اور ناگوار گذرنے لگتا ہے۔ دل میں ایک روشنی ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو طاعت اور معصیت کے فرق و امتیاز کو کسی وقت بھی مشتبہ نہیں ہونے دیتی نفس جس نے دنیاوی لذتوں میں مشغولیت کا خوگر بنا رکھا اور فنا ہونیوالی خواہشات کا شیدا اور دلدادہ کر رکھا تھا دن بدن اور لحظہ بلحظہ کمزور پڑتا جاتا ہے۔ عادت پلٹتی اور بدلتی جاتی ہے یہانتک کہ قلب کو معنیات کے اعتقاد میں وہ مٹھاس معلوم ہوتی ہے جسکو دنیا کی لذیذ سے لذیذ نعمت سے بھی تشبیہ نہیں دیجا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر سے اسدرجہ اُنس حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک لمحہ اُسکا چھوٹنا جسکو غفلت کہتے ہیں ہر مملکت اقلیم کی سلطنت کے لٹنے اور جان و مال اہل و عیال عزت و آبرو غرض ہر مرغوب سے مرغوب اور پسندیدہ سے پسندیدہ چیز کے گم ہونے سے زیادہ ناگوار گذرتا اور کوفت کا سبب بنجاتا ہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شے نہیں ہے یہی ایمان جسکا ہر مسلمان مدعی ہو اصل سلوک ہے بشرطیکہ اُسکی اصلیت اور حلاوۃ قلب کو عطا ہو جائے۔ یہی شریعت جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے اصل روشنی اور طریقت ہے مگر اسوقت جبکہ اعضاء سے متعدی ہو کر قلب تک پہونچ جائے اور عمل و اکتساب قلبی اُنس و تعلق کا ثمرہ بنجائے۔ ایک بیمار شخص جسکو مطلق بھوک معلوم نہو طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے مگر جبراً قہراً تاکہ طاقت بنی رہے اور مرض کے

دور کرنے میں یا تکلیف کے جھیلنے میں معین و مددگار ہو اور دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی
صحت تامہ صادق استمرار پر غذا کھا رہا ہے اسمیں شک نہیں کہ دونوں کی بقاء حیات غذا پر ہے
اور اس غذا نے دونوں کو نفع پہونچایا صورت کے اعتبار سے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں معلوم
ہوتا کیونکہ غذا جسپر دنیاوی زندگی کا مدار ہے دونوں کی خوراک بنی ہوئی اور استعمال میں آئی ہوئی ہے
مگر حقیقت میں اندرونی فرق بے حد ہے کہ بیمار اپنی طبیعت کو غذا کا تابع بنائے ہوئے ہے اور
تندرست نے غذا کو طبع کا تابع بنایا ہے اسی طرح عامی آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفس کو مجبور بنا کر
اور صاحب نسبت دلی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں وجہ کہ دل کا تقاضہ اس طاعت میں
مشغول ہونے پر اسکو مجبور کر رہا ہے۔ اگر بیمار شخص پر طبیب کا جبر ہو یا طبیب کے حکم کی پروا نہ کرے
تو غذا کے نہ کھانے سے اسکے دل کو کوفت نہ ہوگی اگرچہ اس نافرمانی کا خمیازہ ضعف کیوقت دوسری
صورت میں بھگتنا پڑیگا مگر موجودہ حالت میں غذا کا نہ کھانا اسکی فرحت و مسرت کا سامان ہے
برخلاف تندرست شخص کے کہ غذا کا نہ ملنا لحظہ بلحظہ اُسکے اعضاء میں ایکسا رد کمزوری بڑھائیگا پیٹ
کے اندر کڑکن لگ جائیگی جبتک کھانا نہ لیگا اسوقت تک کسی کام میں اسکا جی نہ لگیگا۔ اس صحت کامل
ہی کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی اور اس روحانی غذا کا جسکو شریعت کہا جاتا ہے سچا
خواہشمند اور شیدا بنا دیتی ہے۔

انسان کا قلب ایک آئینہ ہے جسمیں تجلیات باری تعالیٰ کے منعکس ہونیکی استعداد اور قابلیت
موجود ہے۔ اس استعداد کے ظاہر ہونے اور علی حالت میں لانیکے لئے یہ ہے کہ اسکو صیقل کیا جائے
اور شفاف رکھا جائے پھر اسکو آفتاب کی مواجہت میں اس طرح رکھدیا جائے کہ رخ نہ پھرنے پائے
اس قلب کی صیقل اس ہمت و مجاہدہ سے ہوتی ہے جو معصیت کی ظلمت اور بداخلاقی و رذیل عادات کے
تکدر اور گرد و غبار کو ہر وقت کوشش اور سعی کو صاحب مطالعہ اور دور کرتی رہتی ہے پھر جب غبار اٹھ جاتا ہے
تو دوام ذکر و فکر میں اسکو مشغول کر دیا جاتا اور خالق جل و علی شانہ کے حضور میں علی الدوام قایم رکھنے
کی کوشش کیجاتی ہے اس مواجہۃ کی بدولت اسمیں وہ انعکاس پیدا ہوتا ہے جسکی نظیر بیان
کرنیکو دنیا میں کوئی شے نظر نہیں آتی۔ یہ ایک آئینہ جسوقت اصل معدن نور سے منور ہو جاتا ہے تو
اندھیرے عالم کو منور کرنے کے لئے کافی ہے یہی وہ نور تھا جسکو لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قلب

دنیا میں آیا اور آفاق عالم کو منور بنا گیا اُسی کی نورانیت دوسروں تک متعدی ہوئی اور صیقل شدہ متوجہ قلوب میں منعکس ہو ہو کر ہر زمانہ میں ہدایت کی روشنی پھیلاتی رہی آفتاب نبوت سے روشن ہونیوالے چراغ چودہ سو برس کے بعد آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس مقدس نور کے حامل اولیا اللہ کہلاتے ہیں جنکی گنتی امت محمدیہ میں لاکھوں سے بڑھ گئی اور اسی مقدس گروہ کے ایک رکن اور فرد اعظم شیخ کا یہ تذکرہ ہے جنکا لذت دہندہ اسم مبارک مخدوم العالم حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ ہے اور جو اپنے زمانہ کے قطب الارشاد تھے اللّٰھُمَّ ارفع درجتہ واحشرنا فی زمرتہ۔

نامراد مؤلف نے اپنے حوصلہ کے موافق سلوک کی جو ماہیت بیان کی اُسکا منشا یہ ہوا کہ شریعت غرا روحی تصوف کا مقدمہ و مبتدا ہے اور یہی طریقہ بیضاء سلوک کا منتہی و مخبر ہے وھو الاول والآخر و صول الی اللہ کا سچا طلبگار اوّل اپنے اعضاء و جوارح کو بہ تکلف مجبور بنا بنا کر نفس کے خلاف شریعت کا پابند بنائیگا یعنی خواہشات کو ترک کریگا اگرچہ نفس کو ناگوار گذرے طاعات کو بجا لائیگا اگرچہ پہاڑ کا بوجھ اٹھانے سے زیادہ گراں معلوم ہو یہانتک کہ اتباع شرع کی خو اور عادت پڑ جائیگی قلب کی کجی رفع ہو جائیگی خطرات اور معصیت کے ارادوں اور خیالات کو بہ جبر دفع کر کر کے آئینہ دل پر زنگ نہ آنے دیگا اور پھر اسی صیقل شدہ قلب کو دوام ذکر و فکر اور حکم حق تعالیٰ شانہ کے امتثال تعمیل کی یادداشت میں مشغول و متوجہ رکھیگا اُسوقت جو انعکاس تجلیات کا ہوگا اسکی روشنی چمک اور حلاوت و لذت میں جس حیثیت دسرور اور تعلق و انس کے ساتھ شریعت کا اتباع ہوگا اسکا نام طریقت و ولایت ہو جائیگا جسکا حاصل ہونے کے پیچھے زائل ہونا عادۃً مستبعد اور محال ہے اس وقت میں اتباع شرع پر جو پختگی و استقامت پیدا ہوگی وہ اُس لازوال دولت کے نام سے موسوم ہے جسکے لئے عالم کی خلقت ہوئی اور جسکو حق تعالیٰ شانہ نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں ظاہر کیا اور جسکے حاصل کرنیکا واعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ سے امر فرمایا ہے یہی استقامت ہے جسکے سامنے خوارق عادات کشف و کرامات ہیچ در ہیچ ہیں اسی کو مردان خدا فوق الکرامۃ فرماتے اور اسی کی طلب و جستجو میں جانیں لڑا دیتے بلکہ کھپا دیتے ہیں۔ اسی ایک بات کے پیچھے پڑ جانا اور دیوانہ و مستانہ ہو کر اسکی چاہ میں فنا ہو جانا وہ جنون محمود ہے جسپر لاکھوں زندگیاں قربان ہیں اور جو ساری حیات و عقل کا مقصود اعظم ہے

	اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی	بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی	
	در رہ منزل لیلے کہ خطر ہاست بجاں	شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی	

قلب کی یہ حالت کہ شریعت کا اتباع بالطبع مرغوب بنجائے جسکو استقامت کہہ سکیں اور دل کے مشاہدۂ جمال و مواجہۂ شریفہ کی وہ کیفیت کہ ماسوی اللہ کے وسوسہ و خطرہ کا بھی گذر نہو جسکا نام اطمینان رکھ سکیں محض وہبی امر ہے بخشنہار آقا جسکو چاہے عطا فرمائے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ہاں جس طرح کریم شاہنشاہ کا ہر عطیہ عالم اسباب میں کسب اور طلب پر متفرع کیا گیا ہے اسی طرح اس مقصود مرادات کے خلاصہ کا حصول بھی بظاہر حال اُس طریق میں منحصر ہے جسکو بیعت کہا جاتا ہے طرق مشایخ اور تعلیم صاحبدلاں اسی باطنی تربیت اور صالی حال و تہذیب نفس کا سبب گردانا گیا ہے جسمیں مشغول ہونا اس حالت کے حصول کا امیدوار بناتا ہے اب آقا کو اختیار ہے کہ جسے امیدوار پر چاہے احسان فرمائے اور جو جگہ اُسکے مناسب سمجھے اُس پر تقرری کا حکم دے۔

عالم کے رہبر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام جسم سنور جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ قلب ہے" حقیقت میں قلب کی صلاح بدن کے اعضاء و جوارح کو مہذب بنا دیتی ہے اور چونکہ قلب میں طلب رضائے حق کے سوا کسی شے کی طلب باقی نہیں رہتی اسلئے اعضاء جسم حق تعالیٰ کی مرضیات جو بطحائی پیغمبر کی لائی ہوئی شرع میں منحصر ہیں سرمو تجاوز نہیں کر سکتے عبادات ضروریہ سے آگے بڑھکر غیر ضروری طاعات اور نوافل و تطوعات میں مشغول ہوتے اور عادات نبویہ میں اتباع کو ضروری سمجھکر حرکات و سکنات تک میں تقلید و اقتدا کے خوگر بنتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ معتدل القلب و مستقیم الحال پیغمبر کا کوئی کام کیسا ہی عادت اور ضرورت بشریہ کے متعلق کیوں نہو منفعت دینیہ سے خالی نہیں ہے رضائے حق اور اعتدال قلب کا حصول اُسی میں منحصر ہے ممکن نہیں کہ اُسکے خلاف امر میں حاصل ہو ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید۔ ان طالبان رضا کی یہ شان ہوتی ہے ؎

	فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب	کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے	

اب انکو مخلوق کی رضا و ناراضی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اتباع شرع اور حصول مقصود میں کوتاہی اور رخنا بینا

جمال کے طعن و اعتراضات سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے اپنی دھن میں اس درجہ پکے اور مضبوط ثابت ہوتے ہیں کہ کوہ شکن مخالفتیں انکو انکے پاک مقاصد سے باز نہیں رکھ سکتیں دنیاوی حوادث و صدمات اور مخلوق کی موت و حیات یا شادی و غمی کے واقعات ان کے منضبط اوقات میں فرق نہیں ڈال سکتے اِدھر گذرنیوالا زمانہ اپنے تمام انقلابات و تغیرات کے ساتھ برابر گذرتا رہتا ہے اور اُدھر انکی اٹل استقامت کے بارآور شاداب درخت میں اطمینان کیساتھ دن دونی رات چوگنی پھل آتے اور ثمرات بڑھتے رہتے ہیں انکی زبان حال کہتی ہے کہ ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

باطبع نفس کی خواہشات کے غلبہ و منفعت عاجلہ کی طلب اور لذت نے قلب کو اسدرجہ تاریک اور فاسد بنا رکھا ہے کہ اسکی اصلاح میں سچے طلبگاروں کو راہبر کا دامن پکڑکر طرح طرح کے مجاہدے کرنے پڑے اور زندہ نفس کے مارنے میں بڑی بڑی شاقہ محنتیں اُٹھانی اور جھیلنی پڑیں پھر مہذب و مستقیم القلب مشائخ کو ضرورت پڑی کہ ان طالب و عمل عشاق کی اصلاح و تہذیب میں زبان کی نصیحت اور قلب کی توجہ و ہمت سے پورا کام لیں ہر ہر قدم پر ٹوکیں انکی ہر ایک حرکت اور ہر سکون پر نظر رکھیں انکی زبان کو ذکر کی حلاوت سے آشنا بنائیں اور ہاتھ پاؤں کو حق تعالیٰ کی خدمت کا ذائقہ لگائیں انکے زنگ آلود دلوں کو فکر و مراقبہ اور دہیان گیان کی مٹھاس چکھائیں یکسوئی و اطمینان عادت ڈالیں اپنے نورانی قلب کی چمک اور جھلک ان کے کثیف و تاریک قلوب پر ڈالکر ظلمت گھٹائیں اور آہستہ آہستہ روشنی کا عادی بنا کر اُسکو چمکتا ہوا تارا اور جگمگاتا ہوا چاند بنائیں اسی تدریجی اصلاح میں ان روحانی سرپرستوں کو باطنی تعلیم و تربیت کے علاوہ طالبین کے موقع موقع پر امتحان لینے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس فن کے ماہر اور باطنی علم کے معلم خود ہی خوب سمجھتے ہیں کہ طالب کیساتھ تعلیم کا کیا طریق برتنا چاہیے انکی تعلیم کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ قلب جملہ اخلاق رذیلہ سے جنمیں تکبر و نخوت سب کی اصل ہے پاک ہو جاوے اور تمام اخلاق حمیدہ سے جنمیں صدق و اخلاص سب کی جڑ ہے مزین و آراستہ ہو جاوے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مخلوق کی طبائع چونکہ مختلف رکھی ہیں اور ہر ایک کی استعداد و قابلیت جدا ہے پھر اپنا فضل کسی خاص شخص کیلئے مخصوص نہیں کیا اس لئے بہتیرے صاحب نصیب اہل دل ایسے

بھی ہوئے ہیں جنکو اس مشکل تعلیم کے حاصل کرلینے اور کڑے امتحان میں کامیاب ہوجانیکو زیادہ زمانہ کی ضرورت نہیں پڑی امام ربانی حضرت مرشدنا و مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ انہیں فرشتہ خصلت خوش نصیب جماعت میں ہیں جسکی باطنی تعلیم کا زمانہ بہت ہی قلیل تھا چنانچہ حصہ اول میں بیان ہوچکا ہے کہ آپ اپنے مرشد اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں صرف چالیس روز رہے اور اکتالیسویں دن جبکہ آپ وطن کو روانہ ہوئے تو مرشد العرب والعجم نے کامیابی کا پروانہ آپکو عطا فرمادیا اور بیعت لینے کی اجازت دیدی تھی اس چلہ میں آپکا امتحان لیا گیا اور کسوٹی پر کسکر آپ کے قلب کو پرکھ لیا گیا تھا کہ اسمیں کبر و نخوت کا کوئی شائبہ تو باقی نہیں رہا۔

ایک بار آپ خود فرماتے تھے کہ تھانہ بھون میں محکور رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے اعلیحضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا آخر میں نے یہ سوچکر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی ہے اور ناگوار بھی رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھیرو" میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کرلیا مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی فکر ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیئے تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیحضرت مکان تشریف لیجانے لگے تو میرے دوسرے پر مطلع ہوکر فرمانے لگے "میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھائیو" دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا۔ اعلیحضرت نے مجھے دسترخوان پر بٹھالیا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھسے علیحدہ اپنی طرف رکھا اور معمولی سالن کا پیالہ میرے قریب سرکادیا میں اپنے حضرت کیساتھ کھانا کھانے لگا اتنے میں حضرت حافظ ضامن صاحب تشریف لائے کوفتوں کا پیالہ مجھسے دور رکھا ہوا دیکھکر اعلیحضرت سے فرمایا "بھائی صاحب رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے" اعلیحضرت نے بے ساختہ جواب دیا "اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں جی تو یوں چاہتا تھا کہ جوڑوں چاروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھدیتا" اس فقرہ پر اعلیحضرت نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ میرے قلب پر بھی اسکا کچھ اثر نہ تھا میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرماتے ہیں بالکل سچ ہے اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے۔ اسکے بعد حضرت نے پھر بھی میرا امتحان نہیں لیا اسکے بعد فرمایا" اسی لئے مجھے کچھ آیا نہیں

ایک مرتبہ آپکو نانوتہ یا رامپور تشریف لیجانے کا اتفاق ہوا سردی کا موسم تھا صبح کیوقت گاڑے کی ہیلی دوہرا اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب بیٹھے تھے ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عامی آدمی سمجھکر باوجود بیچ میں بیٹھے ہونیکے چھوڑ دیا آپکے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپسے بہت بے تکلف تھے اسلئے مسکرائے حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھا اور ارشاد فرمایا الحمد للہ مجھے اسکی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

حق تعالیٰ شانہ کی یاد کے ساتھ انس و محبت کا آپکے مبارک قلب کو جو قوی علاقہ تھا اسکو کوئی کیونکر سمجھ سکتا اور کس طرح کن لفظوں میں بیان کر سکتا ہے بجائے پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت کے ساتھ آپکو اس درجہ الفت تھی کہ اسکی نظیر ملنی زمانہ میں دشوار ہے آپکی عادت شاذ و نادر کا ہر پہلو دیکھنے والوں کو شریعت کی عملی تعلیم دیتا تھا آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپکا ایک قدم بھی پیغمبر کے حکم کے خلاف حرکت کرے۔ اپنے مالک حق تعالیٰ شانہ کی رضا جوئی آپکی انتہاء مراد تھی اور سنت نبویہ کی اتباع کا اس آپنے اتنا حصول موقوف سمجھ رکھا تھا اسلئے آپکے جملہ حرکات و سکنات اس مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ بدعات کے متعلق حقیقت میں آپ کو تشدد پسند تھا اور یہ ثمرہ تھا اس تنفر طبعی کا جو سنت کے عشق کی بدولت ضلالت کیساتھ آپکے قلب میں پیدا ہوا تھا شریعت کی تقلید پر آپ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکے تھے پس اگر آپ کو مشق بھی کرنے کہ خلاف شرع حالت کسی کی دیکھکر ضبط کر جائیں تو آپ اسپر قادر نہ تھے ایکمرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اس معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے ایکدن پہلے کرنال سے ایک برات گنگوہ میں آئی ہوئی تھی جسکے قاصد بھی ساتھ تھے۔ اس برات میں آنیوالے چند آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار بھی تھے صبح کو سلام کیلئے حاضر آستانہ ہوئے دیکھا تو حضرت مولانا چادر سے منہ ڈھانپے لیٹے ہیں دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کیلئے حاضر ہوئے تھے آپنے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کیساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ وقار کا ساتھ لانا اس محرومیت کا سبب ہوا ہے پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں بیٹھنے والوں کی حرکت ہے آپنے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا

از مولوی ولایت حسین صاحب دیوبندی

ہیں نہیں کہ انکا کہنا مانا ہی جائے" اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہتیرے دل بھر آئے آخر جب لوگ چلے گئے تو آپنے چادر منہ سے ہٹائی اور اوٹھ بیٹھے۔

آپ کے جد امجد حضرت عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کا عرس جسکے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے اسکا آپکو اذیت پہونچاتا تھا کہ صبر کرنا دشوار اور آپ کیلئے زبردست مجاہدہ تھا اوّل اوّل آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لیجایا کرتے تھے مگر آخر میں اس ایذاء قلبی کے برداشت کی آپکو تکلیف دیجئی تو یہ زمانہ بھی آپکو اپنی خانقاہ ہی میں رہکر گذارنا پڑا اس موسم میں آپکو اپنے منتسبین کا آنا بھی سد رمق ناگوار گذرتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہو جاتے اور ترک تکلم فرما دیتے تھے ایکبار جناب مولوی محمد صالح آپکی زیارت کے شوق میں بیتاب ہو کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا اگرچہ آنیوالے خادم کو اسکا وہم بھی نہیں گذرا مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے شیدائے سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے آپسے نہو سکا کہ اُنکی مزاج پرسی کریں بامحبت و مدارات سے پیش آئیں آپنے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں اور کب آئے یا کیوں آسے مولوی محمد صالح صاحب کو دو دن اسی طرح گذر گئے حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھنا جسقدر جہ انکو شاق گذر رہا تھا اُسکو انہیں کے دل سے پوچھنا چاہیئے ہر چند اسکی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھکر بیچارے مخزون واپس آجاتے تھے آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھسے کیا قصور ہوا جسکی یہ سزا مل رہی ہے میں تو اسکا تحمل نہیں ہو سکتا اللہ واسطے معاف فرما دیجے اُسوقت حضرت نے انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ تمہارا قصور نہیں کیا جسکو میں معاف کردوں خدا کی خطا کی ہے اُس سے معافی چاہو" اُسوقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپکو ناگوار گذرا چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتداء ہی سے شوق نہیں واللہ میں اسوقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونیکا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ تمہاری نیت عرس کی شرکت نہ تھی مگر جس راستہ میں دو آدمی عرس کے آنیوالے آرہے تھے اُسی میں تیسرے تم تھے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

حضرت امام ربانی کا اصل کمال جسکو قلب سے تعلق ہے خدا گواہ ہے کسی لفظ میں طاقت نہیں کہ اسکو

ادا کر سکے جو کچھ زبان سے کہا جاتا یا قلم سے لکھا جاتا ہے وہ اُس اندرونی کیفیت راسخہ کے ثمرات و آثار ہیں جنکو محض علامت اور وہ بھی ضعیف علامت کہہ سکتے ہیں باقی مجھ نادان کی تو ہستی کیا ہے بڑے بڑے صاحبدل نورانی قلوب والے مشائخ زمانہ اُسکی کُنہہ و حقیقت کا پتہ نہ لگا سکے عالم کے پیدا کرنیوالے خدا کی محبت میں آپ اس درجہ فنا اور مستغرق تھے کہ اطاعت میں اپنی جان کھپائے دیتے تھے ٹول ٹٹول کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر مرضیات باری تعالیٰ میں مشغول ہوتے تھے شریعت کے اتباع اور خلاف سنت یعنی بدعات سے تنفر کی بدولت مخالفین کے طعن اور بدگویاں جو آپکے کان میں پڑتی تھیں انکو آپ اپنے مقصود کا حاصل ہونا اور مراد و آرزو کی کامیابی و ظفر سمجھتے تھے پھر بھلا اُسکی پروا اور خیال کا تو کیا ذکر ہے۔ مُردہ سنتوں کا احیا آپ نے اپنا منصب سمجھ رکھا تھا اور اُن مضامین پر مخلوق کو متنبہ کرنا اپنے اوپر فرض گردان رکھا تھا جو واقع میں جزو شرع ہیں مگر خلق اللہ اُن سے ناواقف و جاہل یا کسلمند اور غافل ہے قلب چونکہ حاکم ہے اور جوارح اُسکے ماتحت ملازم پس چونکہ آپ کا ہونہار قلب تھانہ بھون میں آستانہ امدادیہ پر جلیہ کشی کی بدولت مشکوٰۃ نبوت کا نور حاصل کر چکا اور آفتاب عالمتاب کی طرح منور بن چکا تھا اسلئے سر سے لیکر پاؤں تک آپ کے تمام اعضا کمال تہذیب کے ساتھ مہذب اور شریعت غرا کی مضبوط میں پورے مقید ہو گئے تھے سنت مصطفویہ نے آپکا ہر پہلو اور بدن کا جوڑ جوڑ ایسا مضبوط جکڑ لیا تھا کہ آپ اِدھر یا اُدھر ہل بھی نہیں سکتے تھے۔ آپکا قلب مشاہدہ جمال احدیت میں عالم کی فریفتہ کرنیوالی چیزوں سے بیزار ہو گیا تھا آپ کے تمام اعضا بدن حق تعالیٰ کی رضاجوئی میں محنت کرنیکے شیدا ہو لئے تھے آپکا دل فیض منزل اپنے مولیٰ کی سچی محبت کا گنجینہ بن چکا تھا اور آپ کے جسم کا ہر حصہ پاک خدا کی راضی کرنیوالی محنتوں اور مقدس مذہب اسلام کی خدمت کرنیکا اسدرجہ طالب ہو گیا تھا کہ نبی امی کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنا آپکی عادت بن گیا تھا سنت سے زیادہ چونکہ آپکو کوئی چیز محبوب نہ تھی اسلئے اسکے اتباع میں آپکو وہ لذت آتی تھی جسکی ماہیت بیان نہیں ہو سکتی حق تعالیٰ کا فضل ہر وقت آپکا معین و مددگار تھا توفیق آپکی پشت پناہ بنی ہوئی تھی سداد و رشد آپ کی قوت بازو بنا دیا گیا تھا سکون و اطمینان قلب آپکو اپنے کاندھوں پر سوار کئے ہوئے تھا ثبات و استقامت کا تاج آپ کے سر پر رکھدیا گیا اور اخروی جاوید نعمت کی سچی طلب آپ پر سایہ فگن تھی جسکے ٹھنڈے سایہ میں دنیا کا گرم و سرد گرد ہو لیا اور حوادث و واقعات کا نشیب و فراز کَاَنْ لَمْ

تَعَنَّ یَا لَامَسِ بن چکا تھا۔ خوش قسمتی سے حضرت صاحبزادہ حکیم مولانا مسعود احمد صاحب کے پاس ایک پرچہ پر میری نظر پڑی جو طریقت کی ماہیت کے متعلق حضرت قدس سرہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا اور جسکو اوایل عمر میں خدا جانے کس ضرورت کے وقت قلمبند فرمایا تھا اُسکو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

تعلم الصوفیۃ علم الدین ظاھرا و باطنا و قوۃ الیقین و ھو العلم الاعلیٰ حال اھل الصلاح الاخلاق و دوام الافتقار الی اللہ تعالیٰ حقیقۃ التصوف التخلق باخلاق اللہ تعالیٰ و سلب الارادۃ و کون العبد فی رضا اللہ تعالیٰ اخلاق الصوفیۃ ما ھو خلقہ علیہ السلام بقولہ انک لعلی خلق عظیم ما ورد بہ الحدیث و تفصیل الخلق ھکذا التواضع ضد الکبر المدارۃ احتمال الاذی عن الخلق المعاملۃ بالرفق و خلق حسن و ترک الغضب و الغیظ المواساۃ و الایثار بفرط الشفقۃ علی الخلق و ھو تقدیم حقوق الخلق علی حظوظ النفس السخاوۃ التجاوز و العفو الطلاقۃ الوجہ البشر السھولۃ و لین الجانب ترک التعسف و التکلف ان فاق بلا اقتار و ترک الادخار التوکل القناعۃ بیسیر من الدنیا الورع ترک المراء و الجدال و العتب الابحق ترک الغل و الحقد و الحسد ترک الماء و الجاہ و فخا الوعد الحلم الاناءۃ التؤدۃ و التوافق مع الاخوان و العزلۃ عن الاغیار و شکر المنعم بذل الجاہ للمسلمین الصوفی ھذب الظاھر و الباطن فی الاخلاق و التصوف ادب کلہ ادب الحضرۃ الالٰھیۃ الاعراض عما سواہ حیاءً و اجلالاً و ھیبۃً اسوء المعاصی حدیث النفس و سبب الظلمۃ

(ترجمہ) صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوۃ یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندے کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلق ہے جسکے بیان خداوند تعالیٰ کہ بیشک تم بڑے خلق پر (پیدا کئے گئے) ہو اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے (اُسپر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے) صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے اپنے آپکو کمتر سمجھنا اور اسکی ضد ہے تکبر مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کی برداشت کرنا نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا ہمدردی اور دوسرے کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جسکا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے سخاوت کرنا درگذر اور عفو کا معاف کرنا خندہ روئی اور بشاشت جسم سہولت اور نرم پہلو رکھنا تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا خرچ کرنا

بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا پرہیزگاری جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا۔ عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا۔ وعدہ پورا کرنا۔ ہمدردی۔ دور اندیشی۔ بھائیوں کیساتھ موافقت و محبت رکھنا اور اغیار سے علیحدہ رہنا محسن کی شکرگذاری اور جاہ کا مسلمانوں کیلئے خرچ کرنا۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب۔ بدترین معصیت ہے تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کی یہ چند سطور سرنامہ اور عنوان ہیں ان تمام مباحث کا جو طریقت کے شریف فن میں ہزارہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کئے ہیں۔ عالم کی خلقت کے اصل مقصود اور بطحائی پیغمبر کے پھیلائے ہوئے پاک مذہب اسلام کی چودہ سو برس میں جتنی بھی تفصیل و توضیح لکھی کتابوں میں مدون ہو کر ہوئی ہے سب کا لب لباب یہی ہے جو مذکورہ دس سطروں میں بیان ہوا۔

سلوک و تصوف کی حقیقت اور طریقت کی ماہیت حضرت مولانا نے بارہا زبان فیض ترجمان سے بھی ظاہر فرمائی یوں تو آپکی ہر تقریر کا لفظ لفظ بلکہ آپ کے جسم مبارک کا رواں رواں اور افعال و اقوال کا ہر ہر پہلو اور انداز سچے تصوف کی ماہیت ظاہر کرتا تھا مگر مذکورہ بالا تحریر کی طرح مختصر تعریف اپنے متوسلین کو سمجھانیکے لئے بھی کبھی کبھی بیان فرمائی ہے۔ ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو چند خاص لوگوں کے مجمع میں جبکہ آپ بوقت چاشت گولر کے نیچے دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے آپکی زبان مبارک سے یہ تقریر ظاہر ہوئی جسکو مولوی برکت اللہ صاحب نے اسیوقت قلمبند کرلیا تھا ہدیہ ناظرین کرتا ہوں غور سے ملاحظہ فرمائیے وہ یہ ہے "تمام اذکار و اشغال و مراقبات وغیرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری ہر وقت میسر رہے۔ بعض نے اس حضوری کے بھی دو درجے کر دیئے ہیں غیر سے ایک یہ ہے کہ اسم ذات مخیلہ میں قایم ہو جائے پھر اسم سے مسمّٰی کی طرف آسانی سے راستہ ملجاتا ہے۔ یہ جو بزرگوں نے چلہ وغیرہ کا طریقہ ایجاد کیا تھا اسکا بھی مطلب یہی تھا کہ کوئی دوسرا خیال اور نقش مخیلہ پر نہ پڑے مثلاً باہر نکلو تو گھونگھٹ کرکے نکلو کہ کسی کو دیکھو گے تو اسکی صورت کا نقش مخیلہ کو مکدر کردیگا جس طرح انسان کو اپنی ہستی کا ہمہ وقت علم ہے کہ "میں ہوں" بس ایسا ہی علم

حق تعالیٰ کے ساتھ رہنا چاہیئے فرق اتنا ہے کہ اپنے تئیں جسم صورت شکل آنکھ ناک کان کیساتھ مشاہدہ کرتا ہے حق تعالیٰ کو بدون اسکے مشاہدہ کرے کہ وہ ہے ؎ دور میناں بارگاہ است و غیر ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست ۔ کے یہی معنی ہیں ادنی النہایۃ راجعۃ الی البدایۃ کا یہی مطلب ہے کہ جس طرح نوزائیدہ بچہ جانتا ہے کہ اللہ ہے فقط بس یہی قایم ہو جانا سب کچھ ہے انسان کسبی وقت اپنی ہستی کو بھی بعض مصروفیت میں فراموش کر دیتا ہے لیکن یہ فراموشی نہایت خفیف اور کالعدم پہلے بزرگ اخلاق سیئہ کو چھڑانیکی فکر کرایا کرتے تھے تاکہ یہ کام آسان ہو جاوے مگر متاخرین نے خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا ہے کہ ذکر کی اسقدر کثرت کرے کہ یہ اخلاق ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے ۔

اخلاق سیئہ بہت سے ہیں مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے پھر ان دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے کہ اگر یہ دور ہو جاوے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی شخص بیس سال رہا اور ایک روز عرض کیا کہ حضرت اتنی مدت میں مجھے تو آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا آپ سمجھ گئے کہ اسکے دل میں بڑائی ہے فرمایا اچھا ایک بات کرو اخروٹوں کا ایک ٹوکرہ بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص میرے ایک جوتہ ماریگا اسکو ایک اخروٹ دونگا اور جو دو ماریگا تو دو دونگا اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرہ خالی ہو جائے تب میرے پاس آؤ اس شخص نے کہا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حضرت یہ کام تو مجھسے ہرگز نہ ہوگا" حضرت جنید نے فرمایا یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستر برس کا کافر اسکو ایکمرتبہ صدق دل سے پڑھ لے تو واللہ مومن ہو جاوے مگر تو اسوقت اسکے پڑھنے سے کافر طریقت ہو گیا جا نکل جا تجھے مجھسے کچھ حاصل نہ ہوگا ۔

دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ انکے پاس ایک شخص مدتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی شیخ نے دریافت فرمایا کہ میاں درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی وہ آپ سے لیکر دوسروں کو پہونچاؤنگا شیخ نے فرمایا بس اسی نیت کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی سے پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے اس بیہودہ خیال کو نکالدو اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں انکا شکر

اور بندگی ہمپر فرض ہے پس جو لوگ اس امید پر ذکر مشغل کرتے یا نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اسکا نفع ملے یہ انکی حماقت ہے انکی نیت میں فساد ہے کیسا نفع کہاں کا اجر یہ بہتی ہیں یہ آنکھیں یہ ناک یہ کان یہ زبان یہ حواس جو حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں پہلے انکے شکریہ سے تو فراغت ہولے تب دوسرے نفع اور اجر کی توقع کرے حافظ زاہد حسن صاحب نے اس موقع پر سوال کیا کہ حضرت جیسا کہ آپنے فرمایا اگر کوئی شخص ہر وقت اللہ کو یاد رکھے تو بس کافی ہے اور کچھ اسکے واسطے ضروری نہیں؟ آپنے ارشاد فرمایا "بس فرایض اور سنن موکدہ" اسکے بعد کسی بزرگ کے حوالہ سے فارسی کا یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ وایں مقام صلوۃ ستری ہست کسیکہ بایں مقام میرسد حاجتش بہ نماز ظاہری نیست اما تاہم ہرگز بایں غرہ یک نماز ہم ترک نخواہد کرد مردود ازلی خواہد شد۔

اللہ کا ذکر کرنا ہی زندگی کا فائدہ ہے باقی تمام نقصان ہی نقصان ہے اگر کسی سے بحضور قلب نہو سکے زبان ہی زبان تک رہے تاہم فائدہ سے خالی نہیں" الحمد للہ سوانح حصہ دوم کا خلاصہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی اس تحریر و تقریر میں پورا ہو لیا اگر حق تعالیٰ توفیق عطا فرماویں تو صاحب فہم کیلئے اس اختصر مضمون میں سب کچھ موجود ہے میں اسکا اہل نہیں کہ شرح یا توضیح کروں ہاں بصدق دل دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور آپ تمام حضرات کو حق تعالیٰ وہ حلاوت ایمان اور نور اسلام عطا فرماویں کہ اس علم کا اذعان اور عمل ہو جاوے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

جس تہذیب سے مہذب و مزین ہونیکا حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اسکا عملی حالتیں نمونہ بنا کر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجدیا گیا اور "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" سے تمام مخلوق کو اطلاع دیدی گئی ہے کہ قلب اور اعضا کو اس نمونہ کے موافق سنوار کر ہمارے حضور میں حاضر ہونا چاہیئے۔ پس امام ربانی قدس سرہٗ کی اس مشعل کی روشنی میں ہم آپ کو مشائخ کے معمول و متداول طریق سے پچیس سال کی عمر میں عطا ہوئی تھی جھلکتا ہوا صاف نظر آرہا تھا کہ شاہنشاہ کی پیشی کیوقت سب سے پہلا سوال یہی ہونا ہے کہ نمونہ کے موافق مہذب بنکر آئے ہو یا نہیں؟ اسلئے بقیہ تمام عمر میں شاید ایک لحظہ بھی ایسا نہ گذرا ہوگا جسمیں سرتاج امت کی متابعت سے اپکا قلب غافل ہوا ہو۔ آپ اپنے زمانہ میں اس مضمون کے اندر یگانہ تھے صدق عالم کا در فرید اگر آپ کو کہا جاوے تو بجا ہے کیونکہ آفاق عالم سے آنیوالی مخلوق متعدد اوقات اور مختلف حالات و واقعات

ہیں آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتی تھی آنیوالے ہزاروں تھے اور زمانے متعدد مگر آپکا کام ہمیشہ ایک اور آپکا مشغلہ سدا یکساں تھا دس برس کے بعد حاضر ہونیوالا شخص آپکو بے کم و کاست اور بلا اختلاف اسی حالت میں دیکھکر گیا ہے جس حال میں دس سال قبل دیکھ چکا تھا۔ اتباع شرع کی محویت و فنائیت میں اسدرجہ استحکام و استقامت کے باعث سنت کے طلبگاروں کیلئے آپکا وجود ہزارہا سوالات کا جواب تھا کہ زندگی بھر کے واقعات و حوادث اور پیش آنیوالے امور میں نبوی تعلیم کا سبق آپکی ذات سے حاصل ہوتا تھا آنکھوں نے زبان کو بولنے کی تکلیف سے چھٹی دے رکھی تھی کیونکہ تمدن و طرز معاشرت کے متعلق نبوی عمل جو دوسری جگہ دریافت کرنے سے مخلوق کو معلوم ہوتا تھا وہ یہاں آنکھوں سے دیکھکر حاصل ہو جاتا بلکہ عمل کرنیکی ترغیب دلانیوالا محرک اور ہمت بندھانیوالا حامی و مددگار بنجاتا تھا۔ آپکے حرکات و سکنات اور روزمرہ کے معمولات ہر آنیوالے عامی کو تہذیب و اصلاح کا سبق پڑھا دیتے اور خواص کے شبہات و شکوک کی گتھیاں دور کر دیتے تعارض اٹھاتے اور علم کو عمل کیساتھ تطبیق دیکر نبوی نیابت کا کام دیا کرتے تھے۔

آپ کے سامنے علماء کا گردنیں جھکا لینا اور بڑے بڑے سمجھدار آنکھوں والے مولویوں کا حلقہ بگوش ہو جانا اندھا دھند عامیانہ تقلید کی صورت میں نہیں ہوا تھا بلکہ برسوں جانچ پڑتال اور دیکھ بھال کے بعد جب اس جماعت کو کلی اطمینان اور وثوق ہو گیا کہ امام ربانی قدس سرہٗ کا وجود باجود خداوندی نمونہ کا سچا نمونہ اور علمی مضامین کا عملی مجسم سانچہ ہے اسوقت غلامی کا اقرار کیا اور دستگیری کی درخواست کا منظور ہونا اخروی سعادت سمجھکر سلسلہ بیعت میں منسلک ہوئے ہیں یہ نہیں کہتا کہ معاذ اللہ امام ربانی نبی اور معصوم تھے یا یہ کہ آپسے خطا و لغزش نہیں ہو سکتی تھی حاشا و کلا مگر ہاں یہ ضرور کہونگا کہ سردار عالم پیشوائے امت پیغمبر کے فرمان کا مخلص اور کامل فرمانبردار جسکو حق تعالیٰ نے زمانہ کا ہادی اور امام بنا کر بھیجا ہو کہ مخلوق اسکے قول و فعل سے آسمانی ہدایت کا سبق لے اور جسکے اعضاء کی معصیت سے حفاظت کیگئی ہو کہ خلقت کیلئے سبب ضلال و گمراہی نہ بنے وہ اس زمانہ میں ہندوستان کے اندر صرف امام ربانی قدس سرہٗ کا نفس اور ایک دم تھا جسکی نظیر میرے علم میں دوسری نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ مخالفین کو باوجود حد درجہ مخالفت کے آپکی ذات پر کسی ایسے طعن یا الزام کا عمر بھر موقع نہ ملا جسکا عیب یا قبح ہونا کھلا ہوا اور عند الشرع مسلم ہو آخر کار

آپ کے ہنر عیب بنائے گئے اور بدعات سے تنفر کو جو اصل شریعت سے فرط محبت اور سنت کے ساتھ عشق و شغف کا ثمرہ تھا معصیت بتا بتا کر آپ کی تکفیر کیگئی۔ فویل لھم ثم ویل لھم۔

آج جبکہ آپکو دنیا سے اٹھے ہوئے دو سال ہوئے اگر مخلوق جمع ہو کر پوری ہمت خرچ کرے اور یادداشت کو پوری طرح کام میں لاکر مہینوں بھی سوچے تو انشاء اللہ ایک واقعہ بھی ایسا نہ نکال سکیگی جسمیں آپکی نماز کا قضا ہو جانا یا جماعت سے کاہلی و سستی یا کسی شرعی مسلم پسندیدہ امر سے ذرہ برابر بے رغبتی یا غفلت آپکی ثابت ہوتی ہو۔ دیوبند کے جلسہ ستارہ بندی میں جب آپ تشریف لائے ہیں تو غالباً عصر کی نماز میں ایکدن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو نماز پڑھانیکو مصلے پر جا کھڑے ہوئے مخلوق کے ازدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جسقدر آپ جماعت میں شریک ہوئے ہیں تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اداس اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس پائیس ۲۲ برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی"۔

حق تعالیٰ کے چاہیتے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرحومہ امت میں جن خوش نصیب اور پاک طینت حضرات کو مرتبہ قرب و ولایت کیساتھ نوازا گیا اور سچے ایمان کی حلاوت اور اطمینان کیساتھ یقین و اذعان کی روشنی جنکے قلوب میں ڈالی گئی ہے اُن میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے دل فیض منزل کو ایک خاص خصوصیت کیساتھ یہ اندرونی لذت عطا ہوئی تھی جسکا ثمرہ یہ تھا کہ آپ کے صاحب نسبت مشائخ اور اہل دل مجاز طریقت اولیاء اللہ کے آپ سردار تھے عالم کے ہادی اور راہبر مائمین رسول گروہ کی سیادت آپکے حوالہ کی گئی تھی علماء عصر کا آپکو سرور ہر و امیر الجیش بنایا گیا تھا پیشوایان خلق کا امام و پیشوا اور مصلحان قوم و ملت جماعت کا مصلح اور حاکم آپکو گردانا گیا تھا یہ مقبولان بارگاہ صمدیت کی پاکباز جماعت تختہ عالم پر سدا بہار گلاب اور مہکانیوالے پھول کا کام دیتے تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی ذات مقدس بمنزلہ عرق گلاب بلکہ روح بنی ہوئی عالم کو مہکا رہی تھی۔ احتمال خطا اور امکان زلت کے درجہ میں آپ یقیناً بشر تھے مگر ہادی و راہبر عالم ہونیکی حیثیت سے چونکہ آپ اُس بے لوث مسند پر بٹھائے گئے تھے جو بطحائی پیغمبر کی میراث ہے اسلئے آپکے قدم قدم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نگرانی و نگہبانی ہوتی تھی آپ اولیاء اللہ کے اس

اعلیٰ طبقہ میں رکن اعظم بنکر داخل ہوئے تھے جنکے اقوال و افعال اور قلب و جوارح کی ہر زمانہ میں حفاظت کی گئی ہے اور جنکی زبان اور اعضاء بدن کو تائید و توفیق خداوندی نے مخلوق کو گمراہی سے بچانیکے لئے اپنی تربیت و کفالت میں لے رکھا ہے آپنے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے سنو سنو لوح دہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر اور کما قال ظاہر ہیں علماء جن مسائل میں دلائل و شواہد کے پابند ہو کر اختلافی جھگڑوں میں پڑتے اور حق و باطل میں امتیاز کامل نہو سکنے کی وجہ سے تذبذب و تحیر کے بیابان میں سرگرداں پھرا کرتے تھے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ مشکوۃ نبوت سے سلگائی ہوئی مشعل قلبی کے نور کی بدولت واقعی حق جانب بیان فرماتے اور شرح صحیح معین فرما کر بلا استشہاد فیصلہ کر دیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپکے فتاوی میں فقہی استشہاد و روایات بہت ہی کم نظر سے گذرینگی اور حقیقت میں امر حق ذیل کا تابع بھی نہیں ہے بلکہ دلیل امر حق کی محکوم اور علامت مظہرہ کے قایم مقام ہے۔

حضرت امام ربانی کا علو مرتبت اور قرب منزلت کا پورا پتہ لگانا کوئی آسان بات نہیں اور اسکی حاجت ہے ہاں اتنی بات ظاہر اور سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مرتبہ ولایت میں خاص نسبت عبدیت یعنی اتباع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں انہماک و فنائیت جو آپکو حاصل ہوئی تھی آپکے زمانہ میں دوسرے کو عطا نہوئی تھی آپ اپنے زمانہ کے تمام خاصان خدا کے خلاصہ اور مقبولان بارگاہ احدیت کے اب لباب مرجوعین کی جماعت کے منتخب صدر انجمن تھے جس درجہ کی استقامت و پختگی یعنی دین کے بارہ میں جماؤ اور ثابت قدمی آپکو عطا ہوئی تھی اسکی نظیر اہل عصر کو نظر نہیں آئی موافق ہو یا مخالف اور دوست ہو یا دشمن جار و ناچار دل خواستہ یا ناخواستہ اس بات کا ضرور مقر ہے اور ہوگا کہ حضرت امام ربانی اس سیدھی اور صاف ٹیبا پر چلتے چلتے جان دیگئے جسکو شریعت اور سنت کہا جاتا ہے۔ اگر مخالفین نے جہاں تو نکو بدعت حسنہ کہا اگر حضرت امام ربانی بدعت سیئہ قرار دیا اور فرد متنفرد ہے لیکن جس مضمون کا سنت اور فعل رسول یا فعل صحابہ ہونا مخالف کو بھی تسلیم ہے اسکے التزام و اہتمام اور پابندی و انصرام کا معترضین کو بھی اس درجہ اعتراف ہے کہ امام ربانی کا یگانہ روزگار ہونا اظہر من الشمس ہے۔ یہ بے نظیر استقامت اور لاثانی پختگی آخر کیوں تھی اور کہاں سے آئی تھی اگر اسکا حاصل کرنا اہل تھا تو معترضین نے

اعتراض سے قبل یا بعد حاصل کیوں نہ کرلی؟ خدا شاہد ہے وَکَفٰی بِہٖ شَہِیْدًا یہی وہ کمال اصلی ہے جسمیں کسی غیکا ساجھا نہیں اور یہی وہ بڑی کرامت ہے جسکا صدور دوسروں سے عادۃً ممکن نہیں یہی ہے وہ ثمرۂ عبدیت جو لاشریک معبود کی راہ میں جان کھپائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی ہے وہ خاص الخاص شاہنشاہی عطیہ جو زمانہ میں منتخب زمانہ لاڈلے محبوب کے سوا دوسرے کو نہیں دیا جاتا۔ اسی جوہر کے حامل و قدردان جوہری کو ارشاد خلق کا تاج اوڑھا کر مسند نیابت النبوت کا صدر نشین بنا کر قطب الارشاد کے نام سے مشہور کرایا جاتا اور پیغمبر آخر الزماں کے وصال کے بعد ہر صدی میں اہل زمانہ کو نمونہ دکھانیکے لئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تاکہ سچی اخلاقی تہذیب اور حقیقی آقا کی پسندیدہ جسمانی و روحانی اصلاح کو مخلوق عملی حالت میں دیکھ لے اور قیامت کے دن شاہنشاہی پیشی پر بازپرس کے وقت ہو نہ سکنے کا لاطایل عذر پیش نہ کرسکے ان حضرات کے حجۃ اللہ فی الارض ہونیکے یہی معنی ہیں اور اٰیَۃٌ مِّنْ اٰیَاتِ اللہِ ہونیکا یہی مطلب ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اٰخِرِ اٰبِہٖ وَرَفَعْنَا لِاِتِّبَاعِہٖ اِمَامًا اِلٰی دَارِہٖ

صنّاع لم یزل نے جس طرح اپنی مخلوق کی صورتیں جُدا جُدا پیدا فرمائی ہیں اسی طرح سیرتیں الگ الگ بنائی ہیں۔ سیرت کے اختلاف کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب کوئی نعمت خدا کی طرف سے نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے شکر گذاری کیساتھ اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا اور عبد شکور بنکر منعم حقیقی کے محبوب قرار پائے دوسروں نے اسکو بنگاہ حقارت دیکھا اور کفران کی بدولت اس نعمت کو کیا کیا خود مردود بارگاہ ہوئے اور خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کے مصداق بنے۔ سچی پادشاہ عام ضیافت کا اعلان شہر کرکے جسوقت اپنا وسیع دسترخوان بچھا دیتا ہے تو بہتیرے اسکی لذیذ غذاؤں سے متمتع ہوتے ہیں اور بہتیرے عیب چینی کے تفکرات میں مبتلا اور قبح جوئی کی مصیبت میں گرفتار ہوکر انتفاع سے محروم رہتے ہیں یہی حال ہر زمانہ میں آسمانی خوان کے متعلق مخلوم و مجہول انسان کا رہا ہے کہ لوح محفوظ کی کتابت کے ہاتھوں مجبور ہوکر بھلا یا برا جو حصہ بھی انکی قابلیت یا نااہلی کے متعلق ازلی علم نے ان کے لئے مقدر و مقرر کردیا تھا اسکو لیا اور منتفع یا محروم بنے چنانچہ جس مبارک زمانہ میں خلاصۂ عالم و عالمیان سردار دو جہاں احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نافارض یعنی بلدۃ الحرام مکہ معظمہ میں ہر خیر و بشر کے لئے مجسم نمونہ تہذیب و اصلاح بنکر تشریف لائے تو سیدنا ابوبکر و عمر جیسے خوش نصیب حضرات کی سعادت کے مقابلہ میں ابوجہل و ابولہب جیسوں کی شقاوت و بدنصیبی اور محرومی قسمت ظہور

طالع ایسی تھی جنھوں نے اس نعمت خداوندی کی شکرگذاری کا جو کچھ قابل حسرت و افسوس حصہ لیا اسکو کوئی مسلمان قیامت تک نہیں بھول سکتا آپکا بڑا معجزہ جسکا نام قرآن ہے وہ آسمانی نعمتوں کا بھرپور خوان ہے جسکی غذاؤں سے سیر ہونیکی ہر کہ و مہ اور شریف و وضیع کو اجازت دیگئی ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ شاہنشاہی فرمان کسی خوش نصیب عالم باعمل مسلمان کیلئے حجۃ لہ ہے اور کسی بدنصیب بدعمل عاصی کیلئے حجۃ علیہ پس امام ربانی قدس سرہ کی سوانح شریفہ میں اس تاسف کا کوئی محل و موقع ہی نہیں کہ افسوس بعض ناقدردانوں نے اس درشہوار کی قدر کیوں نہ پہچانی اور خدائی ہدایت کے مجسم عملی نمونہ کی تقلید و اتباع کے بجائے لوگوں نے کفران طعن اور اعتراض و تخالف کا کیوں حصہ لیا؟ جب اپنے نصیب بمقدر سے زیادہ یا خلاف حصہ لینا کسی متنفس کی طاقت ہی میں نہیں ہے تو حجۃ اللہ علی الارض کے متعلق جن حرمان نصیب مسلمانوں کا حصہ عیب جوئی و تشنیع کی کوفت لکھا ہوا وہ اپنے حصہ کے حاصل کرنے سے کیونکر باز رہ سکتے ہیں علاوہ ازیں یہ بھی تو بھائی پیغمبر کی وہ سنت اضطراری ہے جسکا پایا جانا مجدد وقت نائب پیغمبر کی پائدار سوانح میں لازمی تھا وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ ہاں جن خوش قسمت طالب رشد و ہدایت اصحاب کو خدائی فرستادہ نمونہ کی بقدر نصیب موافقت کا حظ تام یا ناقص عطا ہوا وہ شکر ادا کریں کہ آسمانی نعمت کا نزول پہلا احسان ہے اور اس سے منتفع ہونیکی توفیق حق تعالیٰ شانہ کا دوسرا انعام پس مبارک ہو اُن حضرات کو جنکے لئے امام ربانی قدس سرہ کا وجود باجود حجۃ لہ قرار پایا اور بیحد و بے پایاں مبارکباد اُن حضرات کو جنہیں اعلیٰ حضرت نے اپنا قایم مقام بنا کر مخلوق کیلئے حجۃ قرار دیکر ایسی حالت میں دنیا کے اندر چھوڑا کہ اُن کے مطہر و مزکی دل مشکوٰۃ نبوت سے منور اور ہونہار شجرۃ القلب بسبیل ولایت و نسبت مسلسلہ سے ثمر و بار آور ہو گئے تھے حق تعالیٰ اس مختصر جماعت کی کفش برداری کے طفیل میں اس ناکارہ سیہ روکی حالت بھی سنوارے وذلک فضل من کبائر الکرام نصیب۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے حالات انضباط اوقات اور ثمرہ استقامت و ثبات فی الدین کے اظہار میں وہ تحریر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جو میری درخواست پر سند ہی مولائی حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی عزیز الرحمن صاحب مجددی نقشبندی مفتی مدرسہ دیوبند زید مجدہ نے اپنے قلم سے تحریر فرما کر بھیجی اور میری عزت افزائی فرمائی کہ جزو سوانح بنکر تا قیام قیامت قایم برقرار رہے وہو ہذا۔

عِنْدَ ذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آں غواص بحر حقیقت آں صدف لآلی طریقت و شریعت عالم عامل محدث وفقیہ کامل زین العصر فخر دہرہ قطب الارشاد سالک مناہج الرشاد مرشد رشید ذی رائے سدید حجۃ اللہ فی الارض بمقبول بارگاہ احد حضرت مولانا الحاج الحافظ **رشید احمد** گنگوہی اعلی اللہ درجاتہ فی علیین۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کا علم و عمل و زہد و تقوی و توکل و صبر و رضا و تسلیم بجری بر المقضاء اسدرجہ کے تھے کہ اسکا بیان احصار سے باہر ہے تمام عمر ایسی استقامت سے گذری کہ سفر و حضر میں برابر اوقات شب و روز کو مشغول طاعت حق تعالی رکھتے تھے مجلس انکی پر انوار تھی ظاہری و باطنی اہل علم نکات علمیہ سے مستفید ہوتے تھے اور اہل حال نور و سکینہ قلبی حاصل کرتے تھے بیس بائیس برس سے احقر کو اتفاق حاضری دربار گہربار حضرت مولانا قدس سرہ ہوتا تھا کسی وقت فرق برابر کسی مشغلہ میں فرق نہیں دیکھا جو اوقات جس شغل کے تھے انکو برابر انہیں مشاغل میں مصروف رکھتے تھے اس زمانہ میں ایسا جامع شریعت و طریقت منبع علم و عمل زمانہ کی آنکھ نے نہ دیکھا نہ سنا علم حقایق میں بے نظیر اتباع سنت میں بے مثل تھے ہمیشہ دوپہر کو ۱۲ بجے کے بعد ایک بجے تک قیلولہ فرماتے تھے ایک بجے جسوقت ظہر کی اذان ہوتی تھی فوراً بیدار ہو جاتے تھے اور ظہر کی نماز کا سامان فرماتے اکثر ظہر سے پہلے غسل فرما کر سنتیں ظہر کی حجرہ شریف میں پڑھکر مشغول ذکر و تسبیح رہتے تھے جب وقت جماعت کا ہوتا مسجد میں تشریف لاکر امامت ظہر کی فرماتے بعد ادائے فرض ظہر سنتیں حجرہ میں آکر ادا فرماتے دو سنت موکدہ دو نفل اسکے بعد کھڑے ہو کر بعد ادائے سنن و معمولی وظایف مشروعہ تلاوت قرآن شریف میں مشغول ہوتے تلاوت سے فارغ ہو کر تسبیح و تہلیل لسانی میں مشغول رہتے تھے اسوقت میں بھی جو مہمان و خدام موجود ہوتے تھے خدمت شریف میں حاضر ہو کر استفادہ مسائل شریعت و جمعیت باطنیہ کرتے تھے لیکن باوجود اسکے کہ جواب مسائل بھی دیتے تھے اور ضروری باتیں بھی فرماتے تھے لیکن مراقبہ و ذکر لسانی میں برابر مشغول رہتے تھے اور چہرہ پر انوار سے کیفیت استغراق و حضوری نمایاں ہوتی تھی اسی مشغولی میں جب وقت عصر آجاتا وضو جدید فرما کر مسجد میں تشریف لاکر دو رکعت نفل ادا فرماتے پھر امامت عصر فرما کر اکثر اوقات حجرہ سے

باہر تشریف رکھتے تھے اسوقت خدام و حاضرین کا مجمع ہوتا تھا اہل شہر بھی اسوقت حاضر خدمت ہوتے تھے اور مہمانان و مریدین عموماً اسوقت حاضر خدمت ہوتے رہتے تھے علماء جو حاضر خدمت ہوتے تھے وہ اسوقت سوالات بھی کرتے تھے اور حضرت قدس سرہٗ ہر ایک سوال کا جواب تحقیقی دیتے تھے مغرب تک اسی طرح تشریف رکھتے تھے لیکن اسوقت میں بھی برابر درود و ذکر لسانی جاری رہتا تھا اذان مغرب کے ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لاکر امامت سے مغرب فرماتے اور بعد نماز سنن و نوافل اوابین مسجد میں ادا فرماکر دیر تک مراقب و مشغول رہتے تھے اور ادعیہ مسنونہ و اوراد مشروعہ سے فارغ ہوکر پھر کچھ دیر حجرہ میں یا باہر حجرہ سے تشریف رکھکر مکان کو تشریف لیجاتے کھانا تناول فرماکر قبل از عشا تشریف لاکر وضو فرماکر مسجد میں تشریف لاتے تھے اور دو رکعت نفل ادا فرماکر امامت عشا فرماتے اور سنن و وتر مسجد میں ادا فرماکر حجرہ میں آکر مشغول رہتے تھے عشا کی نماز ہمیشہ دیر میں وقت مسنون کے موافق پڑھتے تھے پھر بعد عشا اوراد و وظائف سے فارغ ہوکر استراحت فرماتے بعد نصف شب کے جب ایک ثلث شب تقریباً باقی رہتی اٹھکر تہجد ادا فرماکر تلاوت قرآن شریف صبح صادق تک فرماتے حسب ارشاد حق تعالیٰ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا اسوقت تلاوت قرآن شریف حفظ سے فرماتے تھے صبح صادق کے ہونے کے بعد سنتیں پڑھکر حجرہ شریف میں مشغول رہتے تھے جب وقت جماعت صبح کا حسب مذہب امام ابو حنیفہ رح ہوتا تھا یعنی جسوقت خوب اسفار ہو جاتا نماز صبح کی امامت مسجد میں آکر فرماتے اور بعد نماز صبح حجرہ میں تشریف رکھتے اور ارتفاع شمس تک خلوت میں رہتے تھے بعد نماز اشراق حجرہ کھلتا تھا اور مستفیدین حاضر خدمت ہوکر انوار شریعت و طریقت سے مستفید ہوتے تھے دس گیارہ بجے دن کے طعام تناول فرماکر بعد ایک دن کے قیلولہ فرماکر حسب دستور وظائف طاعت میں مشغول ہوتے تھے یہ ہے مختصر طریق سے بیان آنحضرت قدس سرہٗ کے مشغولی طاعت و عبادت کا پھر اس مشغولی میں کسی حال فرق نہ آتا تھا جناب مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رح فرماتے تھے کہ میں سفر حجاز میں ہمرکاب حضرت مولانا قدس سرہٗ تھا ایک روز جہاز میں تہجد کے وقت آپ کو ضرورت غسل کی تھی مجھسے فرمایا کہ دریا میں سے ایک دو ڈول کھینچ دو کہ غسل کروں میں نے کہا کہ ابھی بہت رات ہے صبح ہونے دیجے سفر میں اگر ایک روز تہجد قضا ہو جائیگا تو مضایقہ نہیں مگر حضرت کو یہ منظور نہیں ہوا اسی وقت غسل فرماکر نماز تہجد ادا فرمائی اور حسب معمول

وظائف وتلاوت میں مصروف ہوئے

اوائل میں باوجود ان مشاغل مذکورہ کے درس حدیث شریف نہایت تحقیق وتدقیق سے فرماتے تھے بعد نماز اشراق دس گیارہ بجے تک اور بعد نماز ظہر وظائف وتلاوت قرآن شریف عصر تک اسباق حدیث شریف کا درس فرماتے تھے صدہا بلکہ ہزارہا طالبان علم دین آپ سے مستفید ہوکر ہدایت خلق اللہ میں مصروف ہوئے۔

ایک دفعہ احقر درس حدیث شریف کے وقت حاضر جماعت طلبہ تھا ایک موقع پر فرمایا کہ میرے اُستاد حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "جسقدر اپنے نفس سے دوری ہو اسیقدر قرب حق تعالیٰ حاصل ہے" آپ کے درس میں افادہ نکات علمیہ کے ساتھ افاضۂ باطنی بھی برابر جاری تھا آخر میں جب بینائی میں حضرت کی ضعف آنے لگا درس حدیث شریف موقوف ہوگیا اسوقت سے افادۂ باطنی میں اسدرجہ ترقی ہوئی کہ طالبان مولیٰ تھوڑے سے عرصہ میں مقصود پر فائز ہوتے تھے اور سلوک باطنی تمام فرماکر رخصت ہوکر مستفیدین کو فیض پہنچاتے تھے الغرض دروازہ رحمت حق تعالیٰ کا کھلا ہوا تھا کہ جو داخل ہوا مقبول ہوکر نکلا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

جس زمانہ میں احقر حضرت مرشدنا مولانا محمد رفیع الدین صاحب نقشبندی مجددی خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر رہتا تھا ایکبار حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ دیوبند تشریف لائے حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوجس طرح میرے پاس آتا ہے جسوقت اس ارادہ سے احقر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا انوار باطنیہ اسی طرح منعکس ہوتے تھے جیسے حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے ہوتے تھے احقر نے کبھی ہر دو حضرات کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ فرق نہیں پایا اور بعد ہجرت و وفات حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ کی کیفیت تھی کہ جسوقت گنگوہ حاضر ہوتا تھا گویا ایک نئی عالم میں پہنچتا تھا قیام گنگوہ عجب حالت صفائی و یکسوئی توجہ کی رہتی تھی اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کی نظر عنایت والتفات سے جو کچھ نعمتیں حاصل ہوئیں اُن کے بیان سے بندہ قاصر ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی توجہ وعنایت ظاہری و باطنی ہر ایک حاضر خدمت ہونے والے کے حال پر ایسی ہی تھی یہ سمجھتا تھا کہ مجھسے زیادہ کسی کے ساتھ محبت وتعلق نہ ہوگا کیوں نہ ہو کاملین جو مخلوق

باخلاق اللہ ہیں اُن کی یہی صفت ہوتی ہے آفتاب کو اپنا فیض پہنچانے میں کسی سے بخل نہیں ہے

شکر فیض تو چمن چوں کند ای ابر بہار	کہ اگر خار دگر گل ہمہ پروردۂ تست
ہرچہ ہست از قامت ناساز و بد اندام ما	ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

حضرت قدس سرہٗ مرجع عالم تھے صغار و کبار اپنے حاجات ظاہری و باطنی آپکی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضرت کی دعا سے سب کے مقاصد پورے ہوتے تھے سب کی نظر آپکی طرف تھی اور آپ کی توجہ خالص حق تعالیٰ کی طرف تھی جملہ امور کو مِنَ اللہِ دیکھتے تھے اور مدح و ذم سے فارغ تھے ایکبار جب احقر میرٹھ میں مدرسہ عربیہ میں مدرس تھا احقر نے ایک عریضہ آنحضرت کی خدمت میں بھیجا جسمیں احقر نے کسی ایسے امر کی نسبت کچھ عرض کیا جسکو احقر یہ سمجھا کہ شاید یہ امر موجب پریشانی خاطر و باعث کلفت آنحضرت ہوا سکے جواب میں آنحضرت نے یہ شعر لکھا شعر

من از بیگانگاں ہرگز نالم	کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

جس سے کمال استقامت حضرت کی ظاہر تھی اور یہ کہ حضرت کے لئے کوئی امر موجب پریشانی نہیں ہے جو کچھ پیش آتا ہے اسکو حق تعالیٰ کی طرف سے دیکھتے اور جانتے ہیں چنانچہ حضرت اعلیٰ جناب حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایکبار حضرت مولانا قدس سرہٗ کو لکھا کہ اپنا حال لکھئے تو حضرت مولانا قدس سرہٗ نے جواب میں یہ بھی فقرہ لکھا تھا کہ بندہ کو مدح و ذم یکساں ہے جس پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اظہار مسرت فرمایا کہ یہ اعلیٰ مرتبہ ولایت کا ہے۔

باوجودیکہ دریائے وحدت میں مستغرق تھے اور واردات غیبیہ قلب مبارک پر وارد ہوتے تھے مگر کسی وقت ذرہ بھر اتباع سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوات والتحیہ سے قدم باہر نہیں رکھا احقر جس زمانہ میں حضرت ہادی برحق فانی مطلق محوی مرضات اللہ جناب حاجی امداد اللہ مہاجر قدس سرہٗ سے فیض اٹھنے سے محصت ہو کر ہندوستان کو واپس آیا آثار توحید وجودی برخلاف اپنے مسلک نقشبندی مجددی کے غالب ہوئے اور اُنمیں غلو ہونے لگا چنانچہ اُسوقت کے بعض اشعار جو بندہ نے لکھے اس کو ظاہر کرتے ہیں وہو ہذا:۔

اشعار

ہوا جانے اسے وہ جو ہی ماہر	وہ مثل جوہر اک گل میں خفی ہے	وہ خود اس پردۂ کثرت میں ظاہر
دیا ہے مثل مستی نندے		

کل ولا لہٰی جوں مخفی زمیں میں
ہے ظاہر اور خفی ہر اک نظر سے

دیا مثل لطافت یا سمیں میں
یہ شرکت ہے کوئی میری مانے

اگر جانے کوئی جانے اثر سے
جو سچ پوچھو کوئی کیا اسکو جانے

ظہور اسکا ہے جو کچھ دیکھتے ہو
وہ خود عارف ہے اور معروف وہ ہے

وہی محبوب اور مشغوف وہ ہے
گئے درصورت لیلے ہو یدا

وجود اسکے سوا کب ہے کسی کو
لباس عاشقی میں گاہ پیدا

بنایا خلق کو سودائی اپنا
غرض ہر رنگ میں ہر رنگ اسکا

خرد ہے دیکھ جلوہ دنگ اسکا
ہر اک ہے جستجو میں اسکی شیدا الخ

الحاصل اس حالت میں اول یہ خواب دیکھا کہ احقر ایک نہایت تیز و توانا بلند قامت گھوڑے پر سوار ہے اور راستہ پہاڑ اور گڈھوں کا ہے کہیں زیادہ اونچا کہیں بہت نیچا اور وہ گھوڑا بے تکلف اس ناہموار راستہ پر مجھکو لیجا رہا ہے کہ ہر ایک قدم پر چوٹ گرنے کا ہے اسی حالت خوف و رجا میں برابر اسی ناہموار راستہ کے ایک سڑک صاف اور سیدھی وسیع نظر پڑی اور میں نے اپنے گھوڑے کا رخ اس طرف کو کیا ہے اس میں آنکھ کھل گئی دوبارہ دیکھا کہ گویا احقر میٹھر کی اونچی مسجد پشتہ پر کہ جو شمال پہاڑ کے اترائی کے ہے اور زمین سڑک سے بہت بلند ہے نیچے اترا اور درمیان اس پشتہ اور سڑک کے ایک نالی ہے اسکو پھلانگ کر سڑک پر پہنچا اس پھلانگنے میں اس نالی سے کچھ چھینٹیں میرے پیروں پر آئیں جسکو میں پلید سمجھتا ہوں جس سڑک پر میں پہنچا وہ بہت صاف اور برابر وسیع ہے اس سڑک پر پہنچکر میں تیز چلا دیکھا کہ آگے آگے ایک بہلی خوبصورت جسمیں بہت تیز اور خوبصورت بیل جوڑے ہوئے ہیں چلتی ہے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ اس میں سوار ہیں اور اس ہموار سڑک پر تیز رفتاری کے ساتھ عمدہ قدم سے وہ بیل چل رہے ہیں احقر دوڑتا ہے مگر اس بہلی کے قریب نہیں پہنچا کہ اس عرصہ میں حضرت نے پیچھے کو پھر کر دیکھا اور احقر کو دیکھکر بہلی کو روک لیا اس کے بعد غالباً آنکھ کھل گئی اس خواب کے بعد احقر نے حضرت قدس سرہٗ کی صحبت و اتباع اثر کو غنیمت سمجھکر مقصود کو اس میں منحصر سمجھا اس حاضری خدمت کی حالت میں ایکبار احقر نے دیکھا کہ حضرت بنفس نفیس خوان میں طعام رکھکر احقر کے لئے مسجد احقر میں لائے ہیں اس حالت سابقہ سے افاقہ محض برکت فیض صحبت حضرت قدس سرہٗ حاصل ہوا اور مقولہ حضرت مجدد الف ثانی قیوم ربانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ

تعالیٰ عنہ جو دربارہ شریعت و طریقت و حقیقت فرمایا ہے واضح ہوا جیسا کہ مکتوب چھتیس ۳۶ جلد اول میں فرماتے ہیں پس شریعت متکفل جمیع سعادت دنیویہ و اخرویہ آمد مطلبی نماند کہ ماورای شریعت ہمان مطلب احتیاج افتد طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزء ثالث کہ اخلاص است پس مقصود از تحصیل آں ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر ورائے شریعت الی اخرہا قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے شریعت کو ایسا ہی مستحکم پکڑا تھا اور جملہ مقاصد کو اس میں منحصر سمجھے تھے تحقیق حضرت مولانا کی اس بارہ میں مطابق تحقیق حضرت مجدد صاحب قدس سرہما تھی اور برابر اسی حال اور طریق پر مستقیم رہے کوئی کیسا ہی باکمال ہو لیکن اگر شریعت سے کچھ بھی اسکا قدم علیحدہ ہوتا تھا بے تردد اسکی تردید فرماتے تھے ایکبار فرمایا کہ ایک فقیر صوفی مجھسے بہت محبت رکھتے تھے اور میں بھی انکو فقیر سمجھکر ان سے ارتباط رکھتا تھا اور انکا ادب کرتا تھا کچھ عرصہ کے بعد ایکبار انھوں نے مجھسے کہا کہ میں جو ذکر اللہ ھو کرتا ہوں تم جانتے ہو کیا کہتا ہوں یہ کہتا ہوں اللہ ہوں میں نے یہ سنکر فوراً اسکو کہا او مردود تو اللہ ہے؟ اسوقت سے اس فقیر کی صورت نہ دیکھی حق گوئی میں کبھی کسی کا لحاظ نہیں فرمایا بڑے بڑے مشہور مشائخ اور علماء سے اگر لغزش در بارہ شریعت ہوئی فوراً انکی تردید و تکذیب فرمائی اور جنکی قسمت میں ہدایت و خیر تھی ان کے لئے تنبیہ حضرت کی رہنما ہوگئی اور جنکے لئے شقاوت مقدر تھی وہ اسی غوایت میں گرفتار رہے۔ حق بات کو کبھی مخفی نہیں کیا اور ناحق کے کبھی طرفدار نہیں ہوئے احقر نے ایکبار بوقت فراغ باہمی خواب میں دیکھا کہ حضرت مع اور چند حضرات دیوبند کے احقر کی مسجد کے فرش پر تشریف رکھتے ہیں اسی حالت میں حضرت قدس سرہ ان صاحبوں سے جدا ہو کر تنہا بندہ کے حجرہ کی طرف تشریف لیگئے اور غالباً ہر دو دست مبارک بندہ کے حجرہ کے دروازہ پر رکھے ظاہراً بھی اس کے آثار معلوم ہوئے کہ باوجودیکہ بعض طاعنین نے احقر کی طرف سے حضرت کی خدمت میں یہ مضمون پہنچایا کہ مخالفین مدرسہ سے اسکا میل ہے مگر خاطر اشرف پر اسکا کچھ اثر نہیں ہوا اور زہق الباطل جلوہ گر رہا قلب منیر پر رنگ باطل جاگزیں نہ ہوتا تھا صحیح فرمایا استاذی حضرت مولانا محمود حسن صاحب سلمہ خلیفہ خاص حضرت قدس سرہ و مدرس اول مدرسہ عربیہ دیوبند نے شان مبارک حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں

۵	داغ ہے لفظ نعم کو کہ خلافِ حق پر لاکو حسرت ہو یہی اور نہ ہووے کیونکر	منہ سے اُسکے کبھی نکلا نہ خدا ہی کی قسم شکل دیکھی نہ کبھی اُسکی دعا کی اکدم

باوجودیکہ حضرت قدس سرہ خاندان حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ میں منسلک تھے مگر اتباع سنت میں ایسے ثابت قدم اور درجہ قبولی پر پہنچے ہوئے تھے کہ صوفیاء زمانہ کو یہ دکھلا دیا کہ اصل طریقہ چشتیہ ہے اور نسبت نبویہ جو بواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مشائخ تک پہنچی ہے یہی ہے اور اس اصل میں سب طرق برابر ہیں اور منتہی سب کا یہی ہے طریق ارشاد نیا اور نہایت عجیب و پُر اثر تھا بہت سی رسوم مروجہ کو مٹایا اور بہت سنن مخفیہ کو ظاہر فرمایا شریعت اور طریقت کی تجدید فرمائی اس آخری زمانہ میں مدار ہدایت و ارشاد آپ کی ذات بابرکات تھی احقر کو ایکبار بوقت حاضری سرہند یہ امر قلب پر وارد ہوا کہ حضرت قدس سرہ قطب ارشاد ہیں اور اس وقت سلوک طریقہ مرضیہ و مقبولہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپکا طریقہ ہے اور یہ کہ آپ مجدد ہیں احقر نے اس اپنے خیال کو حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم خلیفہ خاص حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں بھی عرض کیا تو حضرت مولانا موصوف نے اسکی تصدیق فرمائی بہرحال یہ خیال احقر کا جسدرجہ کا بھی ہو حضرت قدس سرہ کی تحقیقات جدیدہ متعلق احکام شریعت و طریقت و نکات قرآن و حدیث و بیان دقایق علمیہ اور آپکا طریق ارشاد حجۃ واضحہ امور مذکورہ کی ہے صحت کی اور کسی کے جواب و خیال کی حاجت اسکی تصدیق کیلئے نہیں کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

بندہ نے ایک عریضہ میں منجملہ چند سوالات کے ایک یہ بھی سوال کیا کہ آیۃ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سوائے اپنے اعمال کے دوسروں کے اعمال سے نفع نہیں پہنچتا حالانکہ احادیث سے نفع پہنچنا محقق ہے اور جمہور صحابہ و ائمہ کا یہ مذہب ہے اس کے جواب میں منجملہ دیگر جوابات معروضہ کے یہ بھی ارقام فرمائے کہ ما سعٰی سے مراد سعی ایمانی لیجاوے تو پھر کچھ خدشہ اور تعارض نہیں کیونکہ حاصل اس صورت میں یہ ہے کہ انسان کو بدون سعی ایمانی و بلا حصول و تحقق ایمان کسی عمل سے نفع معتدبہ نہیں پہنچ سکتا پس غیر کے اعمال کا نفع بھی اُسکو اُسی وقت پہنچ سکتا ہے کہ اُس کے اندر ایمان ہو اور سعی ایمانی اسی کی ہو

پس درحقیقت انسان کے لئے اپنی ہی سعی سے نفع پہنچتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے چند مکتوبات مطبوع ہوئے تھے اُن میں یہ مکتوب موجود ہے مفصل اُس میں دیکھ لیا جاوے بعض بتدعین زمانہ نے جو وحدۃ الوجود کے پردہ میں ابطال شریعت غرا کرتے ہیں اور ہمہ اوست کے ایسی طرح قائل ہیں کہ اسلام و کفر میں کچھ تفاوت نہ رہے آیۃ کریمہ اجعل الآلھۃ الٰھا واحدًا سے استدلال اپنے دعوٰی فاسد پر کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سب معبودوں کو ایک کر دیا تھا اور بتوں کو عین معبود حق سمجھا تھا الی آخر ما قال المبتدع اللعین حضرت قدس سرہ نے اس آیۃ کے ایسے معنی فرمائے کہ استدلال خصم بہا رمنثورًا ہو گیا جسکو احقر نے بالاختصار عبارت ذیل سے تعبیر کیا ہے قال مولانا قدس سرہ قولہ تعالٰی وعجبوا ان جاءھم منذر منھم فقال الکافرون ھذا ساحر کذاب بحیث ینکر الھتنا الموجودۃ المحسوسۃ ھذا شیء عجیب وواعدنا الھۃ کثیرۃ شیئًا ومعبودًا واحدًا فھذا شیء عجیب من الاول والحاصل انہ من مظنونات الکفار ومقالاتھم الفاسدۃ لیس فیہ تقریر ان ھذا الجعل صحیح فی نفسہ لیصح بہ استدلال الخصم

اس بارہ میں کہ اگر مثلاً ایک سورۃ یا پارہ قرآن شریف کا ثواب چند اموات کو بخشا جاوے حضرت کے نزدیک راجح یہ تھا کہ ثواب تقسیم ہو کر ہر ایک میت کو حصہ رسد پہنچیگا ایک واقعہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے چند اموات کو کسیقدر تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچایا اموات میں سے بعض کو دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ تم مجھے ثواب نہیں پہنچاتے میں نے کہا کہ پہنچایا تو ہے میت نے کہا کہ ہاں ٹکڑہ ٹکڑہ ثواب کا پہنچایا ہے اس سے تصدیق اس امر کی ہوتی ہے کہ ثواب تقسیم ہوتا ہے الخ۔

حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ سے بہت مناسبت حضرت مولانا قدس سرہ کو تھی اکثر ذکر خیر اور کرامات و کمالات اُن کے بیان فرمایا کرتے تھے اور نہایت متاثر ہوتے تھے اس قصہ کو بہت دفعہ نقل فرمایا جو دربارہ احتساب مشہور ہے کہ محتسب کے منع کرنے سے آپ نے چند روز سماع نہیں فرمایا آخر ایک رات بہ تہجد کے لئے اُٹھے قرب میں کوئی چکی پیسنے والی یہ شعر پڑھ رہی تھی۔ "ٹیو دیکھو جمبل کے گھاٹ پاٹ ڈوبیں پتھر ترائیں" اسکو سنکر حالت متغیر

ہوگئی اور وجد غالب ہوگیا محتسب سے کہلا بھیجا کہ آپ اپنا احتساب جاری کریں میں اپنے احتساب میں نہیں رہا رک نہیں سکتا محتسب صاحب جو آئے احاطۂ خانقاہ میں گھستے ہی بیخود ہوگئے بعد افاقہ حضرت قطب العالم سے معذرت کی اور بیعت ہوکر صاحب احوال ہوگئے رحمۃ اللہ تعالیٰ

الغرض حضرت مولانا قدس سرہٗ نے شعر مذکور کی تفسیر میں فرمایا کہ یاٹ سنگ رقیق کو کہتے ہیں جو بڑے پتھر پر سے جدے ہوتے ہیں اور مثل اوراق کے ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دریا چنبل کے گھاٹ پر جاکر دیکھو کہ عجب صورت آبی ظاہر ہوتی ہے کہ باریک پتھر ڈوبتے ہیں اور موٹے بھاری پتھر تیرتے ہیں اور پانی کے اوپر کو جاتے ہیں پس یہ اشارہ ہے قول باری تعالیٰ کی طرف فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ الخ الآیۃ۔

ایک درود شریف حضرت مولانا قدس سرہٗ نے حضرت قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا تھا جسکو احقر نے ایک کاغذ پر بدیں عبارت نقل کرلیا تھا سمعت قطب الارشاد وغوث العباد ومعاذ البلاد مولانا رشید احمد گنگوہی وقت حضوری بحضرتہ العلیۃ یوم الاثنین ثالث عشر من شہر اللہ المحرم ۱۳۲۳ھ یقول انی رئیت قطب العالم الشیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہٗ فی المنام وھو قایم فی روضتہ المقدسۃ مکان رفنہ وھو یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ الصیغۃ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بعدد کل ذرۃ الف مرۃ +

احقر نے وفات حضرت قدس سرہٗ سے کچھ پہلے غالباً اسی مرتبہ جبکہ درود شریف مذکور حضرت سے سنا یہ عرض کیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات خصوصاً سرور انبیاء خاتم اصل صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا حیات النبی ہونا مسلم ہے اور آیہ کریمہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے میت کا میت ہونا معلوم ہوتا ہے اسکے جواب میں کچھ ایسی پرتاثیر تقریر فرمائی کہ جو مشاہدہ وسماع پر موقوف ہے الفاظ اور مطلب سبب وقت کے پوری طرح محفوظ نہیں رہا مگر خلاصہ اسکا کچھ ایسا تھا کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اجزاء بدن پر اسکا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کرلیتا ہے اور تمام جسم اسکا عین ادراک اور عین حیات ہوجاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہے اس تحقیق سے

نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ظاہر ہوتا ہے الی آخر ما قال قدس سرہٗ بوقت بیان اس مضمون کے اس قسم کا اثر قلب پر تھا کہ گویا وہ حالت مشہود ہے اور عجب کیفیت اور سرور تھا فقط والسلام علی من اتبع الہدی والتزم طریقۃ المصطفٰی صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ واحبابہ واتباعہ الی یوم الدین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین +

اخلاق واوصاف

گنگوہ میں اک خدا رسیدہ دیکھا	اللہ کا برگزیدہ بندہ دیکھا
کیا وصف کروں میں اسکا ممتاز	انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا

اخلاق کا لفظ بظاہر نہایت مختصر اور بہت عام فہم ہے مگر حقیقت میں اسکی جامعیت پر اگر نظر غایر ڈالی جاوے تو صدیقیت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنیکے لئے کسی سچے مسلمان کو جن مراحل کے قطع کرنیکی ضرورت ہے وہ سب اس لفظ کے معنی میں موجود ہیں غلک فلاح پر پہونچنے کیلئے جس تہذیب واصلاح ظاہر و باطن کی حاجت ہے وہ سب خلق کے معنی میں داخل ہیں وہ سچا قانون جسکے ذریعہ سے عالم کے راہبر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جہالت کی دریا میں ڈوبی ہوئی مخلوق کو ہدایت کی شاہراہ پر لا ڈالا وہ خلق کا مفہوم ہے جسکو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس شخص کے جواب میں جس نے آپ سے حضرت سرور عالم کے اخلاق دریافت کئے تھے یوں فرمایا ہے کہ "آپکا خلق قرآن ہے" یعنی تمام قرآنی تعلیم کا مجسم نقشہ آپکی ذات مقدس ہے گویا اس آسمانی برگزیدہ کتاب کی عملی حالت کو وجود کا لباس پہنا کر محمد نام رکھا اور دنیا میں بھیجدیا گیا تھا چونکہ خلق کے معنی سمجھنے میں عام لوگ غلطی کے اندر پڑے ہوئے ہیں اسلئے اس خلاصہ کمالات لفظ کی ماہیت وحقیقت کو بوضاحت بیان کرنیکی ضرورت ہوئی بات یہ ہے کہ ہر ذی روح مرکب ہے جسم اور روح سے۔ روح چونکہ خود باطنی شے ہے اسلئے اسکی ترکیب اُن قوائے نفسانیہ اور کوائف باطنیہ سے ہے جنکا ادراک باطن کی آنکھ یعنی بصیرت سے ہوتا ہے عربی زبان میں جسم کی ترکیب کا نام خلق بفتح الخاء اور اعضاء بدنیہ کے متناسب و معتدل ہونیکا نام حسن الخلق یعنی خوبصورتی ہے اور روحانی ترکیب کا نام خُلق بضم الخاء اور قوائے نفسانیہ کے معتدل اور

حد متوسط پر بے کم و کاست ہونیکا نام حسن الخلق یعنی خوبسیرتی ہے روح کی باطنی ترکیب جن قوتوں اور کیفیتوں سے قائم ہوئی ہے ان میں چار قوتیں اصل الاصول ہیں یعنی قوۂ علم قوۂ غضبیہ قوت شہوت اور قوت عقل پس جس طرح بدن کے اعضاء میں اعتدال مناسب سے کمی ہو جانے پر بدصورتی پیدا ہوتی ہے اسی طرح قوائے نفسانیہ میں اعتدال و اقتصاد اور میانہ روی و توسط کے زایل یا کم و بیش ہو جانے سے بدخلقی اور بدسیرتی پیدا ہو جائیگی۔

خوبصورت اور حسین وہی کہلائیگا جسکا قد نہ اتنا لمبا ہو جسپر لوگ ہنسیں اور آوازے کسیں اور نہ اتنا پست ہو کہ جھک کر معانقہ کرنا پڑے اور فتنہ کہلائے رنگ نہ اتنا سیاہ ہو کہ ظلمت پر سے اور کالک چھکے اور نہ اتنا سپید ہو کہ بھوراپن دیکھنے والے کو بدن نہ اتنا نزہ اور بھاری ہو کہ چلنا دشوار پڑ جائے اور نہ اتنا لاغر ہو کہ ہوا سے اڑ جانیکا اندیشہ ہو ہاتھ نہ اتنے دراز ہوں کہ زمین پر گھسٹیں اور نہ اتنے قصیر و کوتاہ ہوں کہ گھٹنے تک بھی بمشکل پہونچیں غرض ہر عضو مناسب اور ہر جزو بدن معتدل حالت پر ہو اسی طرح خوبسیرت و خلیق وہ شخص کہلائیگا جسکی قوت علمیہ نہ اتنی کمزور اور محدود ہو کہ حق و باطل میں فرق نہ کر سکے اور نہ اتنی فراخ و آزاد ہو کہ متشابہات کا پیچھا کرنے یا مسایل ذات و صفات کی کنہ معلوم کرنیکے درپے ہو جائے قوۂ غضبیہ جسکو غصہ کہتے ہیں نہ اتنی ضعیف ہو کہ حق تعالیٰ شانہ کی نافرمانی و معصیت دیکھکر بھی جوش میں نہ آئے اور نہ اتنی آزاد و بے قید ہو کہ معذرت کرنیوالے کی توبہ پر بھی کان نہ دھرے شہوت جسکو خواہش کہتے ہیں نہ اتنی حد سے بڑھے کہ حرص و ہوا کہلائے اور نہ اتنی مقدار رکھے کہ تکبر و بے مروتی یا عجب و خودرائی پیدا کرے عقل نہ اتنی بیباک اور نڈر ہو کہ مکاری و چالبازی کا خطاب پائے اور نہ اسدرجہ قلیل ہو کہ کند ذہنی و بے وقوفی کہلائے غرض روح کے یہ چاروں اعضاء اعتدال و اقتصاد اور میانہ روی پر قایم ہوں تب خلق حسن ہوگا۔

چونکہ حق تعالیٰ شانہ کی حسن سیرت مرغوب ہے اور روح کی اصلاح و آراستگی کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے اسلئے شریعت نے اسی باطنی تعدیل پر تحریص و ترغیب اور تاکید و تنبیہ کے ساتھ مخلوق کو برانگیختہ کیا ہے قرآن مجید کی ساری تعلیم کا یہی خلاصہ ہے کہ قوائے باطنیہ معتدل و حسین بنا کر خدا کے حضور میں حاضر ہو سکے اور بطحائی پیغمبر کی تیئیس سالہ کوشش کا یہی ماحصل ہے کہ خلق حسن اور تہذیب روح و اصلاح قلب میں جائیں کھپا دو قوت علمیہ کی حالت معتدلہ کا نام حکمت ہے جسکو حق تعالیٰ فرماتے ہیں

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" جسکو چاہتے ہیں حکمت یعنی اعتدال علم عطا فرما دیتے ہیں اور جسکو حکمت لگئی اسے خیر کثیر حاصل ہوگئی" اعتدال عقل کا ثمرہ یہ ہے کہ عقاید میں حق و باطل کا امتیاز ہو اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکے اعمال میں نیکوکاری و بدکاری کی تمیز ہو سنت سمجھے اور بدعت کو بدعت طاعت کو سبب نجات جانے اور معصیت کو ذریعہ ہلاکت و خسران۔

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے جسکا ثمرہ ہی جود و سخا ہمت و دلیری تجرد و بے نیازی و استقلال حق پسندی و صبر و وقار و عاقبت بینی نرمی و ملاطفت اور کظم غیظ یعنی غصہ کے ضبط کرنیکی طاقت اور جب قوۃ غضبیہ حد سے بڑھجاتی ہے تو اسکا نام تہور ہے جسکی بدولت شیخی مارنا غصہ سے بھڑک اٹھنا انجام نہ سوچ سکنا آخر کار ندامت اٹھانا تکبر کرنا نخوت و خود پسندی اور اپنے کو اچھا سمجھنا پیدا ہوتا ہے اور جب حد معتدل سے گھٹتی ہے تو اسکا نام جبن ہے جسکی بدولت بے غیرتی و کاہلی خساست و کم ہمتی پیدا ہوتی اور چھچھورا پن ہمت ہارنا ذلت و رسوائی کا گوارا کرنا لاحق ہوتا ہے قوت شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے جسکے ثمرات ہیں حیا و پارسائی رضا اور قناعت خوف و خشیہ اور مخلوق کیساتھ احسان و سلوک کرنیکی خواہش و منشا اور جب قوت شہوانیہ اعتدال چھوڑ کر کم یا زیادہ ہوتی ہے تو حرص و لالچ خوشامد و چاپلوسی عاجز مخلوق کے سامنے عاجزی و تذلل غربا کو بنظر حقارت دیکھنا بے حیائی فضول خرچی ریا و تنگدلی حسد و کینہ بغض و عناد اور نامردانگی کی وہ بد خصلتیں ظاہر ہوتی ہیں جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

عقل کا اعتدال ذکا کہلاتا ہے جسکے ثمرات ہیں فراست و اصابت رائے تحفظ ناموس لطافت حفظ مراتب و محافظت حدود شرعیہ عبدیت و عجز کا احساس اور اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی قدردانی و خداشناسی جسکی بدولت طاعات میں محویت اور دنیائے ناپائدار پر باقی رہنے والی آخرت کی ہر لحظہ ہر امر میں ترجیح ظاہر ہوتی ہے اور جب اسمیں کمی بیشی ہوتی ہے تو غباوت و بلادت مکاری و چلسازی حماقت و حسرت ابتذار سانی و بے زردی کی وہ بد عادتیں صادر ہوتی ہیں جو حق تعالیٰ کے نزدیک معیوب اور قبیح ہیں۔

جس طرح خوبصورتی کے بہتیرے درجے ہیں کہ کوئی شخص زیادہ حسین ہے اور کوئی کم اسی طرح

حسن خلق یعنی خوب سیرتی کے بھی کثیر مراتب ہیں کہ کسی شخص میں قوائے نفسانیہ کا اعتدال بہت بڑھا ہوا ہے اور کسی میں کم پس جسطرح حسن صورت میں لوگوں کے نزدیک یوسف علیہ السلام حسن الناس مانے گئے ہیں کہ ظاہر میں حسن پرستوں نے خوبصورت دنیا میں دوسرا نہیں دیکھا اسی طرح حسن خلق میں خلاق عالم خدائے وحدہ لاشریک کے نزدیک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم احسن الخلق خلقاً سمجھے گئے ہیں کہ نہ آپ جیسا خوب سیرت افراد عالم میں کوئی پیدا ہوا اور نہ قدسی نژاد ملاء اعلیٰ کی باطن بین قوت دراکہ نے ایسا معتدل القویٰ مہذب قلب و صالح روح کا صاحب دوسرا دیکھا۔ آپکی ذات مقدس کا بحر عالم کی صدف ہستی میں بحیثیت حسن خلق و رفید ہونا ہی مسند محبوبیت کی صدر نشینی کا سبب ہوا اور آپ علی الاطلاق محبوب رب العلمین قرار پائے چونکہ قرآنی تعلیم احسن سیرت کو محیط ہے اور تہذیب و اصلاح تام میں اس تعلیم کا عملی مجسم پتلہ صفحہ ہستی پر آپ کا ثانی پیدا نہیں ہوا اسلئے خلقہ القرآن آپ کیلئے صفت موضحہ ہے اور انک لعلی خلق عظیم آپ کے قدردان آقا کا عطا کردہ پروانہ اور کامیابی کی وہ پائدار سند ہے جو ابدالآباد تک قایم و برقرار رہیگی۔

یہی وہ حسن خلق ہے جسکی دیکھ بھال کرنی ہمپر فرض کیگئی ہے اور جو ولایت کا معیار گردانا گیا ہے پس آپکی مرحومہ امت میں جو مقدس جماعت اولیاء اللہ کے نام سے پکاری جاتی ہے وہ ضرور اعتدال قوائے نفسانیہ حاصل کرکے حسن سیرت ضرور حاصل کر چکی تھی ہاں البتہ اس حسن کی کمی بیشی کے اعتبار سے باہم ولایت کا فرق مراتب اُن میں بھی تھا کیونکہ جسکے باطنی قویٰ کی روحانی ترکیب کو اعتدال حسن میں رہبر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنی مشابہت و موافقت زیادہ بڑھی تھی اسی قدر اسکا درجہ قرب حق تعالیٰ اور محبوبیت میں اونچا چڑھا ہوا تھا اور جسکا حسن سیرت اتباع شریعت غراء اور تقلید سنت مصطفویہ میں کمزوری کے باعث گھٹا ہوا تھا اسی قدر درجہ ولایت نیچے پڑا ہوا تھا مگر افسوس کہ مخلوق نے جس طرح طریقت کے معنی سمجھنے میں غلطی کی اور برعکس نہند نام زنگی کافور مخالفت شریعت کا نام درویشی رکھ لیا اسی طرح خلق کا مفہوم سمجھنے میں کوتاہی کی کہ محض مخلوق کے راضی رکھنے کا نام خلق رکھ لیا خواہ حق تعالیٰ راضی رہیں یا ناراض۔ اگر ایسے سہل الحصول مضمون کا نام خلق ہو تو بہتیرے کافر لادین سب فسقہ بھی صاحب خلق بنجائیں بلکہ اہل حق سے بڑھے ہوئے کہ اولیاء اللہ کے ہزارہا دشمن ہوتے ہیں اور یہ لوگ جاہ و مال کی

بدولت ہر کہ دمہ کیساتھ خندہ روئی کے خوگر اور ہنس مکھ بننے کی وجہ سے ہر دلعزیز ہوتے ہیں۔

ناظرین سے نہایت ادب کیساتھ درخواست ہے کہ ولایت کی اس کسوٹی کو اچھی طرح سمجھ میں اور ذہن میں جمالیں کیونکہ یہی حسن باطنی جسکو تہذیب الاخلاق یا اصلاح نفس کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اصل طریقت ہے اور اسی کا حاصل ہو جانا وہ سچی معنوی کرامت ہے جسمیں کفار کی تو ہستی کیا ہے عام اہل اسلام بھی سہیم و شریک اور ساجھی نہیں ہو سکتے اسی کے اکتساب میں خون پسینہ ایک ہوتا اور سالہا سال مجاہدے اور چلہ کشیاں کرنی پڑتی ہیں۔ اسی باطنی ترکیب میں فرق آجانے کا نام روحانی مرض ہے جسکے معالجہ کی نیت سے روحانی حاذق طبیبوں کی تلاش ہوتی اور برسوں انکی کیمیا اثر نظر کے سامنے شفا بخش آستانہ پر حاضر رہنا پڑتا ہے اسی کا حاصل ہونا دشوار اور بظاہر اس درجہ عسیر ہے کہ ہر کہ دمہ حصول کا قصد بھی نہیں کر سکتا۔ اسی کی دشواری طالبین و مخلصین کو مردان خدا کہلواتی اور قاصرین و مقصرین کو نامرد و کم ہمت خطاب دلاتی ہے۔ یہی اعتدال قلب جو حسن سیرت ہے جسنے اس زمانہ پر فتن میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو یکتائے زمانہ بنایا اور نیابت نبوت کا مسند نشین بنا کر قطب الارشاد و مخدوم العالم کہلایا کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عادات میں اتباع کرنا جس کمال علو اور استحکام و استقامت کے ساتھ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات میں نظر آیا اسکی نظیر اس صدی میں ابتک نظر سے نہیں گذری چھوٹی سے چھوٹی سنت کے اقتداء جس رغبت و شوق کیساتھ حضرت مولانا نے پیش قدمی کی اسکی مثال دوسری جگہ سننے میں بھی نہیں آئی آپکو شریعت محمدیہ کیساتھ عشق تھا اگر یوں کہیں کہ آپ اتباع شرع میں فنا اور مغلوب و مستغرق تھے تو شاید نازیبا نہو قدم قدم پر آپکو متابعت پیغمبر ملحوظ تھی آپ کے واسطے اتباع شرع سے زیادہ فرحت بخش دنیا میں کوئی امر نہ تھا بارہا اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص جو شریعت کا تابع ہو اگرچہ اسکے قلب میں نور نہو مگر اس شخص سے بہتر ہے جسکے قلب میں نور معلوم ہوتا ہو مگر وہ خلاف شرع ہو۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے اخلاق و اوصاف کا اگر کوئی شخص سوال کرے کہ کیا تھے تو میرے پاس بجز اسکے کوئی جواب نہیں کہ آپ کا خلق جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا اور آپ کا وصف خاتم النبیین کی سنت پر کمال استقامت اور عاشقانہ فرط محبت کیساتھ آپر جان نثاری

دولدادگی۔ اس اصل کمال اور یکتائے زمانہ حسن خلق کے متعلق دو چار واقعات ہوں تو ذکر کر دئے جائیں آپ کا وجود باجود سرتاپا گویا ظریعت کے سانچہ میں ڈھال دیا گیا تھا جسمیں خلاف شرع ارتکاب کی گویا قابلیت و استعداد ہی نہ رہی تھی ایک روز مجمع کثیر میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے کہ "بھائیو ایک بات کہتا ہوں اور یا اللہ تو خوب جانتا ہے کہ کیوں کہتا ہوں (یعنی فخر مقصود نہیں بلکہ اظہار حق مطلوب ہے) وہ یہ کہ یہ جو میرا طریقہ ہے بعینہ یہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق ہے اسپر ثابت قدم رہنا اور اسکو ہاتھ سے نہ دینا"۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے جملہ حرکات و سکنات خورد و نوش مسکن و ملبوس نشست و برخاست رفتار و گفتار غرض جملہ اوضاع و اطوار قدرتی اور فطرتی طور پر اس طریق حسن پر واقع ہوئے تھے جسکو متابعت سنت کے لحاظ سے خوب سیرتی اور حسن خلق کہا جاتا ہے مسجد میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں اول رکھنا اور باہر آتے وقت بائیں پاؤں کا پہلے نکالنا سنت کے موافق آپ کا ہمیشہ معمول رہا لیکن دیکھنے والے احیاناً اسپر نگاہ ڈالا کرتے تھے کہ شریعت نے مسجد سے باہر نکلتے وقت بائیں پاؤں کا پہلے نکالنا سنت قرار دیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی جوتہ پہننا اول دائیں پاؤں میں مسنون و مستحب گردانا ہے پس دیکھیں حضرت مولانا ان دونوں بظاہر متضادین میں کیونکر تطبیق دیتے ہیں سو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ آپ جب مسجد سے باہر قدم رکھتے تو بایاں پاؤں باہر لاتے اور کھڑاؤں پر رکھ لیتے تھے اسکے بعد داہنا پاؤں مسجد سے باہر لاکر اول اس میں کھڑاؤں پہنتے اور پھر بائیں پاؤں میں جو کھڑاؤں پر اول قدم رکھ لیا گیا تھا کھونٹی ڈالتے اور کھڑاؤں پہنکر چلتے تھے اور چلنے میں بھی داہنے سے ابتدا فرمایا کرتے تھے اس معمول میں غالباً مدت العمر تخالف نہیں ہوا اور کسی وقت بھی اسکے خلاف کسی شخص سے سننے میں نہیں آیا بھلا جس مقدس ذات کی عادات میں متابعت شرع اور مداومت مستحبات کا یہ حال ہو اسکی عبادات میں اتباع سنت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ کے متوسلین کی جماعت کثیرہ میں غالباً ایک متنفس بھی ایسا نہوگا جس نے اتباع سنت میں آپکی اسدرجہ پختگی اور مواظبت کو بنگاہ حیرت نہ دیکھا ہو آپکی خدمت میں حاضر ہونے والے صرف وہی لوگ نہ تھے جنکو آپ کیساتھ حسن عقیدت ہو چکی تھی بلکہ ایسے حضرات بھی تشریف لاتے

تھے جنکو کمال اتباع شرع کا شبہ سنکر جانچ کرنے اور امتحان لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور ایسے اصحاب بھی حاضر آستانہ ہوتے تھے جو بدعقیدگی لیکر آتے تھے مگر یہی اصل کمال یعنی سنت کے اتباع کی مثل عادت مواظبت انکی ہدایت کا سبب بنتی اور دفعۃً ان کے اندرونی خیال کو پلٹ دیا کرتی تھی چنانچہ داروغہ اسد علی صاحب جو اسوقت پشاور میں انسپکٹر پولیس ہیں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے پیر کی تلاش میں شاید ہندوستان کا کوئی صوبہ نہیں چھوڑا جسوقت یہ طلب میرے دل میں پیدا ہوئی تو میں نے رخصت لی اور بنگال سے لیکر مدراس و دکن تک اور ادھر پنجاب و سرحد افغانستان سے لیکر بمبئی و ممالک متوسط تک گشت لگایا اس دوران میں بیسیوں درویشوں سے ملاقات ہوئی مگر جو بات میں دیکھنی چاہتا تھا وہ کہیں نظر نہ آئی یعنی "کمال اتباع سنت" آخر مایوس ہوکر لوٹا کیونکہ میرے ایام رخصت قریب الختم ہو چکے تھے واپسی میں مظفر نگر پہونچکر اتفاقیہ حضرت مولانا کا تذکرہ ریل کے ایک مسافر کی زبانی میرے کان میں پڑا اور میں معمولی طور پر یہ سوچکر کہ آؤ گنگوہ بھی دیکھتا چلوں کیا اندازہ ہے حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوا پہلی ہی حاضری میں میرا غنچہ دل کھلا اور یاس امید سے بدلتی چلی کیونکہ جس کمال کو میں دیکھنا چاہتا تھا ہر ہر وضع اور عادت میں امید سے زیادہ مجھکو نظر آتا تھا چنانچہ چند گھنٹہ میں میرے طویل سفر کا مقصود گوہر شہوار میرے ہاتھ آگیا اور میں نے بیعت کی درخواست کی خدا کا شکر ہے کہ میرا سوال رد نہوا اور آج تک جو کچھ اسکا اثر ہے وہ قابل اظہار نہیں سچ ہے ع بن مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک۔

جس زمانہ میں تعلیم دین کا صدر دروازہ آپنے کھول رکھا اور تدریس و دورہ حدیث کا سلسلہ جاری فرما رکھا تھا اس زمانہ میں فن شریعت کے ماہرین علماء و طلبہ کا جم غفیر آپکی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس مقدس جماعت میں بہتیرے طالب علم جو کچھ سبق پڑھتے اسکو عملی حالت میں حضرت امام ربانی پر چسپاں کرتے اور موافقت و مطابقت کی جانچ کیا کرتے تھے۔ آج آپکے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے جنمیں بیسیوں کو کئی کئی سال رات دن آپکی خدمت میں حاضر رہنے کا اتفاق ہوا ہے آپ کے قوائے نفسانیہ کا اعتدال جتنا اس جماعت کو معلوم ہوسکتا ہے شاید دوسرا معلوم نہیں ہوسکتا کیونکہ قلب کے اندر ودیعت رکھی ہوئی قوتوں کے امتحان اور آزمایش کے بیسیوں اوقات ان کے سامنے پیش آئے لیکن الحمد للہ اس گروہ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں نکل سکتا جو

حسن خلق اور اعتدال قلب یا اتباع سنت اور موافقت شریعت میں آپکی کچھ بھی کمزوری بیان کرسکے یہ نووارد جماعت طلبہ ساری آپ کی معتقد اور مرید نہ تھی کہ حسن عقیدت کی بنا پر آپکی تعریف و توصیف کرے آخر ان لوگوں نے کچھ دیکھا ہی تھا کہ اکثر حصہ اس گروہ کا فارغ التحصیل ہونیکے بعد آپکا متوسل خادم اور منتسب مرید بنا اور جس نے بیعت نہ کی وہ بھی معتقد اور عمر بھر کیلئے مداح بلکہ یکتائی و فردیت کا معترف بنکر وطن کو گیا۔ مولوی علی رضا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "مجھے طالبعلمی کے زمانہ میں پانچ سال متواتر حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے کا اتفاق ہوا اور اسکے بعد ایک زمانہ تک وقتاً فوقتاً حاضر ہوتا رہا چونکہ بندہ کو شیخ کی طلب تھی اور اسکے ساتھ ہی ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا جو مقصود بیعت ہے مجھے گوارا نہ تھا اسلئے حضرت امام ربانی کے حرکات و سکنات پر میری بہت نظر رہتی تھی خدا شاہد ہے کہ سالہا سال میں نے حضرت کے افعال و عادات اور اخلاق و معاملات پر امتحان کی نظر ڈالی خدا علیم ہے کہ میں نے حضرت امام ربانی کا ایک فعل بھی خلاف سنت نہیں پایا میں نے دیکھا کہ آپ حتی المقدور مستحبات اور جانب اولی کو بھی ترک نہیں فرماتے تھے اور مباح سے آگے بڑھنا تو آپ جانتے ہی نہ تھے آپ کے اخلاق و اوصاف کی توصیف کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر ہے اگر ہمہ تن زبان بنجاؤں تب بھی اس ستودہ صفات ذات کے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتا آپکو جناب باری نے اخلاق نبوی سے وہ حظ وافر عطا فرمایا تھا جسکی نظیر میں نے نہیں دیکھی زمانہ طالبعلمی میں مجھے بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ آپ طلبہ کی غصہ دلانیوالی حرکتوں پر بھی صبر فرماتے اور ٹالدیتے ہیں۔ بسا اوقات بعض طلبہ سے ایسی ناشائستہ حرکات صادر ہوئیں جو حضرت کے خلاف مزاج ہوتی تھیں اور جنکو دوسرے مولوی کسی طرح ضبط نہ کرسکتے تھے حضرت امام ربانی کو اکثر ان حرکات کی اطلاع ہوجاتی تھی مگر درس کے وقت آپکی توجہ سارے طلبہ پر مساوی رہتی تھی گستاخ طلبہ سے بھی مطلق کشیدگی یا بے توجہی کا برتاؤ نہیں فرماتے تھے آخر اسکا اثر یہ ہوتا تھا کہ وہ طلبہ خود نادم ہوکر سنبھل جاتے اور حرکات نازیبا سے تائب ہوکر نیکو کار بنجاتے تھے۔ میں نے اس طویل قیام میں ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی شاگرد یا خادم پر کبھی خفا ہوئے ہوں اور اسکو جھڑکا یا برا بھلا کہا ہو مخالفوں کا عناد اس وقت میں بھی اس حد تک پہونچا ہوا تھا کہ حضرت مولانا اور دیگر بزرگان دین کی شان میں نہایت کریہ اور گستاخ الفاظ لکھکر بذریعہ ڈاک حضرت کے پاس بھیجا کرتے

تھے وہ الفاظ کبھی حضرت خود پڑھتے اور کبھی دوسروں کی وساطت سے آپ کے گوش گذار ہوتے تھے مگر بخدا میرے کانوں نے ایسے شخص کی نسبت بھی آپکی زبان سے کوئی لفظ نہیں سنا اور لفظ سننا کیا معنی میں دیکھا کرتا تھا کہ رنج یا غصہ کا کوئی اثر آپ کے چہرہ پر بھی محسوس نہوتا تھا زیادہ سے زیادہ آپ کا جواب یہ ہوتا تھا کہ "خدا ہدایت کرے" اور بعض مرتبہ تو تبسم فرماتے اور مسکرا کر منہ پھیر لیا کرتے تھے۔ اس درجہ عالی ظرفی میں نے دوسری جگہ نہیں دیکھی آخر جب میں امتحان ختم کر چکا اور ادھر میری تحصیل بھی تمام ہولی تو میں نے بیعت کی درخواست کی جسوقت میں نے بیعت کیلئے عرض کیا تو حضرت نے کچھ نرالے انداز کیساتھ یہ الفاظ فرمائے کہ "بھائی کیا پھر ملو گے؟ بالکل ہی انقطاع کئے جاتے ہو" پدرانہ شفقت کے درد بھرے یہ الفاظ برچھی بنکر میرے دل پر لگے اور میں رو دیا ہرچند ضبط کیا مگر نہو سکا حضرت کی مفارقت کا میری نظر کے سامنے نقشہ کھنچ گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہتے رہے اسی حالت میں میں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت انشاء اللہ ہر سال حاضر ہوا کرونگا آپنے فرمایا کہ "اس قید کی ضرورت نہیں مگر ملتے رہنا انشاء اللہ پھر کسی وقت جب تم آؤ گے تو بیعت کرونگا" القصہ دو تین سال کے بعد شرف بیعت سے مشرف ہوا۔

عام اصطلاح میں جسکا نام خلق رکھا گیا ہے وہ بھی حضرت امام ربانی قدس سرہ میں بدرجہ کمال موجود تھا اگر سنت کے موافق اور شریعت مصطفویہ کے مطابق جسمیں افراط و تفریط کا نام نہ تھا آپ اپنے تمام متوسلین کیساتھ عموماً اور اخلاص کے ملنے والوں کیساتھ خصوصاً اسدرجہ ملاطفت و مدارات کا برتاؤ فرماتے تھے کہ ہر شخص یوں سمجھتا تھا جو تعلق محبت کا حضرت کو میرے ساتھ ہے وہ دوسرے کیساتھ نہیں غلبہ نسبت عبدیت و فرط شوق اتباع سنت کے باعث حقوق اللہ اور حقوق العباد میں امتیاز و تفرقہ آپکی معتدل قوت علمیہ کو چونکہ حاصل تھا اسلئے عبادت کے اوقات اور مشغولیت بحق کے اجیان معمولہ میں تو آپ کسی کی بھی پروا نہیں فرماتے تھے کیسا ہی کوئی امیر یا بس بیٹھا ہو یا غریب قریبی رشتہ دار ہو یا اجنبی مسافر میزبان ہو یا مہمان عالم ہو یا عامی سب کو چھوڑ کر حضرت مولانا کھڑے ہو جاتے اور اپنے کام کو پورا فرماتے تھے لیکن اگر عبد و معبود کی رضا کا مقابلہ نہو تھا تو آپ اپنی راحت جسمانی پر ہمیشہ مخلوق کی دلدہی کو ترجیح دیا کرتے تھے گھنٹوں خندہ رو کیساتھ باتیں فرماتے بے تکلف مزاج پرسی کرتے حالات پوچھتے اور لوگوں کے دنیاوی مشاغل افکار

میں رائے دیتے اور تسلی و شفی کے کلمات فرمایا کرتے تھے جس زمانہ میں آپکو اسہال دموی کا مرض شدید لاحق ہوا اور لوگوں کو آپ کی زندگی سے یاس ہوگئی آپ پر ضعف کا اس درجہ غلبہ تھا کہ کروٹ لینی دشوار تھی باہر کے مہمان جو عیادت کیلئے حاضر ہوتے شوق زیارت میں بیتابانہ آپ کے پاس بیٹھتے جاتے تھے بسا اوقات اتنا مجمع ہوگیا کہ تندرست آدمی کا جی گھبرا جائے مگر آپ نے کبھی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ گھنٹوں اس حالت میں گذرتے تھے کہ ڈھٹ کا ڈھٹ آپکو گھیرے ہوئے بیٹھا رہتا تھا دیکھنے والوں کو آپ کی حالت پر ترس آتا اور انکا اٹھانا چاہا جاتا تھا مگر حضرت مولانا جب فرماتے تھے یہی فرماتے تھے کہ "یہاں بیٹھا رہنے دو" آبہہ سہارنپور کے ضلع میں رامپور کے قریب ایک موضع ہے چونکہ علیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کبھی کبھی اس گانوں میں قیام رہا ہے اسلئے حضرت امام ربانی بڑے شوق کیساتھ وہاں تشریف لیجاتے اور ساری بستی کو نگاہ وقعت و احترام سے دیکھا کرتے تھے۔ اس گانوں کے باشندوں کو بھی حضرت کے ساتھ اسدرجہ انس تھا کہ عام و خاص مرد و زن مسلمان بلکہ ہندو تک گویا آپکے عاشق تھے مولوی نظر محمد صاحب جو اس قصبہ کے باشندے اور حضرت کے بچپن سے مخلص خادم ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رامپور تشریف لائے اور ہم خدام کی درخواست پر وہاں سے آبہہ تشریف لانے کا وعدہ فرمایا چنانچہ آپکے لئے سواری بھیجدی گئی میں علی الصباح اٹھکر جو مکان سے باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک بڑھیا چماری راستہ میں جھاڑو دے رہی ہے میں نے اس سے پوچھا کہ آج کیا بات ہے اسنے جواب دیا کیا تمہیں معلوم نہیں آج مولوی صاحب آتے ہیں" آگے چلا تو دیکھتا ہوں چار طرف حضرت کی تشریف آوری کا شور مچ رہا ہے اور اہل دیہ عید سے زیادہ خوشی منا رہے ہیں۔ ہندو اور مسلمان بلکہ چھوٹے چھوٹے بچے تک گانوں سے نکل نکلکر رامپور کی ٹیبا پر چل کھڑے ہوئے ظہر کے بعد حضرت گانوں میں تشریف لائے اور ایک شب قیام فرمایا۔ گھروں کی مستورات کا یہ حال تھا کہ حضرت کی زیارت کو تڑپتی تھیں صبح ہوتے ہی بیسیوں درخواستیں آئیں اور پردہ نشین عورتیں حضرت امام ربانی کو اپنے اپنے گھروں پر بلاکر سلسلہ بیعت میں داخل ہوئیں اس روز پھرتے پھرتے حضرت کی کمر میں درد ہوگیا مگر حضرت نے کسی ایک سے بھی یہ نفرمایا کہ مجھے چلنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ دیہاتی عورتوں کی یہ حالت

تھی کہ حضرت کے قدموں سے جدا ہونا انکو شاق تھا اسلئے بہتیرے گھروں سے دو دو اور تین تین بار بلاوا آیا مجھے ناگوار بھی گذرا کہ بلاوجہ حضرت کو تکلیف دیجاتی ہے مگر حضرت مولانا جتنی دفعہ بھی بلائے گئے اتنی ہی دفعہ تشریف لیگئے آخر میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمایا کہ دہلی میں شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں ایک مڑہیا کسی کام کو آئی تھی شاہ صاحب نے اسکو جواب دیدیا کہ اسوقت موقع نہیں ہے بیچاری مڑہیا نے سانس بھر کر کہا کہ یا اللہ تجھ تک تو میری رسائی نہیں اور جنکی تیرے در تک رسائی ہے وہ میری طرف توجہ نہیں کرتے اب میں کروں تو کیا کروں؟ مڑہیا کا اتنا کہنا تھا اور شاہ صاحب کی حالت کا بدلنا غالباً یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ نعمت ملی تھی سب چھن گئی آخر کار کئی دن تک شاہ صاحب روتے رہے اور مڑہیا کو تلاش کر کے قصور معاف کرایا اسکی درخواست کو پورا کیا تب وہ نعمت پھر عطا ہوئی۔ بھائی نظر محمد خاں مجھے بہت ڈر لگتا ہے میں تو جتنی دفعہ بھی بلایا جاؤنگا حاضری دوں ہی گا۔"

کمال اتباع سنت ہی کا ثمرہ تھا کہ آپ کے نزدیک اہل وطن دوسروں سے اس خاص محبت میں ممتاز تھے بمقتضائے حُبّ الوطن من الایمان آپکو گنگوہ کے بچہ بچہ کے ساتھ ایک اُنس خاص تھا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی فرماتے ہیں کہ میں جب حسب عادت اپنی جائے ملازمت یعنی گوالیار سے ہر سال دو ماہ کی رخصت لیکر وطن آتا تھا اگر فوراً حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا تو بہتر ورنہ بشرہ مبارک پر ملال کا اثر محسوس پاتا تھا جو غایت شفقت کا ثمرہ تھا اسی طرح حضرت کا منشا یوں معلوم ہوتا تھا کہ جب گوالیار جاؤں تو عین روانہ ہوتے وقت ملکر جاؤں ایکمرتبہ میں نے اپنی آنیکی اطلاع حضرت کو نہ دی معمولی طور پر ایک عزیز کو لکھدیا کہ "حضرت سے بھی اطلاع کردیں" میں عنقریب حاضر ہونیوالا ہوں اتفاق سے اُنکو یاد نہ رہا کہ حضرت کو اطلاع دیں جب بندہ حاضر خدمت ہوا تو جواب سلام کے بعد پہلا فقرہ یہ تھا کہ "کیوں ہمیں اطلاع بھی نہیں" میں نے عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص کی وساطت سے اطلاع کرچکا تھا آپنے فرمایا کہ اُنھوں نے مجھسے نہیں کہا۔

کوئی شخص گوالیار جاتا تو آپ مولوی اسمٰعیل صاحب کا پتہ بتاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اُن سے ضرور ملنا اور میرا اسلام کہنا وہ میرے عزیز ہیں چنانچہ بہتیرے آدمی مولوی اسمٰعیل صاحب سے ملنے آئے اور کہتے تھے کہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں ملنے آئے ہیں ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بتقریب رخصت

آئے ہوئے تھے جب دو ماہ قریب ختم ہوئے تو معمول کے موافق انہوں نے عرض کیا کہ حضرت پرسوں جاؤنگا آپ نے فرمایا اچھا اور مولوی محمد یحییٰ کی طرف مخاطب ہو کر بولے "میاں مولوی یحییٰ دو ماہ گندرتے ہوئے کچھ دیر نہ لگی مولوی اسمٰعیل جانتے ہیں"۔

صغیر سن بچوں کیساتھ آپ بہت محبت فرماتے تھے ایک دن مولوی محمود احمد مرحوم کی بادگار سعید احمد سلمہٗ جنکی عمر اسوقت آٹھ سال کی تھی آپکے پاس آئے اور گلے میں بانہیں ڈالکر کوئی چیز اصرار کیساتھ مانگنے لگے اتفاق سے صاحبزادہ حضرت حکیم صاحب مدظلہ تشریف لیے آئے اور میاں سعید کو تیز نظر کیساتھ دیکھکر کہا کہ "حضرت یہ تو بہت گستاخ ہوتا جاتا ہے" حضرت امام ربانی مسکرائے اور یہ مصرعہ پڑھا ؎ برگ گل را شاخ گل ہم فرق خود جا میدہد ؛

آپکے نواسہ ماشاء اللہ یعقوب صاحب کی صاحبزادی رقیہ جسکی عمر تین چار سال کی تھی جسوقت آپکے پاس آتی تو آپ اسکو نہایت محبت کیساتھ اٹھا کر چارپائی پر بٹھا لیتے تھے رقیہ کبھی آپکی کوہنی لیتی اور کبھی آپکی داڑھی تو کبھی آپکا دست مبارک کبھی اپنے پاؤں کے جھانور پر رکھتی اور کہتی تھی دیکھو ابا ہمنے یہ پہنا حضرت امام ربانی کو بچی کی ہر ادا بھاتی اور آپ اسکی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے کبھی کہتی کہ ابا تم مجھے بیٹی بناؤ آپ فرماتے ہاں تو تو میری بیٹی ہے ہی کبھی کہتی کہ ہمیں چیز دو آپ مولوی محمد یحییٰ صاحب کو آواز دیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی کچھ ہو تو رقیہ کو دو غرض جبتک پاس رہتی لاڈ اور پیار کی باتیں کرتی اور حضرت امام ربانی نہایت ہی مہربانی اور لطف کیساتھ رقیہ کا دل بہلایا کرتے تھے اسوقت دیکھنے والوں کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حسنین رضی اللہ عنہما کیساتھ محبت کا برتاؤ یاد آتا اور خیر القرون میں سرداران کی شفقت و رافت کا نقشہ نظر کے سامنے پھر جاتا تھا۔

حضرت امام ربانی کو گوارا نہ تھا کہ بچوں کیساتھ ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا جائے اگر کسی صغیر سن بچہ کے پٹنے یا کراہنے کی آواز آپکے کان میں پڑتی تو آپ بیچین ہو جاتے اور کبھی باپ کے اپنے لڑکے کو زیادہ مارنے کی شکایت آپ سنتے تو آپکو صدمہ ہوتا اور مناسب الفاظ میں باپ کو نصیحت فرمایا کرتے تھے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی نے اپنے لڑکے محمد جلیل کو ایکمرتبہ مارا انکی پھوپھی نے حضرت سے جاشکایت کی اگلے دن جو مولوی اسمٰعیل صاحب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا

مولوی اسمٰعیل ادہر آؤ مولوی اسمٰعیل صاحب ہنسنے لگے کیونکہ سمجھ گئے تھے کہ کل لڑکے کے مارنے کی چغلی کھائی گئی ہے حضرت نے فرمایا کہ ہنسنے کیا ہوا ادہر آؤ اور مولوی یحییٰ تم بھی آؤ (مولوی یحییٰ صاحب بھی اپنے صاحبزادہ محمد زکریا کو بہت مارتے تھے) اسکے بعد چارپائی پر بیٹھکر فرمایا مولوی یحییٰ میں تمسے مسئلہ پوچھتا ہوں کہ لڑکے کو کسقدر مارنا چاہیئے؟ نصیحت کیلئے اتنا ہی کافی تھا اب مولوی یحییٰ صاحب جواب دیں تو کیا دیں حضرت نے کئی مرتبہ اس فقرہ کو دوہرایا آخر فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل تم عہد کرو کہ جلیل کے مارنے میں سختی نہ کرونگا اگر عہد نہیں کرتے تو میں جلیل کو گوالیار نہ جانے دونگا میں اسکو خود پڑھاؤنگا کیونکہ یہ میرا دوہرا عزیز ہے اوّل تمہاری وجہ سے کہ تم میرے عزیز ہو اور دوسرے بھائی عبد المجید کا نواسہ ہے، آخر مولوی اسمٰعیل صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت انشاء اللہ اب ایسا نہوگا۔ صاحبزادہ حکیم مولانا مسعود احمد صاحب بھی اُسوقت حاضر تھے کہنے لگے کہ حضرت میں بھی تو سعید کو مارتا ہوں آپنے فرمایا تمہارا مارنا بھی سعید کو مجھے معلوم ہے لڑکے کو اسقدر مارنا نچاہیئے ایک دو طمانچہ مارنیکا مضائقہ نہیں" اس عجیب نرم انداز پر حضرت امام ربانی نے کئی متعلقین کو بالتخصیص اور عام متوسلین کو علی العموم نصیحت فرمائی۔

عالم میں ہدایت کا پھیلنا آپکو اسدرجہ مرغوب تھا کہ شاید اس سے زیادہ کسی شئے میں لذت نہ تھی اور مخلوق کی گمراہی و جہالت سے آپکو اسدرجہ صدمہ اور رنج ہوتا تھا کہ اس سے بڑھکر کوئی کلفت آپکے حق میں نہ تھی حق کی اشاعت اور باطل کی اضاعت میں آپ جی توڑ کر کوشش کرتے اور ہمہ تن متوجہ ہوکر پوری سعی کام میں لاتے تھے دین میں جو فتنہ نیا پیدا ہوتا آپ اُس کے انسداد میں اپنی ہمت وقف فرماتے اور جو تدبیر آپسے بن پڑتی اُسکو عمل میں لے آتے تھے مناظرہ اور مباحثہ سے آپ کو طبعاً نفرت تھی مگر بدعات اور معصیت کے پھیلانیوالی تحریر دیکھکر آپ ضبط نہ کرسکتے تھے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے بلکہ سچ پوچھئے تو غصہ اور رنج کے باعث گویا خون اُتر آتا تھا آپکے ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے اور اُسکے جواب میں سنت کا دامن پکڑ کر غایت ضبط کیساتھ کام لیکر جواب تحریر فرماتے تھے پھر اُسکا طبع ہوتا اور کثرت شیوع آپ کو پسند آتا اور جو باہمت شخص اسکا متکفل ہوتا اُس سے آپ خوش ہوتے اور دعا دیا کرتے تھے چنانچہ فتوے ظہر احتیاطی۔ سبیل الرشاد۔ ہدایت المعتدی ہدایت الشیعہ۔ رسائل شرافت آئی قبیل سے ہیں

مردہ سنتوں کے زندہ کرنیکی جو تمنا اور طلب آپکو تھی اُسکی نظیر اس زمانہ میں دکھائی نہیں دیتی مخلوق کی دینی نفع رسانی کے بدلہ میں جو کوفت آپکو اُٹھانی پڑتی اور آپ اُس کے متحمل ہو کر ہر لحظہ ایک جہاد اکبر کا اجر حاصل فرماتے رہے وہ اِس فقرہ سے ظاہر ہے جو ایکمرتبہ آپ کی زبان سے صادر ہوا کہ "طبیعت جی چاہتا ہے کہ سب چھوڑ کر مکہ چلا جاؤں مگر پھر سوچتا ہوں کہ مخلوق کی جہالت اور بڑھیگی اس لئے مجبور ہوں"۔

قوت غضبیہ کے اعتدال کا ثمرہ تھا جسکو کرامت عظمیٰ کہنا چاہیئے کہ مخالفین کے جن فتووں میں آپ کی جانب کفر و زندقہ نسبت کیا گیا اور جن تحریروں یا تقریروں میں نہایت ناخانہ کلمات آپ کی شان میں لکھے گئے اُن پر آپ مسکرائے اور رد و گرد انی فرمائی مگر انوار ساطعہ کی دل آویز تحریر کو آپ ضبط نہ کر سکے اور براہین حسامی ضخیم کتاب جسکے لفظ لفظ سے غصہ و رنج ٹپک رہا ہے چند ہفتوں میں آپ کے حکم سے لکھی گئی اور چھپکر اطراف عالم میں شائع ہو گئی غصہ پر یہ خود اختیاری حکومت کہ بحکم شرع جہاں غصہ کرنا فرض ہے وہاں غصہ لاسکے اور جہاں کظم و ضبط مستحب ہے وہاں اشتعال طبع کا نام بھی نہ آئے وہ خاص مردانگی ہے جسکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ ظاہر فرمایا ہے کہ "وہ شخص پہلوان نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو نفس کو پسپا کرے" کہ غصہ کو جب چاہے ضبط کرے اور مغلوب بنائے اور جب چاہے غالب و ظاہر کرے۔

غلط مسئلہ کا رواج حضرت امام ربانی کو نہایت گراں گزرتا تھا اور دین کے بارے میں موقع اور محل پر تشدد کرنا آپ کو غایت درجہ پسندیدہ تھا اپنے متوسلین پر چونکہ کسی درجہ کا زور تھا اسلئے اگر کسی کی غلطی پر مطلع ہوتے تو فوراً متنبہ فرماتے اور ایسی شفقت بھری سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے کہ اُسکو پھر کبھی جرأت نہ ہوتی تھی ایکمرتبہ پیرجی محمد حسن نے جو حضرت کے خادم تھے اور ایک گانوں کی مسجد میں پڑھتے تھے گانوں والوں سے یہ روایت بیان کردی کہ "جمعرات کو ارواح موتی چھٹی پاتی ہیں کہ اپنے اپنے گھر جاکر سبکو دیکھ بھال آویں" گانوں والوں نے حضرت مولانا سے اِس روایت کی تصدیق چاہی آپنے فرمایا کہ یہ مسئلہ کون کہتا ہے اُنھوں نے کہا کہ پیرجی جو آپ کے پاس بیٹھے ہیں حضرت نے پیرجی سے پوچھا کہ تمنے یہ مسئلہ کہاں سے کہا پیرجی نے عرض کیا کہ حضرت مقاصد الصالحین میں لکھا ہے حضرت نے بہت ناخوشی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ

از مولوی محمد اسمٰعیل گنگوہی

ایسی کتابیں غلط ہیں کبھی کوئی بات ایسی مت کہو جو معتبر ذریعہ سے نہ ملی ہو"۔

اسی طرح ایکدفعہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی کو اپنے گھر کے پاس لال مسجد میں نماز پڑھانیکا اتفاق ہوا تو عادت کے موافق یہ محراب صحن سے باہر قدم نکالکر کھڑے ہوئے لوگوں نے کہا کہ حافظ علی حسن امام مسجد نے تو باہر کی محراب میں کھڑا ہونا جائز کر رکھا ہے حضرت مولانا کے ایک خادم نے بھی کہا کہ ہاں حضرت نے بھی جواز کا فتویٰ دیدیا ہے مولوی اسمٰعیل صاحب کو یقین نہ آیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تصدیق چاہی حضرت مولانا کو غصہ آگیا اور فوراً قائل کو بلاکر دھمکایا کہ میں نے کب یہ فتویٰ دیا ہے میری زندگی ہی میں مجھپر یہ بہتان باندھتے ہو" دو چار دن کے بعد حافظ جی آئے تو حضرت مولانا اس مسئلہ کو بھولے نہیں بلکہ حافظ جی سے بیٹھتے ہی یہ سوال کیا کہ کیوں جی تمنے صلوٰۃ فی المحراب کا فتویٰ کہاں سے دیا حافظ جی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں اور فلاں کی کتاب میں لکھا ہے آپ نے ترشروئی کیساتھ اُن کو جواب دیا اور فرمایا کہ بس اپنی کتاب کو رہنے دو امام کو محراب کے اندر کھڑے ہوکر نماز پڑھانا خواہ محراب اگلی ہو یا پچھلی بہرحال مکروہ ہے۔

اپنے لوگوں کے ساتھ حضرت امام ربانی کا برتاؤ نہایت اتحاد اور یگانگت کا تھا سب کو مثل اولاد اور بھائی کے سمجھتے تھے جس طرح اولاد کا گھر میں آنا چونکہ کوئی عجیب اور نئی بات نہیں اسلئے بچوں کی آمد و رفت پر التفات بھی نہیں ہوتا باپ پوچھتا بھی نہیں کہ کب آئے اور کیوں چلے اسی طرح آپکی خدمت میں بھی جو خدام حاضر ہوتے وہ آنے یا رخصت ہونے میں اجنبیانہ تکلفات اور آداب کے ساتھ نہ پوچھے جاتے تھے یہانتک کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوتا تھا کہ حضرت نے توجہ نہیں فرمائی مگر اسکے ساتھ ہی یہ ضرور تھا کہ جس مقصود کیلئے آنا ہوتا تھا اسکو پورا کرنیکی جانب حضرت کی قلبی توجہ پوری طرح متوجہ ہوتی تھی آپ اپنے لوگوں کے اصلاح حال کا حاضر و غائب ہر وقت فکر رکھتے اور ہمیشہ باطنی ہمت اور شب کے آخری حصہ میں بالخصوص دعا کیساتھ امداد فرمایا کرتے تھے اگر کسی بات پر آپکو وہم ہوتا کہ یہ بات شاید نوواردکو ناگوار گذرے اور بدگمانی پیدا ہو اور فساد قلب کا سبب بنے تو فوراً اصل وجہ بصورت معذرت ظاہر فرماکر خدام کو اپنا والا و شیدا بنالیا کرتے تھے مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی ایکمرتبہ مہمانوں کا کھانا لانے کو دولتخانہ پر گئے تو راستہ میں حضرت کو آتے ہوئے پایا فوراً آپنے ارشاد فرمایا کہ بھائی ایک دو مہمانوں کا کھانا تو میں خود بھی لے آیا کرتا تھا لیکن جب سے

اندھا ہو گیا ہوں ایک ہاتھ میں لکڑی رہتی ہے دوسری سے ٹٹول کر چلتا ہوں اسلئے معذور ہو گیا۔"

ایکدن طبیب اُمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ حاضر خدمت ہوئے اور پیروں کی جانب بیٹھ گئے حضرت امام ربانی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ بھائی میری ٹنگڑیوں میں درد رہتا ہے اسلئے بیٹھ نہیں سکتا تم بُرا نہ ماننا۔

جس درجہ بے تکلف سادگی اور منکسرانہ معمولی الفاظ کا استعمال کرنا حضرت امام ربانی کی عادت میں داخل تھا اُسکی کیفیت کوئی کیا بیان کرے گفتگو میں ہم کے لفظ سے خاصکر اپنی ذات کو تعبیر فرمانا شاید ہی ہے کہ کہیں آپ کی زبان سے ظاہر ہوا ہو اسی طرح دوسروں کو آپ نے حضور کے ساتھ مخاطب کرنا بھی غالباً آپ سے کہیں صادر نہیں ہوا اس قسم کے الفاظ کو آپ تکلف سمجھتے تھے اور انا من المتکلفین کے آپ تابع فرمان تھے ہاں اکابر دین کے تذکروں اور مشائخ و علماء کے حالات میں بیان کرتے وقت حضرت اور جناب کا استعمال آپکی عادت میں داخل تھا۔

تکلف

آپکی بے تکلفی اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ مسایل میں بھی جس مسئلہ کا جواب آپکو معلوم نہوتا تھا بے لاادری ظاہر فرمادیتے اور نہ جاننے کا اعتراف فرمالیا کرتے تھے حضرت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس میں نے چند سوالات لکھے ہوئے دیکھے جنکے جوابات حضرت مولانا نے تحریر فرماکر اُن کے پاس بھیجدیئے تھے اُسی پرچہ میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ بچوں کو نزع کی تکلیف زیادہ کیوں ہوتی ہے؟ اسکا جواب حضرت نے صرف یہ لکھا تھا کہ "مجھے تحقیق نہیں"۔

دنیاوی حوادث و صدمات پر صبر کرنے میں آپ کوہ استقلال تھے مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ تھوڑے عرصہ کے اندر حضرت مولانا کو خاص کنبہ کی پانچ موتوں کے پے در پے صدمے واقع ہوئے یعنی اوّل آپکے نواسہ حافظ محمد اسحٰق نے انتقال کیا پھر نورِ نظر مولوی محمود احمد چل بسے ان کے بعد آپکی اہلیہ نے مفارقت اختیار کی چوتھے نمبر پر محمود احمد مرحوم کی اہلیہ شیر خوار بچہ چھوڑ کر راہی دار البقا ہوئیں اور پھر حکیم مسعود احمد صاحب کی صاحبزادی نے دادا کیساتھ تمام دنیا کو الوداع کہا مجھے بارہا خلوت و جلوت میں حضرت کے پاس حاضر ہونیکا برسوں اتفاق ہوا مگر میں نے ان موتوں کا حضرت کی زبان سے ایکمرتبہ بھی ذکر نہیں سنا بندہ اکثر متصدد امیدوار رہا کہ جہاں اور ذکر مذکور ہوتے ہیں کبھی ان حوادث و واقعات جانکاہ کا بھی ذکر آوے مگر توبہ توبہ کبھی ایک حرف بھی

نہیں سننے میں آیا ہاں عمر بھر میں صرف ایکمرتبہ یہ قصہ پیش آیا کہ آپنے غسل کے بعد جب حجرہ میں تشریف لائے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب سے کورتہ طلب فرمایا اتفاق سے مولوی یحییٰ صاحب نے وہ کورتہ نکال دیا جو حضرت کی منشا کے خلاف تھا آپنے فرمایا مولوی یحییٰ تمھاری عقل کو تو ہیضہ ہو گیا یہ کورتہ نہیں دوسرا نکالو اتنی گفتگو کے بعد مولوی محمد یحییٰ صاحب تو کورتہ دوسرا دیکر وضو کیلئے باہر چلے گئے فقط میں حجرہ میں رہ گیا تب حضرت نے فرمایا بھائی میں نے مولوی یحییٰ سے ویسے ہی کہدیا ورنہ ہمارے گروہ میں مولوی یحییٰ کو سب لوگ عقلمند مانتے ہوئے ہیں میں نے عرض کیا "حضرت بجا ہے واقعی مولوی محمد یحییٰ صاحب عقلمند شخص ہیں" اسوقت حضرت مولانا نے اتنا ارشاد فرمایا کہ "مزاج دانی تو مسعود احمد کی ماں ہی کو تھی" اس دن کے اس فقرہ کے علاوہ میرے کانوں نے مرحومین کا کوئی تذکرہ آپ سے نہیں سنا۔

مرحومین کے ذکر مذکور نہونیکا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپکو ان حوادث کا صدمہ نہیں ہوا صدمہ کا کیا ٹھکانہ ہے جسپر گذرتی ہے وہی جانتا ہے اولاد کا مرنا تو ایسی چیز ہے کہ حیوان لایعقل بھی صدمہ محسوس ہوتا ہے اور انسان تو صاحب عقل مخلوق ہے متعلقین کی دنیاوی مفارقت پر حزن و غم لازمہ بشریت ہے جسکے ہاتھ سے انبیاء علیہم السلام مجبور ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیم کے انتقال پر آنکھوں سے آنسو بہا رہے اور روکر یوں فرماتے تھے انا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون کہ اے ابراہیم تیری مفارقت نے ہمیں غمگین بنا دیا" اور بات بھی یہی ہے کہ بی بی بچے خدا کی دی ہوئی نعمتیں ہیں انکی علیحدگی پر غم نہ کرنا قساوت قلبی اور سخت دلی ہے خدا کی نعمتوں سے بندہ کسی وقت بھی مستغنی اور بے نیاز نہیں بنسکتا چنانچہ ایک موقع پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی زبان سے یہ الفاظ بھی صادر ہوئے کہ محمود احمد نے میری کمر توڑ دی" مولوی فتح محمد صاحب حضرت کے خادم ہیں محمود احمد مرحوم کے انتقال کی انکو اطلاع نہوئی عادت کے موافق خطوں میں ہمیشہ محمود احمد کو سلام لکھتے رہے آخر دو سال کے بعد امام ربانی نے انکے کسی خط کے جواب میں یوں تحریر فرمایا آپ خط میں "حافظ مسعود احمد کو سلام لکھا کریں حافظ محمود مرحوم دو سال ہوئے کہ اس عالم سے چلے گئے مجھ ناکارہ کو پریشان و حیران کر گئے ہیں جب تم اسکو سلام لکھتے ہو مجھکو بیقراری ہو جاتی ہے آئندہ انکا نام مت لکھنا" قلب مومن کی حالت معتدلہ جسکو استقلال کہتے ہیں اس تحریر سے ظاہر ہے کہ کامل

دو سال ضبط بھی فرمایا اور آخر صدمہ کا اظہار بھی فرمایا۔ استقلال ممدوح شریعت میں اسی کا نام ہے کہ قلب پر صدمہ مخروں ضرور ہو مگر انسان از خود رفتہ بلکہ از جا رفتہ نہ بنے کہ مشغولیت بحق اور طاعت و خدمت مولیٰ میں فرق آئے۔

دین کی اشاعت چونکہ آپکو بالطبع مرغوب تھی اسلئے فتاویٰ نویسی اور مسایل کا جواب لکھنے میں کبھی آپ سے کاہلی ظاہر نہیں ہوئی امراض اور صدمات کے زمانہ میں بھی خطوط کے جوابات آپ اسی التزام کیساتھ لکھتے تھے جیسے صحت کے وقت میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ جب ۱۳۳۶ھ ہجری میں والد مرحوم کا انتقال ہوا میں نے کچھ سوالات جائداد ترکہ کے متعلق ایک محاجم کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں بھیجے اور جلدی جواب عطا فرمانیکے لئے عرض کر دیا۔ سوالات بہت سے تھے اور اتفاق سے اُسوقت حضرت کو آشوب چشم کی تکلیف تھی مگر اللہ رے دین کی خدمت کہ اُسی حالت میں سب جواب تحریر فرما دیئے اور اختصار اجوبہ کی وجہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ "آشوب چشم میں مبتلا ہوں چنانچہ چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ شانہ اور اسکے سچے رسول کی محبت کا ثمرہ تھا کہ آپ خدمت دین میں ایسی مشقت گوارا فرماتے تھے بسا اوقات میں میں اور بچپن بچپن خطوط آپکے پاس آتے تھے جنمیں مہتمیرے سوالات ہوتے اور دیگر ضروری امور کا عرض حال کیا جاتا تھا ان سب کے جوابات آپ اپنے قلم سے تحریر فرماتے اور دن کے دن کام پورا کر دیتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمانوں کی کثرت یا دوسری دینی خدمات میں مشغولیت کے سبب آپکو دن میں فرصت نہ ملتی اُس روز آپ عشا کے بعد جوابات خطوط لکھتے اور سونے کے معمولی وقت میں کمی فرماتے مگر ڈاک کی روانگی اگلے دن پر نہ رکھتے تھے۔

دلچسپی اور تسلی جس بلیغ اور سلیس طرز پر حضرت قدس سرہٗ میں دیکھی گئی بہت کم اسکی نظیر پائی جا سکتی ہے ایکبار ایک شخص نے اپنا خواب آپ سے بیان کیا کہ گویا آپکی وفات ہو گئی ہے"۔ اس خواب نے اُس شخص کو بہت پریشان کر رکھا تھا آپنے بیساختہ جواب دیا کہ "بھائی تمہارے سامنے زندہ تو بیٹھا ہوں اور آخر کبھی تو مروں ہی گا مگر کیا ضرور ہے کہ خواب کیساتھ ساتھ تعبیر بھی واقع ہو جاوے"

حق پرستی کی یہ شان تھی کہ اگر کسی مسئلہ میں بمقتضائے بشریت خطا واقع ہوئی تو اطلاع پاتے ہی فوراً رجوع فرماتے اور غلطی کا بالتصریح اقرار فرما لیا کرتے تھے ایک بار میرٹھ سے حضرت کی خدمت میں

Digitized by Dr. Mufti Muhammad Waqar Uddin Khan Collection

استفتا گیا واقعہ یہ تھا کہ حافظ محمد امیر نے رمضان کے عشرہ آخرہ میں بحالت اعتکاف یہاں بھوپور سے خزانچی کو بلوانے کے لئے کچھ زیور دیا وہ بیچارے مسجد کی الماری میں رکھکر وضو کرنے لگے اور پھر اسکو بھولکر چلدئے حضرت کے یہاں سوال بھیجا گیا آپنے قاعدہ کلیہ سے جواب تحریر فرمادیا کہ بھوپور خزانچی امین ہیں اور کوئی تعدی انھوں نے امانت میں نہیں کی اسلئے ضمان لازم نہ آویگا مولانا اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ اتفاق سے کانپور جانا ہوا میں میرٹھ آیا تو ان صاحبوں نے مجھ سے بھی یہ سوال کیا میں نے کتاب نہونیکا عذر کیا اور صرف سوال کی نقل لیکر کانپور چلا گیا وہاں طحطاوی میں ایک جزئیہ نظر پڑا کہ اگر امین امانت کو رکھکر بھولکر کھڑا ہو جاوے تو یہ نسیان عذر نہیں ہے میں نے اس جزئیہ کے موافق جواب لکھکر بھیجدیا پھر جو ان صاحبوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے ذکر کیا کہ ہمنے وہ جواب حضرت کی خدمت میں ملاحظہ کیلئے بھیجدیا تھا حضرت نے اسکی تصحیح اور جواب سابق سے رجوع کی تصحیح فرمادی۔

آپ اپنے خدام و منتسبین میں اتفاق کو بہت محبوب رکھتے اور کبھی کسی کی شکر رنجی پر مطلع ہوتے تو توافق میں سعی فرمایا کرتے تھے۔ اپنے مخلصین کیساتھ حسن ظن آپکا اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ بعض لوگوں کو اندیشہ ہوتا کہ ہمارا مخالف کوئی بات حضرت کے گوش گذار نہ کردے حالانکہ یہ اندیشہ غلط تھا کیونکہ جس طرح حضرت کے دیگر خصائل حسنہ توسط و اعتدال پر قایم تھے اسی طرح حسن ظن کی صفت محمودہ حد اعتدال پر آپ میں موجود تھی اور آپ کو کسی کی شکایت سننی گوارا ہی نہ تھی اگر کسی شخص سے سنتے تو جھڑک دیتے اور چغلخوری سے منع فرمادیتے تھے جس مضمون کی شکایت ہوتی اسکی تاویل فرماتے اور محمل حسن پر حمل کیا کرتے تھے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں جب فتنہ اٹھا تو کسی شخص نے مولوی عنایت الٰہی صاحب مہتمم کی بھی شکایت کی کہ انھوں نے کتاب تجاویز مدرسہ مخالفین کو دکھادی آپنے فوراً جواب دیا کہ مولوی عنایت الٰہی بہت سیدھے آدمی ہیں ہمیشہ سے ان لوگوں کے محکوم رہے ہیں روزگار کے خوف سے دب گئے اور دبکر ایسا کر بیٹھے ہونگے۔"

انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اسکے تمام متعلقات سے الفت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے سواد قلب میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت راسخ ہو گئی تھی اسلئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ یہاں کی کھجوروں کی گٹھلیاں پیدا کر صندوقچہ میں رکھ لیتے اور کبھی کبھی

سفوف بنا کر پھانکا کرتے تھے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ لوگ حرمین شریفین کی چیزوں زمزمی کے ٹین اور تخم خرما کو یوں ہی پھینک دیتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو ہوا لگی ہے" مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے صندوقچہ میں سے نکالکر مجھے عطا فرمائی کہ لو اسکو پھانک لو ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی اور ایک دفعہ مدینۃ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ لو اسکو کھاؤ میں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے آپ نے فرمایا "میاں وہ مٹی اور ہو گئی"۔

ایثار کی صفت آپ میں اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر کوئی بدن کے کپڑے آپ سے مانگتا تو فوراً اتار کر عطا فرما دیتے تھے مولوی ابوالبرکات صاحب جب وطن کو چلنے لگے تو عرض کیا کہ حضرت کوئی مطلوب خاص عطا فرمائیے آپنے فوراً عمامہ سر سے اتار کر حوالہ کر دیا کہ لو۔ حجاج زیارت حرمین سے فارغ ہو کر آپکی زیارت کو حاضر ہوتے اور تسبیح زمزم مصلی وغیرہ تبرکات نذر گزرانا کرتے تو آپ بڑی خوشی کے ساتھ قبول فرماتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور پھر فوراً ہی مجمع پر تقسیم فرما دیتے تھے بہتیرے خدام آپکی خدمت میں حاضر ہوتے اور تسبیح مانگا کرتے تھے آپ بڑی دریا دلی سے عطا فرماتے اور سائل کی درخواست کے موافق ایک دو بار اُس پر پڑھکر سائل کے حوالہ فرما دیتے تھے اس دریا دلی میں اسکا امتیاز مطلق نہ تھا کہ تسبیح قیمتی ہے یا معمولی ایک دفعہ ایک صاحب آئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تسبیح دیجئے آپنے اسی وقت ایک تسبیح بہت خوبصورت و قیمتی تھی اُنکے حوالہ کی اور فرمایا "پڑھتے رہنا ایسا نہو کہ ویسے ہی رکھی ہوئی سجے"۔

حرمین شریفین سے آئے ہوئے تبرکات کو جب آپ اپنے خدام پر تقسیم فرماتے تو چہرۂ مبارک پر بشاشت اور آواز کے لہجہ میں مسرت و انبساط محسوس ہوتا تھا آپ کا دل چاہتا تھا کہ دوسرے بھی ان اشیا کا احترام کریں ایکمرتبہ مولوی حسین احمد صاحب مہاجر مدنی نے ایک گھڑا بھر کر غسالہ زمزم کا بھیجا جس وقت اور اہتمام کیساتھ گنگوہ پہونچا ہوگا وہ ظاہر ہے آپنے اُسکے پہونچتے ہی اُسکو کھلوایا اور سبیل لگا دی اُس دن جو بھی آیا جواب سلام کے بعد آپکا یہ ارشاد ہوتا تھا "میاں مولوی یحییٰ انکو بھی پانی پلاؤ بندہ بھی خوش نصیبی سے اُس دن جا پہونچا اور تبرک سے فیضیاب ہوا میں دیکھ رہا تھا کہ نو وارد مہمان آتے تھے اور آپکے فرمان کے موافق پانی پیتے جاتے تھے تھوڑی دیر کے بعد آپنے

یہ قصہ نقل فرمایا دہلی میں ایک سقہ مشک لئے پھر رہا اور آواز لگا رہا تھا کہ سبیل ہر سبیل گانوں کا ایک گنوار بھی آنکلا جس نے اول ہی اول دہلی دیکھی تھی تھوڑی دیر تک تو کھڑا سنتا رہا کہ سبیل کیا چیز ہے پھر دوسروں کی دیکھا دیکھی اسنے بھی جا اونکھہ لگائی اتفاق سے پانی میں ایک مینگنی نکلی اسکو چبا کر نگل گیا جب پانی پی چکا تو لگا کہنے کہ غل تو اتنا اور بس سبیل ایک ہیچ" اس قصہ کے بعد آپ نے فرمایا "کوئی کیا جانے کہ یہ پانی کیا چیز ہے"۔

حضرت امام ربانی کا جی چاہتا تھا کہ ہر مسلمان حق تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اسدرجہ محبت لئے ہوئے ہو کہ حرمین کی ہوا لگی ہوئی اشیاء کو جان سے زیادہ عزیز سمجھے مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا نے موم کی بتی کا ذرا سا ٹکڑا مجھے عطا فرمایا اور کہا کہ اسکو نگل جاؤ اور ایکبار غلاف کعبہ کے ریشم کا ایک تار ایثار فرمایا اور کہا کہ اسکو کھالو۔

شعار اسلام کی ترویج آپکو اس درجہ محبوب تھی کہ خلاف سنت سلام پر آپ غصہ کو ضبط نہیں فرما سکتے تھے ایک دفعہ ایک صاحب تشریف لائے حضرت اُسوقت بیت الخلا تشریف لیئے تھے آنیوالے مسافر کچھ ایسے مغرور و جری تھے کہ بیٹھے ہوئے مجمع سے نہ سلام نہ دعا مونڈھا اٹھا کر آگے بڑھا حضرت کی چارپائی کے پاس جا بیٹھے حضرت استنجا سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو دور ہی سے انھوں نے پکارا "جناب آداب" حضرت نے بے ساختہ جواب دیا "کون بے ادب ہیں جنکو شریعت کا ایک ادب بھی نہیں معلوم" ایکمرتبہ ایک صاحب آئے اور بولے "حضرت سلامت" آپ کے چہرہ پر غصہ کا اثر ظاہر ہو گیا اور فرمایا "مسلمانوں والا سلام چاہیئے یہ کون ہے حضرت سلامت والا" اس شخص نے عرض کیا میں کچہری میں رہتا ہوں وہی عادت ہے آپنے ارشاد فرمایا "یہاں تو کوئی کچہری نہیں ہے بھائی میں تو فقیر آدمی ہوں۔

غلبۂ اتباع سنت و حب سلام جو حضرت کے قلب مبارک میں عشق کے درجہ پر پہونچا ہوا تھا وہ ان لوگوں کی نظروں میں جو سنت کی محبت سے عاری اور محبت کے ثمرات سے ناواقف ہیں حضرت امام ربانی کی بدخلقی نظر آتا تھا جس زمین قلب میں محبت کا بیج ہی نہیں پڑا ان کو کوئی کیونکر سمجھائے کہ یہ واقعات خلاصہ اصلاحات قلب ہیں انھوں کے سامنے روئیے اور اپنی آنکھیں کھوئیے "یا اللہ اول دل کی آنکھیں کھولدیجئے اور اپنی محبت دیدیجئے تاکہ محبوب کے قانون کی ذرہ برابر خلاف ورزی پر

جو ناگواری ہوا کرتی ہے اپنے اوپر پیدا ہونے لگے ورنہ دلیل کے دائرہ میں تو بجز مشکوک واہیہ کے کچھ کام چلتا اور مقصود ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔

محبت کاملہ پیدا ہوئے پیچھے ہر وہ ادا جسمیں محبوبیت کا رنگ ہو کیسی ہی چھپی ہوئی ہو ایک بڑا اپھار معلوم ہوتی اور دلکو برچھی و تفنگ سے زیادہ صدمہ پہونچاتی ہے جن عورتوں نے زلیخا کو غلام کی طرف میلان میں اجنبی اور ضعیف التہمۃ خطاب دئے تھے حسن یوسفی کا نظارا کرکے چھری سے اپنے ہاتھ تراش لئے اور ان ھذا الا ملک کریم پکار اٹھیں اسی طرح اہل حق کی جو ادائیں آج نظر میں کھٹکتی ہیں خدا کرے کہ دلکو چاٹ اور محبت کا چسکا لگ جائے اُس وقت پوچھا جائے کہ ایسی خفیف اور معمولی باتوں پر کیوں نظر ہے جنکے ترک سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ حضرت امام ربانی کا سنت مصطفوی سے کیسا تھا عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ آپکو عربی مہینے چھوڑ کر بلا ضرورت انگریزی مہینوں کا استعمال بھی گراں گذرتا تھا مولوی اسمٰعیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کب جاؤگے اُنہوں نے جواب دیا جولائی کی فلاں تاریخ کو حضرت مولانا نے تاسف کیساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ و تاریخ نہیں ہے جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جاوے" یہی وجہ ہے کہ حضرت کی تحریرات میں کہیں انگریزی یا ہندی مہینوں کا نام نہیں اسی طرح منطق و فلسفہ کے ساتھ آپکا تنفر عداوت کے درجہ پر پہونچا ہوا تھا ایک مرتبہ آپنے ارشاد فرمایا کہ میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھیگا وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں اس کے بعد ایک قصہ نقل فرمایا کہ ایک انگریز لندن سے لکھنؤ میں حاکم ہو کر آیا اُسکو معلوم ہوا کہ یہاں مولوی لوگ بہت ہیں اور علم کا بہت چرچا ہے اسنے علماء کو طلب کیا اور ہر ایک سے دریافت کیا کہ تمکو کس کس علم میں دستگاہ ہے؟ ہر ایک نے منطق و فلسفہ کا ذکر کیا وہ سنکر خاموش ہو گیا پھر اتفاق سے وہی انگریز دہلی میں تبدیل ہو کر آیا یہاں بھی علماء کی کثرت اُسکو معلوم ہوئی دہلی کے مولویوں کو بھی اُسنے بلا کر وہی سوال کیا کہ کون سے علم میں دستگاہ ہے یہاں بھی اکثر کی زبانی منطق و فلسفہ ہی کا نام نکلا صرف ایک عالم نے کہا کہ مجھے علم فقہ آتا ہے اسپر وہ انگریز بہت خوش ہوا اور کہا بس تم عالم ہو کیونکہ فلسفہ اور منطق کے عالم تو دنیا کے عالم ہیں اپنے دین کے عالم نہیں یہ علم تو ہم میں بھی ہے بلکہ تمسے زیادہ۔

حضرت امام ربانی بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اس منطق و فلسفہ سے تو انگریزی بہتر کہ اُس سے دنیا کے

نفع کی اُمید تو ہے" یہ سب کچھ محض ثمرہ تھا حب خدا و رسول کا جسنے حضرت مولانا کو سنت کا دلدادہ و جان نثار اور شیدا و عاشق زار بنا رکھا تھا آپکے بال بال اور روئیں روئیں سے بطجائی پیغمبرؐ کی ہر ہر ادا پر شیفتگی ٹپکتی تھی اور آپکا ہر بن مو گویا زبان بنا ہوا تھا جس سے بجز اتباع شریعت کی آواز دوسری صدا نکلتی ہی نہ تھی آپ اس محبت کے جام سے اس درجہ سرشار تھے کہ عضو عضو فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہ اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ پکار رہا تھا آپ کو اس جانفروش عشق میں کچھ ایسی لذت حاصل ہوئی تھی کہ ہر لحظہ ھل من مزید کا سوال تھا آپ نے اپنا مال اپنی اولاد اپنا گھر اپنی راحت اپنا ناموس اپنی عزت یہانتک کہ اپنی جان اسکے ہاتھوں بیع کر دی تھی آپ کی زبان اس سے قبل کہ کوئی کلمہ نکالے سوچ لیتی تھی کہ شرع کے موافق ہے یا مخالف ؟ اور آپکی آنکھیں اس سے پہلے کہ اوپر اٹھیں اور کسی شے پر نظر ڈالیں یہ پوچھ لیتی تھیں کہ پیغمبرؐ اجازت دیتے ہیں یا نہیں ؟ -

خدا بخشے مولوی محمود احمد مرحوم عنفوان شباب میں صحبت بد کے ہاتھوں کچھ آوارہ ہو گئے اور پہلوانی کے فن یعنی کسرت وغیرہ میں مبتلا ہو کر دینی تعلیم اور قید شرع سے کچھ باہر چل نکلے تھے آپ نے یہ حالت دیکھی تو ضبط نہ فرما سکے حق تعالیٰ کی محبت کے مقابلہ پر بیٹے کی محبت چیز ہی کیا ہے جسکی پرواہ کیجائے آپنے گھر سے باہر نکالدیا اور کہلا بھیجا کہ محمود مجھے صورت نہ دکھلائے جب حق تعالیٰ کے فضل و توفیق سے صاحبزادہ کے دلپر دستک دی اور حالت کی اصلاح کا وقت آیا تو حضرت مولانا نے انکو بلا بھیجا اور یوں نصیحت فرمائی "محمود کیا ابھی تیرے سنبھلنے کا وقت نہیں آیا خدا کے بندے اس بدن کے قریب کر نہیں کیا دھرا ہے اسوقت کو یاد کر جب گوہیں کیڑے مکوڑوں کی غذا بنجائیگا سنبھل اور اپنی بدعادتیں چھوڑ" اس مختصر مگر جامع نصیحت کا صاحبزادہ مرحوم پر وہ اثر ہوا کہ گویا کایا پلٹ گئی وہی مولوی محمود احمد مرحوم چند روز کے بعد حافظ عالم ذاکر شاغل بنگئے اور شیخ وقت باپ کے اسرار جلا ڈالے ہوئے کہ بیان سے باہر ہے افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی ورنہ مرحوم آج جس درجہ پر ہوتے ہوتے یا وہ حالت تھی کہ باپ نے باختیار خود گھر سے نکالا اور نظر سے اوجھل کر دیا تھا اور یا یہ حالت ہوئی کہ تفرقہ ڈالنے والی موت کے بعد آپکا دل محمود احمد کو یاد کرتا اور بلبلایا کرتا تھا ایکمرتبہ آپنے یہ الفاظ فرمائے کہ آج کہتا ہوں بارہ برس ہو گئے جب سے محمود مرا ہے مجھے ہنسی نہیں آئی اور ایک خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "۱۶ جمادی الاولیٰ کو میرے فرزند حافظ محمود احمد کا اسہال دموی میں انتقال ہو گیا یہ صدمہ اسقدر جانکاہ ہوا کہ کیا کہوں حق تعالیٰ

اُسکو بخشے ایک فرزند دو ماہ کا اُسنے چھوڑا حق تعالیٰ اُسکی عمر کرے کہ اُس سے ہی دل بہلاؤں"۔

یہ محبت حقیقت میں مولوی محمود احمد کے ساتھ نہ تھی ورنہ صورت سے بیزاری کے وقت محمود احمد بدل نہ گئے تھے یہ محبت تھی اعمال حسنہ اور اتباع سنت کی کہ جب اُسکا وجود مرحوم میں نہ تھا تو بجائے محبت نفرت تھی اور اُسی جسم و جان میں جب اسکا اثر نمودار اور راسخ ہو گیا تو محبت عشق کے درجہ پر پہونچگئی" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کامل نہوگا جب تک کہ میں اُسکے نزدیک مال و اولاد اور جان سے زیادہ عزیز و محبوب نہ بنجاؤں" حضرت امام ربانی کو کمال ایمان کے امتحان اور محبت رسول و محبت اولاد و مال و جان میں مقابلہ کے بہتیرے واقعات پیش آئے مگر الحمد للہ چھوٹا یا بڑا ایک قصہ بھی ایسا نہ ملیگا جسمیں حب الرسول مغلوب ہوئی ہو اور حب المال والولد یا حب النفس غالب رہی ہو سارے واقعات کا احاطہ کرنا نہ میری طاقت میں ہے اور نہ سوانح کا یہ مقصود ہے بمقتضائے تخلقوا باخلاق اللہ یہ ظاہر کرنا تھا کہ سچا خلق جسکا مفہوم کمال اتباع شرع اور انتہا اتباع و موافقت سنت ہے حضرت امام ربانی میں اسدرجہ غالب اور ظاہر تھا جسکی نظیر نظر آنی مشکل ہے خلاصہ یہ ہے کہ آپ شریعت غرا کی متابعت اور سنت بیضاء کی محبت میں ایسے فنا تھے کہ اپنے نفس کی باگ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیدی تھی کہ جدہر آپ چلانا چاہیں اُدہر قدم اُٹھے اور جس جانب سے منع کریں اور روکیں فوراً ہاتھ آجائے اور تھم جائے حق تعالیٰ نے آیت مقدسہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ میں چونکہ اسی اتباع کامل پر محبوبیت کا وعدہ فرمایا ہے اسلئے آپنے اپنے دعوئ محبت خداوندی کو پورا فرمایا اور ایسا پورا فرمایا کہ موتوا قبل ان تموتوا کے مصداق ہو گئے" اپنے اختیارات بالکلیہ سلب فرمادئے اور اپنی عزیز جان کو نہایت شوق اور محبت کیساتھ آستانہ محمدیہ پر قربان کرنے کے نام پر نچھاور اور نثار کردیا آپکی روح اور آپکا بدن دونوں خدا کے ہو چکے تھے آپ کے ہاتھ اور آپکے پاؤں دونوں دیگر اعضا کی طرح شریعت کی سنگین قید میں مقید ہو کر آپکے اختیار اور ارادہ سے باہر ہو لئے تھے دنیا آپ کے لئے قید خانہ بنگئی تھی اور آزادی یعنی اپنے خود مختار ارادہ کا کام میں لانا آپ جانتے ہی نہ تھے کہ کسکو کہتے ہیں؟۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن پا بدستے دگرے دست بدستے دگرے

اطاب اللہ ثراہ وجعل الفردوس مثواہ

حسن صورت اور ادراک حواس

کمال حسن سیرت کے مناسب خلاق عالم نے حسن صورت بھی آپ کو اسدرجہ عطا فرمایا تھا کہ بہت ہی کم کسی کی نظر سے گذرا ہوگا آپکا سراپا نہایت خوش انداز اور خوبصورت تھا آپ متناسب الاعضا حسین جمیل اور اسدرجہ وجیہ تھے کہ بھرے مجمع میں پہچانے جاتے تھے آپکا قد مستوی اور میانہ تھا بدن دوہرا اسطرح مبارک متوسط بال نرم اور جوانی کے زمانہ میں نہایت سیاہ تھے پیشانی کشادہ اور آئینہ کی طرح شفاف تھی جسمیں سچے معبود کی عبادت کا نشان دمکتا تھا دونوں بھویں گنجان اور کمان کی طرح خمیدہ ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں آنکھیں بڑی اور شرمگیں تھیں جنمیں سپیدی کے اندر سرخی ڈورے جھلکتے تھے پتلی سیاہ اور جس زمانہ میں بینائی قائم تھی اسوقت دور بین اور نہایت تیز نظر تھی حلقے بدرک ہالہ کی طرح روشن اور چمکتے ہوئے مژگان دراز اور رسیلی رخسارے نرم و نازک اور پرگوشت بینی ہموار اور درازی مایل لب کشادہ اور سرخی مایل دہن مردانہ اور بتیسی گویا موتیوں کی لڑی سپید و چمکدار زنخدان سیب جیسی مدور ریش مبارک گنجان اور نیچے چھوٹی ہوئی گردن چمکدار گویا چاندی کی صراحی سینہ فراخ اور شکم کے ہموار ہاتھ سڈول اور بھرے ہوئے ہتیلی فراخ اور نرم انگلیاں سیدھی اور پرگوشت پنڈلیاں شفاف و لطیف پائے مبارک چکنے اور بلند آواز نہایت لطیف اور بلند تھی کہ بات سمجھنے میں کسی کو تکلف نہوتا تھا خوش الحان تبسم کنان راست گو اور فصیح و بلیغ تھے شجاعت و قوت میں مشہور تواضع اور حسن معاشرت میں امام مقتدیٰ ذکر و فکر میں ہر وقت مستغرق عقیل و مدبر صائب الرائے دوراندیش سخی بہادر حلیم صابر عفت مآب شاکر جمیع اوصاف حمیدہ سے متصف اور تمام خصایل رذیلہ سے طبعاً متنفر تھے خلقی طور پر آپکی طبع نفاست پسند تھی اور کثرت ذکر کے سبب لطافت کا یہ عالم تھا کہ ادنیٰ امر بدبو سے متاذی ہوتے تھے ایکمرتبہ استنجا کیلئے بیت الخلا تشریف لئے جاتے تھے گوبر کے قریب پہونچے ٹھٹھکے اور فرمایا کہ تمباکو کی بو آتی ہے آپ تو یہ فرماکر چلے گئے خادم نے غور کیساتھ دیکھا تو پان کی پیک پڑی ہوئی تھی جو خشک ہولی تھی غرض اسکو کھرچا اور زمین کو صاف کر دیا گیا واپس تشریف لائے تو فرمایا اب نہیں ہے مگر اسکے ساتھ ہی ضبط اس کمال کا تھا کہ جہاں اظہار سے کسی کی تادی کا احتمال ہوتا تحمل اور سکوت فرماتے یا بلیغ اشارے سے کسی مخلص خادم پر ڈھاکر فرمادیتے تھے کہ نصیحت بھی

ہو جاوے اور ناگوار بھی نہ گذرے اگر تبہ چند آدمی آپ کے پاس بیٹھے تھے جنکے کپڑوں سے میلے اور عرق آلود ہونیکی وجہ سے بو آتی تھی آپ دشکنی کے اندیشہ سے انکو تو صاف طور پر فرمانہ سکے مولوی محمد یحییٰ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا "میاں مولوی یحییٰ کبھی نہایا بھی لیا کرو دیکھو بدن میں پسینہ کی بو آنے لگی ہے"۔

آپکی خوش الحانی کے متعلق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ آپکی قرأت قرآن و خطبہ وغیرہ سنکر بے اختیار زبان سے نکلتا تھا لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد۔ آپکو کبھی نہیں سنا کہ شعر خوش الحانی سے پڑھا ہو ہاں نمازوں میں قرآن شریف اور جمعہ و عیدین میں خطبے پڑھتے ہوئے سنا آپ اگرچہ کسیقدر تیز اور چلتا ہوا رواں پڑھتے تھے تاہم طبعی و خلقی خوش الحانی کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ گویا تمام بدن میں سے روح سمٹ کر کانوں میں آگئی ہے آپ آواز میں تصنع سے نہایت درجہ احتیاط اور احتراز فرماتے تھے اور حسب قرأت تمام ہوتی تھی تو دل یہ چاہتا تھا کہ اور بھی پڑھتے خوش الحان دیکھے اور مختلف خوش آوازیں سنی ہیں مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایسی خوش آواز نہ ہندمیں سنی نہ عرب میں۔

آپکا خط نہایت پاکیزہ تھا آپ قلم برداشتہ اور جلد لکھتے تھے تاہم آپکی لکھی ہوئی سطریں موتیوں کی لڑیاں یا پھولوں کی کلیاں معلوم ہوتی ہیں قلم پر مہینوں قط کی نوبت نہ آتی تھی تاہم خط کے حسن انداز میں فرق نہ آتا تھا اسوقت آپکے قلم کی تحریر میں خطوط و فتاوے صدہا موجود ہیں جنکو اب لوگوں نے تعویذ بنا کر بحفاظت رکھ چھوڑا ہے نمونہ دکھانے کیلئے رسالہ مکاتیب رشیدیہ میں ایک خط کو بجنسہٖ عکسی فوٹو لیکر شامل بھی کر دیا گیا ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ آپ تعلیق لکھتے تھے خط نسخ آپکا نظر سے نہیں گذرا اکثر تحریریں آپکی باریک ہیں جنمیں ایک عجیب کمال طویل مضامین میں بھی کسی حرف کے کاٹنے یا پھیلنے کا نشان نہیں ہے اکثر لکھتے لکھتے آپ حاضرین سے باتیں کرتے اور سوالات کے جواب دیتے رہتے تھے باایں ہمہ دقیق عبارتوں کے اسلوب و ربط میں کہیں مطلق فرق نہیں انتشار و فکر کی حالت کے لکھے ہوئے خطوط و فتاوے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی غور و فکر کے بعد اطمینان و سکون سے لکھے گئے ہیں۔

حسن تقریر میں بھی آپ بے نظیر تھے آپکا کلام مختصر اور جامع ہوتا تھا جسمیں جوامع الکلم کا پورا نقشہ

جھلکتا تھا جب آپ مسلسل تقریر فرماتے تو وہ گویا موتیوں کی مسلسل لڑی ہوتی تھی آپ کے بعض شاگردوں نے آپکی تقریرات کو جو درس احادیث کے وقت فرماتے تھے لکھ بھی لیا ہے وہ آپکے پاس موجود ہیں چنانچہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی مقیم گنگوہ اور مولانا ماجد علی صاحب مدرس مدرسہ ریاست سپنڈھو کے پاس موجود ہیں اور اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو شائع بھی ہونگی۔

آپکی تحریر کا انداز بھی مثل تقریر تھا یعنی مختصر اور جامع حسب ضرورت مقام مافیہ پر مشتمل چنانچہ آپ کے رسایل و تحریرات شاہد ہیں جسکا جی چاہے دیکھے علاوہ مسائل دین کے دنیاوی معاملات میں بھی آپکی تحریرات جواب اور بے نظیر ہوتی تھی بیعت کے بعد جب آپکو تھانہ بھون آنے جانے کی نوبت آئی اُن ایام میں مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمات ہو رہے تھے جب انکو حضرت امام ربانی کے حسن لیاقت اور حسن تحریر کا حال معلوم ہوا تو مقدمات کے متعلق آپ ہی سے تحریرات لکھواتے تھے یہانتک کہ آپ نے مجبور ہو کر اور تنگ آکر حضرت حافظ صاحب شہید کے ذریعہ سے اپنا پیچھا چھڑایا اور حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ اس کام کے لئے نہیں آتے۔

حق تعالیٰ شانہ نے غنا اور وقار آپکے اندر ودیعت رکھا تھا آپکے اوضاع سے لجاجت کا شائبہ بھی پیدا نہ ہوتا تھا علی الخصوص امراء دولتمندوں سے تو اسدرجہ غنا اور بے نیازی ظاہر ہوتی تھی کہ روکھا پن سمجھی جاتی تھی ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ کوئی دولتمند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ اخلاص لیکر آئے تھے اسلئے حضرت نے ضیافت کی اتفاق سے مولانا محمود حسن صاحب اُس روز وہاں حاضر تھے دوپہر کو جب دسترخوان بچھا اور حضرت مہمان کو لیکر کھانا کھانے بیٹھے تو مولوی صاحب وہاں سے کھسک کر مہمان کے پیچھے ساتھ کھانا لگوا رہے حضرت نے پیچھے پٹتے دیکھا تو فرمایا آؤ کیوں نہیں مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ نوش فرمائیں ہم بعد میں کھالینگے حضرت سمجھ گئے اور مباحثہ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم ساتھ کھاؤ اگر انکو تمہارے ساتھ کھانا گوارا نہ ہو تو یہ اُٹھ جائیں مجھے ان سے کیا لینا ہے تمہارے ساتھ تو میری موت زندگی کا ساتھ ہے اتنا سنتے ہی مولوی صاحب دسترخوان پر آبیٹھے کہ مبادا حضرت کی یہ تقریر طویل ہو اور مہمان کی دلشکنی کا سبب بنے بعض وہ لوگ جو اپنی آؤ بھگت اور تعظیم و تکریم کے متوقع ہو کر آتے تھے انکو آپکی اس خصلت محمودہ پر یہ خیال ہوتا تھا کہ معاذ اللہ آپ متکبر ہیں حالانکہ آپ میں تکبر کا شائبہ بھی نہ تھا یہ صرف آپکا استغنا تھا جسنے بے نیاز دربار احدیت کی جبہ سائی کے طفیل مخلوق کی جانب احتیاج و لجاجت کو اطوار و اوضاع تک سے سلب کر لیا تھا مولوی نور محمد فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں

مجھے گنگوہ کی حاضری نصیب تھی اور حضرت سے حدیث پڑھا کرتا تھا دیکھتا تھا کہ طالب علم ہو یا مسافر جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اسکو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دسترخوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے جب طلبہ کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت ہوگئے تو طلبہ کو کھانا کھلانیکا وہ اہتمام آپ سے نہو سکا جو کبھی کبھی آنیوالے مسافر کا ہوتا تھا مگر تین دن تک مہمانی ضرور قایم تھی اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے اور خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے انکا کھانا نہ آیا چونکہ یہ طالبعلم میرے پہلے ملاقاتی تھے اسلئے مجھے رنج ہوا اور میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیباکانہ غصہ کیساتھ عرض کیا کہ طلبہ کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں آخر اسکی کیا وجہ کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اسکو خود کھانا کھلاتے ہیں اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی بھی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا یا نہیں؟ بعد میں مجھے اپنی اس حرکت اور گستاخ جرأت پر بہت ندامت ہوئی مگر اسوقت غصہ کیحالت میں جو کہنا زیبا نہ تھا وہ بھی کہہ گذرا میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کیساتھ گردن جھکالی اور مجھ ناکارہ سے کہ ادنی شاگرد تھا معذرت کا یہ فقرہ فرمایا کہ "بیشک میری غلطی ہے انشاء اللہ آیندہ نہ دیکھو گے" اس تاریخ سے میں نے دیکھا کہ حضرت نے طالبعلم کی مہمانی کسی معتمد سے شخص کے حوالہ بھی نہیں کی جو کوئی آیا خود اسکو کھانا کھلایا آپکی یہ بے نفسی اور للہیت دیکھکر مجھے یقین ہوا کہ حضرت بڑے پایہ کے شیخ ہیں۔

جس زمانہ میں تعلیم کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور بڑے زور شور کیساتھ دورہ حدیث ہوتا تھا دورہ میں پچاس پچاس طالب علم مختلف ملکوں کے ہوتے تھے اور ان میں ہر قسم کے طالبعلم ذکی و غبی مستعد و بد استعداد جمع تھے اُس زمانہ میں بھی آپکے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے گو کتنا ہی غلط عبارت پڑھتا ہو یا سمجھنے میں کتنا ہی کیوں نہ الجھتا ہو اور کتنا ہی بے موقع سوال کر کے وقت ضائع کرتا ہو آپ کبھی ناخوش اور چیں بجبیں نہوتے تھے اور نہ اسکو روکتے تھے اسقدر اخلاق کیساتھ درس دینا شاید دوسری جگہ نظر نہ آئیگا حقیقت میں آپنے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فاستوصوا بہم خیرا کی پوری تعمیل کر کے دکھلائی آپکی کسر نفسی و تواضع یہانتک بڑھی ہوئی تھی کہ عام مسلمانوں سے اپنے لئے دعا کراتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے حسن ظن کی وجہ سے نجات کی امید ہے من آنم کہ من دانم بیسیوں خطوط میں آپکے یہ الفاظ موجود ہیں کہ مجھے دعا میں ضرور شامل رکھنا اور

خدا کرے کہ تمہارے ظن کیموافق مجھسے حق تعالیٰ کا معاملہ ہو انکیار مولانا حکیم محمد حسن صاحب نے اپنے حال قلب کی کچھ شکایت کی کہ مجھے کچھ نفع اور اثر محسوس نہیں ہوتا جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں آپنے انکو تسلی دی اور فرمایا کہ میاں کام کئے جاؤ ہمت نہیں ہارتے چلتے کام کا چھوڑنا کسنے بتایا ہے بہتیرا کچھ ہو رہا ہے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے کیونکر اطمینان ہو جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ قلب میں کچھ اثر نہیں ہے اُسوقت آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بھرائی آواز میں یوں کہا کہ خدا کے بندے تمہیں اپنے بڑے کے کہے پر بھی اعتماد نہیں مجھے نہیں دیکھتے کہ عام مسلمانوں کے حسن ظن پر جی رہا ہوں ۱۲

مکاتیب رشیدیہ میں ایک خط ہے جسکے اندر حکیم عبدالعزیز خاں کو آپنے یوں تحریر فرمایا ہے کہ بخدا اپنے علم میں بحلف کہتا ہوں کہ تمہارے واسطے ہر روز تو دعا یقیناً کرتا ہوں مگر پانچ وقت میں شاید ہی وقت ترک ہوتی ہو لیکن آپکے اس حسن ظن سے سخت پریشان ہوتا ہوں کہ تمکو میرے ساتھ اسقدر عقیدت بے محل ہو گئی مجھ عیب صدہا عالم میں موجود اور بہتر بھی بہت ہیں بندہ کا حال تو اسی سے واضح ہو جائیگا کہ تا امید م شب و روز آپ کے باب میں دعا کرتا ہوں اور کچھ اجابت کے آثار نہیں حس سے صاف روشن ہے کہ مثل دیگر عوام مومنین کے میں بھی ایک ہوں کوئی شخص اپنی تعریف کو برا نہیں جانتا میں بارہا اپنا عیب اور حقیقت جو ظاہر کرتا ہوں سو اس سبب سے کہ میرے سبب تم اپنے مقصود سے نہ رہجاؤ میری عقیدت تمکو مضر نہو جاوے ناقص کے ساتھ ہو کر اپنا نقصان ہوتا ہے دوسرے قیامت کو جب اپنا حال ظاہر ہوگا تو محکومندامت نہو کہ خلاف توقع ظاہر ہووے گا الخ اس تحریر سے کسقدر نفسی و تواضع کی سچی کیفیت اور راسخ القلب حالت کا جسدرجہ پتہ لگ رہا ہے خود ناظرین کے سامنے ہے مجھمیں طاقت نہیں کہ لفظ لفظ کا کمال ظاہر کروں مکاتیب مقدسہ میں سیکڑوں فقرات نظر آئینگے جنسے اس صفت خاصہ کا کمال علو ظاہر ہے یہ بات مسلم ہے کہ حضرت امام ربانی کے نزدیک روح و ذام یکسان تھا جسقدر لوگ آپکی خدمت میں تعظیم اور تواضع و تکریم کرتے اسیقدر حق تعالیٰ کی جناب میں آپ تواضع و الحاح زیادہ اور یوں دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ میں جیسا ہوں تو جانتا ہے لیکن میرے ساتھ انکے حسن ظن کے موافق معاملہ فرمانا۔

آپکی شان رفیع تکلف اور شان و شوکت سے بالکلیہ عاری تھی آپ کی طبیعت نہایت سادہ اور سادگی پسند تھی باوجود غایت خلق اور کرم و تلطف کے حق تعالیٰ نے آپکو ایک عیب عطا فرمایا تھا کہ حشمت

حاضر ہونیوالے مزاج شناس خدام بھی بعض دفعہ بے تکلف بات کرنیکی طاقت نہ رکھتے تھے اور جو آپکی خدمت میں رہتے لگ جاتا تھا وہ آپکی محبت میں دنیا و مافیہا سے یکسو ہو جاتا تھا اور اخلاق کا شیدا و شیفتہ بنجاتا تھا کسی نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ آپنے کسی کو مارا ہو یا برا بھلا سخت سست کہا ہو بااین ہمہ آپکے چہرہ مبارک پر وہ ہیبت و عظمت نمایاں تھی کہ حاضرین دربار پر ایک عالم سکوت طاری رہتا تھا بڑے بڑے جہاندیدہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور دم بخود رہگئے۔

مولانا اشرف علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۲۹۸ھ میں جب میرا نکاح ہوا والد صاحب مرحوم کی درخواست پر شیخ غلام محی الدین مرحوم یعنی حافظ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی کے بیٹے صاحبزادے شادی میں شامل ہونیکے لئے میرٹھ سے تشریف لائے اور گنگوہ بھی تشریف لیگئے تھے نکاح حضرت قدس سرہ نے پڑھا تھا جب حضرت مولانا مجلس نکاح سے تشریف لیگئے تو شیخ صاحب مرحوم بھی ساتھ ہولئے ایک موقع پر خود احقر سے فرماتے تھے کہ میں نے بہت سے بزرگ دیکھے بڑے بڑے حکام سے ملا اور کھلکر باتیں کیں لیکن جو رعب و ہیبت حضرت کی دیکھی وہ کسی میں نہیں یہ حالت تھی کہ بات کرنی چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی بڑی مشکل سے اتنی جرأت ہوئی کہ مدعا پیش کر سکا"

شیخ صاحب مرحوم مردم شناس و علی گڑھ میں مسلم و معروف تھے اُن کی یہ شہادت ایک باوقعت شہادت ہے اسی ہیبت کے باب میں کہا ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست		ہیبت ایں مرد صاحب دل نیست	

حضرت امام ربانی تمام حالتوں کے اعتبار سے نہایت ذکی الحواس تھے عیسیٰ لنجب انگیز قضائے آسمانی زکاوت حس و درکمال ادراک کے مشہور ہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے لکھا ہے کہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب فرماتے تھے مجھے چائے کا بہت شوق تھا اور اپنے ہاتھ سے پکایا کرتا تھا حضرت جب چائے پیتے تو فرماتے کہ چائے میں کچے پانی کا ذائقہ آتا ہے میں نے ایکروز دلمیں کہا اچھا آج اسقدر پکاؤنگا کہ بھاپ پانی بنجائے چنانچہ کئی گھنٹہ تک پکائی جب تیار ہوئی اور حضرت کو پلائی فرمایا کہ کچے پانی کا ذائقہ تو اسمیں بھی ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ وہم کا درجہ ہے پھر مجھے خیال ہوا کہ میں نے اسمیں کچھ دودھ گھر سے لاکر ڈالا تھا جو کڑھا ہوا تھا پوچھوں کہیں اسمیں تو پانی نہ تھا" آخر گھر جاکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ گھر کے لوگوں نے اسمیں کچھ پانی ڈال دیا تھا۔

مولوی سید احمد صاحب مدنی ایکدن چاء کو ٹھنڈا کرنیکی غرض سے ایک پیالی سے دوسری پیالی میں لوٹ پوٹ رہے تھے کچھ دیر میں حضرت نے فرمایا اسکی جھلک سے معلوم ہوتا ہے کہ پینے کے قابل ہوگئی جن ایام میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی حضرت کیلئے چاء پکایا کرتے تھے کئی دن ایسا قضیہ پیش آیا کہ جب حضرت کو چاء پلائی حضرت نے فرمایا کچے پانی کی بو آتی ہے ہرچند مولوی صاحب چاء کو جوش دینے میں کوشش کی مگر جب فرمایا حضرت نے یہی فرمایا کہ کچے پانی کی بو موجود ہے آخر بہت پریشان ہوئے کہا اللہ کیا بات ہے پانی کو بہتیرا پکاتا ہوں دو دو اونٹا ہوا ڈالتا ہوں پھر کچا پانی کیسا؟ آخر بہت غور کے بعد پتہ چلا کہ جس پیالی میں چاء نکالی جاتی ہے وہ دھو کر خشک نہیں کیجاتی چنانچہ اُسدن پیالی کو دھو کر کپڑے سے صاف کیا اور چاء لیکر حاضر ہوئے حضرت نے چاء پی اور فرمایا آج کچے پانی کی بو نہیں ہے"۔

حضرت کے مہمان سندری میں بیٹھکر کھانا کھاتے تھے حالانکہ دسترخوان اٹھا کر بوریہ بچھا دیا جاتا تھا مگر حضرت تشریف لاتے تو جو کھانا کھایا جاتا اُسکا نام لیکر فرمادیتے کہ فلاں شے کی خوشبو آتی ہے ایک مرتبہ کھانا کھاتے میں آپنے فرمایا کہ آمین کو تھیمر کی خوشبو آتی ہے ہرچند غور کیا مگر مجمع میں کسی کو احساس نہوا تحقیق کیا تو پکتی ہانڈی میں پانچ چار پتہ ڈالدئے گئے تھے۔

آپ کے ادراک کے متعلق ایسے ایسے عجیب اور حیرت انگیز قصے لوگوں نے دیکھے کہ بغیر دیکھے غالباً کہنے والیکا یقین بھی نہ آتا ایک مرتبہ جمعہ کے بعد مجمع کثیر آپکی خدمت میں حاضر تھا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے چھوٹے بھائی مولوی محمد الیاس جنکی عمر اُسوقت دس گیارہ برس کی تھی دبے پاؤں آئے اور چپکے ہی ایک کونہ میں بیٹھ گئے معاً حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا "بچے کا سا سانس ہے" اُسوقت کسی نے کہا کہ حضرت محمد الیاس آئے ہیں۔ ایکبار نمبردار فضل حق کالپہ کا اکرام الحق بعد نماز مغرب حاضر خدمت تھا حضرت کو خبر نہ تھی کہ کون کون موجود ہے جب کھانا کھانیکو مکان جانے لگے اور اکرام الحق کے قریب پہونچے تو حضرت ٹھہرے اور فرمایا نمبردار کی سی بو آتی ہے تب کسی نے کہا کہ نمبردار کا لڑکا اکرام کھڑا ہے مولوی محمد یحییٰ صاحب فرماتے تھے کہ عرصہ ہوا میری یہ عادت تھی کہ جب حضرت مکان تشریف لیجاتے تو میں آپکے تکیہ پر سر رکھکر لیٹ جاتا اور آپکے پاؤں کی آہٹ پاتے ہی اُٹھ جاتا تھا اور ایکبار تو ایسا ہوگیا حضرت نے کچھ نفرمایا ایک مرتبہ تکیہ پر سر رکھ کر لیٹے تو فرمایا کہ بچہ کی بو آتی ہے

اسکے بعد میں نے آپ کے تکیہ پر کبھی سر نہیں رکھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ربانی حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے بہرہ ور اور ہمہ صفات موصوف تھے آپکی ذات مقدس ایسی مجموعہ محاسن تھی کہ ظاہر و باطن جس پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے عقل کو تحیر ہوتا ہے ہر اہل بصیرت صاحب ذوق سلیم رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جس وقت بھی آپکی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے کمال حسن سیرت کا معترف و شیدا ہو کر بے اختیار پکار اٹھا کہ ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریما اسی طرح حسن صورت کے قدر شناس صاحب بصارت شخص نے طفولیت و شباب اور کہولت و پیری کے چاروں زمانوں میں جس زمانہ کے اندر بھی آپکو دیکھا آپ کے حسن صورت کا عاشق و شیفتہ بنکر کہہ پڑا کہ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام	بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عادات مرضیہ اور معمولات

کُلُّ اَمْرٍ فِیْہِ مُؤْنَۃٌ اَلَّا ھُمَّ مشتغلٌ	وَاَنْتَ عَنْ کُلِّھَا فِی اَحْسَنِ الشُّغُلِ
باز گوار بجد و از یاراں بجد	تا در و دیوار را آری بوجد
یاد یاراں یار را میمون بود	خاصہ کان لیلےٰ و ایں مجنوں بود

انسان سے جو کام باقتضائے طبع ہمیشہ یا اکثر صادر ہوتے ہیں وہ انسان کی عادت اور خو کہلاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا فرمانبردار مسلمان بندہ جب اپنے اعضا اور جوارح سے کام لیتا ہے تو جن کاموں میں حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضاجوئی اور امتثال و اطاعت حکم خداوندی مطلوب ہوتی ہے وہ عبادت کہلاتے ہیں اور جن کاموں میں یہ نیت سبب صدور نہیں بنتی وہ عادت محضہ سمجھے جاتے ہیں مگر تحریر گذشتہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ خاصان خدا کے دل جس وقت مشکوٰۃ نبوت کی روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں تو طلب رضای حق قلب میں مستحکم اور وہ نسبت یاد داشت ثابت و قایم ہو جاتی ہے جو تمام اعضا کو حرکت سے قبل تو کہتی اور متنبہ کیا کرتی ہے کہ "دیکھو بندہ بنے رہو اور اس خدائی عطیہ کو خدا کے سوا کبھی دوسرے کے کام میں نہ لاؤ" پس کسی صاحب دل اور اہل اللہ کے حق میں یہ کہنا کہ فلاں عمل اُن کا عبادت میں داخل ہے اور فلاں کام عادت میں شامل ہے محض صورت

کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت ان حضرات کی تو یہ شان ہے کہ انکے پاس نہ اختیار ہے اور نہ ارادہ انکی زندگی کے جملہ احوال میں جو کچھ بھی ان سے ظاہر ہوتا ہے یا عبادت ہوتا ہے یا ذریعہ عبادت اور چونکہ وسیلہ عبادت بھی عبادت ہے اسلئے انکا کوئی تحرک اور کوئی سکون عبادت مقصودہ یا غیر مقصودہ سے باہر نہیں نکلنے پاتا۔ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اولیاء اللہ سے معصیت نہیں ہوتی حاشا وکلا بندہ خاکی نژاد سوا انبیاء ہر وقت خطاوار ہے صدور معصیت سرداران اولیاء امت یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے دیگر اولیاء امت کا تو کہنا ہی کیا مگر بات یہ ہے کہ غلبہ نفس یا قضاء سے ضعف بشریت مجرم ضرور بنا دیتا ہے لیکن اصل ایمان جسکو نسبت سے تعبیر کیا جاتا ہے معصیت پر فوراً متنبہ کرتا اور نور وبیدار قلب پر اس سیاہ دھبہ کو نمودار پاکر کھٹکتا اور تلملا اٹھتا ہے توبہ کرتا ہے اور نادم ہوتا ہے روتا ہے اور بلبلا اٹھتا ہے پس ان حضرات کی معصیت بھی شان غفاری کی مظہر اور صدور توبہ وزیادہ خشیہ کا سبب بنکر باعث ترقی مراتب وقرب خداوندی ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی عادات بے شبہ عبادات میں داخل ہیں اور ان حضرات کے صبح سے شام تک نوم ویقظہ اکل وشرب بول وبراز سکوت وتکلم راحت ومحنت حرکت وسکون وغیرہ جملہ افعال ذریعہ عبادت ہونیکی حیثیت سے طاعت میں داخل ہیں اور چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ اس صدی میں اپنے زمانہ کی اس پاکباز جماعت کے پیشوا اور سردار تھے اسلئے آپکی عادات کا عبادت ہونا تو ظہر من الشمس ہے۔ اتباع سنت جسکا اصل عبادت ہونا مسلم ہے وہ سرنامہ ہے جسکی تفصیل حضرت مولانا کے اعضاء اور جوارح کے افعال قرار پائے ہیں آپکی خدمت میں حاضر ہونیوالوں کی تعداد ہزاروں ہزار سے متجاوز ہے ان میں سے ایک متنفس بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپکا فلاں کام آداب شرع کی چار دیواری سے باہر نکل گیا تھا۔ اتباع شریعت آپکا ایسا طبعی امر ہو گیا تھا کہ غفلت سے بھی کوئی امر خلاف شرع صادر نہ ہوتا تھا اور چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلنے اور محکوم وتابع رسول بنکر زندگی گذارنے سے مقصود محض رضائے حق تعالیٰ شانہ تھی اس لئے آپکی حیات کے زمانہ کو اگر سنتا عبادت کہیں تو بیجا نہیں ہے۔ شریعت پر استقامت اور ثبات قدم آپ کو اس درجہ حاصل تھا کہ بلا عذر شرعی کبھی بھولکر بھی آپسے ترک مندوب یا ارتکاب مکروہ نہیں ہوا۔ رات اور دن کے آٹھوں پہر میں جسقدر اقوال وافعال آپسے سرزد ہوتے تھے وہ یقیناً یا نفع رسانی خلایق میں

ہوتے تھے یا رضائے خالق میں پس نفع رسانی خلائق کام اور کلام کا نام اگر عادت رکھ لیا جائے اور رضائے خالق کو عبادت کہا جائے تو اس صوری تفریق سے آپ کی عادت اور عبادت میں تشریق ممکن ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خلق کی نفع رسانی بھی جزو مرضیات خالق ہے بلکہ شاہی عہدہ دار کیلئے رعایا پروری ہی بڑی خدمت اور اعلیٰ رضا کے حصول کا سبب ہے تو پھر عادت اور عبادت میں امتیاز دشوار ہو جائیگا آپکا بیدار دل سمجھ چکا تھا کہ زندگی کا مقصود اپنے خالق کی بندگی ہے اسلئے یہی عبودیت آپکی عادت تھی اور یہی اطاعت آپکا معمول ؎

گر تو خواہی حسرتی در دل زندگی	بندگی کن بندگی کن بندگی
زندگی مقصود و بہر بندگی است	زندگی بے بندگی شرمندگی است
جز خضوع و بندگی و اضطرار	اندریں حضرت ندارد اعتبار
ہر کہ اندر عشق یابد زندگی	کفر باشد پیش او جز بندگی
ذوق باید تا دہد طاعات بر	مغز باید تا دہد دانہ شجر

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا روزمرہ جو مشغلہ تھا اسکو حاضرین نے آنکھوں سے دیکھا اور غائبین کے کانوں سے سنا ہے کہ آپ کہیں ملازم نہ تھے اور نہ دنیا میں کسی کے محکوم و پابند آپکی متوکلانہ گذران نے کسب معاش کے مخصوص سے مستغنی اور آزاد بنا کر آپکو مخلوق کا سرپرست و راہبر بنا بٹھایا تھا کہ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کے محکوم بنکر ہدایت و رشد خلائق میں بالکلیہ مشغول ہو جائیں آپکی استقامت اور دین پر جماؤ کے استحکام نے جو معمول آپکا قرار دیا تھا اسکو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں :-

جب کبھی مجکو حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے آپکا معمول اس طرح دیکھا کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر آٹھ نو بجے تک ذکر و فکر میں خلوت کے اندر مشغول رہتے تھے بعد ازاں کو اقبل پڑھتے اور اسکے بعد طلبہ کا سبق شروع کرا دیتے تھے آپ ابتداءً صرف علوم دینیہ یعنی فقہ اصول تفسیر حدیث کی تدریس تعلیم فرماتے تھے اور آخر میں دورہ صحاح ستہ کی تدریس پر انحصار رہگیا تھا۔ لیکن جب بظاہری بینائی نہ رہی تو تدریس ترک ہو گئی اور ارشاد و تحقیق کا باب زیادہ کھلگیا تھا۔ اثنار سبق میں اگر کوئی مریض دوا پوچھتا تو اسکو دوا بھی بتلا دیتے تھے آپنے علم طب اسناد سے نہیں پڑھا تھا

اور نہ کسی طبیب سے حسب قاعدہ معمول مطب کیا تھا مگر آپکا ذہن و حافظہ اس درجہ تیز اور قوی تھا کہ جب آپنے چند کتب طب دیکھکر مطب شروع کیا ہے تو سبحان اللہ پرانے تجربہ کار طبیب بھی ایسا مطب نہیں کر سکتے۔ اول باقاعدہ مطب فرمایا بعد ازاں قارورہ دیکھنا چھوڑ دیا لطافت بنسبت اسکی متحمل نہ ہو سکی صرف نبض اور بیان حال پر تشخیص کا مدار رہا پھر جب صاحبزادہ حافظ مولوی حکیم مسعود احمد صاحب دہلی سے طب حاصل کر کے آگئے تو مطب بالکل ترک فرما دیا تھا اور تدریس کا مشغلہ بھی زیادہ بڑھگیا تھا۔ تدریس سے فارغ ہو کر خطوط اور استفتا کے جوابات تحریر فرماتے آپکی عادت تھی کہ جو خطوط و استفتا خدمت میں آتے اُنکے جواب جلد بھیجتے تھے آپکی خدمت میں اسقدر خطوط و استفتا آتے تھے کہ باوجود اسقدر مشاغل کثیرہ کے سب کا جواب لکھنا اور دن کے دن کام کا نمٹا دینا آپکا ہی کام تھا جبتک بینائی قایم رہی تمام جوابات اور فتاوے اپنے قلم سے تحریر فرمائے بعد ذہاب بصر مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی آپکی طرف سے جوابات خطوط و فتاوی لکھنے لگے تحریر سے فارغ ہو کر آپ کھانا کھاتے اور پھر تھوڑی دیر قیلولہ و استراحت فرماتے تھے نماز ظہر سے فارغ ہو کر قرآن شریف میں دیکھکر تلاوت فرماتے اور جب ظاہری بینائی نہ رہی تو حفظ پڑھتے تھے پھر تا عصر تدریس ہوتی تھی۔ عصر سے مغرب تک مجلس عام ہوتی تھی حسب موقع کلمات نصائح اور قصص اکابر بیان فرما کر عوام خواص کی تربیت فرماتے تھے بعد مغرب نوافل اوابین پڑھکر مکان پر تشریف لیجاتے اور بعد فراغ عشا استراحت فرماتے تھے اسکے بعد حسب وقت اللہ تعالیٰ چاہتا آپ بیدار ہوتے اور ضروریات سے فارغ ہو کر نوافل تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے ابتدا میں آپ آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور آخر میں دس رکعات آپکا معمول تھا۔ رکعات آپکی طویلہ ہوتی تھیں قرآن شریف اُن میں زیادہ زیادہ پڑھتے تھے قبیل صبح تک آپ نوافل سے فارغ ہوتے بعد فراغ اگر کچھ کسل طبع محسوس ہوتا تو ذرا لیٹ رہتے تھے ورنہ ذکر فکر میں مشغول رہتے تھے۔ علی الدوام اسی طرح آپکا معمول تھا البتہ رمضان المبارک میں آپکی مشغولی عبادات کے اندر خصوصاً شب کو زیادہ بڑھجاتی تھی۔

اپنے معاملہ میں آپکا تقوی اور احتیاط اسقدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح اور اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ آپکی احتیاط کی ادنی مثال یہ ہے کہ آپنے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہوا کبھی

بیٹھکر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جبتک اسقدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکے اُسوقت تک اسی طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اُٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈالکر بیکر کھڑے ہوگئے اور قیام و رکوع و سجود اُن ہی کے سہارے نماز ادا کی ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھکر نماز ادا کر لیجئے مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا ایکروز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر اسوقت بھی جایز نہیں تو پھر وہ کونسا وقت اور کونسی حالت ہوگی جس میں بیٹھکر نماز پڑھنا شرعاً جایز ہے" آپنے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر کو قادر ہونا ہے اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھکو اُٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھکر نماز پڑھ سکتا ہوں" آخر جب نوبت ضعف اسقدر پہونچگئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونیکی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھکر پڑھیں گویا بتلادیا کہ اتباع شرع اسکو کہتے ہیں تقویٰ ارکان نام ہے اور اختیار اخوط اس طرح ہوتا ہے۔

لباس آپکے گاڑھا دھوتر بھی پہنا اور شال وغیرہ اعلیٰ قسم کا بھی استعمال فرمایا آپکے نزدیک دونوں برابر تھے نہ ادنیٰ سے کراہت و نفرت اور نہ اعلیٰ سے رغبت و محبت مگر چونکہ طبع میں نفاست و لطافت زیادہ تھی اسوجہ سے پہلے لباس سے تکدر ہوتا تھا لہذا آپکا معمول تھا کہ آپ ہر روز غسل فرماتے تھے حق گوئی میں آپ کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر حق گوئی پر لوگ آپکو بُرا کہتے تو اُسپر نہایت فرحت و سرور ہوتا تھا جس زمانہ میں آپنے دیسی کوٹے کی حلت کا فتویٰ دیا اور اُسپر جہلا میں شور و غوغا اٹھا ہے تو آپنے بارہا فرمایا کہ "مجھکو کیا خبر تھی کہ اسمیں حق تعالیٰ نے اسقدر اجر رکھا تھا"

آپ کو تحمل تھے خلاف طبع امر پر کبھی طبع میں تغیر پیدا نہوتا تھا بعض مبتدعین نے خطوط میں سب و شتم لکھکر بھیجدیئے تو آپنے فوراً خط چاک کردیا اور خدام کے اصرار پر یوں فرمایا کہ "میرے دوستوں کی اگر نظر پڑجاتا تو انکو صدمہ ہوتا" ۱۲ | انتھی تحریرالشریف۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی عادت جاریہ اور معمول دائمی کے اظہار میں یک تحریر اور ہدیہ ناظرین کرتا ہوں جو حضرت کے ستاگرد رشید اور مجاز طریقت علم العلمین جامع جدل شیخ مولانا الحاج المولوی

محمد اسحاق صاحب پھلواری رام محمدہ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے وہو ہذا۔

"عادت شریف یوم سہ شنبہ میں اس طرح تھی ابتدا سے بعد نماز صبح خلوتخانہ میں مشغول بذکر و فکر و مراقبہ جاڑوں میں نو بجے تک اور گرمیوں میں آٹھ ساڑے آٹھ بجے تک رہتے پھر حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آبشار توفیق سے وضو فرما کر اشراق و چاشت کی نوافل ادا کرتے کبھی چار رکعات اور کبھی آٹھ رکعات کبھی اشراق خلوتخانہ میں پڑھکر باہر تشریف لاتے اور چاشت گیارہ بجے کے قریب ادا کرتے پس بعد ادائے صلوٰۃ ضحیٰ جو چاشت و اشراق دونوں کو شامل ہے مشغول تدریس ہوتے دو گھنٹہ یا کچھ کم یہ شغل حدیث رہتا پھر کھانا تناول فرما کر بارہ بجے وقت استوا کے دھوپ گھڑی اور دائرہ ہندیہ سے گھڑی کو مطابق و درست کراتے پھر قیلولہ فرماتے جاڑوں میں ایک بجے اور گرمیوں میں ڈیڑھ بجے سے پہلے بیدار ہو کر نماز ظہر سے سردی میں ڈیڑھ بجے تک فارغ ہوتے اور گرمی میں دو بجے تک فارغ ہوتے بعد نماز ظہر تلاوت قرآن شریف کا معمول تھا اور خطوط کا ملاحظہ اور انکا جواب معہ فتویٰ نویسی صبح کو بعد صلوٰۃ ضحیٰ قبل تدریس معمول تھا اگر جواب خطوط باقی رہتے تو بعد تلاوت یا بعد نماز عصر پورا فرماتے اور موسم گرما میں قبل نماز ظہر غسل فرمانیکا معمول تھا اور کبھی دوسری بار قریب عصر کے بھی غسل فرماتے پھر بعد تلاوت تدریس طلبہ میں عصر تک مشغول رہتے بعد عصر تسبیح لیکر طالبین کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اسمیں کوئی مسئلہ پوچھتا کوئی کچھ حال عرض کرتا کوئی مراقبہ میں مشغول ہو کر مستفید ہوتا بعد نماز مغرب صلوٰۃ اوابین چھ رکعات ادا فرماتے اُن میں کسیقدر قرآن شریف آدھے پارہ سے لیکر ایک پارہ تک تخمیناً پڑھتے بعد فراغ نوافل صحن حجرہ میں ذرا دیر مہمانوں سے بات چیت کر کے گھر میں تشریف لیجاتے وہاں سے کھانا تناول فرما کر قریب اذان عشا تشریف لاکر زائرین حاضرین سے مخاطب ہوتے کبھی لیٹ جاتے اور کبھی بیٹھے رہتے نماز عشا جاڑوں میں نو بجے گرمیوں میں دس بجے شروع کرتے اگر نمازی جلدی جمع ہوتے تو دیر نفرماتے خصوصاً اس نماز میں تحدید مخصوص نتھی بعد فراغ نماز عشا ذرا بیٹھکر لیٹ جاتے اور گیارہ بجے کے قریب تک خدام خاص پانو دباتے اسمیں بعض خواص کو عجیب و غریب کیفیات اور انوار مشاہد ہوتے بعد گیارہ بجے یا ساڑھے گیارہ بجے سب کو رخصت کر دیتے پھر قدر مقدر استراحت فرما کر بیدار ہوتے

اُسوقت بنفس نفیس سب کام خود کرتے اُسوقت استعانت و خدمت غیر کو پسند فرماتے تہجد کو بقرارۂ طویلہ بجہر غیر مفرط بلحن داؤدی ادا فرماتے اسوقت اُٹھنے میں عادت شریف مختلف تھی کبھی بالکل نسوتے جب خدام کو رخصت کیا اور جانا کہ سب لوگ لیٹگئے ہونگے اوٹھ بیٹھتے اور عشار کے وضو سے نفلیں ادا فرماتے جب تھک جاتے قاعدہ استراحت فرماتے بعد استراحت پھر نفلیں شروع کرتے صبح تک یہی طور رہتا۔ باوجود ضبط کامل کبھی گریہ اسقدر مستولی ہوتا کہ تمام شب گریہ میں گزر جاتی عدد رکعات اور مدت قراءۃ کا حال معلوم نہیں الغرض پچھلی رات نوافل مسنونہ اور ذکر و فکر و مشغولی میں گزرتی تھی پھر نماز صبح بوقت ابتداء یا توسط اسفار ادا فرماتے فرض نماز آنحضرت بہت مختصر اور کامل پڑھاتے تھے یا وہ عم کی سورتوں کے سوا دوسری سورتیں شاذ و نادر پڑھتے تھے صبح کی نماز میں سورہ عم سے لیکر لا اقسم تک کوئی سی دو سورتیں پڑھتے اور عشار میں اکثر والضحیٰ سے لیکر والعادیات تک پڑھتے مغرب میں الفارعۃ سے آخر تک اکثر چھوٹی سورتیں پڑھتے تسبیح رکوع و سجود کے فرایض میں پانچ بار کہتے اور قومہ و جلسہ فرایض میں ادعیہ ماثورہ نہ پڑھتے تھے لیکن نوافل میں اکثر پڑھتے اس رات دن کے عمل میں مریضوں کی دوا اس طرح ہوتی تھی کہ اس کے واسطے وقت ممتاز نہ تھا معمولی مشغولی میں جب کوئی مریض آتا آپ اسی وقت اکثر دوا مفرد بتلا کر رخصت کر دیتے تھے نسخہ لکھنے اور مرکب دوا بتلانے کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا آپ کی برکت سے مریضوں کو بکثرت شفا ہوتی اور امراض عسیرہ و مستدہ کا علاج بھی بطور مختصر فرماتے اور ہر قسم کے مریضوں کو شفا ہوتی یہ معمول دوازدہ ماہ کا تھا لیکن رمضان شریف میں صبح کو دیر میں خلوتخانہ سے برآمد ہوتے موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے نوافل و قراءۃ قرآن و سکوت و مراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی سوتا اور استراحت نہایت قلیل کلام بہت کم کرتے بعد نماز مغرب ذرا دیر خلوت تنہائی کا ذائقہ لیکر کھانا تناول فرماتے تراویح کی بیس رکعات اول میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحبزادہ حافظ حکیم مسعود احمد صاحب کے پیچھے پڑھتے بعد وتر دو رکعات طویل کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھکر پڑھتے پھر دیر تک متوجہ بقبلہ بیٹھکر بگذیڑھتے رہتے پھر ایک سجدہ تلاوت کر کے کھڑے ہو جاتے بندہ نے بعض الفاظ سنا اندازہ کیا

کہ اس درمیان میں سورۂ تبارک الذی اور سورۂ سجدہ اور سورۂ دخان پڑھتے تھے اکثر تمام عشرہ ذی الحجہ اور عاشورا اور نصف شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔

آپ اپنے نفس کی وجہ کبھی غصے نہ ہوتے البتہ خلاف شرع پر آپکو سخت غضب آتا اگر کوئی آپکو اپنی شقاوت کی وجہ سے برا کہتا آپ کو ہرگز برا نہ ہوتی اور اصلا تغیر نہ آتا اور اگر کوئی آپکی مدح کرتا تو کچھ خوشی نہ ہوتی اور اصلا تغیر نہ ہوتا۔ قسم کھانے کی ہرگز عادت نہیں تھی۔ اگر بنظر کشف و فراست حضرت کو معلوم ہو جاتا کہ نذر دینے والا خود حاجتمند ہے تو اس کا نذرانہ اس طرح رد فرماتے کہ نذر دینے والے کو گراں نہ گذرے ایسا امر کاتب الحروف کے ساتھ بھی کبھی پیش آیا ہے اسی طرح مرائی اور غیر معتقد کا نذرانہ بھی قبول نفرماتے البتہ مخلصین کا ہدیہ بطیب خاطر منظور فرماتے۔ بعد ذہاب بصر ظاہری جو وقت تدریس کا تھا وہ بھی ملاحظہ اور مراقبہ میں گزرنے لگا اور اس قسم کی مشغولی بہت زیادہ بڑھ گئی آپکے حالات سے کبھی یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو اسوقت کسی کا بولنا یا کچھ پوچھنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور کبھی معلوم ہوتا کہ اسوقت آپ کو باتوں کی طرف رغبت ہے۔

آپکی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونہ محفل سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پایا آپکی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نکرتا جسوقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہو کر سنتے اور جب کوئی شخص کچھ سوال کرتا جب بھی سب خاموش رہتے آپ جواب دیتے مجلس مبارک میں شور و شغب غل غبار لغو باتیں ہرگز نہ ہوتیں اکثر مسائل کا تذکرہ یا آیت و حدیث کی تحقیق یا توضیح کسی مسئلہ تصوف کی ہوتی یا تذکرہ اولیاء اللہ و علماء کرام کا کسی کی ہجو یا غیبت اس مجلس شریف میں ہرگز نہ ہوتی بعض جہال جو آپکے شومی سے اس ذات بابرکات سے عداوت کھلم کھلا رکھتے انکا تذکرہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں نہ ہونے دیتے اگر احیانا کسی نے اس بے ادب کا ذکر کیا تو آپ نے جھٹ روک کر دوسری طرف متوجہ کر دیا چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت کلام ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین و ساکن و ساکت کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِہِمُ الطَّیْرَ رہتے برکات و انوار و خیرات سے مجلس شریف معمور اور شرور و فساد سے بمراحل دور تھی چونکہ آنحضرت خود ہر وقت باوضو رہتے تھے تو حاضرین مجلس بھی چار و ناچار باوضو اور نحوت و

توجہ حضرت دل سے رجوع الی اللہ رہتے بعض حاضرین ذکر خفی لسانی اور بعض ذکر قلبی میں مشغول رہتے رہتے اور بعض فکر و مراقبہ میں غرق رہتے تھے اور بعض بندہ جیسے صرف منتظر کہ یا حضرت خود کوئی کلام فرماویں یا کسی سائل کا جواب ارشاد فرماویں مجلس کا لطف نا اہل و فارغ القلب کو بھی معلوم و محسوس ہوتا تھا رحمۃ اللہ علیہ وعلی اسلافہ وجعلنا فی زمرتہم

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی عادت شریفہ زیادہ بولنے اور باتیں کرنے کی نہ تھی آپ کم گو تھے قلت کلام اور کثرت ذکر کا مصداق اتباع سنت کی حدود کیساتھ آپکی برابر کسی دوسرے میں شاید کسی نے کم دیکھا ہوگا ذکر کا یہ عالم تھا کہ مسجد تک تشریف لانے اور واپسی میں حجرہ تک تشریف لیجانے میں بھی ذکر ہی کے اندر مشغول پائے جاتے تھے۔ یوں تو ہر وقت ہی ذکر میں مستغرق اور محو رہتے تھے سوتے سوتے آنکھ کھلتی تو بے اختیار کلمۂ توحید یا استغفار زبان سے نکلتا تھا جس گفتگو سے کوئی دینی نفع حاصل نہ ہو اسکا سننا بھی آپکو گوارا نہ تھا۔ جب کوئی شخص آپ سے کوئی سوال دریافت کرتا یا بات کہتا اور اسمیں ضرورت سے زیادہ تقریر ہوتی تو آپ اسکو روک دیتے اور کبھی فرمایا کرتے کہ اچھا اچھا اس قصہ سے کیا فائدہ بات کہو لغو و فضول گوئی سے آپ کو کمال درجہ نفرت تھی ذکر اللہ اور دین میں کام آنیوالے مشغلہ کے علاوہ دوسرے جھگڑے میں مصروف ہونا اپنے خدام کا بھی آپ کو پسند نہ تھا مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ایکمرتبہ چاہا کہ مولوی احمد رضا صاحب کی فحش گوئی کا ترکی بترکی جواب دیں ہر چند حسن تقریر سے انھوں نے کوشش کی کہ حضرت صراحۃً حکم نہ دیں تو ایما ہی فرمادیں مگر حضرت نے فرمایا تو یہ فرمایا میاں کیا دہرا ہے ان قصوں میں اُن کی تحریر کا جواب لکھنے سے کوئی نفع نہیں تضییع اوقات ہے امید نہیں کہ وہ مانیں" ایسی صورتوں میں جب آپکے خدام کی خواہش جواب لکھنے کی ظاہر ہوئی تو آپنے اُن کو روک دیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ "آدمی جسقدر وقت کسی کی برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو"

خدام کی تربیت و اصلاح اسدرجہ آپ کو محبوب تھی کہ کسی وقت ہمہ تن توجہ سے غفلت نظر نہ تھے برتاؤ اسدرجہ سادگی کا تھا کہ کوئی پاؤں دبانے کھڑا ہوگیا تو منع نہیں فرمایا اور نہ کھڑا ہوا تو فرمایش نہیں کی آخر شب میں حالانکہ آپ استعانت غیر کو پسند نہ فرماتے تھے لیکن اگر کوئی مخلص خادم اس کا متکفل ہوگیا کہ وہ وقت پر پانی کا بھرا ہوا لوٹا مسواک وغیرہ چوکی پر لا رکھے تو آپنے انکا بھی

نہیں فرمایا اور اگر کسی روز خادم کی آنکھ نہ کھلی تو اس خدمت کا آپکی انتظار بھی نہیں فرمایا سید صوفی کرم حسین صاحب فرماتے ہیں کسی زمانہ میں یہ خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شب میری آنکھ دیر میں کھلی گھبرا کر حاضر خانقاہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے وضو فرما رہے ہیں مجھے اپنی غفلت پر ندامت تھی کہ باوجود تکفل نباہ نہو سکا اور آج حضرت کو خود پانی بھر نا پڑا میں خاموش پاس کھڑا تھا کہ حضرت نے خاص شفقت کیساتھ فرمایا میاں بات ہی کیا ہے بندہ بشر ہے آنکھ لگ ہی جاتی ہے۔

عبادات میں جملہ مستحبات وآداب کا لحاظ رکھنا آپکی خاص عادت تھی نماز آپ خود پڑھاتے اور آنیوالے مہمانوں کی اس امر میں عام ائمہ کیطرح خاطر و مدارات نہیں فرماتے تھے ہاں آپکے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لاتے تو عموماً ان کو مصلے پر کھڑا کرتے اور اقتدار فرمایا کرتے تھے طبع میں چونکہ نفاست زیادہ تھی اس لئے عموماً روزانہ قبل ظہر غسل فرماتے اور گرمی میں بعد عشا بھی اکثر نہایا کرتے تھے جمعہ کے دن غسل ہی کے وضو سے نماز پڑھنے کی عادت مستمرہ تھی۔ نماز آپکو تمام مرغوبات سے زیادہ مرغوب اور محبوب تھی اسکا اہتمام مبسوط رجہ آپکے یہاں دیکھنے میں آیا شاید دوسری جگہ کسی نے کم بلکہ نہ دیکھا ہوگا طلوع و غروب کا دوازدہ ماہی نقشہ لکڑی کے چوکٹھہ میں لگا ہوا چارپائی کے قریب ہمیشہ لٹکا رہتا اور ہر شمسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو بدلدیا جاتا تھا بجز اس نقشہ کے انگریزی مہینوں اور تاریخ کا آپکے یہاں کہیں پتہ نہ تھا حجرہ شریفہ میں کئی کئی گھڑیاں اور گھنٹے رہتے تھے جنکو روزانہ دھوپ گھڑی سے ملایا جاتا تھا اگر ایک بگڑ جاتا تو دوسرا کام دیتا اور دوسرا خراب ہو جاتا تو تیسرا وقت بتلایا کرتا تھا خانقاہ میں سہ دری کے سامنے والے حجرہ کی دیوار پر دھوپ گھڑی لگی ہوئی تھی جبتک آپکی بینائی قایم رہی اسکا اہتمام خود فرماتے تھے کہ پورے بارہ بجے گھڑیاں ملائی جائیں بعد میں یہ خدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب کے سپرد ہوئی اکثر دیکھا گیا کہ جبتک دھوپ گھڑی سے گھنٹے ملا نہیں لئے گئے اسوقت تک حضرت کو نیند نہیں آئی یا تو بیٹھے رہتے تھے اور اگر لیٹ بھی گئے تو کروٹیں بدل بدلکر بارہا دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا بجا ہے بارہ بجے یا نہیں لٹکے ہوئے نقشہ میں مثلیں اور شفق کی غیبوبت کا حساب بھی مسطور تھا اسکے مطابق پورے حنفی وقت پر نماز پڑھی جاتی اور ان کی روز آنہ ایک منٹ یا کچھ کم وبیش زیادتی و کمی کے باعث گویا روزانہ ہر نماز کا وقت آپکے یہاں نیا ہوتا تھا

لباس اگرچہ کم قیمت ہو مگر صاف ستھرا آپکو پسند تھا خصوصاً نماز کو کھڑے ہوتے وقت عمدہ سے عمدہ لباس جو آپ کے پاس موجود ہوتا اسکو زیب تن فرماتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتیں اسکے دربار میں حاضر ہوتے وقت بدن پر ہونی چاہئیں تعمیل تھی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فَلْيَرَ أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَيْكَ کی حق تعالیٰ کی حلال و لذیذ نعمتوں سے آپکو نفرت نہ تھی آپنے معمولی کھانا بھی کھایا اور عمدہ سے عمدہ غذائیں بھی استعمال فرمائیں کبھی کسی خاص غذا کے پابند نہوئے نہ کسی شئے کا بذات خود کوئی اہتمام فرمایا ہاں البتہ ٹھنڈا پانی آپکو نہایت مرغوب تھا اور اسکا آپکی خانقاہ میں اہتمام بھی خاص کیا جاتا تھا گرمی کے موسم میں مشکیزہ گولر کے درخت میں لٹکایا جاتا اور جو تدبیر بسہولت ہوسکتی پانی ٹھنڈا کرنیکے لئے اسکو عمل میں لایا جاتا تھا ٹھنڈا پانی پیکر آپ بہت خوش ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑی نعمت ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا اسی لئے آپنے دعا فرمائی ہے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ مَالِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ اور کما قال خمیری روٹی اور شوربہ سے بھی آپکو خاص رغبت تھی کیونکہ ملایم اور سریع الہضم ہونیکی وجہ سے معدہ میں گرانی اور عبادت میں کسل نہیں ہونے پاتا تھا۔

خوشبو کیسا تھ آپکو بہت محبت تھی ہر قسم کے عطر کا بہ رغبت استعمال فرماتے خصوصاً گلاب ایکمرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی سے مخاطب فرمایا کہ مولوی محمد قاسم صاحب کو گلاب سے بہت محبت تھی سمجھتے بھی ہو کہ اسکا سبب کیا تھا انھوں نے عرض کیا کہ حضرت شاید یہ وجہ ہو کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے گلاب جناب رسول اللہ صلے اللہ وسلم کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے" آپنے فرمایا ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ ابتداء میں اگر کوئی اصرار کرکے پان آپکو کھلاتا جب دانت نہ رہے تو پھر پان کو کبھی کھاتے نہیں دیکھا چونہ کو پان میں جائز فرماتے تھے مگر ممکن ہے کہ خود احتیاط فرماتے ہوں چائے آپنے نہ پی تھی مگر عادی نہ تھے کسی نے پلادی تو انکار نہیں فرمایا اور نہیں پلائی تو کبھی مانگی یا پکوائی نہیں اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ہفتوں متواتر آپنے چائے پی اور دفعۃً چھوڑ دی پھر کبھی پینے کے وقت پر اس کی جانب خیال بھی نہیں کیا۔ ایک شخص نے آپسے عرض کیا کہ حضرت کیا پینے کی چیز میں پھونک مار کر پینا منع ہے آپنے فرمایا ہاں مگر چائے کو اسکا نفع ہی گرم پینے میں ہے۔

حلاوت ایمان کا ایک ثمرہ یہ بھی تھا کہ ایکو میٹھے سے زیادہ رغبت تھی عام آدمی دودھ یا چار حصہ میٹھا کافی سمجھتے ہیں آپ اسکو پھیکا فرماتے یا کم میٹھا ظاہر کیا کرتے تھے پھلوں میں قلمی ام اور الہ آبادی دمریزی امرود بھی آپکو مرغوب تھے مگر ایک دو قاش سے زیادہ نہیں کھاتے تھے شیریں لوکاٹ اور ملایم آڑو بھی آپ رغبت سے کھاتے تھے اور یوں تو کسی فصلی پھل سے آپکو نفرت نہ تھی سامنے آگیا اور جو اچھا ہوئی تو کھا لیا ورنہ جس شغل میں آپ مشغول رہتے تھے وہ کسی شے کا خیال بھی نہیں آنے دیتا تھا۔ بینائی جانے پر بھی حضرت کی یہ عادت نہ تھی کہ لاٹھی کوئی تھامے یا راستہ بتاتا ساتھ ساتھ چلے آپ کو اول تو اکثر لاٹھی ہاتھ میں رہتی تھی دوسرے دیوار تھام کر اور ٹٹول کر چلتے تھے۔

کھلکھلا کر ہنسنے کی آپکی مطلق عادت نہ تھی زیادہ سے زیادہ خفیف تبسم فرماتے تھے حق تعالیٰ کا خوف و خشیۃ آپ پر اسدرجہ غالب تھا کہ ہر وقت مغموم و محزوں نظر آتے تھے مگر باوجود اسکے طلاقت وجہ اور تلطف و مدارات کا یہ عالم تھا کہ اکثر ایسے قصے نقل فرماتے کہ سامعین ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے جن باتوں پر سننے والوں کے پیٹ میں بل پڑتے اور درد ہونے لگتا تھا آپ پر ہلکی مسکراہٹ سے زیادہ اور وہ بھی کبھی کبھی مطلق اثر نمایاں نہوتا تھا تقریر کا سادہ لہجہ کچھ ایسا عجیب تھا کہ بڑے بڑے ضبط والے ہنسی کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے تھے جو لطف اور خاص کیفیت آپکے بیان کے وقت آتی تھی وہ کسی دوسرے کی نقل یا تحریر میں نہیں آسکتی تاہم ایک قصہ عرض کرتا ہوں جسکو بندہ کے سامنے جبکہ پندرہ سولہ خدام کا مجمع تھا حضرت نے بیان فرمایا اور شاید کوئی بچا ہو جسکے پیٹ میں ہنستے ہنستے درد نہو گیا ہو رمضان کا تذکرہ تھا کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت مروجہ فاتحہ کی ابتدا کیونکر ہوئی فرمانے لگے میاں مسجد میں ملا رہتا تھا محلہ بھر کی روٹیاں اسکے پاس جمع ہوتی تھیں اسنے ذہنوں میں ڈالنا شروع کیا کہ میں کھانے پر بیٹھکر مُردوں کو ثواب پہنچاتا ہوں محلہ والے ان پڑھ اور جاہل یوں سمجھتے تھے کہ ثواب پہنچانیکی کوئی ترکیب ہوگی جو ہر کسی کو نہیں آتی ایکدن کوئی برمیا روٹی لیکر آئی تو ملاں جی موجود نہ تھے بیچارہ ایک مسافر بیٹھا تک رہا تھا اسکو ترس آیا اور اسکو روٹی دیدی کہ لو میاں جی یہ میری بیٹی کو ثواب پہنچیگا مسافر نے لیکر کھانی شروع کردی کہ اتنے میں ملاں جی آگئے دیکھا تو سامنے بیٹھا انکا حق نگل رہا تھا تن بدن میں غصہ کی آگ لگ گئی قہر درویش بجاں درویش کچھ بولے نہیں حجرہ میں گئے اور موٹا سا ڈنڈا لیکر لائے مسجد میں آکر دیوانہ وار دیواروں کو چھپیتنا شروع کیا اُدھر آئے دھم اُدھر بھاگے دھم مضبوط الحواس بزرگ

سر کے بال بکھیرے بینٹی کے سے میسیوں چکر لگا دئے اور ساتھ میں بکواس بھی کہ نہیں جانیکی کمر ٹوٹ
نے چکہ مزا غرض محلہ والوں نے جو شور سنا تو بھاگے ہوئے آئے کہ ملاں جی کو جنون ہو گیا لوگ ہیں
کہ ملاں جی کو گولی بھرتے ہیں اور ملاں جی ہیں کہ آپے سے باہر اُن کے ہاتھوں سے نکل نکل کر اُسی سونٹہ
بازی اور بکواس میں سرگرم ہیں آخر جب تھک گئے تو لگے پسینہ پوچھنے محلہ والوں نے جو ہوش میں آیا دیکھا
تو پوچھا "ملاں جی کیا ہو گیا تھا؟" کہنے لگے ہو کیا گیا تھا تم جاہلوں نے آج مجھے مروا کے چھوڑا ہوتا کوئی
کمبخت فاتحہ کی روٹیاں لائی اور اجنبی اناڑی آدمی کو دیگئی جسے نہ محلہ کے مردوں کی خبر نہ اتر یہاں
رہے تو مردوں کی شناخت بھی ہو ناواقف آدمی پہنچائے تو کیونکر پہنچائے آخر ساری روحیں جمع ہو گئیں
اور لگیں باہم لڑنے وہ کہے میرا ہے وہ کہے میرا جس بیچاری کو پہنچانی تھیں اُسکے ہاتھ سے چھینے لیوبیں
جب دھنڈا لیکر نکلا تو مارنے بھگانے اور بڑھیا کی لونڈیا کا پیچھا چھڑانے میں خون پسینہ ایک ہو گیا خدا
خدا کر کے فتح پائی اگر ایکدفعہ اور ایسا ہوا تو میں تو مر مٹا" محلہ والوں پر اس ڈھونڈ کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ
ٹھیک نہیں سب کو یقین ہو گیا کہ میاں ہمیشہ کا رہتا ملاں سبکی روحوں سے واقف ہے یہ جسکو پہنچائے
اُسی کو پہنچے ہے اجنبی آدمی کو کھانا دینا تو ضایع ہی کرنا ہے جب اُسے مُردہ ہی معلوم نہیں تو پہنچا یگا کون
گو صدمات متواترہ نے آپکو شکستہ خاطر بنا دیا اور بمقتضائے بشریت آپکو مجسم حزن و غم بنا چھوڑا تھا
تاہم آپ اسدرجہ زندہ دل تھے کہ بعض اوقات اپنے خدام کیساتھ اسقدر انبساط اور خوش طبعی فرماتے
کہ اجنبی آدمی آپکے مرتبہ کے خلاف سمجھتا یوں تو عام مخلصین کیساتھ بے تکلف خوش خلقی کا برتاؤ ہو جاتا تھا
مگر بعض اہل خواص کیساتھ تو بہت ہی کھلکر باتیں ہونے لگتی تھیں آپکی طبع کا اس وقت یہ انداز دیکھکر
خواص کا انبساط بھی بڑھ جاتا اور مسنون مزاح کی حد میں داخل ہو کر سبب اجر و ثواب بنجاتا تھا ایک
مرتبہ جبکہ حضرت قدس سرہٗ عشا کے بعد پلنگ پر لیٹ رہے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب پاؤں والے کھڑے
ہو گئے حضرت نے فرمایا تمیاں کیوں شرمندہ کرتے ہو تم ایسے کام کرتے ہو تو بہت ہی شرم آتی ہے"
مولوی یحییٰ صاحب بولے کہ حضرت ایک خادم تھا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کا جب اُسکا انتقال ہو گیا
تو کسی نے اُسکو خواب میں دیکھا کہ سارے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے مگر ہتھیلیاں سالم اور محفوظ ہیں اُسنے
پوچھا کیوں بھئی کیا حال ہے اُسنے کہا کیا کہوں اعمال کی سزا مل رہی ہے سارے بدن کو تکلیف ہے
مگر یہ ہاتھ حضرت مولانا کے پاؤں کو لگے تھے اسلئے حکم ہوا کہ ان میں آگ لگاتے ہمیں شرم آتی ہے" بیساختہ

حضرت نے جواب دیا "گیا خوب! سکا تو یہ مطلب ہوا کہ تم لیٹ جاؤ اور میں تمہارے اوپر سے چھلانگ مار کر نکل جاؤں" ایک دفعہ کا ذکر ہے آپ پلنگ پر بیٹھے تھے اور نیچے ایک مونڈھا پڑا تھا آپ کے دو خادم پنکھے پر لگے جھگڑنے ہر ایک یوں چاہے کہ میں مونڈھے پر بیٹھ کر حضرت کو پنکھا جھلوں حضرت نے تھوڑی دیر اس جھگڑے کو سنا پھر فرمانے لگے "دو پیرزادے ایک خانقاہ کے دروازے پر بیٹھا کرتے تھے جو کچھ آتا نصفا نصف بانٹ لیتے بعض چیزوں میں جھگڑا بھی ہوتا وہ کہتا میں لوں وہ کہتا میں لوں ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا ہاتھ میں پیالہ لئے سیخ سیخ آرہا ہے سمجھے کہ دسی ہے لگے باہم جھگڑنے یہانتک کہ گلخپ ہو گئے جب وہ قریب آیا تو ایک کی نظر جا پڑی دیکھا کہ خالی ہے بڑا نادم ہوا کہ سوت نہ کپاس جلاہے سے لٹھم لٹھا فورا الگ ہو کر لگا کہنے" اچھا بھئی تو ہی لیلے ۳ تنا فرما کر حضرت مولانا نے پاؤں نیچے لٹکائے اور فرمایا لو میں تو گھر جاؤں ہوں تم دونوں لڑتے جاؤ۔

ایک مرتبہ بیت الخلا سے تشریف لائے مولوی محمد یحییٰ صاحب حجرہ میں بیٹھے لکھ رہے تھے فرمایا کہ بھئی ایک بات پوچھیں تم بڑے ذہین کہلاؤ ہو بھلا اسکی نحوی ترکیب کیا ہے" اللہ کرکہ تو مرجا" مولوی صاحب بولے حضرت میں بتا دونگا آپ نے فرمایا ہاں بھئی اسی واسطے تو تم سے پوچھا ہے مولوی یحییٰ صاحب نے کہا التفات ہے اول دعا ہے کہ یا اللہ تو ایسا کر اور پھر اسکی طرف توجہ ہے یعنی یہ کہ تو مرجا" حضرت مسکرا کر اور خاموش ہو رہے۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب کی اہلیت و سعادت خاصہ کے سبب حضرت امام ربانی کو جس درجہ بے تکلف اور محبوبانہ تعلق ان کے ساتھ تھا اسکی نظیر شاید حضرت کے متوسلین میں دوسری جگہ نظر نہ آئیگی ان کے ساتھ بہتیرے واقعات ایسے پیش آئے جنکو مزاح محمود اور انبساط مسنون کی مثال بنایا جاتا ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مولانا عبد الرحیم صاحب اور حافظ قمر الدین صاحب تینوں حضرات کھانا کھانیکو سہ دری میں بیٹھے مولوی محمد یحییٰ صاحب جو آئے تو مولانا نے فرمایا میاں مولوی یحییٰ جب جانیں کہ آج حضرت کے ساتھ کھانا کھلوا دیں انھوں نے جواب دیا جناب بہت اچھا یہ کون بڑی بات ہے اتنا کہا اور اندر جا بیٹھے قلم ہاتھ میں لیکر اس طرح لکھنا شروع کیا کہ حضرت قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا اور بولے کون؟ مولوی یحییٰ؟ عرض کیا جی حضرت! آپ نے فرمایا کیوں تم نے کھانا کیوں نہ کھایا؟ کہنے لگے حضرت کوئی کھانے ہی دے یوں فرماویں ہیں کہ اگر حضرت کو ہمراہ کھلائے تو

تو بھی کھا ورنہ تو بھی اُٹھ جا۔ حضرت امام ربانی نے مولوی یحییٰ صاحب کا یہ فقرہ سنا اور مسکرا کر یہ فرماتے ہوئے اٹھے اچھا میاں ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر" باہر تشریف لائے اور کھانے میں شرکت فرمائی۔ ایکدفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو ایک تعویذ بتایا پھر فرمانے لگے "ایک پیرزادے تھے انھوں نے ایک شخص سے کہا "ہمارے ساتھ رہا کرو جو کچھ ملا کریگا آدھا ہمارا آدھا تمہارا تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک چنا پڑا پایا بولے لو میاں اوٹھاؤ چھیلو آدھا ہمیں دو آدھا تم لو اسکے بعد فرمایا دیکھو یاروں کے ساتھ رہو گے تو یہ مزے ہیں۔

ایکبار مولوی ولایت حسین صاحب حاضر خدمت ہوئے جب مصافحہ کیا تو حضرت نے حسب عادت شریفہ پوچھا کون؟ انھوں نے جواب دیا ولایت! آپ نے فرمایا سیدھا ولی کیوں نہیں کہتے؟۔

آپ کے مزاح میں صداقت کی شان چونکہ جلوہ گر تھی اسلئے نبوی مزاح کا پورا نمونہ تھا ایکمرتبہ پوتے سعید احمد سلمہ جامن کھا رہے تھے حضرت نے فرمایا "بھائی گٹھلی مت نگلیو بافتضائے طفولیت دنا زانھوں نے جواب دیا کیوں؟ ہم تو گٹھلی بھی کھا جائیں گے" حضرت نے فرمایا "گٹھلی سے درخت اُگتا ہے" سعید احمد ڈر گئے اور لگے گٹھلی تھوکنے آپ کی ظرافت میں حسب رجہ لطافت تھی اسکی نظیر بھی دوسری جگہ کم ملیگی ایکبار حدیث کے درس میں اہل جنت کا ذکر آیا کہ مرد سبزہ آغاز بے ریش ہونگے ایک طالبعلم نے عرض کیا کہ حضرت مرد کے چہرہ کی زیبایش تو ریش سے ہوتی ہے جنتیوں کیلئے یہ سن کیوں تجویز ہوا؟ بیساختہ آپ نے مسکرا کر جواب دیا اُس کا مزہ اُن سے پوچھو جو ڈاڑھی منڈاتے ہیں

مولوی محمد سہول صاحب ایکبار کسی مسئلہ پر حجت کرنے لگے اعتراض پر اعتراض اور شبہ پر شبہ جب تقریر طویل ہوئی تو فرمایا تمہارا نام سہول کس نے رکھا تم میں سہولت بالکل بھی نہیں تمہارا نام ہونا چاہیے سئول کہ سوال بہت کرتے ہو۔

تالیف قلب اور تسلین کا بیخ دفکر ازالہ کرنیکے لئے یہ انبساط اکثر ظاہر ہوتا تھا ایکبار آپ سخت علیل ہوئے مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب آپ کے معالج تھے دوران علاج میں اتفاقاً حضرت کو تکلیف بڑھ گئی جسکی بنا پر صاحبزادہ حضرت مولوی حکیم مسعود احمد صاحب نے انکا علاج چھوڑ کر باپ کا معالجہ جسمانی اپنے ہاتھ میں لے لیا حکیم اسمٰعیل صاحب کو رنج ہوا اور وہ ایک وقت مجویانہ حاضر خدمت ہوئے حضرت امام ربانی نے انکو بلوایا اور نہایت شفقت کیساتھ فرمایا "بھائی محمد اسمٰعیل کیا خفا ہوگئے؟ لو

از مرتب تفضل حسین غفرلہ

یہ فرما کر یہ شعر پڑھا ؎ مصحفی یاد بھی ہر روٹھ کے جانا انکا ۔ اور یہ کہنا کہ ہمیں اب منانے کوئی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب کا سارا رنج و تکدر رفع ہو گیا ہنس دیئے اور عرض کیا کہ حضرت میں تو آپکا خادم ہوں جس عنوان سے آپ کو راحت پہونچے میری عین آرزو ہے۔

اشعار پڑھنے یا تصنیف کرنیسے حضرت مولانا کو مناسبت بطلق نہ تھی خلق ہی کریم وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ کا آپکو حظ وافر عطا ہوا تھا اسیوجہ سے آپکی زبان اور قلم پر تقریر و تحریر میں اشعار شاذ و نادر ہی کہیں آئے ہیں اور جہاں آئیں ہیں بیساختہ و بلا تکلف آگئے ہیں جیسا کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسے الفاظ کا صدور جسمیں بلا فکر و تکلف آگئے ہیں سجع اور موزونیت پیدا ہو گئی۔ حضرت امام ربانی کی سوانح میں اگر وہ اشعار جمع کئے جاویں جو برمحل آپکی زبان سے گاہے ماہے صادر ہوئے تو شاید بمشکل بیس پچیس کی گنتی پوری ہوتا ہم جہاں آپنے شعر پڑھا یا لکھا ہے باوجود بلا غور و تامل مستحضر ہو جانیکے ایسا برمحل اور باموقع ہے کہ گویا خاص اسی جگہ کیلئے شاعر نے یا خود آپنے تصنیف فرمایا ہے۔ مرض الموت سے چند سال قبل جب آپ سخت مرض میں مبتلا ہوئے اور ہر چند کہ ہر قسم کا معالجہ کیا گیا مگر صورت افاقہ نہ ہوئی تو بعض خدام کا خیال اس طرف گیا کہ کیا عجب ہے کسی نے سحر کیا ہو چنانچہ یہ خیال صحیح بھی تھا اس شبہ پر آپکے جان نثار خدام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب وغیرہ حضرات نے ایک شخص کو دیوبند سے آپکی خدمت میں روانہ کیا جسکو سحر وغیرہ کے معالجہ میں کمال تھا جب وہ معالج بنکر گنگوہ پہونچا تو حضرت امام ربانی کو من اللہ معلوم ہوا کہ یہ سحر کرنیوالا کمبخت مرید اور شاگرد ہے اسلئے اسکو واپس فرما دیا اور جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ حاضر خدمت ہوئے تو مصافحہ کرتے وقت آپنے یہ شعر پڑھا ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب	✦	اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں	

ظہر کے بعد جب حضرت خلوتخانہ میں تشریف لیجاتے اور حجرہ کے کواڑ بند ہو جاتے تھے تو بعض مرتبہ آپ پر وہ کیف غالب ہوتا کہ دیر تک خلوت پسند رہتے اور کسی کا آنا اچھا معلوم نہ ہوتا تھا یہ مرج شناسی حق تعالیٰ نے کچھ مولوی محمد یحییٰ صاحب ہی کو عطا فرمائی تھی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت اس خاص محبت کیساتھ جسکو یک بگوئی عشق کہا جائے تو شاید نازیبا نہو مولوی محمد یحییٰ صاحب کو اپنی خدمت میں رکھتے تھے چنانچہ بارہا آپنے فرمایا کہ "مولوی یحییٰ تو میری آنکھیں ہیں" خدا مبارک کرے مولوی محمد یحییٰ صاحب کو وہ نرالا انداز جسکو ناز کہا جا سکتا ہے شاید ان کے علاوہ دوسرا نصیب

از مولانا لطیف احمد صاحب

نہیں ہوا ایکمرتبہ گھر والوں کے بار بار باصرار بلانے پر حضرت سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو ایکروز کیلئے ہو آؤں کئی مرتبہ تو حضرت نے ٹالدیا کیونکہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کا اجازت طلب کرنا بھی کچھ ایسا ہی تھا انکا خود جی نہ چاہتا تھا کہ حضرت کی خدمت سے ایک لحظہ کیلئے بھی علیحدہ ہوں اور نہ حضرت ہی کا دل چاہتا تھا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب ایک لمحہ کو کہیں جائیں بارہا ایسا ہوا کہ اتفاقیہ کسی ضرورت کیلئے مولوی محمد یحییٰ صاحب لال مسجد تک گئے یا ادھر اُدھر ہوئے تو حضرت بیچین ہو گئے اور بار بار پکارا آخر جب آئے تو یوں فرمایا "میاں کہاں چلے گئے تھے" ایکمرتبہ کسی کام میں مولوی محمد یحییٰ صاحب کو دیر زیادہ لگی اس اثناء میں حضرت نے کئی بار پکارا اور فرمایا خدا جانے کہاں بیٹھ رہے آخر جب آئے تو آپ نے فرمایا ؎ مت آیو ولو وعدہ فراموش تو اب بھی ۔ جس طرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی ۔

غرض حب والدہ کے متعدد تقاضے آئے کہ یحییٰ کی صورت دیکھنے کو دل تڑپتا ہے تو مجبوراً انکو گھر جانا پڑا اور حضرت نے خود ہی فرمایا کہ "بھئی ہو آؤ" رخصت کے وقت مصافحہ کیا تو عرض کرنے لگے حضرت دعا فرمائیے کہ جلد واپسی نصیب ہو بے ساختہ حضرت کی زبان سے نکلا "کیا تمہارے کہنے سے؟ میاں اپنی لگی کو آپ کلیگی۔ حضرت کی مزاج شناسی مولوی محمد یحییٰ صاحب میں اسدرجہ بڑھی تھی اور واقع میں بھی حضرت ہی کی جوتیوں کا طفیل تھا) کہ جب کبھی حضرت کو معمول سے زیادہ خلوت پسند ہوئی تو مولوی محمد یحییٰ صاحب کے قلب پر اسکا اثر پڑا اور انھوں نے حجرہ نہ خود کھولا نہ کسی کو کھولنے دیا ایکبار ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور مولوی یحییٰ صاحب پر کے بعد کواڑ کھولکر اندر آئے دیکھا حضرت بیٹھے تسبیح پڑھ رہے ہیں فرمایا اب تک کہاں تھے انھوں نے عرض کیا حضرت جی نہ چاہا کہ ابھی حجرہ کھولوں فرمایا پھر اب کیوں آئے عرض کیا کہ اب دفعۃً جی چاہا کہ کواڑ کھولدوں آپ مسکرائے اور یہ شعر پڑھا ؎

وہ نہ آئیں تو تو ہی چل رنگیں ۔ اسمیں کیا تیری شان جاتی ہے

ایک مرتبہ آپ دولتخانہ میں تشریف لیگئے کہیں سے خمیری روٹی اور تورمہ آیا تھا نوش فرما کر خانقاہ میں تشریف لائے چہرہ پر بشاشت تھی اور قلب پر انبساط حجرہ میں آکر بیٹھے تو مولوی محمد یحییٰ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا میاں تمہیں بھی کچھ بھاوے ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت کچھ نہیں ایک ارہر کی دال تو بھاتی نہیں باقی جو کچھ ملگیا سب پسند ہے آپنے بیساختہ یہ شعر پڑھا ؎

کیا کہوں حضرت کہ کچھ بھاتا نہیں	کچھ تو بھایا ہے کہ کچھ بھاتا نہیں

ایکبار آپنے فرمایا بھئی ہمیں تو حضرت کے درد تالہ میں ایک شعر بہت بھایا ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا

۱۳۱۷ھ میں بعد رمضان دوسری مسواک نکالی گئی تو مستعمل مسواک کیلئے مولوی مخلص الرحمن صاحب بنگالی نے عرض کیا کہ مجھے عطا فرمادیجے مولوی ولایت حسین بولے کہ اسکی نسبت تو میرا خیال تھا مولوی مخلص الرحمن نے کہا تم تو پاس کے رہنے والے ہو پھر لے لینا یہ تو مجھے ہی لے لینے دو مولوی ولایت حسین صاحب بولے اچھا اوپر کا حصہ ہم کاٹ لیں باقی تم لیلو دونوں کی گفتگو حضرت سن رہے تھے فرمانے لگے کسی شخص نے مکان تقسیم کیا اسطرح ؎ از صحن خانہ تا بہ لب بام ازان من ۔ واز سقف خانہ تا بہ ثریا ازان تو

مرض کی حالت میں معالجہ کرنے اور دوا پینے کے متعلق بھی آپکی عادت وہی تھی جو دیگر اسباب دنیاویہ کے متعلق تھی یعنی محض توکل پر مدار تھا اگر کسی نے دوا تجویز کی اور طیار کرکے پیش کردی تو سنت سمجھکر بلا تکلف پی لی ورنہ اپنی طرف سے کبھی اہتمام نہیں فرمایا بعض دفعہ پاؤں میں یا کسی جگہ چیونٹ آگئی ہے تو مکھی سے بچانیکو آپنے صرف ذرا سا کاغذ لب لگاکر اسپر رکھ لیا ہے جب وہ اتر گیا پھر کبھی خیال آگیا یا ہاتھ جا پڑا اور احساس ہوا تو پھر کاغذ لگا لیا دنیوں ہی آرام ہوگیا البتہ بینائی کیجانے پر ہر چند آپکے متوسلین نے کوشش کی کہ آنکھیں بنوائی جائیں مگر آپنے نہ مانا کبھی تو یوں فرمایا کہ "آدمی اپنے توتی کو دیکھے آنکھ ہی درست ہوکر کیا ہوگی دیکھو قاری عبدالرحمن صاحب مرحوم نے آنکھ بنوائی چھ مہینہ کے بعد انتقال ہوگیا" اور کبھی یہ جواب دیا کہ آنکھ بنوانے میں بڑی سخت تکلیف ہوتی ہے نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے اتنی تکلیف کون اٹھائے ؟ اور بعض وقت یہ فرمایا کہ بھئی میں نہیں بنواتا سنتا ہوں کہ آنکھیں بننے پر چند روز حرکت کرنیکی طبیب ممانعت کرتا ہے اور مجھسے بڑھاپے میں نماز نہیں چھوڑی جاتی لیکن جب ڈاکٹر سبحان علیخاں سول سرجن نے جو اس فن میں مشہور ڈاکٹر اور ماہر و سند یافتہ طبیب ہیں خود حاضر خدمت ہوکر دائق وعدہ کیا کہ حضرت نماز آپکی کوئی بھی قضا نہوگی صرف چند گھنٹہ تحرک سے پرہیز کرنا ہوگا جو فجر و ظہر کے مابین ممکن ہے آپ بخوشی رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز ادا فرمائیں تب آپنے دوسری طرح ٹالا اور یہ فرمایا کہ مجھسے تکلیف برداشت نہیں ہوسکتی اور آنکھوں بغیر اکوئی کام بھی نہیں ہے پھر خواہ مخواہ کیوں تکلیف اٹھاؤں غرض آپنے قبول نفرمایا مولوی عبیداللہ صاحب جب عرض کیا تو انکو آپنے یوں جواب دیا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ جسکی آنکھ لے لے اور وہ اسپر صبر کرے تو اسکا

بدلہ جنت ہے سو شاید یہی ایک ذریعہ حصول جنت ہوا سلئے مجھے تو اندھا رہنا ہی پسند ہے اور خاص لوگوں سے ایکمرتبہ یوں بھی فرمایا کہ میاں پہلے تو آنکھیں بند کرنی پڑتی تھیں الحمد للہ اب خود بند ہو گئیں پھر ان کے کھلوانے کی تمنا کیسی؟

کوئی لفظ آپکا تکیہ کلام نہ تھا جسکو جاؤ بیجا بلا قصد و اختیار برتا جاتا ہے اور نہ قسم کھانیکی آپکی عادت تھی عمر بھر میں شاید ایک دو مرتبہ واللہ یا خدا کی قسم آپکی زبان مبارک سے نکلا ہو تو نکلا ہو ذو معنیین فقرات کا استعمال کہیں کہیں آپ سے ضرور ثابت ہے مگر ایسی جگہ جہاں اسکی ضرورت تھی ورنہ عموماً آپکا جواب نہایت صاف اور کھلا ہوا دو ٹوک ہوتا تھا جہاں آپنے ذو معنیین لفظ کا استعمال فرمایا ہے وہ اسدرجہ ملیح ہے کہ اگر بہ تکلف بھی استعمال ہوتا تو داخل کمال تھا چہ جائیکہ برمحل بموقع بیساختہ و بلا تکلف زبان پر ایسا فقرہ آئے صاحب ذوق سلیم اس ملاحت کی لذت حاصل کر سکتا ہے ایکبار مولوی بدرالدین صاحب نے درخواست کی کہ حضرت میری تحصیل علم ختم ہو چکی اب چند روز خدمت میں رہکر ذکر شغل کرنا چاہتا ہوں آپنے فرمایا "میاں پڑھ چکے ہو تو اب پڑھاؤ تاکہ یاد رہے یہاں تو وہ آوے جسے اپنے علم پر پانی پھیرنا ہو"

ایک شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے دلمیں وسوسہ آیا کہ یہاں تو امیرانہ ٹھاٹھ ہے اس انداز کو درویشی سے کیا مناسبت؟ باوجود اس وسوسے کے انھوں نے بیعت کی درخواست کی حضرت نے انکار فرمایا کہ ابھی نہیں پھر دیکھا جائیگا تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے پھر عرض کیا اور باصرار کہا کہ حضرت میں تو مرید ہونے ہی کو آیا تھا اتفاق سے اسوقت کسی شخص نے آپکو چار یا پانچ روپیہ تعمیر مسجد میں دیئے تھے جنکو حضرت نے جیب میں ڈال لیا تھا جب اس شخص نے بیعت پر اصرار کیا تو آپنے جیب کو ہلایا اور روپیوں کو چھنکار کر فرمایا "میاں یہاں کیا دھرا ہے میں تو روپیوں کا آدمی ہوں" اسکے بعد یہ شعر پڑھا ؎

دست زر آلود سیہ میشود ٭ قلب زر آلود را حال دیگر است

مسائل کے باب میں آپکا یہ انداز معلوم ہوا کہ گو اپنے نفس پر تشدد فرماتے اور احوط و بلا خلاف شق معین فرمالیتے مگر مستفتی کو جہانتک گنجایش نکلسکتی سہل صورت بتایا کرتے تھے البتہ بدعات و معصیات میں آپکو تشدد پسند تھا اور سد اللباب مبادی و مقدمات پر بھی عدم جواز کا فتوی دیتے تھے ایکمرتبہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت دسویں محرم کو اگر شہادت کا سچا قصہ پڑھا یا سنا جائے تو اسمیں تو ... کچھ حرج نہیں؟ آپنے فرمایا "نا جائز

رفض کا مقدمہ ہے اگر جھوٹی روایت کے گناہ سے بچا تو رفاض کی مشابہت تو ہی مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ حق تعالیٰ نے چونکہ آپکو مُیَسَّر بنا کر بھیجا تھا اسلئے آپ مخلوق پر تنگی نہیں فرماتے تھے شریعت سے جہانتک سہولت نکلسکتی تھی آپ اسکو ظاہر فرماتے تھے اور عموم بلوی کا بہت خیال رکھتے تھے ایکمرتبہ حقہ نوشی کا مسئلہ چھڑا آپنے فرمایا حقہ پینا مکروہ ہے کیونکہ منہ میں بدبو آتی ہے اور حنفیہ پر کیا حصر ہر بدبو کی اور چیزیں مثلاً پیاز لہسن مولی وغیرہ سب کچی کھانا مکروہ ہیں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حقہ کے باب میں تو مولویوں نے بہت غلو کیا ہے بعض نے تو مثل شراب کے حرام بتایا ہے آپنے ارشاد فرمایا کہ سب غلط ہے تمباکو مثل دوا کے مولات کے مباح ہے اسپر کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت رمضان شریف میں جو حقہ پی دم لگاتے ہیں وہ تو اکثر بیہوش ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ تمباکو نشہ کرتا ہے آپنے فرمایا خلو معدہ میں کالی مرچ منگھائی جاے تو وہ بیہوش کر دیتی ہے میاں تمباکو نشہ نہیں کرتا بلکہ اسکی تیزی خلو معدہ کیوقت البتہ بیہوش کر دیتی ہے جس زمانہ میں رنگت کی پوڑیہ شایع ہوئی اور آپکو یوں محقق ہوا کہ اسمیں شراب کی آمیزش ہے تو آپنے اس طرح فتویٰ دیا کہ اول تو اس رنگ سے کپڑے مت رنگو اگر رنگنا ہی ضرور ہے تو بعد رنگنے کے خوب ڈھوڈالو اسپر ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت دھونے کے بعد جو اجزا رنگ کے کپڑے میں باقی رہیں گے وہ بھی تو ناپاک ہیں آپنے فرمایا نہیں کپڑا پاک ہو گیا چونکہ سایل حضرت کے خاص شاگرد اور بے تکلف تھے بولے حضرت میں تو دیکھ تو ناپاک ہی ہے آپ خاموش ہو گئے مولوی اسمٰعیل صاحب جو اس مجمع میں حاضر تھے انھوں نے سایل کو الزامی جواب دیا اور کہا کہ فقہا نے لکھا ہے اگر گوبر وغیرہ کپڑے کو لگجائے اور اچھی طرح ڈھوڈالے تو جو رنگت کپڑے پر رہجائیگی وہ معاف ہے اسپر حضرت نے فرمایا درست ہے۔

احباب کیساتھ حضرت کی بے تکلفی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اسکی نظیر ملنی مشکل ہے جب کبھی آپکا اور حضرت مولانا قاسم العلوم یا حکیم ضیاء الدین صاحب کا اجتماع ہوتا تو باہم مزاح اور مہذب تمسخر کا جو عالم ہوتا تھا اسکو دیکھنے اور سننے والوں کا دل آج چاروطرف ڈھونڈتا ہے اور نہیں ملتا چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور نمک مرچ لگے ہوئے فقرات حضار جلسہ پر کاٹتے اور بیداری کیساتھ خوش طبعی مخلصانہ توافی کا سبق پڑھا کرتے تھے مولوی نظر محمد خاں آنبہہ کے رہنے والے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد اور بیعت متمنی تھے حضرت مولانا قاسم العلوم عادت شریفہ کے موافق ٹالتے اور ادھر ادھر کی باتوں میں دل بہلاتے

تھے ایکمرتبہ انھوں نے اپنی خواہش پر چہ پر مفصل لکھی اور مولانا محمد قاسم صاحب کے حضور میں پیش کی مولانا نے پرچہ کو پڑھا اور جیب میں رکھ لیا اُسکا بھی کچھ جواب نہ دیا یہ سمجھے کہ حضرت مولانا نے توجہ نفرمائی اتفاق سے تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نانوتہ تشریف لائے تو مولوی نظر محمد خاں صاحب بھی خبر پاکر حاضر ہوئے اب انہوں نے دوسری بار درخواست کا اعادہ کیا اور پرچہ پر وہی مضمون لکھکر حضرت امام ربانی کے حضور میں پیش کیا اس تحریر میں اتنا اور لکھدیا کہ میں نے یہ درخواست ایک پرچہ پر لکھکر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی خدمت میں بھی پیش کی مگر مولانا نے کچھ جواب نہیں دیا جسوقت یہ تحریر حضرت کے سامنے کیگئی حضرت مولانا وضو کیلئے وضو کرنے بیٹھے تھے آپنے پرچہ لے لیا اور پڑھکر جیب میں رکھ لیا ہی تھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب بھی پانی کا بھرا لوٹا لیکر وضو کرنیکو حضرت کے پاس آبیٹھے مولوی نظر محمد خاں سامنے کھڑے تھے کہ حضرت نے مولانا قاسم العلوم کیطرف دیکھکر تبسم فرمایا اور مولوی نظر محمد خاں سے اسطرح فرمایا "ایسے گونگے پیر کو خط کیوں دیا تھا جسنے جواب بھی نہ دیا" مولانا محمد قاسم صاحب بھی ہنسے اور فرمایا "جواب بولنے پیر کے پاس آگیا آپ جواب دیں"

یہی مولوی نظر محمد خاں فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ حضرت رامپور تشریف لائے اور حسب عادت حکیم ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں قیام فرمایا میں بھی خبر سنکر حاضر ہوا صبح کو جب ایک بڑی چارپائی پر حکیم صاحب اپنا صندوقچہ کھولکر جسمیں ادویات وعطریات وغیرہ اور دوات قلم تھا سامنے رکھکر بیٹھے تو حضرت نے مسکراکر فرمایا حکیم جی دنیا کی طرف بہت ہاتھ پھیلانے لگے ہو حکیم صاحب نے فرمایا "نہیں حضرت" اتنے میں ایک شخص قارورہ لیکر آیا اور حکیم صاحب کے سامنے پیش کیا حضرت ذرا فاصلہ پر بیٹھے تھے آپنے دور ہی سے قارورہ پر ایک نظر ڈالی اور خاموش ہوگئے جب وہ شخص قارورہ پھینکنے گیا تو آپنے فرمایا حکیم جی اس مریض کا علاج ذرا سنبھلکر کیجو" حکیم صاحب حیران ہوئے اور فرمایا حضرت کیوں آپنے فرمایا "اسکا حال ابتر ہے" غرض جب وہ شخص قارورہ پھینککر واپس آیا تو حکیم صاحب نے مریض کا حال پوچھا اُسنے چکی وغیرہ کی وہ حالت بیان کی جو جانکنی کے وقت ہوتی ہے تب تو حکیم صاحب گھبرائے اور اسکو حیلہ بہانہ سے ٹالا

رامپور کے قیام میں آپکی خوش طبعی وانبساط کا حال معلوم کرکے طالبعلم آپکو اکثر آتے بہتیری ادھر اُدھر کی باتیں پوچھا کرتے تھے ایکبار عشاء کے بعد آپ چارپائی پر لیٹے تھے طلبہ نے آکر پیر اپاؤں دبانے سوالات کرنے شروع کئے ایک طالب علم نے حضرت آلو کی دال کے خواص کیا ہیں؟ آپ نے ہنسکر

خاصیتیں بیان کرنی شروع کیں اور بہت دیر تک بیان کیں سارے طلبہ اور نیز حضرت حکیم صاحب بیٹھے سن رہے اور حیران و ششدر رہے جب آپ اُن کے خواص ختم کر چکے تو طالبعلم نے پوچھا اچھا حضرت گاجر کی کیا تاثیر ہے آپ نے فرمایا سیدانی کہو شیخانی کہو مغلانی کہو سب ہنسنے لگے پھر اُس نے پوچھا کہ شلغم کی کیا تاثیر ہے؟ آپ بولے یہ تو بیچارہ جولاہہ ہے مصفی خون ہے پھر طالبعلم نے پوچھا مولی کی کیا خاصیت ہے؟ فرمایا یہ تو چماری ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ جس وقت تکلم فرماتے تو آپ کے دہن سے پھول جھڑتے اور سکوت فرماتے تو شاہانہ رعب برستا تھا آپ اسدالخلیق تھے کہ کوئی شخص کیسا ہی پھٹے پرانے یا میلے کپڑوں میں کیوں نہ آئے آپ اُسکو پاس بٹھانے مصافحہ کرنے اور میٹھی باتیں کرنے سے کبھی نہ فرماتے اسی طرح کوئی شخص کیسی ہی قلب کی حالت بگاڑ کر کیوں نہ حاضر ہو آپ کبھی اُس سے روکھا ہوٹ نہ برتتے تھے خادم نوازی آپکی خاص شان تھی اور عیب پوشی میں آپکو پورا ملکہ تھا آپ خود بلند ہمت تھے اور اپنے خدام کو عالی حوصلہ بنانے میں سعی فرمایا کرتے تھے آپکی پست شدہ ہمتوں کو اُبھارتے اور بلند کیا کرتے تھے بارہا آپنے فرمایا کہ جو کچھ حق تعالیٰ توفیق دے کئے جاؤ ہمت نہ ہارو اگر قلب میں اثر نہ ہو تو سہی آخر زبان سے ذکر ہونا کیا تھوڑا نفع ہے جب زبان اللہ کی یاد کے سبب دو روز سے بچیگی تو دل بھی تو بچ جائیگا آپ اپنے متوسلین کے دل میں یاس و ناامیدی پیدا ہی نہونے دیتے تھے مگر اسکے ساتھ ہی ایک حالت پر قائم و قاصر رہنا بھی آپکو گوارا نہ تھا تحریر سے تقریر سے غرض جس طرح بن پڑتا ہر پہلو سے خدام کو توجہ الی اللہ کی رغبت دلاتے اور یوں فرمایا کرتے کہ جتنا بھی ہو سکے کرو اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اسی سے ترقی ہو گی لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

آپ ذکر اللہ کی تحریض و ترغیب میں یکتائے زمانہ تھے عالم ہو یا جاہل خاص ہو یا عامی شریف ہو یا وضیع امیر ہو یا غریب جو کوئی بھی آپکی خدمت میں حاضر ہوتا فوراً ابدی اور غیب الی الآخرۃ کا حسب مقدور کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیکر جاتا تھا اسوقت خدای مخلوق کی کئی ہزار راست گفتار زبانیں اس مضمون پر متفق ہیں کہ آپکی صورت دیکھکر خدا یاد آتا اور آپ کی صحبت میں بیٹھکر دنیا سے نفرت پیدا ہوتی تھی اتباع شرع اور تمسک بالسنۃ کی تعلیم کیلئے صرف آپکی زبان نہ تھی بلکہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک جو افعال آپ سے صادر ہوتے وہ سب یہ سبق پڑھاتے اور یاد کرایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کا نام انسان کا بڑا رفیق ہے

اور بطحائی پیغمبر کا اتباع مسلمان کا اصل مقصود اور رضائی خالق کا مضبوط وسیلہ۔

حق تعالیٰ نے آپکو جس مشغلہ میں لگایا تھا اسکے اندر آپکو اسدرجہ پختگی عطا کیگئی تھی کہ کبھی فرق نہیں آیا۔ آفتاب عالمتاب صبح کو طلوع ہوتا اور شام کو اُفق مغرب میں غروب ہو جاتا تھا ماہتاب کبھی ہلال بنکر نکلتا اور کبھی بدر بنکر کبھی دکھائی دیتا اور کبھی عالم کی نظروں سے چھپ جاتا تھا کبھی روز روشن ہوتا تھا اور کبھی شب تاریک کسی وقت سردی جلوہ گر ہوتی اور کسی وقت گرمی غرض عالم حادث ہر روز مختلف ہوتا اور دنیا اپنے انقلاب عظیم کو ہر لحظہ پلٹتی اور بدلتی رہتی تھی مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ایک دم تھا کہ مضمون واحد یعنی خدای یکتا وحدہ لاشریک معبود کی عبادت میں یکساں مصروف تھا آپ اپنے نفس نفیس کی حیثیت سے اس خاصیت میں فرد تھے کہ متغیر عالم کے تغیرات کا اثر آپکے تحسن مشغلہ پر نہ پڑا۔ آپکے حالات زمانہ کے ماتحت بنکر بیشک مختلف تھے مگر سنت کے اتباع کا امر مشترک سب کو شامل اور ہر حالت میں موجود تھا آپکا دل اندر سے یوں چاہتا تھا کہ دنیا میں ایک متنفس بھی ایسا نہو جس سے حق تعالیٰ کی معصیت اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ظاہر ہو آپ شفقت کے درجہ میں اپنے نفس ہی کے خیر طلب نہ تھے بلکہ تمام عالم کیساتھ آپکو یہ ہمدردی تھی کہ کاش دوزخ میں جانیوالا ایک بشر بھی نہ رہے آپ اس درجہ رقیق القلب تھے کہ کسی کی حالت تکلیف یا تنگی و بدحالی سنتے تو بے چین ہو جاتے تھے واقف ہو یا ناواقف یگانہ ہو یا بیگانہ کسی شخص کی بدحالی و عسرت آپ کو گوارا نہ تھی جس طرح دنیا کی عسرت و بدحالی آپ کو صدمہ پہونچاتی اس سے زیادہ آخرت کے افلاس پر آپ تنگدل اور بے چین ہوتے تھے کسی شخص کی معصیت اور بددینی سنکر آپکو جس درجہ حزن لاحق ہوتا اور اسکے لئے آپکا دل روتا اور دعا کیا کرتا تھا شاید اپنے فقر و افلاس پر بھی ایسا کسی کو رنج نہ ہوتا ہوگا دشمن سے دشمن کیلئے بھی آپنے کبھی بددعا نہیں کی اور اگر منجانب اللہ آپکا دشمن کسی آفت سماوی میں مبتلا ہوا تو اسکو سنکر آپ کبھی خوش نہیں ہوئے بدگوئی و خرافات نویسی کی جتنی ایذائیں آپ کو مولوی احمد رضا صاحب بریلوی سے پہونچیں شاید اتنی نہ دوسرے کو مولوی احمد رضا صاحب نے پہونچائی ہوں اور نہ دوسرے سے حضرت امام ربانی کی پہونچی ہوں مگر واللہ العظیم کہ حضرت کی زبان سے عمر بھر میں کبھی ایک کا بھی ایسا سننے میں نہیں آیا جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضرت ان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جس زمانہ میں مولوی احمد رضا صاحب کے مرض جذام لاحق ہوا اور خون میں فساد

آیا تو بعض لوگوں کو مسرت ہوئی کہ شب و شتم کا ثمرہ دنیا میں ظاہر ہوا مگر جب وقت کسی شخص نے حضرت سے عرض کیا کہ مولوی کو ڈھی ہو گئی تو حضرت گھبرا اٹھے اور یہ الفاظ فرمائے کہ میاں کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہئے خدا جانے اپنی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ ایکدن آپ ڈاک میں آئے ہوئے خطوط سُننے بیٹھے سب سے پہلا خط جو پڑھا گیا بمبئی سے آیا ہوا کارڈ تھا جسمیں لکھا تھا کہ مولوی ہدایت رسول کو ایک منکوحہ عورت سے نکاح کرنیکے جرم میں عدالت سے سزائے قید کا حکم سُنایا گیا بعض سامعین کو تو مسرت ہوئی کہ حضرت کے بڑے مخالف تھے مگر آپکی زبان سے بیساختہ بکلمۃ انا للہ وانا الیہ راجعون زیادہ سے زیادہ رنج کا اثر جو کسی بدگو مبتدع کی طرف سے آپ کو پیش آتا یہ ہوتا تھا کہ آپ اُس کے لئے دعا کرنی چھوڑ دیتے تھے مگر یہ بھی اُس کے لئے جسکی ایذا رسانی آپکی ذات سے متجاوز ہو کر آپ کے مخلصین اور احباب تک جا پہونچی ہو ایکبار کسی شخص نے آپ کو خط لکھا اور کسی مصیبت میں مبتلا تھا اُس سے رہائی کی دعا کرانی چاہی آپنے بیساختہ یہ الفاظ فرمائے ..... کہ یہ وہی تو ہیں جنہیں مولوی خلیل احمد سے عداوت ہے سب دوستوں سے دشمنی رکھیں اور مجھسے دعا کرانی چاہیں یہ مجھسے نہیں ہو سکتا اگرچہ کسی کے لئے بددعا بھی نہیں کرتا۔

جس زمانہ میں آپکی بینائی قایم اور دہن مبارک میں دانت موجود تھے اسوقت کھانا مکان سے آتا اور آپ مہمانوں کیساتھ بیٹھکر نوش فرماتے تھے مگر بینائی جانیکے بعد آپ دولتخانہ میں کھاتے اور مہمانوں کیلئے کھانا باہر آجاتا تھا مگر آپکو مہمانوں کا اسدرجہ خیال تھا کہ نوالہ توڑنے سے پہلے مہمانوں کو کھانا بھجواتے اور پھر باہر آکر بھی دریافت فرمایا کرتے تھے کہ سب نے کھالیا کوئی رہا تو نہیں؟ سادگی چونکہ آپ کی عادت و طبیعت میں داخل تھی اس لئے مٹی اور تانبے کے برتن آپکے نزدیک برابر تھے گھر میں جو کچھ پکتا وہ مہمانوں کے سامنے لاکر رکھدیا جاتا اور ایک برتن میں دو دو بلکہ کبھی تین تین کو شریک کر دیا جاتا تھا۔

یہ نمونہ ہے عادات و معمولات اور شمائل و خصائل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع تام اور اقتدار کامل کا جو حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمایا تھا چونکہ احاطہ مقصود نہیں اور نہ ہو سکتا ہے محض نمونہ دکھانا مطلوب ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ اتنی بات کیلئے سطور مذکورہ کافی ہوں اسلئے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں حق تعالیٰ توفیق دے ہم ذلیل و خوار کم ہمت و جفاکار خدام کو کہ انتساب کی شرم رکھیں اور جہانتک ممکن ہو نبوی سنت کو دانتوں سے مضبوط تھام لیں کہ اسی میں نجات محصور اور فلاح آخرت محدود ہے واللہ الموفق والمستعان الیہ الانابۃ وعلیہ التکلان ۵

اخذ بیعت

گر ہوائے ایں سفر داری دلا	دامن رہبر بگیر و پس برآ
در ارادت باش صادق اے فرید	تا بیابی گنج عرفان را کلید
بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

ایک تحریر طبیب امت حضرت مولانا الحافظ الحاج القاری شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ العالی نے سوانح شریفہ میں اندراج کیلئے یادیاراں کے نام سے موسوم فرما کر کمترین کے پاس ارسال فرمائی تھی جسمیں تیس تذکرہ تھے جو بضرورت عنوانات مختلفہ میں اپنے اپنے موقع پر درج کئے گئے بیعت کے متعلق اُس تحریر کے مضمون کو تبرکاً مقدم کرتا ہوں وہو ہذا:-

سب سے اوّل اس نااہل کو اُس مرکز دائرہ ارشاد کی زیارت اُسوقت ہوئی جب میں مدرسہ دیوبند میں پڑھتا تھا اور وہاں حضرت اپنی تشریف آوری سے اہل مدرسہ و اہل شہر کو گاہ گاہ مشرف فرمایا کرتے تھے سنہ یاد نہیں رہا۔ دیکھنے سے میرے قلب میں جو عقیدت و محبت پیدا ہوئی وہ میرے لئے باعث اسکی ہوئی کہ باوجود حقیقت و غایت بیعت کی نہ سمجھنے کے میں نے بیعت کی درخواست کی۔ چونکہ طبیب حاذق کو مریض کی رائے کا اتباع ضرور نہیں بلکہ اگر ایسا کیا جائے تو مریض کیلئے مضر بھی ہے اسلئے آپنے ارشاد فرمایا کہ جبتک علم سے فراغ نہ ہو جاوے اُسوقت تک ایسا خیال وسوسہ شیطانی ہے اُسوقت میرے ذہن میں اس جواب کی حقیقت اور عظمت اور حکمت مطلق نہ آئی اور غلط فہمی سے اسکو دفع الوقتی پر محمول کیا لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب حضرت کی اعلیٰ درجہ کی شان ارشاد و تربیت کی دلیل ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ شیطان کا اصل مقصد انسان کو ضرر پہنچانا ہے اور ضرر کچھ معصیت ہی میں منحصر نہیں اگرچہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضرر ہے لیکن ایک فرد ضرر کی یہ بھی ہے کہ کسی طاعت سے اور اسکے ثواب سے محروم کردے گو اُس سے کم درجہ طاعت میں مشغول کر دیتے ہی سو کیوں نہو پس ضرر قسم اول کا ادراک تو اکثر صلحاء بلکہ عامہ مسلمین کو بھی ہو جاتا ہے لیکن دوسری قسم کے ضرر کا ادراک کرنا مخصوص ہے محققین بلکہ صدیقین کے ساتھ اسی لئے حدیث میں ہے فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ فقیہ ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں جو حقایق و علل خفیہ و دقیقہ کو سمجھ کے

پس شیطان اس طریقہ غوا کو بڑی گہری نظر کے بعد تجویز کرتا ہے اور واقع میں ہی بھی گہری بات ہے کیونکہ جہاں گناہ کرا سکنے پر قادر ہونے میں کامیابی کی امید نہو وہاں نقص ثواب ہی کو غنیمت سمجھنا نہایت گہرے درجہ کی عداوت ہے اور یہ فقیہ مبصر نور وہبی سے اسکا ادراک کرکے اسکی قلعی کھولدیتا ہے اور اسکا بنا بنایا منصوبہ ایکدم میں غلط کرتا ہے پس اُسپر نہایت شاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تحصیل علوم دینیہ بوجہ اسکے کہ خود بھی انسان کیلئے بہت مواقع زلت میں آلہ ہدایت ہے نیز اسوجہ سے کہ اسکا نفع متعدی بھی ہے لاریب کثرت نوافل واوراد وظوائف سے افضل ہے اور تجربہ سے یہ بات بھی تقریباً متیقن ہے کہ بعیت کے خواص لازمہ عادیہ سے ہے کہ اُسکے بعد ان امور کی طرف میلان رغبت کی زیادتی ہوتی ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلَى الشَّيْئَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ پس اس مجموعہ کا لازمی نتیجہ علوم دینیہ سے بے رغبتی ہوتا ہے اور کسی امر کی تکمیل بلا رغبت ہوتی نہیں پس ضرور ایسی حالت میں علم ناقص رہیگا جسپر کبھی تو بوجہ جہل بعض امور ضروریہ میں ضرر اعتقادی یا علمی مرتب ہو جاتا ہے جو ضرر قسم اول ہے اور اقل درجہ حالت اعظم سے حرمان تو ضرور ہی ہوتا ہے جو ضرر قسم دوم ہے اس مضمون کی بعض مثالیں حضرت قطب الوقت ابن عطاء اسکندری رح نے اپنے رسالہ تنویر میں خوب لکھی ہیں اسی مضمون پر حضرت عارف مسعود بک رح فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفت کجائید کجائید		معشوق دراینجاست بیائید بیائید	

سو اسمیں خطاب عام نہیں ہے بلکہ خاص اُن لوگوں کو ہے جنپر حج فرض نہیں اور اس سے زیادہ ضروری طاعت اصلاح نفس کو چھوڑ کر حج کو جاتے ہیں یہ حقیقت ہے حضرت قدس سرہ کے جواب با صواب کی فَلِلّٰهِ دَرُّهٗ وَلِلّٰهِ بِرُّهٗ ۱۲ انتہی تحریرہ الشریف۔

مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دربار گہربار میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات پیش آئے کہ کسی شخص نے بیعت کی آپ سے درخواست فرمائی اور آپنے انکار فرمایا پھر آپ کے انکار فرمانے پر بھی اتنے مختلف مراتب اور متعدد درجے تھے کہ اُسکی کیفیت اور کہنہ کا ادراک کرنا ہر شخص کا کام نہیں آپکا تبسم آپکا انداز گفتگو آپ کا طرز انکار کچھ ایسا متفاوت ہوتا تھا کہ صاحب وجدان سلیم الفطرت سمجھ جاتا تھا کہ کیسا انکار ہے عام افہام کیا جانیں کہ راہبر و مرشد عالم کے انکار بیعت میں کیا مصلحت ہے؟ چونکہ آپکی سوانح شریفہ میں بعض کج فہم اصحاب کے نزدیک انکار بیعت کسی درجہ میں قبیح بنگیا اور اسی شبہ

کے رفع کرنیکو طبیب اُمت مولانا تھانوی مدظلہ نے اپنی تحریر کو بسط فرمایا ہی اسلئے بنظر توضیح بقدر ضرورت اسکا اظہار مناسب معلوم ہوا۔ بات یہ ہے کہ تصوف حقیقت میں نام ہے روحانی امراض کے علاج کا پس جس طرح کسی لایق طبیب کو جسمانی امراض کے معالجہ میں اپنی حذاقت و دانائی سے کام لینا پڑتا ہے اس سے زیادہ شیخ طریقت کو روحانی علاج میں اپنی بصیرت و فقاہت سے کام لینا پڑتا ہے جسم چونکہ ظاہر ہے اسلئے اُسکے امراض واضح اور علاج و تدبیر بھی ظاہر ہی مگر روح چونکہ باطنی شے کا نام ہے اسلئے اُسکی بیماریاں خفی ہیں اُسکی شناخت و معرفت بھی انہیں باطنی آنکھوں سے ہوتی ہی جنکو بصیرت کہا جاتا ہے اور جو فقیہہ و حکیم صاحبدل ولی کے قلب میں کھولی جاتی ہیں۔ امراض جسمانی کے معالجہ کی صعوبتیں کسی ایسے طبیب سے دریافت کرنی چاہیں جو مخلوق کی جانوں کا ذمہ دار ہوکر مطب میں آبیٹھا ہو اور سہل و دشوار ہر قسم کی بیماریوں والے مریض اُسکی نظر اور ہاتھ کے نیچے سے گذرتے ہوں یہی طبیب خوب سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کا کیونکر معالجہ کرنا چاہیئے اور کس مرض کو کس قسم کی دوا یا تدبیر سے نفع ہوگا اسی طرح روحانی معالجہ کی دشواریاں اُس حکیم سے معلوم کرنی چاہئیں جو مخلوق کے ایمانوں کا محافظ و نگراں بنایا گیا ہو اور ہادی و مرشد قرار دیکر دنیا کے کسی خطہ میں بھیجا گیا ہو۔

بہتیرے امراض مزمنہ ایسے لاعلاج ہیں جنکی دوا تجویز کرنا نسخہ لکھنا اور معالجہ کرنا طبیب کو اپنے بیقیمت وقت کا ضائع کرنا معلوم ہوتا ہے بجز اس کے کہ اپنا وقت دوسرے مفید معالجہ میں صرف کرنے کے لیئے صاف انکار یا حیلہ حوالہ سے ایسے بیماروں کو ٹالا جائے اُسکا اور کچھ علاج نہیں ممکن ہے کہ ناواقف و کوتاہ نظریں اس طبیب کو حقارت کے ساتھ دیکھیں اور سخت دل یا بے رحم کہیں مگر جسکو فن طبابت سے کچھ بھی مناسبت ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ مرض لاعلاج کا یہی ایک علاج ہے اسی طرح خدا کی بہتیری مخلوق حکیم امت راہبر کے ہاتھ پر بیعت ہونیکی اکثر طالبگار ہوئی مگر شیخ کی باطنی حذاقت نے اسکے روحانی امراض کو لاعلاج پاکر ہمیشہ انکار سے کام لیا اگرچہ جھلانے یوں کہا کہ گمراہ کو ہدایت پر لانے سے گریز کیا گیا جو معصیت ہے مگر اس فن سے ادنیٰ تعلق رکھنے والے صاف بصیرت ہی کو اسکا ادراک ہو سکتا ہے کہ انکار ہی اس بدنصیب کا آخری علاج تھا جس طرح بہتیرے صحیح الاعضاء موٹے تازے آدمی بسا اوقات تندرستوں کی طرح باتیں کرتے اور چلتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ مگر جانی طبیب شناخت کرلیتا ہے کہ دق میں مبتلا اور چند روز کا دنیا میں مہمان ہے جانبری دشوار اور حیات

مستعار کا بقا محال ہے اسی طرح بہتیرے وجیہ و شکیل پڑھے لکھے صاحب شعور اشخاص اپنے کمال علم و فضل کے مدعی اور سلامت روح کی صورت لئے ہوئے ہیں مگر بصر فقیہ فوراً ادراک کر لیتا ہے کہ نکبۂ خود ستائی کے اس دریائے ناپیدا کنار میں غرق ہے جس سے نکلنا دشوار اور رہائی کے بغیر حیات آخرت کا حصول ناممکن و محال ہے ؎

بادعی مگوئید اسرار عشق و مستی	بگزار تا بمیرد از رنج خود پرستی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سراپا سعادت کو جوں جوں بعد ہوتا جاتا ہے دونوں برکات و فیضان نبوت میں اضمحلال اور روح کی اہلیت و استعداد میں تنزل و انحطاط ہوتا جاتا ہے جو دن آتا ہے باعتبار دین گذشتہ یوم سے بدتر آتا ہے اور جو لحظہ گذرتا ہے بحیثیت عروج روح لمحہ ماضیہ سے کمزور اور ضعیف گذرتا ہے مگر افسوس کا اسکا احساس نہیں ہوتا اور احساس ہو کیونکر آخر مرض سے آگاہی یہ بھی تو قوت حس ہی کا ثمرہ ہے جب قلب سراپا مرض بنجائے تو مرض کا احساس و ادراک بھی جاتا رہتا ہے۔ اس عدم احساس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپکو اہل صلاح اور معالجہ سے مستغنی سمجھے ہوئے ہے اول تو طبیب کے پاس جانے اور مرض کی تشخیص کرانے یعنی بیعت کرنیکی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور اگر کسی مطب کو لوگوں سے بھرپور دیکھکر بنظر تفریح جانیکا اتفاق بھی ہو گیا تو نبض دکھاتے شرم آتی ہے کہ بعضوں کے رجسٹر میں نام درج ہو جائیگا اور اگر ہمت کرکے یہ بھی کر گذرے تو طبیب کے معمولی ایک امتحان کی بھی برداشت نہیں کر سکتے اگر کسی ایسے شخص سے جسکی آنکھوں میں پانی اترآیا طبیب یوں کہدے کہ اسوقت علاج نہ کرونگا پھر کبھی آنا اور آنکھ دکھانا جسوقت قابل علاج سمجھونگا اسوقت بتاؤنگا تو وہ شخص جسکو واقعی علاج کرانا مقصود ہے اور جو یہ سمجھے ہوئی ہے کہ آنکھیں بڑی نعمت ہیں بیسیوں باحاضری دیگا اور جسکو طبیب کا مذاق ہی اوڑانا مقصود تھا وہ بیشک اس جانب رخ کرکے سوئیگا بھی نہیں اسی طرح اس زمانہ پرآشوب کی یہ حالت عموماً دیکھی جاتی ہے کہ شیخ کا یہ کہدینا کہ اس وقت مرید نہ کرونگا پھر کبھی آنا بھالا اور برچھی بنکر لگ جاتا ہے اور یہ کلمہ اس درجہ ناگوار گذرتا ہے کہ دوبارہ آنا تو درکنار پہلے انکار پر عمر بھر سب و شتم کریں تب بھی اسکی تلافی نہ ہو سکے یہی خود ستائی اور نفس کی بڑائی دلیل ہے اس نااہلیت کی جسنے مرض کا لاعلاج ہونا ظاہر کر دیا مگر اسی کیلئے نافع ہو سکتا ہے جسمیں شعور و احساس ہو اور جو سراپا مرض کبر کا بیمار بننے کے باعث اپنے کو متکبر ہی نہیں سمجھتا وہ اس تشخیص

پر ظاہر ہو جانیوالے مرض کا کیونکر اعتراف کرے ؎

از ساخت دل غبار کثرت فتن		خوشتر کہ بہر زہ در وحدت شفتن	
مغرور سخن مشو کہ توحید خدا		واحد دیدن بود نہ واحد گفتن	

حضرت امام ربانی قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روحانی نعمتوں کے قدردان جوہری تھے بیشک آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ انمول جواہرات کسی نااہل کے ہاتھ پڑیں آپکی غیرت وحمیت دین افیضان نبوت کی مرتبہ دانی کبھی اسکو گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ موتیوں کا ہار کسی حبشی سیاہ رو کے گلے میں پہنا دیا جائے زمانہ سے آپکو کیا لینا تھا مخلوق کی طرف سے جو استغنا خالق جل وعلیٰ شانہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا وہ ایسی لازوال دولت تھی جسپر مملکت اقلیم کی ہزارہا سلطنتیں نثار کر دی جائیں آپ اسدرجہ حاذق روحانی طبیب اور امت مرحومہ کے سند یافتہ حکیم تھے کہ اس فن سے مناسبت رکھنے والی جماعت نے متفق اللفظ آپکی حذاقت ودانائی اور فراست وحکمت کا اعتراف کیا بلکہ کتنے معلوم کرنے سے حیران ہو رہ گئے آپکے باطنی حواس اور روح کی ذکاوت جسکو فراست کہا جاتا ہے اس درجہ قوی اور تیز تھی کہ قلب کی ادنیٰ کھوٹ جسکو بہتیرے صاحب بصیرت بھی ادراک نہ کر سکتے تھے آپ کے یہاں پرکھی جاتی اور تشخیص میں داخل ہو کر وقت پر اپنا اثر ظاہر کیا کرتی تھی آپ ارشاد نبوی اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ کے مظہر تھے جسکو عالم کے مشائخ طریقت اور اہل نظر صاحب دل اولیاء زمانہ نے مان لیا تھا سیکڑوں واقعات آپکے دربار گہربار میں ایسے پیش آئے ہیں جنکو آج آپ کی فقاہت کے کمال میں بصورت مثال پیش کیا جاتا ہے بہتیرے آدمی آپکی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کے متمنی ہوئے اور آپنے صاف انکار فرما دیا کہ میں بیعت نہیں کرونگا۔ ہاں بیسیوں مثالیں ایسی بھی ہیں کہ اول انکار فرمایا اور چند روز کے بعد جب وہ کھوٹ جاتی رہی تو آپنے اقرار ہی نہیں بلکہ سلسلہ میں داخل فرما کر اپنا دامن سائل کو پکڑا دیا آپ آخرت کی جاوید نعمتوں کے خرچ کرنے میں ہرگز بخیل نہ تھے اگر آپ بخل فرماتے تو آج آپکے مریدین کی جماعت ہزارہا تک کیونکر پہنچتی مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ آپ مسرف ومبذر نہیں تھے آپ خوب سمجھتے تھے کہ دنیا کافت ہو جانیوالا زر ومال بے محل خرچ کرنے سے انسان خداوندی نعمت کا ناقدردان ناشکر گذار بنجاتا اور اخوان الشیاطین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اللہ جل شانہ کی رضا کا انمول جوہر نااہل وناکس کے حوالہ کرنا اور بیجا بے موقع استعمال میں لانا

غیور ذات کو کیونکر گوارا اور پسند ہو سکتا ہے۔ آپ کے قلب مبارک کو مشکوٰۃ نبوت کا جو چمکتا دمکتا نور عطا کیا گیا تھا اُس سے طالبین کے قلوب کو روشن کرنیکی اجازت دینے میں آپکو مطلق تامل نہ تھا اگر تامل ہوتا تو آج تیس سے زیادہ آپ کے خلفا کی تعداد کیونکر پہونچتی مگر ہاں اسکے ساتھ ہی آپ یہ بھی اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے کہ مُفت حاصل ہو جانیوالا مال بے رحم و فضول خرچ شخص کا اسراف زیادہ کر دیتا ہے اسلئے کہ وہ اُسکی قدر نہیں پہچان سکتا پس بغیر پوری محنت لئے اور بلا مشقت تامہ برداشت کئے مشعل ہدایت و فیضان قدسی کسی ناقدردان کے حوالہ کر دینا اُس لاشریک نور السمٰوات والارض شاہنشاہ کو کب پسند آسکتا ہے جسکا یہ سب ظہور ہے۔

آپنے شاہراہ ہدایت بالکل کھولدی تھی مگر اُسپر کسی ایسے نجس ذی روح کو آپ چلنے کی اجازت نہیں دیسکتے تھے جو راستہ کو خراب اور مکدر و لوداربنائے آپ حق تعالیٰ کی طرف سے امین تھے اور اسواسطے دنیا میں بھیجے گئے تھے کہ تمام ازل کی لذیذ نعمتیں لذت پسند اور صاحب ذوق سلیم جماعت پر تقسیم کریں اہل حق پہونچائیں اور امانت داری کا حق پورا پورا ادا فرمادیں۔ سخاوت جو مثل دیگر اوصاف کے اس حالت معتدلہ کا نام ہے جسمیں نہ بخل و تنگ دلی کا نام ہو کہ باوجود ضرورت کے خرچ نہ کیا جائے اور نہ اسراف و فضول خرچی کا شائبہ آنے پائے کہ بلا ضرورت یا نا وقت و بے محل صرف کیا جائے منصب ارشاد میں زیادہ قابل اہتمام سمجھی گئی ہے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے سخاوت کا مفہوم اپنی سطح میں پورا ظاہر فرمادیا آپ کی فراست اسدرجہ ذکی تھی کہ دوسری جگہ شاید دیکھنی نصیب نہو آپ کی فہم بسکو فقاہت کہا جاتا ہے ایسی قوی اور وسیع الادراک تھی کہ نظیر ملنی مشکل ہے آپ اہل زمانہ کے سرتاج اور اہل حق کے پیشوا تھے لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ آپکی شان تھی اگر آپ کے قلب میں بڑائی کا جسکو تکبر کہتے ہیں ذرہ کی برابر بھی اثر ہوتا تو حاضر آستانہ ہونیوالوں میں ایک متنفس بھی بیعت سے محروم نہ آتا۔ مرید بنا لینا اور ہاتھ پکڑ کر توبہ کرا دینا اگر ایسا کون بڑا کام ہے جسکو حضرت امام ربانی نہ کر سکتے ہوں۔ جو کام آپنے کئے وہ تو ایسے ہیں کہ آپکے زمانہ میں کسی دوسرے سے ہو نہ سکے آپ اپنی ہمت و طلب کے اعتبار سے جس طرح فرد تھے ایسے ہی مشاغل و ثمرات سعی کی حیثیت سے یکتائے زمانہ تھے انہیں کمالات علیہ فردہ کے ضمن میں یہ کمال بھی داخل ہے جو حقیقت میں شعبہ حذاقت و فراست اور فریضہ منصب ارشاد و ہدایت تھا یعنی یہ کہ ہر شخص کو آپنے بیعت نہیں کیا

بلکہ جسکو طلب کے امتحان میں ثابت قدم پایا اسکو سلسلہ میں داخل کیا اور جسکو اس کسوٹی پر پرکھنے سے کھوٹا پایا اسکو صاف جواب دیدیا یا طلب کے صادق ہونے تک ڈھیل دیئے رکھا۔ اسی حذاقت کی ایک شاخ یہ بھی تھی جو طبیب اثرت حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ نے تحریر فرمائی کہ دوا کے مفید ہونے کے وقت کا انتظار فرمایا اور متعدی نفع یعنی علم دین کی تعلیم کے زمانہ میں نفع لازم یعنی ذکر و شغل بالقصد نہیں فرمایا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے طالب کی طلب کا آپ امتحان لیتے تھے اصادق ہے یا کاذب؟ اگر کچھ بھی اسمیں کمی ہوئی تو اپنی فراست و نگاہ بصیرت فوراً اس کو ادراک کر لیتی اور آپ اسکی بیعت سے ہاتھ کھینچ لیتے تھے اس امتحان کے بعد عطاء نعمت کے لئے وقت و حال کی مناسبت طبع کا اندازہ مہلت گنجائش مشغلہ صحبت ملازمت سب کچھ دیکھا بھالا جاتا اور تلقین و ارشاد کا جو طریق اس کے لئے نافع ہوتا وہ اس کے لئے تجویز کیا جاتا تھا جس طرح مطلق غذا کے لئے اشتہاء صادق کی ضرورت ہے کہ سچی بھوک کے بغیر کوئی غذا کیسی ہی بیش قیمت اور لذیذ کیوں نہ ہو کھانیوالے کے لئے نافع نہیں بلکہ مضر ہے البتہ اشتہاء صادق کے بعد طبیعت کے میلان گنجائش وقت موسم و فصل اور ہیئت تمکین وغیرہ ذوالقوں کا لحاظ ہوتا ہے اسی طرح تعلیم باطنی میں طلب جملہ اذکار و اشغال کی منفعت کیلئے اصل الاصول ہے اور جب یہ کامل ہو جائے تو طرق اربعہ چشتیہ و نقشبندیہ اور قادریہ و سہروردیہ کی مناسبت اور ذکر و فکر و مراقبہ و پاس انفاس وغیرہا کی ملائمت بلحاظ وسعت وقت و فرصت اور اطمینان و سکون معیشت ایک خاص طریق پر طالب کو چلا دیا جاتا ہے۔ مولوی ولایت حسین صاحب فرماتے ہیں کہ بندہ جب طالبعلمی سے فارغ ہو کر غالباً ۱۳۱۲ھ میں بعد امتحان مدرسہ عالیہ دیوبند سے گنگوہ بغرض زیارت حاضر ہوا اور بذریعہ تحریر بیعت کیلئے عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ اسوقت نہ بیعت جایز اور نہ نافع آخر ایک روز رہکر جب روانگی کیوقت رخصت کے لئے حاضر ہوا تو فرمایا کہ یہ سب شیطانی دھوکے ہیں کہ مشغلہ علم سے باز رکھکر دوسرے وظائف کی طرف مشغول کرتا ہے تحت حدیث میں پڑھا ہے کہ شیطان پر ہزار عابد سے ایک عالم زیادہ بھاری ہے جاؤ اور کتب درسیہ پڑھا دو آخر بے نیل مرام واپس ہوا اب ہم جو وجہ حضرت نے فرمائی وہ تو ظاہر ہی ہے۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ اسوقت میرے دل میں تردد تھا کیونکہ مولوی فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ عقیدت خاص تھی اور تذبذب تھا کہ یہاں مریدیوں یا گنج مرادآباد پس بیعت سے انکار فرمانا میرے

خیال میں ہر سبیل کرامت تھا آخر جب دل میں ادھر کا خیال پختہ ہو گیا اور یکسوئی حاصل ہوئی تو حضرت نے درخواست منظور فرمائی اور بیعت کر لیا۔

حضرت امام ربانی کے دربار گہربار میں بیعت کا طریق اس طرح دیکھنے میں آیا کہ اکثر گنوار اور اَن پڑھ یا سپاہی پیشہ طالبین کو درخواست کرتے ہی بیعت فرما لیتے تھے کیونکہ ان میں کج و کاؤ کی استعداد نہیں ہوتی اور عموماً اپنے آپکو ناکارہ و نادار اور شیخ کے دامن پکڑنیکا حاجتمند سمجھتے ہیں اور صاحبان سلیقہ و شعور خصوصاً طلبہ و علماء اور پیرزادوں کو چند روز ٹالکر بعد دریافت پختگی بیعت فرمایا کرتے تھے اسلئے کہ اس گروہ میں عموماً اپنی سیادت و بڑائی ہوتی ہے خواہ بلحاظ پیرزادگی ہو کہ اولیاء اللہ کی اولاد میں ہیں یا بنظر علم و فضل ہو کہ جملہ کے سرپرست و سردار اور نائب رسول مولوی ہیں۔

ایک نوجوان شخص جنکی صورت پر صلاحیت برستی تھی ایکمرتبہ گنگوہ آئے اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی آپنے صاف جواب دیدیا کہ میں تمہیں ہرگز بیعت نہ کرونگا مولوی یحییٰ صاحب سے انھوں نے سفارش بھی کرائی مگر منظور نہ ہوئی حضرت امام ربانی کے نام ایک خط پہونچا جو فحش گالیوں اور بے تہذیب کلمات سے لبریز تھا مولوی محمد یحییٰ صاحب جنکے ہاتھ میں خطوط آتے تھے اس خط کو پڑھنا اور سُنانا شروع کیا مگر ایک دو فقرہ پڑھنے پر جب دیکھا کہ بدگوئی کے سوا کچھ نہیں اسلئے علیحدہ کیا حضرت نے ارشاد فرمایا۔ "تمہیں معلوم بھی ہے کہ بھیجنے والے کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا خبر؟ آپنے آہستہ سے فرمایا وہی تو ہیں جنکے مرید کر لینے کی پرسوں تم سفارش کر رہے تھے سہارنپور پہونچکر عقیدت ظاہر کی ہے"۔ ایک مولوی جنکا نام لینا خلاف مصلحت ہے ایکمرتبہ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ نہ آؤ بھگت ہے نہ تعظیم و تکریم اسلئے بہت ہی رنجیدہ ہوئے بادل ناخواستہ بیعت کی بھی درخواست کی آپنے انکار فرمایا اور کہا "یہاں کیا دھرا ہے میں مرید نہیں کرونگا" یہ صاحب جبتک رہے نہ کسی سے بات کی نہ کھلے آخر چلدئے اور پھر جس کسی سے ملے تو یوں بولے کہ "میاں کیا دھرا ہے بس دور کے ڈھول ہیں جسکا نام خلق ہے اُسکا پتہ بھی نہیں ہم تو امتحان لینے گئے تھے جب یہ رنگ دیکھا تو چلے آئے مرید ہو کر لیتے کیا"؟ سچ ہے اگر مولوی صاحب کی تعظیم و تکریم ہوئی تو آپ ہی سب کچھ بنجاتے آنیوالے روحانی مریض کی خاطر و مدارات ہی تو طبیب کی حذاقت کا معیار ہے اگر یہ نہیں تو حکیم حکیم نہیں ؎ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✦ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ ✦

ایک دن دو شخص خانقاہ میں آئے اور حضرت سے مصافحہ کر کے بیٹھ گئے آپنے دریافت فرمایا کون؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم آپکے مرید ہیں" بیساختہ آپ نے فرمایا نہیں تم میرے مرید نہیں انھوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت آپکو یاد نہیں رہا مگر حضرت نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ نہیں تم میرے مرید نہیں انھوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت آپکو یاد نہیں رہا مگر حضرت نے پھر وہی ارشاد فرمایا کہ نہیں تم میرے ہرگز مرید نہیں" آخر دونوں صاحب حجرہ سے باہر آئے اور مولوی کفایت اللہ صاحب کے پاس بیٹھکر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے اسی اثنار میں کہنے لگے کہ" مولوی صاحب یہاں کھانا بھی ملیگا یا نہیں"؟ مولوی کفایت اللہ صاحب اس سوال پر چونکے اور کہا کہ میاں لنگر تو یہاں ہے نہیں کہ جس کا جی چاہے حضرت کے مہمان جو آتے ہیں وہ کھانا بھی کھا لیتے ہیں باقی خیر صلاح ہے خدا کا شکر ہے کہ آنے والے مسافر بھی تھے صاف گو یہ صاف گوئی کا جواب سُنکر بولے یہاں ہمنے تو کھانے کے واسطے یہ ڈھنگ رچا لے تھے مگر مولوی صاحب پہچان گئے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب شریف لائے اور اسدرجہ اخلاص و عقیدت کا اظہار کیا کہ سستے داے بھی سمجھے کہ کوئی بڑا ہی جان نثار اور حضرت کا والہ و شیدا شخص ہے جسوقت حضرت کے سامنے آئے اور لحاجت کے ساتھ بیعت کا قصد ظاہر کیا تو حضرت نے جھڑکا اور فرمایا" جاؤ میرے یہاں تمھارا کام نہیں میں ہرگز مرید نہیں کرونگا" سائل رو دیا اور مخلصین سے گڑگڑا کر سفارش کرائی مگر جس نے بھی سفارش کی اسکو بھی گھڑکی ملی اور یوں ارشاد ہوا" میں کہچکا مرید نہیں کرونگا اس سے کہدو یہاں نہ ٹھیرے روٹی کا کہیں فکر کرے" اگر نہ جائے تو نکالدو اسباب باہر پھینکدو حضرت امام ربانی کی خلاف عادت اس بے توجہی پر دوسروں کو بھی کچھ افسوس ہوا مگر تعمیل کے بغیر چارہ نہ تھا اسباب خانقاہ سے باہر کر دیا اور مسافر سے کہدیا کہ حضرت نے مکان سے تمھارا کھانا نہیں آئیگا اس برتاؤ پر بھی مسافر نے حسن عقیدت کا اظہار نہ چھوڑا اور رو کر کہا کچھ ہی ہو میں تو بیعت ہی ہونگا حکیم محمد یوسف صاحب کو یہ حالت دیکھکر ترس آیا اور مسافر کو اپنی بیٹھک میں ٹھیرا کر تسلی تشفی کے کلمات کہے کہ بوقت مناسب میں سفارش کر کے تمہیں مرید کرادونگا اگلے دن حکیم صاحب نے قصد کیا کہ حضرت سے عرض کریں ابھی کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ حضرت نے خود ہی فرمایا آنے والا کہاں ہے تم نے اُسے کیوں ٹھیرا رکھا ہے نکو کرا دو

اور کہدو کہ چلتا ہو" اب یہ کہیں تو کیا کہیں خاموش چلے آئے کہ دوسرے وقت کہونگا عصر کے بعد پھر چاہا کہ تقریب کریں مگر حضرت نے بولنے سے پہلے ہی فرمایا اسکو ابھی چلتا نہیں کیا؟ دبی زبان سے حکیم صاحب بولے کہ حضرت آئے مہمان کو کہیں اس طرح نکالا جا سکے ہے" آپنے منہ پھیر لیا اور فرمایا "کیسی مروت" آخر پھر چپکے چلے آئے بیٹھک میں قدم رکھا تو دیکھا کہ مسافر کتاب کھولے کچھ لکھ رہا ہے حکیم صاحب کے آتے ہی جلدی سے کتاب بند کر جزدان میں لپیٹ حمایل بنا کر گلے میں ڈال لی اتنے انکا دل کھٹکا اور فکر ہوا کہ کسطرح حمایل دیکھوں کہ اسمیں کیا ہے؟

بآسانی محفوظ کتاب کا معائنہ حکیم صاحب کر نہیں سکتے تھے اسلئے تدبیر کو کام میں لائے اور رات بھر مسافر کو باتوں میں لگائے رکھا یہانتک کہ نیند کے غلبہ سے عاجز آگیا جب انھوں نے دیکھا کہ اب عوام بچا نہیں تو یہ کہکر اٹھے "اچھا اب سو رہیئے" مسافر لیٹا اور لیٹتے ہی گہری غفلت کی نیند سو گیا اسوقت انھوں نے گردن میں سے حمایل نکالی لیمپ کے سامنے لاکر کھولی دیکھا تو کہیں انگریزی ہے کہیں فارسی کہیں اردو اور کہیں عربی عجلت کیساتھ ورق گردانی میں ایک جگہ کسی انگریز حاکم کے نام چٹھی کی نقل نظر پڑی جسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے گورنمنٹ کی خیر خواہی میں جان تو جان اپنے ایمان کی بھی پروا نہیں کی مگر افسوس کہ میری قدر جیسی ہونی چاہیئے تھی وہ نہ ہوئی" اس عبارت کو دیکھکر حکیم صاحب کانپ اٹھے اور کتاب کو بند کر اسی طرح حمایل مسافر کے گلے میں ڈالکر باہر چلے آئے علی الصباح کرایہ کا ٹٹو بیٹھک کے دروازہ پر لا کھڑا کیا اور مسافر سے بولے کہ جناب سواری تیار ہے مہربانی فرما کر سوار ہو لیجئے ٹھنڈے ٹھنڈے پہونچ جائیگا۔ اس روکھے انداز پر مسافر بھی کچھ سمجھا کہ رات بیہوشی کی نیند میں مکاری کھل گئی معلوم ہوتی ہے اسلئے کچھ بولے نہیں بستر بغل میں داب کر کھڑے ہو گئے اور گردن جھکائے خاموش وہاں سے رخصت ہوئے۔

حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت مسکرائے اور آہستہ سے فرمایا ہمنے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اسکو چلتا کرو تم ہی نے نہ مانا"

غرض ایسے واقعات ایک دو نہیں سیکڑوں ہیں کہ حضرت امام ربانی نے بہتیرے بیعت کی درخواست کرنیوالوں کو کورا جواب دیا اور بعد میں ظاہر بھی ہو گیا کہ حقیقت میں یہ لوگ اہل نہ تھے عوام نے جسطرح اس مسئلہ شریعت میں غلطی کھائی کہ سائل کو بھیک دینا ثواب ہے اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

کا مطلب یہ ہے کہ قوی ہو یا کمزور تندرست ہو یا معذور مکار و دغاباز ہو یا واقع میں حاجتمند جو بھی بھیک مانگے اور سوال کرے اسکو جو کچھ مقدور ہو دیدینا چاہئے کسی کا بھی سوال رد کرنا جائز نہیں حالانکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غنی اور صاحب قوت کسب کو سوال کرنا حرام فرمائے ہیں اور حرام کی اعانت حرام ہے اسلئے ایسے سایل کو بھیک دینے کی حرمت بھی شریعت سے ثابت ہوگئی ہے اسی طرح بہتیروں نے بعض اہل ارشاد کے توسع محمود و ممدود کی محض صورت دیکھکر اس مبحث میں بھی غلطی کھائی ہے کہ ہر طالب بیعت کو مرید کرلیا جائے عام ہے کہ اہل ہو یا نااہل متکبر ہو یا خاشع و متواضع حقیقت میں اللہ کے نام کا طلبگار ہو یا دیکھے دکھائے اور سنے سنائے خواہش ظاہر کرنے لگا ہو حالانکہ نااہل کو علم پڑھانیکی ممانعت خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمائی ہے کہ جو اہل نہیں اسکو پڑھانا گویا خنزیر کے گلے میں جواہر کا ہار پہنانا ہے خصوصاً علم باطنی جو افضل العلوم اور خلاصہ عالم و عالمیان صاحب عز و شرف علم الٰہی ہے اسکو عام بنا دینا اور کس و ناکس یعنی اہل و نااہل کی تمیز اٹھا دینا بدترین معصیت اور شان ارشاد کے بالکل خلاف ہے جس حکیم امت میں یہ استعداد اور قابلیت فہم و معرفت نہیں وہ حاذق اور سند ارشاد و راہبری کا اہل نہیں اور جس طبیب روحانی میں یہ تشخیص نہیں اسکا معالجہ ناکافی مطب غیر مفید اور نسخہ لوسیی و مداوا ناکمل بلکہ مضر ہے۔

اس زمانہ میں دنیا کے اندر اکثر سایل وہ ہیں جو محض صورت سوال اور باوجود عدم احتیاج کے اپنے کو محتاج و تنگدست بنائے ہوئے ہیں اس سوال پیشہ جماعت کو بھیک دینا شرعاً حرام و معصیت ہے اسی طرح اس عصر پرفتن میں بہتیرے طالب حق وہ ہیں جنکو حق کی طلب کے معنی بھی معلوم نہیں ہوائے نفسانی کا نام طلب رکھ لیا اور اس پاک فن کو منجملہ دیگر رسومات عادیہ کے ایک رسم ٹھیرالیا ہے کسی شے کی طلب اس کے حصول کی جن تدابیر اور اسباب کے اختیار کرنے پر مجبور بنا دیتی ہے اگر ان طالبوں کو معلوم ہو جائے تو واللہ طلب کا نام بھی لینا چھوڑ دیں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں اولاد چاہتا ہوں مگر جسوقت اس سے کہا جائے کہ نکاح کرنا پڑیگا مہر دینا ہوگا بی بی کے نان نفقہ کی فکر کرنی ہوگی اسوقت گھبرا اوٹھے اور کہے کہ ان بکھیڑوں سے معاف رکھئے پس ایسے شخص کی طلب طلب نہیں بلکہ بوالہوسی ہے ایسے ہی بیعت کا طالب جسوقت ظاہر کرے کہ میں وصول الی اللہ تعالیٰ چاہتا ہوں مگر جسوقت اسکے کان میں ڈالا جائے کہ اپنے کو ملیامیٹ کرنا پڑیگا شب و روز ایک دھن میں لگنا ہوگا

قدم قدم پر سنت کے اتباع اور جواز و عدم جواز کی محافظت و مراعات کرنی پڑیگی اُسوقت یہ کہے کہ بس جناب تو یوں کہئے کہ ہاتھوں میں اور پیروں میں بیڑیاں ڈالکر جیلخانہ میں مقید ہونا پڑیگا معاف کیجئے ہم سے تو دو وقت کھانے کی برسوں سے پڑی ہوئی عادت بھی نہیں چھوٹ سکتی پس ایسے شخص کو طلب گار کہنا جہل مرکب ہے ہاں بوالہوس کہیں تو بجا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کے یہاں اسی طلب کا امتحان ہوتا تھا۔ اسی ایک کسوٹی پر جو شخص کھرا اور خالص مراد سلسلہ میں داخل ہوا اور کچھ نہ کچھ لے ہی آیا اور جو کھوٹا نکلا وہ بدنصیب بیعت ہی سے محروم نہیں رہا بلکہ اس لازوال دولت سے محروم رہا جسکی طلب کا مدعی ہوا تھا۔ اس باطنی امر میں امتحان کے اندر کامیابی یا ناکامی کا عوام پر ظاہر ہونا کچھ ضرور نہیں ہے حکیم اثرت شیخ کی بصیرت کا ادراک کافی ہے پس ہمیں ضرور نہیں کہ جہاں حضرت نے بیعت لینے سے انکار فرمایا ہے سب جگہ وجہ و سبب تلاش کریں اور جدا جدا علت و کھوٹ بیان کریں۔

غربا و مساکین کی مراد آپکے دربار میں عموماً جلد پذیرا ہوتی اور امراء و رؤسا کو ذرا تامل کے بعد بیعت فرمایا کرتے تھے بلکہ حتی الوسع بچتے اور احتیاط و احتراز مناسب سمجھا کرتے تھے ذی جاہت اور خاندانی لوگوں میں چونکہ عموماً نخوت کا اثر ہوتا ہے اسلئے انکی بیعت بھی آپکے ہاتھ پر بدشواری ہوتی تھی مستورات کے بیعت فرمانے میں اکثر آپکو مطلق تامل نہیں ہوا جب کوئی سوال کرتا آپ منظور فرماتے اور تو یہ کرادیا کرتے تھے مگر پردہ کے پیچھے بٹھانے اور ہمیشہ نظر سے اوجھل رکھا کرتے تھے کبھی رومال کا ایک گوشہ خود تھامتے اور دوسرا گوشہ بیعت ہونیوالی کے ہاتھ میں پکڑا دیتے اور کبھی اس علاقہ سے بھی احتیاط فرمایا کرتے تھے مولوی نظر محمد خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ جسوقت آپسے بیعت ہوئیں تو چونکہ مجھے طبعی طور پر غیرت زیادہ تھی اس لئے عورت کا باہر آنا یا کسی اجنبی مرد کو آواز سننا بھی گوارا نہ تھا اسوقت بھی یہ وسوسہ ذہن میں آیا کہ حضرت میری اہلیہ کی آواز سنیں گے مگر یہ حضرت کی کرامت تھی کہ کشف سے میری دل کا وسوسہ دریافت کیا اور یوں فرمایا کہ اچھا مکان کے اندر بٹھلا کر کواڑ بند کردو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا جب حضرت گھر میں تشریف لائے تو اس مکان کے دروازہ کی جانب پشت کرکے بیٹھ گئے جہاں میری اہلیہ بیٹھی تھی اور کپڑا بھی نہیں دہا بلکہ زبانی اس طرح فرمایا کہ دیکھو جو کچھ میں کہوں تم بھی وہی کہتی رہنا مگر آواز تمہاری میرے کانوں تک نہ آوے" بچوں کو بیعت

کرنیکی آپکی عادت مطلق نہ تھی اگر کوئی خادم اپنے بچہ کو لاتا اور عرض کرتا کہ اسکو بیعت فرمالیجئے تو اسکے سر پر ہاتھ رکھکر برکت و صلاحیت کی دعا فرماتے یا کچھ پڑھکر دم بھی کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ جب وقت آئیگا دیکھا جائیگا ابھی یہ کیا جانے پیری مریدی کیا شے ہے؟

مستورات کا بلا ضرورت شدیدہ سفر کرنا جو آپ کو ناگوار تھا اس لئے بیعت کی غرض سے عام عورتوں کا گنگوہ آنا بھی آپکو زیادہ پسند نہ تھا اگر اپنے شوق سے کوئی آگئی تو آپ اس سے ناراض بھی نہیں ہوئے کہ دشکنی ہو اور نہ آئی تو آپنے اس طرح جواب لکھوا دیا کہ یہاں آنے اور خواہ مخواہ سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے بس میں نے تمہیں بیعت کر لیا" یہ بیعت عثمانی کہلاتی ہے اور شرفاء کی مستورات میں اس نوع کی زیادہ مثالیں ملیں گی۔

بیعت سے قبل اکثر طالبین کو آپ استخارہ کا حکم دیتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ بطریق مسنون اس نیت سے دو رکعت پڑھو اور دعائے استخارہ وہی ہے جو حدیث میں آئی ہے یعنی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ الخ استخارہ کے بعد جب دوبارہ خواہش ظاہر کرتا تو آپ اسکو بیعت فرمالیتے تھے بعض لوگوں کو آپنے دو دو بلکہ تین تین مرتبہ استخارہ کرایا اور پوری پختگی اور سچی طلب ظاہر ہونے پر سلسلہ میں داخل فرمایا ہے۔

ذی شعور یا پڑھے لکھے جسوقت آپسے بیعت ہونا چاہتے تو اول آپ انکو ٹالتے اور یہ فرماکر کہ مجھے کیا آتا ہے اور یہاں کیا رکھا ہے انکی طلب کا پہلا امتحان لیا کرتے تھے اگر اسپر بھی انکی خواہش قایم رہتی تو پھر انکو بیعت کی غایت سمجھاتے اور یوں فرمایا کرتے کہ بیعت کا مقصود تو یہ ہے کہ آدمی کچھ کرے اور دو چار مہینے یہاں آکر رہے اگر یہ نہ کر سکے تو پھر مرید ہونے سے کیا نفع؟ اسکے بعد اگر سایل کا سوال پھر ہوا کہ حصول برکت سلسلہ بھی بڑا نفع ہے تو آپ اسکو داخل سلسلہ فرماتے اور توبہ کرا دیا کرتے تھے طلبہ کو جبتک کہ علم دین میں کتب درسیہ ختم نہ کر لیں آپ بہت کم بیعت فرماتے بلکہ یوں کہئے کہ بیعت ہی نہیں فرماتے تھے ایکبار کوئی طالبعلم بانی پت سے آیا آپنے فرمایا اول تحصیل ختم کرو اسکے بعد دیکھا جائیگا طالب علم کی عموماً حجت کرنے کی عادت ہوتی ہے اسلئے انھوں نے بھی عادت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت فراغت کے بعد خدا جانے کیا ہو کون مرے کون جیے" آپنے فرمایا دین کا کام بند نہیں رہتا اگر تمہیں توفیق ہوئی تو میرے بعد دوسرے تمہیں بیعت کرینگے" طالبعلم نے پھر جواب دیا کہ

حضرت ممکن ہے کہ میں ہی مرجاؤں آپنے فرمایا "طلب میں مرجاؤ گے تو اچھا ہے اجر ملیگا" جب اسپر بھی طالبعلم کی تقریر ختم نہوئی اور بار بار یہی سوال ہوا کہ میرا جی چاہتا ہے مجھے تو مرید کر ہی لیجئے تو آپ کو غصہ آگیا لیٹے سے اٹھ بیٹھے اور فرمایا تم طالبعلم ہو اچھا بتاؤ مرید کے کیا معنی؟ طالبعلم نے جواب دیا کہ "ارادہ کرنے والا کسی کام کا" آپنے فرمایا بھی تو کہتا ہوں تمہیں ابھی مرید کے معنی بھی نہیں معلوم اور مرید ہونے آگئے یہ باب افعال ہے ہمزہ سلب کا ہے مرید کے معنی ہیں مسلوب الارادہ کہ جو پیر کہے وہی مان لے اپنی طرف سے ارادہ ہی نہ کرے" اس تقریر پر طالب علم نادم اور خاموش ہوگئے پھر نہیں کہا کہ مجھے مرید کر لیجئے۔ اکثر طلبہ کی عادت تھی کہ مدرسے فارغ ہوکر سند لیتے اور وطن جاتے وقت حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے حاضر ہوتے تھے کہ چلتے چلاتے اس سے بھی فارغ ہولیں یہ طلب بھی حضرت کے نزدیک معتبر نہ تھی اکثر ناپسند فرماتے اور بہتیروں کو صاف انکار بھی فرما دیتے تھے خصوصاً بنگالیوں میں یہ شان زیادہ تھی اور اسپر طرہ یہ تھا کہ بعض اصحاب محض بیعت پر وطن جاکر دوسروں کو مرید بنانے لگتے تھے ایکمرتبہ کسی شخص کے اس حال کی حضرت کو اطلاع ہوگئی تھی آپکو غصہ بھی آیا اور رنج بھی ہوا اسکے بعد بنگالیوں کو بیعت کرنے میں عموماً آپ تامل فرمانے لگے کئی بار یوں ارشاد فرمایا "یہ لوگ گھر جاکر پہنچتے ہیں خود گمراہ ہوتے اور مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں"

بیعت کو یا وضو آپ محبوب سمجھتے تھے اور چونکہ آپ اکثر باوضو رہتے تھے اسلئے بیعت کیلئے آپکے یہاں کوئی وقت مخصوص نہ تھا جسوقت بھی آپ کا منشا ہوا طالب کو وضو کرنیکا حکم دیا اور جب وہ وضو کرکے حاضر ہوا تو آپنے توبہ کرادی مگر پھر بھی صلوٰۃ تکتوبہ کے بعد خصوصاً عصر یا جمعہ کے بعد آپ اکثر بیعت فرمایا کرتے تھے جس خوش نصیب کی تقدیر میں آپکے دامان عاطفت سے وابستگی حق تعالیٰ نے لکھدی تھی وہ آپکے ہاتھ پر بیعت ہوئے انفراد یا اشتراک کی کوئی قید ملحوظ نہوئی کبھی آپنے ایک ہی کو بیعت فرمایا اور کبھی آٹھ آٹھ دس دس لوگوں کو ایکبار توبہ کرادی اور کسی وقت تو بیعت ہونیوالوں کی تعداد بیسیوں تک پہونچ گئی ہے آپکی اکثر یہ عادت تھی کہ طالبین کے دونوں ہاتھ ملاکر اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھام لیتے اور کئی آدمی ہوتے تو سب کے ہاتھوں کو باہم ملاکر دونوں دست مبارک کے بیچ میں لے لیتے تھے مگر بعض وقت اسکا بھی التزام آپنے توڑ دیا ہے طالبین کے مجمع کو سامنے بٹھاکر توبہ کرادی اور داخل سلسلہ فرمالیا ہے۔

بیعت کرتے وقت عموماً آپ کے الفاظ ایک ہوتے تھے ہاں اگر کسی طالب میں کوئی خاص مضمون

قابل اصلاح سمجھا یا کسی خاص معصیت میں ابتلا محسوس فرمایا تو الفاظ معمولہ کو کچھ بدلا اور حسب حال توبہ کے لفظ کہلوائے ہیں اور بیعت کے بعد بھی خصوصیت کیساتھ اسی امر کی نصیحت فرمائی ہے جسکی اس موقع پر خاص ضرورت دیکھی یعنی اگر کوئی مرید ہونیوالا امیر شخص ہوا کہ حج نہیں کیا یا زکوٰۃ نہیں دیتا تو اسی کی نصیحت فرمائی اور اگر کسی بدعتی خاندان کا ہوا تو بدعت کے متعلق وعظ فرمایا غرض چونکہ مقصود اصلاح حال اور منافات کی تلافی تھی عبارت کا دوہرانا یا الفاظ بٹھانا اور کہلوانا مطلوب نہ تھا اس لئے ہمیشہ اور ہر جگہ ایک طریق آپ نے کافی نہیں سمجھا تاہم جن الفاظ سے آپ تجدید ایمان اور توبہ کا عہد و پیمان کرایا کرتے تھے وہ اسدرجہ جامع مانع تھے کہ تمام ضروریات پر مشتمل تھے اسلئے فرق کی شاذ و نادر حاجت پیش آتی تھی۔

بیعت حقیقت میں تجدید توبہ کا نام ہے جسپر اللہ کے مقبول بندہ شاہد عدل یعنی شیخ کو گواہ بنایا جاتا ہے اسلئے اس مضمون میں آپ شرع کے پابند بنکر اسی آیت مقدسہ کا ترجمہ کیا کرتے تھے جو حق تعالیٰ نے اسی ضرورت کیلئے قرآن میں نازل فرمائی اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا جسوقت آپ کسی کو بیعت فرماتے تو گردن نیچے جھکا لیتے اور طالب کو مخاطب بنا کر یوں فرمایا کرتے تھے "کہو ایمان لایا میں خدا پر اسکے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر اسکے نبیوں پر اور تقدیر پر کہ بھلا برا سب خدا ہی کیطرف سے ہے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر توبہ کی میں نے کفر سے شرک سے بدعت سے اور ساری معصیت سے عہد کیا میں نے جھوٹ نہیں بولونگا چوری نہیں کرونگا زنا نہیں کرونگا کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھونگا پانچ وقت کی نماز پڑھونگا رمضان کے روزے رکھونگا اگر مال ہوگا تو حج کرونگا زکوٰۃ واجب ہوگی تو زکوٰۃ دونگا اگر کوئی قصور ہو جائیگا تو فوراً توبہ کرونگا بیعت کی میں نے رشید احمد کے ہاتھ پر خاندان چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ میں۔

اسکے بعد آپ ہاتھ چھوڑ دیتے اور مختصر مگر جامع نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ بیعت نام عہد کا ہے جو خدا سے کیا جاتا ہے سو اسکا دھیان رکھنا چاہیئے کہ ٹوٹنے نہ پائے اصل بیعت یہی ہے کہ آدمی اپنے وعدہ کا پکا رہے اور حق تعالیٰ کی رضا کا طالب رہے سنت کا اتباع ہر وقت ملحوظ رکھے اس سے قدم نہ ہٹائے اسکے بعد بزرگوں نے جو طریق ذکر شغل کا تجویز کیا ہے وہ اسی کی مضبوطی کیلئے ہے جسکو ہمت ہو وہ کرے اور نہ ہو سکے تو اپنی نماز روزہ کو درست رکھے یہی سب کچھ ہے بیعت کیوقت آپکا گردن مبارک جھکانا اس باطنی توجہ کیلئے ہوتا تھا جسکی ہر وقت اور اس حالت میں خصوصیت کیساتھ طالب کو ضرورت ہوتی ہے آپکی اس گردن جھکانیکا ثمرہ آج نظر آتا ہے کہ وہ شخص مسبکو اسوقت کے علاوہ

کبھی دو سے زیادہ وقت آپکی زیارت کا بھی اتفاق نہیں ہوا وہ بھی اس معاہدہ کا پاس ولحاظ کسی نکسی درجہ میں ضرور لئے ہوئے ہے خدا ہی خوب جانتا ہے کہ توجہ میں کیا مقناطیسی اثر تھا جس نے سیکڑوں سخت دلوں کو ایک نگاہ میں آپکا اسدرجہ عاشق بنا دیا کہ آج انکی نظریں آپکو ڈھونڈھتی پھرتی ہیں منشی ممتاز احمد صاحب محرر مال تحصیل آنولہ کی جو تحریر میرے پاس آئی ہے اسمیں وہ خود لکھتے ہیں کہ مجھے صرف ۱۲ جمادی الاول ۱۳۲۰ھ ہجری کو حضرت کی زیارت کا اتفاق ہوا اسی دن میں بیعت ہوا اور واپس چلا آیا اسکے بعد حاضری نصیب نہیں ہوئی مگر اسپر بھی انکی تحریر کا لفظ لفظ پکار رہا ہے کہ حضرت امام ربانی معشوق ہیں اور وہ عاشق آپ مطلوب ہیں اور وہ طالب چنانچہ ایک رباعی جو اسی حالت میں انھوں نے لکھی ہے ہدیہ ناظرین ہے :- رباعی

گنگوہ میں ایک خدا رسیدہ دیکھا	اللہ کا برگزیدہ سبندہ دیکھا
کیا وصف کروں میں اسکا ممتاز	انسان کی شکل میں فرشتہ دیکھا

حضرت امام ربانی کی ہمیشہ عادت تھی مجھے علم نہیں کہ کبھی اسکا خلاف ہوا آپ اپنے متوسلین سے تعارف حاصل فرماتے اور کیسا ہی اجنبی شخص کیوں نہ مرید ہو کم سے کم اسکا نام ضرور دریافت فرمالیا کرتے تھے اسکے بعد اگر کوئی مرید کچھ پڑھنے کیلئے دریافت کرتا تو حدیث کے اوراد تعلیم فرماتے اور اپنی رشاد فرمادیا کرتے تھے کہ اپنی گنجائش دیکھ لینا جتنا ہو سکے اتنا کرنا چاہے تھوڑا ہو مگر ہمیشہ ہو نباہ بڑی چیز یہ بات ٹھیک تھی کہ آج کیا اور کل چھوڑا کوئی کام ٹھانے بغیر نہیں سنورتا خاصکر دین کا کام اسمیں تو بڑی پختگی کی حاجت ہے، پیر کی مٹھی میں کچھ نہیں دھرا ہوتا کہ مریدوں کو پکڑا دے پیر کا کام تو بتا دینا ہے کرنا اپنا کام ہی بندہ سے جو کچھ ہو سکے کرے اور کوتاہی کی توبہ کرتا رہے کہ بشر ہر وقت خطاوار ہے۔

دیہاتی مخلصین جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ان سے بہت ہی بشاشت کیساتھ باتیں کیا کرتے تھے اور چونکہ صحابہ کرام کی سادگی کا نمونہ آپکو انہیں میں نظر آتا تھا اسلئے جب کسی گاؤں کا کوئی باشندہ آپکی خدمت میں حاضر ہوتا تو یوں معلوم ہوتا کہ آپنے اپنے ہمجنس کو پالیا عموماً آپ انکے ساتھ دیہاتی زبان میں گفتگو فرماتے اور بہت ہی سادہ عام فہم چھوٹے چھوٹے لفظ استعمال فرمایا کرتے تھے یہ نظارہ بھی حیرت انگیز اور فرحت بخش اور دیکھنے کے قابل ہوتا تھا یہ مخلص و بے ریا سادے اور بے تکلف خادم جس بے تکلفی کیساتھ امام ربانی سے گفتگو کرتے تھے اسکو شاید شہری حضرات معیوب اور کسی درجہ میں گستاخی سمجھے ہوں مگر سچی بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کا نمونہ اسوقت آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا اور

ان مبارک قدموں کے طفیل حاضرین کو اکثر ظاہری و باطنی وہ منافع حاصل ہو جاتے تھے جنکا حصول اس صورت کے بغیر دشوار تھا۔ اس جماعت کو حق تعالیٰ نے اس درجہ بھولا بنایا ہے کہ بعض دفعہ حمق کہلاتا اور مدعی تہذیب گروہ کے خیال میں بے ادبی و بیہودگی معلوم ہوتا ہے ایکبار بھرے مجمع میں حضرت کی کسی تقریر پر ایک نو عمر دیہاتی نے تکلف پوچھ بیٹھا کہ حضرت جی عورت کی شرمگاہ کیسی ہوتی ہے؟ اللہ رے تعلیم سب حاضرین نے گردنیں نیچے جھکالیں مگر آپ طلق چیں بجبیں نہوئے بلکہ بسیاختہ فرمایا جیسے گیہوں کا دانہ کنج دکاؤ اور تصنع و بناوٹ کی منافقانہ جھلک سے چونکہ یہ جماعت عموماً محفوظ ہوتی ہے اسلئے انکے بیعت کرنے میں کبھی حضرت کو تامل فرماتے نہیں دیکھا اکثر جمعہ کی نماز کیلئے یہ لوگ گنگوہ آتے اور بعد فراغ گوہار کی گوہار حضرت کی خدمت میں جمع ہو جاتے تھے "حضرت جی سلام" کہا اور جہاں جگہ پائی بیٹھ گئے جو مسئلہ پوچھنا ہوا کھول کھول کر پوچھا اور جو شبہ رفع کرنا ہوا صاف صاف رفع کیا جو کوئی نیا آیا اور بیعت ہونا منظور ہوا وہ پاس آبیٹھا اور کہا کہ حضرت جی مجھے مرید کرلو" اسی وقت حضرت اُسکو توبہ کراتے اور سلسلہ میں داخل فرمالیتے تھے ایک مرتبہ چند دیہاتی آپ سے بیعت ہوئے اور مسئلہ مسائل پوچھکر تھوڑی دیر بعد رخصت ہوئے کندھوں پر لاٹھیاں رکھے "حضرت جی سلام" کہتے ہوئے چلدئے سلام کے جواب میں امام ربانی کے چہرہ اور لہجہ سے بشاشت ٹپکتی تھی جب وہ چلے گئے تو آپنے فرمایا "بس بیعت تو اُنکی ہے کہ سہارا ڈھونڈھ لیا اور بیفکر ہوگئے" منتسبین سے نذرانہ قبول فرمانے میں بھی حضرت قدس سرہٗ کا انداز مختلف دیکھا گیا کسی کی تذکر بخوشی قبول فرماتے اور کسی کی بالکل رد کرتے اور صاف انکار فرمادیا کرتے تھے البتہ بعض مخلص حاجتمند خدام سبقت کچھ پیش کرتے تو اول آپ انکار فرماتے کہ تجھے حاجت نہیں اور تم حاجتمند ہو اپنے صرف میں لاؤ مگر جب دیکھتے کہ خادم کا دل ٹوٹتا اور روئے دیتا ہے تو آپ قبول فرمالیتے اور لیکر پاس رکھلیا کرتے تھے

غیبی فتوحات سے حضرت امام ربانی کو نفرت نہ تھی متوکل کی شان یہی ہے کہ جو شے بلا طلب ملے اسکے لینے سے ناک نہ چڑھائے کہ نعمت رب سے کسی وقت استغنا نہیں ہو سکتا ہاں اگر نہ ملے تو نفس کو اسکے پیچھے نہ لگائے سو یہ شان جسدرجہ حضرت امام ربانی میں دیکھی گئی شاید دوسرے میں کم نظر آئیگی باوجودیکہ آپ کے متوسلین میں اکثر خدام گویا آپکے جان نثار عشاق تھے مگر ایک واقعہ ایسا نہ ملیگا کہ کبھی کسی خادم سے آپنے کسی خاص شے کی فرمایش کی ہو یا اپنی حاجت و ضرورت ظاہر فرماکر چاہا ہو کہ کچھ معاونت و سلوک کریں ہاں جو کوئی اخلاص کیساتھ بطور خود اور بطیب نفس کچھ لے آیا تو اسکو آپنے رد بھی نہیں فرمایا لیا اور ایسی بشاشت

مولوی ولایت حسین صاحب اور مولوی

کیساتھ لیا کہ دینے والیکا جی خوش ہوگیا۔

آپکا قلب چونکہ محبت خدا و رسول کی لازوال دولت سے مالامال تھا اسلئے دنیا اور دنیا کے فانی مال و متاع سے آپکو استغنا تام حاصل تھا غنا قلبی کا اثر آپکے چھپائے چھپ نہ سکتا تھا ہر چند کہ ہدایا اور تحایف کے بخشی قبول فرمانے سے آپ استغنا کی اندرونی کیفیت کو مستور و مخفی رکھنے کی بہتیری کوشش فرماتے تھے مگر جو پیمانہ کسی خاص شراب سے لبریز ہو چکا ہو اسکا چھلکے اور اپنی مہک پھیلائے بغیر رہنا دشوار ہے آخر عمر میں آپ بہتیرے مخلصین کے تحائف و ہدایا اور نذروں کے قبول فرمانے سے بھی گھبرانے اور صاف انکار فرمانے لگے تھے ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے نذر پیش کی اور چونکہ بچپن ہی سے مورد عنایات خاصہ رہے اسلئے "تمہارے تو ہمارا گردگستاخ" بار بار باصرار عرض کیا کہ یہ تو آپکو لینی ہی ہوگی مگر آپنے نہ مانا اور ہر بار یہی فرمایا میاں مجھے ضرورت نہیں ہے ایک دوسرے مخلص نے نذر گزرانی تو انکو بھی آپنے انکار فرمادیا اور یہ الفاظ کہے مجھے حق تعالیٰ نے اتنا دے رکھا ہے کہ مجھسے اور میرے مہمانوں سے کھایا بھی نہیں جاتا میں لیکر کیا کرونگا" تیسرے خادم سے جبکہ انکی نذر بھی منظور نہ ہوئی یہ ارشاد فرمایا اس سے کیا نفع کہ اسکو بھی دوسرے روپیوں میں ملا کر رکھدوں تمہاری تو اس سے بیسیوں کام نکلینگے میرے پاس بجز جمع کرنیکے کونسا کام آئیگا؟ آخر جب انکا اصرار بہت ہی زیادہ ہوا تو آپنے روپیوں پر ہاتھ رکھدیا اور فرمایا لو بس میں نے لیلئے اب اسکو میری طرف سے تم لیکر بال بچوں میں خرچ کردو۔

زمانہ کی رسم کے موافق بیعت کے وقت مٹھائی کا ہونا آپکو پسند خاطر نہ تھا بلکہ اسکا اہتمام و التزام بدعت سمجھتے تھے اسلئے عموماً آپکے ہاتھ پر بیعت ہونا نہایت سادہ ہوتا تھا جسوقت مناسب سمجھا طالب کو بلا کر بطریق مسنون آپنے بیعت فرمالیا ہاں اگر اخلاص کیساتھ بسہولت تھوڑی بہت مٹھائی کوئی شخص لے آیا تو صحیح پر اسکو تقسیم کردینے میں آپنے مزاحمت نہیں فرمائی غرض ہر انداز میں وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کا نور جگمگاتا اور ہر امر میں سادگی تھی کہ محب سنت قلب بیچین ہو ہو جاتا تھا بقول شاعر ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا	لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں	

حضرت امام ربانی کے متوسلین کی جماعت میں افراد عالم کے چیدہ اور برگزیدہ منتخب حضرات موجود ہیں کہ ایک ایک فرد پر جماعت کا اطلاق صحیح اور جمیع غفیر کا مصداق بنانا مسلم ہے خصوصاً وہ علمار ربانی کہ جنکی شان میں فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ حدیث میں وارد ہوا اور جنکے بارے میں فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے باغ عالم میں اہل اسلام کا

گروہ اگر تختۂ گلاب ہے تو امام ربانی کے فیض دستدیافتہ متوسلین کا ہر ہر فرد بمنزلہ روح گلاب ہے جسکا ایک قطرہ منبوں اور اُن گنت پھول کی پتیوں کا خلاصہ وماحصل ہے چہ جائیکہ گنتی اور شمار کے اعتبار سے بھی آپ کے متوسلین کی تعداد غالباً پچاس ہزار سے کم نہوگی جنمیں کئی ہزار سے زیادہ عاملین علم دین علماء وطلبہ شامل ہیں۔ آپکے یہاں کوئی رجسٹر نہ تھا جسمیں متوسلین کے نام درج ہوتے ہوں اسلئے صحیح تعداد کا بیان کرنا محال ہے مگر آپکی عمر شریف کا پچاس سال سے زیادہ زمانہ مخلوق کی رہبری اور دستگیری میں صرف ہوا اس دراز مدت میں اکثر دن ایسے واقع ہوئے ہیں جنمیں پچاس پچاس سے زیادہ طالبین کو آپنے بیعت فرمایا ہے آخر عمر میں جبکہ آپکا مرجع خلائق ہونا عالم پر کھلگیا تھا اُسوقت مخلوق کی گنگوہ کی جانب مستانہ وار گروہا گروہ لپکنے اور مرکز دائرہ ارشاد کی طرف جوق جوق کھچے ہوئے چلے آنیکی جو کیفیت تھی اُسکا احصار وشمار کسی سے ہو نہیں سکتا آپکے خلفاء اور چند مشاہیر متوسلین کے نام باب آیندہ میں بیان ہونگے مگر یہاں صرف اتنا ظاہر کرنا ہے کہ جو بالکل از جماعت آپکے دامان عاطفت سے بلا توسط وابستہ ہے اُسمیں زیادہ تر علماء ہیں اور سب سے کم امراء باقی شہری و دیہاتی شرفاء و صناع تاجر و زمیندار مزدور و کاشتکار اہل حرفت و صنعت ہر ملک اور ہر صوبہ کے آپ کے متوسل و منتسب ہیں۔ آپکی ہدایت عامہ اور قطبیت کے فیضان سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ سرزمین کا خلاصہ اور اصل الاصول ملک حجاز بھی بہرہ مند ہوا۔ ہند کی زرخیز زمین کے آفاق و اطراف اور ساتوں صوبوں میں کوئی کنارہ ایسا باقی نہیں جہاں آپکا انتساب نہ پہونچا ہو بنگال و پنجاب جسطرح اس دریائے مواج سے سیراب ہوئے اسی طرح سندھ و دکن اور مدراس ممالک متوسط سرسبز و شاداب بنے اس احاطہ اور خصوصاً اُن چند اضلاع کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جہاں سے مخدوم العالم کے مسکن سایۂ افگن کو حسّی قرب و اتصال بھی حاصل تھا۔

بمقتضائے اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَءَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَءَ غریب و غریب الوطن مذہب اسلام اور بے یار و مددگار جاوید نعمت کے متعلق ہمیشہ یہی حالت رہی کہ فقراء و مساکین نے دامن پھیلانے اور سمیٹ سمیٹ کر پہنے باندھنے میں جلدی کی ہے اسلئے مشکوٰۃ نبوت سے روشن ہونیوالی گنگوہی مشعل کا چمکنا بھی زیادہ تر انہیں میں پھیلا امراء و متمولین جنکو فنا ہو جانیوالی ہیچ در ہیچ لذتوں میں مشغولیت کے باعث اس جانب نگاہ کرنیکی فرصت ہی نہیں ملی وہ عالمتاب آفتاب کے نور مستفیض نہو سکے الا من شاء اللہ جس رئیس یا رئیسہ کو قسام ازل نے فقر و مسکنت کی محبت کے باعث اسی زمرہ میں شمار کیا ہے جنکی شان میں

سرورِ عالم نے فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ ارشاد فرمایا ہے وہ بیشک آسمانی خوان کی پائدار لذت سے بہرہ مند اور مستفیض ہوئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہر قوم کے معزز امیر کا اکرام کریں خصوصاً وہ امیر جو خاص اپنی جماعت کا ہو اسلئے اعلیٰ طبقہ رؤسا و والیان مملکت میں حضرت امام ربانی کی بیعت کا شرف حاصل کرنیوالوں میں اگر مثال بیان کیجائے تو جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال خلد اللہ ملکہا کی بیعت کا قصہ ہدیہ ناظرین ہوگا کہ حق تعالیٰ نے رئیسہ ممدوحہ دام اقبالہا کو دنیاوی جاہ و اقتدار اور شاہانہ عزّت و جلال کیساتھ دین کی سدا بہار عزت کیساتھ بھی مالا مال فرمایا اور فقراء و صلحاء کی محبت کا یہ ثمرہ ملا کہ تخت و تاج حاصل ہونیکے اگلے سال مخدوم العالم قطب الوقت شیخ سے بیعت عثمانی کا شرف حاصل ہوا سرکار عالیہ کو ابتداء زمانہ ولیعہدی سے شیخ کامل کی تلاش تھی اور اس خیال میں تھیں کہ مکہ معظمہ کا سفر نصیب ہو تو اعلیحضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کریں مگر ادھر ممدوحہ کو سفر حجاز میں عجلت کا موقع نہ ملا اور اُدھر اعلیحضرت وصال فرما گئے اسلئے اب رئیسہ ممدوحہ کو اعلیحضرت کے خلفاء میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے سوا کسی کی طرف عقیدت نہوئی چنانچہ مراسلت شروع ہوئی اوّل حضرت امام ربانی نے حسب عادت انکار فرمایا اور درخواست کے جواب میں بلیغ طرز سے طلب کا امتحان لیا مگر خوش نصیب و عفت مآب خاتون کی طلب حقیقت میں سچّی اور پختہ طلب تھی اسلئے درخواست پر اوائل ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ ہجری نبوی میں حضرت کے مخلص متوسل جناب مولانا قاضی محی الدین صاحب مرادآبادی قاضی ریاست بھوپال ممدوحہ کا والا نامہ لیکر وکیل و سفیر بنکر گنگوہ تشریف لائے اور حضرت قدس سرہٗ نے رئیسہ کی بیعت قبول فرمائی۔

میر منصب علی صاحب منشی دام مجدہٗ کی وساطت سے یکے بعد دیگرے دو خطوط اسی درخواست میں حضرت امام ربانی کے پاس پہونچ چکے تھے اسکا جواب جو حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے بھیجا گیا تھا چونکہ اسمیں والیہ ممدوحہ کی طلب کا امتحان تھا اسلئے اسکو ہدیہ ناظرین کرنا مناسب معلوم ہوا وہ ہذا۔

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ بعنایت فرمائے برحال بندہ۔ بعد سلام مسنون الاسلام مطالعہ فرمائند بندہ بخیریت ہے آپ کیلئے دست بدعا ہے آپکا عنایت نامہ مشتمل بر استدعائے بیعت نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کئی روز ہوئے آیا تھا مگر چونکہ بمقتضائے سن و بوجہ عروض عوارض مختلفہ میری طبیعت مضمحل رہتی ہے نیز دربارہ تحریر جواب مجھے تردد بھی تھا اسلئے تحریر جواب کی ہنوز نوبت نہ آئی تھی کہ آپکا دوسرا عنایت نامہ بغرض تقاضائے

جواب آگیا اسلئے اب جواب لکھتا ہوں کہ بیعت دو وجہ سے کیجاتی ہے ایک تو بغرض تحصیل نسبت وحصول برکات طریقت۔ اسکے لئے ایک مدت دراز مرشد کے پاس رہنا ضروری ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ میں وہاں آسکتا ہوں نہ بیگم صاحبہ کی یہاں تشریف آوری مناسب ہے، اور بدون اسکے یہ بیعت بیکار ہے دوسری بیعت بغرض شرکت وتعلق بزرگان جسمیں محض دخول سلسلہ ہوتا ہے اور اسکو اول تو بندہ کچھ مفید نہیں جانتا دوسرے اس سے رئیسہ دام اقبالہا کو جو میرے حال پر نظر عنایت وتوجہ اور التفات ہوگی اس سے مجھے سخت ندامت ہوگی نیز اسکی شہرت سے اہل حاجات بھی بندہ کو روز روز تنگ کرینگے جنمیں سے کسی کی سعی وسفارش مناسب ہوگی کسیکی غیر مناسب پھر یہ کہ جب رئیسہ دام اقبالہا کو میرے ساتھ محبت واخلاص ہو تو یہ تعلق واتحاد حاصل ہے باینہمہ اگر اصرار ہو تو دو شرط سے مجھے منظور ہے ایک یہ کہ میرے ساتھ قدیمی برتاؤ میں کوئی تفاوت نہ آوے اور میرے ساتھ کسی قسم کی مروت واحسان بہ دوسرے اس امر کا اظہار نہو اگر یہ دونوں امر منظور ہوں تو میں انکی بیعت اس امر پر قبول کرتا ہوں کہ اتباع سنت اور اجتناب بدعت کو اپنا شعار رکھیں اور حق پرستی وعدل گستری وانصاف سے رعایا پروری میں مصروف رہیں والسلام۔

اس والا نامہ کے جواب میں قاضی محی الدین صاحب ممدوحہ کا جو مکتوب لیکر آئے یہ تھا۔

بجناب فضایل مآب حقیقت انتساب حضرت مولانا رشید احمد صاحب دام فیوضہ۔ بعد سلام مسنون ایلاسلام انجاح مرام آنکہ مکرمت نامہ سامی میرے منشی سید منصب علی کے نام صادر ہوا۔ اسکے جواب میں منصب علی کا عریضہ اور مولوی محمد محی الدین احمد صاحب قاضی ریاست حاضر خدمت سراپا برکت ہوئے ہیں میرا مدعا منصب علی کی گزارش اور قاضی صاحب معزز کی زبانی گذارش سے مبرہن خاطر عاطر ہوگا امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ فیضان دارین سے مستفیض ہونگی باقی والسلام مع الاکرام فقط مورخہ دویم ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ ہجری۔

مہر

رئیسہ عالیہ کی خوش تقدیری تھی کہ زیارت حرمین سے مشرف ہو کر قطب العالم قدس سرہ کے وصال سے دو ماہ قبل اس دامن سے وابستگی ہوگئی اگر خدانخواستہ آٹھ ہفتہ کی تاخیر ہو جاتی تو ممدوحہ کا وہ افسوس دوچند ہو جاتا جو ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ ہجری کو اعلیحضرت حاجی صاحب کے وصال پر ہوا تھا مگر فرخندہ بخت صاحبزادہ منصب علی کی تقدیر میں کاتب ازل نے دنیاوی زر ومال کے ساتھ جاوید نعمت کے اس بحر بیکراں سے مالا مال ہونا لکھدیا تھا اسلئے ممدوحہ سے اس گوہر شہوار کی تحصیل میں صبر نہو سکا اور پے در پے خطوط آتے رہے یہانتک کہ غالباً ۹ ربیع الثانی ۲۴ھ کو حضرت امام ربانی نے بسفارت قاضی صاحب ممدوح بیعت کی قبولیت کا اظہار فرمایا اور اسی سال بتاریخ ۲۰ جمادی الثانی کو رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوئے۔

نسبت مسلسل و تبرکات

نفس نتواں گشت الا ظل پیر	دامن آں نفس کش را سخت گیر

مخدوم العالم امام ربانی مرشدنا و مولانا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کو نسبت بیعت و ارتباط صحبت و خرقہ و اجازت حاصل ہوا علیحضرت مولانا حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے اور علیحضرت حاجی صاحب کی نسبت و صحبت کا اتصال سرور عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک متعدد طرق سے ضیاء القلوب میں مذکور ہے ناظرین سوانح اور متوسلین آستانہ گنگوہیہ کی آگاہی کیلئے مختصراً عرض کیا جاتا ہے

(خاندان چشتیہ صابریہ قدوسیہ) امام ہمائی حضرت مولانا رشید احمد انصاری ایوبی نعمانی محدث گنگوہی قدس سرہ از علیحضرت جامی امداد اللہ شاہ فاروقی مہاجر مکی رح از سید احمد بن محمد علوی جمنجھانوی رح از حاجی سید عبد الرحیم فاطمی شہید رح از شاہ عبد الباری صدیقی رح امروہی از شاہ عبد الہادی صدیقی رح امروہی از سید غضنفر الدین رح از شاہ محمد مکی جعفری رح از شاہ سید محمدی رح از شیخ محب اللہ صدیقی رح الہ آبادی از شاہ ابو سعید نعمانی پوشیدانی گنگوہی از شاہ نظام الدین یحیی رح فاروقی از شاہ جلال الدین تھانیسری رح فاروقی از قطب العالم عبد القدوس گنگوہی نعمانی از شیخ محمد فاروقی ردولوی از شیخ احمد فاروقی ردولوی از شیخ عبد الحق فاروقی ردولوی از شیخ جلال الدین محمد عثمانی پانی پتی از شیخ شمس الدین ترک علوی پانی پتی از امام الملۃ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر حسینی از شیخ فرید الدین شکر گنج فاروقی از شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی حسینی از امام الطریقہ خواجہ معین الدین حسن سجزی از شاہ ابو النور عثمان ہارونی از منیر الدین حاجی شریف زندنی از خواجہ قطب الدین مودود چشتی حسینی از سید ناصر الدین ابو یوسف چشتی حسینی از سید ابو محمد چشتی حسینی از سید ابو احمد ابدال حسنی از خواجہ شرف الدین ابو اسحاق شامی از خواجہ کرم الدین مشاد علو دینوری از خواجہ امین الدین ابو ہبیرہ بصری از خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی از سلطان العارفین ابو اسحاق ابراہیم بن ادہم فاروقی از خواجہ ابو الفضیل فضیل عیاض

(خم ۱۲ ۱۳۴۱ھ)

از خواجہ ابوالفضل عبد[۳۶] ابو احمد[۳۷] بن زید از سیدنا امام حسن[۳۸] بصری رضی اللہ عنہ از مولانا ابوالحسن[۳۹] والو تراب عزادہ و داماد۔
۲۷ صفر ۴۸ھ بصرہ — یکم رجب یا ۲ محرم ۴۹ھ بصرہ — شب دوشنبہ ۲۱ رمضان ۳۰ھ

رسالتمآب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ از نبی الحرمین سیلتنا فی الدارین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔
نجف اشرف غالباً — دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری نبوی مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً ۱۲

(خاندان چشتیہ نظامیہ قدوسیہ) حضرت امام ربانی قدس سرہ کا سلسلہ نسبت و اجازت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ مثل سابق ہے اور آگے سلسلہ اس طرح ہے کہ شیخ عبدالقدوس[۱۴] گنگوہی کو اجازت طریقہ نظامیہ از مرشد خود شیخ درویش[۱۵] بن محمد قاسم[۱۶] اودھی از سید[۱۷] بدھن بہرائچی از سید[۱۸] اجل بہرائچی از سید جلال[۱۹] الدین بخاری از مخدوم جہانیان جہان گشت از خواجہ نصیرالدین روشن چراغ دہلی از سلطان المشائخ امام الملۃ شیخ نظام الدین اولیاء[۲۰] بن محمد احمد بدایونی از خواجہ فرید[۲۱] الدین شکر گنج ناسہ ورعالم صلے اللہ علیہ وسلم۔
شب جمعہ ۱۸ رمضان ۱۲

نیز قطب العالم عبدالقدوس[۱۱] گنگوہی کو اس سلسلہ کی اجازت اپنے مرشد شیخ درویش بن محمد قاسم اودھی سے اس طرح بھی حاصل ہے کہ شیخ درویش[۱۵] از مرشد خود شیخ سعد[۱۶] اللہ از شیخ افلح[۱۷] اللہ از شیخ صدر[۱۸] الدین طبیب الہا از سلطان المشائخ شیخ نظام[۱۹] الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس سلسلہ کا نام چشتیہ نظامیہ افلحیہ ہے۔

نیز قطب العالم[۱۰] کو اپنے مرشد شیخ درویش سے اس سلسلہ کی اجازت باین طور حاصل ہے کہ شیخ درویش[۱۵] از مرشد خود میاں[۱۶] بن حکم اودھی از سید صدر[۱۷] الدین اودھی از سید[۱۸] محمد گیسو دراز از خواجہ نصیر[۱۹] الدین از سلطان المشائخ شاہ نظام[۲۰] الدین اولیاء تا آخر۔ اور اس سلسلہ کا نام چشتیہ نظامیہ گیسو درازیہ قاسمیہ ہے۔

(خاندان علیہ قادریہ قدوسیہ) کی نسبت بیعت و ارتباط صحبت و حصول خرقہ و اجازت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ کو اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ بوسائط مذکورہ قطب العالم عبدالقدوس گنگوہی سے اس طرح حاصل ہے کہ قطب العالم عبدالقدوس[۱۴] گنگوہی از درویش[۱۵] محمد بن قاسم اودھی از سید بدھن[۱۷] بہرائچی از سید اجل[۱۸] بہرائچی از مخدوم جہانیاں[۱۹] جہان گشت از سید جلال[۱۹] الدین بخاری از شیخ ابوالمکارم[۲۰] فاضل از شیخ قطب[۲۱] الدین ابوالغیث از شیخ شمس[۲۲] الدین علی اقلع از شیخ شمس[۲۳] الدین حداد از امام الاولیا سید الطائفہ شیخ محی[۲۴] الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ از شیخ ابوسعید[۲۵] مخزومی از شیخ ابوالحسن[۲۶] قرشی علی الہکاری از شیخ ابوالفرح[۲۷] طرسوسی از شیخ عبدالواحد[۲۸] تمیمی از شیخ ابوبکر[۲۹] شبلی از شیخ جنید[۳۰] بغدادی از شیخ سری[۳۱] سقطی از شیخ معروف[۳۲] کرخی از شیخ داؤد[۳۳] طائی از شیخ حبیب[۳۴] عجمی از امام حسن[۳۵] بصری از امیرالمومنین علی[۳۶] ابن ابی طالب از سرور عالم محمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔

نیز حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو اس سلسلہ کی اجازت جدی سلسلہ سے

اس لئے سلسلہ مشہور ہوا ۱۲ منہ

بایں طور حاصل ہے کہ غوث الثقلین[۲۴] از ابو صالح[۲۵] از موسیٰ جنگی دوست[۲۶] از سید عبداللہ جیلی[۲۷] از سید یحییٰ زاہد[۲۸] از سید موسیٰ مورث[۲۹] از سید داؤد[۳۰] مورث[۳۱] از سید موسیٰ الجون[۳۲] از سید عبداللہ المحض[۳۳] از امام حسن مثنیٰ[۳۴] از امام حسن[۳۵] از علی رضی اللہ عنہم وجہہ از سرور عالم صلے اللہ علیہ اجمعین اس سلسلہ کا نام سلسلہ جیلانیہ آبائیہ ہے۔

نیز قطب العالم عبدالقدوس گنگوہیؒ کو اس سلسلہ کی اجازت اس طرح بھی حاصل ہے از حضرت ابراہیم[۱۵] حسنی از شاہ موسیٰ[۱۶] از شیخ احمد جیلی[۱۷] از شیخ عبدالقادر[۱۸] از شیخ محمد حسن[۱۹] از شیخ ابوالنصر[۲۰] از شیخ ابو صالح[۲۱] از غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی[۲۲] تا سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سلسلہ کا نام قادریہ ابراہیمیہ ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو اس سلسلہ علیہ کی اجازت علیحضرت حاجی صاحب[۱] سے بواسطہ حضرت شاہ رحم علی صاحب بھی حاصل ہے اور اسکی اسناد اس طرح ہے حضرت مخدوم العالم[۱] از اعلیحضرت[۲] حاجی امداد اللہ شاہ از میانجی نور محمد[۳] از حاجی عبدالرحیم[۴] شہید از سید رحم علیشاہ[۵] از سید عبدالرزاق[۶] از سید عبدالحی[۷] از سید محمد غوث[۸] از سید ابو محمد[۹] از شاہ محمد[۱۰] از سید قمیص الاعظم[۱۱] از سید الیاس[۱۲] مغربی از سید عبدالحق[۱۳] مغربی از سید لاما[۱۴] مغربی از سید احمد قدس[۱۵] از سید عبدالقادر رمای از سید عبدالوہاب[۱۶] از سید موسیٰ[۱۷] از سید یحییٰ زاہد[۱۸] از سید نور الدین[۱۹] از سید عبدالرزاق[۲۰] از غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی[۲۱] از ابو سعید مخزومی[۲۲] از ابوالحسن ہکاری[۲۳] از ابوالفرح طرسوسی[۲۴] از عبدالواحد تمیمی[۲۵] از ابوبکر شبلی[۲۶] از جنید بغدادی[۲۷] از سری سقطی[۲۸] از معروف کرخی[۲۹] از امام علی بن موسیٰ رضا[۳۰] از امام موسیٰ کاظم[۳۱] از امام جعفر صادق[۳۲] از امام محمد باقر[۳۳] از امام زین العابدین[۳۴] از امام حسین[۳۵] شہید کربلا از امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ[۳۶] از محبوب رب العلمین محمد مصطفےٰ[۳۷] صلے اللہ علیہم اجمعین وبارک وسلم۔

(خاندان عالیہ نقشبندیہ قدوسیہ) اس سلسلہ کی نسبت بیعت وارتباط صحبت وخرقہ واجازت امام ربانی حضرت مولانا گنگوہی[۱] قدس سرہ کو اعلیحضرت[۲] حاجی صاحب کیساتھ بواسطہ مذکورہ قطب العالم عبدالقدوس گنگوہی کیساتھ اس طرح حاصل ہے کہ شیخ عبدالقدوس[۱۲] از درویش محمد[۱۳] از قاسم[۱۴] اودھی از سید بدیع[۱۵] بہرائچی از سید اجل[۱۶] بہرائچی از شاہ[۱۷] عبدالحق از خواجہ عبیداللہ[۱۸] احرار از خواجہ مولانا یعقوب[۱۹] چرخی از خواجہ علاؤالدین[۲۰] از امام الطریقہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند[۲۱] از خواجہ سید امیر کلال[۲۲] از خواجہ محمد بابا سماسی[۲۳] از خواجہ عزیزان علی رامتینی[۲۴] خواجہ محمود[۲۵] ابوالخیر فغنوی از خواجہ محمد عارف ریوگری[۲۶] از خواجہ عبدالخالق غجدوانی[۲۷] از خواجہ یوسف ہمدانی[۲۸] از خواجہ ابوعلی فارمدی[۲۹] از خواجہ امام ابوالقاسم قشیری[۳۰] از خواجہ ابوعلی دقاق[۳۱] از خواجہ ابوالقاسم نصرابادی[۳۲] از خواجہ ابوبکر شبلی[۳۳] از سید الطائفہ جنید بغدادی[۳۴] از شیخ سری[۳۵] سقطی از شیخ معروف کرخی[۳۶] از شیخ داؤد طائی[۳۷] از خواجہ حبیب عجمی[۳۸] از امام الاولیاء

حسن بصری از امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ از سرور عالم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔

نیز اس سلسلہ عالیہ کی اجازت حضرت امام ربانی قدس سرہ کو ایۃ من آیات اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے بھی حاصل ہے بایں طور کہ مرشدنا گنگوہی قدس سرہ از اعلیحضرت حاجی امداد اللہ شاہ از میاں جیو نور محمد از حضرت سید احمد شہید از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی از شاہ ولی اللہ از شاہ عبد الرحیم از سید عبد اللہ از سید آدم بنوری از امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی از خواجہ باقی باللہ از خواجہ امکنگی از مولانا درویش از مولانا زاہد از خواجہ عبید اللہ احرار از مولانا یعقوب چرخی از خواجہ علاؤ الدین عطار از امام الطریقہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند تا سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سلسلہ کا نام نقشبندیہ مجددیہ ولی اللہیہ ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب کو نسبت و صحبت و خرقہ اجازت جن طرق متعددہ سے حاصل ہے وہ مفصل و مبسوط شاہ صیں قول جمیل میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیجائیں ان تمام شعب و شجرات کو بجنسہا حضرت امام ربانی قدس سرہ کے شجرات و اسانید سلسلہ کہا جا سکتا ہے تطویل کے اندیشہ سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا خواجہ ابو علی فارمدی کو نسبت اویسیت حاصل ہے ابو الحسن خرقانی کیساتھ اور انکو بایزید بسطامی سے روحی فیض پہونچا اور انکی تربیت امام جعفر صادق کی روحانیت سے ہوئی اور امام جعفر صادق کو اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی کیساتھ انتساب حاصل ہے اور انکو حضرت سلمان فارسی کیساتھ اور انکو حضرت خلیفہ رسول اللہ صدیق اکبر ابو بکر بن ابی قحافہ کیساتھ اور حضرت صدیق نے جو کچھ حاصل کیا سرور عالم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اس نسبت اویسیت کو صدیقیہ نقشبندیہ نظامیہ قدوسیہ کہدیتے ہیں۔

نیز حضرت امام ربانی قدس سرہ کو اس سلسلہ علیہ کی اجازت اعلیحضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب سے بایں طور بھی حاصل ہے کہ مرشدنا گنگوہی از اعلیحضرت حاجی امداد اللہ صاحب از سابق مرشد خود حضرت مولانا نصیر الدین دہلوی از شاہ محمد آفاق دہلوی از خواجہ ضیاء اللہ از خواجہ محمد زبیر از خواجہ حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی از خواجہ محمد معصوم از حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندی تا سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سلسلہ کا نام نقشبندیہ مجددیہ نصیریہ ہے۔ نیز چونکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو اجازت اور بیعت تمام طرق چشتیہ قادریہ سہروردیہ کبرویہ مداریہ اور قلندریہ کی اپنے پیر و مرشد شیخ عبد الاحد سے حاصل ہے اور انکو اپنے مرشد شیخ رکن الدین گنگوہی سے اور انکو اپنے مرشد و والد ماجد شیخ عبد القدوس گنگوہی سے اسلئے حضرت امام ربانی کا سلسلہ نسبت بایں طریق تمام خاندانوں میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ قریب تر ثابت ہوگا۔

(خاندان علیہ سہروردیہ قادریہ سیدیہ) اس سلسلہ میں نسبت بیعت وارتباط صحبت خرقہ واجازت حضرت مرشدنا گنگوہی قدس سرہٗ کو اعلیحضرت حاجی صاحب کے ساتھ بوسائط مذکورہ شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ سے بایں طور حاصل ہے کہ قطب العالم عبدالقدوس[۱۴] گنگوہی[۱۵] از درویش محمد[۱۶] بن قاسم از سید بدھن[۱۷] بہرائچی از سید اجمل[۱۸] بہرائچی از سید جلال الدین[۱۹] بخاری از شیخ رکن الدین[۲۰] ابوالفتح از والد خود شیخ صدرالدین از والد خود شیخ بہاؤ الدین[۲۱] زکریا ملتانی از امام الطریقہ شیخ شہاب الدین[۲۲] سہروردی از شیخ ضیاء الدین[۲۳] ابونجیب سہروردی از شیخ وجیہ الدین عبداللقاہر[۲۴] سہروردی از شیخ ابومحمد[۲۵] بن عبداللہ از شیخ احمد[۲۶] دینوری از شیخ ممشاد علو دینوری از حضرت جنید[۲۷] بغدادی از معروف کرخی از شیخ داؤد[۲۸] طائی از خواجہ حبیب[۲۹] عجمی از امام الاولیاء حسن[۳۰] بصری از امیرالمومنین علی[۳۱] کرم اللہ وجہہ از سرور عالم محمد[۳۲] مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔

نیز سید اجمل بہرائچی قدس سرہٗ کو طریقہ مداریہ اور قلندریہ میں امام الطریقہ شیخ بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہٗ سے اجازت ونسبت بلا واسطہ حاصل ہے اور شاہ مدار کا سلسلہ اس طرح ہے کہ شاہ بدیع[۳۳] الدین از شاہ طیفور[۳۴] شامی از شاہ یمین[۳۵] الدین شامی از شاہ یمین[۳۶] الدین شامی از حضرت بدر[۳۷] الدین علم بردار از امیرالمومنین[۳۸] علی کرم اللہ وجہہ از سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کا نام مداریہ قلندریہ قدوسیہ امدادیہ رشیدیہ ہے۔

نیز شیخ جلال الدین[۱۸] بخاری کو سلسلہ کبرویہ کی اجازت شیخ حمید الدین سمرقندی سے بایں سلسلہ حاصل ہے کہ شیخ حمید الدین[۱۹] از شیخ شمس الدین[۲۰] بن ابی محمد بن محمود بن ابراہیم بن ادہم از شیخ عطا[۲۱] یا رخالدی از شیخ احمد[۲۲] باباکمال خجندی از شیخ نجم الدین[۲۳] کبریٰ از عمار[۲۴] یاسر از ابوالنجیب[۲۵] سہروردی از شیخ احمد[۲۶] غزالی از ابوبکر[۲۷] فتاح از ابوالقاسم گرگانی از خواجہ ابوعثمان[۲۸] مغربی از ابوعلی[۲۹] کاتب از شیخ علی[۳۰] رودباری از سید الطائفہ جنید[۳۱] بغدادی از معروف[۳۲] کرخی از شیخ داؤد[۳۳] طائی از خواجہ حبیب[۳۴] عجمی از امام الاولیاء حسن[۳۵] بصری از امیرالمومنین علی[۳۶] کرم اللہ وجہہ از سرور عالم احمد مجتبیٰ محمد[۳۷] مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وجمیع احبابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

سلاسل مشہورہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا سلسلہ ارتباط واجازت بطریق مشہورہ ہے جو مذکور ہوا ان سلاسل میں جو بحیثیت اصل ایک ہونے اور فیوضات وبرکات کے باہم وابستہ اور ایک کے دوسرے کی جانب منتقل ہوتے رہنے سے جو شاخیں پیدا ہوگئی ہیں وہ اس کثرت سے ہیں کہ احاطہ دشوار ہے اسلئے ان سے بحث نہیں کیگئی حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا تربیت باطنی وفیوضات روحانی میں قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کی ذات بابرکات کیساتھ زیادہ مناسبت رکھنا نسبت اویسیت

وفیضان روحانیت کے علاوہ اسلئے بھی ہے کہ سلاسل اربعہ مشہورہ میں حضرت شیخ کا واسطہ غالباً قایم ہے حضرت امام ربانی کی بافیض ومجمع برکات ذات سے متوسلین کو حسب نصیب بمقدر ہر خاندان اور ہر سلسلہ میں فیض پہونچا مگر چونکہ چشتیہ خاندان کا فیضان زیادہ ہوا اسلئے شجرات میں یہی شجرہ زیادہ تر طبع اور شایع ہوا اور متوسلین کی جماعت کثیرہ کے پاس یہی موجود بھی ہے اگرچہ شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کا واسطہ اس سلسلہ میں آنیکے سبب کہہ سکتے ہیں کہ چاروں خاندان بلکہ تمام شاخیں اور فروعات اسمیں شامل ہوگئے مگر اوپر جاکر اس سلسلہ کا ارتباط چونکہ امام الطریقہ حضرت معین الدین اجمیری قدس سرہٗ سے ملتا ہے اس لئے صورۃً فیضان کا انتساب چشتیہ کیجانب منسوب ہے عمر بھر میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو شعر گوئی کا صرف ایکبار اتفاق ہوا اور اس حالت میں آپنے وہی شجرہ نظم فرمایا ہے جو عام طور پر آپکے متوسلین کی دعائی کا نوسل قرار پایا ہے تبرکاً اسکو ہدیہ ناظرین کرکے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں **شجرہ منظومہ**۔

بہر امداد دو نور حضرت عبدالرحیم	عبد باری عبد ہادی عضد دین مکی ولی
ہم محمدی و محب اللہ و شاہ بو سعید	ہم نظام الدین جلال و عبد قدوس احمدی
ہم محمدی عارف و ہم عبدحق شیخ جلال	شمس دین ترک و علاؤ الدین فرید جودھنی
قطب دین و ہم معین الدین عثمان شریف	ہم بمود و ابو یوسف محمد و احمدی
بو اسحاق و ہم بمشاد و ہبیرہ نامور	ہم حذیفہ و ابن آدہم ہم فضیل مرشدی
عبدواحد ہم حسن بصری علی فخر دین	سید الکونین فخر العلمین بشری نبی
پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش	بہر ذات خود شفا یم دہ ز امراض دلی

حضرت امام ربانی رح کے متوسلین کی استدعا پر جناب قاری مغیث الدین صاحب دھوری مظلہ نے اوّل میں اسی بحر پر دو شعر بڑھا کر حضرت مخدوم العالم قدس سرہٗ کا اسم مبارک شامل شجرہ کردیا ہے خدام ستانہ گنگوہ ہبہ کیلئے وہ بھی شجرہ کے ہر دو طرف حاشیہ پر درج ہیں اب نہایت ادب وخلوص کے ساتھ بدرگاہ واہب العطیات دعا و مناجات ہے کہ وہ ذات قاضی الحاجات اس مؤلف نامراد و سیاہ کار اور حضرات ناظرین سلوک کو اس جماعت مقبولہ وحزب مبرور کے فیوضات وبرکات سے بہرہ مند وفائز المرام فرمائے اور اپنی سچی ونافع محبت کا شمہ عطا فرمائے انتساب کو ثبات وفراخی بخشے اور میدان حشر میں ان حضرات کی شمولیت وہمرکابی نصیب ہو آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

تلقین و تربیت خدام

ہین کہ اسرافیل دمت انداولیا	مردہ را از ایشان حیات است ونما
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی	چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
کار پاکان روشنی وگرمی است	کار دونان حیلہ و بے شرمی است
از حدیث شیخ جمعیت رسد	تفرقہ آرد دل اہل حسد
شیخ نورانی نہ رہ آگہ کند	با سخن ہم نور را ہمرہ کند

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے علم ظاہری میں جس طرح مجتہدانہ استعداد عطا فرمائی تھی اسی طرح تربیت باطنی میں بھی آپکا انداز مجتہدانہ تھا یعنی آپکی خداداد فہم و فراست اور ذکا و حذاقت کے آثار و ثمرات شریعت و طریقت دونوں علم میں بدرجہ مساوات ظاہر ہوتے تھے۔

مؤلف ناکارہ اس کوچہ سے محض نابلد اور اس مبحث سے بالکل ناآشنا ہے اسلئے لکھتے ہوئے قلم رکتا ہے مگر اپنے بزرگوں سے سنی سنائی اور خاصان خدا کی تحریرات میں دیکھی بھالی باتوں کا خلاصہ مجھ ناسمجھ کی فہم میں جو کچھ آیا ہے تمہیداً ہدیہ ناظرین کرتا ہوں بات یہ ہے کہ نسبت لغت عرب میں نام ہے دو شے کے ارتباط کا اور چونکہ مخلوق کو اپنے خالق جل و علیٰ شانہ کیساتھ ربط ہے وہ ربط کہ جسکی کوئی انتہا نہیں اسلئے کہسکتے ہیں کہ جسقدر اسماء صفات ہیں اُسی قدر حق تعالیٰ اور اُسکے بندوں میں نسبتیں قایم ہیں مثلاً خالق و مخلوق میں نسبت خلق ہے رازق و مرزوق میں نسبت رزق ہے رحیم و مرحوم میں نسبت رحمت ہے علیٰ ہذا پس نسبت سے واقع میں کوئی بھی خالی نہیں اور خالی کیونکر ہو کہ خلو محال ہے اس نسبت کا سرسری علم جسکو نفس علم کہسکیں سرف ذوی العقول کو حاصل ہے ورنہ ایمان ہی نہ رہے ظاہر ہے کہ ہر عامی سے عامی مسلمان حق تعالیٰ کو خالق و رزاق و رحیم جانتا اور سمجھتا ہے بلکہ اس ربط کا علم کسی درجہ میں کفار کو بھی حاصل ہے کہ اصل فطرت ہے اگرچہ عند اللہ اتنی واقفیت معتبر اور کافی نہیں سمجھی گئی اور اسی وجہ سے خطاب کفر کے مستحق اور عذاب ابدی کے سزاوار قرار پائے الغرض یہی ربط و نسبت جو حق تعالیٰ شانہ اور اُسکے بندہ میں قایم ہے صوفیہ کے نزدیک نسبت کے نام سے مشہور ہے اور اُسکے حاصل ہونیکے معنی یہ ہیں کہ قلب میں راسخ و پیوست ہو کر موجب نجات ہے اور وہ علم جو سرسری تھا علم یقین بنکر حضور کے درجہ پر پہونچ جائے جسوقت یہ دعا ان فضل اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو

حاصل ہو جاتا ہے اسوقت وہ سالک اصطلاح اہل اللہ میں صاحب نسبت کہلاتا ہے جسکا حصول محض وہبی ہے اگرچہ طرق و وسائل کسبی اور اختیاری ہیں یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

نوع انسان کو حق تعالیٰ نے طبایع مختلف عطا فرمائی ہیں اور طبیعت چونکہ فطری امر ہے اسلئے اسکی تبدیل انسان کے اختیار میں نہیں پس نسبت معتبرہ پیدا ہونے پر بھی طبیعت وہی رہتی ہے جو اس سے قبل تھی مگر اسکے آثار و مقتضایات پلٹ جاتے ہیں مثلاً اگر طبیعت کسی کی تشدد پسند ہے تو صاحب نسبت بنکر بھی تشدد کا مضمون قایم رہیگا مگر یہاں اوّل اہل حق کیساتھ تشدد اور سختی کا برتاؤ تھا تو اب عصاۃ اور اہل باطل پر تشدد ظاہر ہوگا یا مثلاً طبیعت میں بے پروائی تھی تو اوّل طاعات اور فکر آخرت سے بے پروائی تھی اب ایک فکر کے پیچھے پڑکر دنیا اور ساری مخلوق سے استغنا ہوگا علیٰ ہذا القیاس تمام امور طبیعیہ کے اسی مضمون کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اشدھم فی الجاھلیۃ اشدھم فی الاسلام۔

خلاصہ یہ ہے کہ نسبت معتبرہ کا اثر اخلاق و عادات پر تبدیل کے درجہ میں ظاہر ہوتا ہے کہ بد خصلتیں زایل ہو جاتی اور نیک عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور تمام خصایل رذیلہ خصایل حمیدہ سے بدلجاتے ہیں مگر طبایع اور جملہ امور فطریہ پر صرف اتنا اثر پڑتا ہے کہ مصرف و محل پسندیدہ بنجاتا ہے اور چونکہ طبایع بدرجات عدیدہ مختلف اور متنوع ہیں اسلئے نسبت کے آثار بھی جنکو رنگہائے نسبت کہا جاتا ہے بکثرت پیدا ہوئے اور یہی تنوع فہم اور کوتاہ بینوں کیلئے سبب محرومیت بنگیا کہ وہ اختلاف کو خلاف سمجھکر کسی نہ کسی گروہ کی شان میں بے ادب اور گستاخ بنگئے اور مقصود کی بے بھرگی کیساتھ انجام کار نفس ایمان میں حرمان نصیب قرار پائے اعاذنا اللہ منہ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ تمثیل کیساتھ مضمون اچھی طرح سمجھ لیتا ہے اسلئے یوں سمجھنا چاہیئے کہ نور معرفت قلب سالک میں بمنزلہ چراغ کے ہے تاریک مکان میں اور کسی مکان میں اگر چراغ روشن ہو تو اسکے چاند نہیں کاروبار کرنیوالا شخص جو کچھ کر رہا ہے ظاہر ہے کہ دیکھا بھالا کام کر رہا ہے اگرچہ خود اسکو اپنی روشنی میں ہونیسے ذہول ہو اور اختتام کام تک اسکا خیال بھی نہ گذرا ہو کہ میں چاند نہیں بیٹھا ہوں اسی طرح صاحب نسبت عارف اپنے قلب میں نور ہدایت کی مشعل لئے ہوئے جو کچھ کر رہا ہے حق اور اجر و ثواب کے کام کر رہا ہے اگرچہ خود اسکو اپنے افعال و حرکات کے صادر ہوتے وقت اس امر کی جانب توجہ بھی نہ ہوئی ہو کہ میرے عضو کا یہ فعل قلبی روشنی سے مستفیض و مترشح ہو کر صادر ہوا ہے اس بنا پر اہل اللہ کے وہ حالات جو باقتضائے طبعی صادر ہوتے اور بظاہر غیر مستحسن معلوم ہوتے ہیں قابل گرفت و مواخذہ نہیں ہوتے

اسلئے کہ انکا منشا یعنی وہ قوت باعثہ جو اس فعل کی محرض اور سبب قرار پائی ہے مستحسن سمجھی اور محمود تسلیم کرلیگئی ہے اسکو غلبہ حال کہتے ہیں اور مغلوب الحال عقلاً و نقلاً بہرصورت معذور ہے یہ دوسری بات ہے کہ معذور کا اتباع اور اسکے فعل کی تقلید غیر معذور کو عقلاً و نقلاً کسی حال صحیح و درست نہیں طالبعلم جسوقت اپنے استاد سے درسیات پڑھکر فارغ ہوتا اور استاد اسکو قابل اور اہل سمجھکر دستار فضیلت عطا کردیتا ہے تو گویا اسکی اجازت دیتا ہے کہ جو علم مجھسے حاصل کیا ہے اسکو دوسروں میں ڈالو اور اس افاضہ کی جو تدبیر مناسب سمجھو اسے اختیار کرو اسی طرح صاحب نسبت سالک جسوقت اپنے راہنما شیخ سے مجاز طریقت ہوتا ہے تو گویا مرشد اسکو اجازت دیتا ہے کہ یہ نسبت مسلسلہ یعنی اذعان و علم الیقین جو تمکو حاصل ہوا ہے اسکے طلبگار مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہوجانیکا جو طریق مناسب سمجھو اسکو عمل میں لاؤ اس اجازت کے بعد حسب عملی حالت شروع ہوتی ہے تو شان ارشاد میں طبعی ذہانت و دانائی اور فطری زکاوت و فطانت کو دخل ہوتا ہے اور ہر مرشد و عارف اپنی فہم و استعداد افاضہ کیموافق مریدین کی تربیت کرتا اور مخلوق کو تحصیل نسبت و توجہ الی اللہ میں مستفیض و فایز بناتا ہے اس درجہ میں ممکن ہے کہ مرید عارف بشخص طبائع میں جو شان ارشاد کا رکن اعظم ہے اپنے شیخ عارف سے اپنی ذہانت کے سبب بڑھجائے اور طریق تربیت میں تجدید و تخالف ان مسترشدین کے رشد و فلاح میں زیادہ مفید ثابت ہو۔

جنگ کا مقصود سب کو معلوم ہے کہ دشمن پر فتح پانا ہے پس جو تدبیر یا قضائے وقت و حال مناسب ہوتی ہے وہ عمل میں لائی جاتی ہے ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں تیر و تفنگ سے یہ مقصود حاصل ہو اور دوسرے زمانہ میں توپ اور بندوق سے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ دو بہادر سردار ان فوج اس مقصود متعین کے حاصل کرنے میں اپنی اپنی تدبیر مختلف کریں اور نو تعلیم یافتہ کی تدبیر پرانے تجربہ کار کے خلاف ہو مگر یہ خلاف وہ خلاف نہیں جسکو بغاوت و مخالفت کہتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ مسائل شریعت و طریقت کی تعلیم جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جو طریق تھا وہ آج نہیں ہے اس زمانہ میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے مسائل کا بتا دینا اور ضروریات پر متنبہ کردینا ہمارے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے خدام متبعین کو صرف اپنی صحبت میں رہنا ہر دو مقصود کے انتہائی مرتبہ پر پہونچا دینے کو کافی تھا مگر آپکے بعد اسی مقصود کے حاصل کرنیکو آپکے سچے جانشینوں اور آپ ہی کی شمع ہدایت سے منور ہونیوالے خلفاء و ائمہ نے اسی مقصود کے حاصل کرانے اور دوسروں تک پہونچانیکو دوسرا طریق اختیار کیا کہ تعلیم شریعت کیلئے

مدارس و قرارت کتب درسیہ اور طریقت کیلئے ذکر و شغل و مراقبہ پس یہ خلاف وہ خلاف نہیں جسکو بدعت کہا جاسکے اور ضلال و اضلال میں داخل ہو اسی طرح ہمیشہ اور ہر زمانہ میں اہل اللہ نے مقصود معین کے پھیلانے اور اسکے حصول و تحصیل کے درپے ہو جانے پر اپنے جانشینوں کو مختار و مجاز بنایا ہے کہ جو طریق مناسب سمجھو عمل میں لاؤ عام ہے کہ وہی ہو جو حصول کے وقت اپنے ساتھ برتا ہوا دیکھا ہو یا دوسرا اس انداز تربیت و طریق ارشاد میں تجدید و تنوع کو شیخ یا مشائخ کا خلاف معیوب کہنا مقصود کے معین ہوتے ہوئے کسیطرح مناسب نہیں اسلئے کہ زمانہ سراپا برکت سے آج تک اہل اللہ میں ہمیشہ ایسا ہوا اور قیامت تک قایم رہیگا۔

صاحب نسبت شیخ اور عارف باللہ مرشد چونکہ روحانی بیماریوں کا معالج اور قلبی بے اعتدالیوں کا مصلح طبیب ہے اسلئے تشخیص امراض و لحاظ طبایع اور تجویز دوا و طریق اصلاح میں جسطرح طبیب جسمانی کو اپنی حذاقت و فہم اور قوت فکریہ سے کام لینا پڑتا ہے ایسا ہی بلکہ اس سے زیادہ حکیم امراض روحانی کو طالبین کی اندرونی حالت کے سنوارنے میں دانائی سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ثمرہ علاج یعنی صحت شفا امراض کے درجہ میں جسطرح شاگرد طبیب کا اپنے استاد سے بڑھجانا ممکن اور واقع ہے اسطرح اصلاح و رشد خلائق کی منفعت کے مرتبہ میں بسا اوقات صاحب نسبت مرید اپنے پیر سے بڑھجاتا ہے کہ فوق کل ذی علم علیم حق تعالیٰ شانہ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔

مقدمات مذکورہ کے ملحوظ نظر رہنے پر یہ امر واضح ہو جائیگا کہ کسی شیخ کی شان ارشاد کا تذکرہ جسمیں روشن چراغ کے بجھانے میں واقع ہونیوالے حرکات و سکنات اور تدابیر و معالجات کا بیان کرنا لازمی ہے دیگر حضرات کی توہین و تنقیص یا معاذ اللہ تک و بے حرمتی سے بمراحل دور ہے چونکہ حصہ اول کے بعض مضامین پر اسی اصل پر مرتب ہونیوالے عوام کے بعض شبہات سننے میں آئے اسلئے بصورت تمہید تربیت کے عنوان میں اس توضیح کی ضرورت ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص اس فن شریف سے ادنیٰ مناسبت رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ اہل اللہ کے طبایع کا اختلاف رنگہائے کا نسبت کا تنوع خداداد حذاقت و لفقہ کی فطرۃً کمی بیشی اور خدمات و مناصب کا تفرقہ و تعدد امور دیگر ہیں اور نفس نسبت کا حصول یا ولایت و کمال علم دوسری چیز ہے اگرچہ ہر صدی کے کسی قطب الارشاد کے تذکرہ میں یہ بات لکھی جائے کہ حق تعالیٰ نے اسکو مرجع خلایق بنایا اور تلقین میں وہ برکت و شفا عطا فرمائی کہ دیگر اہل اللہ کی صحبت سے مستفیض نہ ہو سکنے والے بھی انجام کار یہاں حاضر ہو کر بامراد کامیاب

ہوئے تو اس تقریر سے ہمعصر یا گذشتہ اولیاء اللہ کی گستاخی و بے ادبی کا الزام لگانا اس شخص کا کام ہے جسکو اس علم شریف سے مناسبت نہیں یا ہے مگر قلیل اور کمزور۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اسمیں شک نہیں کہ اپنے زمانہ میں اہل شریعت و طریقت کے مقتدا و پیشوا اور دونوں شریف علم و فن کے امام تھے ظاہری علم میں جسطرح آپکو وہ مجتہدانہ مرتبہ عطا ہوا تھا جسکے سبب آپ مرجع علماء بنے باطنی علم میں بھی اسی طرح آپکو وہ مجددانہ بلند و عالی درجہ عطا ہوا تھا جسکی وجہ سے اولیاء زمانہ کے آپ مربی و سرپرست قرار پائے آپکی نسبت کا رنگ اسقدر لطیف تھا کہ اُسکا ادراک لوگوں کو دشوار تھا۔ نیابت نبوت اور منصب ارشاد و ہدایت نے چونکہ آپکا سراپا عبد اور بندۂ معبود تعالیٰ شانہ ہونا ظاہر کر دیا تھا اسلئے آپ استثنا لالمرسچے طالب کو بیعت کرنیمیں تامل نفرماتے تھے مگر تاہم آپکی طبعی غیرت اور نسبت کی لطافت چاہتی تھی کہ مرید جبتک سرتاپا طالب نہ بنجائیگا اور معبود کو قابل قدر محبوب سمجھکر اُسکی طلب اور تڑپ میں بیچین نہوگا اُسوقت تک مراد یاب نہوگا۔ آپکی سوانح شریف میں ایک واقعہ بھی شاید نہ ملے جسمیں یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آپنے کسی کو اُسکی درخواست کے بغیر کچھ بتایا ہو۔ اس مضمون میں آپکی غیرت یہانتک بڑھی ہوئی تھی کہ تعلیم و تلقین میں کسی درمیانی شخص کا توسط آپکو ناگوار گذرتا اور سعی و سفارش مکروہ معلوم ہوتی تھی ایکمرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام مجدہٗ حاضر آستانہ ہوئے آپکے ہمراہ عزیز محمد یامین سلمہ آپکے داماد بھی تھے انھوں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ مجھے اعلیحضرت سے بیعت کرادیجئے چنانچہ موقع پاکر حضرت مولانا نے عرض کیا کہ محمد یامین داخل سلسلہ ہونا چاہتا ہے حضرت قدس سرہٗ نے خفیف اعراض کیساتھ ارشاد فرمایا "خود بہکا کر لائے ہو گے"؟ مولانا دام مجدہٗ نے جرأت کرکے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس میں ایسی غیرت ہے کہ کبھی اشارۃً بھی کسی سے یوں کہنا گوارا نہیں کہ حضرت کی طرف رجوع کرو میں تو اپنے شیخ کو آفتاب سمجھے ہوئے ہوں لاکھ دفعہ کسی کا جی چاہے وہ آستانہ پر حاضر ہو ورنہ جل جائے مارا پھرے کسی کو بہلانے پھسلانے اور اپنے شیخ سے بیعت کرانیکی طرف توجہ دلانے میں مجھے تو بڑی عار آتی ہے" حضرت مولانا دام مجدہٗ ارشاد فرماتے تھے کہ جسوقت میں یہ عرض کر رہا تھا دیکھتا تھا کہ حضرت کے چہرہ مبارک پر بشاشت کے آثار ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا اس تقریر پر مسرور ہونا صرف اسوجہ سے نہ تھا کہ آپکی نسبت لطیفہ اور طبع غیور کا منشا پورا ہو گیا بلکہ اسوجہ سے بھی کہ آپ اپنے روحانی بیٹے کی طبیعت کو اپنے طبع کے موافق پا رہے اور نسبت مسلسلہ و معتبرہ اپنا انداز بعد وصال بھی باقی

رہنے والا کانوں سے سن رہے تھے وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرت قدس سرہ کی غیرت پسند طبع کا یہ انداز عنوانات گذشتہ وآیندہ میں بیسیوں واقعات سے ظاہر ہو جائیگا اور گو بعض اہل رشاد کا ذوق اسکے خلاف بھی ہمیشہ رہا کہ بکثیر جماعت حقہ کی محبت میں مغلوب ہو کر دوسروں کو اپنے شیخ کی طرف متوجہ کرنا پسندیدہ سمجھتے رہے مگر اسکو کوئی کیا کرے کہ آپکی طبع کا رنگ نہ تھا۔ آپکی جمیعت کا ثمرہ تھا کہ طالب کی ادنے قم رغبتی آپکو شاق گذرتی اور یوں فرمادیا کرتے تھے کہ کوئی پوچھنے کیلئے آوے تو بتایا جاوے یوں ہی کسی کے سر چپکنے کی تو چیز نہیں ہے۔ چونکہ یہ امر طبعی ہے اسلئے ہر دو فریق اپنے خیال پر ماجور و مثاب ہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ حضرت قدس سرہ کے اس طبعی امر کا اثر آپکے متوسلین پر اچھا پڑتا اور نفع دن بدن بڑھتا جاتا تھا۔

آپکے اس طبعی انداز اور رنگ نسبت کا اقتضا یہ تھا کہ متوسلین کی تعداد بہت ہی کم ہوتی اور پھر منتفع اور فایز المرام تو بہت ہی قلیل نکلتے مگر یہ حق تعالیٰ کا محض فضل اور آپکی کرامت ظاہرہ تھی کہ متوسلین اور فایزین کی شمار سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہونچگئی اسی کو برکت منجانب اللہ اور شفا خداداد سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اسباب کا مقتضی کچھ اور رہے اور نتیجہ وثمرہ کچھ اور۔

آپ عموماً متوسلین کو بیعت کرنیکے بعد یہ تعلیم فرماتے تھے کہ فجر و مغرب کی نماز کے بعد سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر سو سو بار پڑھ لیا کرو اور ایک تسبیح استغفار کی جسوقت فرصت ملے پڑھ لو اور اگر سوتے وقت ..... یعنی بعد نماز عشا تمام کاروبار سے فارغ ہو کر پڑھا جائے تو بہتر ہے۔ استغفار کوئی مخصوص نہ تھا جو الفاظ بھی ہوں وہ پڑھے جائیں بعض متوسلین کو آپنے فرمایا کہ سوتے وقت کم سے کم دس مرتبہ پڑھا کرو اسکے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "یا اللہ میری توبہ ہے" اس طرح کہنا بھی کافی ہے غرض جسطرح اور جن الفاظ سے توبہ استغفار کرلے بہتر ہے تاہم سید الاستغفار کیساتھ آپکو زیادہ انس تھا اسلئے کہ وہ حدیث میں منقول ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

نیز عموماً متوسلین کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے اور اتنا نہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہونی چاہیئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان ہے پھر آپ پر درود بھیجنے میں بھی بخل ہو تو بڑی بے مروتی کی بات ہے درود شریف کو زیادہ تر پسند وہ تھا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اسکے بعد وہ الفاظ صلوٰۃ وسلام جو احادیث میں منقول ہیں

باقی دوسروں کے مؤلفہ درود تاج دلکشی وغیرہ عموماً آپکو پسند نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو دوسرے معنی کا موہم ہونیکے سبب خلاف شرع فرمادیتے تھے۔ یہ اوراد قریب قریب تمام متوسلین کو آپنے تعلیم فرمائے اور چونکہ متوسلین کی فراغت و شغولیت کے حالات مختلف تھے اسلئے مقدار کی کمی بیشی اُن کے حسب حال فرمادیا کرتے بلکہ اجازت دیدیا کرتے تھے کہ جسوقت ہوسکے اور جتنا بھی سہولت ہوسکے پڑھا کرو البتہ دوام پر آپکی توجہ زیادہ تھی ایک یہ کہ گو تھوڑا کام کیا جائے مگر نباہ کر بالالتزام کیا جائے آپنے بارہا فرمایا کہ وہ قلیل جسکا نباہ ہو بہتر ہے اُس کثیر سے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو دوم یہ کہ جو وقت کسی ورد کا تجویز کیا جائے اُسکی پابندی کیجائے اسمیں یہ بھی مصلحت ہے کہ انضباط وقت معمولات کے نباہ کا وسیلہ بنجاتا ہے اور ورد قضا نہیں ہونے پاتا برخلاف اسکے کہ وقت معین نہ کیا جائے اسمیں اکثر سہو و نسیان پیش آجاتا ہے اور نباہ نہیں ہوتا۔

اوقات مختلفہ میں جسطرح ادعیہ ماثورہ کے آپ پابند تھے اسی طرح اپنے متوسلین کا پابند بنانا آپکو پسند تھا اور وقتاً فوقتاً تعلیم بھی فرماتے تھے مثلاً مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھا جائے رب اغفرلی وافتح لی ابواب رحمتك اور باہر نکلتے وقت رب اغفرلی وافتح لی ابواب فضلك پاخانہ جاتے وقت پڑھا جائے اللھم انی اعوذ بك من الخبیث والخبائث اور باہر نکلتے وقت غفرانك الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی اگر کسی مریض یا پریشان حال پر نظر پڑے تو پڑھا جائے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاك بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا سوتے وقت داہنی کروٹ لیٹکر آیۃ الکرسی معوذتین اور آخر آیات سورۃ البقرہ پڑھی جائیں اور اسکے بعد اللھم باسمك اموت واحیی صبح کو جاگتے وقت الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور غرض جملہ حالات اور حرکات و سکنات میں حدیث کے اندر وارد ہونیوالی دعائیں آپ خود پابندی کیساتھ پڑھنے کے عادی تھے اور اپنے متعلقین و متوسلین کو اسی کی تعلیم فرماتے تھے اسکے بعد اگر طالب آگے بڑھنا چاہتا اور سلوک کا متمنی ہوکر ذکر کا ملتجی ہوتا تو آپ ذکر و شغل تعلیم فرماتے اور پوری توجہ کیساتھ اُسکی رہبری فرمایا کرتے تھے۔

اذکار و اشغال میں آپ کسی خاص طریق کے پابند نہ تھے طالب کی طبیعت کا رنگ دیکھکر اُس کی تربیت فرماتے اور جو صورت اُسکے لئے انفع اور انسب خیال فرماتے وہ عمل میں لایا کرتے تھے کسی کو چشتیہ خاندان کی تعلیم فرماتے اور کسی کو نقشبندیہ کی اور کبھی دو دو خاندانوں کی مجموعی تعلیم ترکیب کی صورت سے عمل میں لاتے اور مرکب شغل کا پابند بنایا کرتے تھے۔

آپکا مجتہدانہ انداز کسی خاص طرز میں محدود نہ تھا آپکی ذکاوت و رسائی ذہن اور فراست و خداداد استعداد اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ مناسب طبع کی تشخیص میں غلطی نہونے پاتی تھی بہتیرے قصے ایسے پیش آئے کہ کسی شخص کو آپنے چشتیہ تعلیم کے مناسب پاکر اس خاندان کی تعلیم شروع فرمائی اتنا تعلم میں طالب کو دوسرے اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہونیکا اتفاق ہوا تو انھوں نے یا تو اول ہی تصدیق فرمائی اور یا دوسری تعلیم شروع کرانے پر جب اثر خلاف طبع دیکھا تو پہلی تعلیم پر لوٹا کر یہ الفاظ فرمائے کہ تمہیں وہی تعلیم نفع دیگی جو حضرت مولانا نے فرمائی ہے۔

ایک مقصود کے حاصل کرنیکے متعدد و آن گنت طریقوں میں آپکا طریق تربیت اسدرجہ اسلم تھا کہ راہزنی و قطع کا اندیشہ کمزور پڑگیا تھا شاقہ محنتیں جگہ گشتیاں ریاضات اور کثرت نوافل و عبادات کا اہتمام آپکی تعلیم میں نظر نہیں آتا آپکی عالی نظر سالک کو ذات حق تعالیٰ شانہ کی طرف توجہ دلانیکی جانب زیادہ متوجہ تھی جسکے طرق مختلفہ میں یہ طریق آپنے زیادہ پسند فرمایا تھا کہ ذکر اللہ سے تمام تعلقات ماسوی اللہ مغلوب ہو جائیں اور ایسے دب جائیں کہ گویا کسی سے کوئی علاقہ ہی نہیں ہے آپ سالک کو دوازدہ تسبیح تعلیم فرماتے اور اتنا اہتمام کرایا کرتے تھے کہ اگر شب کو نہو سکے تو دن کو پوری کیجائیں اور آج نہو سکیں تو کل کو قضا کیجائیں بالجہر نہو سکیں تو آہستہ آہستہ ہونٹ ہلا کر نہ پڑھی جا سکیں تو لیٹ کر پوری کیجائیں وضو قایم نہ رہسکے تو بے وضو پڑھ لیجائیں غرض جہانتک ممکن ہو اور جسطرح بھی ہو سکے ناغہ نہ کیجائیں اسکے بعد جب سالک کو ذکر اللہ کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی تو اسم ذات اللہ اللہ یا نفی اثبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تعداد بڑھاتے اور ایکہزار سے بارہ ہزار بلکہ چوبیس ہزار تک ذکر بالجہر کی تعلیم فرمایا کرتے تھے اسکے ساتھ ہی پاس انفاس تلقین فرماتے اور سانس کی محافظت بذکر اللہ کا طریق سمجھاتے تھے۔

کسی طالب کو پاس انفاس کی جگہ ذکر قلبی تعلیم فرماتے اور چونکہ ذکر لطیفہ قلب مجرد نہیں اسلئے بلا تعین عدد و شمار ہر وقت اس خاص دھیان میں لگا دیتے تھے۔ اس تعلیم کی چند روزہ تعمیل پر جو کیفیت کا لبد خالی کے اندر ونی و بیرونی گوشت و پوست اور نیز قلب کو حاصل ہوتی تھی وہ بیان کی حد سے باہر ہے نہ اسکے بیان کی کچھ قدرت ہو نہ اسکے اظہار کی ضرورت یہ بتدا تھی اس جمال جہاں آرا سے تعلق محبت کی جسکے لقا کی تمنا میں سکڑوں بندگان خدا کو تخت و تاج پر خاک ڈالنی سہل معلوم ہوئی اور مقدمہ تھا اس شاہنشاہی اطاعت کی لذت کا جسکے پیچھے پڑکر آباد جسم کی ویرانی کو ہزارہا مخلوق منتہائے مرادات سمجھا کہ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا

قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً ۔

پاس انفاس یا ذکر قلبی کا اثر جب آپ متوسل سالک پر محسوس فرماتے تو مراقبہ حضوری و معیت تعلیم فرماتے یا جو شغل اُسکے لئے نافع خیال فرماتے وہ اُسکو بتلاتے تھے اس مختصر اور چند روزہ تعلیم کے آثار و ثمرات جو کچھ پیدا ہوئے وہ اُنکے دلوں سے پوچھئے جنپر یہ قصے گذرے مگر اُنکی زبانوں پر بھی قفل لگے ہوئے ہیں اُنکو حاجت کیا کہ بیان کریں ہاں اتنا ظاہر ہے کہ طاعات کے ساتھ اُنس بڑھتا اور معصیت سے تنفر و استکراہ زیادہ ہوتا چلا جاتا تھا شرم و حیا کا مضمون پیدا ہو کر حق تعالیٰ شانہ کی نافرمانی میں چھپے اور کھلے تامل ہونے لگتا اور کوئی روکنے والا دربان بنکر قلب پر کھڑا ہو جاتا تھا کہ ماسوی اللہ کو آنے سے روکتا تھا ذکر کا لطائف میں سریان ہوتا اور دل و دماغ ہی کو نہیں بلکہ بدن کے روئیں روئیں اور بال بال کو ایک ایسا حظ حاصل ہونے لگتا تھا جسکی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی اخلاق رذیلہ آہستہ آہستہ خود بخود کمزور ہو ہو کر معدوم بنتے جاتے اور اخلاق حمیدہ سہج سہج قوت پا پا کر راسخ اور مستحکم الاصل ہوتے جاتے تھے۔ دل کو ایک بھوک محسوس ہوتی تھی گویا کسی شے کا متلاشی اور طلبگار ہے۔ قلب میں ایک ٹوہ اور تمنا محسوس ہوتی کہ خارج از فہم و ادراک ذات وراء الوراء کے بندہ بننے کی سچی آرزو ہے یہانتک کہ وہ نور حاصل ہو جاتا جسکو نسبت سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ حضور قایم ہو جاتا جسکو یادداشت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اسمیں شک نہیں کہ متوسلین کی طبائع کے اختلافات کی بنا پر آپکی تعلیم کے آثار بھی مختلف ظاہر ہوتے تھے کوئی کسی رنگ پر چلتا تھا اور کوئی کسی انداز پر کسی پر کوئی کیفیت پیدا ہوتی تھی اور کسی پر کوئی حالت نمودار یہ حضرت قدس سرہٗ کا کمال علو تھا کہ سب کا نباہ اُنکی کیفیات طبائع کے موافق کرتے اور ہر ایک کی تکمیل اُسکے انداز طرز پر فرماتے تھے واردات جس سے سالک کا قلب بہت کم خالی ہوتا ہو آپکے متوسلین پر عجیب و غریب انداز پر واقع ہوتے اور آپ ہر منتسب کو اُسکی حالت اُسکے ذوق اُسکی طبیعت اور اُسکے ادراک و فہم کے مطابق اُسکی رہنمائی فرما کر اوپر چڑھاتے اور آگے بڑھاتے تھے۔

حق تعالیٰ نے مخلوق کے انداز و خواص جدا رکھے ہیں کسی درخت کا نشو و نما کھلے آفتاب کی شعاعوں کا محتاج ہے اسلئے عالم اشکار ا ہونے سے اُسکو مضرت نہیں اور کسی سایہ پرور درخت کی شادابی و سرسبزی اخفا و کتمان کی حاجتمند ہے کہ کھلی ہوئی دھوپ سے کمہلا نا اور مرجھا جاتا ہے چونکہ قلبی واردات کتمان پسند اور ستر و اخفا دوست ہونیکے سبب اسی درجہ میں ہیں کہ اُنکو زبان سے نکال کر عالم اشکارا نہ بنایا جائے

اسلئے میں کسی صاحب حال کی حالت بیان نہیں کرسکتا۔ مؤلف ناکارہ کا منصب سوانح میں اپنے احباب کی زبانی سنی سنائی باتوں کے بیان کردینے کا ہے مگر اس بحث میں خود کچھ آیا نہیں اور دوسروں نے کچھ سنایا نہیں اور اگر ادھر اُدھر کچھ معلوم ہوا تو اسکے اظہار کی اجازت نہیں ملی اس لئے واقعات غریبہ ولطائف عجیبہ وکرامات نادرہ وواردات غیبیہ کے اظہار سے یہ عنوان خالی رہا تکملہ عنوان کے لئے اتنا عرض کرنا ضرور ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کے دامان عاطفت میں پرورش پانیوالے متوسلین کے قلوب پر عجیب عجیب واردات طاری ہوتے تھے مبشرات منامیہ ورؤیاء صالحہ سے انکی تسلی جدا کیجاتی اکابر سلاسل درا ہتمامات خاندان کے فیوضات وبرکات کے آثار جدا محسوس ہوتے کہیں جوش دولہ اپنا رنگ جماتا اور کہیں سکر وتحیر اپنا کیف دکھاتا تھا کسی پر قہقہہ کی کیفیت غالب ہوتی کہ جا وبیجا ہنسنے اور کھلکھلانے میں بے بسی اور کسی پر گریہ کی حالت طاری ہوتی کہ بجز آٹھ آٹھ آنسو رونے اور خسارہ ولحیہ کو آنسوؤں سے دھونیکے دوسرا کام نہیں جس زمانہ میں حضرت قدس سرہ بیمار تھے اور طبیب نے جنگلی کبوتر کا گوشت آپکی غذا قرار دے رکھی تھی اس خدمت کو آپکے ایک خادم نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا ان پر حالت قہقہہ غالب تھی کہ جہاں بیٹھتے قہقہے مارتے اور ہنستے ہنستے لوٹے جاتے تھے حضرت کے سامنے حاضر ہوتے تو منہ میں کپڑا ٹھونستے اور قہقہہ کے ضبط کی کوشش کیا کرتے تھے مگر پھر بھی کبھی آواز نکل ہی جاتی تھی ایکبار جنگلی کبوتر پکڑنے جنگل گئے ایک غار نظر پڑا ہمراہی سے یہ کہکر کہ یہاں ضرور کبوتر ہیں ہنستے ہوئے اسکے اندر ہاتھ ڈالدیا اتفاق سے اسمیں کالا سانپ تھا وہ پھنپھناکر باہر نکلا ساتھی خوفزدہ ہوکر ایک طرف ہوگئے مگر یہ کھڑے ہوئے قہقہے اڑاتے رہے ..... آخر ادھر اُدھر دو تین بار ہاتھ ڈالکر دو کبوتر نکال ہی لائے اور قہقہے مارتے ہوئے واپس آگئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے صحت کے بعد انکا یہ قصہ سنکر انکو دعا دی اور فرمایا بھائی جو کوئی کچھ کرتا ہے اپنے ہی لئے کرتا ہے۔

ایک اور شخص تھے جنپر گریہ کا غلبہ تھا کہ مبہوت ومتحیر مجنونانہ وار چیختے اور چلاتے رہتے تھے عاشقانہ اشعار پڑھتے اور زار وقطار بلبلا بلبلا کر روتے تھے گویا کسی غایت صدمہ سے مصدوم اور کمال کلفت میں مبتلا ہیں کہ ضبط ناممکن اور صبر محال ومتنع ہے انکی زبان حال ہر وقت یہ شعر پڑھتی تھی کہ ؎

کتاب حسن تو روزے قضا بخواند درگوشم شدم از خویش بیگانہ نہ عقلم ماند نے ہوشم

کوئی اس طلب میں پڑجانا ہی حصول مراد سمجھتا اور اس تمنا میں مرجانا ہی زندگی ابدی حیات یقین کئے ہوئے تھا۔

؎	برویش تا نظر کردم دل از کونین برکندم		بریدم از ہمہ عالم چو شد با دوست پیوندم
	زبستان وصال او اگرچہ نیستم خرمے		بشریعت خیال او بجہ اللہ کہ خرسندم

دن کی چمکتی شعاعوں اور شب کی سنسان گھڑیوں میں اگر زبان سے کچھ نکلتا تو یہ نکلتا تھا کہ ؎

اگر فرہاد را حاصل نشد با شیریں ہم آخر جان شیریں برآمد در تمنائش

بعض ایسے بھی تھے کہ حسرت و افسوس میں جان کھپاتے اور اشتیاق لقاء محبوب میں فنا ہوئے جاتے تھے بامراد ہوتے اور اپنے کو نامراد سمجھکر تڑپتے اور بزبان حال کہتے ؎

	آخر اے شاخ تر و تازۂ نوبر تا چند		خار حسرت خورم و جانب خرما بینم

الغرض کسی کے باطن کا حال کیونکر بیان ہو کسی پر غلبۂ خضوع تھا کسی پر غلبۂ تحیر و تفکر کوئی درجہ صبر میں تھا کوئی دایم الحزن والبکا کسی پر آثار عشق و مودت تھے کسی پر آثار سکینہ و اطمینان قلب کوئی شغف دولہ میں سرگرم تھا اور کوئی غیرت و کتمان میں مشغول و منہمک ہاں مطاوعت امر محبوب اور تمنائے حصول مطلوب بصورت امر مشترک سب کے حالات میں قائم اور جملہ کیفیات میں موجود تھا ہر سالک منتسب کسی حال میں مبتلا اور کسی کیف میں مغلوب کیوں نہو زبان حال سے اپنے آقائے لاشریک کو مخاطب بنا کر یوں عرض کرتا تھا کہ ؎ تو باد شاہی من گدا ہر چہ کنی با شد روا ؎ من بندۂ فرمان تو ہان تا چہ فرمائی کنم امام ربانی قدس سرہٗ کی مقدس و بابرکت جماعت میں ایسے نفوس بھی تھے جو آپکی طبع کے مناسب طبع لیکر دنیا میں آئے اور نسبت عبدیت کے رنگ سے مانوس ہونیوالے انداز پر ابتدا سے انتہا تک قائم رہے نہ ان حضرات پر کبھی کسی حال کا غلبہ ہوا نہ کبھی کیفیت عارضہ کا طریان ایک سادہ اور عالمانہ طرز پر طاعت میں مشغولیت اور درس و تدریس یا تعلیم و تعلم شریعت میں مصروفیت اور حضور دایمہ ثابت قایم ہو کر نسبت حاصل ہو گئی انکی کیفیت قلبی کا ثمرہ بجز اسکے کچھ نہ تھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے احکامات قضاء قدر کے سامنے سر تسلیم خم ہو گیا اور اپنی رضا و خواہش رضائے محبوب کے تابع ہو گئی ؎

	اگر مراد تو اے دوست نامرادی ماست		مراد خویش ازیں پیش من نخواہم خواست

مطاوعت و امتثال اوامر میں لذت آنے لگی اور بندہ نواز آقا کی بندگی سے رغبت ہو کر دل کا یوں تقاضا ہوا کہ

؎	از من گماں مبر کہ دل از دوست برکنم		تا جان در بن تن است دم از عشق میزنم
	گر بشنوی کہ قاتل مرد در بہشت		اوّل کسے کہ جاں دہد از بہر تو منم

آپ کے بعض متوسلین ایسے بھی تھے جنپر وجد اور حال کی کیفیت طاری ہوتی اور مسجد کے فرش پر گھنٹوں لوٹا کرتے اور مستانہ چیخیں مارا کرتے تھے اور بعض ایسے بھی تھے کہ اپنے بھائیوں کی رقت و بیتابی کا یہ عالم دیکھکر حیران ہوتے اور سوچا کرتے تھے کس طرح پیدا ہو جاتی ہے غرض اپنا اپنا نرالا رنگ تھا اور اپنا اپنا جداگانہ انداز ایک حضرت امام ربانی قدس سرہ کا دم تھا کہ مختلف الطبائع اور مختلف الاحوال منتسبین کے حالات کی نگہداشت فرماتے اور ہر کیفیت کے ساتھ اُسی کیفیت کے طرز کا برتاؤ فرماکر دعائی تربیت کیا کرتے تھے آپکی دلی خواہش تھی کہ قلب پر جو کیفیت وارد ہو اسکی قدر کیجائے اور عالم الغیب والشہادۃ کا احسان سمجھکر شکر گذاری کے ساتھ اُسکا تحفظ کیا جائے ایک مرتبہ ایک شخص کے قلب پر ایک کیفیت طاری ہوئی جسکو وہ ضبط نکر سکے اور گونہ تفاخر کے ساتھ اُسکا اظہار غیروں پر شروع کر دیا لوگوں میں اسکا چرچا ہونا تھا کہ وہ کیفیت زایل ہو گئی نعمت کا زوال ایسا نہیں کہ سالک کا قلب اُسکو ادراک نہ کرے اور ملال وے نہیں چنانچہ انھوں نے حضرت کی خدمت میں اپنا حال لکھ بھیجا آپنے جواب تحریر فرمایا "لطیفہ غیبی مہمانیست نازک مزاج کہ بادنی بے التفاتی رو بمیگرداند"۔

اسکے ساتھ ہی آپ اپنے متوسلین کو ان حالات و واردات کی طرف متوجہ نہونے دیتے بلکہ یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ یہ امور مقصود نہیں ہیں اصل مقصود حق تعالیٰ شانہ کی اطاعت اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا اتباع ہے اس تعلیم کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ آپکے متوسلین کیفیت حاصلہ پر بیٹھ نہیں کرتے تھے جوں جوں واردات پیش آتے اُنکو غیر مقصود سمجھکر اپنے کام میں لگے رہتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ وہی سادگی کا انداز یعنی اذعان و یقین کیساتھ بطوع و رغبت اتباع شریعت کا مضمون حاصل ہو جاتا تھا جسمیں راہزن شیطان کی راہزنی کا اندیشہ ہے۔ آپکے بعض متوسلین پر ابتدائی حالت میں وہ عجیب کیفیتیں پیدا ہوئی ہیں کہ دوسری جگہ بہت وقیع بنکر مشہور ہوتیں مگر آپکے یہاں کوئی کمال کا درجہ نہیں سمجھا گیا اور آپنے جب فرمایا یہی فرمایا کہ توجہ نکرو۔ ایک شخص بذریعہ خط آپسے بیعت ہوئے اور تحریری تعلیم پر ذکر میں مشغول ہو گئے چند روز میں اُن پر یہ کیفیت طاری ہوئی اولیا سلاسل کی ارواح طیبہ سے لقا حاصل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے انبیا علیہم السلام کی پاک روحوں سے ملاقات ہوئی رفتہ رفتہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ سر سے لیکر قدم تک رگ رگ اور بال بال میں ارواح طیبات سے وابستگی ہے اسی حالت میں ایک مدہوشی اور مستی کا عالم

پیدا ہوتا جسمیں مغیبات کا انکشاف اور مجلس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی کا اعزاز حاصل ہوتا تھا بسا اوقات مجذوبانہ بیہوشی طاری ہوتی اور بے حس و حرکت پڑے رہتے مگر نماز کا وقت معین کرتے ہی ہوش آجاتا اور فرائض پڑھتے ہی پھر بیہوشی طاری ہوجاتی تھی اسی بیہوشی میں کبھی بے اختیاری کی صورت میں دفعۃً اوٹھ کھڑے ہوتے اور روٹی مانگتے تھے اور جسوقت ماحضر فوراً پیش کیا جاتا مجنونوں کی طرح دو چار لقمے کھاکر آخری لقمہ تھوک دیتے اور بیہوش ہوجاتے تھے اندازسے یوں معلوم ہوتا تھا کہ حکماً کھاتے اور حکماً ختم کرتے ہیں مہینوں انکی یہ حالت رہی اور حضرت کو اطلاع بھی کیگئی مگر جواب لکھا آپنے یہی لکھا کہ یہ سب امور غیر مقصود ہیں یہاں آنا ہو تو ساتھ لیتے آنا اور علم شریعت پڑھانے کی تدبیر کرنی چاہئے چنانچہ انکے والد ماجد انکو لیکر گنگوہ حاضر ہوئے تو حضرت قدس سرہٗ نے اپنے پاس بٹھاکر گردن جھکالی حضرت کی اس توجہ کا اثر دیکھنے والوں کو صرف اتنا معلوم ہوا کہ مغلوب الحال پر خواب کی حالت طاری ہوئی اور اونگھنے کے طرز پر گردن جھک کر گویا زمین سے لگ گئی چند لحظہ کے بعد حضرت بھی باتیں کرنے لگے اور وہ بھی سنبھلے سانے مسلمان ہوکر بیٹھ گئے آخر دیوبند کے مدرسہ میں طالبعلم بنے اور پھر کبھی کوئی کیفیت پیدا نہوئی مگر اسکے ساتھ ہی توجہ الی اللہ اور رغبت فی الطاعۃ میں ترقی ہوگئی۔

بعد مغرب صلوٰۃ الاوابین میں جسوقت آپ مشغول ہوتے تو بعض متوسلین پر اکثر کیف غالب ہوتا اور وجد میں آکر بیتابانہ چیختے ہوئے فرش پر لوٹا کرتے پر درد اشعار پڑھتے اور محزون و غمزدہ دل سے استغاثہ کیا کرتے خصوصاً جسوقت آپ فارغ ہوکر چلنے لگتے تو بے اختیار فریاد کی آوازیں بلند ہوتیں اور عشاق جانباز بایں الفاظ دھاڑیں مارا کرتے کہ حضرت خدا کیواسطے رحم فرماؤ ترس کھاؤ آپ نہایت استقلال کیساتھ یہ کلمات سنتے اور چپکے چلے جاتے تھے چونکہ یہ احوال کسی درجہ میں وقیع نہ تھے اس سے ظاہراً کوئی توجہ اور التفات آپکا ظاہر نہوتا تھا مگر اسکے ساتھ ہی چونکہ نیک راستہ کے لحاظ سے ادر قابل تفریح منظر تھے اسلئے آپ نگاہ نفرت بھی نہ دیکھتے تھے ظاہر ہے کہ جو کچھ پیش آتا تھا اسی پاک ذات کی طلب میں پیش آتا تھا جسکے لئے مخلوق نے جانیں کھپا دیں پس طلب میں مرجانا بھی بمقتضائے وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ کسی درجہ میں مطلوب کا حاصل ہوجانا ہی ہے اسلئے آپکا جی چاہتا تھا کہ اچھا ہے اسی حال میں مرجائیں اس موت پر لاکھ زندگیاں قربان اور اس فنا کو ہزار دل بقا پر ترجیح ہے ایک بزرگ نے آپکے ایک متوسل مغلوب الحال کی کیفیت لکھی اور اس حالت پر نذر کیا کہ سفارش کی

حضرت کی توجہ سے انکو اس تکلیف کی حالت سے نجات ملجائے تو بہتر ہے آپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے سارا خط اول سے آخر تک سنا اور خاص لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا کہ اچھا ہے میاں مرجائیں اسی حال میں۔ اسکے بعد دوسری جانب کروٹ لیلی اور بات کو نسیاً منسیا بنا دیا ؎

اے دل بہوش پرسر کارے نرسی	تا غمخوری بغمگارے نرسی		
چوں شانہ بزیر پارہ تا تن نہ نہی	ہرگز بسر زلف نگارے نرسی		

تڑپن اضطراب بیخودی بیتابی سب کچھ تھا مگر آپکی نگہداشت کا ثمرہ تھا کہ جوں جوں صعوبت بڑھتی دل میں اشتیاق وصل کی آگ بھڑکتی اور بیابان ناپیدا کنار میں مسافرت بے سروسامانی کی ہر مشقت فوز مرام و حصول مقصود نظر آتی تھی طلب سے ہمت ہارتی نہ تھی اور مردانہ وار قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے ہر لحظہ آگے بڑھتا چلا جاتا تھا ؎

اگر صد دل بود ہر دم شود صد پارہ از غم	بجسمت ہر زماں شوقم دہد بیدلات بود افزوں		

حال وجد اور کیفیات کے طریاں و ظہور پر چونکہ رخنہ انداز شیطان کی رخنہ اندازی کا اندیشہ ہوتا اسلئے منتسبین کے حالات مبارکہ کی آپ تصدیق فرماتے تسلی دیکر ڈھارس بندھاتے اور بڑی تاکید و اہتمام کیساتھ تمسک بامشریعت اور اتباع نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا امر فرمایا کرتے تھے آپنے ہمیشہ اپنی تحریر سے تقریر سے ترہیباً و ترغیباً علماً و عملاً اپنے تمام متوسلین اور خصوصاً اصحاب حالات و جذب منتسبین کے دلوں میں یہ اعتقاد گویا پلا دیا تھا کہ شریعت مصطفویہ کا دامن عاطفت چھوڑ کر کوئی حالت اور کوئی کیفیت کیسی ہی لذیذ اور بھلی کیوں نہ معلوم ہو ہیچ اور قابل رد و طرد ہے ؎

محال است سعدی کہ راہ صفا	تواں رفت جز در پے مصطفےٰ	خلاف پیمبر کسے رہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

سالک کو زمانہ سلوک میں جو کچھ آپ تعلیم فرماتے تھے اسکا خلاصہ صرف اسقدر تھا کہ حق تعالیٰ کی وہ سچی محبت سودا ر قلب میں راسخ ہو جائے جسکا ثمرہ ہر حال میں اتباع شرع اور قدم قدم پر محبوب العالمین کا اقتدا ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی جانب وصول اور اپنے حصول کا یہی ایک طریق بیان فرمایا اور وہی منہاج بتا کر صادق و مصدوق محبوب کی معرفت ہم تک پہونچایا ہے اسی طریق کی تعلیم کا خلاصہ الانبیاء سرور عالم کو حکم دیا گیا تھا اور اسیکی یاددہانی اپنے متبعین کو امام ربانی فرمایا کرتے تھے پس اگر یوں کہا جائے کہ آپکی تعلیم نائب رسول ہونیکی وجہ سے نیابۃً اسی امر کی تبلیغ و ترویج تھی جسکو آیہ مقدسہ قُلْ اِنْ

لکم اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ میں ذکر کیا ہے تو بیشک حق ہے۔

آپ اپنے متوسلین کی اصلاح و ترقی حال سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے یوں تو آپکی عملی حالت اور سراپا آپکا وجود باجود مستقل طور پر راہبر اور رہنما تھا کہ ہر خادم آستانہ کو آپ کے اتباع کی رغبت ہوتی اور ہر کام میں مشغولیت اور نباہ و محافظت کی ہمت بڑھتی تھی مگر آپ اسپر اکتفا نفرماتے اور زبانی نصیحت و ترغیب اور باطنی تصرف و توجہ سے خدام کی معاونت فرمایا کرتے تھے ایک شخص ولایتی آپکی خدمت میں رہتے اور ذکر شغل کیا کرتے تھے چند روز بعد اُن پر ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا چہرہ مبارک اُنکو بدر کامل سے زیادہ روشن اور چمکتا ہوا آفتاب جیسا معلوم ہوتا تھا جسکے سبب شیخ پر بہتی اور رغبت و اعتقاد کا مضمون مستحکم ہوتا تھا یہ صاحب جبوقت اہل خانقاہ کے پاس آتے تو اُن سے دریافت کیا کرتے کہ مجھے تو حضرت کا چہرہ ایسا روشن معلوم ہوتا ہے تمکو بھی معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟ خانقاہ میں رہنے والے ذاکرین شاغلین پر کیا ضرور ہے کہ یکساں حالت طاری ہو جب دوسروں سے نفی کا جواب سنا تو شیطان نے تفاخر و تکبر کا مضمون دل میں ڈالا اور انکو یہ خیال پیدا ہوا کہ ذکر کا جو اثر مجھپر طاری ہوا یہ سب لوگ اس سے محروم ہیں میری محنت مقبول ہوگئی اور مجھے بڑی بات حاصل ہوگئی اس وسوسہ واہیہ کا یہ اثر ہوا کہ ذکر و شغل میں کسل و کاہلی پیدا ہوگئی دو ایک دن اس حال میں گذرے ایک رات عشا کے بعد حضرت کے پاؤں دبا رہے تھے چند خدام اور بھی تھے کہ انہیں صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اس آیت میں لفظ ما عام ہے جملہ اشیاء ذی روح و غیر ذی روح کو تو کیا ساری چیزیں خدا کی تسبیح کرتی ہیں؟ آپنے ارشاد فرمایا ہاں جمیع اشیاء حق تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں یہانتک کہ چیونٹی اپنے بھٹ میں اور یہ حالت اکثر سالکوں پر منکشف بھی ہوئی ہے کہ ہر چیز سے اللہ کا ذکر نکل رہا ہے لیکن انسان ہی ایسا کم ظرف ہے کہ ایک دو دن ذکر کرکے پھول جاتا اور یوں سمجھنے لگتا ہے کہ میں کچھ ہو گیا کچھ انوار معلوم ہوئے اور کہدیا کہ میں بھی کسی رتبہ پر پہونچ گیا یاد رکھو ایسے خیالات مردود بارگاہ بنا دیتے ہیں حق تعالیٰ کے ہمپر اتنے احسان ہیں کہ ایک نعمت کا شکریہ بھی کسی طرح ادا نہیں کر سکتے تھوڑا بہت ذکر شغل کرکے اپنے کو مقرب اور کسی درجہ کا مستحق سمجھنا تو کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اسکے بعد یہ قصہ بیان فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں ایک شخص بڑا عابد زاہد تھا اسنے اپنی ساری عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذاری اور عبادت

بھی اخلاص سے کرتا تھا ہماری تو عبادتیں ہی کیا ہیں کہ ریا بھرا ہوا ہے اس شخص کی عمر ہزار سال کی تھی اتنا کثیر زمانہ ہمہ تن اللہ کی یاد میں صرف ہوا آخر وقت میں مرنے سے قبل اس کے دل میں یہ خطرہ آیا کہ میں نے حق تعالیٰ کی عبادت بہت کی ہے ساری عمر اُنکی یاد میں مشغول رہا ہوں مجھے خدا کے یہاں بڑا مرتبہ ملیگا جب وہ شخص مرگیا اور حق تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوا تو ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ اسے جہنم میں جھونکدو فرشتے حکم کے بندے اُسکو کشاں کشاں لے چلے اس نے عرض کیا کہ بار الٰہا میں نے تیری عبادت ہزار برس کی ہے میں تو جنت کا مستحق تھا اُسوقت فرشتوں کو حکم ہوا کہ اچھا ساحل جہنم پر کھڑا رکھو چنانچہ وہ دوزخ کے کنارہ کھڑا کر دیا گیا اُسوقت اُسکو بڑی شدت کی پیاس لگی بیتاب ہو کر اُسنے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار معبود مجھے پانی پلا دینے کی اجازت دیجئے کہ میں پیاس کے مارے مرا جاتا ہوں حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس شخص سے کہو یہاں پانی مفت کا نہیں ہے ہزار سالہ عبادت کے معاوضہ میں ایک کٹورا پانی خریدنا چاہے تو خرید لے ورنہ خاموش رہے یہ سُنکر اس پیاسے عابد نے بڑی خوشی سے عرض کیا کہ مجھے منظور ہے پانی تو ملجائے کہ جان بچ جائے اگر کئی ہزار سال کی عبادت بھی قیمت قرار دیجاتی تو میں غنیمت سمجھتا اور منظور کرتا اُس وقت حق تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ اس شخص سے پوچھو دنیا میں ہزار سال تک ہزارہا کٹورے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے پی چکا ہے پہلے اُسکی قیمت کا حساب کرے اسکے بعد اس ایک کٹورے کے بدلہ ہزار سال کی عبادت لیجائیگی۔

یہ حکایت نقل فرما کر حضرت امام باقی نے ارشاد فرمایا سو یہاں ہم تو حق تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے ایک کٹورہ پانی کا بھی شکر بجا ادا نہیں کر سکتے جو ہزارہا سال کی عبادت کے معاوضہ میں بھی ادا نہ ہو سکے چہ جائیکہ ہزارہا انعام اور لکھوکھا احسانات۔ انسان پہلے پیشگی لی ہوئی تو بیباق کر دے تب ہی آیندہ چڑھاؤ کا استحقاق قایم کرے" آپکی اس تقریر سے مخاطب متوسل کے دل سے شیطانی وسوسا ایسا نکلا کہ نام کو بھی اثر باقی نہیں رہا اس قصہ کے چند روز بعد ان پر گریہ کی حالت طاری ہو گئی اور اپنی ہیچمدانی و ناکارگی کا اذعان بڑھتا چلا گیا۔

بعض متوسلین پر جبکہ ذکر و شغل کا اثر اپنے خیال میں ظاہر ہوتا نہ دیکھتے تو شیطانی رخنہ اندازی یاس کی صورت میں ہویدا ہوتی اور یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ مہینوں گذر گئے کوئی کیفیت اور کسی قسم کی لذت ہی محسوس نہیں ہوتی آیندہ ہی کیا اُمید ہے اس نقص کو آپ اُمیدیں بندھا کر اور بڑھاوے چڑھاوے

دیکر رفع فرماتے اور انکی فہم وسمجھ کے موافق یوں ارشاد فرمایا کرتے کہ بعض اہل اللہ کو کسی کسی برس کے بعد خفیف سا اثر محسوس ہوا حضرت جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے درس تدریس چھوڑکر دو سال برابر فکر بالجہر کیا اور کوئی اثر محسوس نہوا بجز اسکے کہ صوت سرمدی کا شروع معلوم ہوتا تھا اپنے شیخ حضرت شیخ الشیوخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنا حال لکھا کہ حضرت برابر دو سال سے ذکر میں محنت کر رہا ہوں اور حضرت کو معلوم ہے کہ درس تدریس چھوڑکر میں نے اس کام کو شروع کیا ہے لیکن ابتک ذکر کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا فقط ایک آواز سر سے ذرا ذرا آتی ہے شیخ نے جواب تحریر فرمایا گھبراؤ مت استقلال کیساتھ کام کئے جاؤ ہر چند کہ دیر است آید ہمی جنگ ٹیر است الخ

حضرت امام ربانی قدس سرہ اس قسم کی حکایات صالحین سے طالبین کی تسلی فرماتے اور متوسلین کی ہمت کمزور نہونے دیتے تھے بارہا آپ یہ شعر پڑھتے اور خطوط کے جوابات میں تحریر فرماتے کہ ؎

کار کن کار بگذار از گفتار	کاندریں راہ کار باید کار

آپ کے متوسلین میں وہ علما، جو آپکی تلقین کے موافق درس تدریس میں مشغول رہتے تھے بھی خدمت دین متین اُنکے لئے ریاضت و مجاہدہ اور ذکر و شغل کا کام دیتی اور مقصود پر پہونچا دیتی تھی بعض وقت ذکر و شغل میں رات دن لگے رہنے والے اہل صفہ کو یہ بھی خیال ہوتا کہ یہ لوگ گاہے ماہے حاضر خدمت ہوتے اور بہتیرا کچھ لیجاتے ہیں اور ہمیں باوجود محنت و مشقت اُٹھانے اور مہینوں یہاں پڑے رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا حضرت امام ربانی ان وساوس پر مطلع ہوتے اور کسی دوسری تقریر کے ضمن میں ارشاد فرمایا کرتے کہ مقصود ذکر و شغل سے حق تعالیٰ کی یاد اور اُس طرف لگاؤ ہے چونکہ علما کو درس و تدریس میں یہ بات حاصل ہوتی ہے اسلئے دل و دماغ کا یہ مجاہدہ اور شب و روز قال اللہ و قال الرسول میں لگا رہنا اُنکی صلاح کا بہترین ذریعہ بنجاتا ہے علماء کو یوں سمجھنا کہ ذکر شغل نہیں کرتے سمجھ کی غلطی ہے۔

ایکمرتبہ آپ کے کسی متوسل نے شکایت کی کہ ذکر شغل کرتے مدت گذر گئی مگر اثر کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا آپنے یہ شعر پڑھا ؎ کار کن کار بگذار از گفتار ٭ کاندریں راہ کار باید کار ٭ اسکے بعد فرمایا میاں پہلوں نے تو بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی اور برسوں محنتیں کی ہیں تم اتنے ہی میں گھبرائے جاتے ہو معلوم بھی ہے حضرت جلال تھانیسری کو تین سال کے بعد سلطان الاذکار شروع ہوا تھا غرض آپ یاس و ناامید نہونے دیتے اور کمزور دلوں کو ابھار ابھار کر کام میں لگائے رکھنے کی سعی فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ ذکر اللہ کا

اصل نفع یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد قایم ہے اور جب انسان کریم آقا کی دربانی پر مستعد رہتا ہے تو ایک نظر میں نواز بھی لیا جاتا ہے کیا خبر ہے کہ وہ نظر کرم کس وقت ہو؟ ؎

ہر چند نہ ام لایق درگاہ سلاطیں نا امید نیم	کا خر بکرم ہم بنوازند گدارا۔ گاہے بہ نگاہے

حصول ثمرات مجاہدہ وظہور آثار ریاضات میں عجلت و تقاضہ کرنیوالی طبیعتیں چونکہ اپنے ہادی پر فرمائش کرتی ہیں جو ایک قسم کی گستاخی و بے ادبی ہونیکے سبب محرومیت و خسران کا وسیلہ بنجاتی ہے اسلئے اس مضمون کی اصلاح سے امام ربانی بے توجہی فرماتے تھے تقریر سے تحریر سے ارشاد سے اکابر کے قصوں سے اور سب کے ساتھ باطنی توجہ اور قلبی تصرف سے آپ اس خیال بد کو طالب کے قلب سے نکالتے اور یہ مضمون ذہن میں جماتے تھے کہ دنیا میں ہر کمال کا حصول بہ تدریج اور آہستہ آہستہ برسوں میں جاکر ہوتا ہے بچہ کتنے دنوں میں جوان بنتا اور جاہل کتنی مدت میں عالم ہوتا ہے پھر بھلا حق تعالیٰ شانہ کا قرب جسکی برابر عزیز دو قیمتی اور باحرمت مرتبہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا چند روز میں کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اس صاحب فضل و شرف اور قابل قدر جوہر کا حصول اگر عمر نوح خرچ کرنے پر بھی ہو جائے تو بہت جلدی ہے جو نفس طلبی کی علامت ہے،

؎	قرنہا باید کہ تا یک گوہر از بطن طبع	عاقلے کامل شود یا فاضلے صاحب سخن
	سالہا باید کہ تا یک سنگ صلی آفتاب	لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
	ماہہا باید کہ تا یک شربت پشم از پشت میش	صوفئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن
	ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبہ از آب و گل	شاہدے را جامہ گردد یا شہیدے را کفن
	روزہا باید کشیدن انتظار بیشمار	تا کہ در جوف صدف باران شود دُر عدن

بندہ کا کام بندگی ہے اور بندگی نام ہے بیچارگی کا کس نے بتایا ہے آقا پر فرمائش کرنا اور کون جاہل سمجھتا ہے محبوب پر نگاہ لطف و وصال کا تقاضہ ؎

اگر بر وصلت لیلیٰ بر غبت خاطری داری	چو مجنوں فرد باید شد ہم از خویش ہم از خویشاں

اس پاک راستہ میں تو جملہ آرزوں کا مٹا دینا ہی سچی آرزو ہے اور تمناؤں کا خون کر دینا ہی عین تمنا ہے یا تو اس طلب کا نام نہ لے اور نام لے تو مردانہ وار جان کھپا دینے کے ارادہ میں پختہ ہو کر دھن کا پکا بنے ؎

با دل گفتم مرا ببر بہ دراد کو بادشہ است من نرم سر بدل گفت بر صید بیہودہ مکن یا بردار و کشندہ یاد در بداد

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تعلیم میں حق تعالیٰ نے کچھ ایسی برکت اور خاص تاثیر عطا فرمائی تھی کہ بہت سے

بلکہ ہفتوں میں وہ بات حاصل ہوتی تھی جو برسوں میں بھی اگر حاصل ہوتی تو ارزاں تھی آپ کی خدمت میں چند لحظہ کا حضور اور قلب میں آپ کے ساتھ کسی درجہ کا تعلق اور وابستگی نفع میں چلہ کشی سے بہتر اور ریاضات و مجاہدات سے زیادہ سود مند تھا صوفی کرم حسین صاحب نے کچھ اپنا حال لکھا ہے کہ جب حضرت نے مجھکو ذکر تعلیم فرمایا تو یوں ارشاد فرمایا کہ یکہزار مرتبہ نفی اثبات اور یکہزار مرتبہ اثبات اور میں ہزار مرتبہ اسم ذات بالجہر آخر شب میں کیا کرو اور چوبیس ہزار مرتبہ اسم ذات خفی مختلف اوقات میں پورا کرلو جسوقت حضرت قدس سرہٗ تلقین فرما رہے تھے اُسوقت میرے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت کا ایک جوش پیدا ہوتا معلوم ہوا اُسکے ساتھ ایک حرارت محسوس ہوتی جو قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کرتی اور پھیلتی گئی شب کو جب میں نے ذکر جہر ختم کیا تو بیٹھے بیٹھے کچھ غنودگی طاری ہوئی اور عالم واقعہ میں یہ حالت محسوس ہوئی کہ گویا بارود میں آگ لگا دی گئی میں دیکھتا تھا کہ زمین آسمان اور اُسکا درمیانی خلا آگ کا ایک شعلہ ہے اور اُسکو میرے جسم نے اس طرح بھر دیا کہ زمین پر بیٹھا ہوں اور سر آسمان سے لگا ہوا اور دونوں مونڈھے جنوب و شمال سے ملصق ہیں اور جسم پتھر جیسا بنگیا زبان اسقدر بند ہوگئی کہ اسنے سارا مونہہ بھر دیا اور بات کا نکلنا مشکل پڑ گیا تھوڑی دیر میں یہ حالت رفع ہوگئی مگر اُسکے آثار بدن میں موجود تھے صبح کو حضرت قدس سرہٗ سے حالت عرض کی تو آپنے فرمایا مبارک اللہ ذکر کا اثر شروع ہو گیا اُسکے بعد مختلف رنگ کے انوارات ذکر کرنیکی حالت میں نظر آتے تھے اور اسم ذات کا خیال بڑھتا جاتا تھا۔

حضرت کے ایک خادم ذکر بالجہر کیا کرتے تھے چند ہی روز گذرے تھے شب کو حضرت کے پاؤں دبانے کھڑے ہوئے قلب پر ایک کیفیت محسوس ہوئی اور بڑھتی رہی دفعۃً حضرت نے اسی جانب کروٹ لیلی اسوقت تو کیف اتنا بڑھا کہ ضبط مشکل ہوگیا حضرت نے فرمایا بس جاؤ یہ حجرہ میں آکر لیٹ رہے اور چراغ گل کر دیا وہ اثر جو پاؤں دباتے میں پیدا ہوا تھا یہانتک بڑھا کہ جسم معدوم معلوم ہونے لگا صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ کہیں ہے ضرور پھر ایک حجاب سا اٹھا اور خاکی نور ظاہر ہوا جسکی وسعت زمین و آسمان سے زیادہ معلوم ہوتی تھی اور اُسکا رنگ مثل صبح کے وقت کے تھا حجرہ حالانکہ تاریک تھا مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ فلق صبح کھلی ہوئی ہے اسکے بعد اسمیں سے سرخ نور ظاہر ہوا اُسکی وسعت بھی اتنی ہی تھی اسکے بعد دیگر الوان اور رنگ برنگ کے انوار ظاہر ہوئے آخر میں لطیفہ اخفی کا نور محسوس ہوا صبح کو جب انھوں نے حضرت سے حال عرض کیا تو آپنے فرمایا بارک اللہ یہ لطایف کے انوارات تھے۔

اسی درمیان میں صوت سرمدی شروع ہوگئی ابتداءً اسکا ورود اس شدت کیساتھ ہوا کہ بدن میں لرزہ پڑجاتا تھا کبھی مثل برق کے اور کبھی زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ کے اور کبھی دوسری آواز دہیل اسکا احساس ہوتا یہانتک کہ ہر ہر عضو سے یہی آواز محسوس ہوتی اور اس آواز میں سے لفظ اللہ نکلتا ہوا معلوم ہوتا تھا اسکے چند روز بعد یہ حالت ہوئی کہ ہر چیز سے یہی آواز نکلتی ہوئی مسموع ہوتی اور آخر کار اپنے قلب سے نام مبارک اللہ اس طرح مسموع ہونے لگا کہ گویا کوئی دوسرا شخص پاس بیٹھا ہوا ذکر کر رہا ہے اور یہ حالت بھی یہانتک بڑھی کہ بدن کے ہر حصہ اور عضو سے ذکر کی آواز محسوس اور مسموع ہونے لگی۔

بعض متوسلین پر چند روز کے ذکر و شغل میں انوارات کا اسدرجہ ورود ہوتا تھا کہ شب کو تاریک حجرہ میں ہوجاتا اور غلبہ کے سبب راستہ چلنا مشکل پڑجاتا تھا کبھی کبھی یہ انوارات انسان کی شکل میں سبز پوش نظر آتے اور اپنے قریب ذکر میں مشغول یا نماز پڑھتے ہوئے معلوم ہوتے تھے بعض وقت یوں محسوس ہوتا کہ انوارات متشکلہ کو نماز یا ذکر میں کیفیت آرہی ہے یہ دیکھکر صاحب انوار سالک متوسل کو بھی جوش آتا اور لذیذ کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ الغرض امام ربانی قدس سرہ کی تعلیم کے برکات و آثار اور ثمرات و نتائج اُن کے دل مانے ہوئے ہیں جنھوں نے اس غیبی خوان نعمت کی قدر پہچانی اور تھوڑے یا بہت متمتع و منتفع ہوئے جو لذیذ بیتابی اور مزہ دار اضطراب و چمک آپکی ابتدائی تعلیم پر پہلی شب عمل کرنے میں قلب کو حاصل ہوتی تھی وہ صیاد کا لاسہ بنکر طایر دل کو مقید بنا کر ایسا جکڑ لیتی تھی کہ اُسی پر مرمٹنے کو منتہاے مرادات اور عین حصول حیات سمجھا جاتا تھا ؎

دل ہموے دلبرے ہر لحظہ مارا میکشد　　آنچہ کہ مارا میکشد ایں دل ہمانجا میکشد

یہ قصہ تو ایسا لذیذ ہے کہ چھوڑنیکو جی نہیں چاہتا اور طویل اتنا ہے کہ ختم ہونا دشوار ہے عنوان کے مقصود یہ تھا کہ آپکی تعلیم میں سب سے بڑا اہتمام اتباع سنت مصطفویہ کا تھا اور اسکے بعد نگہداشت اہل البیت ادب و قدر کی کہ کسی خاندان کی تعلیم کا پابند کیوں نہ ہو جملہ سلاسل اور تمام اولیاء کے ساتھ حسن ظن و عقیدت اور محبت رکھے اسکے بعد جو کچھ ذکر یا شغل پاس انفاس یا مراقبہ آپ تلقین فرماتے اُسپر نباہ کرنا اور کام میں لگے رہنا مثمر برکات اور وسیلہ حصول فیوضات بنتا تھا اب طبائع کے اختلاف کی بنا پر اپنا اپنا رنگ تھا اور اپنے اپنے انداز کسی کے حالات کچھ تھے کسی کے کچھ کسی پر واردات غیبیہ کا ہجوم تھا اور کسی پر اطمینان و سکون کیساتھ غلبہ حضور و استقامت فی الدین کوئی وجد و حال میں سرگرم ہوتا اور کسی پر جزع و فزع اور گریہ

ناری کا طریان کوئی سکر و تحیر میں مبہوت بنتا اور کوئی اضطراب و حزن میں مبتلا اور مستانہ وار گرفتار مختلف کیفیات اور متنوع احوال نہ کسی کی فہم میں آسکیں نہ اظہار و بیان کے قابل نہ طریق و تدبیر معالجہ کا تذکرہ کرنا مفید نہ کوئی خاص اور محدود طرز درد شمعین کہ جسکو مسلسل بہ بیان ناظرین کر دیا جائے اسلئے اُن سے سکوت کیا گیا اور یکسوئی محمود سمجھی گئی مگر یہاں اتنا عرض کرنا ضرور ہے کہ آپ کے فیضان میں جوش و خروش بہت ہی کم طبایع پر پیدا ہوتا تھا اور جب پیدا ہوتا تھا اکثر چند روز کے بعد ہی سکون کیساتھ بدل جاتا تھا چونکہ آپکی نسبت کا رنگ بہت ہی مخفی اور بھاری بھرکم تھا آپکی عالی ظرف ذات اپنے منتسبین میں بھی اسی سادگی کو زیادہ پسند کرتی تھی جسکی کانوں کان کسی کو خبر نہونے پائے چنانچہ آپکے صاحب نسبت خلفاء میں اکثر اسی رنگ میں رنگے گئے اور الحمدللہ یہ سلسلہ بایں طریق جاری و ساری ہے۔

تجرد و ترک تعلقات کا رنگ آپکو پسند نہ تھا اسلئے متوسلین پر اگر یہ حالت طاری ہوتی تو آپ اس کے سلب کی کوشش فرماتے تھے منشی فاضل فیض صاحب بلند شہری جسوقت بیعت ہو کر اپنے مکان پر واپس گئے اور حضرت کا تعلیم فرمایا ہوا ذکر و شغل شروع کیا تو چند ہی روز میں کیفیات عجیبہ اور حالات غریبہ کا ورود شروع ہوگیا آخر اس لذت میں سرور ہو کر یوں خیال ہوا کہ دنیا کے جھگڑوں میں مبتلا رہکر تھوڑے سے ذکر و فکر میں جب یہ لذت ہے تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر کسی پہاڑ کی کھوہ میں یا سنسان جنگل کے گوشہ میں بیٹھکر اللہ کی یاد میں کیا کچھ حظ ہوگا اس خیال کے آتے ہی عزلت و خلوت کا شوق بڑھنا اور اہل و عیال کی محبت کا کم ہونا شروع ہوگیا یہانتک کہ بچوں سے جی گھبرانے رشتہ داروں سے نفرت اور متعلقین کے پاس آنے جانے سے وحشت ہونے لگی طبیعت کا یہ رنگ اقارب نے دیکھا تو پریشان ہوئے اور سمجھے کہ ایک مرد کامل نظر آتا ہے وہ یوں چلا منت سے سماجت سے سمجھاتے خوشامدیں کرتے ہاتھ جوڑتے اور رو رو کر پوچھا کرتے کہ آخر ہم سے کیا قصور ہوا جو ہر وقت رنجیدہ اور الگ تھلگ رہتے ہو؟ شدہ شدہ سب کو معلوم ہوگیا کہ ذکر کا اثر ہے اور تنہائی کی ایسی محبت ہوگئی ہے کہ زائل ہونی مشکل ہے جب سب کو یقین ہوگیا کہ عنقریب ہمیں چھوڑ کر جنگل کو نکل جائینگے تو لعن تشنیع شروع کئے کہ شاید غیرت ہی کے مارے یہ خیال دور ہو بی بی کہنے لگی کہ معلوم ہوا اب تم سے کمایا نہیں جاتا اسی وجہ سے سب کو چھوڑ کر اپنا دم لیکر کہیں نکل جانیکا قصد ہے ماں بولی کہ مولوی صاحب نے مرید کیا کیا میرا بیٹا ہی مجھسے چھین لیا دنیا میں ایک سہارا تھا وہ یوں ہاتھ سے چلا میں تو مولوی صاحب کو لکھونگی کہ تمنے بیٹے کو ماں سے جدا کیا ہے تم ہی بناؤ ہم عورت ذات کیا کریں غرض سب کچھ تدبیریں کیجاتی تھیں مگر یہاں ذرہ برابر اثر نہ تھا

آخر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو اطلاع ہوئی آپنے منشی قادر بخش کو بلا بھیجا جسوقت وہ حاضر ہوئے آپ انکو تنہا حجرہ میں لیگئے اور پاس بٹھاکر قلب پر اثر ڈالا اسکے بعد ارشاد فرمایا میاں قادر بخش کیا یہ کام کرنا چاہتے ہو جو سلسلہ کے بزرگوں اور خدا و رسول سب کے خلاف ہے بھلا انکی مخالفت کرکے کہاں رہوگے اور کیا پھل پاؤگے میں سنتا ہوں تمنے یہ بات ٹھان رکھی ہے کہ بی بی بچوں اور بوڑھی ماں کو چھوڑکر کہیں نکل جاؤ سو سن رکھو یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی" حضرت قدس سرہٗ جسوقت یہ تقریر فرمارہے تھے ماں اور بی بی بچوں کی محبت کا ایک جوش ان کے دل میں اُبل رہا اور یہ شوق پیدا ہورہا تھا کہ کسی طرح جلد مکان پر لوٹوں اور ان کی صورتیں دیکھوں آخر مکان پر واپس ہوئے اور آج تک اُسی تعلق و محبت کیساتھ مکان پر مقیم ہیں اس قصہ کے بعد کبھی تجرد و رہبانیت کا وسوسہ بھی نہیں گذرا۔

طبایع کی تشخیص اور ضعف و قوت کی مراعاۃ میں آپکو خاص ملکہ تھا آپکی مقبولیت کے طفیل میں آپکے تاجر بہ کار راہروان جادہ طریقت منتسبین پر بھی رحمت خداوندی کا ابر چھایا ہوا تھا اور آپکے عہد مخلص میں نیکی بدولت آپکی نازپروردہ روحانی اولاد اور پرخطر سفر میں قدم اٹھانیوالے ناواقف و ناسمجھ بچوں کا قدم قدم پر حق تعالیٰ کا لطف و فضل شامل حال تھا آپکے کامل شفقت میں جسطرح قیمت کیساتھ آپکے بچوں نے تربیت پائی اور پھلے پھولے اسکی واقعی قدر حق یہ ہے کہ خود انھوں نے بھی بچپن میں دور دراز راستہ میں چلنے کا نام لینے سے بہتیرے جوانمرد ہیرا اُٹھے الحمد للہ کہ آپکی اولاد نے اس امتحان کیساتھ اسکو طے کیا کہ تکان بھی محسوس نہ ہوا اور جس خطرناک گھمسان جنگل میں بڑے بڑے شیر دل بہادروں کے پتے پانی ہوتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ آپکے لاڈلے بچوں نے ایسی راحت سے اسکو عبور کیا کہ کانوں کان کسی کو خبر نہوئی دوسروں کا کیا ذکر خود انکو پتہ نہ چلا کہ راہ میں کسی راہزن کا اندیشہ ہے یا نہیں؟

منتسبین کی تحصیل معاش کے حلال و پاک وسایل کا بلاوجہ قوی ترک کرنا آپکو پسند نہ تھا اور استشارہ پر بھی کبھی یہ رائے نہ دیتے تھے کہ مسلمان بالقصد اپنے نفس کو توکل مستحب کے امتحان میں ڈالے ہاں جن اصحاب کی طبایع قوی پائے اور یوں سمجھتے کہ مشاق و صعوبات پر صبر کرسکتا ہے اسکو اشارۃً ایما فرمایا کرتے کہ اسباب معیشت سے مستغنی ہوکر متوکل بنکر بیٹھ جاؤ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے استشارہ پر آپنے صاف فرمادیا کہ جایداد وغیرہ رکھو تو مباح ہے اور نہ رکھو تب بھی حق تعالیٰ تمکو روزی سے کبھی پریشان نہ کرینگے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی نے گوالیار کی ملازمت سے گھبراکر ترک تعلق چاہا تو آپنے اُنکے خط کا جواب

اس طرح تحریر فرمایا "لگی تعلق کا ترک کرنا اسکو زیبا ہے کہ بے تعلقی پر صبر کر سکے اہل علم کا منصب مسجد میں بیٹھ کے فقر و فاقہ پر گذرانے کا ہے اگر اسپر آپ صبر کر سکتے ہیں ترک کر دو مگر اپنی طبیعت کو جانچ لو کہ اس قسم کیسے معاملہ پڑیگا اور نہیں تو وہاں کی مشاق کو گوارا کر کے وہیں پڑے رہو اور بندہ آپکے واسطے دعا کرتا اور تم یا محیی کو بعد نماز فجر کے گیارہ سو بار اور یا باسط کو بعد نماز عشا کے گیارہ سو بار ہر روز پڑھتے رہو" چنانچہ حضرت مولانا تھانوی نے اس ارشاد پر عمل فرمایا اور ہر قسم کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اس حکم کی تعمیل کر کے وظیفہ شروع کیا تو چند ہی روز میں پریشانیاں رفع اور حالت درست ہو گئی کبھی تنگدستی پیش نہ آئی۔ سلوک میں چونکہ سب سے زیادہ نظر قلب پر ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی کام اطمینان اور سکون کے بغیر نہیں ہو تا اسلئے سالک کی یکسوئی کا لحاظ آپکے دربار میں مقدم تھا۔ پریشان حالی اور فکر اور تشویش کے دور کرنیکی جو تدبیر مستحب آپ عمل میں لا سکتے وہ لایا کرتے اور اس بحث میں عجیب عجیب طریقوں سے طالبین کی دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ معاش ایسی چیز ہے کہ جسکے وسایل حصول کی بیڑیوں میں انسان چاروں طرف سے جکڑا ہوا ہے اور عموماً اسی ایک حال کی ابتری میں مخلوق کو وہ پریشانیاں پیش آتی ہیں جنکی اصلاح کا اگر فکر نہ کیا جائے تو مومن کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے اسلئے قوی القلب مشائخ کی فتوحات اور یکسوئی پر بھروسہ کر کے ابتدا سلوک میں مباح ذریعہ معاش کے ترک کا جو ولولہ پیدا ہوتا ہے وہ حاذق طبیب روحانی کے نزدیک مطلق قابل اعتبار نہیں سمجھا گیا اور روزی کمانے کی صعوبتوں کے ترک کے بعد پیش آنیوالی مہلک و تباہ کن تشاویش سے بہتر قابل برداشت مانا گیا ہے اسلئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی جماعت کثیرہ میں اسی فریق کی شمار بڑھی ہوئی ہے جو عالم الاسباب میں اسباب معیشت کے پابند اور دل سے یاد دلاکر مسئلہ توکل کے مصداق بنے ہوئے ہیں ہاں وابستگی تعلقات میں جو افکار اور یکسوئی پر حملہ کرنیوالے عوارض پیدا ہوتے ہیں انکی مدافعت دوسرے مناسب طریقوں سے آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کبھی بزرگوں کے قصے اور صالحین کی حکایات سے تسلی دیتے کبھی صبر کی ترغیب اور احزان و آلام پر اجر و ثواب کے وعدے یاد دلاکر مسئلہ وجودی بناتے کبھی دعا فرمانیکا وعدہ کر کے ڈھارس بندھاتے اور کبھی کوئی وظیفہ تعلیم فرما دیتے تھے اور بہ تقاضی امور ہمت بڑھاتے رہتے اور ادھر آپکا تعلیم فرمایا ہوا ذکر و شغل قلب کو قوی بناتا اور حق تعالیٰ شانہٗ سے علاقہ محبت کو مضبوط کرتا رہتا تھا آخر کار یہی افکار جو یکسوئی کے مزاحم بنکر راہزنی کے درپے ہوتے تھے محبوب کا مرسلہ ہدیہ بنکر لذیذ معلوم ہوتے اور سبب ترقی مراتب بنجاتے تھے ۔

هر درد و سنج کز تو رسد بر دل حزین		آن محض راحتست مرا عین عافیت	

غم جو کسی زمانہ میں سبب ہجر و دوری تھا اب علامۃ وصل و نشان قرب ہو جاتا تھا ؎

هر دل که بعشق مبتلا شد	کان غم و محنت بلا شد	ممکن نبود که راست گردد	قدّت که ز عاشقی دوتا شد
	بیگانه شد از نشاط هر دل	کو با غم عشق آشنا شد	

بلا و مصیبت جو کسی وقت میں وحشت ناک منظر بنا ہوا تھا اب شعار مقربین و لباس ابرار دکھائی دیتا اور زمرہ محبین میں شمولیت کی خبر دیتا ہے ؎

سر بیت دل حروف محبت برائے ما	عشاق از دو دیده کشد ابتلائے ما
گر زهر را نصیبهٔ خلق حسن کنیم	گر تیغ بر حسین زند کبریائے ما
ما پروریم دشمن و مائے کشیم دوست	کس را چو او چون نرسد در قضائے ما
ازده بتارک زکریا فرو کنیم	یحیی کشیم و دم نزنند در بلائے ما

فکر معیشت و بلاء تنگدستی سے گھبرا جانیوالی بعض طبیعتیں کیمیا کی طلب یا دست غیب کی تلاش میں اپنے تباہ کرنیکی خواہشمند بنتی تھیں اور اسکو سہل الحصول حلال و طیب طریقہ معاش سمجھکر سرگردان ہوتی تھیں جونکہ یہ علاج جداگانہ مرض سے کہ ایک پریشانی کا دفعیہ دوسری پریشان حالی سے اسلئے امام ربانی اس حالت سے بھی جلد نکالنے کی تدبیر فرماتے تھے کیمیا کے پیچھے پڑنیکی بدحالی و ناکامی یاد دلاتے اشارۃً اور صراحۃً اس واہیات مشغلہ میں مبتلا ہونیسے منع فرماتے اور حکایات صالحین کے ضمن میں اپنے قلبی تصرف اور باطنی قوت کو کام میں لاکر وسواس سے طالب کے قلب کو خارغ اور خالی الذہن بنا دیا کرتے تھے منشی قادر بخش تحریر فرماتے ہیں کہ تندرست نہ ملنے اور اہل و عیال کا خرچ زیادہ ہونیکی وجہ سے پریشان حال رہتا تھا طبع کو ذکر و شغل پر مجبور کرتا مگر یہ فکر ہر وقت سوار رہتا اور انبساط کو مکدر کر دیتا تھا آخر ایکدن یہ سوچکر گنگوہ روانہ ہوا کہ حضرت سے دست غیب کا عمل دریافت کرونگا کہ بے فکری سے گھر میں بیٹھکر یاد الٰہی کیا کروں آستانہ علیہ پر حاضر ہوا عرض معروض کا موقع نہ ملا آخر ایکدن حضرت قدس سرہٗ حجرہ میں تنہا تشریف فرما تھے اسوقت کو غنیمت سمجھکر میں نے چاہا کہ درخواست پیش کروں ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا تمہیں قادر بخش یہ وظیفہ پڑھ لیا کرو تمکو بہت نفع دیگا انشاء اللہ کبھی کسی طرح کی تنگی پیش نہ آئیگی اسوقت میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کوئی دست غیب بتادیجئے آپنے فرمایا "ہاں یہی کافی ہے" آخر کار واپس وطن ہوئے جسدن سے

اُسکا ورد کیا ہے آسودگی کیساتھ گذران کر رہے ہیں کیسا ہی دشوار کام پیش آئے منجانب اللہ اُسکے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں اور سکون و راحت کیساتھ ضرورت رفع ہو جاتی ہے ؎

بندگان خاص علام الغیوب	در جہان جاں جواسیر القلوب
پیش او یکشوف باشد سر حال	در درون دل در آید چوں خیال،

غرض ایمان کی بات یہ ہے کہ سالک جو نام ہے رو بمنزل راہ خدا کا اُسکی تربیت چونکہ محافظہ خیالات معالجہ اندرون اور تدابیر اصلاح قلب کو متضمن ہے اسلئے درمکنون کیطرح مخفی و مستور ہے قطع نظر اس سے کہ وصلی مضمون ہے جسکو وجدان ہی سمجھ سکتا ہے عالی بھی اسدرجہ ہے کہ مجھ جیسے نااہلوں کی فہم سے بعید اصل تو درکنار وہ ظاہری اصلاحات جنکے کسی روحانی مرض کیلئے نافع ہونے پر اطلاع ہو گئی خود ایسے دقیق ہیں کہ سمجھنا دشوار ہے حق تعالیٰ شانہ جسوقت کسی بندہ کے قلب کی آنکھیں کھولدیتے ہیں وہ خود بخود سمجھ جاتا ہے کہ روح کس مرض میں مبتلا ہے اور اُسکی صحت کا بہتر طریق کونسا ہے اس عنوان سے نہ طریق تربیت کی تعلیم مقصود ہے نہ اُسکی طاقت و قدرت محض یہ بات ظاہر کرنی مراد ہے کہ امام ربانی قدس سرہٗ کو منصب ارشاد میں حذاقت و فہم خداداد کی بدولت وہ پایہ علیا عطا ہوا تھا کہ اس فن کا بھی آپکو مجدد کہنا زیبا ہے اس سچا نفس خداوندی نعمت کے ہاتھوں جتنے مردہ دل زندہ ہوئے وہ ایک کرشمہ تھا قدرت خداوندی کا جسکی کنہ کا ادراک انسان تہہ تک پہونچنا دور سے نہیں تو میری فہم سے ضرور خارج ہے جسمانی امراض کے معالجہ کی طرح ان روحانی امراض کی تدابیر آپ ضرور عمل میں لاتے تھے مگر تدبیر محض تدبیر ہے اور ظاہر فقط ظاہر ہے حق یہ ہے کہ سب ثمرہ تھا اُس اندرونی قوت سے سلب امراض کا جسکو باطنی تصرف اور ہمت اور توجہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپکی تعلیم و تربیت کا خلاصہ یہ تھا کہ رو بمنزل راہ خدا مسلمان اپنے آقائے وحدہ لاشریک کا ایسا بندہ بیچارہ بنجائے کہ اسکی رضا ہر مرغوب سے مرغوب شے پر فایق و غالب ہو اور اُسکی اطاعت ہر محبوب سے محبوب کے امتثال سے بڑھی چڑھی ہو۔ بندہ طفل نوزائیدہ ہو اور بیقدرت اُسکی دایہ بندہ مُردہ ہو اور حکم باری اُسکا غسال کہ جس کروٹ چاہے اُٹھائے اور جس پہلو چاہے بٹھائے بطحائی پیغمبر کی لائی ہوئی شریعت سرتاپا اعضاء و جوارح کے حرکات و سکنات ہوں اور وقت ولادت سے لحد کی آغوش میں پہونچنے تک جزئیات حیات کہلاتا ہے نقشہ و مسیم تصویر بنجائے اس عالیشان شاہی محل و مکان کا جسکی تعمیر فخر عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ نے تیئس سالہ زمانہ نبوت میں فرمائی ہے نہ اپنے ارادہ سے سکون ہو نہ اپنے قصد سے

حرکت اگر سو دے تو امتثال امر رسول میں سو دے اور جاگے تو تعمیل ارشاد پیغمبر میں جاگے اسی کا نام محبت ہے اور اسی کا نام عشق یہی سلوک کہلاتا ہے اور یہی طریقت ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن	پا بدستے دگرے دست بدستے دگرے

یہی وہ تعلیم ہے جو خلاصہ اصلاحات و زبدہ تعلیمات بنا کر قرآن مجید میں بایں الفاظ وحی کیگئی ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ - اسی محبیت کی طلب پر اتباع محبوب رب العلمین متفرع ہے اور اسی مطاوعت پر محبوبیت مطلوبہ کے تمغے بے بہا کا وعدہ ہے یہی اصل ولایت و قرب ہے اور یہی مغفوریت و مقبولیت کا پروانہ اسی کے حصول میں لاکھوں نے اپنی جانیں کھپائیں اور اسی کی تعلیم و تعلم پر عالم کا بقا موقوف ہے اسی میں مر کھپنا عین حیات ہے اور اسی پر مٹنا لاکھ زندگیوں کی ایک زندگی اے کاش کہ مولف نامراد بھی ایک شمہ اس مضمون کا حاصل کرسکے اور اس دور دراز راہ پر خطر کے راہرو جماعت کا دامن پکڑے ہوئے مرادیاب بنجائے کہ ؎

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مرا	زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

تزکیہ و تصرفات

برنویس احوال پیر راہ دان	از حدیث شیخ شو طب اللسان	دستگیر بیکساں روشن ضمیر
آن رشید احمد شہ برنا و پیر	قطب عالم غوث دوران بستال	گنج عرفان نور ایقان خوشخصال
زندہ دل زندہ نفس والاصفات	تشنہ گان عشق را آب حیات	ہادی گم گشتگان راہ حق
حجتے بر خلق از رب الفلق	ذیل او از فضل و امداد الٰہ	طالبان را مے برد تا پیشگاہ
ظل او زندہ کند مردہ دلان	تاب اور روشن کند قلب جہاں	بے نیاز از خلق آں خادم لواز
باخدا را زو نیاز و دلگداز	گر بگویم تا قیامت نعت او	ہیچ آں را مقطع و غایت مجو

آب حیواں را اگر نتواں کشید	ہم ز قدر تشنگی نتواں برید

اس بحث کا مدار چونکہ ادراک باطنی پر موقوف ہے اور اس مضمون سے لذت پانا وجدان کا کام ہے اسلئے پوری توضیح پر قلم ما زباں قادر نہیں تاہم اتنی بات ہر شخص سمجھتا ہے کہ انسان کو جسمی حواس خمسہ عطا کئے گئے ہیں جنکے استعمال سے مرغوبات کی طرف میلان اور مکروہات سے تنفر ہوتا ہے مثلاً آنکھ کو

حسین اور عمدہ صورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور بدنما شکل کے نظارہ سے نفرت ہوتی ہے کان کو خوش الحان میں مزہ معلوم ہوتا ہے اور بری آواز سے وحشت ہوتی ہے زبان کو مزہ دار کھانے اچھے لگتے اور بدمزہ میٹھے یا کڑوے پھل ناگوار گذرتے ہیں علیٰ ہذا القیاس قوت شامہ کو خوشبو سے رغبت اور بدبو سے نفرت ہے اور قوت لامسہ کو نرم و نازک شے کے مس میں لذت اور کرخت و سخت چیز کے چھونے سے کراہت ہے اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ عطا ہوا ہے جسکا محل قلب ہے اسکو بھی حس ظاہری کی طرح اپنی مرغوبات میں لذت آتی ہے اور مکروہات سے نفرت و وحشت ہوتی ہے اور جس طرح حواس ظاہری کی تندرستی کا یہ مطلب ہے کہ واقع میں لذت والی شے سے لذت حاصل کرے اور حقیقت میں قابل تنفر چیز سے گھبرائے اور مانوس نہو اسی طرح ادراک قلبی کی صحت سے یہ مراد ہے کہ اپنے خالق جل وعلیٰ شانہ کی طاعت و رضاجوئی سے مانوس ہو اور لذت پائے غافل انسان حق تعالیٰ کی معصیتوں میں مبتلا ہو کر گناہوں کی بدپرہیزی کا جسوقت خوگر ہو جاتا ہے تو قلب کا ذوق منعکس ہو کر بالکل پلٹ جاتا ہے جس طرح بخار زدہ شخص کی زبان میٹھی شے کو کڑوا ادراک کرتی ہے اسی طرح نشہ غفلت کا سرشار بندہ معصیت میں لذت پاتا اور طاعت کو گراں بار سمجھکر اس سے اکتانے اور گھبرانے لگتا ہے۔ قلب کے اس ادراک کو اپنی حالت پر لے آنیکا نام اہتدار ہے اور اسی پر دین بلکہ دنیا کے بھی وجود کا توقف ہے اللہ کے مقبول بندے جنکا باطنی ادراک صحیح و تندرست ہو جکا سلیم القلب بنکر طاعات کی لذیذ غذاؤں کا جوں جوں استعمال کرتے ہیں وہ وہ انکا قلب قوی و زور آور ہوتا جاتا اور اپنے ادراک میں جلاء صفائی بڑھاتا ہے یہانتک کہ جسطرح جسمانی قوت اجسام محسوسہ میں تصرف کرتی اور زبردست شخص اشیاء ظاہری میں تغیر و تبدل کر دینے پر بحول اللہ قادر ہو جاتا ہے اسی طرح قلبی قوت جسکو قوت قدسیہ کہتے ہیں قلوب میں موثر ہوتی اور ان تاریک و زنگ آلود دلوں کے صیقل کرنے پر باذن اللہ قادر ہوجاتی ہے جسکے دفع ہوئے بغیر باطنی ادراک حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی قوت قدسیہ کے کام میں لانیکا نام تصرف ہے اور یہی وہ تزکیہ ہے جسکو منصب نبوت کا تبلیغ احکام کے بعد دوسرا کام ظاہر کیا گیا ہے کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ اسکے بعد جو تعلیم ہوتی ہے وہ موروث حکمۃ و استقامۃ فی الدین بنجاتی ہے وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ہر موثر کیلئے متاثر کی قابلیت و اہلیت کا ضروری ہونا تو ظاہر ہے اور تصرفات کا دارومدار جیسے متصرف شیخ کے قلب کی قوت اور روحانی طاقت پر ہے اسلئے بعض اہل اللہ کے تصرفات اس درجہ

بڑھگئے ہیں کہ جو افہام اس اس مضمون سے بالکل بے بہرہ ہیں انکو یقین آنا بھی محال ہے اور بات بھی درست ہے جو شخص حواس خمسہ کے علاوہ اس اندرونی چھٹے حاسہ سے آگاہ ہی نہیں وہ اسکے تصرفات کو کیا جانے اور سنے تو کیونکر یقین کرے اسی بنا پر ان مضامین کا تعلق اس وجدان پر رکھا گیا ہے جو ہر صاحب ذوق سلیم مسلمان کو حاصل ہے اور جو مشعل ہے حق کا راستہ دکھلانیکی۔

امام ربانی قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے نائب رسول بنا کر چونکہ اس پر آشوب زمانہ میں تعلیم احکامات شرعیہ اور تزکیہ و تطہیر قلوب کیلئے بھیجا تھا اسلئے آپ کی قوت قدسیہ کا پوچھنا کیا کہ کس حد پر تھی اپنے پیغمبر سے تیرہ سو برس بعد پیدا ہونیوالی امت جسکو زمانہ کی رسومات نے جکڑ کر فرایض کی جگہ اپنا پابند غلام بنالیا ہے وہ جسد روحیہ بھی باطنی ادراک سے بے بہرہ ہو ظاہر ہے خصوصاً جبکہ خواہشات نفس نے بدعات کو عبادات بنا کر دلوں میں پلا دیا اور دنیا دار مولویوں نے مقدس اہل اللہ کے مجمع کو وہابی کے خطاب سے مشہور کر کے ان کی صورت دیکھنے سے مخلوق کو بیزار اور ان کے پاس بیٹھنے سے متنفر کر دیا ہو ایسی حالت میں ان کے نفرت کھائے ہوئے دلوں کا کھینچ لینا بہت بڑے قوی القلب شیخ کا کام ہے مولوی نظر محمد خاں آبھہ کے رہنے والے ہیں انکے والد بیچارے دیندار شخص تھے مگر یہ سنکر کہ دیوبندی مولوی وہابی ہیں ان حضرات کی صورت دیکھنے سے بیزار تھے ایکمرتبہ حضرت امام ربانی مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ہمراہ نانوتہ تشریف لائے جمعہ کا دن تھا آبھہ سے بھی چند آدمی نماز جمعہ کیلئے نانوتہ چلے نظر محمد خاں صاحب موقت بچہ تھے مگر سمجھدار اسلئے باپ سے کہنے لگے کہ میں بھی نانوتہ جاؤنگا سنا ہے کئی مولوی آئے ہوئے ہیں باپ نے منع کیا اور کہا نا بھائی وہ تو وہابی ہیں وہابیوں کی صحبت سے بچنا چاہیئے انھوں نے کہا ہاں وہابی تو ہیں مگر میں نے کبھی وہابی دیکھے نہیں جی چاہتا ہے دیکھوں وہابی کیسی صورت کے ہوتے ہیں؟ باپ نے صاحبزادہ کو غیروں کے ساتھ بھیجنا پسند نہ کیا آخر خود ساتھ ہولئے کہ میں نے بھی کبھی نہیں دیکھا چلو دیکھ لیں غرض جسوقت جامع مسجد میں قدم رکھا تو سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ پر نظر پڑی۔ مولانا غسل فرما کر باہر کھڑے بال سکھا رہے تھے اوّل تو حسین تھے ہی اسپر طرہ انوار و تجلیات کا اسلئے متحیر ہو کر دیر تک کھڑے تکتے رہے کہ وہابیوں کی صورت تو شیعہ سے زیادہ مسخ ہونی چاہیئے اور یہ تو سرتاپا نور کے ٹکڑے ہیں وہاں سے چلے تو حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں اندر ہی اندر دلوں پر کچھ اور اثر پڑا اور محبت کا مضمون پیدا ہو گیا بعد نماز جمعہ اعلان ہوا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کا وعظ ہوگا حضرت مولانا چونکہ

امام ربانی کا ادب بہت فرماتے تھے اسلئے انکار فرمایا مگر جب حضرت ہی فرمانے لگے کہ نہیں مولانا ہی وعظ فرماویں گے تو مولانا قاسم العلوم نے فیضان چھڑکنا شروع کیا۔

مولوی نظر محمد خاں خود فرماتے تھے ہمارے کانوں میں یہ بات ڈالی گئی تھی کہ یہ دیوبندی گروہ رسول کا منکر اور بے ادب وہابی گروہ ہے حضرت مولانا کی کرامت تھی کہ وعظ شروع کیا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مناقب ہی بیان فرمائے جوش بیانی تو مولانا کی ظاہر ہی ہے مگر اس وعظ میں تو وہ نکات بیان فرمائے کہ بیچارے مولود پڑھنے والوں نے خواب میں بھی نہ سنے ہونگے۔ دل تھا کہ پھول کیطرح کھلا جاتا تھا یہانتک کہ میں نے والد صاحب سے کہا کہ جناب اگر وہابی ایسے ہی ہوتے ہیں تو میں تو وہابی بنگیا والد نے جواب دیا یہاں بھی بڑی غلطی میں پڑے رہے اگر یہ لوگ وہابی ہیں تو میں بھی پکا وہابی ہوں انکا ساتھ مجھسے نہیں چھوڑا جاتا خلاصہ یہ کہ آئے تھے معترض بنکر تماشہ دیکھنے اور اٹھے غلام وخادم مع جمال معتقد بنکر اسکے بعد اخلاص وللہیت کے جو ثمرات پیدا ہوئے وہ دن بدن بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہی رہے۔

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں ہیں نمونۃً ایک قصہ صرف اسلئے بیان کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ غیر معتقدین پر تصرف کرنیکی قوت حق تعالیٰ نے اسی مقدس گروہ کو عطا فرمائی ہے ورنہ دوسروں کو باوجود خلق وتلطف کا جال پھیلانیکے اپنے معتقدین کا بھی سنبھالنا دشوار ہے۔

امام ربانی قدس سرہ کے متوسلین کی جماعت کثیرہ میں بکثرت وہ لوگ ہیں جو کسی زمانہ میں بعقیدگی لئے ہوئے تھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپکی قوت قدسیہ کے سامنے ایسے مغلوب ہوئے کہ خوش عقیدہ ہی نہیں بلکہ جان نثار خادم بنگئے اجانب پر آپکے تصرفات عامہ کا جب یہ حال ہو تو کسی قسم کا انس پیدا ہو جانے یا خادم ومنتسب بنجانیکے بعد اُن پر جو ثمرات ظاہر ہوتے تھے انکا تو شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ کوئی مسلمان کیسا ہی دنیادار کیوں نہو جسوقت آپکی خدمت میں حاضر ہوتا اپنے قلب میں توجہ الی اللہ اور حق تعالیٰ کی طاعت کا وہ شوق ضرور پاتا تھا جسکا وجود حاضری آستانہ سے قبل خواب میں بھی کبھی نظر نہ آیا تھا وہ قلوب جو افکار ومشاغل فانیہ میں منہمک اور سرشار تھے آپکی صحبت میں بیٹھکر اس وقت اور بیداری کا اثر نمایاں دیکھتے تھے جو گویا اُن سے دریافت کرتے تھے کہ ناپائدار مخمصات میں کبتک پڑے رہوگے اور پائدار لذتوں کے حصول سے کیوں بے خبر ہو؟ گذشتہ عمر کے بیکار گذرنے پر ندامت پشیمانی پیدا ہوتی اور رغبت الی الآخرۃ کی جھلک نظر آتی تھی اور چونکہ یہی زینہ ہے حصول ثمرات آخرۃ کا اسلئے جوں جوں اسمیں ترقی ہوتی دوں

دوں طلب حق کا شوق دوبالا ہوتا اور قصد و ہمت کا میلان وصول الی اللہ کیجانب بڑھتا چلا جاتا تھا۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے تصرفات باطنیہ ایسے قوی ظاہر ہوئے کہ انکی کنہ کا ادراک مشکل ہے اور چونکہ آپمیں زیادہ دخل متوسل کی مناسبت و تعلق مودت کو ہے اسلئے آپ کی قوت قدسیہ کے سامنے قریب و بعید، حاضر و غائب اس انتفاع میں یکساں تھے صوفی کرم حسین ایکبار اپنے وطن میں مقیم تھے نماز فجر سے فارغ ہونیکے بعد دنیاوی ایک کام میں ایسے مشغول ہوئے کہ ظہر کی اذان ہوگئی مجبور کام چھوڑکر اٹھے نے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر اسی کام میں لگ گئے یہانتک کہ عصر کا وقت ہوا مغرب کا وقت ہوا اور نماز عصر و مغرب ادا کرکے پھر اسی دھندے میں مصروف ہوئے خلاصہ یہ کہ یہی دھن لگی کہ دن بھر کے اوراد و اذکار سب قضا ہوگئے فرض نماز ضرور ادا کی مگر وہ بھی اس طرح کہ جسم خدا کے حضور میں اور دل کام میں پڑا ہوا تھا بعد مغرب یہ اپنے کام میں لگے ہوئے تھے کہ دفعۃً قلب کسی بیرونی اثر سے متاثر ہوا جو چاہتا تھا کہ یہ کام چھوڑو اوراد و اذکار کی قضا کرو صوفی کرم حسین جوں جوں اس خیال کو دفع کرتے اور اپنے دھندے میں لگنا چاہتے توں توں وہ بڑھتا اور زور کرتا تھا یہانتک کہ وہ اثر موسلا دھار بارش کی طرح قلب پر اس زور سے برسا کہ ان کے ہاتھ پاؤں بے قابو ہوگئے اور کام چھوٹ گیا آخر عشا کی نماز پڑھی اور کئی گھنٹے کامل ندامت و انابۃ الی اللہ کی لذت قلب کو حاصل ہوتی رہی۔ حافظ عبدالعزیز صاحب بریلوی نے اکیس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا دو تین محراب میں بھی سنائیں مگر اسکے بعد حصول معاش کے دھندے میں ایسے مبتلا ہوئے کہ کلام اللہ کی تلاوت بھی چھوٹ گئی ظاہر ہے کہ یاد کا مدار مزاولت پر ہے اور جب یہ ہی نہو تو قرآن شریف یاد کیونکر رہے چند سال میں سب بھول بھال گئے اول اول کچھ افسوس ہوا کہ محنت سے حاصل کی ہوئی نعمت ہاتھ سے جاتی رہی مگر آخر کار یہ حسرت بھی جاتی رہی پورے بائیس برس اسی حالت میں گذر گئے اور کبھی سوچ بھی نہ آیا کہ کیا دولت حاصل تھی جو چھن گئی اور فقیر بنا گئی پینتالیس سال کی انکی عمر تھی کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی چند روز کے بعد انکے والد کا انتقال ہوگیا اور بجائے اسکے کہ دنیاوی افکار کا بوجھ بڑھے دفعۃً انکو خیال پیدا ہوا کہ افسوس مجھ بدنصیب نے حفظ کلام اللہ کے منافع سے مرحوم باپ کو بھی محروم بنایا یہ خیال اسدرجہ بڑھا کہ کسی وقت و مکان میں سینہ اترا اپنی عمر پر نظر کرتے تو دماغ کمزور اور سارے قویٰ خصوصاً ذہن و حافظہ گویا جواب دیچکا تھا مگر مشوق تھا کہ بیچین کئے ہوئے تھا چونکہ

اس عمر میں دفعۃً اس خیال کا پیدا ہونا تصرف تھا شیخ کا اسلئے اُنہی نے ہمت بندھائی اور حضرت نے انکو اطلاع خط کا جواب تحریر فرمایا کہ محنت کرو خدا مالک ہے ورد شغل سب چھوڑ کر اسی میں مشغول ہو جاؤ ؎ مرد باید کہ ہراساں نشود ۔ مشکلے نیست کہ آساں نشود ۔ غرض توکل بخدا قرآن شریف کے دوبارہ یاد کرنے میں مشغول ہوئے اور چند ماہ میں کامیاب ہو گئے کئی محراب میں سنا چکے ہیں اور باوجود مشاغل دنیویہ کے تلاوت سے گویا عشق ہے کہ ایک منزل کسی دن ناغہ نہیں ہوتی ۔

مولوی محمد سہول صاحب جس زمانہ میں مدرسہ شاہجہانپور کے مدرس تھے ایکدن عشاء سے قبل لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی خواب دیکھا کہ گویا گنگوہ حاضر ہیں جماعت ہو رہی ہے اور حضرت نماز پڑھا رہے ہیں یہ بھی شرکت جماعت کیلئے وضو کرنے لگے مگر وضو پورا نہونے پایا تھا کہ سلام پھر گیا اور یہ منہ چند اور آدمیوں کی جماعت سے محروم رہے نماز سے فارغ ہو کر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوئے جو جماعت سے نماز نہ پڑھ سکے اور غصہ کیساتھ یوں ارشاد فرمایا کہ تو میری طرف منسوب ہو کر نماز سے اسقدر غافل رہتے ہیں" اس ارشاد پر مولوی سہول صاحب اپنی غفلت پر نادم ہوئے اور فوراً آنکھ کھلگئی دیکھا تو شب کے بارہ بج چکے تھے اسیوقت اُٹھکر نماز پڑھی اور آئندہ کیلئے اہتمام

داروغہ اسد علیصاحب جو ابتداء میں پکے دنیادار تھے ظاہر ہے کہ پولیس کی ملازمت اور اُسمیں اُس سے نکا حاصل کرنا کسی معمولی کارگذاری کا نتیجہ نہ تھا وہ خود معترف ہیں کہ میری طبع نہایت تشدد پسند اور ظلم میں جری تھی سرتاپا انگریزی لباس تو ہر سوں کا شعار ہو گیا تھا جائز و ناجائز اور خطا و بیگناہ میں تمیز باقی نہ رہی تھی اسی حالت میں حضرت سے بیعت ہوئے جسوقت جائے ملازمت پر واپس ہوئے تو دنیا سے وحشت اور آخرت کیطرف رغبت کا وہ مضمون ساتھ لیکر آئے جسنے کارِ منصب کی انجام دہی سے بھی دل اُچاٹ کر دیا یہاں تک کہ عمر کی ضیاعت کا افسوس پیدا ہوتا اور یہی جی چاہتا تھا کہ نوکری چھوڑ چھاڑ کر کسی پہاڑ کی کھوہ میں اللہ اللہ کریں خود بخود شریعت کے اتباع سے اُنس پیدا ہوا اور بلا کسی کی نصیحت یا فہمائش کے انگریزی وضع اور لباس سے نفرت ہو گئی چند روز میں نیچا کرتہ اور ٹخنوں سے اونچا شرعی پاجامہ پہننے والے ملا بنگئے نہ وہ جوش رہا نہ خروش ترقی کی فکر رہی نہ کارگذاری کی اُمنگ دنیا کے لوگ انکی یہ انداز دیکھکر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے مگر اپنی گذشتہ بداعمالیوں پر ندامت و افسوس اتنا بڑھتا جاتا تھا کہ تنہائی میں بیٹھکر رویا کرتے اور کہا کرتے کہ افسوس کس کام کیلئے دنیا میں آیا تھا اور کیا ساتھ لیکر چلا ؟ ابھی حالت میں تھا نہ داری ہوئی

کیونکہ ہوا آخر معتوب ہونے اور کئی جگہ تبدیلی ہوئی یہ ملازمت سے اسدرجہ گھبرا گئے تھے کہ علیحدگی کو نعمت سمجھتے تھے آخر استعفا بھیجکر حضرت کو اطلاع دی کہ میں کام سے معطل و بیکار ہو گیا اب مجھ کو سکے کوئی تمنا باقی نہیں کہ آستانہ پر حاضر رہکر عمر گذاردوں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے جواب تحریر فرمایا "مقدر سے جو امر پیش آوے اسی کو خیر جانیں اور اسپر رضامند رہیں اگرچہ وہ بظاہر ناگوار طبع ہو بندہ آپکا اور سب احباب کا بھی خواہ اور دعاگو ہے انکی بہبودی کیلئے دست بدعا رہتا ہے اور اس عاجز سے کسی کیساتھ کیا سلوک ہو سکتا ہے فقط والسلام نامنظوری استعفا کو بھی مصلحت خیال فرماویں" منشی اسد علیصاحب اس تحریر پر متعجب تھے کہ حکام کے نزدیک معتوب ہو چکا اور استعفا بھیج چکا یہ نامنظوری کیسی؟ مگر خدا جانے بھیجا ہوا استعفا کس دفتر میں گم ہو گیا برس گذر گئے اور کچھ جواب نہ آیا اسی ملازمت کی وضع پر انکی قدر ہونے لگی اور اب پشاور میں انسپکٹر ہیں۔

حاجی دوست محمد خاں صاحب مرحوم حضرت سے بیعت ہونیکے قبل بہتیرے بزرگوں کی خدمت میں بیٹھ چکے تھے ایکبار فرمانے لگے کہ پولیس کی ملازمت کے زمانہ میں ایک مفرور ملزم کی سراغ رسانی کیلئے پیلی بھیت گیا ہوا تھا جمعہ کی نماز کو جامع مسجد میں گیا تو نماز کے بعد ایک بزرگ کا وعظ ہوا میں بھی بیٹھ گیا اثنار وعظ میں انھوں نے فرمایا کہ بزرگوں کے حالات عجیب ہوتے ہیں اگر وہ ہنسیں تو سب ہنسنے لگیں اور روویں تو سب رونے لگیں" یہ کلمہ انکا قال ہی نہ تھا بلکہ حال تھا اسلئے کہ ایکبار وعظ کہتے کہتے کسی بات پر ہنس پڑے انکا ہنسنا تھا کہ ساری مجلس ہنسنے لگی تھوڑی دیر کے بعد واعظ پر گریہ طاری ہوا تو جملہ حاضرین رونے لگے بیتاب ہو گئے حاجی دوست محمد خانصاحب جب یہ قصہ کہہ چکے تو انکے نواسہ منشی عبدالعلیم صاحب نے دریافت کیا کہ نانا جی ایسی کرامات آپنے کبھی مولانا گنگوہی سے بھی ظاہر ہوتی دیکھی ہیں؟ فرمانے لگے میاں کیا پوچھتے ہو حضرت کے یہاں تو وہ بات دیکھی کہ دنیا بھر میں کہیں دیکھنی نصیب نہ ہوئی اٹھائیس سال پولیس کی ملازمت کرتے رشوت کھاتے بیسیوں ناکردہ گناہ مخلوق کو پھانسی دلاتے اور کالا پانی بھجواتے ہزارہا زیادتیاں اور سختیاں کرتے حق کو ناحق اور ناحق کو حق بناتے گذرے تھے اس مدت میں کبھی اچھے اور برے کا تمیز نہ ہوا تھا دل ایسا سخت ہو گیا تھا کہ آخرت کی طرف متوجہ ہونا جانتا ہی نہ تھا حضرت حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا خدا جانے کیا کیا کہ جب لوٹا ہوں حلیم رحیم منصف نمازی تہجد گذار رشوت سے متنفر ناجائز لباس سے بیزار متبع سنت اور راہ مستقیم کا والا اور رشید بنکر لوٹا ہوں اور یہ مضمون قبل از بیعت صرف حضرت کی صحبت سے حاصل ہو چکا تھا اسلئے کہ جبتک قلب کی پوری صلاح نہیں

ہوگئی اسوقت تک حضرت نے بیعت بھی نہیں فرمایا اور بیعت کے بعد تو حضرت کے تصرفات نے جو کچھ کیا وہ بیان کے قابل نہیں۔

یہی حاجی دوست محمد خاں صاحب ہیں جنکو نواب محمود علیخاں صاحب نے جبکہ ریاست کا انتظام کرنے ہندوستان آئے ہیں تار دیکر بمبئی بلالیا اور اپنا خاص منتظم ریاست بنایا تھا اسلئے کہ اعلیحضرت حاجی صاحب نے انکو نصیحت فرمائی تھی کہ دوست محمد خاں کی برابر دیندار امانت دار شخص ملنا مشکل ہے انکو اپنے پاس ضرور بلالینا چنانچہ واقع میں انکی پرہیزگاری اور دیانت کے وہ وہ عجیب قصے مشہور ہیں کہ سننے سے حیرت ہوتی ہے رقت قلب اسدرجہ پہنچگئی تھی کہ قرآن شریف کی تلاوت کرنے بیٹھتے تو روتے روتے بیہوش ہوجاتے اور آنسوؤں سے اوراق بھیگ جایا کرتے تھے بعض دفعہ تو بیتابی اتنی بڑھتی کہ دیکھنے والوں کو جانکنی کا احتمال ہوتا اور قبض روح کا خیال بندھتا تھا اس حالت میں اگر حضرت امام ربانی کا ذکر انکے سامنے ہوتا تو تڑپنے لگتے اور تمام داڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھی آخر وقت میں جب مرض الموت لاحق ہوا تو الہ آباد کے مشہور ڈاکٹر نے یہ تشخیص کیا کہ کسی بڑی چیز کے اثر سے دل اور جگر پر ان کے صدمہ پہونچنے انکا جگر کٹ گیا اور پاخانہ پیشاب کے راستہ ہوکر نکلتا ہے انکو منع کرو قرآن نہ پڑھیں انکے پیر کا انکے سامنے ذکر مت کرو ورنہ جانبری دشوار ہے مگر یہ کس سے ہوسکتا تھا کہ منع کرے اور منع کرے بھی تو مانے کون حاجی صاحب مرحوم گویا تلاوت کے عاشق تھے دم دم تک قرآن شریف کا پڑھنا اور تہجد قضا نہیں ہوا جس شب کی صبح کو انتقال فرمائینگے ذکر بالجہر شروع کردیا اور کم سے کم سو بار گھڑی دیکھی کہ کیا بجا ہے جب فرمایا یہی فرمایا کہ ابھی رات بہت ہے تہجد اور ذکر سے فارغ ہوکر ہاتھ پاؤں دبوائے اور نماز فجر ادا کرکے گھڑی دیکھی جسوقت چھ بجے تو یہ کہکر کہ اب وقت تھوڑا ہے سب کو اپنے پاس سے علیحدہ کردیا اور آپ لیٹے لیٹے نماز اشراق میں مشغول ہوگئے اسی حالت میں چار پانچ منٹ نزع کے گذار کر انگشت شہادت اور نظر آسمان کیجانب اٹھائے ہوئے واصل بحق ہوئے اور اپنے سلسلہ کے شیخ حضرت محب اللہ الہ آبادیؒ کی پائتی مدفون ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حاجی صاحب مرحوم جسوقت قبر میں رکھے گئے اور منہ کھولا گیا تو حاضرین پر عجیب حالت طاری ہوئی موافق و مخالف ہر شخص کی زبان سے نکل رہا تھا کہ اللہ اللہ ایسی موت پر ہزاروں زندگیاں قربان حضرت مولانا رشید احمدؒ کے مریدوں کا یہ حال جسکو واصل بحق دیکھنا ہو انکو دیکھے یہانتک کہ منہ ڈھانپ کر تختے پاٹ دئے گئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو جسوقت حاجی صاحب کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپنے تعزیت

میں انکے بڑے صاحبزادہ نذر محمد خاں بھوپالی کو خط بھیجا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ گھبراؤ مت تمہارے والد کی انشاء اللہ مغفرت ہوگئی اطمینان رکھو" یہ بشارت نامہ انھوں نے دستاویز بنا کر اب تک رکھ چھوڑا ہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے باطنی تصرفات کوئی کہاں تک بیان کرے آپکے متوسلین کی جماعت کثیر میں جو لوگ مثمر و بارآور ہیں ان کے کمالات علمیہ و عملیہ تو سب پر کھلے ہوئے اور ظاہر ہیں حق یہ ہے کہ ادنی سے ادنی خادم بھی بے بہرہ و ناکام نہیں دنیادار اور مشاغل فانیہ میں منہمک سے منہمک شخص جس نے آپکا دامن پکڑ لیا چند خصائل میں دوسرے لوگوں سے ضرور ممتاز ہے۔ آپکے فیضان صحبت اور برکات بیعت کا ادنی کرشمہ یہ ہے کہ ہر خادم کے قلب میں خدا ہو جانیوالی دنیا پر باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح ضرور ہے آپکے بہتیرے خدام جو غلبہ شہوات نفسانیہ کے سبب معصیت جوارح میں مبتلا ہیں ادنی ترہیب سے خوفزدہ ہو جاتے اور ذرا سی ترغیب سے متوجہ الی اللہ ہو جاتے ہیں اور کچھ بھی نہ ہو تو کبھی کبھی سنسان رات کی سناہٹ اُن کے لئے ناصح بنجاتی ہے کہ تباہی و بربادی دین پر متاسف ہوتے اور خلوت میں اپنے آقائے لاشریک کے سامنے شامت اعمال پر رو دیتے ہیں وہ تخم جو انکے زمین قلب میں جم گیا ہے کسی نہ کسی وقت ضرور اور ہمنشین کے ملاظمہ سے زائل نہیں ہوتا والحمد للہ علی ذلک۔

دل میں درد آخرت کا پیدا ہو جانا جو ادراک باطنی کا پیش خیمہ ہے آپکے تصرفات میں وہ معمولی تصرف ہے جس سے میرے خیال میں آپکا ایک متوسل بھی خالی نہیں اب رہے ثمرات وہ موقوف ہیں توجہ قلب اور قلبی حالت کے بقائی سعی پر سو جسکو حق تعالی نے توفیق عطا فرمائی وہ آپکی صحبت سے مستفید اور خدمت سے بہرہ مند ہو کر چند روز میں وہ لیگیا جو دوسری جگہ برسوں میں حاصل ہونا دشوار تھا پتھر موم ہوئے برف پگھلکر پانی ہوا برودت و جلادت منقلب ہوئی حرارت و ذکاوت کیساتھ غفلت کی جگہ تنبہ آیا خواب سے بیداری حاصل ہوئی قبض کی حالت بسط سے بدلی بسی رفعت حاصل ہوئی اور بہتیرے راہ روندگان راہ حق کی ایک دامن کے فضل عاطفت میں وہ وہ مشکل کشائی اور حاجت روائی ہوئی کہ بال بال و رواں رواں شکریہ ادا کرے تو ادا نہیں ہو سکتا۔

طبیب اُمت حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہ تحریر فرماتے ہیں:۔ آپکی صحبت میں اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو جوں ہی آپکی صحبت میں بیٹھے اور قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی جس سے سب کدورات رفع ہو گئیں اور قریب قریب آپکے کل مریدین

عقاید کی درستی۔ دین کی پختگی خصوصاً حب فی اللہ و بغض فی اللہ بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ سب برکت آپکی صحبت کی ہے۔ اور ان کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود مشہود ہیں احقر پر یوں تو ہر صحبت اور ہر مخاطبت میں کچھ نہ کچھ فیض و احسان فائض رہتا تھا لیکن حسب ارشاد نبوی مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ وہ احسان زیادہ قابل ذکر ہیں ایک علم ظاہری کے متعلق دوسرا باطن کے متعلق اوّل کا بیان یہ ہے کہ میں مسائل خلافیہ میں اہل حق اور اہل بدعت کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمد للہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلاد شریف و اشاعہ جنکو محققین بعض مفاسد کیوجہ سے عوام کے لئے مطلقاً ممنوع بناتے اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا تھا لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں اور جہاں علت نہ ہوگی وہاں معلول بھی نہ ہوگا پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرا ہیں انکو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسطرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ ان کو نفس اعمال کی اجازت دیکر ان کے ان مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جائیگی جسکا فساد مدار نہی ہے اور بالکل منع کر دینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔

ایک مدت اس حالت میں گذر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ و حدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اسکے خلاف کی طرف انتقال و التفات نہیں ہوا حضرت قدس اللہ سرہٗ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت و شفقت سے مولوی منور علی صاحب و بھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا کہ بعضے درویشوں سے جنکی حالت کا التباس شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے بہ خیال خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَّ بعض اذکار و اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمد و رفت و صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقاید خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفع مفسدہ کیلئے کافی ہے سو حضرتؒ نے خصوصیت کیساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا اور رعایت کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم غایت کرم و حیا سے بالمشافہ کسی پر عتاب

نفرماتے تھے اسی طرح حضرت قدس سرہٗ نے باوجود حاضری کرۃً بعد مرۃٍ کے بالمشافہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس سے زیادہ لطف و کرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اسکو محل حسن پر محمول فرمایا اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ و کعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر در باب ممانعت تنازع و اختلاف مسایل مہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور محکد اسکی تفصیل کا حکم دیا چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اسلئے اسکی تفصیل بھی اسی کیموافق عنوان سے حیز تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحب کے حضور میں اسکو سنایا چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ لزوم خلوت و قلت اختلاط مع العوام و بنا بر غلبہ حسن ظن عوام کی حالت اور جہالت و ضلالت پر پورا التفات نہ تھا لا محالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اسمیں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل مضمون حضرت نے از خود ارشاد فرمایا لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان "فیصلہ ہفت مسئلہ" شائع کر دیا گیا جسکو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا موید سمجھا وَاَنّٰی لَھُمْ ذٰلِکَ کیونکہ ان مفاسد کا اسمیں بھی صراحۃً رد ہے صرف خوش عقیدہ و خوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت و وسعت اسمیں مذکور ہے جسکا مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خود خواص پر کیوں اثر پڑے؟ غرض حضرت قدس اللہ سرہٗ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے تذکرہ فرمایا۔ مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرتؒ کے قوت فیضان سے اجمالاً تو مجکو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہو گیا لیکن زیادۃ بصیرت کیلئے میں نے اس بارہ میں مکاتیب کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں جنکی نقل دو چار جگہ محفوظ بھی ہے بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجکو بصیرت و تحقیق کیساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہو گئی اور اسپر اطلاع ہونے سے ایک باب عظیم علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا مفتوح ہو گیا جسکا ملخص یہ ہے کہ مدار نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے لیکن فساد عقیدہ عام ہے خواہ فاعل اسکا مباشر ہو خواہ مرتکب اسکا سبب ہو پس فاعل اگر جاہل عامی ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اسکے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اس فساد پر تنبہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اسکی تقریر پہنچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہونچا تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بنگیا اور ظاہر ہے

کہ اگر ایک شخص کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بنجاوے تو بُرا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہو وہاں اُس فعل ہی کو ترک کردیا جائیگا پس اس قاعدہ کی بنا پر اُن مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نکرینگے بلکہ اُن مفاسد سے احتراز کیلئے اُس فعل کو ترک کردینگے البتہ جو فعل ضروری ہو اور اُسمیں مفاسد پیش آویں وہاں اُس فعل کو ترک نہ کرینگے بلکہ حتی الامکان اُن مفاسد کی اصلاح کیجائیگی چنانچہ احادیث نبویہ اور مسایل فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں اُن میں سے کسیقدر رسالہ اصلاح الامم میں بندہ نے لکھدیا ہے۔ جب سے اس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اسکے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہ تعالیٰ ہوگئی چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت و تلقی سے بھی نجات ہوئی اور فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھکر شائع کردیا گیا جس سے اُسکے متعلق ہزار افراط و تفریط کے راہوں کو رفع کردیا گیا۔ دوسرا احسان متعلق باطن کے ہے اُسکی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہو اور وہ قصہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے اسلئے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال و کثرت معاصی سے مجھپر ایسی ایک حالت شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اُسکو اس سے زیادہ عنوان کیساتھ تعبیر نہیں کرسکتا کہ ؎

دوگونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را ۔۔۔ بلائے فرقت لیلےٰ و وصلت لیلےٰ

اُسوقت حضرت قدس سرہٗ نے دعاو تعلیم و ہمت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش و حواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اُس حالت کے طریان کے فواید اور پھر اُسکے زوال کے منافع بحمداللہ محسوس ہوئے ان دونوں احسانوں کی اُمید ہے کہ عمر بھر نہ بھولونگا اور حکم بھی یہی ہے مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ اللہم

ایکمرتبہ آپ درس حدیث میں مشغول تھے ایک شخص نہایت پریشان حال حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت للہ میری طرف توجہ فرمایئے آپنے جواب دیا بھائی میں تو ملا ہوں کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو مجھسے پوچھو درویشوں کی باتیں درویش جانیں، اُس شخص نے کہا حضرت میں زندگی سے تنگ آگیا کیا کروں کوئی راہ نہیں کہ میں خودکشی کرلوں اور مر رہوں آپ مسکرائے اور فرمایا اچھا مجھے پڑھانے دو سامنے دیوار سے لگ کر جا بیٹھو اتنا فرماکر آپنے درس شروع کرادیا اور وہ شخص مواجہہ شریفہ میں دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا پڑھتے پڑھتے دو تین مرتبہ آپنے اُس مبتلا کی جانب نظر فرمائی اور پھر تقریر میں طلبہ کی طرف مخاطب ہوگئے سبق

ختم ہونے پایا تھا کہ وہ شخص ہنستا ہوا اُٹھا اور اس درجہ مسرور ہو کر چلا کہ سلام کرنا بھی بھول گیا جب وہ چلا گیا تو بعض طلبہ نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون تھا اور کس مرض میں مبتلا تھا؟ آپ نے فرمایا درویش ہے فیض طاری تھا الحمد للہ رفع ہو گیا اتنے مسرور ہوئے کہ چلتے وقت سلام بھی نہ کیا۔

ایک بزرگ ذاکر شاغل تھے اُنکو عادت پڑ گئی مغرب وعشا کے مابین سو جانیکی ہر چند اسکے ترک کی کوشش کرتے تھے مگر عشا سے قبل نیند کا اتنا غلبہ ہوتا کہ بے اختیار ہو جاتے اور آنکھ لگ جاتی تھی انکو خیال ہوتا تھا کہ حدیث میں اس عادت کی مذمت بھی آئی ہے اور نیز عشا کی نماز میں وقت مستحب کے ہاتھ سے جاتے رہنے یا کم سے کم کسل وانحلال پیدا ہونیکا سبب ہے اسلئے ہمت ضرور کرتے تھے کہ نہ سوؤں مگر کچھ مجبوری کی سی حالت ہو گئی تھی کہ آنکھ لگ ہی جاتی تھی آخر کنگوہ حاضر ہوئے جسوقت خانقاہ میں پہونچے ہیں مغرب کی نماز ہو چکی تھی اور حضرت دولتکدہ تشریف لیگئے تھے چھپر کے نیچے چارپائی پر بیٹھ گئے اور عادت کے موافق جب نیند کا غلبہ ہوا تو راستہ کی جانب پشت کر کے وہیں پڑ کر سو گئے خواب میں دیکھا کہ حضرت دولتخانہ سے تشریف لائے اور انکی کمر میں لات مار کر غصہ کیساتھ ارشاد فرمایا کہ کیا واہیات حرکت ہے حدیث کے خلاف یہ کوئی وقت سونیکا ہے؟ دفعۃً آنکھ کھل گئی تو کروٹ بدلکر دیکھا کہ نہ آدمی ہے نہ آدمزاد خیال ہوا کہ شاید حضرت تشریف لے آئے ہوں خانقاہ میں گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابھی دولتخانہ سے واپس نہیں آئے خواب کو خیال سمجھکر دوبارہ چارپائی پر لیٹے ہر چند کوشش کی کہ سو رہوں مگر آنکھ ہی نہ لگی تھوڑی دیر کے بعد حضرت تشریف لائے تو یہ بھی حاضر خدمت ہوئے اُسدن کے بعد پھر کبھی مابین المغرب والعشا انکو نیند نہیں آئی اگر لیٹ بھی گئے تو عشا کا فکر ایسا دل پر سوار رہا کہ بیچینی کیساتھ کروٹیں بدلتے رہے اور جبتک نماز سے فراغت نہ ہوئی آنکھ ہی نہ لگی۔

حکیم عبدالرحیم صاحب مالک دواخانہ فیض عام بھوپال بارہ تیرہ سال کی عمر تھی کہ بھوپال سے روانہ ہو کر حاضر آستانہ ہوئے حضرت عصر کا وضو فرما کر مسجد کی جانب چلنے لگے تو بالتخصیص انکو ارشاد فرمایا آؤ عبدالرحیم نماز پڑھیں" یہ بھی وضو کر کے شریک جماعت ہو گئے اُسدن سے نماز کیساتھ انکو ایسا اُنس اور شوق پیدا ہو گیا ہے کہ جب تک پڑھ نہ لیں بیتاب رہتے ہیں اگر کبھی قضا ہو جائے تو دل ایسا تلملاتا ہے جیسے کسی بڑی نعمت کے چھن جانے سے تلملایا کرتا ہے۔

ایک شخص ذاکر شاغل حضرت کی خدمت میں رہتے تھے اُنکا کھانا قصبہ میں ایک شخص کے مقرر تھا وہیں مسجد

میں نماز پڑھانے جایا کرتے تھے شیطان تو ہر مسلمان کیساتھ لگا ہوا ہے اتفاق سے انکو کسی عورت سے تعلق ہوگیا اور یہانتک نوبت پہونچی کہ ملاقات کا وقت مقرر ہوگیا شیطانی حرکت کسی پر ظاہر کرنے کے قابل نہ تھی اسلئے کسی کو خبر بھی نہوئی کہ چلنے چلانے کا دم میں شیطان نے کس رخنہ اندازی کا انداز اختیار کیا ہے وعدہ کی شب میں عشا کے بعد حضرت کے پاؤں دبا کر جب سمجھے کہ حضرت سوگئے وہاں سے کھسکے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے خانقاہ سے باہر ہوئے جسوقت باہر قدم نکالا تو مطلع بالکل صاف تھا دو چار قدم چلے تھے کہ آسمان پر سیاہ بدلی نظر آئی جوں جوں یہ آگے بڑھتے رہے دوں دوں بادل بڑھتا اور اوپر چڑھتا رہا یہانتک کہ جسوقت اس مکان کی دیوار کے نیچے پہونچے جہاں عورت حسب وعدہ کھڑی ہوئی تھی تو اس سے قبل کہ بات کریں دفعۃً بادل اس زور سے گرجا کہ دونوں گھبرا گئے ادھر عورت بھاگی کہ گھر والے جاگیں اور مجھے نہ پائیں گے تو کیا گل کھلیگا اور ادھر یہ سراسیمہ دوڑے کہ حضرت کی چارپائی بچھی ہوئی ہے میں ہی قریب سوتا ہوں حضرت آواز دینگے اور میں نہونگا تو کیا نتیجہ ہوگا غرض بے نیل مرام دوڑتے ہانپتے خانقاہ میں پہونچے جسوقت اندر قدم رکھا مطلع بالکل صاف ہوگیا تھا آہستہ آہستہ حضرت کی طرف چلے جھانک کر دیکھا تو حضرت امام ربانی چارپائی کی دونوں پٹیوں پر ہتھیلیاں ٹیکے گردن جھکائے اس طرح بیٹھے ہیں جیسے توجہ دینے کی حالت میں شیخ مستغرق ہوکر بیٹھتا ہے یہ چپکے ہی چپکے دبے پاؤں چلکر آپکی چارپائی تک پہونچے جو حضرت کی چارپائی سے کچھ ہی فاصلہ پر گولر کے نیچے بچھی ہوئی تھی جسوقت وہاں پہونچ لئے حضرت نے گردن اوپر اٹھائی اور لیٹ رہے۔

صبح ہوئی تو اشارۃً حضرت نے نصیحت فرمائی اور امتحان کے موقع پر نفس کے قابو میں رکھنے کے فضائل بیان کئے یہ چند کلمات سنکر ندامت کا قلب پر اتنا غلبہ ہوا کہ جس جس تک معصیت ہوئی تھی اسکو یاد کرکے رویا کرتے اور گڑگڑا کر توبہ کیا کرتے تھے چند ماہ میں حق تعالیٰ نے نسبت معتبرہ سے نوازا اور مجاز طریقت ہوکر اپنے وطن واپس ہوئے اسمیں شک نہیں کہ حضرت امام ربانی کا ہر خادم آپکے فیضان کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لئے ہوئے ہے اور ہر شخص پر آپکے تصرفات کا اثر کبھی نہ کبھی لابد ہوا ہی باقی کسی کو اطلاع ہوئی اور کسی کو اطلاع نہوئی کوئی سمجھ گیا کہ بیرونی قوت کا زور ہے جو معصیت سے روکتا یا طاعت پر آمادہ کررہا ہے اور کوئی نہ سمجھا اتفاق وقت پر محمول کرکے روحانیت سے بے خبر رہا۔ اس بالمعنی قوت قلبیہ کی تاثیرات کے جتنے قصے لوگوں کو معلوم ہیں انکا عشر عشیر بھی بیان کرنیکی گنجایش

نہیں سچ یہ ہے کہ آپکو جو منصب عطا کیا گیا تھا اُسکے لئے قلب میں اتنی قوت کا ہونا لازمی تھا جو گروہا گروہ کو ایک بندش میں باندھ سکے اور تعلیم و تزکیہ کی جو خدمت آپکے سپرد کیگئی تھی اسکے لئے اسی اہلیت و استعداد کی ضرورت تھی کہ اقارب و ابا عداد و اصاغر و اکابر کو یکساں قابو میں لاسکے۔ آپکے فیضانِ صحبت سے بہتیرے وہ لوگ بھی مستفیض ہوئے جو بڑے بڑے درباروں میں بھی کچھ نہ حاصل کرسکے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی منظور احمد صاحب ایک عالم تھے جو حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے وہ بھی حج کو جارہے تھے اور میں بھی شریک سفر تھا اتفاق سے ہم دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار ہوئے راستہ میں انھوں نے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ شاہ صاحب سے بیعت ہوکر جب ذکر شغل کرنے لگا تو چند روز کے بعد ایک بات حاصل ہوئی تھی تھوڑے دنوں قایم رہکر جاتی رہی اب اُسکو دل تلملاتا ہے اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور اسی نیت سے بیٹھتا ہوں مگر گئی ہوئی حالت واپس نہیں ہوتی میں نے معمولی طور پر انکو جواب دیدیا کہ اگر ہماری حضرت کی خدمت میں کبھی حاضری کا اتفاق ہوجائے تو وہاں بھی بیٹھکر دیکھنا مولانا خلیل احمد صاحب فرماتے تھے کہ مجھے اسکا وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ یہ بات انکے ذہن میں جم گئی ہوگی یا کبھی انکو ہندوستان واپس آکر گنگوہ جانیکا اتفاق ہوگا میں تو حج کرکے واپس چلا آیا مولوی منظور احمد صاحب وہیں مقیم رہے خدا کی شان کہ اگلے سال حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حج کیلئے عرب روانہ ہوئے اور وہیں مولوی منظور احمد صاحب کو زیارت حاصل ہوئی مولوی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال عرض کرکے یہ بھی کہدیا کہ مولوی خلیل احمد صاحب نے یہ کہا تھا کہ حضرت کی خدمت میں بیٹھکر دیکھنا حضرت مسکرائے اور فرمایا "اچھا" چند ہی روز کے بعد مولوی منظور احمد صاحب خوش ہوگئے اور فرمایا کہ جو بات چاہتا تھا ملگئی بلکہ کچھ زیادہ۔

اس قسم کے واقعات مسیبوں میں کہاں تک بیان کئے جائیں خلاصہ یہ ہے کہ آپکا وجود باوجود ظاہراً باطناً اس زمانہ میں عالم کیلئے رحمت خداوندی تھا کہ اپنی اپنی استعداد کیموافق سب ہی آپکے فیضان سے مستفید ہوئے ؎ شکر فیض تو چمن جوش کند از ابر بہار ٭ کہ خار و گل ہمہ پروردۂ تست۔

شان تربیت کیساتھ آپکی مقبولیت ایسی کھلی ہوئی شے ہے کہ محتاج بیان نہیں اسی مقبولیت کا اثر تھا کہ جو کوئی بھی عملاً یا اعتقاداً آپکے آستانہ کا ہورہا خداوند کریم نے اُسکو نہیں لوٹایا صرف دل کے اندر آپکی ذات سے محبت رکھنے والے مسلمان آج جس دولت سے مالا مال نظر آتے ہیں وہ ایسی

لازوال اور قابل شکرگذاری ہے کہ دوسرے دروازوں پر سالہا سال جبہ سائی کے بعد بھی حاصل نہ ہوتی شاید و شوار تھی آپ دنیا سے تشریف لیگئے مگر آپکے تصرفات عالم میں اپنا کام برابر کر رہے ہیں اور جس باغ کی باغبانی کیلئے آپ تشریف لائے تھے وہ ایسا شاداب اور بارآور ہوگیا ہے کہ مخلوق سالہا سال تک انشاء اللہ اس سے متمتع ہوتی رہیگی جن مقدس ذوات ستودہ صفات کو آپکی روحانیت نے کامل و مکمل بنا کر دنیا میں چھوڑا ہے اُنکے کمالات علمیہ عملیہ مستقلاً آپکے فیضان کی قوت ظاہر کر رہے ہیں اور وہ تصرفات باطنیہ جو آپکی تربیت یافتہ جماعت کے سرگروہ خلفاء کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں صاحب ذوق اور اہل فہم کیلئے امام ربانی قدس سرہٗ کے تصرفات کی وہ زندہ مثالیں ہیں جو انشاء اللہ برسوں و مدتوں قایم رہینگی میں عرض کر چکا تھا کہ اس عنوان کا مدار وجدان اور ذوق پر ہے ظاہر ہے کہ دلپر گذری ہوئی باتیں دل ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں زبان میں یارا نہیں کہ ادا کر سکے اسلئے جو کچھ لکھا گیا بیشک ناتمام لکھا گیا آج حضرت کے متوسلین پر نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو ساری جماعت میں سب سے ادنیٰ اور کمتر اپنے نفس کو پاتا ہوں لیکن اگر یوں کہوں کہ محروم ہوں تو ناشکر گذاری و کفران نعمت ہے عملاً بدحال اور سرتاپا خطاوار ضرور ہوں مگر الحمد للہ سنت نبویہ کیساتھ آستانہ گنگوہیکی بدولت اتنا اُنس قلب میں ضرور ہے کہ خود اتباع کی توفیق نہیں تو اتباع کرنیوالے مقدس فرقہ کے قدم چومنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جب اس ناکارہ پر باوجودیکہ عمر کا ابتدائی بڑا حصہ بدعات کی محبت میں صرف ہو چکا تھا امام ربانی کے تصرفات کا یہ رنگ ہے تو دوسروں کا حال کیا پوچھنا جو کچھ بھی ہو تھوڑا ہے۔

آپکے قلبی تصرفات کے ثمرات کا خلاصہ یہی تھا جو آپکی تعلیم و تربیت کا خلاصہ تھا یعنی یہ سالک اپنی مرادات کا منتہا اتباع سنت مصطفویہ کو سمجھکر حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا جوئی میں جو کچھ سعی کر سکے کرے اور منہیات و معصیات سے بچکر طاعات و عبادات میں مشغولیت کا جو کچھ حصہ لے سکے لے سو الحمد للہ تیس پینتیس نفوس اس مضمون سے مستفید ہو کر اس کمال پر پہونچے کہ دوسروں کو اس مضمون سے متاثر بنا سکیں ان میں طاقت آئی نسبت سلسلہ معتبرہ سے فایز المرام ہو کر مجاز طریقت اور امام ربانی کے خلفاء و جانشین قرار پائے باقی حسب نصیب بمقدر توجہ الی اللہ کی کھٹک اور چھٹے حاسہ کی سلامتی و ادراک قلب کا فائدہ تو ہزارہا مخلوق نے حاصل کیا یہ لوگ اگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتے تو انشاء اللہ ایسے مستحکم ہیں کہ دوسروں کے بگاڑے بآسانی بگڑ بھی نہیں سکتے بدعات سے اجتناب و نفرت کا مادہ ان کے دلوں میں ایسا

مستحکم ہوگیا ہے کہ دشمنان سنت کے دیئے ہوئے وہابیت کے خطاب سے انکو عار نہیں آتی طعن و تشنیع سے انکو توحش نہیں ہوتا چونکہ لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کا مفہوم تخم بنکر ان کے زمین قلب میں جم چکا ہے اسلئے ہر حال میں اپنی دھن کے پکے اور آج بھی اسی پختگی کیساتھ اپنے طریقہ مرضیہ پر قایم ہیں جیسا کہ اب سے تین سال قبل حضرت امام ربانی کی حیات میں تھے البتہ چند نفوس کی حالتیں آپکے وصال کے بعد تغیر آیا اور انقلاب حالت نے اپنا اثر ضرور دکھایا ہے وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ یہ وہ لوگ ہیں جنکے کمزور دل پر امام ربانی کی محبت کا سکہ جم نہ سکا اور محبت کے راسخ نہونیکے سبب تصرفات فیوضات سے پوری طرح مستفیض نہو سکے ایسے لوگوں کا وجود جنکو امام ربانی کے بعد آپکے طریقہ مرضیہ سے انحراف پیش آیا سنت ضطراری ہونیکے سبب حضرت قدس سرہٗ کا کمال ملحوظ رکھکر رہا ہے ان لوگوں کے نام ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں اسلئے کہ جب امام ربانی کا مسلک اور مشرب ہر شخص کو معلوم ہے اور سنت کیساتھ آپکا تمسک اور بدعات مروجہ سے تنفر عالم آشکارا ہے تو آپکے متوسلین میں جو شخص بھی چھوٹا ہو یا بڑا جتنا بھی سنت سے دور اور بدعت سے قریب دیکھا جاے اسکو اس جماعت میں سمجھ لیا جائے اگرچہ وہ مدعی ہو امام ربانی کے خادم ہونیکا۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے تصرفات میں اس جگہ مولوی احمد صاحب سورتی کا وہ خواب درج کرکے اس عنوان کو ختم کرتا ہوں جو گویا حضرت کی منامی وصیت ہے اپنے متوسلین کی ساری جماعت کو امید ہے انشاء اللہ نافع ہوگا حضرت کے وصال سے ایکدن قبل دوپہر کیوقت مولوی احمد صاحب خانقاہ میں اپنے حجرہ کے اندر پڑے سوتے تھے کہ خواب میں حضرت امام ربانی تشریف لائے اور انکے سارے بدن پر ہاتھ پھیر کر یوں ارشاد فرمایا "احمد میں تمھارے بدن کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہوں اور تمکو اللہ تعالیٰ مال دیگا" انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بندہ کو مال نہیں چاہیئے آپ بندہ کیلئے دعا فرمادیں دار آخرت میں مجھے اپنے ساتھ رکھیں حضرت نے اسکے جواب میں یہ کلمات ارشاد فرمائے "احمد ہمارے ساتھ آخرت میں وہی شخص رہیگا جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کریگا اور فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریگا اور سنت کے اوپر اسکا عمل ہوگا اور جو شخص بدعت کریگا اور اللہ تعالیٰ کی طاعت نہ کریگا اور اتباع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے باز رہیگا وہ شخص قیامت میں ہمارے ساتھ نہوگا اگرچہ کوئی کیسا ہی ہمارا قریب کا ہو اور ہمارا ہو" اسکے بعد آنکھ کھلگئی۔

حق تعالیٰ مجھے اور آپکو اس مقدس جماعت کی شمولیت نصیب فرمائے اور قیامت کے ہولناک دن امام ربانی قدس سرہٗ کے زیر لواء محشور فرمائے۔ آیئے اب اس جامع مسجد کا نقشہ ملاحظہ کراؤں جہاں آپ نماز پڑھاتے تھے یہی مسجد کا فرش اور جنوبی سمت کے حجرات اہل صفہ نواکرین شاغلین کے خلوتخانے کی جگہ ہے اور شمالی جانب حضرت شیخ عبد القدوس کا مزار ہے

خلفاء و مستفیدین

اس عنوان میں جن حضرات کا ہمیں ذکر کرنا مقصود ہے وہ صرف وہ حضرات ہیں جنکو امام ربانی قدس سرہٗ نے تعلیم سلوک و معالجہ روحانی اور تلقین اذکار و اشغال معہودہ کی طوعاً و رغبۃً بلکہ امتثالاً لامرہٖ تعالیٰ اجازت دی اور امر فرمایا کہ طالب کو بیعت کریں تاکہ سلسلہ حقہ کا بقا رہے۔ یہ صاحب اجازت حضرات ظاہر ہے جبتک حب جاہ سے فارغ اور بڑا بنے سے کارہ نہیں ہوئے اُسوقت تک کمال و تکمیل کی قوت قدسیہ سے نہیں نوازے گئے اور جبتک نفس کا یہ اندیشہ ناک تخم بالکل نیست و نابود نہیں ہوگیا اُسوقت تک سلسلہ مشایخ میں اپنے شیخ کے معتبر جانشین یعنی خلفا نہیں کردانے گئے ان حضرات کو مجاز طریقت کہا جاتا ہے ان کے مراتب کا کیا پوچھنا؟ جس بات کے پیچھے مخلوق تخت تاج پر خاک ڈالتی ہے وہ حق تعالیٰ نے انکو گھر بیٹھے عطا فرمائی اور جسکی تحصیل میں انسان اپنا خون پسینہ ایک کرتا ہے واہب العطایا خدا نے اُس بھرپور نعمت سے انکی گودیں بھردیں حسب خدا و رسول کا بار آور درخت ان کے زمین قلب میں جم گیا اور اخلاص و طلب رضاء سبحانہ نے ان کے دلوں میں اپنا گھر بنا لیا اس سے زیادہ اور کیا چاہئے اسی تقسیم کا خیر القرون معدن و مبدا تھا اور اسی نعمت لازوال کے بانٹنے کو بطحائے عجم تشریف لائے تھے اس امانت حقہ کا حامل بنانے کے لئے نیابت نبوت کا قسام ازل کو جسے حصہ پہونچانا منظور تھا انکو اپنے مفوضین کے ہاتھ پہونچایا اور جنہیں پہونچانا منظور ہے قیامت تک پہنچایا جائیگا تقرب الی اللہ کے درجہ میں خلفاء کے مراتب بھی مختلف ہونگے مگر یہ وہ جانے جسکو ان حضرات کے مراتب معلوم کرنیکی قابلیت ہو پس تفضیل کا درپے ہونا قطع نظر جہالت کے شان تعلی و شیخوخت اور اثر کبر و نخوت ہے خدا پناہ میں رکھے اُس خصلت سے جو اہل اللہ میں بڑائی چھٹائی کا خیال پیدا کرکے ہتک و تنقیص تک تک پہونچا کر دین و ایمان کی بربادی کا سبب بنتی ہے الحمد للہ امام ربانی قدس سرہٗ کے آستانہ کی خاکبوس جماعت اگرچہ فطری موافقت اور انس طبع کی بنا پر ایکطرف کی ہو رہی ہو مگر سب حضرات کی محبت و تکریم اور دامن سے وابستگی کو ذریعہ نجات سمجھے ہوئے ہے چونکہ وہ اکابر جنکو مجازین طریقت کہا جاتا ہے ہندوستان کے اطراف میں پھیلے ہوئے اور اپنے آپکو اسد رجہ مٹائے ہوئے ہیں کہ پتہ لگنا دشوار ہے اسلئے امام ربانی قدس سرہٗ کے خلفاء کی بالکل صحیح تعداد معلوم نہو سکی کہ کتنے ہیں شاہد انہیں

کچھ اوپر تیس ہیں جنکو بلالحاظ تقدیم و تاخیر مراتب بیان کرتا ہوں خدا شاہد ہو کہ ترتیب سے ترتیب مدارج مقصود نہیں

حضرۃ مولانا الحاج الحافظ المولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مدرس اوّل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مدت فیضہٗ

آپکا سلسلہ نسب چند پشت پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ سے ملتا ہے اور نیز ایک سلسلہ سید شاہ ابو المعالی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہو اسوقت بظاہر کسی کی بیعت حضرت کے ہاتھ پر آپ سے مقدم نہیں ہے قدرت کے ہاتھوں صورت اور سیرت میں آپکو اپنے شیخ کیساتھ مشابہت کا حظ وافر عطا ہوا ہے ایکبار آپ نے بعد رمضان ۱۳۱۷ھ میں اپنا خواب حضرت سے بیان کیا کہ حضرت میں اعتکاف میں تھا خواب میں دیکھا کہ خربزہ تراش رہا ہوں اور قاشیں آپکو دے رہا ہوں آپ بے غیبت کیساتھ کھا رہے ہیں اور کھانیکے وقت آپکے دہن سے جو لعاب وغیرہ گرتا ہے وہ میں اپنی زبان پر لیتا ہوں" حضرت مسکرائے اور فرمایا "تم خود صحبت ہو گئے آخر نسبت تو ایک ہی ہے۔ مولانا ممدوح ۱۳۲۹ھ میں جب بارہ حج کیلئے مکہ روانہ ہوئے تو امام ربانی نے مرشد العرب والعجم علیہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد کو اجازت فرمادیں" حضرت اعلیٰ مولانا کی حالت یکبارگی بہت مسرور ہوئے محرم ۱۳۲۹ھ میں خلافت نامہ مزین بمہر کرکے عطا فرمایا اور کمال مسرت سے اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھدی مولانا ممدوح نے دونوں علیہ حضرت امام ربانی کے حضور میں پیش کردیئے اور عرض کیا کہ "بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے" حضرت نے فرمایا تمکو مبارک ہو" اسکے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرماکر مع دستار آپکو خود عطا فرمایا۔ مگر آپکا یہ دربتھا کہ طالب کو بیعت کرتے وقت معاصی سے توبہ کرانیکے بعد یہ الفاظ فرماتے تھے کہ بیعت کی میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر۔

حضرت قدس سرہٗ کو مولانا سے خاص محبت تھی ایکمرتبہ بھوپال سے یکصد روپیہ ماہوار پر آپکی طلبی ہوئی مگر جب آپنے حضرت کیخدمت میں لکھا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ میں اپنے لوگوں کو اپنے سے جدا کرنا اور دور بھیجنا نہیں چاہتا حضرت نے ایکمرتبہ آپکے بارہ میں فرمایا کہ "جو مدح مولوی خلیل احمد" ایک خط میں حضرت مولانا کو یہ شعر تحریر فرماتے ہیں ؎ در گور بردم از سر گیسوئے تو تا سے ۔ تا سایہ کند بر سر من روز قیامت۔

حضرت مولانا الحاج المولوی محمود حسن صاحب مدرس اول مدت عالیہ بو بہ مدت فیضہٗ آپ بلاعلائی شیخزادہ ہیں علوم دینیہ میں خصوصاً حدیث کے اندر شہرہ آفاق اور بخاری وقت ہیں کمالات علمیہ و عملیہ سے مالا مال اور دولت شریعت و طریقت کے بادشاہ ہیں اپنی حالت کا اخفا اور کتمان اسدرجہ ہے کہ خواص کو پتہ لگنا دشوار ہے حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں اسوقت آپکی

اجازت سے بھوپال گئے اور امسال مسفرج کو عرب کو تشریف لیگئے ہیں ۱۲ منہ

بابرکت ذات سے کئی سو بلکہ کئی ہزار علماء محدثین بنچکے ہیں اسوقت ہندوستان میں اگر آپ کو استاذ الکل کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے کسر نفسی و تواضع کا سبق آپ کے قدم قدم پر ہر حرکت و سکون سے حاصل ہوتا ہے بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا مگر جوہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبایئے اور مشک کو کیسا ہی کپڑوں میں چھپائیے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا آخر طالبین نے دامن پکڑا اور الحمد للہ ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں مولانا ممدوح کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تعلق زیادہ تھا اسلئے آسمان ہدایت کے ہر دو نیرین کے رنگ نسبت سے مستفیض ہیں۔ مولانا کی مدتوں عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے پاپیادہ گنگوہ پہونچتے اور جمعہ کی نماز حضرت امام ربانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیوبند آجاتے تھے کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دینا تھا ہر ہفتہ ایکدن میں چالیس کوس کی مسافت کاٹنا جس غلبہ شوق و محبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے۔

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چپ چپاتے جا پہونچتے اور عام خدام کی طرح بیٹھ جاتے تھے ایکبار حضرت نے آپ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ "مولوی محمود حسن تو علم کا کٹھلا ہیں"۔

حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی عبدالرحیم صاحب رائپوری مدظلہ فیوضہ اصل وطن پکا تگری ضلع انبالہ ہے مگر عرصہ سے رائپور ضلع سہارنپور میں اقامت ہے آپکی ذات جامع جمیع کمالات سے قلب ابتداء ولادت سے حضرت کی محبت کا تخم اپنے اندر لئے ہوئے تھا وہ میری علم میں صرف آپکا قلب ہے بقصہ غدر اعلیٰحضرت حاجی صاحب کی روپوشی کے زمانہ میں جبکہ امام ربانی قدس سرہ پنجلاسہ جاتے ہوئے تگری میں ٹھیرے تو آپ ہی کے والد ماجد اوا اشرف علی خاں صاحب کے مہمان ہوئے تھے مولانا ممدوح اسوقت طفل سالہ تھے حضرت نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا دعا دی تھی اسیوقت سے آپکو امام ربانی کیساتھ تعلق تھا جوں جوں ہوش سنبھالا باپ کی زبان سے حضرت کے مناقب سن سن کر گویا حضرت کی محبت میں نشو و نما پایا۔ جس قلب میں قطب وقت کی بدعقیدگی کا کبھی وسوسہ بھی نہ گذرا ہو اسکے مراتب علیہ کی کنہ کوئی کس طرح ادراک کرے آپنے طفولیت ہی میں گنگوہ کی آمد و رفت شروع کردی اور حضرت کے مربیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے سہارنپور میں زمانہ طالبعلمی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور صاحب نسبت و مجاز طریقت بنے اُس زمانہ میں بھی امام ربانی قدس سرہ کیخدمت میں حاضری اسی محبت و شوق کیساتھ رہی جو ماقبل و مابعد زمانہ میں تھی اور باوجود مولانا کے دوسری جگہ بامر اللہ

مرید بنجانیکے حضرتؒ کا تعلق بھی آپ سے وہی مربیانہ رہا جو اس سے قبل یا بعد میں تھا۔ شاہ صاحب مرحوم کے وصال کے چار سال بعد آپکو حضرتؒ نے بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ہی ساتھ مجاز طریقت بنایا

مولانا ممدوح اپنی متوکلانہ گذران میں اپنے شیخ کی شبیہ مجسم ہیں باوجودیکہ نگری رائپور میں آپکی موروثی جائداد قابل گذران موجود ہے مگر آپکے استغنا کی بدولت دوسرے کام ہی ہے تواضع اور تذلل میں آپکا ثانی میں نے آج تک نہیں دیکھا مہمان نوازی کی ضخیم دسترخوان کی وسعت دیکھکر امر حیران ہو جاتے ہیں کمان حال بے انتہا اور لطافت نسبت خلوت پسند ہی چونکہ صناع بچون کی گلکاری کے نظارہ سے طبع زیادہ مانوس ہی اسلئے رائپور کے مغرب سمت لب نہر جمن شرقی اس باغ میں کی سکونت ہی جو دنیا و دین کی راحت رسانی کے اعتبار سے گویا دنیا میں جنت ہے آپکی مقبولیت کے آثار بدیہیات سے زیادہ نمایاں ہیں نقشبندیہ کے فیضان سے انس پانیوالی جماعت کو آبشار نہر کی دلکش صداؤں اور جنگل کے درختوں کی روح بخش سنسناہٹ میں آپکی برکت ذات کے بقار حیات کی دما مسموع ہوتی ہی اور یوں تو شاداب قصبہ کے ہر ہر پتے کو آپکے فیضان شام کو شبنم اور صبح کو بادنسیم بہکر ہر امنظر بنائے ہوئے ہے آپکے حالات اسدرجہ عجیب ہیں کہ غنچہائے دل اسکے تصور و خیال سے کھلے جاتے ہیں مگر چونکہ انکا اظہار آپکو ناگوار ہی اور مجکو ممانعت کردیگئی ہے اسلئے بجز اسکے کچھ نہیں لکھ سکتا کہ اَلسَّعِیْدُ مَنْ سَعِدَ بِطَنِّ اِمَامِہٖ

ع زدلم نشان چو خواہی کہ ز دل خبر ندارم تو بگو کہ دل چہ باشد من از ترا نشدارم

حضرۃ مولانا الحاج المولوی صدیق احمد صاحب انبہٹوی مدرس اول مدرسہ فتحپوری دہلی مدت فیوضہٗ آپ حضرۃ مولانا خلیل احمد صاحب کے چچازاد بھائی اور ہمولن ہیں چونکہ آپکو قدرت نے مولانا ممدوح کے تحصیل مراتب و اکتساب قربات کا بالطبع حریص بنایا تھا اسلئے بمقتضائے وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ بچپن میں تعلیم دینیات کے اندر اور جوانی میں حفظ قرآن کے اندر آپنے مولانا کا جس طرح ساتھ نہیں چھوڑا اسیطرح امام ربانی کے ہاتھ پر بیعت ہونے اور آخر صاحب نسبت مجاز طریقت بننے میں بھی آپ مولانا کے ہمراہ و ہمسفر رہے آپکی بابرکت ذات صاحب احوال بلند و واردات ارجمند ہی۔ سلوک میں انوار و تجلیات اور واردات کی جسدرجہ تفصیلی سیر آپکو کرائی گئی امام ربانی قدس سرہ کے خلفاء میں شاید دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی آپکے مناقب میں صرف یہ امر لاکھوں مناقب کے قایم مقام ہی کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے جب آپکو مجاز فرمایا تو وہ دستار خلافت جو اعلیحضرت حاجی صاحب نے حضرت امام ربانی کو عطا فرمائی اور اپنے آپنے

بحفاظت رکھ چھوڑی تھی مولانا کو عطا فرمائی یہ وہ نعمت تھی جسمیں واردات غیبیہ کی طرح مولانا اپنے زمانہ میں فرد اور یگانہ ہیں۔ ان چاروں حضرات سے ناکارہ کو تعلق نیازمندی حاصل ہے ہر ایک کے کمالات علمیہ عملیہ سے افروں ہیں چونکہ ترتیب اسماء مبارکہ مشعر بترتیب فضایل و مناقب تھیں اسلئے کیفما اتفق تذکرہ کردیا ورنہ حق یہ ہے کہ چاروں گوشوں میں جس گوشہ پر نظر ڈالتا ہوں حق تقدم پاتا ہوں اگر ممکن ہوتا تو تذکرہ میں بھی امام ربانی قدس سرہ کے مرکز رشد و کمال کا ان حضرات کے اسماء کو دائرہ بناتا کہ محیط کا ہر نقطہ مرکز سے تعلق میں مساوی اور باہم وہ نسبت لئے ہوئے کہ نہ کسی کو مقدم کہسکتے ہیں نہ موخر۔

آپکے بیش بہا مکاتیب جو ہجوم واردات و منامی مبشرات کے اظہار میں حضرت کے پاس آتے ان کو حضرت جمع فرماتے جاتے تھے کہ کسی دوسرے کے کام آویں اور سلوک کے عنوان میں باقیات صالحات بنیں ظاہری بینائی جانے پر وہ مجموعہ آپکے پاس واپس کردیا گیا چنانچہ اس عجیب ذخیرہ کے جوابات میں پچیس ۲۵ والا نامجات حضرت امام ربانی کے مکاتیب رشیدیہ میں طبع بھی ہوگئے ہیں۔ اصل خزانہ مولانا کے پاس موجود ہے جسکی قدردانی خود مولانا کا منصب ہے یا اسکا جسکو اس فن سے مناسبت ہو۔

حضرت مولانا الحاج المولوی محمد روشن خاں صاحب مرآدابادی مدت فیوضہ۔ آپ حضرت مولانا قاسم العلوم صاحب رح سے بیعت تھے اور مولانا ہی کے بھیجے ہوئے امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے یہیں حدیث پڑھی اور اسی آستانہ پر وہ انتساب کیا جسکا ثمرہ حصول نسبت و اجازت طریقت ہے۔ امام ربانی کے خلفاء میں صرف آپ ہی ہیں جو نسبت وجدی کیساتھ نوازے گئے شوق و ذوق اور ولہ و اشتیاق کا یہ عالم جسم کے بال بال اور بدن کے روئیں روئیں سے ٹپکتا ہے آپ استثنا لالامر الشیخ حضرت کی حیات میں طالبین کو بیعت کرتے اور ذکر و شغل تلقین فرما کر ازدیاد سلسلہ علیہ کا ذریعہ بنتے تھے آپکے متوسلین قابل ہو ہو کر حضرت کی خدمت میں پیش کئے جاتے تو امام ربانی بہت مسرور ہوتے اور روحانی پوتوں کے حالات اچھے سن سنکر دل سے دعائیں دیا کرتے تھے۔ آپکے متوسلین کی تعداد ریاست گوالیار کے علاقہ میں زیادہ ہے اور بعض ان میں وہ صاحب نسبت بھی ہیں جنکو حضرت کی طرف سے بھی بیعت کی اجازت ملچکی ہے مثلاً مولانا قاسم علی صاحب دام فیضہ۔ باپ کی خوش نصیبی ہو کہ بالغ اولاد سے پیدا ہونیوالی نسل بھی اپنی حیات میں دیکھ لے اسلئے امام ربانی قدس سرہ کے خلفاء میں وہ بابرکت شیخ جسکا دامن پکڑ کر اللہ کی مخلوق وہ استعداد حاصل کرے جس سے آیندہ کو لقاء نسل کی قوی امید ہو میرے علم میں مولانا ممدوح ہی کا وجود باجود ہے اور

قطب العالم سے نسبت مسلسلہ حاصل کی اور ادھر کفرستان ہند میں خلقت کو اہل اللہ بنانے کی جو مولانا کی حیات ہی میں اس نسبت مسلسلہ کے چراغ روشن کرنے شروع کر دئے۔

حضرت مولانا الحاج المولوی محمد صدیق صاحب مہاجر مدنی مدت فیوضہ۔ آپکا پہلا وطن موضع اللہ تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے شیعی سید ہیں ہندوستان میں اٹھارہ پاؤ نیس پشت گذار کر ۱۳۱۶ھ میں اپنے والد مولوی حبیب اللہ صاحب کے ہمراہ جو مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے خلیفہ راشد ہیں مدینۃ الرسول کو ہجرت فرما گئے دیوبند میں تعلیم دینیات سے فارغ ہو کر اوائل ۱۳۱۷ھ ہجری میں امام ربانی سے بیعت ہو کر کئی سال مجاہدات و ریاضات نفس میں مصروف رہے آخر ۱۳۱۳ھ ہجری میں شوق میں مغلوب ہو کر اہل و عیال سے اطلاع کئے بغیر بغرض اکتساب و حصول فیضان گنگوہ مراجعت فرمائی اور نسبت مسلسلہ سے مالا مال ہو کر پڑھتے اور گریہ و وجد کے روزانہ مزے لیتے ہیں صبر استقامت کا پوچھنا ہی کیا جبکہ اہل مدینہ کی متوکلانہ گذران سے ہر مسلمان واقف ہے امتحاناً بھتیری بلا دئیں جھڑ جھڑائے گئے مگر حسب پختہ اتری تو خادم نواز آستانہ علیہ محمدیہ سے اب کوئی انکو علیحدہ کر نیوالا نہیں حرم محترم میں درس بھی دیتے ہیں اور دولت غنا سے مالا مال ہیں۔

حضرت مولانا الحاج المولوی حسین احمد صاحب مہاجر مدنی مدت فیوضہ۔ آپ مولانا محمد صدیق صاحب کے حقیقی برادر خورد ہیں بڑے بھائی کیساتھ دیوبند میں علوم شرعیہ کی تکمیل کی اور اپنے والد کے ارادہ ہجرت پر ۱۳۱۶ھ میں حضرت سے بیعت ہو کر والد و برادران کے ہمراہ جدامجد کے بلدہ طیبہ میں اقامت تعلیم کی مکہ معظمہ پہونچکر حسب اجازت امام ربانی قدس سرہ العلیحضرت حاجیصاحب سے رجوع کیا اور اذکار تعلیم فرمودہ العالم پر بھی بہمت تمام کاربند رہے اس زمانہ میں جو کچھ واردات عجیبہ و کیفیات غریبہ ظاہر ہوئیں انکی اطلاع گنگوہ میں آستانہ علیہ پر کرتے رہے یہانتک کہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت کا والا نامہ پہونچا کہ چند روز کیواسطے گنگوہ آکر مجھے ملجاتے تو بہتر ہو اس فرمان والا شان پر مطلوب بنکر باوجود تنگدستی و بے سروسامانی کے مراجعت ہندوستان کا تہیہ کر دیا باپ کا باقتضائے محبت جی چاہا کہ بھائیوں میں کوئی ایک رفیق سفر ہوتا تو اچھا تھا چھوٹے بھائی مولوی سید احمد صاحب جنکے دو چار مہینہ آگے پیچھے سلسلہ خدام میں داخل ہوئے تھے غلبہ شوق کے سبب فرضی ضروریات ذاتی و خانگی قایم کر کے باپ سے ہمراہی برادر کی اجازت بھی لیچکے مگر قدرت کو منظور ہی کچھ اور تھا بڑے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب در پردہ خفیہ انتظام کر کے چھپکر چند روز پہلے روانہ بھی ہو لئے جسکی اطلاع بارہ گھنٹہ کے بعد قریب

مغرب ہوئی مجبور مولوی سید احمد صاحب کو ارادہ فسخ کرنا پڑا اور مولوی حسین احمد صاحب تنہا روانہ ہوئے جدہ میں دونوں بھائی ملگئے اور حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر گنگوہ پہونچے چند روز گذرے تھے کہ امام ربانی نے اپنا ایک ایک جوڑا یعنی بلبوس کرتہ اور پاجامہ دونوں کو عطا فرمایا چونکہ انھیں ٹوپی یا عمامہ نہ تھا اسلئے دونوں میں سے کسی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "ارشاد ہو تو ہم خدام اپنا اپنا عمامہ حاضر کریں اپنے دست مبارک سے عطا فرمادیا جائے" یہ سنکر حضرت نے سکوت فرمایا اور بمقتضائے ادب دونوں بھائی عطیہ قطب العالم کو سر آنکھوں پر رکھ کر شکریہ ادا کرتے اوٹھ گئے تھوڑے ہی دنوں بعد دونوں صاحب بلائے گئے اور حکم ہوا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ اور جب دونوں صاحبوں نے اپنے عمامے حاضر کئے تو حضرت امام ربانی نے اپنے دست مبارک سے دونوں سروں پر باندھکر یوں ارشاد فرمایا کہ کچھ جانتے بھی ہو کہ یہ کیا ہے؟ مولوی محمد صدیق صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "دستار فضیلت" ارشاد ہوا کہ "دستار خلافت" امام ربانی قدس سرہ کی قولی و فعلی خلافت کے مجموعہ کی مثال میں آپ کے خلفاء کے اندر صرف یہی دو حضرات پیش کئے جاسکتے ہیں جنکے کمالات علمیہ عملیہ اسی سے ظاہر ہیں کہ مدنی مہاجر و بطحائی سپہ پر کے پڑوسی ہیں مولانا حسین احمد صاحب کا در حرم نبوی میں بحمد اللہ بہت عروج پر ہے اور عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علماء کو کیا معنی یمنی و شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء آپ سراپا خلق مہمان نواز غیور باحیا اور بعض اُن صفات حمیدہ سے متصف ہیں جنہیں دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔

مولانا الحاج الحکیم مولوی محمد اسحاق صاحب بنھٹوری مدت فیوضہ۔ آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے شاگرد بھی ہیں اور مجاز طریقت خلیفہ بھی چونکہ طبع کتمان پسند بہت ہے اسلئے اپنے منصب کا اظہار گوارا نہیں رقیق القلب بہت زیادہ ہیں بشیخ کے آثار شمائل دیکھکر بیتاب ہوجاتے اور اجلہ خلفاء کی صورت دیکھکر روپڑتے ہیں خاشع خاضع خوش خلق مزاج پسند بے تکلف ممکن نواز صابر شاکر اور ہمہ صفت موصوف ہیں محلہ تیلی واڑہ صدر بازار دہلی کی اونچی مسجد میں مقیم ہیں لوجہ اللہ درس دیتے اور اس میں سے روپیہ ہوا پر قانع ہیں جو حضرت کے متوسل و نیازمند خیر خادم حاجی محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر انکو دیتے اور مخدوم و پشت پناہ دین بناکر انکو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔

ان آٹھ حضرات سے مؤلف ناکارہ کو چونکہ تعارف حاصل ہے اسلئے کچھ وضاحت کیساتھ حالات لکھ سکا باقی خلفاء کی زیارت سے بھی ابتک محروم ہوں اسلئے صرف اسماء پر اکتفا کرتا ہوں۔

مولانا الحافظ محمد صالح صاحب (نکہ در ضلع جالندھر) مولانا قدرت اللہ صاحب مرادآبادی مولانا عبد الصمد صاحب

سونی پتی مولانا[۱۳] حکیم محمد صدیق صاحب مرادآبادی حافظ[۱۴] محمد یٰسین صاحب گنگینوی مولانا[۱۵] صدیق احمد صاحب کاندھلوی
نمبردار حاج[۱۶] نصیر الحق صاحب کاندھلوی مولانا[۱۷] محمد اکرام صاحب (گرسہائے) شیخ[۱۸] عبد الغفور صاحب جے پوری مولانا
مخلص الرحمن صاحب[۱۹] بنگالی مولانا[۲۰] رئیس احمد صاحب بنگالی مولانا[۲۱] ضمیر الدین صاحب بنگالی قاری[۲۲] محمد ابراہیم
صاحب بنگالی مولانا[۲۳] عبد الباری صاحب بنگالی مولانا[۲۴] عبد اللطیف صاحب بنگالی متعنا اللہ بطول بقائھم

امام ربانی قدس سرہٗ کے چھ خلفاء وصال فرما چکے جنمیں حضرت مولانا[۲۴] صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے سات ماہ بعد بماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ مکہ معظمہ میں واصل ہو کر جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے اور مولانا[۲۵] محمد مظہر صاحب نانوتوی حضرت مولانا[۲۶] داؤد احمد صاحب گنگوہی مولانا[۲۷] قادر علی صاحب دہلوی مولانا حافظ[۲۸] عبد الرحمن صاحب پوربی مولانا[۲۹] بہاؤ الدین صاحب کابلی رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت مولانا[۳۰] حافظ قمر الدین صاحب امام جامع مسجد سہارنپور مدت فیوضہ بھی اغلب یہ ہے کہ حضرت امام ربانی سے مجاز ہیں مگر اخفا بہت فرماتے ہیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف سے تو اجازت بالفاظ صریحہ ہو چکی ہے
حضرت مولانا[۳۱] قاری مغیث الدین صاحب سابق پوروی دام مجدہٗ گو اپنی حالت کا کمال درجہ اخفا فرماتے ہیں مگر چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے یقیناً خلیفہ ہیں اسلئے میں ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ صاحب حال بلند و مراتب ارجمند ہیں آپکے فیوضات و برکات سے پنجاب کے اضلاع خصوصاً انبالہ کا گرد و نواح زیادہ شاداب و بہرہ یاب ہے ناکارہ مؤلف کی زبان اور قلم میں طاقت نہیں کہ آپ کے حالات جمیلہ بیان کر سکے آپکا نام سب کے آخر صرف اس نیت سے لکھا ہے کہ اپنے حسن خاتمہ کا تفاءل حسن بنجائے۔ ایکاش کہ حسن نسبت سے مولانا مالا مال ہوئے ہیں اسکا شمہ اس خادم آستانہ کو بھی حاصل ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

ممکن ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے خلفاء طریقت اور بھی حضرات ہوں مگر اپنی حالت کو چھپانیکے سبب مجھے انکا علم نہیں ہو سکا اور نہ ذکرہ میں درج نہیں ہوئے چونکہ اس بحث میں احتیاط فرض ہے اسلئے میرے خیال میں جن حضرات کی اجازت متیقن تھی انکو ذکر کر دیا غلبۂ ظن یا قرائن قویہ پر بھی اعتماد نہیں کیا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی دام فضلہٗ کا چونکہ باوجود مخلص خاص خادم ہونیکے حضرت سے مجاز ہونا مجھے معلوم نہیں ہوا اسلئے انکو اس زمرہ میں شامل نہیں کیا ہاں سالگذشتہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طرف سے یقیناً مجاز ہوئے ہزاروں مستفیدین کے نام بیان کر دینا میری طاقت سے باہر ہے اسلئے کچھ نہیں عرض کر سکتا بارك الله في اعمارهم واحوالهم

معنوی کمالات

ہر کس کہ کمال اولیاء را نشناخت	چوں نعمت خاص بے بہا را نشناخت
پس شکر نگفت و حسب ایشان نگزید	میدان بہ یقین کہ او خدا را نشناخت

اس مضمون کی بہت ساری مثالیں اوراق سابقہ میں نظر ناظرین ہو چکی ہیں مگر اس نیت سے کہ بتخصیص اس بحث پر آگاہی حاصل ہو جائے کچھ عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہر ترقی کرنے والی شے پر جب اُسکا وقت آتا ہے ایک خاص حالت اور کیفیت مخصوصہ ظاہر ہوتی ہے جسپر پہونچنے سے اُس شے کے ثمرات و نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً ثمرات کا کمال یہ ہے کہ اچھی طرح پک جائیں اور کھانے کے قابل بنجائیں عقل کا کمال یہ ہے کہ خطا و صواب سمجھنے لگے تاکہ غلطی سے بچے اور راست روی کے پسندیدہ ہونے کے سبب زندگی آرام سے گزر سکے علم کا کمال یہ ہے کہ مضبوط و مستحکم ہو جائے اور حق و باطل میں ہر جگہ اور ہر وقت امتیاز ہو سکے تاکہ حق کے اتباع اور باطل سے اجتناب کی بدولت معلوم شے معمول بنجائے اسی طرح دین اور معرفت الٰہیہ جسکو ایمان اور طریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے اُسکے لئے بھی وہ حالت مخصوصہ ہے جسکو اُسکا کمال کہا جاتا ہے معنوی کمال سے میری مراد یہی کمال ہے جسکا اثر بندۂ مومن کے قلب پر پیدا ہوتا ہے اور جسکا ادراک حقیقت میں بصیرت سے ہوتا ہے مگر اُسکے آثار و علامات جو بدن کے اعضاء و جوارح پر نمایاں ہوتے ہیں وہ ان آنکھوں سے نظر آسکتے ہیں بشرطیکہ دیکھنے والا اس فن کے قانون مجوزہ یعنی شریعت محمدیہ کو آلہ شناخت اور معیار صداقت و کذب قرار دے۔ معرفت الٰہی کا کمال یہ ہے جو تعالیٰ شانہ کی ذات و صفات کا علم ضروری و بدیہی اور حضوری بنجائے شان جلال و جمال اور صفت رحمت و غضب کا اذعان حاصل ہو جائے وجود باری اور قدرت الٰہیہ پر ایمان کے ساتھ اقرار رسالت شامل ہو کر رضا و سخط اور جزا و سزا کا وہ یقین حاصل ہو جائے جسپر طاعات کی رغبت اور معصیت سے نفرت مرتب ہو رضائے خالق کی طلب محبت اور حق تعالیٰ کی ناراضی سے احتراز نفرت متفرع ہو۔

دنیا میں جتنے کمالات ہیں سب زوال پذیر اور ایک دن انحطاط میں آنے والے ہیں مگر یہ معرفت الٰہیہ اور حلاوت ایمان ہی کا خاصہ لازمہ ہے کہ اسکا کمال زمانہ کی رفتار سے بجائے مضمحل ہونے کے

قوت پکڑتا ہے اور جوں جوں گردش فلک کی بدولت مدت گزرتی یا وقت نکلتا ہے دوں دوں اس حالت معنویہ کے کمال میں عروج و ترقی نمایاں ہوتی ہے جس زبان قلب کو اسکی چاٹ لگجاتی ہے وہ اسکا چھوڑنا جانتی ہی نہیں اور جو دل اس مزے سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اسکا شغف و عشق نبھائے بغیر رہ نہیں سکتا

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

یوں تو ہر محبت کا خاصہ ہے کہ قلب میں آئے پیچھے جانا دشوار ہے جو دل حب کی چاشنی سے آشنا ہو جاتا ہے اسکے نزدیک محبوب کی محبت کا بڑھتا رہنا ہی معالجہ نظر آتا اور ہجر و وصل کی یاس و امید کا رنج و انتظار ہی سبب راحت و آرام ہے مگر محبت خدا و رسول کیلئے تو واقع میں اصل محبت ہونے کی وجہ سے گویا لازم اور بمنزلہ جزو لاینفک ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بنکر اسی ایک دروازہ کا ہو رہے اور اس جنون کا اتنا دیوانہ ہو کہ مخلوق مجنون کہنے لگے ارشاد پیغمبر "اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون" اسی کمال محبت کے تحصیل کا شوق دلا رہا ہے اور موتوا قبل ان تموتوا اسی محویت میں فنا ہونے اور مرکھپنے کی تعلیم دے رہا ہے

تداویت منہ لیلی بلیلی من الھوی کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

جسوقت یہ محبت اپنے کمال پر پہونچتی ہے تو قلب جو اسکا محل و مسکن ہے رضائے حق تعالیٰ شانہ کا بندہ بنجاتا ہے یہی حالت اعتدال کہلاتی ہے اور اسی کو قلب کی صلاحیت اور سنورنا کہا جاتا ہے یہی وہ حلاوت ایمان ہے جسکا ثمرہ بمقتضائے حدیث یہ نمایاں ہوتا ہے کہ معصیت کا ارتکاب آگ میں جل مرنے سے زیادہ ناگوار گزرتا ہے۔ قلب میں محبت الٰہیہ راسخ ہوئے پیچھے عمر بھر کے جملہ احوال میں سنت مصطفویہ کا اتباع بسہولت اُن اعضاء بدن کے معمولات اور جوارح کے طبعی حرکات و سکنات بنجاتے ہیں جو واقع میں قلب کے ماتحت ملازم اور صنعت کے آلات و اوزار بنائے گئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ شریعت پر پختگی اور اتباع سنت کا سانس کی آمد و رفت کے مثل طبعی و غیر ارادی بنجانا کمال معنوی کا وہ ثمرہ ہے جسکو ظاہری آنکھیں بھی دیکھ سکتی ہیں اور انجذاب قلبی کا پتہ لگا سکتی ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا سنت کے اتباع میں وہ ثبات قدم جسکو استقامت کہتے ہیں ایسا واضح اور عالم آشکارا ہے کہ محتاج دلیل بنانا بے ادبی کے علاوہ گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے سنت کیساتھ محبت رکھنے والے دنیا میں اور بھی ہیں مگر اصل حبۃ القلب اور سودا دل میں اس محبت کا وہ رسوخ بہت ہی کم نظر آئیگا جسکو محویت و فنائیت کہہ سکیں اور جسکا جسم پر یہ ثمرہ ظاہر ہو کہ کبھی بھولکر یا سہو یا بلا قصد بھی

امر خلاف شرع کا صدور نہو کسی قوم کا سردار وہی شخص بن سکتا ہے جسکو حاکم بالا نے اپنی فہم کے مطابق ساری قوم میں قابلیت کے اعتبار سے افضل و اعلیٰ سمجھ لیا ہو ممکن ہے کہ انسانی تجویز میں غلطی ہو مگر خلاق عالم جس سلیم القلب بندہ کو زمانہ کے اولیاء و علماء اور دیگر عوام الناس کے جم غفیر کا مقتدا و پیشوا بنا کر بٹھلائینگے یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکا معنوی کمال دوسروں کے مساوی یا ان سے بھی گرا ہو پس امام ربانی کا مرجع خلائق اور اس زمانہ کا قطب الارشاد ہونا ہی پیام خداوندی ہے کہ آپ استقامت میں یکتائے زمانہ اور قلبی اعتدال کے اعتبار سے اہل عصر میں افضل و اکرم ہیں۔ امت محمدیہ میں ہر زمانہ کے اندر بکثرت ایسے نفوس قدسیہ رہے جنکو پیغمبر کی تقلید مرغوب رہی اور جنھوں نے ہر فعل و قول میں جادہ شریعت کا سلوک صواب اور سبب نجات سمجھا مگر وہ دقیق مضمون جسکو مراعاۃ حدود اور حفظ مراتب کہا جاتا ہے پختگی کے ساتھ جسدیہ حضرت میں دیکھا گیا سچ یہ ہے کہ کسی دوسرے میں نہیں دیکھا گیا۔ حفظ مراتب لفظ بہت ہی مختصر اور مجمل ہے اسکا مفہوم سمجھنا بھی ہم جیسوں کے نزدیک مشکل امر ہے تمثیلات ہی سے کچھ تھوڑا بہت معلوم ہو جاتا ہے جو جانیکہ اسکی عملی حالت اسکا دشوار و صعب الحصول ہونا اسی سے سمجھ لیجئے کہ ہر صدی کے متعدد طبقات و حالات والے کروڑہا مسلمانوں میں صرف ایک شخص کو حاصل ہوتا ہے جسکو مجدد کہتے ہیں۔

مسلمان حق تعالیٰ شانہ کا محب و متوالا بنکر بھی اس سے مامون نہیں ہوتا کہ یا افراط میں پڑے یا تفریط میں جا پڑے گو منشا کے مستحسن ہونیکی بنا پر یہ نقصان معذوری کے درجہ میں داخل ہو سکتا ہے مگر ضعف پھر ضعف ہے اور نقصان آخر نقصان ہے مغلوب الحال سالک کتنا ہی محبت حقہ میں ڈوبا ہوا کیوں نہ ہو اس بندۂ رضا با ہوش میانہ رو مستقیم الحال ولی کے پایہ کو ہرگز نہیں پہونچ سکتا جو ہر صفت محمودہ میں افراط و تفریط کے مابین کی حالت متوسطہ پر چنگل مارے اور ہر محل و ہر موقع پر خالصاً مخلصاً سنت نبویہ کو دانتوں سے مضبوط تھامے رہے یہی تو سر وہ کمال معنوی اور تحفظ حدود ہے جسکا پروانہ وکذلک جعلناکم امۃ وسطاً میں امت مرحومہ محمدیہ کو عطا کیا گیا ہے جسکی بنا پر بمقتضائے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس بہترین امم ماضیہ قرار پائی اس معنوی کمال کا عطر و لب لباب سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں رکھا گیا تھا جسکی وجہ سے آپ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ قرار پائے کیسی خاص صفت محمودہ میں شغف و مغلوبیت سے انبیاء علیہم السلام بھی بایں کمال و طہارت قلب خالی نظر نہیں آتے ہاں عالم میں اس مقدس و معصوم گروہ میں ایک نسبت محمدیہ ہے جو اس کمال معنوی میں ایسا نظر آئی کہ جو صفت ہو معتدل ہے

اور جو کیفیت مستحسنہ ہے متوسط ہے اگر بغض فی اللہ تھا تو اپنے محل پر اور اسی مقدار پر تھا جو مفید و مناسب ہے اور رافت و شفقت تھی تو اپنے موقع پر اور اسی حد و اندازہ پر تھی جو نافع اور کارآمد ہے۔

شان عبدیت آپکا خاص زیور ہے اور محبوبیت آپکا شاہی عطا خلعت تھا پس اس معنوی کمال میں یکتائی کے بعد آپکو دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح خوارق عادات اور ظاہری معجزات کا دیا جانا ضرور تھا بلکہ سچ پوچھئے تو مناسب تھا کیونکہ معجزات چونکہ ظاہر ہیں اسلئے انکو بصارت محسوس کرتی ہے اور معنوی کمالات چونکہ باطن ہیں اسلئے انکو بصیرت ادراک کرتی ہے ظاہر بینان دنیا کے لئے وہ مستدل ہے اور اہل باطن و دور بینان عالم کے نزدیک یہ دلیل و علامت افضلیت ہے حق تعالیٰ نے نہ چاہا کہ لاڈلے محبوب کی نبوت ظاہر و اہل بصارت کے ان مدرکات سے ثابت ہو جن میں غیر کا شریک ہونا اگرچہ دوسرے زمانہ میں ہو مگر ممکن ہے برخلاف اس کمال معنوی کے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مثل و شبیہ اس مضمون خاصہ میں کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں کہا جا سکتا عوام کا سا بھی اور سہیم ہونا تو معنی چہ۔

اسی طرح اولیاء امت محمدیہ کہ در اصل علماء ہیں بحکم "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" مسند نیابت پر بیٹھکر صرف تبلیغ ہی کے درجہ میں مقلد و تابع نہیں بلکہ حالات و کیفیات قلبیہ میں بھی حسب استعداد نفس اس پاکباز گروہ کے پرتو اور ظل لئے ہوئے ہیں جسکی بنا پر باوجود تقدس نفس و محبت خلاق عالم کسی نہ کسی حال میں مغلوب نظر آتے ہیں کسی پر خلق کا وہ غلبہ ہے کہ سیاست ہاتھ سے جاتی رہی اور کسی پر بغض فی اللہ کا وہ قوی اثر ہے کہ رفق و ترحم کا پلہ نیچا پڑ گیا۔ کہیں خوف و خشیہ غالب نظر آیا اور رجا کا مضمون مغلوب اور کسی جگہ رجا کا پلہ جھکا ہوا دکھائی دیا اور خوف کا پلہ اٹھا ہوا۔ کہیں جمال میں استغراق ہے اور کہیں جلال میں کسی جگہ محویت و فنائیت غالب ہے اور کہیں شان سیاست و انتظام خلق کوئی حالت سکر میں مست ہے اور کوئی صناع بیچون کی صناعیوں کا شیدا اور متوالا۔ کہیں استغنا اس درجہ ہے کہ مخلوق سے وحشت کی نوبت آ گئی اور کہیں شفقت علی الخلق میں وہ افراط ہے کہ کثرت اختلاط کی بدولت اپنے اوقات کا انضباط نہ ہو سکا کہیں یہ اثر ہے کہ پہاڑ پر نظر پڑے تو بیہوش ہو جائیں سیاہ رو حبشی کو دیکھ پائیں تو آہ مار کر گر پڑیں کہ یہ بھی ہمارے خالق جل و علیٰ شانہ کی کاریگری ہے اور کہیں محض عبدیت ہے کہ جو حکم ہو اسکی تعمیل کے لئے طیار ہیں کسی کے قتل کا حکم ہو تو گریز نہیں اور تباہ و برباد کرنے یا جلا کر خاکستر بنا دینے کا امر ہو تو انکار نہیں سب ان کا مشرب ہے کہ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے ۔ شعر

ہر گل کی بُو الگ ہے وضع و ادا جدا ہے | کیا فیض بخش و دلکش گلزار مصطفےٰ ہے

تیرہ سو برس سے عالم میں ہر صدی کے اندر علماء ربانیین میں ایک مقدس نفس ایسا ضرور پیدا ہوا ہے جسکے سر پر روحانیت محمدیہ پرتو افگن ہوئی اور نسبت عبدیت نے قلب پر اپنا رنگ جمایا وہ شخص لولیا زمانہ کا سرتاج اور محبوب رب العالمین کا محب و محبوب بنا اور کمال درجہ پختگی کے ساتھ تابع و متبع سنت مرشد عالم نائب رسول راہبر خلق بنکر دنیا میں آیا کہ اہل عصر کی اصلاح حال کرے اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا کچھ نمونہ دوبارہ دکھا جائے ۔ چونکہ حضرت امام ربانی ایسے آشوب زدہ اور پرفتن زمانہ میں تشریف لائے تھے جسکی بدحالی اپنے پیغمبر سے تیرہ سو برس بعد وجود میں آنے کی وجہ سے بہت ہی بڑھگئی تھی استعدادات پر ضعف غایت درجہ چھاگیا تھا حاذق طبیب سے تنفر و توحش پھیلگیا تھا روحانی امراض کی ادراک کرنے والی قوت قلبیہ گویا بالکلیہ زایل ہوچکی تھی اسلئے اعتدال حالات اور توسط میانہ روی میں کچھ اسدرجہ آپکو استقامت عطا کی گئی تھی کہ بیان ہونا دشوار پڑگیا بجز اتباع سنت کے کہ یہی معنوی کمال کی جڑ اور اصل ہے دوسری کسی حالت کا کبھی آپ پر غلبہ نہیں ہوا ۔ آپ کی سلامت روی اور سادگی کچھ اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ظاہر پرست کرامت پسند مخلوق کا آپکو ولی سمجھنا دشوار تھا چہ جائیکہ سرتاج اولیاء یا مرشد عالم خلاصہ عصر شیخ سمجھا جائے آپکے معمولی حرکات اور روزمرہ کے معمولات پر جس وقت نظر ڈالی جاتی ہے تو ہر ہر فعل کا نمونہ نبوی سوانح میں نکلتا ہے جسکو تطبیق کے ساتھ بیان کرنیکے لئے دفتر چاہیئے اور حق تو یہ ہے کہ پھر بھی حق ادا نہیں ہوسکتا جو کچھ میں عرض کرچکا یا اب کرونگا اسکو پڑھکر ناظرین اوراق بشرط فہم خود یقین کرلیں گے کہ سب اُس کمال معنوی کا ثمرہ ہے جو مذہب اسلام میں اصل کمال سمجھا گیا ہے اور جسکے سامنے کشف و کرامات کے ہزارہا وقائع ہیچ در ہیچ اور لاشے محض ہیں اور جنکی زیبائی قلب اس چاشنی سے آگاہ ہی نہیں اُن کیلئے تطبیق و تمثیل بھی غیر مفید اور بیکار ہے ۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تحریر فرماتے ہیں جب بندہ نے حج کا ارادہ کیا تو باوجود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اجازت و رخصت حاصل کرآنے کے عین روانگی کے دن بذریعہ تحریر میں نے حضرت کو اطلاع دی کہ بندہ آج روانہ ہوتا ہے آپ کے پاس سے جو تحریر آئی اُسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ وہاں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر مجھے بھی یاد رکھنا اور اسکے بعد یہ شعر مسطور تھا ۔

چو با حبیب نشینی و باده پیمائی		بیاد آر محبان باده پیمارا	

یہ اتباع ہے اُس مضمون کا کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کی اجازت بارگاہ رسالت سے چاہی تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ "بھائی وہاں حاضر ہو تو دعا کے اندر ہمیں مت بھول جانا"۔

مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی نے ایک قصیدہ آپکی مدح میں لکھا اور چونکہ مورد عنایات ہونے کی وجہ سے بے تکلف زیادہ تھے اسلئے ہر چند حضرت نے سننے سے تنفر ظاہر فرمایا مگر انھوں نے باصرار سنایا جب ختم کر چکے تو آپ جھکے اور زمین سے خاک اُٹھا کر اُنپر ڈالدی اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہو گئے آپنے فرمایا "منہ پر مدح کرنیوالیکی یہی جزا ہے میں کیا کروں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے"

ایک بار آپ فرمانے لگے کہ میں حج کے لئے روپیہ جمع کیا کرتا تھا پچاس ساٹھ ہو گئے تھے اُنہیں دنوں میں مسلمانوں نے تجارتی شرکت کی ایک کوٹھی کھولی میں نے اپنا روپیہ اُسمیں داخل کر دیا۔ ماشاء اللہ کوٹھی والوں کا دوالہ نکلگیا میں نے اپنا روپیہ معاف کر دیا۔

ایک شخص سہارنپور سے آئے اور عرض کیا کہ حضرت میرا لڑکا بہت بدچلن ہے گھر والے سب مال واسباب تقسیم کرانا چاہتے ہیں مشورہ لینے آیا ہوں کہ تقسیم کر دوں یا نہیں آپنے فرمایا "نہیں تم اپنی زندگی میں کسی کو مت دو اگر دیدیا تو پھر تمکو کوئی بھی نہ پوچھیگا ذلیل ہو جاؤ گے" اسکے بعد فرمایا "بدچلنی بھی ایک مرض ہے اور مرض کے لئے سورہ فاتحہ کافی ہے کسی برتن میں لکھکر گھولکر پلایا کرو"۔

چونکہ یہ صاحب سہارنپور سے آئے تھے اور اُنہیں ایام میں مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوا تھا اسلئے اس قصہ کے بعد آپنے اُن سے دریافت فرمایا "مدرسہ مظاہر العلوم کے جلسہ میں کیا چندہ ہو گیا؟ یہ بیچارے جلسہ میں شریک بھی نہیں ہوئے تھے بتاتے تو کیا بتاتے چپ ہوئے آخر کہنے لگے کہ "حضرت میں جلسہ میں نہیں گیا تھا" اس جواب کو سنکر آپ کو صدمہ ہوا اور رنج کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہوا۔

یہ حالت دیکھکر انھوں نے معذرت کی کہ حضرت اُسوقت میرے پاس کچھ دینے کو نہ تھا اسلئے جلسہ میں جانا نہ ہوا" آپنے فرمایا "میاں اگر دینے کو نہ تھا وہاں شامل تو ہو جاتے کوئی کلمہ الخیر کہدیتے آجکل معلوم بھی ہے دین اسلام کی کیا حالت ہے"؟

مولوی ابو النصر صاحب کی زمین آپکے دولتکدہ کے متصل تھی ایک بار انھوں نے عرض کیا کہ

اس زمین کو اپنے گھر میں ملیجئے اس سے مکان میں وسعت ہو جائیگی آپنے جواب دیا بھائی میں اپنی دن پورے کر چکا مجھے اسکی ضرورت نہیں اس کے بعد انکی دلدہی کے لئے ارشاد فرمایا میں انکار نہیں کرتا مسعود احمد سے پوچھ لیں بنائیں۔

ایک دن پیرزادگان گنگوہ کی خوش اعتقادی کا ذکر تھا حضرت نے کسی شخص کا نام لیکر فرمایا کہ انہوں نے شیخ کے روضہ کی چوکھٹ کو مخمل یا کسی اور کپڑے سے منڈھ دیا تھا کسی کا پاؤں جو چوکھٹ پر پڑ گیا تو وہ اسپر بہت خفا ہوئے کہ بے ادب دیکھتا نہیں حالانکہ حضرت شیخ کے وقت میں اسکا کچھ وجود نہ تھا اور وہ حجرہ جس میں حضرت شیخ اٹھارہ برس تک عبادت کرتے رہے اسکی یہ قدردانی تھی کہ دھوبیوں کے گدھے اسمیں بندھتے اسمیں بندھتے تھے حضرت شیخ کی کافیہ لکھی ہوئی ردّیاں بچی پھرتی تھیں جسپر گدھے پیشاب کرتے تھے پھر مقام ابراہیم کا ٹکڑہ جو حضرت کے پاس تھا اسکی نسبت ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایسی چیز ہے کہ اگر شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ موجود ہوتے تو وہ بھی اسکی زیارت کو آتے"۔

حضرت امام ربانی تبرکات کے نہایت قدردان تھے حق تعالیٰ نے آپکو تبرکات بھی وہ عطا فرمائے تھے جنکا دوسری جگہہ وجود نہ تھا مقام ابراہیم جسکی زیارت سے حرم محترم میں بھی ہزارہا مخلوق محروم رہتی ہے اور اگر زیارت ہوتی ہے تو عموماً رشوت دیکر جو معصیت ہے اسکا ٹکڑا آپ کے پاس تھا جسکو خدام کی خواہش پر آپ صندوقچی سے نکالتے اور پانی میں ڈالکر نکال لیتے اور پانی کو مجمع پر تقسیم کرا دیا کرتے تھے اس نمونی تبرک کی آپ کو اسدرجہ محبت و قدر تھی کہ کبھی معتبر سے معتبر خادم کے بھی حوالہ نہیں فرمایا جسوقت آپ اسکی زیارت کراتے تو مسرت سے باغ باغ ہو جاتے تھے بمقتضائے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ آپنے بارہا یہ الفاظ فرمائے کہ مجھے حق تعالیٰ نے وہ شے عطا فرمائی ہے جو دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ آپکے پاس بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً کی مقدس چوکھٹ کا چھوٹا سا ایک ٹکڑا بھی تھا اسکی محبت و قدردانی بھی اسی درجہ کی تھی بلکہ شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔

اعلیحضرت حاجی صاحبؒ کا عطا فرمایا ہوا مجبہ بھی آپکے پاس تھا یہ بھی انہیں تبرکات کے صندوقچہ میں رہتا تھا جسوقت آپ اسکو نکالتے تو اوّل خود دست مبارک میں لیکر اپنی آنکھوں سے لگاتے اور پھر یکے بعد دیگرے دوسروں کو سر پر رکھنے کا موقع عطا فرماتے تھے اسوقت آپ پر ایک خاص کیفیت ظاہر ہوتی اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اسکو کئی سال حضرت نے پہنا اور پھر مجھکو خصوصیت کے ساتھ عطا

فرمایا تھا جو شخص لیکر آیا تھا اُس سے یوں کہلا بھیجا تھا کہ اسکو پہنا سو کبھی کبھی تعمیل ارشاد کو پہنا کرتا ہوں تبرک ہے رکھ چھوڑا ہے۔

افراط و تفریط دونوں سے بچے ہوئے تبرکات واقعیہ کی محبت تعظیم قدر شناسی حسب حرمیں حسب شیخ حفظ مراتب جیسا حضرت قدس سرہٗ کے یہاں دیکھا گیا دوسری جگہ کم نظر آئیگا۔ آپکی سخاوت اسدرجہ مخفی تھی کہ ہر وقت پاس رہنے والے خدام کو بھی کبھی کبھی پتہ لگ جاتا تھا ورنہ جو کچھ آپکا داہنا ہاتھ خرچ کرتا اُسکی اطلاع شاید بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہوتی تھی آپنے اپنے کنبہ اور اقارب میں بہتیری رانڈ بیوہ عورتوں اور یتامیٰ کی خبر گیری اپنے ذمہ لے رکھی تھی مگر اس طرح کہ انکو اپنی احتیاج اور قابل سلوک ہونیکی اطلاع سے ملال نہونے پائے صلہ رحمی کے لئے ضرورت ہے رشتہ اور قرابت سے واقفیت کی جسکو علم الانساب کہا جاتا ہے سو اکثر دیکھا اور سنا گیا کہ آپ نے اپنی کئی کئی پشتوں کا سلسلہ بیان کیا اور دور دور کے رشتہ داروں کا اپنے ساتھ تعلق قرابت ظاہر فرمایا۔ انکو حضرت امام ربانی کے ساتھ اپنے رشتہ داری کا غالباً علم بھی نہو مگر حضرت فرمادیا کرتے تھے کہ فلاں بن فلاں بن فلاں اتنے واسطوں سے میرا رشتہ دار ہے۔ رامپور حالانکہ آپ کے دادا نے چھوڑا تھا مگر دادھیال کے تمام کنبہ اور برادری کے نام آپکی نوک زبان تھے اور جب کوئی رشتہ دار کتنا ہی بعید علاقہ والا کیوں نہو رامپور سے گنگوہ آتا تو آپکے چہرہ پر اُسکے ملنے سے خاص بشاشت پیدا ہوتی اور ہمدردی ظاہر ہوا کرتی تھی احسان و سلوک میں آپ کی عادت نہایت متوسط اور محمود تھی بخل و اسراف کی کسی جانب کو مطلق غلبہ نہ تھا ایک مرتبہ آپ ارشاد فرمانے لگے کہ جب ہمارا قافلہ حج کے واسطے دوسری مرتبہ مکہ معظمہ گیا تو مولوی محمد قاسم صاحبؒ کی عادت روزمرہ کی یہی ہوگئی کہ ہر روز بلاناغہ دو چار آدمیوں کو کھانے کے وقت دسترخوان پر لا بٹھاتے سب آدمی بھوکے رہنے لگے میں نے کہا کہ بھائی اپنا اپنا کھانا آپ پکاؤ اور کھاؤ بعدہ مولوی صاحب مرحوم سخت بیمار ہوگئے اور مجھسے تنہا بلاکر کہا کہ مجھے اپنی زندگی کی اُمید نہیں ہے اور میرے ذمہ سات سو روپیہ قرض ہوگئے ہیں اگر میرا انتقال ہوجائے تو یہ روپیہ تم ادا کردینا سوائے تمہارے مجھے اور کسی سے اسکی ادائگی کی اُمید نہیں ہے میں نے کہا حضرت بہت اچھا اُسی وقت میں نے وہ رقم ادا کردی اور وہ صحت پاکر واپس بھی آگئے بعد اسکے بعد کچھ نفرمایا کہ وہ روپیہ مولانا سے لیا یا نہیں۔

آپکی توکلانہ گزران اور اسباب معیشت سے بالکلیہ علیحدگی سید المتوکلین جناب رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کی ایام گزاری کا وہ نمونہ تھا جو ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہے لجاجت وطلب مال اور طمع کا شائبہ بھی آپ میں نہ تھا جسکا نام زہد ہے اسکی حالت معتدبہ جیسا آپ کا قلب مبارک مشتمل تھا اسکی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے عام متوسلین کی خدمت کا خیال دو سو سہ تو کس شمار میں ہے جب آپنے رئیسہ بھوپال کی بیعت قبول فرمائی ہے تو اول یہ شرط لگائی تھی کہ میرے ساتھ مالی سلوک نکریں۔

ایک مرتبہ طب کا تذکرہ تھا فرمانے لگے کہ سل کے مریض کو ایک شخص کے سوائے کہیں اچھا ہوتے نہیں دیکھا پیرجی نورالحسن گنگوہی کا نام لیکر فرمایا کہ وہ ناہن پہاڑ پر تھے وہیں بیمار ہوئے اور سخت بیمار ہوئے لوگ انکو لانے گئے وہاں کے ڈاکٹر نے کہا کہ یہ تو یہاں سے اترتے اترتے مرجائینگے غرض کسی طرح وہ گنگوہ آئے اور میرا علاج شروع ہوا۔ میں انہیں دیکھنے جایا کرتا تھا دیکھتا ہوں کہ جو آتا تھا حالانکہ وہ سب تن علیحدہ کردئے جاتے اور جگہ صاف کردی جاتی تھی مگر تپ بھی بدلو سے بُرا حال ہو جاتا تھا غرض وہ اچھے ہوگئے اسکے بعد وہ ریاست پٹیالہ میں نوکر ہوئے وہاں راجہ کے متعلقین میں کسی کو یہ مرض ہوا انھوں نے مجھے لکھا کہ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو بہت کچھ فائدہ ہو ہمنے انکو لکھدیا کہ ایسے فائدہ پر ہونے لگا ہوں مریض کا جی چاہے تو یہاں آوے جہاں تک مجھسے ہو سکیگا علاج کردونگا ؎

زہد وتقوی چیست اے مرد فقیر		لاطمع بودن ز سلطان و امیر	

انکسار اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی تقریر سے اپنی خوبی کا کچھ بھی اثر ظاہر ہوا تو معاً اسکی تردید فرماتے اور اپنے سے اُس انتساب کی نفی فرمادیا کرتے تھے ایکبار حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے خرقہ کا تذکرہ فرمارہے تھے کہ پچاس برس حضرت کے بدن پر رہا ہے اسی ضمن میں فرمایا اسی حجرہ میں حضرت شیخ اور شیخ جلال تھانیسری رہا کرتے تھے بیچ میں دیوار حائل تھی سو کہاں تو فقر کا یہ حال تھا اور اب اسی حجرہ میں دنیا بھری پڑی ہے۔

• جن ایام میں غالباً سرحد پر جنگ واقع ہوئی ایک دن عشا کی نماز کے بعد حضرت ہلکی سی دُلائی اوڑھے چارپائی پر استراحت فرمارہے تھے چند خدام پاؤں دبا رہے تھے اُن میں سے ایک طالب علم نے جو ذرا بے تکلف تھے دریافت کیا کہ "حضرت اس لڑائی کا کیا انجام ہونے والا ہے" حضرت نے ہنسی کیساتھ بیساختہ جواب دیا "میں کیا جانوں مجھے تو دُلائی میں سے تمہارا منہ بھی نظر نہیں آتا"۔

مذہب اسلام کا پاس ولحاظ اور کافر و مسلم کا فرق مراتب آپکی طبعی عادت تھی۔ ایک مرتبہ عصر کا وقت تھا

حضرت امام ربانی صحن میں چارپائی پر تشریف فرما تھے سامنے پورب رخ دوسری چارپائی پڑی تھی اُسپر پائینتی کی طرف آپکے خادم منشی تفضل حسین صاحب بیٹھے تھے حضرت تسبیح پڑھ رہے تھے یکایک آپنے منشی صاحب سے خطاب فرماکہ سرہانے کو بیٹھ جاؤ یہ تکلف سمجھے اور بلحاظ ادب عرض کیا کہ حضرت آرام سے بیٹھا ہوں اسپر آپنے جھڑک کر بتاکید فرمایا کہ سرہانے بیٹھو اسوقت اِنکو تعمیل کرنی پڑی چند ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک ہندو ساہوکار آیا خادم کے سر پر مٹھائی کی ٹھالی تھی اور شاید کچھ نقد بھی تھا رئیس جب سامنے آیا تو اُس نے جھککر سلام کیا اور منتظر رہا کہ بیٹھنے کی اجازت ملے مگر اسکی نوبت ہی نہیں آئی وہ کھڑا ہی تھا کہ حضرت نے پوچھا لالہ تمھاری لڑکی کو آرام ہے؟ اُس نے عرض کیا حضور کے صدقہ سے بالکل آرام ہے اسی خوشی میں یہ مٹھائی خدام کے لئے لایا ہوں آپنے فرمایا اِسکی کچھ حاجت نہیں غرض معلوم نہیں کہ آپ نے واپس فرمادی یا وہیں طلبہ کو بانٹ دی منشی تفضل حسین صاحب فرماتے ہیں اُسوقت میں سمجھا کہ پائینتی اس بنیہ کے لئے چھڑوائی گئی تھی۔

حضرت امام ربانی کی سوانح شریفہ پر نظر ڈالنے سے عقل کو ایک حیرت پیش آتی ہے اور خصوصاً اِس بات پر تعجب بھی ہوتا ہے کہ جو حالت استقامت آہستہ آہستہ اور تدریجی طور پر حاصل ہوا کرتی ہے حق تعالیٰ شانہ نے آپکو ابتدا ہی میں عطا فرمادی تھی مقبولان خدا صاحبدلوں کی سوانح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب الٰہی کے طلبگار بندوں نے جسدن اس راستہ میں قدم رکھا اور اوپر چڑھنا شروع کیا تو بقدر نصیب مقدر آنکو حصہ ضرور ملا اور جیدبدرجہ ترقی کرتے اور مراتب عالیہ پر فایز ہوتے گئے یہانتک کہ جب طاعات سے طبع کو ایسی رغبت حاصل ہوگئی جیسی طبعی پسندیدہ غذاؤں سے ہوتی ہے اور معصیت سے طبیعت کو وہ نفرت ہونے لگی جو نجاست اور گندگیوں یعنی قاذورات اور طبعی مکروہات سے ہوتی ہے تو اصل نسبت حاصل ہوئی جو اصل ثمرہ محبت خدا و رسول ہے اِسکے بعد اس حالت پر جماؤ اور ثبات قدم نصیب ہوا جسکو استقامت کہتے ہیں اب یہ کیفیت ہوئی کہ فنا اور متغیر ہونے والے زمانہ میں لاکھ تغیر ہوں مگر انکا اپنی لذت و کیف میں مصروف رہنا کسی پہلو پلٹا نہیں کھاتا خدا کی بے نیاز شان کا کرشمہ ہے کہ جو مضمون لاکھ برس کے مجاہدہ میں حاصل ہوجانا بھی ارزاں ہے حضرت امام ربانی قدس سرہ کو ابتدا میں عطا فرمادیا گیا پس آپکی سوانح میں اگر کوشش بھی کیجائے کہ واقعات جدیدہ سے ناظرین کو مسرور بنائیں تو مشکل ہے آپکی حالت معتدلہ اور آپ کے قلب سلیم کی استقامت و پختگی نے ساری سوانح کو اتنی بات میں محدود کردیا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک انضباط

اوقات اور پابندی معمولات واتباع سنت مصطفویہ کی ہمیشہ حالت یکساں رہی آپکی ذاتی کیفیات ظاہرہ میں نہ کبھی فرق آیا اور نہ جدت نمودار ہوئی جو زمانہ دوسروں کے تغیر حالات اور بمقتضائے لترکبن طبقا عن طبق اُس عروج وترقی کا تھا جسکو بصارت ظاہری بھی ادراک امتیاز کرسکے حضرت امام ربانی کے لئے وہ زمانہ اپنی استقامت حاصلہ پر ابقاء وثبات اور اتباع سنت پر مداومت ومواظبت کا تھا جس میں باطنی ترقی جسکا تعلق بصیرت سے ہے دن بدن بلکہ لحظہ لحظہ فلحظہ اُس حد پر پہونچ رہی تھی جسکا علم سوائے حق تعالیٰ کے دوسرے کو حاصل نہیں۔

بجز اسکے کہ یوں عرض کردیا جائے حضرت امام ربانی کا قلب خلقی اور فطری طور پر محبوبیت ومحبوبیت حق جل وعلی کا اہل ورشید تھا اور آپ اس صدی میں بطحائی پیغمبر کے طریقہ مرضیہ کو عملی صورت میں دکھانے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ واقعات جو کچھ لکھے جاتے ہیں سب اسی اصل کی فروع ہیں اگرچہ عنوانات مختلف ہیں اور حالات جو کچھ بیان کئے جاتے ہیں بمعنی سب اسی پر متفرع ہیں گو صورتیں متعدد اور جدا جدا ہیں۔

آپکا تحذر آپکی احتیاط اور عالم الاسباب ہیں اپنے خالق کے قائم فرمائے ہوئے نظام پر کاربندی وہ عجیب خصلتیں ہیں جنھوں نے بمدیت کے اعلیٰ طبقہ پر آپکو ممتاز کیا تھا ایک مرتبہ کوئی عرب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے خانقاہ میں اُسکو ٹھیرنے کی اجازت نہ دی اُس نے شہر میں بہتیری شکایتیں کیں اور درزبانی گستاخانہ الفاظ سے آپکو یاد کیا یہانتک کہ بعض خدام کے قلوب میں بھی وسوسہ پیدا ہوا کہ ایسی بے مروتی کیوں کی گئی حضرت امام ربانی اُس خادم کے وسوسہ پر مطلع ہوئے اور چونکہ طالب کی اصلاح ضرور تھی اسلئے ادھر اُدھر کے تذکروں میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "زاین سنگہ سابق انسپکٹر گنگوہ مجھسے کہہ گیا تھا کہ عرب ولایتی واعظ ہولوی اور نامعلوم پر دیسیوں سے بہت احتیاط رکھنا یہ لوگ عموماً جاسوس اور خفیہ پولیس کے ملازم ہوتے ہیں چنانچہ ایک عرب کے پاس سے جاسوسی کی بیاض بھی برآمد ہوئی اسلئے میں ایسے لوگوں سے احتیاط رکھتا ہوں اور خانقاہ میں ٹھیرنے نہیں دیتا اسمٰعیل عرب کو بھی اسی لئے یہاں جگہ نہ دی" کسی نے عرض بھی کیا کہ حضرت اسمٰعیل نے سنا ہے شکایتیں کہیں آپ نے فرمایا خیر ہمیں کسی کی شکایت سے کیا ڈر۔

دنیا میں رہکر جب انسان کو اہل دنیا کی حالت معلوم ہوتی ہے اُسوقت سُبحانہ اور تجربہ حاصل کرتا

جس طرح جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفقت صرف دین کی حیات عطا فرمانے میں محدود نہ تھی بلکہ آپ نے مزرعۃ الآخرۃ کی مستعار زندگی کے باآرام گزرنے کا طریقہ بھی دین کے ساتھ تعلیم فرمایا ہے اسلئے نسبت محمدیہ سے مستفیض ہونے والے اولیاء اللہ بھی کبھی ان احتیاطوں سے غافل نہیں ہوئے جنکو سبب ہونے کے درجہ میں دنیا کی کلفت یا اذیت سے بچاؤ میں دخل ہو جس زمانہ میں شاہ سلطنت خلد اللہ یعنی سلطان حبیب اللہ خاں والی ملک افغانستان نے خاص اپنے سفیر تجارت متعینہ پشاور کے ہاتھ پانچہزار روپیہ آپکی خدمت میں بھیجا اور سفیر صاحب سہارنپور سے گنگوہ کا کچا راستہ دقت کیساتھ قطع کرکے حاضر آستانہ ہوئے تو حضرت امام ربانی نے نذر قبول نہیں فرمائی اور نہ سفیر سلطنت کو خانقاہ میں ٹھہرنے کی اجازت دی ہاں فرمان پڑھوایا اور سنا اسمیں لکھا تھا کہ "پنج ہزار روپیہ بندگان عالی میں پیش کرتا ہوں آیندہ ہر سال اتنی رقم نثار آستانہ ہوتی رہیگی اسکو قبول فرماویں اور معاودہ کا صرف دعا ہے"۔

سفیر ممدوح کا خانقاہ میں نہ ٹھہرانا گو اکثر خدام کے رنج اور تعجب کا باعث ہوا مگر "رموز سلطنت خویش خسروان دانند" جو جو حکمتیں اور راز اس میں پوشیدہ تھیں وہ تو حضرت ہی کو معلوم تھیں بظاہر ایک بڑی مصلحت اسمیں یہ بھی تھی کہ دشمنوں کو موقع ملیگا کہ گورنمنٹ کے کان بھریں اور بغاوت کے الزام لگائیں دنیاوی بادشاہ اور دینی سلطان کے مابین مخلصانہ برتاؤ پر نظر کرنا مشکل ہے صورۃً یہ تعلق کی وابستگی کا اظہار ایذا رسانی کا سبب ہو جائیگا اور کم سے کم اس بہترین مشغلہ میں کسی نہ کسی درجہ خلل انداز ضرور ہوگا جس میں آپ خلوتخانہ گنگوہ کے اندر بیٹھے ہوئے مشغول تھے چنانچہ بعض خدام سے آپنے فرمایا بھی کہ اسلام یا والی اسلام سے بحیثیت دین جو قلب کو علاقہ ہے وہ ہے مگر نذر کے قبول کرنے سے بڑی مضرت کا اندیشہ تھا میں تو اپنی گزار چکا مگر میرے لوگوں پر بدگمانی ہو کر جانے کیا کیا مصیبتیں پڑتیں۔

سفیر نے جب اگلے دن واپسی کا قصد کیا اور رخصتی سلام کو حاضر ہوئے تو درخواست کی کہ امید کبھی یقین نہ کرینگے کہ میں گنگوہ پہونچا اور حضرت نے نذر واپس فرمائی انکو ضرور یہ خیال ہوگا کہ گھر بیٹھے بات بنادی اسلئے میرے حاضر خدمت ہونے کی رسید عطا فرمادیں کہ بارگاہ سلطانی میں پیش کردوں ورنہ نوکری کے ساتھ میری جان بھی جاتی رہیگی اسوقت آپنے سلطانی فرمان کا جواب فارسی زبان میں لکھوا کر قاصد کے حوالہ کیا اور رخصت فرمایا اس جواب کا مضمون نہایت مختصر تھا اور صرف اتنا ظاہر کیا گیا تھا کہ بحیثیت اسلام مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا دل آپکو ہمیشہ دعا دیتا ہے خصوصاً موجودہ حالت محبت اسلام اور قدر دانی

علم کی خبریں سُنکر میں بہت خوش ہوتا ہوں حق تعالیٰ برکت عطا فرمائے آپکی نذر پہونچی مگر چونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہتیرا کچھ دے رکھا ہے جمع کر کے کیا کروں گا اس لئے واپس کرتا ہوں کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے اور مجھے بہر حال دعا گو سمجھئے"

احتیاط تحذر کے علاوہ زہد و استغناء عن الخلق کے لئے آپ کی عمر بھر میں یہ ایک واقعہ کافی تھا مگر جن لوگوں نے آپ کے زہد کو رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں دیکھا ہے اُن کے نزدیک آپکے زہد کی مثال میں یہ قصہ نقل کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔

جسطرح مسائل شرعیہ اور احکام الہیہ میں حکمتوں کا ڈھونڈھنا اور معلوم ہو جانا ضرور نہیں اسی طرح اولیاء اللہ کے حرکات و افعال کی مصلحتیں ہر شخص پر کھلجانی لازمی نہیں ہیں۔ جبکہ ایک عاقبت اندیش اور مدبر دنیادار شخص کی طرف یہ گمان ہے کہ وہ بلا کوئی گہرا فائدہ سوچے قدم نہیں اٹھاتا پھر عالی اقدام اور معقلی عقول والے صاحبدلوں کے معمولات کا کیا پوچھنا؟ ہو نہیں سکتا کہ ان حضرات کا کوئی کام مصلحت دینیہ سے خالی ہو اگرچہ ہم ناقص العقل دنیاداروں کی سمجھ میں نہ آئے اسی لئے بزرگان دین کے اقوال و افعال پر اعتراض اور ردّ و گیر سے قلباً و لساناً احتراز کو تصوف میں عین ادب اور موجب فیضان سمجھا گیا ہے پس کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ امور مباحہ جو حضرت امام ربانی سے ظاہر ہوتے تھے انکی حکمتیں مصالح اور رموز دوسروں پر ظاہر ہوں یا کوئی شخص معلوم کرنیکی خواہش کرے اور اُسکو بتادی جاویں مگر پھر بھی حضرت کی سوانح شریفہ اس سے بھری ہوئی ہے کہ آپ اپنے خدام کو تنزیہ سہو و سوس یا تعجب و تحیر میں ڈالے رکھنا پسند نہیں فرماتے تھے اہلیت پاکر وجہ بیان فرماتے اور خطرات کو مٹا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ استاذی مولانا عبد المومن صاحب حاضر خدمت تھے دل میں وسوسہ گزرا کہ بزرگوں کے حالات میں زہد اور فقر و تنگدستی غالب دیکھی گئی ہے اور حضرت کے جسم مبارک پر جو لباس ہے گو مباح و مشروع ہے مگر بیش قیمت ہے" حضرت امام ربانی اُسوقت کسی شخص سے باتیں کر رہے تھے دفعۃً اُدھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ "عرصہ ہوا مجھے کپڑے بنانے کا اتفاق نہیں ہوتا لوگ خود بنا بنا کر بھیجدیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ تو ہی پہننا اُنکی خاطر سے پہنتا ہوں چنانچہ اسوقت بدن پر جتنے کپڑے ہیں سب دوسروں کے ہیں اور مستعار ہیں چند روز بعد اپنے اپنے کپڑے آکر لیجائیں گے اور جب خود بنانا تھا تو کاڑھے اور دھوتر ہی کے بنایا کرتا تھا" یہ فرما کر پھر پہلے شخص کی باتوں میں مشغول ہو گئے حاضرین کو

تو یہ تقریر بے محل اور جملہ معترضہ معلوم ہوئی مگر مولانا کی جنکے خطرہ نفس کا جواب تھا نظر سے پیشانی پر پسینہ آگیا۔
سچی تواضع اور انکسار نفس جتنا امام ربانی میں دیکھا گیا دوسری جگہ کم نظر سے گزریگا حقیقت میں آپ اپنے آپکو سب سے کمتر سمجھتے تھے بحیثیت تبلیغ جو خدمت عالیہ آپکے سپرد کی گئی تھی یعنی ہدایت و رہبری اسکو آپ انجام دیتے بیعت فرماتے ذکر شغل بتلاتے نفس کے مفاسد و قبائح بیان کرتے اور معالجہ فرماتے تھے مگر باایں ہمہ اسکا کبھی وسوسہ بھی آپ کے قلب پر نہیں گزرتا تھا کہ میں عالم ہوں اور یہ جاہل میں پیر ہوں اور مرید میں مطلوب ہوں اور یہ طالب مجھے ان پر فوقیت ہے اور برادر جہان کے اوپر ہے کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ آپنے اپنے خدام کو خادم یا متوسل یا منتسب کے نام سے یاد فرمایا ہو ہمیشہ اپنے لوگوں" سے تعبیر فرماتے اور دعا میں یاد رکھنے کی ضرورت اپنے لئے طالبین سے بھی زیادہ ظاہر فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ تین شخص بیعت کے لئے حاضر آستانہ ہوئے آپنے انکو بیعت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم میرے لئے دعا کرو میں تمہارے لئے دعا کروں بعض مرید بھی پیر کو ترالیتا ہے"۔

یہ عمل ہے اس حدیث پر جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری امت کو عام حکم فرمایا ہے کہ "ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی سے دعا کرانی چاہئے کہ اپنے نفس کی بہ نسبت دوسرے کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے" آپ حقیقت میں اپنے آپکو خدام بلکہ عام مسلمانوں کی دعا کا جتنا حاجتمند سمجھتے تھے شاید عام خدام اپنے آپکو آپکی دعا کا اتنا محتاج نہ سمجھتے ہوں منصب تعلیم و ارشاد میں آپ اپنے آپکو مامور من اللہ اور خادم و متبع رسول اللہ سمجھکر مرید فرماتے اور بمقتضائے سید القوم خادمہم آپکی یہی خدمت آپکو سردار بنائے ہوئے تھی مگر خادمیت کا اذعان اسدرجہ بڑھا ہوا تھا کہ اسکی بدولت مخدومیت کے حصول کا خطرہ بھی کبھی آپکو نہ ہوتا تھا تینوں مریدوں سے دعا کی درخواست کے بعد آپنے ایک فصل فرمایا جس سے اپنی احتیاج کی واقعیت اور طلب نجات و رضائے حق کی ضرورت میں اپنا دوسروں کے مساوی ہونا اچھی طرح ظاہر فرمادیا جسکا نام تواضع ہے آپنے ارشاد فرمایا شیخ صنعان بڑے کامل ولی تھے ایک دفعہ معہ زمرہ مریدان حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے راستہ میں کسی شہر پر گزر ہوا تو ایک عیسائی عورت پر طبیعت آگئی سب اعمال چھوڑ چھاڑ اسکے در پر ہو بیٹھے جب اس نصرانیہ کو خبر ہوئی تو اس نے کہلا بھیجا کہ چار شرطیں منظور کرو تو مجھے حاصل کرسکتے ہو انھوں نے شرائط دریافت کیں نصرانیہ نے کہا اول تو زنار پہنو دوم قرآن مجید کی بیحرمتی کرو تیسری سیر سوروں کو چرانا ہوگا جو تمہیں شراب پینی پڑیگی شیخ صنعان نے قرآن مجید

کی بے ادبی تو گوارا کی نہیں باقی تینوں شرطیں مان لیں اور وہ نصرانیہ آئی۔ مریدوں نے جب پیر کا یہ حال دیکھا تو چھوڑ چھاڑ چلدئے کچھ تو مکہ چلے گئے اور باقی اپنے اپنے گھر واپس ہو گئے۔ مکہ جانے والوں نے حج کیا اور حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہاں شیخ صنعان کے مرید تھے عطار اُن سے بھی ملے اور مرشد کی تباہی بیان کی انھوں نے کہا "افسوس تم نے برا کیا کہ انکو چھوڑ کر چلے آئے جب پیر کی بدحالی دیکھی تھی تو تمکو چاہیئے تھا کہ اصلاح کی فکر کرتے اور اُن کے لئے دعا مانگتے کہ حق تعالیٰ اصلاح فرمائے وہ مقلب القلوب ہے اُسکے نزدیک کون بڑی بات تھی"؟ اُس وقت انہیں بھی افسوس ہوا کہ واقع میں یہ خیر خواہی کی بات نہ تھی چنانچہ سب لوگ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور رو رو کر ہدایت مرشد کی استدعا کی۔ دعا قبول ہو گئی اور یہ بشارت لیکر شیخ صنعان کی طرف دوڑے کہ سنا دیں وہاں شیخ صنعان کی یہ حالت ہوئی کہ آنکھ کھلی اور زنار توڑ ڈالا سو انکو چھوڑ چھاڑ وہاں سے چلدیئے نصرانیہ عورت نے جسکے پیچھے شیخ کا یہ حال ہوا تھا جب یہ دیکھا تو وہ بھی مسلمان ہو گئی اور ان کے ساتھ ہی ساتھ وہاں سے چلدی"۔ اسکے بعد حضرت نے فرمایا تو میاں اسی طرح بعض مرید بھی اپنے پیر کو لغزش سے بچا لیتا ہے۔

سنت کے ساتھ آپکی محبت کا اندازہ ہونا بھی مشکل ہے اتباع طریقہ مصطفویہ میں افراط اور تفریط دونوں سے آپکو نفرت تھی اور دیگر خصائل محمودہ کی طرح اس اصل مضمون میں بھی آپکو میانہ روی پسند تھی کسی شخص نے زمانہ کے غیر مقلدین کی بابت دریافت کیا کہ شریعت کیا حکم دیتی ہے تو آپ نے یوں تحریر فرمایا کہ "بے علم لوگ جو مشکوٰۃ کا ترجمہ دیکھکر عامل بالحدیث ہونے کے مدعی ہیں انکو مفسدین امت میں میں سے جانتا ہوں البتہ جو سنت کی محبت سے بلا شر و فساد آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ کرے اسکو برا نہیں جانتا مگر سلف پر طعن کرنے والوں سے قطع کرتا ہوں۔

نفسانیت کے فروعی نزاع اور عصبیت و جہالت کے اختلاف سے آپکو غایت درجہ نفرت تھی جہالت کے مناظرے اور مباحثے میں آپ بفس نفیس تو کیا دلچسپی حاصل فرماتے دوسروں کو اس لغو مضمون میں مشغول پاتے تو تعجب فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ضموا اور دوا کا جھگڑا آپکے سامنے پیش ہوا تو اس طرح جواب تحریر فرمایا کہ "ت ط ص س ث ز ذ وغیرہا حروف کو ایک دوسرے کی جگہ پڑھتے ہیں اور کوئی اختلاف نہیں کرتا ض میں اختلاف ہوا کہ کس طرح ادا کیجائے عجب بات ہے

یہ حرف نہ مشابہ دال کے ہے نہ ظا کے اسکو ایسا پڑھے کہ سب سے الگ رہے۔ یہ جھگڑا بھی نفسانیت کا ہے ایسی باتوں کے پیچھے پڑنا دین کی بات نہیں۔ یہ مسئلہ علماء سے پوچھنے کا نہیں ہے اگر زیادہ تحقیق منظور ہو تو قاریوں سے دریافت کرو۔

بدعات سے اسدرجہ احتراز تھا کہ حضرت امام ربانی نے وہ امور مباحہ بھی ترک فرمادئے تھے جن سے دیکھنے والے کو بدعت کی جانب میلان کا واہمہ پیدا ہو یا صورۃً استناد و استدلال اسکے ایک مرتبہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میں اول بار حاضر ہوا اور بیٹھا ہوں مگر بندعین کے باعث عرصہ سے اسکو ترک کردیا اب حاضری کیلئے بہت طبیعت بیقرار ہوتی ہے مگر اس خیال سے نہیں جاتا کہ پیرزادے کہیں گے اب پھر ادھر کو جھک آئے اور بدعات کی طرف مائل ہوگئے اس اندیشہ کے سبب یہیں سے سلام پر اکتفا کرتا ہوں ادھر جانیکا قصد بھی نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپکو اطلاع دی کہ فلاں شخص امام مسجد بوچران کوہ شملہ جو آنحضرت سے بیعت کا تعلق رکھتے ہیں مجالس مولود موجہ اور تیجا دسواں وغیرہ بدعات میں شریک ہوتے ہیں اور کوئی اعتراض کرتا ہے تو حضور کی اجازت بیان فرماتے ہیں اسپر حضرت امام ربانی کو نہایت غصہ آیا اور فوراً جواب لکھا کہ جو شخص ان کو کرے اور میرا نام لے وہ کاذب ہے اسکو اس پرچہ کے ذریعہ سے فہمایش کرو اگر باز آوے بہتر ورنہ بیعت فسخ ہو جائیگی"۔

جن مسائل غیر ضروریہ کے اظہار میں فتنہ کا اندیشہ اور عوام کے ابتلا کا واہمہ ہوتا آپ طبعاً اسکے بیان سے منتفر اور محترز تھے ہاں بحیثیت تبلیغ خواص کے مجمع میں اسکو ظاہر ضرور فرماتے مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا کرتے تھے کہ عوام میں اسکا چرچا نہو ورنہ مخلوق ڈوبے گی یہ ثمرہ تھا اس شفقت علی الخلق کا جو راہبر زمانہ اور ہادی وقت ہونے کے درجہ میں آپکے قلب کے اندر منجانب اللہ ودیعت رکھی گئی تھی باایں ہمہ دوسروں کے شہرت دینے یا کسی غیر اختیاری سبب پیدا ہو جانے سے اگر اس مسئلہ کا افشا ہو جاتا تو راضی برضا ہو کر ان ایذاؤں کو آپ نہایت استقلال اور جوانمردی کے ساتھ برداشت فرماتے تھے جو عوام الناس یا مخالفین علماء کی طرف سے آپکو پہونچتی تھیں باختیار خود اپنے خدائی امتحان میں اپنے نفس کو نہ ڈالتے تھے اور نہ ایسی آزمایش پر کبھی جرأت فرماتے تھے آپ حق تعالیٰ کے مقبول و مطیع بندے تھے شان عبدیت آپکے ہر قول و فعل اور حرکت و سکون سے

ظاہر ہوتی تھی اپنے آپکو نہایت درجہ عاجز اور قاصر و مقصر خیال فرماتے تھے حق تعالیٰ کے ابتلا ثابت قدمی کا آپ دعویٰ تو کیا فرماتے کبھی اسکا وسوسہ بھی نہیں گزرتا تھا کہ مجھے لغزش نہوگی اور میں گھبراؤنگا نہیں مگر اسکے ساتھ ہی بلا قصد و خیال جسوقت ابتلا پیش آتا اور آپکے مراتب عالیہ میں ترقی عطا فرمانے کے لئے صبر و تحمل کی جانچ کیجاتی تو پھر آپسے زیادہ مستقل مزاج عالی ظرف بردبار صابر شاکر اور ہر کہ دمہ کی ہزار ہا بدگوئیوں کو خدا پر حوالہ کر دینے والا شخص زمانہ میں دوسرا نہ تھا امکان کذب جلت غراب وغیرہ مسائل سب اسی قبیل سے ہیں جنکو صلابت معلوم ہے ان کیلئے امام ربانی کے یہ دونوں وصف بصیرت و عقیدت بڑھانے کا سبب ہوئے اور انھوں نے جان لیا کہ حقیقت میں شان عبدیت کیا چیز ہے مولوی ولایت حسین فرماتے ہیں کہ عرصہ بارہ تیرہ سال کا ہوا میں فقہی کتب بینی میں مشغول تھا دفعۃً چند روایات دیکھکر میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ یہ دیسی کو جو عام آدمی حرام سمجھے ہوئے ہیں احناف کے نزدیک تو حلال ہے میں نے اپنے خیال کی تصدیق کو گنگوہ کی حاضری پر محوّل رکھا چنانچہ جب حاضر آستانہ ہوا تو اتفاق سے مجلس شریف میں کوئی شخص کہنے لگے کہ کوّی غلّہ تو بہت نقصان پہونچاتے ہیں میں نے کہا فقہ کی کتابوں میں تو اس کوّی کو حلال لکھا ہے حضرت امام ربانی میری اس تقریر کو سن رہے تھے مسکرائے اور فرمایا "ہاں کھانا شروع کردو کسی طرح تو کم ہوں" اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ "بعض مسائل فی نفسہ حق ہوتے ہیں مگر انکی اشاعت میں فتنہ ہوتا ہے" قصہ مختصر گزشت ہوا کہ دس بارہ سال کے بعد اتفاقیہ کسی شخص کے استفسار پر جب حضرت نے یہی مضمون جلت ظاہر فرمایا تو بات پھیلی اور پھر جو کچھ عوام میں شور و غوغا ہوا وہ سب نے دیکھا۔ اسکو حضرت امام ربانی کی کرامت یا کشف کہئے یا ذکاوت و فراست کہ اشاعت کو عوام کے فتنہ اور شور و شغف کا سبب ارشاد فرمایا جو کچھ بھی ہو تاہم وہ دونوں اوصاف جنکا پایا جانا مرشد عالم میں لازمی ہے ظاہر ہو گئے اگر آپکو فتنہ سے طبعاً احتراز نہوتا تو مولوی ولایت حسین صاحب کی تقریر پر تصویب و تصدیق فرما کر بار بار ذکر فرماتا یا تحریراً شائع کر دیتا کون بڑی بات تھی؟ یا یہ کہ شور و شغب پر اظہار کرنے والے یا فتویٰ پوچھنے والے کی تلاش اور اسپر عتاب و غیظ و غضب ظاہر ہوتا یا کم سے کم ان عامی اشخاص کی بدگوئیوں و دستاخ تحریروں پر سبھوں نے باوجود عربیت سے ناواقف ہونے کے سب کچھ سن تو انہاں بگھار دیں آپ سنجیدہ و متحمل ہوتے اور ندامت و افسوس فرماتے بخدا کچھ نہیں ہوا اگر ہوا تو یہ کہ جب بعض مخلصین نے حالت زمانہ

ظاہر کی تو آپ نے فرمایا "مجھے کیا خبر تھی کہ حق تعالیٰ نے اس مسئلہ میں اسقدر اجر رکھا ہے"۔

حضرت امام ربانی باوجود اس مجاہدہ اور اتباع سنت میں سرتاپا محویت و فنائیت کے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کا ہر وقت قصوروار اور خطاکار سمجھتے تھے زبان ہی سے نہیں بلکہ آپ کا دل اسکو مانتے ہوئے تھا کہ معبود کا حق عبدیت ادا نہیں ہو سکا اور نہ سنت نبویہ کا پورا اتباع نبھ سکا۔ اپنی کوتاہی کا اعتراف و اذعان گو فی نفسہ محمود اور ذریعہ قرب الٰہی ہے مگر اسکے ساتھ ہی ایقین کی بدولت ہر وقت آپکی ہمت میں بلندی اور شوق و رغبت وصول الی اللہ میں زیادتی اور علو پیدا ہوتا تھا جو ہر آن اور ہر لحظہ آپ کو مراتب علیہ پر ترقی دے رہا اور ولایت کی غیر متناہی معراج پر سیڑھی پر سیڑھی چڑھا رہا تھا۔ ایک مرتبہ غالباً مولانا مظفر حسین صاحب کا نام لیکر آپنے فرمایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے اس زمانہ میں نماز روزہ تو بڑھ گیا مگر اخوت اور ہمدردی کم ہو گئی اسکے بعد آپنے افسوس کے ساتھ ارشاد فرمایا دیکھ لو بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی زمانہ ہوا جایا نہیں جاتا ہوں حالانکہ خدام آستانہ نے بارہا دیکھا ہے کہ جب امام ربانی کھانا کھانے تشریف لیجاتے تو دروازہ پر پہونچکر خادم سے پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ "بھائی صاحب کے یہاں کھانا گیا؟ خادم کبھی تو یہ جواب دیتا کہ جا چکا اور کبھی یوں کہتا کہ لئے جاتا ہوں اس سے زیادہ ہمدردی کیا ہو گی مگر حضرت امام ربانی کے نزدیک یہ اخوت بھی وہ اخوت نہ تھی جسکے حاصل کرنے کا آپکا قلب سلیم مشتاق تھا ملاقات نہونے کا سبب دونوں حضرات کی معذوری تھی مگر پھر بھی حضرت چاہتے تھے کہ موجودہ حالت سے زیادہ ہمت فرمائیں

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذاکرے آپ بڑے جوش کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ جنگ جمل کا تذکرہ فرمایا اور اسی ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار تھیں لڑائی میں اس اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے گئے تھے مگر تب بھی اونٹ محمل لئے کھڑا رہا یہ حضرت صدیقہ کی کرامت ہوئی۔ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا تذکرہ فرمایا تو آپ آبدیدہ ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے یہ واقعات آثار میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے جو مسلمانوں کے قلب میں ہونی چاہئے اور جسکے بغیر ایمان کسی کا بھی کامل نہیں ہوتا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تقریر کا کچھ ایسا نرالا انداز تھا کہ آپ شریعت و طریقت کے مسائل سب ہی کچھ بیان فرماتے مگر کسی لفظ میں اپنے نفس کی جانب کسی کمال کا انتساب اشارۃً بھی ہوتے پاتا تھا ایکمرتبہ حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہی نے کَانَ الْاِنْسَانُ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی تفسیر دریافت

فرمائی ظاہر ہے کہ مولانا عالم تھے اور عالم بھی خصوصاً فن تفسیر میں مشہور اسلئے مقصود مولانا کا آیۃ مقدسہ کے دوسرے ہی مطلب کا ظاہر کرانا تھا چنانچہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ صوفی تو اسکو مدح پر حمل کرتے ہیں کیونکہ عاشق کی یہی شان ہوتی ہے کہ معشوق کی باتوں کو جاہل نادان بنکر اپنے نفس کو ستا کر اور مشقتوں میں ڈالکر بھی مان لیتا ہے۔

ہر چند کہ آپکی تقریر اظہار حالی سے محترز تھی مگر حق تعالیٰ شانہ کی وہ محبت جو آپکے دل فیض منزل میں پلا دی گئی تھی آپکے ضبط کئے ضبط نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ خدا کا رنگ تھا جس میں مقبولان بارگاہ احد کو رنگ دیا گیا ہے اسلئے باختیار نہ سہی بلا اختیار آپکی تقریر پر اندرونی حالت کا اثر نمودار ہوتا تھا ایکبار عید کے دن خطبہ میں آیۃ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کا آپنے وعظ فرمایا تو لیعبدون کا ترجمہ یوں فرمایا "تاکہ وہ میرے غلام بنے رہیں" اور پھر فرمایا کہ غلام کی شان یہ ہے کہ اسکے جان و مال سب مالک کے ہوتے ہیں اسکو ان میں کسی قسم کے تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا حضرت امام ربانی نے اس تقریر کو نہایت بسط اور عام فہم الفاظ میں بیان فرمایا وعظ کا جو لطف تھا وہ حاضرین کے لئے مخصوص تھا خصوصاً قائل کی قلب سے موافقت کرنے والی زبان سے بیان ہوتے وقت اسلئے اگر اب سارا وعظ نقل بھی کیا جائے تو وہ لذت کہاں؟۔

حق تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کو ذکاوت اسدرجہ عطا فرمائی تھی کہ بہت جلد بات کی تہ پر پہونچتے اور تشفی بخش جواب بیساختہ دیا کرتے تھے آپ علماء زمانہ کے پیشوا تھے اذکیاء جس مضمون میں عاجز ہوتے اور فہم رسا کی جس جگہ رسائی دشوار سمجھتے تھے ان باتوں کو حضرت امام ربانی سے دریافت کرتے اور حضرت بے تکلف ایسا جواب عطا فرماتے کہ سننے والا حیران ہو جاتا تھا ایک مرتبہ یاجوج و ماجوج کا تذکرہ تھا حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یاجوج و ماجوج حق تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں یا بالکل ہی جاہل ہیں؟ آپنے بیساختہ فرمایا جانتے کیوں نہیں حدیث میں آیا ہے کہ جب انشاء اللہ کہیں گے تو اگلے دن دیوار کو چاٹ کر باہر نکل آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو جانتے ہیں"۔

حضرت کی یہ ذکاوت طبعی اور فطری تھی جسکو حق تعالیٰ نے آپ میں ابتدا ہی سے ودیعت رکھا تھا مولوی ڈپٹی کریم بخش صاحب مفتی ریاست گوالیار جو دہلی کی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت کے ہم سبق رہ چکے ہیں ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب گنگوہی سے فرمانے لگے کہ تمہارے حضرت سے

ملاقات ہوئے مجھے پچاس سال کا عرصہ ہوا اب تو حضرت کے علم کی شہرت ہونی ہی چاہیئے کہ ایسا حنفی عالم دوسرا نظر نہیں آتا مگر ہمنے طالبعلمی کے زمانہ میں دیکھا ہے کہ سارے طالب علم مولوی صاحب سے ڈرتے تھے اور مدرسے کے طلبہ نے مولانا کا لقب ھل من مبارز رکھ چھوڑا تھا بلکہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زمانہ طالبعلمی میں یہ حالت نہ تھی" مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی نے جب ڈپٹی صاحب کا قول نقل کیا تو حضرت مسکرانے لگے اور بہت دیر تک ڈپٹی صاحب کا حال دریافت فرماتے رہے۔

جن دنوں حضرت امام ربانی جناب مولوی کریم بخش صاحب پنجابی کی خدمت میں پڑھا کرتے تھے ایک طالب علم ولایتی دہلی میں آیا جسکو دعویٰ تھا کہ مجھے یہاں کوئی عالم پڑھا نہیں سکتا یہ شخص شافیہ پڑھتا تھا مولوی کریم بخش صاحب کو طالب علم کا دعویٰ پسند نہ آیا سبق ہو رہا تھا حضرت امام ربانی شریک جماعت تھے جب فراغت ہوئی تو مولوی کریم بخش صاحب نے ارشاد فرمایا کہ رشید احمد کو یہ تو اجازت دیدے اور یہ شافیہ ہے اس ولایتی کو سبق پڑھا کر آؤ یاد رکھنا اگر بچا دیکھکر آئے تو سر گنجا کر دوں گا حضرت امام ربانی کتاب بغل میں دبا کر اٹھے اور سیدھے طالب علم کے پاس پہونچے باتوں باتوں میں کتاب کھولی اور بحث شروع کر دی یہانتک کہ ولایتی طالب علم جسکو اپنی استعداد پر ناز تھا حیران ہو گیا اور آخر کار یہ لفظ کہے کہ ہمیں پوری کتاب دوہرا دو اسوقت حضرت نے کتاب بند فرما دی اور کہا پڑھانا منظور نہیں صرف ناک کاٹنی تھی کہ دہلی میں جن علماء کے متعلق یہ خیال ہو کہ پڑھا نہ سکیں گے ان کے ادنیٰ شاگرد نے زچ کر دیا" یہ فرما کر مولوی صاحب کے پاس چلے آئے اور فرمایا کہ حضرت پڑھا آیا اور مات دے آیا

آپکی ذکاوت اور خداداد استعداد بجائے خود معنوی کمال ہے اسپر طرہ یہ کہ باایں علو مرتبت آپ اپنے کو ادنیٰ سے ادنیٰ طالب علم کی برابر بھی نہیں سمجھتے تھے ایک مرتبہ تدریس کے زمانہ میں جبکہ آپ کی حسن تقریر پر بعض طلبہ نے آپکی تعریف کی تو بیساختہ خلاف عادت آپکی زبان سے قسم نکلی اور آپنے یوں ارشاد فرمایا کہ بخدا میں اپنے آپکو تم میں سے ادنیٰ طالب علم کی برابر بھی نہیں سمجھتا یہ ہے وہ کمال جسکی نظیر ملنی مشکل ہے ذکاوت حق تعالیٰ نے بہتیروں کو دی ہے گو حسب نصیب مقدر متفاوت ہے مگر اول تو مطلقاً علم کے ساتھ فروتنی کا اجتماع دشوار نظر آتا ہے چہ جائیکہ کمال علم کے ساتھ کمال فروتنی ایں است کمال واکمل یرل دیزال۔

صغار پر رحم و شفقت اور کبار کا ادب جو ذکر کیا آپکا طبعی امر تھا جسمیں کبھی خلاف نہیں ہوتا تھا آپکے

خدام اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے پاؤں دبانے حاضر ہوتے تو آپ پاؤں دبواتے اور انکو اصلاح حال کا موقع دیا کرتے تھے مگر اسکے ساتھ ہی ذرا سی دیر ہوئی تو نہایت شفقت کے ساتھ فرماتے "بس بھائی جاؤ سو رہو بارک اللہ"۔

ایک مرتبہ میاں سعید سلمہ کو کسی شرارت پر صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب نے ڈانٹا اور کہا "او خبیث" حضرت امام ربانی نے یہ کلمہ سنا اور بیساختہ یہ فرمایا کہ "یہ کیوں ہوتا خبیث" میاں سعید کو گلے لگالیا اور دیر تک لگائے رکھا۔

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جان نثار خادم اور عاشق جاں باز تھے جب تشریف لاتے بے اختیار حضرت کے قدموں پر بوسہ دیتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا کرتے حضرت امام ربانی شرماتے اور یوں فرمایا کرتے کہ "مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں آپ میرے بڑے ہیں مجھ پر آپکا ادب ضروری ہے آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھے بڑی شرم آتی ہے" مولوی محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ صاحب بصیرت تھے حضرت کی علو شان و مرتبت اور اپنی فرط محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے وہ انکا طبعی اقتضا تھا مگر حضرت امام ربانی کبر سن کے پاس و لحاظ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے۔

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے دادا بوڑھے شخص تھے اسکے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے قلب میں نور عطا فرما رکھا تھا جسکی وجہ سے حضرت امام ربانی کے مرتبہ شناس تھے جب تشریف لاتے تو اس قدر عقیدت و اخلاص کے ساتھ خادمانہ برتاؤ کرتے کہ دیکھنے والے انکو حضرت کا مرید سمجھتے تھے ایک بار مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے دادا صاحب آپکے معتقد ہی تھے یا بیعت بھی تھے؟ آپ نے فرمایا کہ بیعت تو قاضی مولوی محمد حسن صاحب مرحوم سے تھے مگر اعتقاد میں مریدوں سے بھی زیادہ تھے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حجرہ کے اندر بیٹھا بخاری شریف کا سبق پڑھا رہا تھا تمہارے دادا صاحب آئے باوضو تو تھے مگر لوٹا پانی کا بھر کر پیر دھو کے حجرہ میں داخل ہوئے بوڑھے ہو کر ان کا یہ برتاؤ میں نے دیکھا تو بہت شرمایا اور میں نے کہا کہ حضرت مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو انھوں نے جواب دیا آپ کی بڑی شان ہے شاید میرے پیر میں کوئی شے لگی ہو۔

بڑوں کی توقیر اتباع سنت کے سبب معنوی کمال ہے مگر اسکا اپنے مرتبہ پر رکھنا اس محافظۃ حدود میں داخل ہے جسکو دقیق کمال کہا جاتا ہے اور جسکا وجود نادر دکمیاب ہے باوجودیکہ امام ربانی اپنے سے زیادہ عمر والوں کا ادب فرماتے تھے مگر یہ ممکن نہ تھا کہ خلاف شرع امر میں ان کے ادب اور لحاظ کی وجہ سے سکوت یا مداہنت فرماویں۔ یہ ادب جس سے ادب نبوی میں فرق آئے حقیقت میں بے ادبی اور ضعف قلبی ہے جس سے اولیاء اللہ محفوظ رکھے گئے ہیں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے دادا جنکا ابھی تذکرہ ہوا ایک مرتبہ زوج مفقود الخبر کے متعلق استفتا لائے جس میں حضرت امام ربانی کی رائے اور دنکی رائے کے خلاف تھی اسلئے آپنے بلاحرج کئے اسکو واپس فرمادیا اور کہدیا کہ میرے نزدیک ٹھیک نہیں ہے میں دستخط نہ کروں گا۔ مولوی صاحب نے ایک مرتبہ اس قصہ کا تذکرہ کیا حضرت نے فرمایا تمھارے دادا کا اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق عمل تھا اس لئے میں نے اسوقت اسپر مہر نہیں کی اب چونکہ شہر شہر ریل اور تار جاری ہے مفقود الخبری بھی مفقود ہوگئی اس لئے اب میرا بھی عمل موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہے۔

ایک بار مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے دادا صاحب اتنے محتاط تھے کہ ہندو دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑے کو جب تک خود نہ دھولیں پہنتے نہ تھے حضرت نے بیساختہ ارشاد فرمایا یہ تمھارے دادا صاحب کا وہم تھا ورنہ شرعاً ہندو دھوبی کے یہاں کے دھلے کپڑے ناپاک نہیں ہیں دیکھو اگر یزید کی ولایت سے کسقدر پارچہ آتا ہے اسے کون ناپاک کہیگا آخر سب پہنتے ہی ہیں۔

چونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی قوم کا سردار تمھارے پاس آئے تو تم اسکا اکرام کیا کرو" اسلئے حضرت امام ربانی کی خدمت میں اگر مخالفین کی جماعت میں سے کوئی بڑا شخص آتا تو آپ اسکے اکرام میں مطلق پہلوتہی نفرماتے تھے مگر باوجود اسکے امر متنازع فیہ میں مداہنت ممکن نہ تھی کہ ذرہ برابر بھی ظاہر ہو اور بات بھی یہی ہے کہ کسی کا اکرام جب اقتضاء امر پیغمبر میں کیا جاتا ہے تو اکرام پیغمبر سے چشم پوشی کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ ایک بار مولوی عبدالسمیع صاحب کسی تقریب میں گنگوہ گئے اور حضرت کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تو آپ نہایت خلق کے ساتھ ملے اور فرمایا کہ آج کسی وقت کا کھانا میرے یہاں کھایئے حالانکہ یہ زمانہ وہ تھا کہ مولوی صاحب انوار ساطعہ لکھ چکے تھے اور ادھر سے تصدیق امام ربانی اسکا جواب شائع ہو لیا تھا۔ فتنہ کے دبانے اور بدعات کے

اور میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس امر کا مسلمان کو مامور بنایا ہے وہ آپ پورا فرما چکے تھے پس اب درجہ تھا اکرام ضیف اور اکرام امیر قوم کا سو اسکو آپنے اسطرح پورا فرمایا چنانچہ مولوی عبدالسمیع صاحب نے دعوت قبول کی اور حضرت کے مہمان بنکر کھانا کھایا حضرت امام ربانی نے ایک مکتوب میں اس دعوت کا تذکرہ فرمایا ہے اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ بدعات کا زبانی تذکرہ ہوگا اور خوب خوب جواب دونگا مگر مہمان نے اشارۃً بھی کوئی لفظ نہیں کہا سو میزبان کو کیا لازم تھا کہ یہ ذکر نکالکر مناظرہ کی کوفت میں ڈالے اب دیکھئے وہاں جاکر براہین کے جواب کی فکر کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کچھ لکھا تو پھر وہی جواب ہے۔

مولوی صاحب کی ضیافت کے عملی طرز اور تحریر مذکورہ کے لفظ لفظ سے امام ربانی کے اس کمال معنوی کا پتہ چل رہا ہے جو اتباع شریعت کو ملحوظ رکھکر مخالف کے ساتھ خلق و اکرام کے برتاؤ سے اس مسلمان کو حاصل ہوتا ہے جو معتدل القوام جادہ مستقیم کا راہرو ہے۔ حفظ مراتب ہی وہ اصل کمال ہے جسکی نگہداشت سے بہتیری مخلوق عاجز ہوگئی اور بہتیرے صاحب کمالات لغزش کھا گئے ہیں۔

مخلوق کو حق تعالیٰ نے مختلف مراتب عطا فرمائے ہیں جنکی وجہ سے مسلمان بندہ اپنے خالق کا مطیع بنکر اسی کے حکم سے اسکی بہتیری مخلوق کا فرمانبردار اور محکوم بنتا ہے مگر ظاہر ہے کہ ساری مخلوق کی اطاعت چونکہ حق تعالیٰ کے حکم سے ہے اسلئے وہ ساری فرمانبرداریاں حقیقت میں ایک خالق کی فرمانبرداری و اطاعت ہے پس جسطرح بمقتضائے "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" مخلوق میں سے کسی متنفس کی ایسے امر میں اطاعت جایز نہیں ہے ..... جس سے اطاعت خالق فوت ہو جائے اسی طرح مخلوق کے مراتب مختلفہ میں ماتحت کی وہ فرمانبرداری روا نہیں جس سے افوق کی نافرمانی پیدا ہو عرف یوں ہے کہ باپ بڑا بھائی اور استاد آقا پیر امام رسول سب اپنے بڑے اور مطاع ہیں مگر چونکہ سب کے مراتب مختلف اور درجے الگ الگ ہیں اس لئے بڑے بھائی کا وہ کہنا نہیں مانا جاتا جس میں باپ کی نافرمانی ہو اور والدین یا اوستاذ کے اس حکم کی تعمیل نہیں ہوتی جس میں روحانی باپ یعنی شیخ طریقت کی معصیت لازم آئے یہانتک کہ پیر کے بھی اس حکم کی تعمیل جایز نہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ہاتھ سے چھڑا دے پس متعدد طاعات کے محکوم و پابند مسلمان کی بڑی آزمایش اسی حفظ مراتب اور تحفظ حدود میں ہے کہ ہر مطاع کو اپنے درجہ پر قایم رکھکر اسکی اطاعت کرے مخلوق میں جسکا

بھی ادب قائم رکھنے کا خالق نے حکم دیا ہے اسکی رعایت شریعت کو تھا مکر مسلمان پر لازمی کی گئی ہے کہ دیکھ بھالکر اصل و فرع کا لحاظ قایم رکھکر آداب بجالائے اس امتحان میں پورا اترنا حقیقت میں اسی ثابت قدم صاحب استقامت اہل بصیرت کاملہ شیخ کا کام ہے جو سرتاپا اتباع شریعت میں فنا و مستغرق ہو لیا ہو اور سنت کی محبت اسکے رگ و پے میں ایسی سرایت کر گئی ہو کہ اسپر چلنا طبعی بنگیا ہو۔

یہی کمال جسکو حفظ مراتب کہا جاتا ہے واقع میں دل ہے تمام کمالات معنویہ کا عوام کا تو کیا ذکر اُن کے نزدیک تو اس کمال کا نام کفر رکھا گیا ہے حق یہ ہے کہ بہتیرے خواص بھی اسکا پورا حق ادا نہیں کرسکے اس دقیق مبحث میں قلم اٹھانا میرا منصب نہیں اور نہ میں اسکا اہل ہوں مگر سنی سنائی باتوں سے اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت امام ربانی کا اسی کمال اصل الکمالات میں امتحان لیا تھا آپ جسطرح مرتبہ میں بڑے تھے اسی طرح آپکے امتحان کا نصاب بھی بڑا تھا آپکے مرشد برحق اعلیحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسائل مختلف فیہا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ساتھ جو کچھ بھی ظاہری تخالف تھا وہ منجانب اللہ اُس آزمایش کا معیار تھا جسپر سالک طریقت نائب رسول متبع سنت شیخ کو پرکھنے کی حاجت ہے شیخ طریقت کے عمل اور سنت نبویہ کے اتباع میں ایک کی دوسرے پر ترجیح اور بصیرت و محافظت ادب کے ساتھ حفظ مراتب اسی درجہ میں آکر اسدرجہ دشوار پڑا تھا جسکا اشکال رفع کرنے میں قطب وقت کا امتحان ہوا۔ اعلیحضرت حاجی صاحب عیاذاً باللہ مبتدع نہ تھے نہ ذرہ برابر بدعات کی جانب میلان تھا چنانچہ اہل بصیرت کے نزدیک حضرت کے کمالات علمیہ و فیضان قدسیہ اسپر دال ہیں اور عوام کے لئے براہین پر جو تقریظ اعلیحضرت نے تحریر فرمائی ہے وہ اس دعوی کی دلیل صریح ہے مگر بقول شخصے تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔ اعلیحضرت کو وہ نشدد پسند نہ تھا جسکو امام ربانی نے اصلاح خلق و احیاء سنت کے لئے دانتوں سے مضبوط پکڑ رکھا تھا۔

تصوف کا یہ مسئلہ مسلم ہے کہ صاحب نسبت ہونے کے بعد منتہی کو شیخ کے ہر ہر فعل کا اتباع ایسا ضروری نہیں ہے جیسا کہ مبتدی کو ضروری ہے چنانچہ سلف صالحین کی سوانح اس قسم کے واقعات اور بعض بعض مسائل میں مرید کا پیر کے فعل کو قابل اتباع نہ سمجھنے کی حکایات سے بھری پڑی ہیں اولیاء اللہ کا تو کیا ذکر صحابۂ کرام اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح میں اہل بصیرت کو اسکا پتہ چلتا ہے مگر چونکہ یہ وقت اس بحث کا نہیں اس لئے اسکو چھوڑتا ہوں مطلب یہ ہے کہ مسئلہ مسلمہ کی بنا پر اعلیحضرت کی طرف سے

اہلیت واستعداد تام کا پروانہ ملے پیچھے صاحب نسبت مجازہ طریقت بنکر اعلیحضرت کے اس خیال سے امام ربانی کا موافقت نہ فرمانا شریعت میں تو کیا طریقت میں بھی کسی الزام کا باعث نہیں ہوسکتا مگر ایں ہمہ اس اختلاف سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا حفظ مراتب کے کمال معنوی میں امتحان پورا ہوگیا کہ آپنے اعلیحضرت کو شیخ اور طریقہ نبویہ کا راہبر سمجھا تھا خود نبی یا رسول نہیں سمجھا تھا واسطہ اور ذو الواسطہ کا فرق انسان کے لئے کھلی ہوئی بات ہے مگر یہاں اس امتیاز کا قائم رکھنا بہتیروں سے نہیں ہوسکا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اس میں شک نہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اختلاف امتی رحمۃ حق ہے جانبین کے تمسک اور خیال ورائے کی وجہ للّٰہیت اور اخلاص تھی اور ہر دو جانب محبوبیت میں غلو تھا اور غلق پر بایں طور شفقت و نرمی محمود سمجھی گئی تھی تو اور ہر محبیت میں استغراق تھا اور ارشاد و اصلاح خلق کا یہ طریق تفقہ کے ساتھ اتباع سنت سمجھا گیا تھا جو کچھ بھی ہو بدلفس معاندین کے لئے اس دقیق مبحث میں پڑنا سبب ضلال ہوگیا اور جس نے جو چاہا کہا مگر خدا شاہد ہے بات یہ تھی کہ لاریب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو قدوۃ العلماء اور جامع شریعت و الطریقت نائب رسول بنکر اس طریق کا اختیار فرمانا جو بظاہر شیخ کے قول و عمل سے ظاہر ہو رہا تھا وہ زبردست لغزش تھی جو آپ کو اس مرتبہ عالیہ تک پہونچنے کیلئے مضبوط دیوار بنکر روکنے والی تھی ؎

بے ادب را اندریں رہ بار نیست	جائے او بردار شد دردار نیست
از خدا خواہیم توفیق ادب	بے ادب محروم گشت از فضل رب

آپکی استقامت کا درفرید اس بال سے زیادہ باریک راستہ میں بھی آفتاب نصف النہار کی طرح ایسا چمکا کہ عالم نے دیکھ لیا اور منصب ارشاد و نیابت کا بے بہا تاج اس تحفظ مراتب و محافظہ حدود کے درجہ میں بھی آپکے فرق اقدس پر ایسا جلوہ نما رہا کہ گوشہائے دنیا اس سے آگاہ ہوگئے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۔

اپنی اپنی نسبت اور خداوندی عطیہ و نعمت کے ثمرات میں روحانی باپ بیٹوں کے خیال و رائے کا فرق بس یہ تھا جو عرض ہوا مگر بایں ہمہ ادب شفقت و رافت میں امام ربانی کی طرف سے مطلق فرق نہ آیا تھا اور ادب عقیدت و ادب میں اعلیحضرت مرشد العرب والعجم کی جانب سے جبہ برابر تفاوت پیدا نہوا تھا اگر کہیں سے خطا جانے میں توقف ہوتا اور خیریت معلوم ہونے میں چند روز کی دیر ہوجاتی تو حضرت حاجی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ بیتاب ہو جاتے اور بار بار خیریت طلب خط پر خط ارسال فرمایا کرتے تھے اور اگر اعلیحضرت کا کوئی والا نامہ موسم حج کے علاوہ کسی کے ہاتھ آگیا تو حضرت امام ربانی خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور احباب کو بار بار مژدہ سنایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت کی عافیت مزاج بے موسم معلوم ہوگئی۔

حضرت حاجی صاحب کا تعلق شفقت و محبت مکاتیب رشیدیہ سے معلوم ہوگا جسمیں بارہ خطوط اعلیحضرت کے بنام حضرت امام ربانی مقدم درج کئے گئے ہیں تاہم اس جگہ اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ نزاع پسند اور خلاف دوست طبیعت والے اصحاب نے جی توڑ کوششیں کیں کہ دو مقدس دلوں میں کسی طرح شکر رنجی پیدا ہو جائے مگر یہ دل وہ دل نہ تھے کہ ان کج رفتاروں کے قابو میں آجاتے اور متاثر ہوتے نامراد حرماں نصیبوں کی مراد پوری کرتے۔ اُدھر یہ لگایا جاتا تھا کہ مولانا گنگوہی مولود کرنے والوں کو کافر و مشرک بتاتے ہیں جن میں آپ بھی شامل ہیں اور اِدھر یوں کہا جاتا تھا کہ حضرت حاجی صاحب نے آپکی بیعت فسخ کر دی اور اپنے سے بے تعلق و جُدا فرما دیا۔ تفرقہ انداز تمام اپنی سعی میں کوتاہی نہ کرتے تھے مگر طرفین کا وہ قلبی علاقہ جو حق تعالیٰ شانہ کا جوڑا ہوا تھا کسی کے توڑے نہ ٹوٹا پر نہ ٹوٹا۔

بدگوئیاں جب حد سے گزریں اور متوحش افواہیں چار طرف پھیلیں تو حضرت امام ربانی نے عریضہ لکھا اور دریافت کیا کہ ان باتوں کی اصل کیا ہے؟ اعلیحضرت کی طرف سے جو طویل والا نامہ جواباً آیا تھا اس کو ملخصاً ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ از فقیر امداد اللہ عفی عنہ بخدمت فیضمند رجست جامع شریعت و طریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی متع اللہ بطول حیاتہ ودمّر اعداءہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مکتوب برکت اسلوب مورخہ چہاردہم رمضان شریف بدست مولوی ممتاز علی صاحب ورود سرور لایا ممنون و مسرور ہوا اللہ تعالیٰ آپکو بایں عنایت و محبت مکروہات دارین سے محفوظ رکھکر کونین میں درجات عالیات قرب و رضا عطا فرمائے۔ مولانا آپکی تحریر باعث انشراح قلب و موجب جمعیت خاطر فقیر ہے اسلئے آرزو رہتی ہے کہ ہمیشہ اپنی خیر و عافیت و حالات ظاہر و باطن وغیرہ سے مسرور و مبتہج فرماتے رہو۔

آپکے اس خط کے ہر لفظ اور ہر فقرہ سے عجب کیفیت و شگفتگی پیدا ہوئی ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی، مولانا صبا، انقلوب میں جو کچھ آپکی نسبت تحریر ہے وہ آپ سے نہیں لکھا گیا صبا القا ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے پس بدبہیات کو نہ ماننا اور اپنے تزکیۂ نجات و وسیلہ فلاح دارین سے

علیحدگی کرنا سخت جہالت و محرومی و ادبار ہے۔ خارج کرنا چہ معنی فقیر تو تم علماء صلحاء کی جماعت میں اپنا داخل ہو جانا موجب فخر دارین و ذریعہ نجات و وسیلہ فلاح کونین یقین کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے و مارے۔ وہ شخص مدبر ہے جو تم مقدس و مقتدائے زمان سے کچھ دل میں کینہ یا سوء ظن یا بد عقیدگی یا عداوت و بغض رکھے۔ فقیر تو آپ کی سب حرکات و سکنات و اقوال و افعال کو منبع حسنات و برکات و موافق شریعت و طریقت سمجھتا ہے اور کل امور میں مخلص و صادق یقین کرتا ہے الخ۔ آخر میں تحریر فرماتے ہیں اسی لئے فقیر نے مسائل مختلف فیہا کے باب میں کوئی آپ کی تحریر دیکھی نہ پڑھی نہ اسکی تفتیش کی غرض کیا ہے کیونکہ فقیر تو آپ کے سب اقوال کو موافق شرح جانتا ہے اگرچہ بعض مسائل میں موافق نہ بھی اور اس اختلاف کو صحابہ کا اختلاف سمجھتا ہے اور آپ کے ہر قول کی تاویل و توجیہ میرے دل میں نہایت جمعیت بخش و تسلی دہ ہے۔

اس جانب اعلیحضرت کے ساتھ محبت کی جو حالت تھی اسکو کیونکر ظاہر کیا جائے جبکہ ضبط و استقلال کا یہ عالم تھا کہ محبت رسول جس میں آپکو استغراق تھا وہ بھی ایسی نہ کھل سکی کہ ہر دیکھنے والا آپکو عاشق رسول سمجھ لے۔ آپکی روحانی قوت اور عالی ظرف قلب کی وہ برداشت جس نے ثمرہ محبت کو اطاعت و امتثال محدود سمجھکر آپکی ساری عمر کو پاک شریعت مصطفوی کی خدمت میں گذارا اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ بجز پابند فرمانے محبوب کے اور کسی انداز کے ساتھ محبت و عشق کا ظہور نہ ہوا تاہم جسوقت اعلیحضرت کے وصال کی خبر وحشت اثر ہندوستان میں پہونچی اور حضرت امام ربانی کے کانوں میں پڑی اسوقت صدمہ سے جو حال آپکا ہوا وہ پاس رہنے والوں نے دیکھا۔ باوجودیکہ تاب کوہ استقلال تھے جگر گوشہ اولاد اور ثمرۃ الفواد قرۃ العیون کے متواتر صدمات پر آپ پر وہ اضمحلال ہرگز طاری نہیں ہوا جو مرشد العرب والعجم کے دنیاوی مفارقت سے آپ پر پیدا ہوا کئی وقت آپ کھانا نہ کھا سکے کسی سے بات کرنا یا مجمع میں بیٹھنا آپکو گوارا نہ ہو سکا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوتے اور ہر چند آپ ضبط فرماتے مگر بیتاب ہو ہو جاتے تھے۔

سالہا سال کے بعد آج یہ مضمون عام طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ امام ربانی کو اعلیحضرت کے وصال کا جو صدمہ ہوا شاید دنیا میں کسی کو ایسا صدمہ نہ ہوا ہو۔ مہینوں آپکی یہ حالت رہی کہ شب کو چارپائی پر لیٹتے ہی خدام کو رخصت فرما دیتے اور خلوت میں پلنگ پر پڑے ہوئے گھنٹوں رویا کرتے تھے بعض مخلصین اتفاقیہ ایسی حالت میں جا پہونچے ہیں انہوں نے ایسی آواز سنی ہے جیسے دیگچی کو آگ پر رکھ دیا جاتا ہے اور وہ جوش

مارتی ہے۔ یہ آپکا ضبط تھا کہ آنے والے کی آہٹ پاتے ہی آپ غم کو پی جاتے اور اسی حالت پر آجاتے تھے جو مطمئن اور صاحب راحت و سکون شخص کی ہونی چاہیئے۔

ضرورت نہ تھی کہ آپ کے اس مخفی حال کا اظہار کیا جائے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ آپنے بقیہ عمر میں خود ہی کبھی اسکا اظہار نہ چاہا ہو مگر ضرورت نے مجبور بنا کر یہ مضمون لکھوایا۔ رنج و غم کے متعلق آپکی یہ حالت حالانکہ مہینوں رہی مگر جب آپ اعلیحضرت کا تذکرہ فرماتے تو یہی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت کے ساتھ محبت نہیں ہے جو دوسروں کو ہے" اسکا یہ مطلب تھا کہ آپ اس محبت کو بھی کافی اور قابل اعتبار نہ سمجھتے تھے اس حالت محمودہ میں بھی آپ اپنے آپکو دوسروں سے کم اور دوسروں کو اپنے سے زیادہ سمجھے ہوئے تھے اندر سے آپکا جی چاہتا تھا کہ کاش اس سے بھی زیادہ تعلق و محبت قلب کو عطا ہو۔

اعلیحضرت کی دنیاوی مفارقت کے حادثہ پر مخفی طور پر ماہی بے آب کی طرح تڑپنا آہ کرنا اور بیتاب ہو ہو جانا جو کچھ بھی عادت میں ہوتا تھا اسکا تو خاص ہی لوگوں کو علم ہے مگر عام لوگوں نے اسکا مضمون ظاہر بھی دیکھا ہے کہ جب مجلس میں اعلیحضرت کا تذکرہ ہوتا یا کوئی نووارد مہمان تعزیت کے کلمات کہتا تو آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آتے اور بیچین ہو جاتے تھے آپکا جی چاہتا تھا کہ چیخیں مار دیں مگر ضبط کو کام میں لاتے اس کشاکشی سے آپکے حرکات پر وہ کیفیت نمودار ہوتا تھا جسکا رفع ہونا گھنٹوں میں مشکل پڑ جاتا تھا یہانتک کہ آپکی یہ حالت دیکھکر واقفین و حاضرین نے اس تذکرہ سے احتیاط کر لی اور جو نووارد اجنبی شخص آتا اسکو پہلے ہی منع کر دیا جاتا کہ اعلیحضرت کے وصال پر ملال کا ذکر نہ کریں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے اس مسجع میں بدرجہ سخت امتحان لیا گیا اسکا اندازہ ہونا بہت دشوار ہے بلکہ حق یہ ہے کہ ہو نہیں سکتا ادھر محبت شیخ و تادب مرشد اور ادھر اتباع شریعت اور اصلاح خلق میں نیابت نبوت دونوں کو آفتاب و ماہتاب سمجھکر آپنے اپنی آنکھوں کا نور بنایا اور اس مستقیم صراط پر عبور فرما گئے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز تھی اور جسپر چلنا حقیقت میں آپ ہی کا کام تھا آپنے وسیلہ کو وسیلہ سمجھا اور مقصود کو مقصود یہانتک کہ اسکے اشارہ اور حضور اللہ کی محافظت کا وہ حق ادا فرما دیا جو توفیق ایزد متعال ہر صدی مجدد پورا فرماتے ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ہر چند کہ اس دقیق راستہ کی راہزنی میں نادان مخلوق اور ناواقف لوگوں کی زبانوں سے آپ کو ہر قسم کی ایذا پہونچی مگر حق تعالیٰ کا لطف و فضل آپکے سر کا چھتر اور پشت پناہ بنا ہوا تھا اسلئے قدم نہ ڈگمگایا نہ ڈگا ۵

لکھو کھما برچھیاں کھائیں ہزاروں تیر اور بھالے	پیارے دار نے تلوار کے ٹکڑے کیا دل کو
زباں سے اُف نہ نکلی اور نہ ٹپکا آنکھ سے آنسو	مبارک تو شہیدوں کا ثواب اس نیم بسمل کو

حضرت امام ربانی کو اپنے محسن کی شکر گذاری میں ایک لذت حاصل ہوتی تھی ایک دن صوفی کرم حسین صاحب اپنی حالت حضرت سے عرض کر رہے تھے اثنار گفتگو میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بہت دراز تک بیٹھا ہوں اور مجکو شاہ صاحب نے تعلیم بھی کی ہے اور جو کچھ نفع ہوا ہے وہ حضرت حاجی صاحب اور شاہ عبد القدوس صاحب ہی کا طفیل ہے حضرت شیخ کی شکر گذاری کے موقع پر اعلیحضرت کا اسم مبارک مقدم بیان فرمانا وہ ادب محمود اور اصل مدح و منقبت ہے جسکو کمال معنوی کا فرد اعظم کہنا چاہیئے

خلاصہ یہ ہے کہ امام ربانی قدس سرہ کا دل فیض منزل جس بے بہا اور انمول جوہر کا حامل بنایا گیا تھا اسکی ماہیت معلوم ہونی دشوار ہے اور اگر کسی کو معلوم بھی ہو جائے تو بیان ہونی محال ہے بندہ ناکارہ نے جو کچھ لکھا خدا شاہد ہے کہ ناکافی لکھا و جدان جو کچھ سمجھے ہوئے ہے اسکو الفاظ کا لباس پہنانے کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتا اور حق یہ ہے کہ سقیم الحال و راس فن سے محض نا آشنا ہونے کی وجہ سے سمجھ بھی نہیں سکتا کہ حضرت میں کون کون سے معنوی کمالات ودیعت رکھے گئے تھے بالاختصار اسقدر جانے رہے ہوں وہی لکھ چکا اور لکھنا چاہتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت بیضا کا محمود اور سچا اتباع آپکے قلب میں راسخ اور اعضا و جوارح کا معمول بنگیا تھا آپکی ہر ادا اسی اتباع سنت کی تعلیم دیتی اور آپکا ہر طور و طریق اسی مضمون کی مخلوق کو رغبت دلاتا تھا یہ ایک کمال اصل تھا اور باقی کمالات اسکی فروع اور شاخیں یہ کیفیت اسخہ حاکم تھی اور جملہ حرکات و سکنات اسکی ماتحت اور تابع فرمان۔

آپ زہد و قناعت میں مجاہدہ و ریاضت میں ہجوم مصائب پر صبر اور نعمتہائے ربانی پر شکر ادا کرنے میں تقوی و طہارت میں اخلاص و اظہار عبدیت میں صدق و صفا میں حلم و وفا میں رافت علی الخلق و شفقت علی الناس میں صلاح و شان تربیت میں ایثار و سخاوت میں حیا و عفت میں قضائے خالق پر رضا اور رزاق عالم پر توکل میں خوف و خشیہ میں رجاء رحمت میں افتقار الی الرب المتعال میں حب فی اللہ بغض فی اللہ میں فرض ہر خصلت محمودہ اور کمال معنوی میں وہ مرتبہ پائے ہوئے تھے جو سرداران مذہب یعنی علماء کے امام و پیشوا کو حاصل ہونا چاہیئے نبوی کل کے آفتاب عالمتاب سے آپ اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوئے تھے آپ کے ارشاد و تربیت کا ابتدائی زمانہ چند ماہ کے لئے تعلیم اطفال میں گذرا جو فی الجملہ

تحصیل معاش کا ذریعہ بھی تھا مگر اسمیں بھی اتباع سنت تھا تاکہ انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی عمر میں بکریوں کی پاسبانی کا اقتدا ہو جائے اور آنے والے زمانہ میں اصلاح و تعلیم خلق اللہ اور بندگان خدا کی پاسبانی و نگہداشت کی عادت پڑ جائے اسکے بعد جبکہ آپ مسند ارشاد و تربیت پر بیٹھے اور نیابت نبوت کا عمامہ آپکے سر پر رکھدیا گیا تو اسباب معاش سے بالکلیہ یکسوئی آپنے اختیار فرمائی چونکہ آپکا ستھرا اول طفولیت ہی میں اسکا یقین کر چکا تھا کہ جو بندہ اپنے خدا کا ہو رہیگا حق تعالیٰ اسکی ضروریات و حاجات کا خود متکفل ہو جائیں گے اسلئے آپنے یہ چاہا کہ آقا کے دین کی خدمت چھوڑکر رزق موعود کی تلاش میں ایک لحظہ بھی ضائع فرماویں اپنے سچے خدا کے وعدوں پر آپکا اعتماد و وثوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ باوجودیکہ شروع میں عسرت و تنگدستی کے اندر مبتلا فرما کر آپکو جھڑجھڑایا گیا اور فاقوں تک کی نوبت پہونچائی گئی مگر آپ جس در کے دربان ہو چکے تھے اُسپر خادم و ملازم بنے پڑے رہے دوسرا دروازہ جھانکنے کا وسوسہ بھی آپکے قلب میں نہیں آیا آپکا جفاکش حوصلہ اور وعدہ کی سچی عالی ظرفی نے اپنی احتیاج و تنگ حال کا اپنے جیسے محتاج انسان پر ظاہر کرنا بھی بے غیرتی اور محبوب کی شکایت سمجھا آپکی بلند ہمت اور وسیع و رفیع صداقت عہد نے کبھی گوارا نکیا کہ آپکا یہ زمانہ افلاس آپکے اہل وطن دیکھ پائیں اکثر ایسا ہوا کہ آپکے دولتکدہ میں آگ نہیں سلگی اسلئے کہ پکانے اور کھانے کو کچھ موجود نہ تھا مگر آپنے کبھی کسی شخص سے قرض نہیں لیا۔ آپکا قرض نہ لینا اسپر دلالت کرتا ہے کہ آپ عمر بھر اسی حالت فقر و فاقہ میں صبر کرنے پر بھی راضی تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ اگر حق جل و علیٰ شانہ نے اسی حالت میں مبتلا رکھا تو لیا ہوا قرض کیونکر ادا ہوگا اور ادا نہونیکی صورت میں وعدہ خلافی و کذب کی معصیت کا مرتکب ہونا پڑیگا اسلئے فاقہ کرنا بہتر ہے قرض لیکر پیٹ بھرنے سے اور آقا کے ابتلا میں ثبات قدم فضل ہے سو اسی لئے کہ آپنے صورۃً احتیاج ظاہر کرنے سے

باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش	بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش
لے دل اندر بند زلفش ایمن و بیتا مباش	مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

اسکے بعد جب فتوحات کا دروازہ کھلا ہے تو حق تعالیٰ نے مخفی قلبی نعمتوں کے ساتھ ظاہری تمول و ثروت سے بھی آپکو مالا مال بنا دیا آپنے دنیا سے بھاگتے تھے اور دنیا کا مال و متاع آپکے قدم پکڑتا اور نعلین پر نثار ہوتا تھا آپ خدام کی نذریں قبول فرمانے سے انکار کرتے اور گھبراتے تھے مگر بے نیاز خدا آپکو مجبور بنا بنا کر دلواتا اور دستگیری سے احتراز کا فرمان واجب الاذعان اپنا محکوم و مطیع بنا کر مال و زر آپکا مقبوض و مملوک ٹھیرایا کرتا تھا ایکبار بعض نافہم کے عناد اور حکام تک جھوٹی شکایات پہونچانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ سرکاری عہدہ دار آپکے حال کی تحقیقات پر تعینات

ہوا اور دورہ کرتا کرتا گنگوہ پہونچکر آپکی خانقاہ میں آیا آپ اسوقت چونکہ درس حدیث میں مشغول تھے اس لئے متوجہ نہوئے جب فراغت پائی تو آپ سے آپکا ذریعہ معاش دریافت کیا گیا آپنے فرمایا "توکل" وہ نہ سمجھا کہ توکل کیا اور معاش کا ذریعہ کس طرح ہے اس نے اسباب معیشت گنوانے شروع کئے اور ہر ایک کا نام لیکر دریافت کیا کہ زراعت کرتے ہو؟ تجارت کرتے ہو؟ زمیندار ہو؟ کسی کے نوکر ہو؟ کہیں سے تنخواہ بندھی ہوئی ہے؟ کوئی حرفہ جانتے ہو؟ سب سوالات پر آپکا جواب نفی میں تھا آخر جب کہا گیا کہ پھر کھاتے کہاں سے ہو اور کرتے کیا ہو؟ تو آپنے فرمایا خزانہ غیب سے ملتا ہے اور توکل کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ مفتش نے گردن جھکالی اور دیر تک کسی فکر و سوچ میں غرق رہا آخر خدا جانے کیا سمجھا کہ جیب سے بیس روپیہ کا نوٹ نکالکر آپ کی نذر کیا اور واپسی کے لئے قدم اٹھایا آپنے بلا تامل نوٹ لے لیا اور فرمایا "یہ ہے توکل جو میرا ذریعہ معاش ہے اور جسکا مجھسے سوال کیا جاتا ہے"

سچے علم کا ثمرہ یعنی بے نیاز خدا کا خوف اور خشیہ جیسا آپکے قلب میں تھا شاید زمانہ کی آنکھوں نے کہیں نہ دیکھا ہو مگر ضبط اسدرجہ بڑھا ہوا تھا کہ اظہار مشکل تھا جس وقت آخر شب میں آپ تحریر یا ماندھکر اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہوتے اور دست بستہ عرض معروض شروع فرماتے تو آپ پر وہ حالت نمایاں ہوتی تھی جو شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے وقت غلام پر ہونی چاہئے بسا اوقات آپ پر گریہ طاری ہو جاتا آواز بھرا جاتی ہچکی بندھ جاتی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار موتیوں کی لڑیاں بنکر بہتے اور سارے بدن پر ایک رعشہ پیدا ہو جاتا تھا شاہنشاہی فرمان یعنی مقدس قرآن کی آیت پڑھتے اور تغیر حال کے سبب بجاتے تھے پھر شروع فرماتے اور پھر ٹھیر جاتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک آیہ شریفہ پر آپنے صبح کر دی کہ اسی کو بار بار دوہراتے اور اعادہ فرماتے رہے۔

مولوی ممتاز علی صاحب انبہٹوی تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہاں بلوچستان میں حضرت قدس سرہ کے وصال کی خبر پہونچی تو اتفاق سے مولانا ابو الخیر صاحب یہیں مقیم تھے دو بار اُن کا پیغام میرے پاس پہونچا کہ مجھے آکر ملجاؤ مجھے فرصت نہ ملی آخر جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مولانا بے اختیار رو رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا یہانتک کہ چیخیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا دھاڑیں مار مار کے سب لوگ بیہوش ہو جاویں اسی حالت میں مولانا ابو الخیر نے فرمایا آہ مولوی ممتاز علی ہندوستان سے بڑا شخص اٹھ گیا ہائے افسوس مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے میں نے معتبر ذریعے سنا ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہ نے ایک آیت پر روتے روتے تمام رات گذار دی تھی اور وہ آیہ یہ تھی یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝

نااہل مؤلف جو حضرت قطب العالم قدس سرہٗ کا خود ناقدر شناس بنا رہا اُن وجدانی کوائف کو کس طرح سمجھے یا زبان قلم پر لائے جنکا سمجھنا وجدان سلیم اور اُسی قلب کا کام ہے جسمیں کچھ چمک پیدا ہوئی ہو یا اس راستہ کی ہوا لگ کر قدرے ذائقہ منہ کو لگ لیا ہو۔ نابالغ بچہ سے کتنا ہی کوئی سچا اور فہیم و صاحب زبان شخص بیان کرے مگر لذت جماع قبل بلوغ ہرگز سمجھ نہیں سکتا پھر بھلا عشق و محبت کی وہ آگ جو کسی عاشق کے قلب میں بھڑک رہی ہو صورت دیکھنے والا اور عشق کے معنی سے ناواقف شخص کیونکر سمجھ سکتا ہے ؎

نظر کو کیا خبر پردہ کے اندر دل لگی کیا ہے کوئی آزاد کیا جانے کسی دلکی لگی کیا ہے

ایک مرتبہ ظہر کے بعد حجرہ شریفہ میں آپ تلاوت قرآن کے اندر مشغول تھے بندہ ناداں و نادار مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس اس طرح دبے پاؤں خاموش جا بیٹھا کہ حضرت نے آہٹ بھی نہ سنی تھوڑی دیر میں مولوی محمد یحییٰ صاحب کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور میں تنہا بیٹھا رہگیا چند منٹ گذرے تھے کہ حضرت قدس سرہ کے لہجہ تلاوت میں تغیر شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ آپکا سارا جسم کانپنے لگا بے اختیار آپ آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے آواز رک گئی ہر چند آپ پڑھنا چاہتے مگر گریہ کا غلبہ حلق کو پکڑ لیتا تھا خدا شاہد ہے وکفیٰ بہ شہیدا جو حالت اُسوقت حضرت پر طاری تھی شاید تند مزاج خونخوار شیر کے سامنے پڑکر کسی کمزور و ناتوان ضعیف القلب شخص کی بھی یہ حالت نہوگی اور خشیہ جو اُسوقت آپ پر ہویدا تھا غالبًا کسی جبار و با قدرت شاہنشاہ کے سامنے کھڑے ہوکر کسی خطاوار سے خطاوار مجرم غلام پر بھی ظاہر نہوا ہوگا۔ آپکی یہ حالت اتفاقیہ اور عمر بھر میں پہلی بار میری نظر پڑی تھی میں ابتک بھی نہیں جانتا کہ کس بات سے آپ ڈرتے تھے اور کیوں کانپ رہے تھے یہی قرآن مجید ہے جسکو اول سے آخر تک مسلمان پڑھا کرتے ہیں خدا جانے وہ مضمون کونسا اور کہاں ہے جسپر خوف یا خشیہ پیدا ہوتا ہے اسلئے دفعۃً یہ تغیر حال دیکھکر میں تھرا اٹھا اور اسقدر حد پریشان ہوا کہ اب تصور آتا ہے تب بھی گھبرا جاتا ہوں دل میں خوف زدہ ہوکر کہنے لگا کہ یا اللہ آج کس مصیبت میں آپھنسا نہ جائے رفتن ہے نہ پائے ماندن اگر بیٹھا رہوں ممکن ہے کہ حضرت کو میرے بیٹھنے کی کشف یا اور کسی طرح اطلاع ہو جائے تب معتوب ہوا اور اُٹھوں تو پاؤں کی آہٹ سے اطلاع ہونی ضرور اور اُس موہوم سے یہ غالب خیال زیادہ خطرناک اسلئے خدا ہی جانتا ہے کہ اُسوقت میری دل کی کیا حالت تھی نہ میں آسمان پر تھا نہ زمین پر ساکت و صامت بت بنا بیٹھا رہا اور وحشت زدہ دل بجائے اسکے کہ اس حالت سے مستفید ہوتا کمال لحاح اور اخلاص کے ساتھ یوں دعا مانگتا رہا کہ یا اللہ کسی طرح مولوی محمد یحییٰ جلد آویں

دعا حقیقت میں دل سے نکلی اور ہمیں اضطرار و توحش میں واقع ہوئی تھی اسلئے شاید چند لحظہ گذرے ہوں کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب جو حجرہ کی آمد و رفت کے ہر وقت مجاز تھے آگئے انکا حجرہ کی چوکھٹ پر قدم رکھنا تھا اور حضرت کا اس حالت کو ضبط فرما کر سیدھا ہو بیٹھنا۔ خدا جانے یہ حالت عجیبہ دفعۃً پیدا کیونکر ہوئی اور اس طرح یک بخت ضبط کسطرح ہو گئی بجز اسکے کہ بالاجمال اتنا سمجھا یہ بھی کوئی حالت محمودہ ہے جو اتباع سنت نبویہ میں اولیاء اللہ پر طاری ہوتی ہے جو جوان کو بوڑھا اور قوی کو کمزور بنا دیتی ہے اور کچھ نہ اسوقت سمجھا نہ اب سمجھ سکتا ہوں۔

خادم نوازی اور سادگی و بے تکلفی امام ربانی کی خاص شان تھی ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ تھا مولانا حبیب الرحمن صاحب دیوبندی اتفاق سے سحر کو وقت معمول پر نہ اٹھ سکے حضرت قدس سرہ نے انکے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی مولوی صاحب گھبرا کر اٹھے اور باہر آکر عرض کیا کہ حضرت آپنے کیوں تکلیف فرمائی؟ آپنے جواب میں ارشاد فرمایا "مجھے اسوقت خیال آیا کہ حبیب سو گیا معلوم ہوتا ہے سحر کا وقت اخیر ہونے والا ہے اگر میں نہ جگاؤں گا تو وہ تمام دن بھوکا رہیگا"۔

بارہا ایسا ہوا کہ موذن کی وقت پر آنکھ لگ گئی اور حضرت چپکے ہی مسجد میں تشریف لائے اور اذان دیکر اپنے حجرہ میں چلے گئے پھر موذن سے بھی دریافت نکیا کہ آج اذان کے وقت کیوں سو گئے تھے؟

آپ رقیق القلب تھے کسی کی تکلیف آپسے دیکھی نہ جاتی تھی اپنا ہو یا بیگانہ اگر آہ کا کلمہ آپکے کان میں پڑتا تو بیتاب ہو جایا کرتے تھے محمد عاشق نورباف کا لڑکا مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس پڑھتا تھا کند ذہن اور غبی زیادہ تھا سبق کے کئی بار بتانے پر بھی جب اسکو یاد نہ ہوا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب نے اس کو مارا دفعۃً چیخا اور ہائے کی آواز حضرت کے کان میں پڑی بے تحاشا حضرت چارپائی سے اتر کر دوڑے کہ اس کو بچائیں سامنے گو لڑکا درخت تھا نظر نہ آنے کے سبب سر مبارک میں اس زور سے لگا کہ کئی دن تکلیف رہی اپنی تکلیف کا اظہار تو کچھ بھی نفرمایا ہاں مولوی محمد یحییٰ صاحب کو نصیحت کی کہ بھائی اسقدر بچوں کو مارنے سے کیا فائدہ جسقدر حق تعالیٰ نے ذہن بنا دیا ہے کیا اسقدر مارنے سے اسمیں ترقی ہو جائیگی"؟

مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاؤں میں ایک مرتبہ موچ آگئی تو آپنے انکو گھر نہ جانے دیا حجرہ میں رکھا آدمی مالش کرنے آتا تو آپ پاس بیٹھ جاتے اور جب تک وہ پاؤں کو تیل ملتا رہتا آپ بیٹھے رہا کرتے تھے بار بار حال پوچھتے اور کھانے پینے کے علاوہ بھی ہر قسم کی خبر گیری فرماتے تھے۔

اپنے ہمعصر احباب کے ساتھ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا جو مخلصانہ برتاؤ تھا اسکی نظیر ملنی مشکل ہے
ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھانے کو آپ مصلے پر کھڑے ہوئے پیچھے سے کسی شخص کا یہ کلمہ آپ کے کان میں پڑا
"مولوی صاحب آ گئے مولوی صاحب آ گئے" آپنے منہ پھیر کر دیکھا تو مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف
لا رہے تھے چونکہ پیدل راستہ قطع کر کے تشریف لائے تھے اسلئے پیروں پر غبار چڑھا ہوا تھا حضرت امام ربانی
اپنے استاذزادہ کو دیکھتے ہی مصلے سے سکے اور بہ دریافت فرماتے ہوئے پیچھے ہٹ آئے کہ مولوی صاحب
وضو ہے؟ مولانا نے فرمایا جی ہے اور اسی سادگی کے ساتھ مصلے پر کھڑے ہوئے حضرت امام ربانی کی نظر
قدموں پر پڑی تو پنڈلیاں تک غبار آلودہ تھیں اپنے کپڑے کا دامن لیکر آپنے مولانا کے پاؤں کا غبار جھاڑنا
شروع کر دیا حضرت مولانا پر بھی اسوقت کوئی حالت طاری تھی کہ کھڑے ہوئے پاؤں صاف کراتے رہے
حضرت امام ربانی نے خوب اچھی طرح غبار صاف کیا اور بعد میں مسرت کے ساتھ فرمایا کہ مولوی صاحب کے
پاؤں صاف کر کے میرا تو جی خوش ہوا زیادہ تر اسوجہ سے کہ انھوں نے تکلف نہیں کیا۔

لطف اور احتیاط کے ساتھ صاف گوئی آپکی اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی کیسا ہی رئیس یا [illegible] داد
کیوں نہو جب اسکی کوئی حرکت آپکو ناگوار گذرتی تو صاف فرمادیتے اور تعلق کے ترک کو ظاہر کر دیتے تھے
نواب محمود علیخاں صاحب مرحوم رئیس چھتاری کے ساتھ آپکی خاص محبت سب کو معلوم ہے الور اسکا
سبب نواب صاحب کا صرف خوش عقیدہ ہونا تھا جس زمانہ میں یتیم پوتے کی ریاست کا انتظام فرمانے
کو نواب صاحب عزیز ہندوستان تشریف لائے تو زمانہ کے رسم و رواج کے موافق اسی ریاست کی آمدنی
میں سے حکام کی دعوتوں وغیرہ کے متعلق وہ اخراجات بھی ہوتے تھے جنکا شریعت نے نواب صاحب کو
مستحق نہ بنایا تھا ریاست کے دیندار کارندوں نے جو حضرت سے علاقہ رکھتے تھے بصورت استفتا کا
حال بذریعہ تحریر عرض کیا کہ نوکری کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے آپنے جواب لکھا کہ یتیم کے مال میں غیر مشروع
تصرف کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے نہ اسکی معاونت جایز اسلئے ایسی جگہ کی ملازمت کو بھی میں تمھارے
لئے پسند نہیں کرتا خدا رازق ہے وہاں سے چھوڑ دوگے دوسری جگہ سے ملیگا" حضرت کے اس ارشاد کیمہ
حاجی دوست محمد خان وغیرہ معتمد ملازم فوراً مستعفی ہو گئے یہ حضرت کی کرامت اور آنکی استقامت و پختگی
عقیدت کا ثمرہ تھا کہ بیکار نہ رہے یہاں سے مستعفی ہوئے تو دوسری ریاست میں ملازم ہو گئے۔ اسی انتظام
ریاست کے زمانہ میں نواب صاحب مرحوم نے حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اپنے حاضر

از مولوی سید احمد صاحب دیوبندی بلند شہری مدرسہ عالیہ فتحپوری

خدمت ہونے کی اطلاع دی فوراً ہی آپنے اُن کے خط جواب اس طرح لکھوایا آپسے آنیسے کیا فائدہ کہ نہ آپ مجھسے ملکر خوش ہوں اور نہ میں آپسے ملکر خوش ہوں میں نے سُنا ہی کہ یتیم کے مال میں آپ بے احتیاطی بہت کرتے ہیں مجھے اسکا افسوس ہی کہ آپکو آخرت میں اسکا جواب دینا پڑیگا یتیم کی ریاست کا جتنب معقول انتظام اور مشروع تحفظ نہو جائے دور ہی دور سے ملاقات کافی ہے۔

ایکمرتبہ آپ دولتخانہ سے تشریف لائے حجرہ میں داخل ہو کر دریافت فرمایا کون کون ہے جب معلوم ہوا کہ خاص خاص لوگ موجود ہیں تو آپ بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ سب سمجھدار ہی آدمی ہیں ایکبات کہوں اسکے بعد آپنے ایک حدیث کا مطلب بیان فرمایا اُسکا خلاصہ یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن جب دوزخیوں کو دوزخ میں بھیجدینگے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمادینگے حکم ہوگا اچھا جسکے قلب میں رائی کے دانہ کی برابر بھی ایمان ہو اُسکو دوزخ سے نکال لو چنانچہ حضرت صلعم بہتیرے دوزخیونکو باہر نکالیں گے اسکے بعد حکم ہوگا کہ ذرہ کی برابر بھی جسکے قلب میں ایمان ہو اُسکو بھی نکال لو چنانچہ حضرت صلعم بہتیرے دوزخیوں کو باہر نکالیں گے پھر حکم ہوگا اچھا ادنیٰ سے درجہ کا ایمان جسکے قلب میں ہو اُسکو بھی نکال لو چنانچہ حضرت صلعم بہتیرے دوزخیوں کو نکالیں گے۔ پھر جناب باری کا حکم ہوگا کہ جسکے قلب میں کچھ بھی ایمان کا حصہ ہو اُسکو نکالو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عرض کرینگے کہ بار الٰہا اب دوزخ میں کوئی بندہ ایمان والا باقی نہیں رہا اُسوقت حق تعالیٰ ارشاد فرماوینگے اچھا سب شفاعت کرنیوالے سفارش کرچکے اب ہم باقی ہیں چنانچہ تین لپیں بھر کر دوزخیوں کو دوزخ سے باہر نکالیں گے اور جنت میں بھیجدینگے۔ اب غور طلب یہ مضمون ہی کہ وہ کون لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کی لپوں میں جہنم سے باہر نکالے گئے ظاہر ہے کہ کافر نہیں ہیں کیونکہ کافر کیلئے خلود فی النار کا خود حکم فرما چکے ہیں وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا پس ضرور یہ لوگ بھی ایمان والے ہیں مگر انکا ایمان اسدرجہ خفی تھا کہ خلاصۂ موجودات جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسے مبصر اور دقیق النظر پیغمبر بھی اُسکا ادراک نفرما سکے آپنے بھی انکو کافر سمجھکر جہنم میں چھوڑ دیا مگر علام الغیوب جو ہر پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کی خبر رکھتا ہے اُن کے غایۃ خفا میں دبے اور چھپے ہوئے ایمان کی بنا پر اُن کو بھی جہنم سے باہر نکال لیگا پس جب ایمان کا ایسا خفی اور مستور درجہ بھی کسی مرتبہ میں حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور قابل عفو و مغفرت ہی تو بھائی کسی شخص کو کافر کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ہماری نظر اور ہمارا ادراک جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادراک کے سامنے حقیقت ہی کیا رکھتا ہی جسکی بنا پر یوں کہسکیں کہ

جسے ہمنے کافر سمجھا وہ کافر ہی ہے مومن نہیں اس حدیث پر غور کیا جاتا ہے تو کافر کو بھی کافر کہنے سے منع معلوم ہوتا ہے" امام ربانی قدس سرہ جب اس حدیث کی مبسوط تقریر فرما چکے اور علماء کا موجودہ جلسہ متاثر ہو گیا تو آپنے ارشاد فرمایا مگر بھائی شریعت کا حکم ہے کہ کافر کو کافر کہو اسلئے بندہ کو تعمیل میں عذر کیا جسپر علامت کفر دیکھیں گے ہم تو اسے کافر سمجھیں گے اور کافر ہی کہیں گے" یہ فرما کر خاموش ہو گئے اور پھر دوسرا ذکر شروع فرما دیا۔

اس حدیث سے امام ربانی قدس سرہ کا تفقہ اور مجتہدانہ شان کا استنباط ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ نکات اور مضمون دقیق سے متاثر ہونا اپنے کو ہیچ سمجھنا جسکو تواضع کہا جاتا ہے اور معرفت الٰہیہ کے ساتھ پاس شریعت تحفظ ادب امتثال مراد تعلیم و تادیب علماء کا خاص اسلوب ظاہر ہو رہا ہے کہ بظاہر دو متضاد موثر سے آپکا قلب و جسم بدرجہ مساوی متاثر تھا اور کسی ایک حالت کا دوسری پر غلبہ نہ تھا اور ہر قلبی تواضع اور حق تعالیٰ کی بے نیازی کا اذعان بدرجہ اتم تھا اور اُدھر سیاست شرعیہ فریضہ منصب ارشاد کمال کے درجہ پر پہونچا ہوا تھا۔

امام ربانی قدس سرہ کے کمالات کوئی کیا سمجھے اور کیونکر بیان کرے آپکا دلی منشا اور طبعی اقتضا جس خلوت و یکسوئی اور اپنے ایک معبود لاشریک لہ کے ذکر و فکر میں محو و مستغرق رہنے کا تھا اسکو مسند ہدایت کی جانشینی کے سبب مخلوق کے ساتھ وابستگی اور تعلیم و ارشاد خلق میں مشغولیت کے حکم نے مغلوب بنا لیا تھا آپکی عبدیت کا اقتضا یہی تھا کہ بندہ حکم بنے رہیں دلپر جابے ہر وقت اڑے چلیں مگر اطاعت محبوب سے سرمو تجاوز نہونے پائے اسمیں شک نہیں کہ آپکا قلب ہر وقت بزبان حال کہتا تھا کہ ؎

نخواہم جز تو یک ساعت تفکر در گرد ن	کہ در ہر دو جہاں جاناں ندارم جز تو دلدارے

مگر اسکے ساتھ ہی اسمیں بھی شبہ نہیں کہ آپکے جسم و جان کی ہر حرکت و سکون سے یہ مضمون ظاہر ہو رہا تھا کہ

آنہا کہ خواندہ ام ہمہ از یاد ما برفت الّا حدیث دوست کہ تکرار میکنم

جو مہتم بالشان خدمت آپکے سپرد کی گئی تھی حقیقت میں آپ اسکے اہل تھے چنانچہ آپنے اسکو چالیس سال تک نباہ کر دکھلا دیا کہ مسند ارشاد و تربیت پر شستہ رو بجانب خلق تھا اور بسوئے خالق ہمہ تن محو

؎ دل پیش تو ام دیدہ بجائے دگر ستم تا خلق نداند کہ ترا مے نگرستم

ایک دن مولوی امیر شاہ خاں صاحب نے حضرت قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ میں ایک روز مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس ایک نوعمر درویش آئے اور بیٹھ گئے وہ بزرگ جنکے پاس میں بیٹھا ہوا تھا اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائی تمہارے قلب میں

بڑی اچھی چیز ہے اُن بیچاروں نے اپنا حال چھپانا چاہا مگر انھوں نے پر وہ ہی فاش کر دیا کہنے لگے کہ تمھارے قلب میں ایک عورت کی شبیہ ہے اسکی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں غرض تمام حلیہ بیان کر دیا اسوقت وہ درویش بہت نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ بیشک آپ سچ فرماتے ہیں ابتدا جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا ہر وقت اسکے دھیان میں رہنے سے اسکی شبیہ میرے قلب میں آگئی ہے اب جب کبھی طبیعت بیقرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اسکو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے" مولوی امیر شاہ خان صاحب یہ قصہ بیان کر کے منتظر رہے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائینگے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا سکے خاموش ہو گئے جب کئی مرتبہ مولوی صاحب نے بات اٹھائی تب حضرت نے ارشاد فرمایا بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ انکو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونیکی نوبت پہونچتی تھی میرا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپکے مشورہ کے میری نشست و برخاست نہیں ہوئی حالانکہ حاجی صاحب کہہ میں تھے اور اسکے بعد جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی تعلق برسوں رہا ہے اسکے بعد اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے کچھ نفرمایا اور دیر تک ساکت و سرنگوں رہے مطلب ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی اجازت کے بغیر نہ حرکت ہوتی ہے نہ سکون

امام ربانی قدس سرہ کو حق تعالیٰ نے جو کمالات عطا فرمائے تھے حقیقت میں وہ اسد درجہ دقیق ہیں کہ اُن کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ سارے کمالات کا مجموعہ آپ میں یہ کمال تھا کہ آپ مثل عام مومنین کے سرتاپا عبدیت ایک بندۂ مومن تھے نہ آپ پر اضطراب تھا نہ بیخودی نہ سکر تھا نہ تحیر نہ ولہ تھا نہ عاشقانہ شوق و اضطرابانہ اشتیاق بس ایک اتباع شریعت مصطفویہ کا ہر دم خیال تھا اسی دھن میں آپ مستغرق تھے اور اسی مشغلہ میں ہر لحظہ مشغوف ابطال بدعت کے پھیلائے ہوئے طریقہ مرضیہ کو آپنے مضبوط تھاما تھا مقوی سے تھاما تھا کہ دیندار متشرع اور محب سنت شخص سے محبت کرنا اور بد دین فاجر اور مخالف سنت بدعتی کو مبغوض سمجھنا آپکا فطری اور طبعی اقتضا بنگیا تھا آپکا روان روان پکار رہا تھا کہ ؎

من دشمنت را دشمنم چو دشمنت با شد ز		جز آنکہ با دلیوے بود دیا غول یا دیوانہ	

دن کی چمکتی شعاعوں اور رات کی سنسان گھڑیوں میں جسکی آپکو تلاش رہتی تھی وہ صرف ایک رضائے محبوب تھی جسکا حصول آپنے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عادات و عبادات میں اتباع کرنے پر موقوف سمجھ لیا تھا۔

حق تعالیٰ کی عظمت و جلالت شان چونکہ آپکی رگ رگ میں پیوست تھی اسلئے قرآن مجید کی تلاوت کیوقت آپ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اسکا اظہار بھی ہو جاتا تھا آخر شب میں جبکہ خالی مکان کے اندر آپ اپنے آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرأت قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہوتا اور پڑھتے پڑھتے رک رک جاتے تھے سسکیاں آپکا حلق تھام لیتیں اور بکاء پر مجبور کرنیوالی حالت آپکو ساکت و صامت بنا دیا کرتی تھی آنکھوں سے آنسو بہتے اور رخسارہ و بحیہ پر گذرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلے پر گرا کرتے تھے آپ آیات کلام اللہ سے صرف تجلیات معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ فرماتے تھے بلکہ اسکے ساتھ آپکے اعضاء جسم پر ایک خاص اثر اور وہ حالت پیدا ہوا کرتی تھی جو مضمون آیت کے مناسب ہوتی تھی تلاوت میں آپ جب ایسی آیت پر پہونچتے جہاں ذکر رحمت و وعدہ مغفرت ہے تو رجاء و مسرت سے انبساط پیدا ہوتا اور جسوقت وہ آیت پڑھتے جہاں غضب و وعید عذاب کو دیکھ کر آپکا بدن کانپنے لگتا اور رعشہ پڑ جاتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کبریائی اور بے نیازی کا مضمون پڑھتے تو گردن جھک جاتی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جلال خداوندی کے مشاہدہ سے نیست و نابود ہوئے جاتے ہیں اور تخویف و ترہیب کے مضمون پر گذرتے تو ترہیب کے سبب دنگے کھڑے ہو جاتے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ خوف کے مارے دبے جاتے اور گویا زمین میں گڑے جاتے ہیں۔ آپکے تاثر کی یہ طبعی حالت بعض وقت متعدی ہوتی اور اقتداء کرنیوالے نمازیوں پر بھی طاری ہو جاتی تھی مولوی عبدالرحمن صاحب نجوی جو کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت ہی سنایا کرتے تھے ایک شب آپنے تراویح شروع کیں میں بھی جماعت میں شریک تھا قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہونچے جسمیں خوف و خشیۃ دلایا گیا تھا جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان کے سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف مگر آپکے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ تھا کوئی بیقرار اور کوئی تھر تھر کانپ رہا تھا اس رکوع کے بعد جب آپنے دوسرا رکوع شروع کیا تو اسمیں رحمت خداوندی کا بیان تھا اسوقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت تک بخت منقلب ہو گئی فرحت و انبساط کیساتھ یہانتک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نکر سکے اور قہقہہ جاری ہو گیا۔

دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار ہو کر اس سفر کو قطع کر رہی ہے اسلئے مسافرین آخرۃ اہل اللہ اپنے سفر کے ہمجنس مسافروں کے ساتھ جو حسن سلوک و شفقت کا نیک برتاؤ کرتے ہیں وہ جدا گانہ

عملی کمال سمجھا جاتا ہے۔ امام ربانی قدس سرہٗ کو باوجود یکہ آپکے قلب سے ماسوی اللہ کی محبتوں کے علاقے کٹ گئے تھے اس درجہ میں اللہ کی مخلوق اور دیندار متوسلین کے ساتھ جو محبت تھی وہ غالباً بیٹے کے ساتھ باپ کی محبت سے بڑھی ہوئی تھی مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی دام فضلہ کی عادت تھی کہ ماہ رمضان میں اکثر گنگوہ حاضر ہوا کرتے تھے ایک مرتبہ علالت کے سبب نہ آسکے تو حضرت نے کئی مرتبہ دریافت فرمایا کہ مولوی محمد حسن نہیں آئے خدا جانے کیا سبب ہے؟ آخر بعض مراد آبادی لوگوں سے جب وہ جانے لگے یوں ارشاد فرمایا مولوی محمد حسن سے سلام کہدینا اور کہنا کہ اپنی اور متعلقین کی خیریت سے جلد اطلاع دیں کہ طبیعت کے متعلق ہے مولوی محمد یحییٰ صاحب اپنی اہلیہ کو لیکر کاندھلہ روانہ ہوئے وضع حمل کے دن قریب تھے بہل کے ہچکولوں سے راستہ میں اسقاط ہو گیا جسوقت آپکو اس قصہ کی اطلاع کسی خادم نے دی تو بے اختیار آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور نہایت تاسف سناک لہجہ میں آپنے یہ شعر پڑھا ؎

اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں	اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

اپنی عاقبت سوار نیکو جو کوئی بھی آپکی خدمت کرتا تھا آپ اسکو اپنا محسن سمجھتے اور احسانمندی شکر گذاری ظاہر بھی فرماتے تھے ایک مرتبہ کسی خادم نے تبرکاً آپسے مستعمل پرانے کپڑے کا سوال کیا آپنے ارشاد فرمایا بھائی عرصہ سے میرے پاس کوئی مستعمل کپڑا نہیں رہتا خدا برکت دے دینے والوں کے مال میں کہ نئے کپڑے بنا کر لاتے ہیں اور ایکبار پہنا کر دوسرے دیجاتے اور پہلے لیجاتے ہیں یہی سلسلہ اکثر رہتا ہے چنانچہ اسوقت بھی جو کچھ پہنے بیٹھا ہوں سب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کا عطیہ ہے۔

ایک مرتبہ نواب وحید علیخاں صاحب نے غالباً سو روپیہ کا نوٹ چپکے سے آپکی نذر کیا باہر تشریف لاکر آپنے علی الاعلان ارشاد فرمایا نواب صاحب نے مجھے اتنی رقم عطا فرمائی نواب صاحب نے گردن جھکائی تو آپنے فرمایا بھائی کوئی کسی پر احسان کرے تو کیا اسے ظاہر بھی نکرے؟

مفلس و تہیدست مؤلف سچ یہ ہے کہ آپکے کمالات علمیہ و عملیہ کے اظہار کا حق ادا نہیں کر سکتا خلاصہ یہ ہے کہ ملۃ بیضاء محمدیہ کو اگر آسمان کہا جائے تو آپکو اسکا کوکب دری کہنا پڑیگا اور شریعۃ غراء مصطفویہ کو اگر بحر زخار مانا جائے تو آپکو اسکے صدف کا در فرید سمجھنا چاہیئے یہی کمال آپکے جملہ کمالات کی اصل ہے اور اسی کمال کو اللہ کی مقبول جماعت نے منتہائے مرادات سمجھکر اصل مطلوب اور مقصود قرار دیا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

حسّی کرامات

اولیارا ہست قدرت از الٰہ		تیر جستہ باز آرندش ز راہ	
بستہ درہائے موالید از سبب		چوں پشیمان شد ولی از دست رب	
گفتہ ناگفتہ کند از فتح باب		تا ازاں نے سیخ سوزد نے کباب	

کرامت اُس خرق عادت امر کا نام ہے جو متبع سنت کامل التقوٰی مومن سے صادر ہو۔ کرامت کیلئے ضرور نہیں کہ اُس ولی کو جو مظہر کرامت بنا ہے اُسکا علم بھی ہو اور نہ یہ لازم ہے کہ قصد و ارادہ اُسکے ساتھ متعلق ہو پس کہیں علم و قصد دونوں ہوتے ہیں اور کہیں دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہوتا اور کہیں علم ہوتا ہے قصد نہیں ہوتا۔ کرامت کی دو قسم ہیں ایک حسّی ایک معنوی عوام چونکہ حسّی کو جانتے اور اسی کو کمال سمجھتے ہیں اسلئے کرامت گویا انہیں ظاہری امور کا نام ہو گیا ہے جو قانون عادت سے خارج اور صورۃً عجیب ہیں مثلاً کسی کے مافی الضمیر پر مطلع ہو جانا پانی پر چلنا ہوا پر اُڑنا وغیرہا لیکن خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے جسکو امتیاز کے لئے کمال کے عنوان سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا نیک کاموں کا بے تکلف صادر ہونا عادات ذمیمہ سے قلب کا طاہر ہو جانا اور کوئی سانس غفلت میں نہ گذرنا یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال نہیں اور یہ وہ یکتائی ہے جسکا کوئی ساجھی نہیں۔

جی نہیں چاہتا کہ کمالات معنویہ کے ساتھ کرامات حسیہ کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ اعلیٰ کے ہوتے ادنیٰ کا ذکر فضول ہے مگر سوانح کا نام مجبور کرتا ہے کہ ہر عنوان بقدر ضرورت ہدیۂ ناظرین ہو اسلئے چند واقعات نمونہ کی صورت میں بیان کرنے پڑے وہ نہ حقیقت میں جسطرح آفتاب عالمتاب کا چمکتا ہوا چہرہ دکھلانے کو ننھا سا چراغ جلا کر ہاتھ میں لینا شرم کی بات ہے اسی طرح قطب الوقت مخدوم العالم نائب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب علیہ کا تذکرہ کرتے وقت بصورت استدلال ایسے خوارق عادت امور کی تسطیر جو قرب خدا اور اصل مقصود ولایت کے مقابل ہیچ در ہیچ ہیں ندامت کا سبب ہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کی اصل کرامت آپکے دل عرفان منزل کی وہ کیفیت راسخہ تھی جس نے آپکو حق تعالیٰ شانہ کی رضا کا سچا طلبگار بنا دیا تھا اسی کا ثمرہ تھا وہ اتباع سنت مصطفویہ جسکے سانچہ میں آپکی عادات اوضاع اطوار غرض جملہ ضروریات گویا ڈھال دی گئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے الطاف

مشیت کے آگے اپنے قصد و اختیار کا مسلول و مسلوب کر لینا ہی حق تعالیٰ کا سچا عشق ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن پا بدستے دگرے دست بدستے دگرے

اسی عشق کا درود اللہ وہ سچی راحت ہے، جو صاحب نصیب خوش قسمت جوان مردوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ عالم حادث میں جو حوادث پیش آتے اور رنج و مسرت کے واقعات صادر ہوتے ہیں وہ بارادۃ اللہ ہونے کے سبب انکی مرضی اور منشا کے موافق ہوتے ہیں اسلئے کہ انکی مراد وہی ہے جو اس محبوب حقیقی کے ارادہ سے متعلق ہو ایسے پاکیزہ نفوس کے حالات کوئی لکھے تو لکھے اور ان شیفتگان رضا و محبت کے عشق کا راز کوئی ظاہر کرے تو کیا ظاہر کرے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم در کش حمید این قصۂ عشق است رد دفتر نے گنجد

اسی ایک عشق کے ثمرات ہیں جو اولیاء اللہ کے عادات و شمائل بنتے ہیں اور جنکا تذکرہ اس سوانح کے عنوانات سابقہ میں ہو چکا ہے علم حلم تواضع عفت قناعت زہد ورع تقوی حسن ہیئت حیا ظرافت لطافت مساعدت شجاعت دیانت عفو احتمال ثبات شہامت شفقت نجدۃ کرم احسان ضبط صبر وقار حسن معاملہ در حضور غیبت نیک خواہی صدق و صفا محبت و رضا اور مطاوعت جمیع امور شرعیہ علی صاحبہا الف سلام و تحیہ رسا شامیں ہیں اسی ایک اصل کی اور انہیں خصائل حسنہ کی وہ پختگی کہ گویا فطری بنجائیں اور ملکہ راسخہ ہو جائیں استقامۃ کہلاتی ہے جسکو صوفیہ رحمہم اللہ نے فوق الکرامۃ مانا ہے چونکہ امام ربانی قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے ان جواہرات بے بہا کے بھرپور خزانے عطا فرمائے تھے اسلئے کرامات حسیہ کو انکے پہلو میں ذکر کرنا کیا وقعت رکھتا ہے؟ آپ نائب رسول قطب الارشاد قرار پائے تھے اسلئے آپ میں نہ وہ جوش و خروش تھا جو متوسط الحال اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اور نہ وجد و غلبۂ حال یا تڑپ اور بے قراری و اضطراب کا وہ مضمون ظاہر تھا جسکو عوام الناس بھی دیکھکر ولایت و کمال سمجھ لیتے ہیں آپکا کمال یہی تھا کہ آپکی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی تھی ؎

جملہ عالم زین سبب گمراہ شد کم کسے از سرّ حق آگاہ شد

گفت اینک ما بشر ایشان بشر ماؤ ایشان بستۂ خوابیم و خور

ایں ندانستند ایشان از عمی در میان قرتے بود بے منتہا

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا زاں خورد گردد ہمہ نور خدا

کار پاکان را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی وہ کرامت عظمیٰ جو آپکے وصال کے بعد بھی باقی ہے یہ ہے کہ آپ کا دامن پکڑنے والی مخلوق اس زمن پرفتن میں بھی شریعت مصطفویہ کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط تھامے ہوئے اور اس مضمون پر سچے دل سے ایمان لائے ہوئے ہے کہ ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا		تواں رفت جز در پئے مصطفا	

آپکا ناکارہ سے ناکارہ غلام اگرچہ عمل کے درجہ میں کمزور ہو مگر علم کے مرتبہ میں پختہ ہے بہوائے نفس کو دنیا میں بھٹکتا ہوا مگر سواد قلب میں توحید و رسالت کا تخم لئے ہوئے اور یوں سمجھے ہوئے کہ نشان ہدایت و ملاک سعادت اگر ہے تو بس متابعتِ شریعت ہے ؎

ہر کہ در راہ محمد رہ نیافت		تا ابد گردی ازیں درگہ نیافت	

ہر لورد و سرور کہ پناہ فخر شریعت میں نہوان کے نزدیک مکروہ و سوسہ ہے اور ہر خرق عادت اعجوبہ جو متابعت سنت کے ظل عاطفت میں نہو استدراج و سفسطہ ہے ؎

ہر چہ در داعیہ شرع نیست		وسوسہ دیو بے نزاع	

چونکہ وضع شریعت ظہور حقیقت ہی کے لئے ہے پس آپ کے متوسلین کا قلباً و جناناً اس مضمون میں پختہ ہونا بھی وہ نعمت کبریٰ ہے جو امام ربانی کی جوتیوں کے طفیل اُس متوسل کو بھی حاصل ہوا جس نے صرف ایک بار بارگاہ محبت و اخلاص آپکی زیارت کی اور طالبانہ و مستمندانہ ارادت کا اظہار کیا حق تعالیٰ کا فضل تھوڑا نہیں ہے اگر مجھ سے سچ پوچھئے تو اصل ولایت یہی ہے اور اعمال خارقہ اسکے فروع و ثمرات ؎

ہر آن کو در شریعت راسخ آید حقیقت راہ بروئے خود کشاید

اگر تامل و غور کیا جائے تو آپکا وجود باجود سرتاپا کرامت نظر آتا ہے کہ باوجود آپکی خلوت نشینی عزلت گزینی اور ایک چھوٹے سے قصبہ میں جسکو چار طرف دشوار گذار راہیں محیط تھیں آپکی سادہ و مولویانہ گذران اور سب پر طرہ خود اخفاء و استتار حال میں سعی و کوشش اور جد و جہد ہونے کے آپ اطراف ہند و آفاق ارض میں بکمال علم و علو فضل مشہور ہوئے اور مرجع عوام و خواص بنے آپ جلوت و اژدحام خلق سے گھبراتے تھے اور اللہ عز اسمہ کی مخلوق آپ کے قدموں پر اپنا جان و مال نچھاور کرنا عین سعادت سمجھتی تھی آپ جتنا لوگوں سے کھنچتے تھے اُسی قدر لوگ آپکی طرف کھنچے تھے بہتیرے بندگان خدا نے اپنا گھر بار چھوڑ کر

آپکی خدمت میں فقیرانہ گذران پر ٹپارہنا سلطنت سمجھا اور آپکی یکساعت صحبت کو اہل وعیال اور وطن پر ترجیح دی سب جانتے ہیں کہ ظاہر بین نگاہوں کی دلچسپی کا کوئی سامان آپکی بارگاہ میں نہ تھا اور اسلئے آپ سے طداری دوابستگی کے اسباب میں کوئی سبب آپکے دربار میں نظر نہ آتا تھا مگر باایں ہمہ گداو تونگر شریف ووضیع چھوٹے اور بڑے سب آپکی طرف جھکتے اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کو لپکتے تھے۔ خدا جانے وہ مقناطیسی کشش کیا تھی جسکی جانب قلوب کی کھچاوٹ بے اختیارانہ ہوتی تھی اور اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ کون باطنی قوت تھی جسکی کرامت کا ثمرہ آفاق عالم سے جوق جوق مخلوق کا ایک ایسے گانوں کی جانب کھینچ لینا تھا جسکی اطلاع ضلع کے باشندوں کو بھی قابل تعجب معلوم ہوتی ہے تعجب ہے کہ گنگوہ سے ان لوگوں کو بھی واقفیت ہے جو سہارنپور کے نام سے واقف نہیں اور اگر واقف ہیں تو تبعاً یعنی گنگوہ کا ضلع ہونے کے سبب وھذا ھو عکس الموضوع۔

آپکی عمر شریف کا ہر سن وسال بلکہ ہر مہینہ اور ہر دن گویا بالاستقلال کرامت ہے آپکی متوکلانہ گذران آپکی جان ومال کا تحفظ اعداومخالفین کی ایذارسانی کے متصور اور تکلیف دہی کے مقاصد میں ناکامی اور آپکے پاک مقصد میں آناً فاناً ترقی وعروج کے ساتھ مبتدعین کا بیجا اور ناحق کوششوں میں حرمان وخیبوبت وخسران سب آپکی کرامات میں داخل ہیں مگر چونکہ عوام کے نزدیک معنوی ہیں اس لئے سمجھنا دشوار ہے حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سے رائے لی کہ اگر جائداد نہ رکھوں تو کیسا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا "اگر رکھو تو رخصت ہے اور نہ رکھو تب بھی حق تعالیٰ روزی سے تمکو کبھی پریشان نہ کریگا" چنانچہ اب تک جس آرام سے بسر ہو رہی ہے میں اس لائق ہرگز نہ تھا یہ حضرت کی صریح کرامت ہے خواہ حسیہ سمجھئے اگر کہا جاوے کہ اپکو کشف ہوا تھا یا معنوی اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا میل کرکے فرمادیا تھا۔ ایسا اعتماد کشف سے ہزار درجہ بڑھکر کرامت عظمیٰ ہے ۱۲ انتہی تحریرہ الشریف۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ حضرت مولانا جسوقت جامع العلوم کانپور کی ملازمت چھوڑ کر آئے اور سو روپیہ ماہوار کی موعودہ رقم کو غیب کے خزانہ عامرہ پر توکل واعتماد کی بدولت ترک فرمایا جدی ترکہ کی مستقل آمدنی سے دست برداری کی ہے اُسوقت سے آجتک نہ کوئی ضرورت بند ہوئی نہ احتیاج کی ضیق پیش آئی دنیاوی آسایش کا تو یہ حال اب رہی روحانی راحت اور اندرونی کیف اسکا پوچھنا ہی کیا حق تعالیٰ نے جس

دولت لازوال سے مالامال فرمادیا ہے نہ کسی میں تاب سوال ہے نہ مولانا اُسکا جواب عطا فرماویں مگر اتنا ظاہر ہے کہ

با دوست کنج فقر بہشت است بوستان بے دوست خاک بر سر جاہ و تونگری

ایسے واقعات آپکی سوانح میں ایک دو نہیں سیکڑوں بلکہ ہزاروں نکلیں گے جن میں کرامت حسیہ و معنویہ دونوں کا اشتراک ہے تفصیل کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا اور کیونکر چاہے جبکہ حاضر ہونے والوں نے خود اپنے نفس اور نیز دوسروں پر روزانہ اس طرح کے متعدد واقعات تعلیم و تلقین افہام و تفہیم ارشاد و مشورہ تک میں گذرتے ہوئے ہمیشہ آنکھوں سے دیکھے۔ ایک مرتبہ ایک نابینا شخص آپکی خانقاہ میں آیا اور اپنے اخلاص و اشتیاق زیارت کا بہت ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیا اور کہا کہ پاپیادہ میرٹھ سے روانہ ہو کر گنگوہ پہونچا ہوں صرف اسلئے کہ اللہ کا نام سیکھوں یہانتک کہ اہل خانقاہ اُسکے عاشقانہ شوق سے متاثر ہوئے اور حسب سعت خاطر و مدارات کی جب اذان ہوئی اور حضرت مسجد میں تشریف لائے تو اس شخص نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے حضرت نے ہاتھ جھٹکدئے اور بہت ہی بے پروائی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دیا ہر چند کہ اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا تمنی و آرزومند ہونا ظاہر کیا مگر حضرت نے اتنی بھی توجہ نہیں فرمائی جتنی کسی فارغ الذہن اجنبی آنے والے کی جانب ہوتی ہے جو حضرات نے اس نووارد کو اُسکی نشانی دگر یہ تصنع کے سبب حضرت کا عاشق زار سمجھا تھا اُنکو تعجب بھی ہوا مگر کسکو ہمت تھی کہ لب ہلائے بعض مخلصین نے سفارش بھی کی کہ حضرت نابینا مایوسی کے سبب بہت پریشان ہے مگر حضرت کو سفارش بھی ناگوار گذری اور غصہ کے ساتھ فرمایا "جب تمہیں دخل نہیں تو اس کام میں بولا کیوں کرتے ہو اور اُسکے قلب کو تو دیکھو دنیا بھری پڑی ہے" پھر کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ کچھ عرض کرے آخر وہ نابینا چلا گیا دس بارہ روز ہی گذرے تھے کہ عرس کا زمانہ آگیا دیکھا تو نابینا موجود تھے اور قوالی میں خوب خوب حال لاتے تھے صوفی کرم حسین صاحب جو ابتدائی قصہ دیکھ چکے اور متعجب ہوئے تھے یہ حالت دیکھکر دم بخود رہگئے اور موقع پاکر نابینا سے کہنے لگے "میاں حضرت کے ساتھ شوق دولہ کہاں گیا؟ یا بابا میں شوراشوری یا بابا میں بے نمکی" بیچارے تھے راستگو کہنے لگے معجبیا یہ تو یاروں کے دھندے ہیں خیال تھا کہ تمہارے میاں صاحب پر سکہ جم جائیگا تو آؤ بھگت کے ساتھ چند روز گذر جائیں گے پھر عرس کا وقت آئیگا اور یہاں حال قال میں بھرم بندھیگا باقی کیسا شوق اور کیسی تمنائے زیارت ہم تو ستیاناس آدمی ہیں یوں ہی گذارتے پھرتے ہیں ؎

نے خادم ہیچکس نہ مخدوم کسے گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

جن دنوں ندوۃ العلماء اپنی ابتدائی شان و شوکت کا دل آویز لباس پہنکر اٹھا اور اہل اسلام نے عموماً اور بہتیرے مخلصین اشرو الوں نے خصوصاً اسکی ضرورت اسکا استحسان اور اسکی خوبیاں تسلیم کرکے شمولیت اختیار کی تھی حضرت امام ربانی نے موافقت نہیں فرمائی ہر چند کہ آپکی صدارت و سرپرستی پر زور دیا گیا خود مولانا محمد علی صاحب ناظم ندوہ یہ درخواست لیکر منظوری کی سعی فرمانے کے لئے گنگوہ کے عازم ہوئے مگر جب دیوبند پہونچے تو حضرت نے کہلا بھیجا کہ اس ارادہ سے گنگوہ کا قصد نفرما دیں کیونکہ میں شامل ہرگز نہوں گا گفتگو جو کچھ کرنی ہو دیوبند میں مولانا محمود حسن صاحب یا سہارنپور میں مولانا خلیل احمد صاحب سے کرلیں" آخر ناظم صاحب کو سہارنپور ہی سے واپس ہونا پڑا اور حضرت یا آپکے متعلقین شامل نہوئے چونکہ ندوۃ العلماء کے عالی و بلند ارادوں اور مقاصد عظمیٰ کی اولوالعزمیوں میں اسوقت کسی کو ادنیٰ شک بھی نہیں ہو سکتا تھا اسلئے حضرت کے بعض واقفین نے عرض بھی کیا کہ صاحبزادہ صاحب اور حضرت مولانا دیوبندی کو اجازت عطا فرماویں کہ شریک جلسہ سالانہ ہو جائیں مگر آپ نے بذریعہ تحریر انکو آگاہ فرمایا "مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ انجام اسکا بجز نہیں اسواسطے میں اپنی طرف سے کسی کو اجازت نہیں دیسکتا" کسی کو کیا خبر تھی کہ بہتیرے کام ابتدا میں حسین بنکر ابھرتے اور چند روز بعد متغیر و متنکر ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور اسکا ادراک بہت ہی دقیق بصیرت کا منصب ہے یا کشف و الہام کے ساتھ وابستہ ہے چنانچہ کچھ عرصہ بعد مولانا سید علی صاحب کو بھی مستعفی ہونا پڑا اور سنت مصطفویہ کے متمسکین اہل اسلام نے دیکھ لیا کہ جس خاص مضمون کے سبب مسلمانوں کے قلوب ندوہ کی جانب کھنچتے تھے وہ بات آہیں نہ رہی مبادی کیا تھے اور ثمرات کیا پیدا ہوئے مقصود اور علت غائی کیا تھی اور نتیجہ و مآل کار کیا ظاہر ہوا۔

دیوانہ بہار دید گفتا کہ دے است — در شیشہ گلاب دید گفتا کہ مے است
ہر کس بزبان حال سے گفتند — جنبیدن ہر کسے از انجا سبکے است

مولوی علی رضا صاحب بریلوی حضرت کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت کے تناول طعام کے بعد چارپائی کی خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی ایک روز دوپہر کے وقت میں خانہ میں بیٹھا ہوا چارپائی بچھا رہا تھا کہ پینے کا وقت آگیا جلدی سے سماوار لیکر باہر نکلا اور لیکر ہوا خانقاہ کی طرف چلا دیکھا کہ چند احباب تخت پر بیٹھے مٹھائی کھا رہے ہیں جو حضرت کی طرف سے تھی انھوں نے میری مصلحت بھی کی کہ آؤ تم بھی شریک ہو جاؤ مگر چونکہ حضرت دولتخانہ سے کھانا تناول فرما کر آچکے تھے اسلئے میں لپکا ہوا چلا گیا بار بار خیال آتا تھا

مولوی علی رضا صاحب بریلوی

ضرور ہوا کہ دیکھئے حضرت نے مجھے مٹھائی میں بھی یاد نہ رکھا" چار حضرت کو بلا کر میں اپنے حجرہ میں آ لیٹا مگر بشریت کا اقتضا تھا کہ مخدوم کا خادم کو عطا کے وقت بھولجانیکا وسوسہ بار بار آتا رہا چند لمحہ گذرے تھے کہ حضرت نے مسجد کے قریب تک تشریف لاکر مجھے پکارا میں گھبرا کر باہر نکلا دیکھا تو حضرت گوشہ مسجد سے لگے کھڑے ہیں ہاتھ میں مٹھائی ہے جب میں پاس پہونچا تو آپنے مٹھائی عطا فرمائی اور یہ کہکر کہ "کو کھالو" تشریف لیگئے۔ مجھے اسوقت ایسی ندامت ہوئی کہ ہفتوں سامنے جانے سے جھجکتا اور شرماتا رہا کہ حضرت خیال فرماتے ہونگے بڑا بدنیت اور لالچی شخص ہے ؎

خدام جو حاضر نہوں رکھ چھوڑنا اُنکے حضر اور بعد میں دینا اُنہیں ہے سنت خیر البشر

صوفی کرم حسین صاحب فرماتے ہیں جس زمانہ میں بندہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھا میرے ایک دوست گنگوہ آئے میں انکو حضرت کی خدمت میں لیگیا حضرت نے دریافت فرمایا کیوں آئے؟ چونکہ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونا طلب دین ہی کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے اسلئے انھوں نے عرض کیا کہ "بیعت کے واسطے حاضر ہوا ہوں" حضرت امام ربانی نے اس جواب پر تسلی نہ پائی فرمایا ٹھیک کہو بھائی آنے سے غرض کیا ہے؟ آدمی بڑے سچے تھے اسلئے کہنے لگے حضرت اصل بات تو یہ ہے کہ میں ایک مقدمہ میں پریشان حال ہوں اس میں کامیاب ہونیکی دعا کرانے آیا ہوں۔ آپکو یہ راستگوئی انکی بہت پسند آئی اور خوش ہوکر فرمایا ہاں یہ مسلمانوں کی سی بات کہی ہے" اسکے بعد صورت معاملہ دریافت فرماکر دعا کا وعدہ کرلیا دوسرے وقت انکو بلوایا اور فرمایا میں نے اسوقت تلاوت کلام اللہ کے بعد تمہارے لئے دعا کی تھی امید ہے حق تعالیٰ تمکو کامیابی دے"۔ یہ صاحب ایک روز مقیم رہے اگلے روز مجھسے کہنے لگے کہ کرم حسین لو مقدمہ تو فتح ہوگیا اب مجھے مرید بھی کرادو چنانچہ میں انکو حضرت کی خدمت میں لیگیا اور عرض کیا کہ حضرت یہ میرے دوست ہیں انکو بیعت فرمالیجے مجھپر احسان ہوگا حضرت نے اسی وقت انکو بیعت کیا اور مجھسے یوں فرمایا تمہاری خاطر انکو بیعت کرلیا ہے ان سے کچھ نہو سکیگا"۔ اسکے بعد وہ صاحب چلے گئے چند روز بعد معلوم ہوا کہ مقدمہ انکی منشا کے موافق طے ہوگیا اور حضرت کی تعلیم و تلقین کی ابتک کچھ بھی پابندی نہ کرسکے۔

حضرت امام ربانی دیوبند تشریف فرما تھے مولوی حسین شریف مدراسی جو حضرت کے شاگرد بھی ہیں ایک سماوار جسمیں کل چھ پیالی چائے تھی تیار کرکے اپنے شوق میں بھرے ہوئے حضرت کو پلانے لیکر آئے یہاں دیکھا تو مکان آدمیوں سے بھرا ہوا تھا اور اکثر علماء اور مولوی حسین شریف کے اساتذہ تھے اب

مولوی عزیز الرحمن صاحب گنگوہی

حیران ہوئے کہ کسکو دوں اور کسکو نہ دوں آخر یہ سوچکر کہ خاص خاص کو بلا کر چپکا ہی چلدو نگا سماوار لیکر دالیز پر بیٹھ گئے حضرت نے ارشاد فرمایا مولوی حسین شریف ایک طرف سے دینا شروع کرو حضرت کے ارشاد پر گو نہ پریشان تو ہوئے مگر تعمیل ضرور سمجھکر چار پیالی میں نکال داہنی طرف سے تقسیم شروع کردی تقریباً بیس پچیس آدمی مجمع میں موجود تھے جب سب نے چار پی لی تو سماوار کھولا دیکھا تو اُسمیں ابھی چار موجود تھی۔

یہی مولوی حسین شریف صاحب جب اپنے مکان جانے لگے تو گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت سے عرض کیا کہ خرچ کم ہے صرف پچیس روپیہ میرے پاس ہیں اور وطن دور ہے حضرت نے دو روپیہ اپنے ہاتھ سے اُنکی تھیلی میں رکھدیئے اور طرز نکالنے کا بتا کر یوں فرمادیا کہ تھیلی کو اُلٹنا نہیں نکال نکال کر خرچ کئے جانا۔ مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو کر مکان پہونچے وہاں حساب لگایا تو ستر روپیہ خرچ کی میزان ہوتی تھی اور تھیلی میں ابھی روپیہ موجود تھے جسکو اُن کے بھائی نے اُلٹ کر نکال لیا روپیہ ختم ہو گیا اور تھیلی خالی۔

حضرت کے بھانجے مولوی عزیز الرحمن صاحب فرماتے ہیں ہمارے عزیزوں میں ایک نکاح ہوا میں بھی شریک تھا بعد نماز جمعہ جب ایجاب و قبول ہو لیا تو میرے عزیزوں نے مجھسے اصرار کیا کہ چھوارے تم تقسیم کرو میں حضرت کے قریب بیٹھا تھا ہر چند میں نے انکار کیا مگر وہ لوگ اصرار سے باز نہ آئے آخر میں نے عذر کیا کہ مجھے گن گن کر بانٹنا آتا ہی نہیں حضرت نے فرمایا کیا مضائقہ ہے جسطرح جی چاہے تقسیم کردو اسوقت میں اُٹھا اور رومال کھولکر مٹھی بھر بھر کر حاضرین کو چھوارے دینے شروع کئے مسجد کے اندر مجمع تھا اتنی تقسیم میرے ہاتھوں ہو ہی تھی باہر ایک اور صاحب تقسیم کر رہے تھے۔ میرے دو ستر مٹھی بھر کر بانٹنے پر بعضوں نے شور مچایا کہ آجی کیا غضب کرتے ہو۔ اتنے اتنے مت دو" میں نے چھوارے اسی وقت ہاتھ سے رکھدئے اور یہ کہکر اپنی جگہ آبیٹھا کہ لیجئے مجھسے گن کر تقسیم نہیں ہو سکتی جتنے چھوارے میرے حوالہ کئے گئے تھے وہ ساری بھی اتنے آدمیوں میں تقسیم نہیں ہو سکتے تھے مگر خدا جانے اُسمیں کہاں سے برکت آگئی تھی کہ اتنے لوگوں کو بانٹ بھی چکا اور جب ہاتھ کھینچا تو اتنے ہی موجود تھے یا کچھ ہی کم۔

حضرت امام ربانی کا معمول تھا کہ حجرہ کی گھڑیاں روزانہ بارہ بجے دھوپ گھڑی سے ملایا کرتے تھے ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ کئی دن متواتر ابر غلیظ آسمان پر محیط رہا اور گھٹا کی وجہ سے گھڑی ملانے کی نوبت نہ آئی مولوی علی رضا صاحب جو آپکے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ایام میں ایک دن ابر کچھ پھٹا ہوا تھا کبھی دھوپ ہو جاتی اور کبھی گھٹا چھا جاتی تھی اُس دن بارہ بجے سے قبل حضرت امام ربانی مکان سے تشریف لے آئے چھپر کے

نیچے حجرہ شریفہ کی شرقی جانب پر بیٹھا لیٹ رہے اور مجھ سے فرمایا کہ دھوپ گھڑی کے پاس کھڑے ہو جاؤ جب بارہ بجیں مجھے خبر کر دینا چنانچہ میں دھوپ گھڑی کے پاس کھڑا ہوا اسوقت آفتاب پر ابر نہ تھا لیکن جسوقت سایہ خط کے برابر پہونچنے کے قریب آیا تو دفعۃً ابر کا ایک طویل و عریض ٹکڑا آفتاب پر چھا گیا میں نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت دھوپ چھپ گئی۔ آپ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور گھڑی ہاتھ میں لیکر دھوپ گھڑی کے پاس آکھڑے ہوئے آپکا آکر کھڑا ہونا تھا اور ابر کا یکایک آفتاب کی ٹکیا پر سے ہٹ جانا چنانچہ آپنے گھڑی ملائی اور حجرہ میں تشریف لے آئے میں حیران تھا کہ ابر کی غلط سٹیاں بتا رہی تھی کہ ابھی دس بارہ منٹ آفتاب نہ نکلیگا اور یا آپ کے آتے ہی آفتاب کے منہ پر سے ابر کھلگیا اور ایسا ہو گیا جیسے کوئی برقع سے منہ کو نکالدے یا جھروکے سے جھانکنے لگے۔

صوفی کرم حسین صاحب کا بیان ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا میرے پاس ایک دوست کا خط پہونچا کہ میں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوں رہائی کی کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی تم حضرت سے دعا کراؤ چنانچہ میں نے حضرت سے عرض کیا آپنے غایت شفقت کے ساتھ مقدمہ کی صورت دریافت فرما کر یوں ارشاد فرمایا کہ "تم انکی تسلی کر دو انشاء اللہ بری ہو جائیں گے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجود اندیشہ ناک اور مایوسانہ حالت کے صاف رہا ہو گئے۔

منشی اختر جمیل صاحب فرماتے ہیں ایکبار مجھپر فوجداری کا سنگین مقدمہ قائم ہو گیا اثنا مقدمہ ہی میں حضرت سے شرف بیعت حاصل ہوا چند دشمنوں کی مخالفتوں کے باعث اس مقدمہ میں ایسی گتھی بٹیں پڑ گئی تھیں کہ بظاہر رہائی سے بالکل ناامیدی تھی بیعت کے بعد میں نے اپنی پریشانی اور یاس کی حضرت امام ربانی نے کچھ دیر تامل کر کے ارشاد فرمایا کہ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" تا انفصال مقدمہ پڑھتے رہنا حضرت کے اس ارشاد پر خود بخود میرے دل میں کھٹکا ہوا کہ شاید انفصال میں دیر لگے چنانچہ مقدمہ پوری ایک سال بعد طے ہوا مگر الحمد للہ بالکل میری منشا کے موافق ہوا۔

جن دنوں نواب محمود علیخاں صاحب مرحوم رئیس چھتاری جنکے ساتھ اخلاص و ارادت کے سبب حضرت کو بھی بہت تعلق تھا علیل ہوئے اور مدہوشی طاری ہوئی سب کو زندگی سے یاس ہو گئی اسوقت ایک شخص چھتاری سے صرف اسی لئے گنگوہ بھیجے گئے کہ نواب صاحب کے لئے حضرت سے دعا کرائیں چنانچہ وہ آئے اور حضرت سے نواب صاحب کی حالت بیان کر کے دعائے صحت کی درخواست کی آپنے حاضرین جلسہ سے

فرمایا "بھائی دعا کرو" چونکہ حضرت نے خود دعا کا وعدہ نہیں فرمایا اسلئے فکر ہوا اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرماویں اسوقت آپنے ارشاد فرمایا "امر مقدر کر دیا گیا ہے اور انکی زندگی کے چند روز باقی ہیں" حضرت کے اس ارشاد پر اب کسی عرض معروض کی گنجایش نہ رہی اور نواب صاحب کی حیات سے سرکونے امید ہوگئی تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں دعا فرمادیجے کہ نواب صاحب کو ہوش آجائے اور وصیت وانتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لیں" آپنے فرمایا "خیر اسکا مضائقہ نہیں" اسکے بعد دعا فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا انشاء اللہ افاقہ ہو جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب صاحب کو دفعۃً ہوش آگیا اور ایسا افاقہ ہوا کہ عافیت وصحت کی خوشخبری دور دور پہونچ گئی کسی کو خیال بھی نہ رہا کہ کیا ہونیوالا ہے یکایک حالت پھر بگڑی اور خبر دور دراز دل نیک نفس وسخی رئیس نے انتقال بعالم آخرت فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون

صوفی کرم حسین صاحب خانقاہ میں مقیم تھے کہ ایک روز دفعۃً انکی پسلی میں سخت درد اٹھا گھبرائے ہوئے طبیب روحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کرب وتکلیف کا اظہار کیا حضرت اسوقت غسلخانہ کی جانب جارہے تھے چلتے ہی چلتے فرمادیا "انشاء اللہ جاتا رہیگا اور ہوگا" حضرت کی زبان مبارک سے غالباً یہ الفاظ پورے نہ نکلے تھے کہ یک لخت درد جاتا رہا اور الحمد للہ اب تک پھر کبھی نہیں ہوا۔

حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایکبار سخت علیل ہوئے واقفین احباب بھی یہ خبر سنکر پریشان ہوگئے اور حضرت سے عرض کیا کہ دعا فرماویں حضرت خاموش ہو رہے اور بات کو ٹالدیا جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپنے تسلی دی اور یوں فرمایا "میاں وہ ابھی نہیں مرینگے اور اگر مرینگے تو میرے بعد" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس مرض سے صحت حاصل ہوگئی اور حضرت کے وصال کے بعد اسی سال ماہ شوال حج بیت اللہ کے لئے عرب روانہ ہوئے مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے مرض ہی میں عرفات کا سفر کیا یہانتک کہ شروع محرم میں واصل بحق ہو کر جنت المعلی میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ حضرت امام ربانی اور مولانا صادق الیقین صاحب کے وصال میں کچھ دن کم وبیش سات ماہ کا تفاوت ہوا۔

میر محبوب علی صاحب عطر فروش دہلوی کی نہسال گنگوہ میں ہوا انکی نانی کا ارادہ ہوا کہ مکان مسکونہ دونوں صاحبزادوں کے نام منتقل کردیں گنگوہ میں تحصیل بیتھ اسلئے رجسٹری کے لئے نکاح خوانکی ضرورت تھی بیچاری بڑھیا ضعیفہ کو یہ سفر بہت ہی دشوار معلوم ہوتا تھا اور گھبراتی تھیں آخر کار مقدمہ لیا اور بہنا مرتب کرالیا صرف رجسٹری باقی رہی جسکے لئے حضرت باندھکر بھیجا ہوگئیں خدا کی شان کہ چلنے کے دن دست اور قے شروع ہوگئے اور اتنی

کثرت کے ساتھ کہ لینے کے دینے پڑ گئے اور سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھوڑی دیر بعد اسہال و استفراغ تو بند ہو گئے مگر پیٹ میں درد موجود تھا اور کمزور اسدرجہ ہو گئیں کہ چارپائی سے اٹھنا مشکل پڑ گیا ادھر نانی کی علالت کا فکر اور ادھر لکھے لکھائے قیمتی کاغذ کے ضائع ہونے کا ملال دو تاخیر والتوا پیش آجانیکا افسوس غرض چند در چند خلجان میں مبتلا ہوئے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حال عرض کیا آپ نے فرمایا "جاؤ جوارش کمونی کھلا دو آرام ہو جائیگا" میر صاحب اسی وقت مکان واپس آئے اور جوارش کھلائی رات ہی رات میں مریضہ کو آرام ہو گیا اور صبح اٹھیں تو ایسی تندرست کہ اپنے پاؤں چلکر گاڑی میں بیٹھ گئیں بعافیت نکوڑ پہونچیں اور اقرار و تصدیق کر کے دن کے دن گنگوہ واپس آگئیں ایسی حالت میں اتنا طویل سفر کیا اور مطلق تکان تک نہوا۔

مولوی میر جہاں شاہ جو اسوقت عدن میں مدرسہ اسلامیہ کے مدرس اول ہیں مظاہر العلوم میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فضلہ سے حدیث پڑھتے تھے دفعۃً حج کا شوق ابھرا اور حضرت مولانا سے عرض کیا کہ آپ اجازت عطا فرما دیں تو میں بھی حرمین شریفین کی زیارت کر آؤں حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ حاضر ہو کر حضرت سے اجازت لے آؤ میری بھی اجازت سمجھو چنانچہ یہ گنگوہ پہونچے اور اپنا شوق وارادہ ظاہر کیا سب کو معلوم ہے کہ حضرت امام ربانی لوگوں کی ایسی درخواست پر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ خرچ کافی پاس ہے یا نہیں اگر کافی نہوتا تو کبھی اجازت نہیں دیتے بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ بھیک مانگتے جانا درست نہیں جب زادراہ موجود نہیں تو جانے سے کیا حاصل؟ مگر مولوی میر جہاں شاہ سے آپ نے کچھ بھی دریافت نفرمایا اور یوں جواب دیا "جاؤ اللہ تعالیٰ سب کچھ آسان کر دیگا" یہ خوش خوش وہاں سے واپس ہوئے اور حجاز روانہ ہوئے جسوقت ریل میں سوار ہوئے کل پندرہ روپیہ ان کے پاس تھے اور غیور و شرمیلے اتنے تھے کہ کیسا ہی دوست کیوں نہو روٹی کھلاتے وقت پاس بیٹھنا بھی گوارا نہ تھا کسی سے سوال کرنا یا اپنی ضرورت کا بصورت حال ظاہر کرنا تو کیسا؟ مکہ معظمہ پہونچے اور وہاں سے پیدل صرف ایک رفیق سفر ہمراہ لیکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے آخر چھٹے مہینہ بعزت و راحت سہارنپور واپس آگئے چند ماہ بعد ہی عدن سے مدرس کی طلبی میں درخواست آئی اتنی دور جانے پر کوئی راضی نہوا انہوں نے منظور کر لیا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ نے انہیں کو روانہ کر دیا الحمد للہ اب تک وہاں مقیم ہیں۔

مولوی نظر محمد خاں آبھر کے باشندہ حضرت کے مخلص خادم ہیں ایک مرتبہ انکا صاحبزادہ جسکی عمر اسوقت

چار پانچ برس کی تھی سخت علیل ہوا بڑی دقت یہ تھی کہ کوئی دوا کھاتا نہیں تھا اول تو مرض کی زیادتی اسپر دوا کی صورت دیکھتے ہی رونے چلانے اور منہ بند کر لینے کی عادت تھی متعلقین کو گھبرا دیا مولوی صاحب نے بحالت اضطراب حضرت کو عریضہ لکھا آپنے ایک تعویذ عطا فرمایا اور کہا کل خبر دینا کیا حال رہا؟ تعویذ کا باندھنا تھا کہ اسی دن حق تعالیٰ نے مرض دفع فرما دیا ہفتہ عشرہ میں مولوی نظر محمد خاں صاحب بچہ کو اپنے ساتھ گھوڑی پر بٹھا کر خود ہی گنگوہ حاضر ہوئے حضرت نے بچہ کو پیار کیا اور فرمایا پلنگ پر لٹا دو اسوقت بچہ کو کچھ کھانسی کی دھسک باقی تھی حضرت حجرہ میں تشریف لے گئے اور چند جوب لا کر چارپائی پر بیٹھے نہایت شفقت سے بچہ کا نام لیکر فرمایا "شفیق بیٹی ہیں نہ میٹھی ہیں نہ کھٹی ہیں تو انکو کھالے" یا تو بچہ دوا کے نام سے چیخ اٹھتا تھا یا فوراً اس نے منہ کھول دیا حضرت نے اپنے دست مبارک سے جوب اسکے منہ میں ڈال دئے وہ نگل گیا اور منہ بھی نہ بنایا اسکے بعد چند گولیاں باپ کو عطا فرمائیں کہ دو چند روز اسکو کھلا دینا اس قصہ کے بعد دوا کھانے سے بچے نے انکار نہیں کیا۔

میر محبوب علی دہلوی کے والد ایک مرتبہ مقروض ہوئے ہر چند فکر کیا مگر ادائگی کی صورت ہی نہ ہوئی ادھر دوکان خالی ہوتی جاتی تھی ادھر قرض بڑھتا جاتا تھا یہانتک کہ ہمت پست ہو گئی اور گھبرا اُٹھے محبوب علی صاحب سے باپ کی یہ پریشانی دیکھی نہ گئی حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ "مال تیار کرنیکا موسم آگیا اور یہاں ابھی قرض سے سبکدوشی نہیں حضرت دعا فرماویں تو بیڑا پار ہو" خدا کی شان کہ چند روز میں قرض بھی سب ادا ہو گیا فصل پر مال بھی تیار ہو گیا اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ روپیہ کہاں سے آیا؟

آٹھ میں ایک مرتبہ گھوڑوں میں مرض پھیلا دو گھوڑیاں دفعۃً مر گئیں مولوی نظر محمد صاحب نے بھی ایک گھوڑا پال رکھا تھا اور انکو اسکے ساتھ محبت بھی بہت تھی اسی زمانہ میں اسپر بھی مرض کا اثر ہوا دفعۃً اسکی چستی و چالاکی جاتی رہی کان ڈھلکائے کھڑا رہتا جس کسی نے دیکھا کہا گھوڑا بیمار ہو گیا ان کو فکر ہوا اسی وقت اسپر سوار ہو کر گنگوہ پہونچے راستہ میں بھی اسکی یہی حالت رہی کہ تیز رفتاری سے لگیا کبھی پچھلا پاؤں نہ اٹھائے اور کبھی اگلا انکو اور زیادہ فکر ہوا کہ گھوڑا ہی ہاتھ سے گیا جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت سے عرض کرنے لگے ایک گھوڑا ہے سواری کا آرام ہے جب جی چاہتا ہے اسی پر گنگوہ آجاتا ہوں وہ بیمار ہو گیا حضرت نے فرمایا گھوڑوں میں بیماری ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت دو بچھانوں کے دو گھوڑے مر چکے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا اچھا تعویذ باندھو فضل کریگا اور مولوی محمد یحییٰ صاحب سے

فرمایا کہ مولوی یحییٰ انکو ایک تعویذ گھوڑے کے واسطے دو چنانچہ مولوی نظر محمد خاں نے تعویذ تو گھوڑے کے باندھ دیا اور سوار ہوکر روانہ ہوئے اُسی وقت سے گھوڑا تندرست نظر آنے لگا دو ایک دن میں بالکل اچھا ہوگیا اور پہلی حالت پر لوٹ آیا ایک ہفتہ بعد جب پھر گنگوہ آئے تو حضرت نے دریافت فرمایا میاں گھوڑا بھی اچھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا جی حضرت بالکل تندرست ہے آپ نے فرمایا اُسکی سستی بھی دفع ہوگئی؟ انھوں نے عرض کیا جی حضرت بالکل دفع ہوگئی اور اب بہت تیز رفتار ہے آپنے فرمایا بہتر۔

مولانا روشن خاں صاحب مراد آبادی فرماتے تھے کہ میرا لڑکا محمد شفیع بچپن میں کہیں دوڑا ہوا جاتا تھا کہ گرا اور ایک ہاتھ میں سخت چوٹ آئی اُسکا علاج کیا مگر خدا جانے کہاں اور کیسا صدمہ پہونچا تھا کہ آرام نہوا مشہور جراحوں اور ناخنی ڈاکٹروں کے بھی معالجے ہوئے مگر کوئی علاج کارگر نہوا یہانتک کہ ہاتھ پتلا پڑتا گیا اور خشک ہوکر بیکار محض ہوگیا بحالت ناامیدی حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا آپ نے جواب تحریر فرمایا میں دعا کرتا ہوں حق تعالیٰ شافی مطلق ہے علاج چھوٹ چکا تھا خدا کی شان کہ چند روز میں خود بخود درست ہوگیا اور خشک و بیکار شدہ ہاتھ پہلی حالت پر لوٹ آیا۔

مولوی محمود حسن صاحب نگینوی فرماتے ہیں کہ میری خوشدامن صاحبہ جو اپنے والد کے ہمراہ مکہ معظمہ میں بارہ سال تک مقیم رہیں نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ تھیں سیکڑوں احادیث بھی اُنکو حفظ تھیں اُنھوں نے مجھسے فرمایا کہ بیٹا حضرت کے بہت شاگرد و مرید ہیں مگر کسی نے حضرت کو پہچانا جن ایام میں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا روزانہ میں نے صبح کی نماز حضرت کو حرم شریف میں پڑھتے دیکھا ہے اور لوگوں سے سنا بھی کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں گنگوہ سے تشریف لایا کرتے ہیں۔

میر واجد علی صاحب شیخوجی فرماتے ہیں میرے مرشد حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے مجھسے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا خانقاہ میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اُسکو اُٹھا کر کنوئیں میں سے پانی کھینچا اور اُسمیں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا آپ نے فرمایا گنوئیں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں ہے" میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا تھا حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا آپنے فرمایا اچھا اسکو رکھدو یہ فرما کر نماز ظہر میں مشغول ہوگئے سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کلمہ طیبہ جسقدر جس سے پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا تھوڑی دیر بعد حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت

مولوی فاسم علی صاحب

خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں اسوقت مسجد میں جتنے نمازی تھے سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی تب حضرت نے فرمایا اس بدھنے کی مٹی اُس قبر کی ہے جسپر عذاب ہو رہا الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔

مولوی عبد السبحان صاحب انسپکٹر پولیس علاقہ گوالیار فرماتے ہیں ایک تحصیلدار میرے ملنے والے تھے وکسی بات پر برخاست ہو گئے ہر چند کوشش کی مگر کامیابی نہوئی آخر دعا کیلئے گنگوہ پہونچے حضرت نے فرمایا تمہارے وطن کے قریب جو میدان ہے وہاں ایک فقیر مجذوب رہتے ہیں اُن سے ہمارا سلام کہدینا تحصیلدار صاحب برخاستگی اور ناکامی کے سبب بہت ہی دل برداشتہ ہو گئے تھے یوں سمجھکر کہ حضرت نے ٹالدیا واپس وطن ہوئے اور فقیر کے پاس بھی نہ گئے کچھ دنوں بعد اتفاقیہ اُس میدان کی طرف انکا گذر ہوا تو مجذوب فقیر بیٹھا ہوا تھا دور ہی سے انکو دیکھکر فقیر نے کہنا شروع کیا "بابا مولوی صاحب نے بھیجا ہے جا جا پہاڑ پر چڑھ جا" یہ سُنکر انھوں نے حضرت کا سلام تو پہونچا دیا مگر رنجیدہ مغموم سوچتے ہوئے مکان کو واپس ہوئے کہ مولانا صاحب نے یوں ٹالا اور انھوں نے اسطرح ٹالا کام کچھ بھی نہوا اسی پیچ وتاب میں تحصیلدار صاحب مکان پر پہونچے تو حکم آیا ہوا ملا کہ تم بحال کئے گئے اور نینی تال کا تبادلہ ہوا۔

مولوی نظر محمد خان کی اہلیہ کے ایکبار پھوڑا نکلا موقع ایسا نازک تھا کہ پٹی باندھنا کھولنا بھی نہو سکتا تھا ہر چند کئی مہینے علاج کیا مگر کچھ بھی افاقہ کی صورت نظر نہ آئی کمزوری اتنی بڑھ گئی کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا بیچاری زندگی سے مایوس ہو گئی تو خاوند سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں جاؤ تو میرا سلام کہدینا اور حالت سنا دینا کہ کوئی دن کی مہمان ہوں مولوی نظر محمد خاں گنگوہ آئے تو حضرت کو پیام پہونچایا حضرت نے سنکر فرمایا اور کہا بالکل گھبرا گئی ہوگی اسکو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ آج دوا میری طرف سے پئے عرق گاؤزبان اور مکوہ پلانا اور کہدینا کہ میں نے بتایا ہے اسکی تسلی ہو جائیگی خدا تعالیٰ شفا دیگا اسکے تھوڑی دیر بعد فرمایا "شاید بہت جلد وہ دنبل ٹوٹ جائے" مولوی نظر محمد خاں اسی دن عشا کے وقت اپنے گھر پہونچے اور حضرت کا سلام پیام پہونچا کر اسی وقت عرق بادیان و مکوہ پلا دیا اسکے بعد سب سو گئے آدھی رات گذری ہوگی کہ مریضہ نے خاوند کو آواز دی اور کہا ذرا جاگو دیکھو میرا تمام بستر اور کپڑا تر ہو گیا مولوی نظر محمد خاں اٹھے اور کہا الحمد للہ دنبل ٹوٹا دیکھا تو حقیقت میں دنبل سے اسقدر پیپ نکلی کہ پھوڑے کی جگہ دم کا نشان تک باقی نہ رہا پس جو کچھ ہونا تھا اسی رات ہو لیا صبح کو اچھی خاصی اٹھ بیٹھی نہ پھر پیپ آئی نہ دنبل کا پتہ نشان لگا خدا جانے

کہاں گیا لوگوں کا خیال تھا کہ ڈبل ٹوٹ بھی گیا تو ناسور ضرور پڑ جائیگا مگر حضرت کی دعا کا ثمرہ تھا کہ کچھ بھی اثر باقی نہیں رہا ایسا معدوم ہو گیا گویا کبھی پھنسی تک نہ نکلی تھی۔

مولوی نظر محمد خاں نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا تھا اُن کے انتقال کے بعد اب مجھ ناحق عداوت رکھتا ہے بیساختہ آپکی زبان سے نکلا "وہ کب تک رہیگا چند روز گذرے تھے کہ دفعۃً وہ شخص انتقال کر گیا۔

منشی نظر حسین سابق ناظر عدالت علاقہ گوالیار فرماتے ہیں کہ میں ایک بار ایسے مرض میں مبتلا ہوا کہ کار منصبی انجام نہ دے سکا مرض ایسا تھا کہ کسی طبیب کی سمجھ ہی میں نہ آیا۔ جب تشخیص ہی درست نہ ہو تو علاج کیا نفع دے آخر میں نے سوچا کہ آخری وقت ہے لاؤ گنگوہ میں حضرت کی زیارت تو کر آؤں چنانچہ روانہ ہوا اور دیوبند پہونچا وہاں دفعۃً ہیضہ میں مبتلا ہو گیا اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی اسی حالت میں دل کا تقاضا ہوا کہ کاش مرنے سے پہلے حضرت کی زیارت کر لیتا ہر چند سواری تلاش کرائی کہ بڑھا ہوا چلا جاؤں مگر کوئی شخص میرے سوار کرنے اور گنگوہ لیجانے پر راضی نہ ہوا تب میں بہت پریشان ہوا کہ یا اللہ کیا کروں یہ حسرت کیا قبر میں ساتھ ہی لیجانی پڑیگی اس خیال کے آتے ہی مجھے اپنے جسم میں خفت اور صحت کی صورت محسوس ہوئی اور میں اٹھ بیٹھا اتنی کامیابی پر مجھ پر سرور طاری ہوا میں نے کھڑے ہونے کا قصد کیا تو کھڑا بھی ہو گیا اسکے بعد وہاں سے چلا اور ایک طرف کو ہو لیا سامنے سے ایک بیل گاڑی نظر آئی جو گنگوہ جا رہی تھی اس نے بہت ہی کم کرایہ پر مجھے بٹھا لیا اور میں اسی دن گنگوہ پہونچ گیا تین دن حضرت کی خدمت میں رہا ہیبت کے سبب کچھ عرض نہ کر سکا آخر رخصت کے وقت حضرت نے ایسی شفقت فرمائی کہ مجھے اپنا حال بیان کرنے کی جرأت ہو گئی اور میں نے اپنے مرض سابق سے صحت پانے کی دعا چاہی اسی وقت حضرت دست بدعا ہوئے میں رخصت ہو کر اپنی جگہ تعیناتی پر آیا اور کامتعلقہ انجام دینے لگا نہ کوئی دوا کھائی نہ دارو اسی دن سے روز بروز توانائی حاصل ہوتی گئی حالانکہ چین سے میں لاغر اور نحیف تھا مگر اب جسم بھی فربہ ہو گیا اور ضعف و کسل کی کوئی شکایت کسی قسم کی بھی نہیں۔

منشی عبد العلیم صاحب بھونگامی فرماتے ہیں کہ میری منجھلی خالہ کسی ایسے مرض میں مبتلا تھیں کہ اولاد جیتی نہ تھی کئی بچے ہوئے مگر جلّہ کے اندر اندر مر گئے اور اسکے علاوہ وضع حمل کے بعد تکلیف ایسی لاحق ہوتی تھی کہ زندگی سے ناامیدی ہو ہو جاتی تھی علاج معالجہ تعویذ گنڈا سب ہی کچھ کیا مگر کچھ کارگر نہ ہوا آخر دل

میں پختہ قصد کرلیا کہ اگر اب ولادت ہوئی تو بچہ کو گنگوہ بھیجا کر حضرت کے قدموں میں ڈالدونگی اور دعا کراؤنگی خدا کی شان حمل قرار پایا ابھی ولادت نہوئی تھی کہ حضرت کے مرض الموت کی خبر وحشت اثر سنی آخر اسی حال میں یہ گنگوہ حاضر ہوئیں حضرت پر شدت مرض کا غلبہ اور مدہوشی طاری تھی عرض معروض کا موقع ہی نہ تھا مجبوراً صاحبزادی صاحبہ سے عرض کرکے اُنکے ہمراہ ڈولی میں بیٹھکر حضرت کی زیارت کرکے واپس وطن ہوگئیں۔ اس حمل کی جب ولادت ہوئی الحمدللہ بچہ بھی زندہ اور تندرست ہے اور وہاں بھی مرض معتاد سے ماموں و مستر بچہ نہ کوئی تکلیف ہوئی نہ شکایت۔

مولوی عبدالسبحان صاحب انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار کو بیماری پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس متیں گنج مرادآباد پہونچے حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا انھوں نے عرض کیا "دیوبند" مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے مولانا نے ارشاد فرمایا تم گنگوہ ہی جاؤ تمھاری مشکلکشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے ہیں اور تمام روئے زمین کے اولیا بھی اگر دعا کرینگے تو نفع نہوگا چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حکیم صاحب نے سفارش کی تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں کیا یہ صاحب مدرسہ عربی دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے سو قصور اور بھی اللہ پاک کے ہوئے حق تعالیٰ سے توبہ کریں بندہ دعا کریگا چنانچہ ادھر انھوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برأت کا کمشنر صاحب کے پاس سے حکم آگیا۔

حاجی دوست محمد خاں صاحب کے صاحبزادہ عبدالوہاب خاں بیک شخص کے معتقد ہوگئے اور بیعت کا قصد کیا وہ شخص جن سے بیعت ہونا چاہتے تھے محض صورت کے درویش تھے اور واقع میں پکے دنیادار اسلئے دوست محمد خاں کو صاحبزادہ کی یہ بھی پسند نہ آئی اور کئی بار منع کیا کہ اس شخص سے مرید نہو عبدالوہاب بعض خوارق دیکھکر ایسے رنجے کہ باپ کا کہنا بھی ناگوار گذرا مانا تو درکنار اور ہر صاحب کو فرمتھا کہ دوست محمد خاں کا لڑکا پولیس کا کوتوال مرید ہوتا ہے آخر حاجی صاحب نے جب بہت کا اصرار دیکھا تو باقتضائے محبت دوست

بدعا ہوئے اور مراقب ہوکر حضرت کی جانب متوجہ ہوکر خلوت میں جا بیٹھے عبدالوہاب خاں پیر کے پاس آئے اور مودب دوزانو بیٹھ گئے بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اول باپ سے اجازت لے آؤ اسکے بغیر بیعت مفید نہیں ہے۔ غرض ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا کر چھوڑ دئے اور انکار فرمادیا حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جسوقت میں امام ربانی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبدالوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے ہیں "لو اب یہ اُسکا مرید ہوگا" یہ وہی وقت تھا کہ انھوں نے عبدالوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہکر بیعت سے انکار کیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔

مولوی نظر محمد صاحب کی اہلیہ ایکبار درد چشم میں مبتلا ہوئی دن بدن بینائی ضعیف ہوتی گئی اور تکلیف بڑھتی رہی قریب تھا کہ آنکھیں جاتی رہیں حضرت سے عرض حال کرا بھیجا آپ حجرہ میں تشریف لے گئے اور یوں ہی کسی جگہ ہاتھ ڈالکر پتلی پتلی لکڑی کی دو تین شاخیں عطا فرماکر کہا انکو باریک پیسکر سرمہ میں ملالو اور آنکھوں میں لگاؤ چند ہی روز استعمال کرنے سے درد بھی بالکل جاتا رہا اور بینائی ایسی تیز ہوگئی کہ قرآن مجید پڑھنے لگیں۔

مولانا محمود حسین صاحب بریلوی جب سفر حج سے وطن واپس ہوئے سمندر میں طوفان عظیم آیا پانی کا تموج و تلاطم الامان الحفیظ اب بھی خیال و تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے تمام جہاز میں ایک کہرام مچا تھا بجز چیخنے دہاڑنے اور رونے چلانے کے دوسری آواز نہ آتی تھی جسوقت یہ طوفان آیا ہے دوپہر کا وقت تھا ناخدا نے مایوس ہوکر اطلاع دیدی کہ حاجی دعا کرو کہ نجات ہو ورنہ جہاز کی تباہی میں شبہ نہیں مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ اس وحشتناک حالت میں جسکے سننے سے بدن کانپ اٹھتا ہے الحمدللہ اپنے حضرات کی اقدام بوسی کے طفیل حق تعالیٰ نے میرے قلب کو ایک خاص اطمینان عطا فرمایا کہ نہ ہول تھی نہ ہراس البتہ اسی جہاز میں ایک حاجی جاوا کے رہنے والے سوار تھے اُنکا میں چند دام کا مقروض تھا سو اسکا فکر مجھے ضرور تھا کہ کاش اس وقت العیاذ سے سکدہ شئی نصیب ہوجائے کہیں سے کچھ ملجائے کہ انکو ادا کردوں یا معاف کرالوں اس سوچ کے علاوہ جزع فزع مطلق نہ تھا ہاں متوسل بزرگان بعاجزی مانگتا تھا کہ یا اللہ ہمارے حال پر رحم فرما اور بلائے بے درمان سے نجات دے اسی حالت میں شام ہوگئی طوفان کی تیزی بدستور اور تلاطم کا زور شور اسی حال پر قائم تھا کہ کبھی یہ کنارہ اوپر جاتا اور وہ کنارہ پانی میں ڈوبے اور کبھی اسکا برعکس آخر رات ہوئی تو کسکا سونا اور کیسا آرام جہاز کے تمام مسافروں سے ہراساں

اور گریاں جیسے بیٹھے تھے اسی طرح تمام رات گذار دی آخر شب میں مجھ پر کچھ غنودگی کی ایسی حالت طاری ہوئی جسکو خواب و بیداری کے بین بین کہنا چاہئے کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ دریا میں کھڑے ہیں اور ایک کشتی کو جو گہری دلدل میں پھنسی ہوئی ہے نکالنے کے سہارا دے رہے اور زور لگا رہے ہیں فوراً ہی مجھے ہوش آگیا ایک ڈھارس بندھ گئی کہ اب انشاء اللہ نجات ملی خدا کی شان کہ چند لحظہ کے بعد ہی طوفان رفع ہوگیا اور جہاز اپنی اصل حرکت پر آگیا اسوقت کپتان نے کہا کہ جہاز میرے اختیار سے باہر ہو کر راستہ سے ڈھائی سو میل علیحدہ ہو لیا ہو تم لوگوں کی خوش نصیبی ہے کہ سمندر میں کسی پہاڑ سے ٹکرایا نہیں ورنہ ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔

ایکبار چند طلبۂ دیوبند کسی مقدمہ میں ماخوذ ہوئے دشمنوں کی مخالفت کا ثمرہ تھا کہ ناکردہ گناہ مظلوموں پر عدالت سہارنپور میں جرم کا ثبوت ہوا اور قید کا حکم ہوگیا حضرت بیٹھے وضو فرما رہے تھے ایک صاحب سہارنپور سے آئے کسی نے دریافت کیا کہ طالبعلموں کے مقدمہ میں کیا ہوا انھوں نے کہا "قید ہوگئی" حضرت نے تعجب کے ساتھ دریافت فرمایا کیا ہوا انھوں نے عرض کیا حضرت ہوتا کیا بیچارے مظلوم قید ہوگئے آپ نے فرمایا کچھ نہیں میاں آپ چھوٹ جائیں گے خدا کی شان کہ اپیل ہوا حاکم بالا کو انکی مظلومیت ظاہر ہوگئی اور فوراً رہا کر دئے گئے۔

مولوی نظر محمد خاں صاحب کو ایک مرتبہ مرض لاحق ہوا کہ صبح شام ہاتھ پاؤں اور سارا منہ سوج آتا اور آفتاب نکلنے پر اتر جاتا تھا حضرت امام ربانی رامپور تشریف لائے یہ بھی آپ سے حاضر خدمت ہوئے عصر کی نماز پڑھکر مرض کے سبب واپسی کا قصد کیا حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم نے فرمایا اپنے پیر سے تو اجازت لیلو غرض حضرات کی اجازت ہوئی اسلئے ٹھیر پڑا مغرب کے وقت دولوں حضرات تشریف فرما تھے انھوں نے مرض کا ذکر کیا حضرت نے حکیم صاحب سے فرمایا آج مونگ کی دال بھی پکوانا غرض شب کو جسوقت کھانا آیا تو دسترخوان پر مونگ کی دال بھی تھی اور گوشت بھی حضرت نے گوشت کا پیالہ انکے آگے سے اٹھا لیا اور مونگ کی دال سامنے کو سرکا دی حکیم صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت گوشت کیوں اٹھا لیا آپنے فرمایا انکو کچھ مرض ہے گوشت مضر ہے حکیم صاحب نے فرمایا انکو تو ضعف جگر کی دال مضر ہے یہ کہکر حکیم صاحب نے دال سامنے سے اٹھالی اور گوشت کا پیالہ سامنے رکھدیا مولوی نظر محمد صاحب نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ حضرت کی اجازت بغیر میں تو گوشت کھاؤنگا نہیں" اسوقت حضرت نے بھی

مولانا اسعد الرحمن صاحب کی والدہ صاحبہ کی وفات

فرمادیا اچھا بھائی بوٹی مرت کھانا کچھ شوربا کچھ دال ملاکر کھالو غرض کھانے سے فارغ ہوکر عشا کی نماز پڑھی اور سوگئے صبح کو اٹھے تو درد اور دنوں سے بھی زیادہ موجود تھا یہ پریشان ہوئے اور حکیم صاحب سے عرض کیا حکیم صاحب نے فرمایا مونگ کی دال بھی کھائی تھی یہ اسکا نقصان ہے اشراق کی نماز سے جب حضرت فارغ ہوئے تو انھوں نے حضرت سے حال عرض کیا حضرت نے فرمایا گوشت کھایا تھا اسکا ضرر ہے الغرض جب آبھہ کو واپس ہونے لگے اور حکیم صاحب سے رخصتی مصافحہ کیا تو حکیم صاحب نے فرمایا بھائی تم اپنے لئے دعا کرو تمکو بیماری سخت ہے مولوی نظر محمد خاں نے جواب دیا حضرت مریض تو اپنے لئے دوا کیا ہی کرتا ہے جناب دعا فرمادیں حکیم صاحب نے کہا دعا کیا دوا کرو اس کلمہ پر یہ بہت گھبرائے حضرت امام ربانی تھوڑے فصل پر بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے اشارہ سے انکو پاس بلایا اور کمال محبت کے ساتھ تسلی دیکر یوں ارشاد فرمایا جاؤ حکیم جی کا کہنا نہ سنو سب فضل ہوجائیگا وہ دن ہے اور آج کا دن حق تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ درد نام کو بھی نہیں ہوا نہ دوا کی ضرورت ہوئی کسی کی دعا کی اگلے ہی دن درد موقوف ہوگیا اور اترنے کے بعد دوبارہ چڑھنا جانا ہی نہیں کہ کیونکر ہوتا ہے۔

مولوی بدرالدین صاحب گلاوٹھوی فرماتے تھے ایک دن حضرت کے یہاں چار مہمان آگئے اتفاق ایسا ہوا کہ گھر میں کچھ نہ تھا حضرت مکان تشریف لے گئے اور اہلیہ سے فرمایا کہ چار مہمان ہیں انھوں نے عرض کیا اللہ مالک ہے آپنے فرمایا گیا کچھ نہیں ہے میرانی صاحب نے جواب دیا اللہ کا نام ہے اور کچھ نہیں آپنے فرمایا دیکھو تو سہی عرض کیا تو تقریباً پاؤ بھر چاول نکلے حضرت نے فرمایا اللہ مالک ہے پکاؤ اور دیکھو کچھ گھی بورا ہو تو بہتر ہے غرض وہی پکوا کر حضرت امام ربانی میں نکلوا کر خود لیکر باہر تشریف لائے اور مہمانوں کے سامنے رکھدیا مہمان یہ سمجھے کہ کھانا سینی میں آتا ہوگا رکابی زاید ہونے کے سبب حضرت لیکر چلے آئے اسلئے خوان آنے کے منتظر رہے حضرت نے یہ دیکھا تو فرمایا یہی کھانا ہے بسم اللہ کرو مہمانوں نے کھانا شروع کیا عموماً میٹھا تھوڑا کھا کر جی بھر جاتا ہے مگر یہ شکرانہ کچھ ایسا لذیذ تھا کہ خوب ہی شکم سیر ہوکر کھایا یوں کہتے تھے کہ عمر بھر میں وہی میٹھا ایسا کھایا ہے جس سے جی نہیں اکتایا نیت بھی بھری اور پیٹ بھی بھر گیا سب فارغ ہوگئے اور آدھی رکابی چاول بچ بھی رہے جسکو حضرت امام ربانی مکان واپس لے گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رکابی میں سوت ہیں کہ نیچے سے کھانا بڑھتا جاتا تھا۔

مولوی ولایت حسین صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ہمراہ سفر حج میں ایک حکیم صاحب ساکن انبالہ تھے

از مولوی سراج صاحب

جو علیحضرت حاجی صاحبؒ کے مرید تھے اسی تعلق سے انکو حضرت امام ربانی کے ساتھ تعارف بلکہ غایت عقیدت تھی وہ فرمانے لگے میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ مولانا کی زبان سے جو بات نکلتی ہے تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اور یہ قصہ اپنے اوپر گذرا ہوا نقل کیا کہ اس سفر حج کے قبل میں گنگوہ حاضر ہوا تو حضرت نے مجھسے دریافت فرمایا تم نے حج بھی کیا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں جی تو چاہتا ہے مگر روپیہ کم ہے یا بلا استفسار خود ہی انھوں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد حج کا ہے مگر روپیہ کی کمی سے پریشان ہوں بہر حال امام ربانی نے ارشاد فرمایا جاؤ حج کرآؤ روپیہ کی فکر مت کرو خدا ساماں کرنے والا ہے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یوں ہی نکل کھڑے ہوئے تھے مگر جب کلکتہ پہونچے تو لوگ کوٹھوں سے انکی گاڑی میں روپیوں کی تھیلیاں پھینکتے تھے حکیم صاحب فرماتے تھے کہ بس میں گھبرا کر ڈیڑھ سو یا پونے دو سو روپے جو کچھ موجود تھے انکو لے سیدھا اسٹیشن پر آیا اور کسی کو اطلاع نہیں کی ریل تک پہونچتے پہونچتے ایک صاحب کو میرے حج کو جانے کی خبر معلوم ہوئی وہ سو روپے لئے ہوئے اسٹیشن پر آئے اور چپکے سے میرے حوالہ کئے میں تو سمجھ ہی گیا کہ حضرت کی کرامت اور ارشاد کی برکت ہے انکو لیکر ریل میں بیٹھ گیا

حاجی حافظ فصیح الدین صاحب سوداگر کپ میرٹھ فرماتے ہیں کہ جب حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمایا تو بیعت کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ پر حج فرض ہے بہت جی چاہتا ہے کہ ادا ہو مگر پانی سے بالطبع خوف معلوم ہوتا ہے سمندر تو بڑی چیز ہے اس ہر ہر ایرٹ سے ہمت پست ہو جاتی ہے آپ دعا فرمادیں تو بیڑا پار ہو جاوے حضرت خاموش رہے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ہو کر وطن واپس ہوا میرٹھ کے اسٹیشن سے ابھی اترنے نہیں پایا تھا کہ پانی سے ڈر بالکلیہ زایل ہو چکا تھا ہر چند دل کو ٹٹولتا تھا مگر سمندر سے کوئی خوف و ہراس مطلق محسوس نہ ہوتا تھا چنانچہ بحمداللہ زیارت حرمین سے فیضیاب ہوا اور نہایت اطمینان و راحت کے ساتھ سفر پورا ہوا۔

مولوی حیات علی صاحب فرماتے ہیں میں عرصہ سے بازار کی چیزوں کو مشتبہ سمجھکر چھوڑے ہوئے تھا مطلق نہ کھاتا تھا جسوقت گنگوہ حاضر ہوا سب سے پہلے حضرت نے مجھکو بازار کی مٹھائی عطا فرمائی حضرت کا عطیہ اور تبرک سمجھکر میں نے اسکو کھالیا الحمدللہ کچھ نقصان نہ ہوا نہ وہ بات باقی رہی جسکے سبب سے کراہت ہوا تھا یکبار عبدالعزیز مرحوم گلاؤٹھوی اپنے بھائی عبدالقیوم کو ساتھ لیکر گنگوہ پہونچے یکہ واپسی کا کرایہ کیا تھا اگلے دن واپس ہونے کے قصد سے حاضر خدمت ہوئے خود ہی حضرت نے ارشاد فرمایا

اگر جانے کا ارادہ ہو تو جاؤ انھوں نے عرض کیا "بہتر" حضرت نے فرمایا کچھ کھانا ساتھ رکھ لینا انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ایسی ہی ضرورت ہوگی تو بہتہ جا کھائیں گے آپ نے فرمایا خدا جانے کیا قصہ پیش آئے کھانا ساتھ رکھ لو خدا کی شان گنگوہ سے دو ڈھائی میل نکل آئے تو یکہ کا پہیہ ٹوٹ گیا ہر چند کوشش کی مگر اصلاح نہ ہوئی آخر مجبور رات وہیں جنگل میں گذارنی پڑی اور ساتھ رکھا ہوا کھانا کام آیا۔

حاجی دوست محمد خاں صاحب بھوگامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے نہایت مخلص خادم تھے بچپن ہی سے انکو گائے کا گوشت ہضم نہ ہوتا تھا اسلئے ہمیشہ پرہیز رکھتے تھے اگر بھولکر بھی کھالیتے کا اتفاق ہوتا تو فوراً نقصان کرتا تھا مہینوں بیمار رہتے اور خمیازہ اٹھاتے تھے ایک روز گنگوہ حاضر ہوئے صاحبزادہ محمود احمد مرحوم کے ہمراہ کھانا کھانے دسترخوان پر بیٹھے دسترخوان پر جہاں اور کھانے تھے ایک پیالہ بکرے کا گوشت بھی تھا حاجی صاحب نے گوشت میں ہاتھ نہ ڈالا دوسرا کھانا کھاتے رہے مولوی محمود احمد مرحوم نے فرمایا حاجی صاحب گوشت کیوں نہیں کھاتے حاجی صاحب نے سچا عذر ظاہر کر دیا کہ کبھی موافق ہی نہیں آتا مرحوم نے انکا ہاتھ پکڑ کر گوشت کے برتن میں ڈال دیا اور فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ یہ فقیروں کے یہاں کا پکا ہوا گوشت ہے، انشاء اللہ نقصان نہ کریگا حاجی دوست محمد خاں صاحب نے حکم کی تعمیل فرمائی اور خوب شکم سیر ہو کر گوشت کھایا کہ جو کچھ ہوگا ہو رہیگا حقیقت میں فقیروں کے یہاں کا گوشت نقصان نہ ہونے والا نہ تھا چنانچہ ہضم ہو گیا اور اسکے بعد گائے کا گوشت انکو ہمیشہ ہضم ہوتا رہا بلکہ بہ رغبت کھانے لگے۔

حاجی صاحب مرحوم کی اہلیہ کو یکبارگی سخت علیل ہوئیں فم معدہ میں اس شدت سے درد ہوتا کہ تڑپتی اور لوٹتی تھیں آخر غش آجاتا اور بیہوش ہو کر دم رک رک جاتا تھا اس درد کے متواتر دورے تقریباً دو ماہ تک ہوتے رہے آخر ایک دورہ ایسا سخت پڑا کہ بتیسی بند ہو گئی ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا پڑ گیا حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بیقرار ہو گئے پاس آکر دیکھا تو حالت غیر تھی صرف سینہ میں سانس چلتا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے رونے لگے اور سرہانے بیٹھ کر یٰسین شریف پڑھنی شروع کر دی چند لمحہ گذرے تھے کہ دفعۃً مریضہ نے آنکھ کھولی اور ایک لمبا سانس لیکر پھر آنکھ بند کر لی سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے حاجی دوست محمد خاں اس حسرتناک نظارہ کو دیکھ نہ سکے بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو تین دن سے

ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔ مراقبہ کرتا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھولدیں اور باتیں کرنی شروع کردیں نبض نے ٹھکانے آلگیں اور افاقہ ہوگیا دو تین دن میں قوت بھی آگئی اور بالکل تندرست ہوگئیں اسکے بعد کبھی درد نہیں اٹھا۔ حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جسوقت میں مراقب ہوا حضرت کو اپنے سامنے پایا اور پھر تو یہ حال ہوا کہ جس طرف نگاہ کرتا حضرت امام ربانی کو بہیئت اصلیہ موجود پاتا تین شبانہ روز یہی حالت رہی جب مریضہ بالکل تندرست ہوگئی اسوقت یہ حالت بھی رفع ہوگئی۔

مولوی محمد یسین صاحب دیوبندی فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں بمعیت مولانا عبد المومن صاحب و حافظ لیاقت علی صاحب گنگوہ حاضر ہوا جب واپسی کے وقت حضرت سے رخصت ہونا چاہا تو دوپہر کا وقت تھا اور یوں خیال تھا کہ رامپور دس کوس سے عصر کے وقت تک وہاں پہونچ لیں گے رات حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کی خدمت میں گذار کر علی الصباح دیوبند روانہ ہولیں گے حضرت نے فرمایا "اسوقت کیوں جاتے ہو رات کو کہاں مارے مارے پھروگے" میں نے عرض کیا کہ حضرت شب کو رامپور میں ٹھیرنیکا قصد ہے اسپر بھی آپنے یہی فرمایا رات کو ناحق راستہ میں پریشانی ہوگی کیا فائدہ ہے صبح کو چلے جانا" سب کو تعجب ہوا کہ گرمی کا موسم ہے ایسے بڑے دن میں دس کوس کی مسافت ہی کیا ہے چار گھنٹہ میں پانچ گھنٹہ سہی رات میں تو ابھی سات گھنٹہ باقی ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ کل کو بندہ کا مدرسہ میں حاضر ہو جانا ضروری ہے حضرت نے فرمایا مدرسہ کے خرچ کا تو مجھے بھی بہت خیال ہے لیکن تمھاری تکلیف کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ناحق راستہ میں مارے مارے پھروگے سخت تکلیف اٹھاؤ گے باوجود حضرت کے بار بار اس فرمانے کے ہمیں طلق خیال نہوا کہ شیخ ہر چگوید دیدہ گوید" اپنی ہی کہے گئے آخر حضرت نے مصافحہ کیا اور فرمایا اچھا بھائی جاؤ فی امان اللہ" غرض چلدیئے جب بادی سے باہر نکلے تو حافظ لیاقت علی کو تنبیہ ہوا کہنے لگے میاں خدا خیر کرے آج دیکھئے کیا مصیبت جھیلنی پڑی ہمنے حضرت کا ارشاد نہیں مانا اور اس وقت کچھ نہ سوچا کہ کیا کرنا چاہیئے حضرت کا فرمانا خالی نہ جائیگا میں ایک دفعہ پہلے تجربہ کر چکا ہوں اس کے بعد انھوں نے اپنا قصہ سنایا کہ حضرت سے ایکبار میں رخصت ہونے لگا آپنے فرمایا "اب نہ جاؤ راستہ میں بارش میں بھیگ جاؤ گے پریشان ہوگے" چونکہ اسوقت آسمان بالکل صاف اور آفتاب نکلا ہوا تھا مجھے بارش کا وسوسہ بھی نہیں گذرا میں نے عرض کیا کہ حضرت آسمان پر ابر کا نشان بھی نہیں آپنے پھر بھی فرمایا کہ "راستہ میں بارش میں بھیگو گے پریشان ہوگے" میں نے پھر عرض کیا حضرت ابھی تو بارش کا کوئی بھی سامان

نہیں اور مجھے بوجہ ملازمت آج ہی وطن پہونچنا ضروری ہے یہ اصرار پر حضرت نے اجازت دیدی اور ہم گنگوہ سے باہر نکلا دو تین کوس چلا ہونگا کہ دفعۃً ابر نمودار ہوا اور چار طرف گھٹا چھا گئی اس زور کی بارش ہوئی کہ پاؤں اٹھانا اور ایک قدم چلنا مشکل پڑ گیا سر سے لیکر پاؤں تک خوب نہایا اور بدقت تمام خدا خدا کر کے نالوتہ پکڑا مجبور وہیں رات کو ٹھیرنا پڑا اور بڑی تکلیف اٹھا کر اگلے دن دیوبند پہونچا۔ سودیکھیے آج کیا تقدیر میں لکھا ہے؟ اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک بٹیا نظر پڑی یہ سوچکر کہ یہ پیدل کا راستہ بہ نسبت لیکھ کے قریب تر ہے تینوں اسی راستہ ہو لئے کہ دو کوس کی سچ مچ نکل آئیگی شام تک چلتے رہے مگر رامپور ہی نظر نہ آیا مغرب کے وقت ایک گانوں نظر آیا وہاں جو رامپور کا راستہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ گنگوہ سے پندرہ کوس آئے اور یہاں سے رامپور سات کوس ہے۔ تینوں مسافر گھبرا اٹھے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن آخر بعد مغرب وہاں سے بھی چل پڑے اندھیری رات تھی اور اتنی شدید کہ پاس کی چیز بھی دکھائی نہ دیتی تھی آخر بٹیا بھی چھوٹ گئی کھیتوں میں بے راہ چلنا پڑا دو دن ہوئے بارش ہوئی تھی اسلئے جگہ جگہ گھٹنوں تک پانی تھا اور کہیں ایسی دلدل کہ نکلنا مشکل پھسلن خیزاں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے جدھر منہ اٹھا چل رہے تھے نہ آدم نہ آدم زاد کہ بھٹکے مسافر کو ٹھکانہ بتادے آخر ایک بن سامنے نظر پڑا جسکے گنجان درختوں میں گھسنے کی بھی جگہ نہ ملی ناگاہ اٹھا کر دیکھیں تو میلوں میں پھیلاؤ دکھائی دیا اور دوسری طرف کہیں راستہ نظر نہ آیا حیران پریشان کہ کہاں جائیں اور کیا کریں مجبور تھک کر یہاں کھڑے ہو گئے اور بیکسی کی حالت میں دعا مانگی کہ یا اللہ راہ بھیج کہ مشکل آسان ہو چند منٹ گذرے تھے کہ پاس کے کھیت میں سے ایک شخص دہری آتا معلوم ہوا اور دور ہی سے اس نے آواز دی کون کھڑے ہیں ہم نے کہا بھائی مسافر ہیں اس نے کہا گھبراؤ نہیں ہیں آگیا گھبرائیں نہ آتا ہو تو راستہ نہ ملتا آؤ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ یہ کہکر وہ اسی بن میں گھسا ہم اسکے پیچھے ہو لئے چند قدم چلے تھے کہ ایک بٹیا نظر آئی اسپر چل پڑے نہ کہیں پانی ملا نہ گارا راستہ میں اس شخص نے یہ بھی کہا کہ تم جس جگہ جاتے ہو وہاں کل رات ایک شخص کے یہاں چوری ہو گئی بہت مال گیا ہمیں خیال بھی نہ ہوا کہ یہ شخص کون ہے اور کیونکر اسکو علم ہوا کہ ہم کہاں جاتے ہیں خلاصہ یہ کہ دس پندرہ منٹ میں اس شخص نے رامپور کی آبادی کے قریب ہمیں پہونچا دیا اور کہا دیکھو یہ چراغ جو نظر آرہے ہیں رامپور ہی ہے چلے جاؤ تب ہم نے اس شخص سے پوچھا اور تم کہاں جاتے ہو انھوں نے کہا میں بھی آتا ہوں

استنجا کرکے" یہ کہکر ہمارے قریب ایک درخت کے نیچے استنجا کا بہانہ کرکے بیٹھ گئے اسوقت ہمیں خیال ہوا کہ ایسی حالت میں حضرت علیہ السلام رہبری فرمایا کرتے ہیں ضرور یہ وہی ہیں ان سے ملنا چاہیئے یہ سوچتے ہی ہم لپکے چار طرف دیکھا اگر کہیں نشان نہ پایا آخر راہپور پہونچے اور رات وہاں گذاری۔

اس قسم کے واقعات حضرت امام ربانی قدس سرہ کی سوانح شریفہ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں جو عام خاص متوسلین پر وقتاً فوقتاً پیش آئے مشتے نمونہ از خروارے چند امور ہدیۂ ناظرین کردئے گئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدت فیوضہ ابتدا میں ایسے ضعیف الطبع تھے کہ چند آدمیوں کے مجمع میں گفتگو فرمانے سے بھی جھجکتے اور مرعوب ہو جاتے تھے جن دنوں حضرت مولانا ریاست بہاولپور میں مدرس تھے اور مخالفین سے مناظرہ ہونا معین ہوگیا تو مولانا ہی اس جانب سے مناظر قرار فرمائے جب حضرت امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ضعیف طبع اپنا ظاہر اور عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے جریر بن عبداللہ بجلی رضی کھوڑے پر سوار نہو سکتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے انکا یہ ضعف جاتا رہا اور اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہوگئے۔ اس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی قوتوں اور تصرفات کا اثر امور طبیعیہ پر بھی پڑتا ہے حضرت میری لئے بھی دعا فرماویں مجھے یہی فکر ہے کہ میری مرعوب ہو جانے والی طبیعت کہیں ہزار عوام و خواص کے مجمع میں مناظر بنکر کسطرح تقریر کی اجازت دیگی چنانچہ حضرت نے فرمایا حق تعالیٰ میں سب قدرت ہے اسکے بعد حضرت مولانا کی طبیعت میں جو جرأت پیدا ہوئی وہ اسی سے ظاہر ہے کہ علماء ہندوستان میں رئیس المتکلمین کے لقب سے ملقب ہیں اور بھری مجمعوں میں تقریر کرنے یا مخالفین کی ہزارہا تعداد والی جماعت میں مباحثہ اور مناظرہ کرنے کے لئے مولانا ہی منتخب ہوتے اور آگے بڑھائے جاتے ہیں۔

یہ ثمرات ہیں اُن تصرفات کے جو حق تعالیٰ نے اپنے مقبولین کو عطا فرمائے ہیں اور آثار ہیں اس مقبولیت و قرب منزلت کے جسکے سبب خلاف عادت امور ظاہر ہو کر کرامت کے نام سے مشہور ہوتے ہیں امام ربانی قدس سرہ کی کرامات کا حصر و احصار کرنا میری وسعت سے باہر ہے خصوصاً جبکہ اپنی معلومات بھی تمام ہا عرض نہیں کرسکتا کشفی واقعات جنکو عوام نے ولایت کا مدار اور عرفان معرفت کا آلہ سمجھ رکھا ہے اگر دیکھے جائیں تو امام ربانی قدس سرہ کی سوانح میں اس کثرت سے نکلیں کہ گنتی اور شمار بھی مشکل ہے مگر چونکہ آن غواص بحر حقیقت کی خاکبوسی کے طفیل یہ ثمرہ عام متوسلین کو ملا ہے کہ

اصل کمال یعنی اتباع شریعت محمدیہ کے مقابلہ پر ایسے واقعات کو ہیچ در ہیچ سمجھا جائے اسلئے نہ کبھی کسیکو جمع کرنے کی توجہ ہوئی نہ محفوظ رکھنے یا قلمبند کر لینے کا خیال پیدا ہوا آپ کے متوسلین کی ہزاران ہزار جماعت میں شاید کوئی شخص ایسا نہو جسپر کشف یا کرامت کے متعلق کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو پھر اس بحر زخار کو کوزہ میں کوئی کیونکر بند کر سکتا ہے تکملہ عنوان کی غرض سے چند واقعات اسکے بھی درج کرتا ہوں

مولانا علی رضا صاحب حضرت کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ زمانہ طالبعلمی میں مجھے ایسا مرض لاحق ہوا کہ وضو قائم نہ رہتا تھا بعض نماز کے لئے تو کئی کئی بار وضو کرنا پڑتا تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ فجر کی نماز کو بندہ مسجد میں سویرے آگیا سردی کا موسم تھا اور اسدن اتفاق سے جاڑہ بھی زیادہ تھا بار بار وضو کرنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی جی چاہتا تھا کسطرح جلد نماز سے فراغت ہو جائے تقدیری بات کہ حضرت امام ربانی نے اسدن معمول سے بھی کچھ زیادہ دیر لگائی میں کئی مرتبہ سخت سردی میں وضو کرنے سے بہت پریشان ہوا اور وسوسہ گذرا کہ ایسی بھی کیا حنفیت ہے حضرت ابھی اسفار ہی کے منتظر ہیں اور ہم وضو کرتے کرتے مرے جاتے ہیں۔ لحظہ دو لحظہ کے بعد ہی حضرت تشریف لائے اور جماعت کھڑی ہو گئی۔ فراغت کے بعد حسب معمول دیگر اشخاص کے ہمراہ میں بھی حضرت کے پیچھے پیچھے حجرہ شریفہ تک گیا جب سب لوگ لوٹ گئے اور حضرت نے دروازہ بند کرنا چاہا تو مجھے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ "بھائی یہاں کے لوگ نماز فجر کے واسطے تاخیر کر کے آتے ہیں اسوجہ سے میں بھی دیر کر دیتا ہوں"۔ یہ فرما کر حضرت حجرہ میں تشریف لے گئے اور میں ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

منشی نثار علی داروغہ ہرخاں ملازم پلٹن نمبر ۶۵ رخصت لیکر بارادہ بیعت لکھنؤ سے گنگوہ روانہ ہونیکو طیار ہوئے دروازہ پر سواری تک آکھڑی ہوئی اتفاق سے کسی حاکم کی آمد کا تار آیا اور عین وقت پر انکو افسر کے حکم سے رکنا پڑا دس دن کے بعد فارغ ہو کر گنگوہ پہونچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا۔ کہ تم دونوں صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے مگر روک لئے گئے تھے" اور جب کھانا دسترخوان پر آیا تو فرمانے لگے کہ "آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں آخر وہ بھی میرے مہمان ہیں اول انکو گھاس دانہ پہونچنا چاہئے" حالانکہ دونوں کے ٹٹوؤں پر سوار ہو کر آنیکی اطلاع آپکو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔

منشی محمد حسن صاحب نائب محافظ دفتر بجز ایک مرتبہ حاضر آستانہ ہوئے اور کوئی بات تخلیہ میں عرض کرنی چاہتے تھے اسلئے موقع کے منتظر تھے مگر ہجوم خدام کی آمد و رفت میں ایسا وقت ہی نہ ملا کہ عرض

معروض کرلیں آخر حجرہ میں آکر مولوی حبیب الرحمن صاحب سے کہا کہ آپ میری تقریب کردیں کہ تنہائی میں کچھ عرض کروں چند لمحہ گذرے تھے کہ ایک شخص حجرہ کے دروازہ پر آئے اور انہیں سے کہا کہ ابھی تمکو حضرت یاد فرماتے تھے کہ محمد حسن جب سے آئے ہیں انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں چنانچہ یہ گئے تو حضرت تنہا حجرہ میں تشریف فرما تھے جب منشا کے مطابق عرض معروض کر چکے تو پھر لوگوں کی آمد شروع ہوگئی

حضرت مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے والد شاہ سراج الیقین صاحب سے جو اپنے والد کی طرف سے مجاز تھے اور طریقہ متعارف پر فاتحہ وغیرہ کے قایل تھے انہیں مسایل میں کچھ جھگڑا ہوا مولانا سراج الیقین صاحب عرس بلا مزامیر کو سبب برکت بتلاتے اور معمول قرار دیئے ہوئے تھے اور مولانا مرحوم انکار فرماتے تھے باپ بیٹوں میں اس اختلاف کے سبب رنج ہو گیا اور مولانا مرحوم کشیدہ خاطر ہو کر گنگوہ چلے آئے۔ آنے کو تو آگئے مگر والد صاحب کی ناراضی کا اکثر خیال آتا تھا ایک دن حضرت کیخدمت میں حاضر تھے بکایک حضرت نے ان سے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تمہارے والد کی طرف خیال کیا تھا اُن کے قلب میں تمہاری محبت جوش مار رہی ہے اور یہ خفگی صرف ظاہری ہے امید ہے کل پرسوں تک تمہارے بلانے کو انکا خط بھی آجائے" چنانچہ دو سے ہی دن شاہ صاحب کا خط آیا جسمیں مفارقت کا صدمہ رنج ظاہر کیا اور یوں لکھا تھا کہ تم فوراً چلے آؤ جسطریق پر تم کہو گے اُسی طرح عمل کرونگا۔

ایکبار حضرت کے ایک خادم نے حاضر آستانہ ہو کر مصافحہ کیا آپ حجرہ میں تھے ان کے بیٹھنے ہی حضرت نے فرمایا پہلے اپنا اسباب لاکر سامنے کے حجرہ میں رکھدو ایک خادم نے عرض کیا بھی کہ اسباب میں لے آیا ہوں آپنے فرمایا نہیں بھائی اپنا اسباب آپ ہی خوب دیکھا جاتا ہے اس اشارہ پر وہ اُٹھے اور خادم کا لایا ہوا اسباب دیکھا تو لوٹا نہیں تھا سواری واپسی کی تھی مگر اتنا غنیمت تھا کہ دوسری جگہہ جاٹھیری تھی ابھی لوٹی نہ تھی آخر بدقت اگلے دن لوٹا دستیاب ہوا۔

صوفی کرم حسین صاحب فرماتے ہیں کہ قبیل عصر جب حضرت تلاوت سے فارغ ہوتے اور حجرہ کا دروازہ کھلنے کا وقت آتا تو میں حاضر ہوتا مگر اس خیال سے کہ شاید تلاوت کے بعد حضرت خواب استراحت میں ہوں بہت ہی آہستہ آتا تھا کہ مطلق آہٹ نہو اور باہر دری ہی میں بیٹھ جاتا تھا کچھ وقفہ نہ گزرتا کہ حضرت امام ربانی اکثر میرا نام لیکر اور کبھی کبھی بایں الفاظ کہ کون ہے آجاؤ" مجاز باریابی عطا فرمایا کرتے تھے۔

صوفی کرم حسین صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد صحت ہوگئی ان کے مکان سے

طلبی کا خط پہونچا تو انھوں نے روانگی کا قصد کیا حضرت سے جب رخصت ہونے گئے تو خلاف عادت فرمانے لگے کہ حسین کل کو مت جاؤ دو تین روز کے بعد جانا۔ ارادہ کا فسخ طبع کو گراں تو ہوا مگر ٹھیر گئے اگلے دن دفعۃً تپ و لرزہ آیا اور وہ بھی اس شدت کے ساتھ کہ عشا کے وقت تک اٹھ ہی نہ سکے اسوقت خیال ہوا کہ آج راستہ میں ہوتا تو کیسا مزہ آتا غرض اسی روز آنا ہوا جو حضرت نے فرمایا تھا۔

منشی اختر جمیل صاحب کی پولیس سے کچھ مخالفت ہوگئی اور ایک سنگین مقدمہ میں مبتلا ہو گئے جب چار طرف سے یاس ہوئی اور پریشانی بڑھی تو حضرت کی خدمت میں عرض حال کیا آپ نے جواب تحریر فرمایا تمکو کچھ پریشان ہونیکی ضرورت نہیں تمھارا کوئی کچھ نہیں کرسکتا حضرت کی دعا کا ثمرہ تھا کہ اس معاملہ میں انکا بال بھی بیکا نہوا۔ اسکے بعد عدالت مال میں مدعا علیہ بنائے گئے اس مرتبہ انکی استدعا پر یہ جواب تھا کہ مقدرات ٹلتے نہیں میں بھی دعا کرتا ہوں اللہ قبول فرمائے لیکن مقدرات نہیں ٹلتے چنانچہ مقدمہ میں ناکام رہے اور دلخواہ نتیجہ نہ نکلا۔

میر محبوب علی صاحب اپنی اہلیہ کو اپنی خالہ کے پاس گنگوہ لیگئے تھے انکو وہاں اتار کر خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے یکایک دل میں خیال آیا کہ گھر والی کو بھی حضرت کے ہاتھ پر بیعت کرا دیتا تو بہتر تھا چنانچہ حضرت سے عرض کیا حضرت نے فرمایا بہتر ہے لے آؤ۔ اب انکو خیال ہوا کہ ایسی اطمینانی میں لانا ٹھیک نہیں کل کو غسل کرکے آنا مناسب ہے حضرت نے پھر فرمایا جاؤ لے آؤ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت کل کو لے آؤنگا حضرت نے ٹوٹ پھیر کر کئی بار فرمایا مگر یہ سمجھے اور یوں ہی عرض کرتے رہے کہ کل کو لے آؤنگا آخر حضرت نے ارشاد فرمایا خیر تمھاری مرضی کل کو لے آیو آج لے آتے تو اچھا تھا۔ اگلے دن جب بیچاری نہا دھو کر حاضری کے لئے طیار ہوئی دفعۃً اس زور کی آندھی آئی کہ آنا ہی نہ سکا مجبوراً تیسرے دن شرف بیعت حاصل ہوا۔

منشی قادر بخش صاحب بلند شہری تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا خلیل الرحمن جنکو سابق امیر کابل یعقوب خاں انکی بزرگی کے سبب ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا کرتے ہیں فرماتے تھے کہ میں جس زمانہ میں حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتا تھا ایک طالب علم تھے ولی محمد بیچارے بہت مسکین اور پارسا شخص تھے جو تھوڑا خرچ انکے گھر سے آیا کرتا بس اسی میں گذر کیا کرتے تھے کیسی ہی ضرورت ہو کبھی دوست یا ہم جماعت تک سے ذکر نہ کرتے تھے ایکبار مکان سے خرچ آنے میں دیر ہوئی اور انکو ایک یا دو فاقہ کی نوبت

پہونچی مگر نہ انھوں نے کسی سے ذکر کیا نہ کسی صورت یہ حال کسی پر ظاہر ہوا اسی حالت میں صبح کیوقت بغل میں کتاب دبائے پڑھنے کے واسطے حضرت کی خدمت میں آرہے تھے کہ راستہ میں حلوائی کی دوکان پر گرم گرم حلوا پک رہا تھا یہ کچھ دیر وہاں کھڑے رہے کہ کچھ پاس ہو تو کھائیں مگر پیسہ بھی نہ تھا اسلئے صبر کرکے چلدئے اور خانقاہ میں پہونچے حضرت گویا انکے منتظر ہی بیٹھے تھے سلام کا جواب دیتے ہی فرمایا مولوی ولی محمد آج تو حلوا کھانے کو ہمارا جی چاہتا ہے لو یہ چار آنہ لیجاؤ اور جس دوکان سے تمکو پسند ہو میں سے لاؤ غرض مولوی ولی محمد اسی دوکان سے حلوا خرید کر لائے اور حضرت کے سامنے رکھدیا حضرت نے ارشاد فرمایا میاں ولی محمد میری خوشی یہ ہے کہ اس حلوے کو تم ہی کھالو" مولوی ولی محمد صاحب اس قصہ کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کے سامنے جاتے مجھے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس اختیار میں نہیں اور حضرت اُنپر مطلع ہو جاتے ہیں۔

حافظ عبد الحفیظ صاحب میرٹھی تاجر بمبئی فرماتے ہیں کہ میں اپنی اہلیہ کو بمبئی لیجانا چاہتا تھا گنگوہ حاضر ہوا مشورۃً حضرت سے قصد ظاہر کیا بیساختہ آپنے فرمایا کیا لانے کے واسطے جاتے ہو؟ یہ بیچارے کیا سمجھتے کہ مطلب کیا ہے دوبارہ پھر عرض کیا کہ حضرت وہاں مجھے تکلیف بہت ہوتی ہے آپنے ارشاد فرمایا اچھا لیجاؤ مگر عید تک گھر پہونچا دینا غرض وہاں سے رخصت ہوئے اور اہلیہ کو لیکر بمبئی پہونچے چونکہ حضرت کا ارشاد یاد تھا اسلئے عید سے پہلے میرٹھ پہونچا دیا چند ہی روز بعد اہلیہ مبتلا مرض ہوئی اور دار فانی سے رحلت کرگئی اُسوقت خیال ہوا کہ جلد ورخصت کرا لاتا تو یہ سانحہ یہاں بھی ہی میں پیش آتا

ایک مرتبہ دو شخص اجنبی آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام و مصافحہ کے بعد نیت کی تمنا ظاہر کی آپنے فرمایا دو رکعت پڑھو حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر تو دونوں صاحب گردن جھکائے بیٹھے رہے پھر چپکے ہی اُٹھکر چلدئے جب دروازہ سے باہر ہولئے تب حضرت نے فرمایا دونوں شیعہ تھے میرا امتحان لینے آئے تھے" حاضرین میں سے بعض آدمی اسکی تحقیق کو اُن کے پیچھے گئے اور معلوم کیا تو واقع میں رافضی تھے۔

مولوی محمد سہول صاحب کے ایک مرتبہ بعض مسائل حقہ کے علی الاعلان بیان کرنے پر لوگ مخالف بہت ہوگئے اور یہ مخالفت یہاں تک بڑھی کہ تذلیل و توہین کی سعی میں مخالفوں نے توہین کی چھوٹے الزام قائم ہوکر فوجداری کا مقدمہ بھی قایم کردیا گیا جب بہت پریشان ہوئے تو حضرت نے

جواب تحریر فرمایا گھبراؤ نہیں میں دعا کرتا ہوں خدا پر بھروسہ کھو ع دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است" حضرت کی اس تحریر سے گو تسکین ہوئی مگر جو رنگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے وہ ہراسان بناتا تھا کہ کچہری میں ملزم بنکر پیش ہونا پڑیگا خدا جانے کیا سوال ہو اور کیا جواب منہ سے نکلے اسی پریشانی میں آنکھ لگ گئی خواب میں دیکھا کہ حضرت انکا ہاتھ پکڑے اپنے ساتھ لئے جاتے ہیں۔ یکایک آنکھ کھلگئی اور قلب سے اضطراب رفع ہو گیا دو ایک دن بعد مقدمہ خارج ہو گیا اور انکو عدالت میں جانا بھی نہ پڑا۔

مرزا غلام احمد قادیانی جس زمانہ میں براہین لکھ رہے تھے اور اُن کے فضل و کمال کا اخبارات میں چرچا اور شہرہ تھا حالانکہ اُسوقت تک انکو حضرت امام ربانی سے عقیدت بھی تھی اس طرف کے جانے والوں سے دریافت کیا کرتے تھے کہ حضرت مولانا اچھی طرح ہیں؟ اور دہلی سے گنگوہ کتنے فاصلہ پر ہے؟ راستہ کیسا ہے؟ غرض حاضری کا خیال بھی معلوم ہوتا تھا اسی زمانہ میں حضرت امام ربانی نے ایک مرتبہ یوں ارشاد فرمایا تھا کہ "کام تو یہ شخص اچھا کر رہا ہے مگر پیر کی ضرورت ہے ورنہ گمراہی کا احتمال ہے" اسکے بعد ہی مجددیت و مہدویت و عیسویت کے خیالات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب خویش حضرت قدس سرہ فرماتے تھے ہماری طالبعلمی کے زمانہ میں سردی طیار نہوئی تھی حضرت کے حجرہ شریفہ میں لوٹے بھرے رہتے تھے ہاں حضرت نوافل صرف وہاں ادا فرمالیتے تھے خربزہ کا موسم تھا ایکبار ہم طالبعلموں نے کچھ بتاشے جو خربزوں کے ساتھ کھانیکو لائے تھے اِدھر اُدھر لوٹوں میں چھپا دئے جب نماز کو باہر آئے تو جماعت طلبہ نے مجھسے کہا کہ جاؤ چپکے سے بتاشے نکال لاؤ میں دبے پاؤں نہایت آہستہ گیا دیکھا تو حضرت آستین اُتار رہے تھے فرمایا "جا جلدی نکال کر لیجا نماز کا حرج ہو رہا ہے"۔

افسر الاطبا مولانا حکیم احمد سعید امروہی فرماتے ہیں مجھے ابتداسے بزرگان دین کی زیارت کا شوق رہا اور دور دراز کے سفر بھی کئے مشاہیر اکابر کی خدمت میں حاضر بھی ہوا مگر خدا جانے کیا سبب تھا کہ کہیں دلکو ایسا اطمینان نہوا کہ بیعت کرتا اسی خیال میں گنگوہ بھی حاضر ہوا اور حضرت کے کمال اتباع سنت کو دیکھکر عقیدت بڑھی مگر تاہم یہ خیال تھا کہ جب تک اُدھر ہی سے قلب کو نہ کھینچا جائے گا بیعت نہ کرونگا کئی دن قیام کیا آخر آپ کے معمولات پسندیدہ و اخلاق حمیدہ دیکھکر بیعت کا ارادہ ہو ہی گیا بعض خدام کے واسطے سے میں نے یہ درخواست پیش کی حضرت نے صاف انکار فرمادیا کہ نہیں

بھائی معاف کرو بڑے لوگوں کو مرید کرنا جان کو آفت میں ڈالنا ہے کوئی سفارش کراتا ہے کوئی الزام لگاتا ہے غرض ٹھیک نہیں" حضرت کا جواب میں نے سنا تو بہت افسردہ ہوا کہ افسوس مجھ میں قابلیت بھی نہیں کہ مرجع خلائق فیاض زمان راہبر کی دست بوسی نصیب ہو اسی افسوس و حسرت میں کئی دن گذر گئے آخر ایک دن حضرت تنہا حجرہ میں تشریف فرما تھے موقع غنیمت سمجھکر جرات کرکے میں اندر چلا گیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے محرومی کی امید نہ تھی گو میں ناقابل ہوں مگر حضرت تو سب قابل ہیں اُس وقت حضرت نے میری طرف نظر فرمائی اور کہا "اچھا جلدی کیا ہے ابھی اپنے قلب کا اطمینان تو کرلو" میں اپنے وسوسہ الٰہیہ اور خیال فاسد پر بہت نادم ہوا اور معذرت کی آپ نے فرمایا نہیں نہیں بیعت سے انسان کو ہر طرح قلب مطمئن کرہی لینا چاہیئے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نباید داد دست

بالفعل تم جاؤ اور اپنا کام شروع کرو حق تعالیٰ برکت عنایت فرمائیگا" اسکے بعد ہی میرے قلب پر سکون پیدا ہونا شروع ہوگیا بے چینی جاتی رہی اور وہ تعلق قائم ہوگیا جو مرید کو اپنے شیخ سے ہوتا ہے وطن سے حیدرآباد واپس آیا تو دنیاوی برکات بھی بہت کچھ حاصل ہوئیں افسر الاطبا کارئیس کی طرف سے خطاب بھی ملا اور بڑے بڑے ڈاکٹروں کے مقابلہ پر بارہا کامیابیوں کے سبب دن بدن اعزاز بڑھتا رہا۔

مولوی ولایت حسین صاحب ایکبار حاضر خدمت ہوئے حضرت اُسوقت مولوی صدیق احمد صاحب سے استفتا کا جواب لکھوا رہے تھے اُن کے دل میں خیال آیا کہ کاش یہ خدمت میری سپرد ہوتی اُسی وقت حضرت نے یہ قصہ بیان فرمایا ایکبار میں حضرت کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوا وہاں مولانا شیخ محمد صاحب نے مجھسے مقدمات کے جواب مجھے لکھوانے چاہے میں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ آپ مجھے مکان جانیکی اجازت عطا فرمادیجے میں یہاں جواب نویسی کیلئے نہیں آیا ہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ مولوی صاحب کو وسوسہ ہوا کہ حضرت مجدد صاحب اپنے بعض مکتوبات میں ذکر جہر کو بدعت فرماتے ہیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں کو مخاطب بناکر حضرت نے ارشاد فرمایا ذکر جہر کی اجازت بعض وقت حضرات نقشبندیہ بھی دیدیتے ہیں۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہی کو فقیروں سے ملنے کا شوق تھا جب کہیں سنتے کہ ایک فقیر آئے ہیں یہ بھی ان سے ملنے کو لپکتے تھے ایک مرتبہ اسی شہرت پر ایک فقیر کے پاس گئے تو

کسی کو بیٹھا پایا اسیوقت الٹے پاؤں لوٹ آئے دوسری کوئی مولوی آئے لوگوں نے انکی بہت تعریف کی کہ بڑے بزرگ ہیں یہ اُن سے بھی ملنے کو گئے تو انکو بدعتی پایا آخر جب کئی ایسا ہی گنگوہ آئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے بدعتی فقیروں اور مولویوں کا تذکرہ شروع فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ انکو مخاطب بنا کر کہا کہ مولوی اسمٰعیل تمکو خاص کر کہتا ہوں کہ بدعتی فقیروں مولویوں سے صحبت رکھا کرو اس روز سے مولوی اسمٰعیل صاحب نے توبہ کی کہ آیندہ جب تک پورا اطمینان نہ ہوگا کسی کے پاس نجاؤنگا۔

ایک بار مولوی اسمٰعیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے اپنے شاگردوں کی عدم ترسیل خطوط کی شکایت ذہن میں تھی حضرت نے کہ ہر دہر کی بو تمیں اسوقت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرے تین سو شاگرد ہیں کوئی چٹھی سو یا دو چٹھی لکھتا ہے غرض اس قسم کے واقعات اس کثرت کے ساتھ پیش آئے کہ حضرت کے متوسلین بھی اسکو معمولی بات سمجھتے ہیں نہ کسی کو یاد رکھنے کی طرف توجہ ہوئی نہ محفوظ کرنے کا خیال پیدا ہوا ؎

ایں سخن بے نہایت کہ حسن یار گفتند حرفیست کز ہزاران کاندر عبارت آمد

آپکے خدام کی ہزاران ہزار جماعت میں شاید کوئی متنفس ایسا ہو جسپر ایک یا زیادہ واقعات ایسے نہ گذرے ہوں نمونہ کے طور پر چند وقائع نذر ناظرین کر دئے گئے ورنہ اصل بات یہ ہے کہ آپکے باطنی تصرف اور قلبی توجہ کے سامنے کشف کوئی و زمانی کا بسلسلہ تبہ نہیں جسکو لذت کے ساتھ بیان کیا جائے منصب ارشاد و ہدایت کے جو جزو فقہ اور فہم و خلافت حق تعالیٰ شانہ نے آپکو عطا فرمائی تھی وہ اسقدر جمع و قیع ہے کہ اسکے ذکر میں زبان کو اور تحریر میں قلم کو ذوق حاصل ہوتا ہے تعلیم و تلقین اور خدام کی نگہداشت و تربیت میں جو استعداد تشخیص بلکہ علاج آپکی فطرت میں ودیعت تھا اور جسکے ظل حمایت میں آیات نبوت محمدیہ کا بے بہا تاج آپکے فرق اطہر پر رکھا گیا پس وہ قلبی انجذاب اور اذعان یقین کا چمکتا ہوا چراغ آپکے سینہ کامل کا ظاہر کرنے کو کافی ہے اسلئے مناسب ہے کہ آپکے چند ارشادات جمع کر دئے جائیں کہ ذریعہ ہدایت خلق اور صدقہ جاریہ بنکر جب تک حق تعالیٰ کو منظور ہو قائم و برقرار رہیں۔ چنانچہ آپکی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ آخرت کی جانب رغبت دلانے والا اور رہبری کا کام انجام دینے والا ہے مگر بعض الفاظ کی منفعت جلی و واضح ہے اور بعض کی خفی و دقیق کہیں سوال کا جواب ہے اور کہیں بطور خود تقریر و تبیان اسلئے ارشادات صالحین کی حکایات اور ملفوظات تین عنوانات میں پھیلا کر اسکا نمونہ دکھلانا مناسب معلوم ہوا۔ ہر سہ مضامین کا لطیف فرق اور دقیق تمایز اس تقسیم کا باعث ہو گیا ورنہ مقصود تینوں کا ایک اور ثمرہ واحد ہے۔ واللہ الموفق وعلیہ التکلان

ارشادات

گفتم کیم دہاں دلبت کامران کنند	گفتا بچشم ہرچہ تو گوئی ہماں کنند
گفتم خراجِ مصر طلب میکند لبت	گفتا دریں معاملہ کمتر زیاں کنند
گفتم لعل نوش لباں پیرا چہ سود	گفتا ببوسہ شکر بیش جواں کنند
گفتم دعائے دولت تو ورد حافظاست	گفت ایں دعا ملائک ہفت آسماں کنند

ایک بار ارشاد فرمایا بعض لوگ ابن الوقت ہوتے ہیں اور بعض ابن الوقت - ابن الوقت وہ ہیں جنکا حال تابع ہوتا ہے کہ جب چاہیں غلبہ کی کیفیت اپنے اندر لائیں اور جب چاہیں اسکو دفع کردیں اور ابن الوقت دونوں صورتوں میں مجبور ہے نہ لانے کی ہمت ہے نہ اسکے دفع کی قوت -

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جسکے قلب میں ذکر کا اثر آجائیگا وہ شخص اہل بصیرت کے نزدیک صاحب حال ہوگا مگر اثر جو اس کے بدن پر ظاہر ہوتا ہے جسکو اہل ظاہر حال کہتے ہیں اسکا کوئی وقت متعین نہیں بعض کو ابتدا میں پیدا ہوتا ہے پھر جاتا رہتا ہے بعض کو درمیان میں ہوتا ہے آخر میں رفع ہو جاتا ہے اور بعض کو آخر میں پیدا ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے اور بعض کو درمیان میں پیدا ہوتا ہے اور نہیں جاتا اور بعض کو ابتدا سے آخر تک رہتا ہے اسپر شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کا تمثیلاً تذکرہ فرمایا اسکے بعد فرمایا اور بعض کو بالکل ہوتا ہی نہیں کمال مقصود کے واسطے دونوں ضرور نہیں جس کو جو طریق بھی حق تعالے نصیب فرمائے -

ایک روز کسی شخص نے حال کی حقیقت دریافت کی آپنے ارشاد فرمایا ہر شخص میں ایک قوت بہیمیت کی رکھی ہوئی ہے اور بہایم کی قوتیں مختلف ہیں اور اس بہیمیت کو تعلق اس عالم سے ہے اسی سے اسکو راحت ہے نیز ہر شخص میں روح ہے اور اسکا تعلق عالم قدس سے ہے وہی اس کے لئے سبب راحت ہے جسوقت روح اس عالم کی طرف چلتی ہے اس بہیمیت کو تکلیف ہوتی ہے اسوقت اس میں حرکت و بیقراری شروع ہوتی ہے پس اگر یہ بہیمیت ضعیف ہے تو مغلوب ہو کر بیہوش ہو جاتی ہے اور روح اپنا کام کرتی ہے اور اگر قوی ہے تو کچھ تڑپ کر بیہوش ہو جاتی ہے اور اگر بہت ہی قوی ہے تو روح اپنا کام کرتی رہتی ہے اور یہ ادھر تڑپتی رہتی ہے آخر میں اسی قوت کے موافق

آثار پیدا ہوتے ہیں اگر کسی شخص میں شیر کی قوت ہے تو درجہ کمال پر پہونچا دیتا ہے اسمیں شجاعت و ہمت غایت درجہ بڑھجاتی ہے اس مضمون کو شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمعات میں مفصل لکھا ہے۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ جب میں مکہ معظمہ گیا وہاں ایک درویش تھے سید قاسم نقشبندی اُن کو اہل مکہ بہت مانتے تھے ایک شخص اُن کے سامنے حضرات نقشبندیہ کی توہین کیا کرتے اور وہ بیچارے ضبط فرماتے تھے ایک دن غصہ میں آکر اُسپر توجہ ڈالدی وہ شخص تڑپنے لگا مجاورین کعبہ نے جب دیکھا کہ اب یہ شخص مرجائیگا بُرا حال ہے تو شہری پلاد رستی سے باندھکر اُسکے مکان پر پہونچا دیا آٹھ روز تک وہ شخص تڑپا کیا آخر اُسکی ماں نے سید صاحب کی منت خوشامد کی تب آپنے پڑھکر دیا اور فرمایا کہ تیرے بڑھاپے پر مجھکو ترس آتا ہے ورنہ میں کبھی نہ ہٹاتا یہانتک کہ اُسکی روح نکل جاتی۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھسے اُنکی تعریف فرمائی میں بھی اُن سے ملنے گیا مجھسے نہایت محبت سے ملے اور فرمایا اس زمانہ میں اکل حلال بہت دشوار ہوگیا حالانکہ بڑی ضرورت اسکی ہے میں کسی سے کچھ لیتا نہیں ہوں خود سونا بنالیتا ہوں تم بھی سیکھ لو میں نے انکار بھی کیا مگر جب اُنھوں نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت اسوقت تو اسقدر مہلت نہیں کہ آپ میرے سامنے بنائیں اور میں دیکھوں اور اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ حج کو آؤں اور سونا بناتا پھروں ایسا ہی آپکا اصرار ہے تو نسخہ لکھا دیجئے چنانچہ انھوں نے نسخہ لکھا دیا اور فرمایا اگر کچھ بھول جاؤ تو مجھسے پھر دریافت کرلینا۔ میں نے اگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سارا قصہ ذکر کیا آپ نے فرمایا تو ہرگز مت بنائیو بلکہ وہ نسخہ بھی اپنے دل سے بھلا دیجیو کیونکہ اس سے توکل میں فرق آویگا" میں نے ایسا ہی کیا کہ وہ نسخہ اُسوقت تو بیگ میں لاکر رکھدیا اور یہ خیال کیا کہ ہمارے دوست حکیم جی نے کہا تھا کوئی چیز ہمارے واسطے لانا بس یہ تحفہ اُن کے واسطے اچھا ملا پھر جب وطن آیا اور حکیم ضیاء الدین مرحوم ملنے آئے تو وہ کاغذ جوں کا توں انکو دیدیا اور خود بھلا دیا اس کے بعد فرمایا کہ بھائی الحمد للہ میری کوئی حاجت بند نہیں رہتی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ نانک جنکو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں چونکہ اہل جذب سے تھے اسوجہ سے اُنکی حالت مشتبہ ہوگئی مسلمانوں نے کچھ اُنکی طرف توجہ نہ کی سکھ اور دوسری قومیں کشف و کرامات دیکھکر اُنکو ماننے لگے۔

ایکبار کسی خادم نے تصور شیخ کے متعلق دریافت کیا آپنے ارشاد فرمایا کہ خیال دو طرح کا ہوتا ہے ایک آمد جیسے خیال ولد وغیرہ کا جو خود بخود آئے اسطرح پیر کا تصور بوجہ محبت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں دوسرا وہ کہ خواہ مخواہ تصور نہ جائے سو اسکی حاجت ایک روز فرمانے لگے کسی نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ میاں تیرا کوئی پیر بھی ہے؟ اس نے کہا جی پیر تو میرے بہت سے ہیں مگر دو پیر میرے اصلی ہیں ایک طوطا اور ایک تلنگا (سپاہی) اور یہ اسطرح کہ میرے محلہ میں ایک تلنگا رہتا تھا ہمیشہ سویرے اٹھتا منہ ہاتھ دھوتا اور دھوتی پہنتا اور بن سنور کر بادشاہ کے یہاں اپنی نوکری پر جایا کرتا تھا میں اسکو دیکھا کرتا تھا آخر ایک دن مجھے خیال ہوا کہ اگر ایک دن یہ اپنی نوکری پر نہ جائے تو بادشاہ اسکو موقوف کر دے اسی طرح اگر تو اپنے آقائے وحدہٗ لاشریک کی حضوری اور اللہ کی یاد سے غافل ہوا تو بھی تلنگے کی طرح موقوف کر دیا جائیگا پس اسی دن سے میں ذکر الٰہی میں شاغل ہوں کبھی ناغہ نہیں کرتا۔ طوطے کا پیر ہونا اس طرح ہے کہ میرے محلہ میں ایک پڑوسی نے طوطا پال رکھا تھا جو میٹھی میٹھی باتیں کرتا اور اپنی بولیوں پر لوگوں کو فریفتہ بنایا کرتا تھا ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اسکو بلی نے آدبوچا جسوقت بلی کے پنجہ اسپر پڑے تو اس نے کہا ٹیں ٹیں اس لفظ کے اسکو کچھ بھی یاد نہ رہا ساری بولیاں اور دل بہلاؤ چہچہانا بھولگیا میں یہ قصہ دیکھ رہا تھا اسی وقت دل میں یہ مضمون پیدا ہوا کہ اسی طرح موت کے پنجہ کا شکار ہوتے وقت آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے بجز اس اصلی حالت کے جو طبعی ہے اور کوئی بات یاد نہیں رہتی پس میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ اللہ کی یاد میں لگ گیا تاکہ مرتے وقت ذکر اللہ کے سوائے کچھ نہ نکلے۔ اسکے بعد حضرت نے فرمایا سو ذکر الٰہی اسی واسطے کہتے ہیں کہ منہ سے آخری وقت میں اللہ ہی کا نام نکلے۔

ایک دن تقریباً دس بجے دن کو چارپائی پر لیٹے تھے کہ آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر بعد بیدار ہوئے اور فرمایا کہ اسوقت میں یہ خواب دیکھ رہا تھا کہ "حج مکہ معظمہ میں ہوں" پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی شخص خواب میں حج کرتے دیکھنے کی تعبیر پوچھتا تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ تو حج کریگا مگر میں نے یہ بات زاید کر دی کہ اگر حج نہیں کریگا تو ثواب حج کا ضرور پائیگا اور یہ بات یوں ہے کہ ایک بزرگ حج کے لئے تشریف لے گئے جب حج سے فارغ ہوئے تو خواب دیکھا کوئی شخص کہتا ہے کہ اسکے سال تین لاکھ آدمی نے حج کیا مگر حج کسی کا قبول نہیں ہوا بجز ایک شخص کے جو حج کو آیا نہیں مگر اسکا حج قبول ہوا۔ ان بزرگ نے اس شخص سے کہا تعجب ہے جو شخص حج میں حاضر نہ ہوا اسکا حج قبول

کیونکر ہوا اُس نے جواب دیا کہ ضرور قبول ہوا اس میں کچھ شک ہی نہیں بزرگ نے خواب ہی میں کہا اچھا اُس شخص کا مجھے پتہ بتاؤ میں اُس سے ملونگا اور بات پوچھونگا اُس شخص نے نام اور نشان بتا دیا کہ فلاں شہر میں رہتا ہے اسکے بعد انکی آنکھ کھل گئی یہ وہاں سے چلے اور تلاش کے بعد پتہ لگا ہی لیا اُس شخص سے جا کر ملے اور اپنا خواب سنا کر دریافت کیا کہ اب بتاؤ تم نے کون ایسا عمل نیک کیا جس کا یہ ثمرہ ملا ہے اُس شخص نے جواب دیا کہ میں تو بجز نماز فریضہ نماز کے کوئی عمل اپنے اندر نہیں پاتا بزرگ نے کہا سوچ غور کرو کوئی عمل حاضر ضرور ایسا ہے جس نے حج مبرور تمھارے نامہ اعمال میں لکھوایا آخر اس شخص نے کہا ہاں یاد آیا میں نے ایک سال حج کے لئے روپئے جمع کئے تھے الحمدللہ سارا سامان پورا ہو گیا تھا صرف جانے کی دیر تھی میری عورت حاملہ تھی ایسا اتفاق ہوا کہ ایک رات میں سوتا تھا کہ آدھی رات کو اُس نے مجھے جگایا اور کہا کہ اسوقت میرا جی گوشت کھانے کو بہت چاہتا ہے میں نے کہا کہ خدا کی بندی آدھی رات کو کہاں سے گوشت لاؤں؟ اُس نے ضد کی اور کہا جہاں سے ہو سکے مجھے اسوقت گوشت کھلاؤ میں پریشان ہوا اور محض اُسکی دلدہی کے لئے اچھا کہکر گھر سے باہر نکل آیا باہر جو نکلا تو ایک پڑوسی کے گھر میں سے گوشت کے بگھار کی بو میری ناک میں آئی میں اُسکی طرف چلا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر پڑوسی کو آواز دی وہ بیچارا میری آواز سنتے ہی گھبرایا ہوا باہر آیا میں نے کہا کہ تمھارے یہاں گوشت پک رہا ہے میری حاملہ عورت نے گوشت کی خواہش کی اور مجبور تقاضہ شدید کیا ہے سو مہربانی کرو تھوڑا سا گوشت دیدو وہ میری درخواست سنکر چپ ہو رہا اور گردن جھکا کر کہا کہ گوشت تو میرے گھر میں ضرور پک رہا ہے مگر تمھارے کام کا نہیں میں نے کہا ایسا کون گوشت ہے کہ تم کھا سکو اور ہم نہ کھا سکیں اُس نے بات کو ٹالا یا اور کہا میری بات کو سچ مانو اگر تمھارے کھانے کا ہوتا تو واللہ تمھیں دینے میں عذر نہ ہوتا کبھی کا لا دیا ہوتا آخر میں نے باصرار دریافت کیا کہ بات بتاؤ کیسا گوشت ہے جب وہ مجبور ہوا تو آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ ہم سارا کنبہ چار دن کے فاقہ سے ہیں آخر جب حالت غیر ہوئی تو ایک کتا ذبح کیا اور اسوقت اُسکا گوشت پکایا ہے کہ کھا کر جان بچائیں میں ہمسایہ کی یہ بات سنکر کانپ اُٹھا چپکا گھر کی طرف چلا دل میں اپنے آپ کو نفریں کرتا تھا کہ پڑوسی کی یہ حالت اضطرار ہے کہ اُسپر حرام بھی حلال ہو گیا اور تیرا ارادہ حج کا ہے میں نے چپکے ہی جمع کئے ہوئے روپئے نکالے اور اُس ہمسایہ کو دے آیا کہ لو اپنا کام چلاؤ ہر چند کہ لیتے وہ شرماتا مگر میں نے اصرار کے ساتھ دے ہی دئے بس یہ عمل

تو ایک ہے جو شاید حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہوا ہو باقی خیر صلاً۔ بزرگ نے فرمایا مبارک ہو میاں شیخ یہی عمل ہے کہ حج میں شریک سمجھے گئے اور تین لاکھ کی جماعت میں قبولیت سے نوازے گئے۔

پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھورہ دی نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت کیمیا مرکبات سے بنتی ہے یا قدرتی جمادات سے؟ آپ نے فرمایا کیمیا مرکبات سے بنتی ہے مگر تم اسکو ہرگز نہ سیکھنا ایک شخص نے مجکو کیمیا کا نسخہ بتایا تھا میں نے کبھی اس نسخہ کے بنانے کا ارادہ بھی نہیں کیا اور نہ وہ نسخہ اب میرے یاد رہا اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت مرشدنا حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن فرماتے تھے کہ ایک شخص نے مجھے کیمیا کا نسخہ بنایا اور کہا کہ اس نسخہ اکسیر سے سونا بنتا ہے میں نے اس سے کہا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں جو آیا ہوں تو اللہ کی تلاش کے لئے آیا ہوں کیمیا کی تلاش میں نہیں آیا۔

پیر جی صاحب ہی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک صوفی مشرب شخص نے ایک مرتبہ کہا کہ شاہ قیص رحمۃ اللہ علیہ ساڈھورہ میں مدفون نہیں ہیں یوں ہی مزار بنا کر مشہور کر دیا گیا ہے ایک صالح صورت کی زبان سے یہ سنکر مجھے بھی شک پیدا ہو گیا اور نیت کی کہ حضرت سے تحقیق کرونگا چند روز کے بعد جب گنگوہ آیا تو اس قصہ کا بھی خیال آیا تصدیق کی نیت سے میں حضرت کے پاس جا کر بیٹھا چاہتا تھا کہ بات کروں مگر ہیبت کی وجہ سے بول نہ سکا تھوڑی دیر میں حضرت نے خود ارشاد فرمایا کہ جس زمانہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجلاسہ میں تھیرے ہوئے تھے راؤ سراج الدین خاں نبیرہ راؤ عبداللہ خاں ایک دن گنگوہ آئے میں نے حضرت کی زیارت کے لئے اُن کے ہمراہ پنجلاسہ کا قصد کر دیا جب ساڈھورہ پہونچا تو شہر کے اندر نہیں گیا بلا شاہ قیص رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا اور پھر پنجلاسہ روانہ ہو گیا وہاں پہونچکر حضرت سے عرض کیا کہ ایک شخص نے مجھسے کہا تھا کہ حضرت قیص خانقاہ ساڈھورہ میں دفن نہیں ہیں حضرت مرشدنا نے فرمایا تمسے جس شخص نے ایسا کہا غلط کہا ہے حضرت شاہ قیص رحمۃ اللہ علیہ اسی جگہ تشریف رکھتے ہیں اور جب میں ساڈھورہ حاضر ہوا تھا تو میرے حال پر حضرت نے بہت عنایت فرمائی تھی کیونکہ میں شاہ رحم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بیعت ہوں اسی طرح حضرت مرشدنا حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے حال پر شاہ قیص رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عنایت فرمائی ہے کیونکہ شاہ رحم علی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں بیعت ہیں۔

ایک دن مولوی سید احمد صاحب مدنی کو مخاطب بنا کر فرمایا "میاں مولوی سید تم جو مدینہ منورہ

چھوڑ کر آئے ہو تو چار پلانے نہیں آئے جس کام کو آئے ہو وہ کرو فضول جھگڑوں میں اپنا وقت صرف کرنا اچھا نہیں اسکے بعد فرمایا ایک دن حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ اصلاح بنوا رہے تھے دفعۃً اللہ اللہ کرنے لگے حجام نے کہا حضرت تھوڑی دیر کے لئے اللہ اللہ کرنا موقوف فرمادیں ورنہ لب مبارک کٹ جائیگا حضرت بابا صاحب نے فرمایا کہ میں لب کے کٹنے پر صبر کر سکتا ہوں مگر ذکر الٰہی ترک کرنے پر صبر نہیں کر سکتا۔

ایک دن میرٹھ کے ایک شخص حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میری عورت پر آسیب ہے لوگ کہتے ہیں کہ ماموں والہ بخش ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا بھائی والہ بخش کی یہ شناخت ہے کہ کبھی ہنسنا کبھی رونا اور حق حق کرنا یا کلام مجید کی آیات کا پڑھنا جس مریض کی یہ حالت ہو اُسپر سمجھو کہ والہ بخش ہے ہمارے ہاں تو اللہ اللہ کرنا ہی ہے بھوتوں کے ساتھ کون بیر بسائے اسکے بعد فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک پیر جی غلام محمد ہیں وہ اکثر حاضرات وغیرہ کیا کرتے ہیں انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ میں دن کو ایک دو پہر جنگل میں گیا ہوا تھا کہ دو آدمی مجھے جنگل سے اُٹھا کر لیچلے اور بوڑھے کھیڑے کے جنگل میں لاکر چھوڑ دیا وہاں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں آدمیوں کی فوج ہے وہ سب مجھپر حملہ آور ہیں کہتے ہیں اسکو مارو اسکو مارو میں بہت خوف زدہ اور حیران تھا کہ دیکھئے اب کیا ہو یکایک ایک بزرگ معمر سفید ریش تشریف لائے اور اُن آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا میاں چھوڑ بھی دو ان کو کیوں مارتے ہو پھر ان بزرگ نے مجھے وہاں سے اُٹھا کر گنگو کے جنگل میں چھوڑ دیا اور یوں فرمایا کہ تم جو روپیہ آٹھ آنہ کے لالچ میں حاضرات کیا کرتے ہو اسکو چھوڑ دو ورنہ آج تمھاری جان جاتی رہتی اسکے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ اتفاقاً مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لائے تو میں نے یہ قصہ پیر جی غلام محمد ہی کی زبانی مولوی صاحب کو سنوایا۔

ایک روز فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری اور حضرت شاہ قمیص کا زمانہ ایک تھا اور دونوں حضرات کا آپس میں دوستانہ تھا۔

ایک دن حضرت کی خدمت میں بے ریش لڑکا حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی آپ نے بیعت نہیں فرمایا اور یہ قصہ بیان کیا کہ شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے والد بغرض بیعت حاضر ہوئے یہ حضرت صغیر سن تھے حضرت نے فرمایا تم علم حاصل کرو بعد تحصیل علوم ہمارے لڑکے رکن الدین سے بیعت ہو جانا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات کے

بعد مجدد صاحب کے والد نے گفتگو آکر مولوی رکن الدین صاحب سے بیعت کی اور فیضان سلسلہ حاصل کیا اسکے بعد آپنے فرمایا اسی واسطے میں لڑکوں کو بیعت نہیں کرتا صاحبزادہ تم علم حاصل کرو بعد حصول علم بیعت ہو جانا

ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک زمانہ تھا بادشاہ دہلی کے پاس جاکر کسی نے چغلی کھائی کہ شہزادہ صاحب حضور کے واسطے بددعا کرانے کہ بادشاہ مرجاویں مجدد دین مجدد صاحب اور شاہ نظام الدین صاحب کے پاس حاضر ہوئے تھے شاہ دہلی نے غصہ ہو کر حضرت مجدد صاحب کو تو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا اور شاہ نظام الدین صاحب کیلئے جلاوطنی کا حکم دیا چنانچہ شاہ صاحب تھانیسر سے بلخ تشریف لے گئے اور تادم اخیر وہیں قیام پذیر رہے اسلئے اس ہندوستان کو دارالکفر کہتے ہیں اور اسی واسطے اولیا اللہ اس میں نہیں رہتے اور جو رہتے ہیں وہ محض بغرض ہدایت رہتے ہیں۔

مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک دن دریافت کیا کہ حضرت قلندر صاحب کا مزار کرنال اور پانی پت دونوں جگہہ کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا اصل قبر پانی پت میں ہے بات یہ ہوئی کہ جب قلندر صاحب پانی پت میں بہت بیمار ہوئے تو کرنال کے معتقدین لانے کو گئے وہاں حضرت کا انتقال بھی ہو چکا تھا پانی پت والوں نے نعش جانے نہ دی تب یہ لوگ شرم مٹانے کو ایک خالی نعش کی صورت بنا کر لیچلے اور کرنال میں آکر پردہ کرکے دفن کر دیا اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ ابتدائی زمانہ میں ہمارے حضرت حاجی صاحب کو وحشت طاری ہوئی تین دن تک حضرت قلندر صاحب کی قبر پر مراقب رہے مگر کچھ پتہ نہ چلتا تھا آخر حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور فرمایا امداد یہاں کیا بیٹھے ہو؟ پھر قبر کھود کر دکھلا دیا کہ کچھ نہیں ہے۔

ایک دن ارشاد فرمایا شاہ حکیم اللہ صاحب ایک بزرگ سہارنپور میں رہتے تھے انکی خدمت میں ایک شخص بغرض سلام حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میں حیدرآباد دکن کو جاتا ہوں۔ شاہ صاحب نے فرمایا اچھا جاؤ حیدرآباد کے راستہ میں فلاں شہر پڑیگا اس شہر کے متصل ایک جھڑی ہے اس میں ایک بزرگ رہتے ہیں یہ ان کا نام ہے ان سے ملنا اور میرا سلام کہنا یہ شخص رخصت ہو کے حیدرآباد روانہ ہوئے شاہ صاحب کے ارشاد کے موافق جب جھڑی کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ ایک مندر بنا ہوا ہے اسکی چاردیواری کے گرد بہت سے ہندو فقیر الگ بت ہاتھوں میں لئے پوجا کر رہے ہیں یہ شخص بہت

متحیر ہوا کہ یہاں یہ کیا قصہ ہو رہا ہے آخر آگے بڑھا اور ایک ہندو فقیر سے پوچھا کہ اس مندر میں کون رہتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہمارا گرو رہتا ہے انھوں نے نام پوچھا تو وہی عقاد شاہ صاحب نے بتایا تھا۔ اِس شخص نے فقیر سے کہا کہ اپنے گرو کو اطلاع کردو کہ ایک شخص شاہ حکیم اللہ سہارنپوری کا بھیجا ہوا سلام کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے ہندو فقیر نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو وہاں تک پہونچ نہیں سکتے البتہ ہمارا پیام ڈیوڑھی کے فقیروں تک پہونچا ہوں وہاں سے سلسلہ بسلسلہ گرو جی تک پہونچ جائے گا غرض اِس طرح پر جب پیام اندر پہونچا تو انھوں نے اِن مہمان مسافر کو اندر بُلا لیا وہاں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک بزرگ سفید ریش صاف ستھرے چبوترہ پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں جب فارغ ہو کر کلام مجید جزدان میں رکھ لیا تو انکی طرف متوجہ ہوئے اور سلام و کلام ہوا اِس شخص نے کہا کہ حضرت یہاں کے قصّے نے تو مجھے حیران بنا دیا یا ہر پرست جوگیوں کا مجمع کیسا ہے؟ بزرگ نے فرمایا میاں کیا پوچھتے ہو باہر جتنے لوگ معتقد بنے بیٹھے ہیں سب ہندو ہیں انکو یہاں تک پہونچنے کی ممانعت ہے جب کسی قدر انکی اصلاح ہو جائیگی تو ڈیوڑھی پر آجائینگے اور پھر جب حالت زیادہ سنور یگی تو یہاں آجائینگے یہاں آکر مسلمان بنینگے چنانچہ یہ لوگ جنکو میرے پاس دیکھتے ہو بحمد اللہ سب مسلمان ہیں اور جب مکمل ہو جائیں گے تو اس سامنے والے دروازہ سے انکو نکالدونگا اس دروازہ سے باہر جانے والے لوگ پھر کبھی باہر کے لوگوں سے نہ ملیں گے غرض یہی سلسلہ رہیگا یہانتک کہ میرا وقت پورا ہو جائے جتنے لوگ تم دیکھ رہے ہو سب میں فرق مراتب ہے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پڑھنے کیلئے بتایا گیا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے اپنا حال کہنے کی ممانعت ہے اسی طرح بہتیرے خدا کے کافر بندے مسلمان بنکر یہاں سے روانہ ہوئے اگر کھلم کھلا اسلام کی طرف ان لوگوں کو بلایا جائے تو یہاں کے لوگ مسلمان کو قتل کر ڈالیں میں بھی مارا جاؤں اور یہ بھی اسلئے اسلام کی خدمت اور دین کی جانب ہدایت کا میں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے اِس قصّہ کے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا اسی طرح اکثر بزرگ پوشیدہ ہو کر خلقت کو راہ ہدایت پر لاتے ہیں اسی طرح بابا نانک بھی مسلمان تھے اور پوشیدہ ہو کر ہدایت کرتے تھے ان کی گرنتھ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

اول نام خدا داد جانام رسول　　تیجا کلمہ پڑھ لے نانکا جو درگاہ پوئے قبول

ایام غدر میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قصبہ کیتھل میں بھی کچھ دنوں مقیم رہے میں بھی حضرت

کی خدمت میں حاضر تھا وہاں ایک بزرگ حضرت کی ملاقات کے لئے اکثر تشریف لایا کرتے تھے سکھ لوگ ان کے معتقد زیادہ تھے چنانچہ ان کے ہمراہ سکھ بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گرو کی حالت دیکھکر حضرت حاجی صاحب کا ادب کیا کرتے تھے۔

ایک دن پیر جی محمد جعفر صاحب ساڈھوری نے عرض کیا کہ صوفی اسمٰعیل مدنپوری نو مسلم نے سلام عرض کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ میں نے اپنی ماں کو ہر چند سمجھایا مگر وہ مسلمان نہیں ہوتی آپ دعا فرمادیں کہ حق تعالیٰ اسکو بھی اسلام کی توفیق عطا فرماوے اسوقت حضرت نے یہ نکتہ ارشاد فرمایا کہ صوفی اسمٰعیل نو مسلم سے کہدینا کہ دوسرے تیسرے دن گوشت کی بوٹی ماں کے منہ کو ہنسی سے لگا دیا کریں رفتہ رفتہ کفر کی سیاہی دور ہو جائیگی اور اس تدبیر سے انشاء اللہ چند روز بعد مسلمان ہو جائیگی اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک قانون گو مسلمان ہمارے دوست تھے وہ بیان کرتے تھے کہ میں اور ایک ہندو منشی دونوں ایک جگہ ملازم تھے وہ ہندو میرے مکان کے پاس ہی رہتا اور حسب رواج چوکے پر بیٹھکر روٹی کھایا کرتا ... تھا ایک روز میں اس کے مکان پر گیا دیکھا کہ چوکے پر بیٹھا روٹی کھا رہا ہے میں اسکے چوکے کے قریب جاکر کھڑا ہو گیا وہ گھبرایا اور بولا بھائی جی ذرا میرے چوکے سے الگ رہنا میں ہنسنے لگا اور تھوڑی دیر بعد چلا آیا اگلے روز پھر اسی وقت گیا اور اس مرتبہ ہنسی سے اسکے چوکے کو اپنی لاٹھی کا سرا لگا دیا وہ اچھل پڑا اور کہا ہا ہا یہ تم نے کیا کیا میرا چوکا ہی خراب کر دیا چونکہ ایک جگہ دونوں نوکر تھے ہر وقت کا پاس اٹھنا بیٹھنا تھا اسلئے اور کچھ نہ کہہ سکا میں ہنسکر چپ ہو رہا تیسرے دن پھر اسی وقت میں آموجود ہوا اور اس دفعہ چوکے پر اپنا جوتہ ہی رکھدیا یہ دیکھکر وہ ہندو کچھ رنجیدہ اور ترش رو ہوا مگر پھر کچھ نہیں خاموش ہو گیا اگلے روز میں اسکے چوکے پر جاکر کھڑا ہی ہو گیا اسی طرح چند بار ہونے پر اس بیچارے نے چوکا کرنا ہی چھوڑ دیا اور اسکو جو نفرت مسلمانوں سے تھی وہ جاتی رہی آگے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مسلمان بھی ہوا یا نہیں؟

ایک دن فرمایا کہ آجکل کے واعظ وعظ کہکر فخر کیا کرتے ہیں مولوی نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا اگر کوئی شخص آکر کہتا کہ حضرت آپنے جو وعظ کہا تھا میری عورت نے نہیں سنا اسی وقت اسکے ساتھ ہو لیتے اور اسکے گھر جاکر وعظ دوہراتے تھے اسکے بعد فرمایا کہ جب میں نواب صاحب کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تو خوش ہوتے اور فرمایا کرتے تھے "اہا ہا رشید احمد ہے میرا

طالبعلمی کا زمانہ تھا کچھ خیال نہیں تھا اب بہت یاد آتے ہیں۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب نہایت پرہیزگار تھے اور پھر بھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے پرہیز نہیں ہو سکتا اسکے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ جو پہاڑوں میں چلے گئے ہیں بوجہ پرہیزگاری چلے گئے ہیں مگر ہم کہاں چلے جائیں ہم سے تو بالکل پرہیزگاری نہیں ہو سکتی۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت اولاد کی محبت ماں باپ سے زیادہ ہوتی ہے حالانکہ اولاد کو اپنے ماں باپ کی اتنی محبت نہیں ہوتی اسکی کیا وجہ؟ شاہ صاحب نے فرمایا جسم سے گوشت کی بوٹی کاٹکر اگر دور ڈالدی جائے تو اس بوٹی کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی تکلیف اسی جگہ کو ہوتی ہے جہاں سے بوٹی کاٹی گئی۔

ایک مولوی حضرت شاہ اسحٰق صاحب کا مخالف تھا اسکو کچھ ضد ہو گئی تھی کہ شاہ صاحب جو کچھ فرماتے اسکی تردید کرتا ایک دن اس نے شاہ صاحب کی خدمت میں کہلا کر بھیجا کہ یاد رکھنا جس چیز کو تم حرام کہو گے میں اسے حلال بتاؤنگا اور جسے تم حلال بتاؤ گے میں اسکو حرام کہونگا شاہ صاحب نے بیساختہ فرمایا ہم تو اسکی ماں کو اسپر حرام کہتے ہیں وہ حلال کہدے۔ اس جواب کو سنکر مولوی صاحب دم بخود رہ گئے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت امام ربانی سے سوال کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کا جسم قبر میں گل جاتا ہے یا باقی رہتا ہے آپنے فرمایا بعض کا گل جاتا ہے اور بعض کا نہیں اسکے بعد ارشاد فرمایا جس زمانہ میں میں سہارنپور شائستہ خاں کے پڑھایا کرتا تھا دہلی کے دو معتبر آدمیوں نے مجھسے نقل کیا کہ دہلی میں ایک پرانی قبر سے دو مردے برآمد ہوئے ایک مرد کی نعش تھی دوسری نعش تیرہ چودہ برس کی لڑکی کی تھی دونوں کا کفن ویسا ہی سفید تھا نہ ان کے بدن کو مٹی نے کھایا جیسے دفن کئے گئے ویسے ہی تھے۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک قزاق تھا لوٹ مار میں بہت مشہور تھا تمام عمر اس نے قزاقی میں گزاری آخر جب بوڑھا اور ضعیف ہو گیا تو دل میں سوچا کہ اب اگر کہیں چوری کی تو پکڑا جائیگا کوئی اور حیلہ ایسا کرنا چاہیے جس سے بڑھاپا آرام سے گزر جائے بہت سوچا آخر خیال کیا کہ سوائے پیری مریدی کے اور کوئی پیشہ ایسا نہیں جس میں یہ آخری عمر راحت سے کٹے بس یہ سوچکر وہ شخص ایک گانوں کے قریب جنگل میں برلب دریا تسبیح ہاتھ میں لیکر بیٹھ گیا۔ پانچوں وقت فریضہ نماز ادا کرتا اور تسبیح پڑھا کرتا لوگ جو ادھر کو آتے جاتے وہ اسکو دیکھا کرتے آخر چند روز کے بعد گانوں والوں میں اسکی عقیدت پیدا ہونے لگی باہم تذکرے ہونے

لگے کہ یہ کوئی بزرگ ہیں ہماری خوش نصیبی سے اِدھر آنکلے رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد شروع ہوگئی اور لگے انکی خاطر مدارات کرنے یہانتک کہ دونوں وقت کھانا آتا اور ہر ایک یوں چاہتا کہ میں انکی خدمت کروں ایک جھونپڑا بھی اُن کے رہنے کو لوگوں نے وہیں دریا کے کنارے پر بنا دیا۔ اِس شخص نے کم گوئی اختیار کرلی تھی مثل مخ کی سی صورت بنا کر کچھ وظیفہ بھی شروع کر دیا تھا غرض لوگ زیارت کو آتے آتے بیعت کی خواہش بھی کرنے لگے اس نے انکو مرید بنایا اور ذکر کرنے کے لئے کلمہ توحید تلقین کر دیا۔ مرید بیعت ہونے کے بعد اپنا کام کرنے لگے اور یوں سوچکہ یہاں صاحب تن تنہا جنگل میں پڑے رہتے ہیں رات برات کو تکلیف ہوتی ہوگی لہٰذا دریا کے کنارے اُن کے قدموں میں رہائش اختیار کریں وہ بھی یہیں آپڑے اب تمام شب نفی اثبات کا ذکر ہونے لگا غرض کثرتِ ذکر سے جنگل معمور و منور ہوگیا۔ لوگ دور دراز سے انکی خدمت میں آتے اور نذریں پیش کیا کرتے فتوحات کی جب زیادتی ہوئی تو خدام نے لنگر بنایا اور آئندہ روز کو روٹی دینے لگے پھر تو آنے والوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی خدا کی شان وہ دس بیس خدام بباعث اعتقاد کے عرصہ میں منزل مقصود کو پہونچ گئے اُسوقت اِن خادموں نے مشورہ کیا لا دخیال تو کریں کہ حضرت کس مرتبہ پر پہونچے ہوئے ہیں لگے غوض کرنے چھ ماہ تک فکر کیا مگر پیر کے مقام کا پتہ نہ لگا آخر کہنے لگے کہ حضرت کے مقامات اسدرجہ عالی ہیں کہ ہمارا کمند فکر وہاں تک پہونچنے سے قاصر ہے سب نے متفق ہو کر مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت ہم خدام نے چھ ماہ تک غور کیا مگر آپ کے مقامات کا پتہ نہ چلا آپ ہمکو بتائے خدا اپنے مرتبہ سے مطلع فرماویں۔ پیر صاحب میں نیک لوگوں کی صحبت اور کثرت نماز و روزہ سے جو کچھ خصلت پیدا ہوگئی تھی اسلئے جواب دیا تھا بیٹو میں ایک قزاق ہوں عمر بھر لوٹ مار کرکے کھاتا رہا اب بڑھاپے میں جب مجھسے یہ پیشہ نہو سکا تو کھانے کا حیلہ اختیار کیا باقی درویشی کے فن سے مجھ کچھ بھی مناسبت نہیں" خادموں نے کہا اجی نہیں حضرت کو کسر نفسی سے ایسے الفاظ فرماتے ہیں تب آپ نے قسم کھائی اور کہا واللہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اسمیں کسر نہیں ہے میں ہرگز اس قابل نہیں ہوں کہ کوئی بیعت ہو میں نہایت گناہگار اور نااہل شخص ہوں تم لوگ محض حسن عقیدت کی بنا پر اس مرتبہ کمال کو پہونچ گئے ہو اسوقت اِن لوگوں نے پیر کے ارشاد کو حق سمجھکر جناب باری میں التجا کی کہ بارالٰہا جنکے باعث تو نے اپنی رحمت کاملہ سے ہمکو ہدایت فرمائی ہے انکو بھی اپنے خاص بندوں میں شامل فرمالے" اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی دعا سن لی اور پیر کو بھی اپنے پاک لوگوں میں

شامل فرمالیا اس قصہ کو نقل فرما کر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا مجھے بھی کچھ آتا جاتا نہیں ہے لوگوں کو توبہ کرادیا کرتا ہوں کہ یہی وسیلہ میری نجات کا ہو"۔

ایک روز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہٗ نے دریافت کیا کہ حضرت یہ حافظ لطافت علی عرف حافظ منڈھو شیخ پوری کیسے شخص تھے حضرت نے فرمایا "پکا کافر تھا" اور اس کے بعد مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے"۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ ضامن علی جلال آبادی کی سہارنپور میں بہت رنڈیاں مرید تھیں ایک بار یہ سہارنپور میں کسی رنڈی کے مکان پر ٹھیرے ہوئے تھے سب مریدنیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوئیں مگر ایک رنڈی نہیں آئی میاں صاحب بولے کہ فلانی کیوں نہیں آئی رنڈیوں نے جواب دیا میاں صاحب ہم نے اس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب کی زیارت کو اس نے کہا میں بہت گنہگار ہوں اور بہت روسیاہ ہوں میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں میں زیارت کے قابل نہیں" میاں صاحب نے کہا نہیں جی تم اسے ہمارے پاس ضرور لانا چنانچہ رنڈیاں اسے لیکر آئیں جب وہ سامنے آئی تو میاں صاحب نے پوچھا "بی تم کیوں نہیں آئی تھیں"؟ اس نے کہا حضرت روسیاہی کی وجہ سے زیارت کو آتی ہوئی شرماتی ہوں میاں صاحب بولے "بی تم شرماتی کیوں ہو کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے" رنڈی یہ سنکر آگ ہوگئی اور خفا ہو کر کہا لاحول ولا قوۃ اگرچہ میں روسیاہ و گنہگار ہوں مگر ایسے پیر کے منہ پر پیشاب بھی نہیں کرتی" میاں صاحب تو شرمندہ ہو کر رہ نگوں رہ گئے اور وہ اٹھکر چلدی۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک ملحد کے سامنے سے تین شخص گزرے پہلا تو خاموش دو تیز رفتاری کیساتھ لپکا چلا گیا ملحد کی طرف منہ پھیر کر بھی نہ دیکھا اور دوسرا شخص آہستہ آہستہ سامنے کو نکلا مگر چلا گیا کچھ بولا نہیں اور تیسرا شخص ملحد کی تردید کے درپے ہو گیا اور کھڑا ہو کر لگا کہنے تو فاسق ہے اور ایسا ہے ویسا ہے۔ ملحد نے کہا یہ تیسرا شخص تو یقیناً میرا ہو لیا پنجہ سے نکلنا محال ہے اور دوسرا بھی غالب ہے کہ قابو میں آجائے مگر پہلا سالم بچ نکلا اور کورا گیا۔

ایک دن رسول شاہی فقیروں کا تذکرہ تھا حضرت امام ربانی نے فرمایا رسول شاہ الورکا باشندہ ایک فقیر تھا اگرچہ احکام شرع کا پابند تھا مگر شراب پیا کرتا تھا اور شاید اسکی وجہ ہوگی کہ اس نے اپنی حالت سے

از مولانا صادق حسین صاحب سکھروی

از مولانا صادق حسین صاحب سکھروی

یوں سمجھا کہ حالت سکر میں طبیعت زیادہ لگتی ہے اُسکا ایک مرید تھا محمد حنیف اُس نے چار ابرو کا صفایا یعنی سر داڑھی بھوں اور مونچھوں کا منڈانا ایجاد کیا اُسکا خلیفہ ہوا فدا حسین اس کمبخت نے یہ زیادتی ..... کی کہ نماز سے منع کرتا اور عبادت کے لئے بدن پر بھبوت کا مل لینا کافی سمجھتا تھا ساری شریعت کا یہ مردود انکار کرتا تھا مگر بانیہ صاحب تصرف تھا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ شخص دہلی آیا تو بہت لوگ اس کے معتقد ہو گئے شاہ صاحب نے اسکو کہلا بھیجا کہ تو مسلمان کہلاتا ہے اور شریعت کا انکار کرتا ہے تجھے زیبا نہیں کہ دعوئی اسلام کرے اور یہ قطعیات کا انکار کرے اس نے شاہ صاحب کے پاس جواب بھیجا کہ نہ تو آپ میرے پاس آئیں اور نہ میں آپ کے پاس جاؤں یوں کرو کہ اپنے کسی معتبر شاگرد کو بھیجدو کہ ہمسے مناظرہ کر جائے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں میں عبداللہ پڑھنے کی اور ذی استعداد طالب علم سمجھے جاتے تھے انہوں نے کہا حضرت مجھے بھیجدیجے شاہ صاحب نے فرمایا اچھا کوئی بات دریافت کرنی ہو تو کر لینا۔ گرمی کا زمانہ تھا دہلی میں یوں بھی گرمی زیادہ ہوتی ہے اب پہلے تو آجکل سے بھی زیادہ گرمی پڑتی تھی بلکہ ہماری طالب علمی کے وقت دہلی میں جتنی گرمی پڑتی تھی اتنی اب نہیں پڑتی اُس سے پہلے تو اور بھی زیادہ ہوگی غرض سبق کے بعد عبداللہ مناظرہ کے لئے بھیجا گیا۔ گرمی کا وقت تھا عین دوپہر کو فدا حسین کے پاس پہونچا اُس نے اِنکی بڑی خاطر کی اپنے چیلوں سے کہا مولوی صاحب کو پنکھا کرو اور ان سے کہا کہ آپ تھوڑی دیر لیٹے رہیں گرمی کا وقت ہے ذرا آرام لیلو تو اطمینان سے مناظرہ ہوگا انکی خوشامت آئی تو لیٹ رہے ٹھنڈی ہوا میں عافیت معلوم ہوئی لیٹتے ہی سو گئے اور فدا حسین پاس بیٹھکر توجہ دینے لگا اور چیلوں سے کہا کہ ہنڈیا پکاؤ کسی نے کہا بھی کہ حضرت کوئی چیلہ تو ہونے والا ہے نہیں پھر ہنڈیا کیوں پکواتے ہیں؟ اس نے دھمکا کر کہا تمہیں اس سے کیا غرض (اُسکے یہاں چیلہ بنانے کے وقت کسی قسم کی ہنڈیا پکتی تھی) تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب جو اُٹھے تو یہی کہتے اُٹھے کہ حضرت مجھے چیلہ کر لیجئے۔ اُس کمبخت نے سوتے سوتے اپنا کام کر لیا فدا حسین نے کہا میاں تم تو مناظرہ کرنے آئے تھے مرید ہونا کیسا؟ بولے بس حضرت ہو لیا مباحثہ مجھے تو مرید کیجئے آخر فدا حسین نے مولوی عبداللہ کی داڑھی مونچھ منڈائی اور وہ ہنڈیا منگائی جو مریدوں سے پکوائی تھی جب ہنڈیا آئی تو مولوی عبداللہ سے پوچھا تم اسے اپنے استاد کے پاس بھی لیجا سکتے ہو؟ عبداللہ نے کہا جہاں حکم ہو لیجاؤں غلام کو کیا انکار ہے۔ غرض ہنڈیا لیکر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں

پہونچا ادہر شاہ صاحب اُسکے انتظار میں بیٹھے بار بار فرماتے تھے "شاید مناظرہ طویل ہوگیا" اتنے میں عبداللہ سر پر ہنڈیا رکھے آپہونچا حضرت شاہ صاحبؒ تو اُسوقت نابینا ہوچکے تھے میر محبوب علی صاحبؒ جو حضرت کی خدمت میں بہت ہی بے تکلف تھے عبداللہ کو چار اردگا صفایا کئے دیکھکر کہنے لگے لیجئے حضرت آپکے مولوی عبداللہ مچھندر بنے آرہے ہیں" شاہ صاحب حیران ہوئے اور فرمایا تم یوں ہی بکا کرتے میر صاحب نے عرض کیا اب پہونچا چاہتے ہیں معلوم ہوجائیگا۔ تھوڑی دیر میں عبداللہ پاس آیا اور کہا مرشد نے بھیجا ہے لینا ہو تو لیجئے ورنہ جاتا ہوں" شاہ صاحب متحیر تھے کہ کیا قصہ ہے آخر فرمایا "میاں کیا شبہ پیش آیا جسکا جواب بن نہ پڑا تجھے کیا ہوا کس بلا میں گرفتار ہوا؟" شاہ صاحب نے سب کچھ کہا مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا کہا تو یہ کہا کچھ نہیں ہوا بس مرید ہوگیا" شاہ صاحب نے خفا ہوکر فرمایا دور ہو۔ اُس نے کہا "بہتر مجھے اسکی بھی پروا نہیں۔ اور چلا گیا۔

اسکے بعد حضرت امام ربانی نے غالباً اسی عبداللہ کا نام لیکر یوں فرمایا کہ اسمیں یہ اثر تھا کہ جو اُسکے پاس گیا وہ اُسی کا ہوگیا ایک شخص کا نام لیکر فرمایا کہ وہ کہتے تھے ایک بار میں اس کے پاس چلا گیا اُس کمبخت نے مجھے گلے سے لگالیا اُسی وقت میرے سینہ میں ایک آگ لگ گئی اور میں فوراً اُسکی بانہوں سے بھاگا

حضرت نے فرمایا میری طالبعلمی کے زمانہ میں وہ دہلی کے اندر موجود تھا اور دہلی بھر میں یہ بات مشہور تھی کہ اُس سڑک سے لوگ نہیں جاتے۔ ایک مرتبہ اس قصہ کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دجال نکلے تو اُسکے سامنے مست پڑنا پہاڑ کی چوٹیوں پر اور غاروں کے اندر پناہ پکڑنا" ہزارہا مخلوق اُسکے مقابلہ پر آئیگی مگر اُسی کی ہوجائیگی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم سے اہل باطل کا تصرف اور اہل حق پر غلبہ ظاہر ہوتا ہے آخر اسکے مقابلہ کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔

ایکبار شاہ سلیمان تونسی کے مرید میاں دادا بخش جو ایک لاکھ مرتبہ اسم ذات اور کئی ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے اِس بات پر کہ توکل حسین نے انکے پیر کا ایک مرید توڑ لیا تھا فدا حسین کے خلیفہ توکل حسین مچھندر کے پاس چلے گئے اور شکایت کی کہ تجھے مناسب نہیں ہے کہ دوسروں کے مرید کو اپنا مرید بنائے اِس نے جواب دیا سلیمان نرخہ کیا جانے درویشی اور فقیری کیا چیز ہے اسی لئے میں اُسکے مریدوں کو اپنا مرید بنا لیتا ہوں پیر کی شان میں یہ کلمہ ان سے ضبط نہ ہوسکا غصہ آگیا

اور لگے برا بھلا کہنے کہ تو خود گمراہ ہے دوسروں کو گمراہ بناتا ہے تجھے نماز روزہ سے سروکار نہیں ان باتوں پر توکل حسین کو بھی غصہ آگیا اس نے لال پیلی آنکھیں نکالیں اور چیلوں سے کہا نکالدو کان پکڑ کے مجھ سے شکایت کرنے آیا ہے" بس اتنے ہی قلیل عرصہ میں اثر ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر لگے کہنے مجھے مرید کر لیجئے وہ تو خدا کا فضل تھا کہ غصہ کے جوش میں توکل حسین نے انکی طرف التفات نہیں کیا نہ ان کی درخواست پر توجہ کی یہی کہے گیا کہ نکالدو کان پکڑ کے مریدوں نے دونوں کان پکڑ کر انکو باہر دھکیل دیا آخر جب نیچے آئے تو آنکھ کھلی اور ہوش آیا کہ زبان سے کیا درخواست نکلی اسی وقت اٹھ کر بھاگے اور اپنے گھر آکر دم لیا اسکے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا یاد رکھو ملحدوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے پاس جانا بہتر نہیں اس توکل شاہ مچھندر کو میں نے بھی دور سے دیکھا ہے۔

مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک بار استفسار کیا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنے رسالہ سماع میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کو سماع یا مزامیر میں غلو تھا سو یہ صحیح ہے یا نہیں حضرت نے فرمایا کہ بندہ کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے مزامیر کی نسبت یا تو قاضی صاحب کو غلط خبر ملی یا یہ کہ کسی نے ان کے رسالہ میں الحاق کر دیا ہے۔

ایک بار فرمایا کہ شیخ سونداہا رحمۃ اللہ علیہ نے اقتباس الانوار میں تحریر فرمایا ہے "پیران ماہر گز ہرگز سماع نشنیدہ اند بلکہ تصفیق راہم روا نداشتہ اند"

میرٹھ کے ایک شخص جمعہ کے دن بیعت کے لئے حاضر ہوئے آپ نے انکو چشتیہ خاندان میں بیعت کیا اور بیعت کے وقت یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں سب سے زیادہ چشتیہ طریقہ بدنام ہے کہ اسمیں اتباع شریعت کی ضرورت نہیں ہے حضرت جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ بھی آخر چشتیہ تھے مگر مرض الموت میں جب بیماری سے زیادہ مجبور ہوئے اور اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی لوگ دوا پلانے کے لئے لائے حضرت جلال الدین نے فرمایا مجھے چارپائی سے اتارو غرض چارپائی سے نیچے اتر کر دوا پی اور یوں فرمایا کہ چارپائی پر لیٹے لیٹے دوا کھانا سنت سے ثابت نہیں جس وقت حضرت نے یہ قصہ ارشاد فرمایا ہے کثیر مجمع تھا سب حجرہ بھرا ہوا تھا باہر بھی آدمی کھڑے تھے ساری مجلس پر ایک اثر پڑ رہا تھا حاضر جلسہ میں شاید کوئی ایسا ہو جو آبدیدہ نہ ہو گیا ہو۔

حضرت مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی نے ایک بار دریافت کیا کہ کیا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ

علیہ کا قول قدمی علی رقبۃ کل ولی اللہ صحیح ہے؟ حضرت نے فرمایا بیشک صحیح ہے اور اُن کے زمانہ کے اولیا اللہ مراد ہیں اور اگر بعد کے اولیا بھی مراد ہوں تو کیا عجب ہے؟ آخر وہ سید الاولیا تھے۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت مگر آجکل کے چشتی اسکو تسلیم نہیں کرتے اور حضرت خواجہ کی برابر کسی بزرگ کو نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں اگر حضرت خواجہ بڑے پیر صاحب کے مرید بھی ہوں اور پھر اُن سے بڑھے ہوئے بھی ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں آخر مرید پیر سے بڑھ بھی جاتے ہیں۔ آدمی کو چاہیئے کہ بڑوں کے درمیان تفضیل کا دخل نہ دے اسکے بعد فرمایا کہ منیٰ میں مسجد خیف کے اندر بیٹھے ہوئے ایک صاحب حضرت پیران پیر کو اور دوسرے صاحب حضرت شیخ مجدد کو افضل کہہ رہے تھے۔ قادری صاحب پھلواری کے تھے آخر یہانتک بات بڑھی کہ قادری صاحب نے حضرت مجدد کو اور نقشبندی صاحب نے حضرت پیران پیر کو کافر کہدیا نعوذ باللہ میں اسلئے ہمارے حضرات بیعت کے وقت چاروں مشائخ کا نام لے دیتے ہیں تاکہ سب سے برابر عقیدت رہے اور سب بزرگوں کے فیوض سے متفیض ہو اگرچہ شجرہ چشتیہ دیتے ہیں۔ اور چاروں خاندان کے نام لینے کا طریقہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ سے نکلا ہے۔

ایک مرتبہ کوئی عورت غریب دیکر لوگوں کے گھروں سے کچھ لے لائی تھی حضرت کی مجلس میں اتفاق سے اسکا تذکرہ ہوا آپنے فرمایا "روٹی کھائی شکر سے دنیا کمائی مکر سے" اسکے بعد فرمایا ایک شخص لکھا پڑھا تنگی معاش سے گھبرا گیا آخر جب اُسکو کچھ بن نہ پڑا تو سفر اختیار کیا اور ایک جگہ پہونچکر جاہل سقیم اللسان بنگیا اور کسی مکتب میں جاکر قرآن پڑھنے کی تمنا ظاہر کی استاد نے سبق شروع کرا دیا اب یہ پڑھکر یاد کرنے بیٹھتا بہتیرا یاد کرتا مگر یاد نہ ہوتا اور مکاری سے اس حالت پر اتنا روتا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا جو دیکھتا وہ افسوس کرتا کہ بیچارا اتنی محنت کرتا ہے مگر حافظہ ایسا خراب ہے کہ یاد نہیں ہوتا ایک دن صبح کو سوتا جو اٹھا تو ہنستا مسکراتا اٹھا کہنے لگا مجھے آج جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھا کہ آپنے لعاب دہن شریف میرے منہ میں ڈالدیا جس سے مجھے سب کچھ آگیا۔ پڑھا لکھا تو تھا ہی سب کچھ پڑھکر سنا دیا۔ پھر کیا تھا لوگوں کو اُس سے اعتقاد ہوگیا اور خوب آؤ بھگت ہوئی۔

ایک دن کرنال کے ایک عالم نے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کا قصہ سُنتے ہیں لوگوں نے اُن کے ہاتھ پاؤں سر اور دھڑ الگ الگ دیکھا" آپنے فرمایا میرے ماموں صاحب (یا اور کسی کا نام لیا) تذکرہ

کررہے تھے کہ میں میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دوپہر کے وقت گیا حجرہ شریفہ بند تھا مگر کواڑ بھی بند نہ لگے تھے۔ کواڑ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا دھڑ سارا الگ الگ ہے مجھے دیکھتے ہی اعضا باہم ملگئے اور حضرت میانجی صاحب اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے کہ کسی سے کہنا نہیں۔ اس قصہ کو نقل فرما کر حضرت امام ربانیؒ نے ارشاد فرمایا "مگر یہ درجہ کمال کا نہیں"۔

ایک دن مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا حضرت اسکی کیا وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سب لوگ اچھا کہتے ہیں اور مانتے ہیں مگر اسی خاندان کے دوسرے حضرات کو برا کہتے ہیں حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا "میاں کہونگا تو تمہیں بھی لگیگی اور مجھے بھی بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بعض لوگوں کے اعتراضات تھے شاہ عبدالعزیز صاحب انکو رفع کرنا چاہتے تھے اس وجہ سے بات لگا کر کہتے تھے ایک مرتبہ شاہ صاحب سے وعظ کے بعد کسی شخص نے پوچھا حضرت بڑے پیر صاحب کا دوگانہ پڑھنا کیسا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا "بھائی حدیث میں تو کہیں نہیں آیا ہے ہاں فعل مشائخ ہے" میر محبوب علی صاحب وہاں موجود تھے کہنے لگے کہ حضرت سائل حدیث اور فعل مشائخ کو نہیں پوچھتا وہ تو جواز اور عدم جواز دریافت کرتا ہے شاہ صاحب نے پھر وہی فرمایا اسپر میر محبوب علی صاحب نے کہا "صاف فرمادیجئے کہ جائز ہے یا ناجائز ہے تب تو سائل بھی کہنے لگا جی ہاں میری بھی یہی غرض ہے" شاہ عبدالعزیز صاحب نے میر محبوب علی صاحب کو ڈانٹ کر کہا تو مجھے لوگوں سے گالیاں سنوانی چاہتا ہے ایک مرتبہ مَا اُهِلَّ کا مسئلہ لکھا تھا تو اب تک گالیاں سن رہا ہوں" اسوقت میر محبوب علی صاحب نے سائل سے کہا سن لو حضرت اس نماز کو ناجائز فرماتے ہیں مگر گالیوں کے ڈر سے صاف جواب نہیں دیسکتے"۔ اس قصہ کے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ بات لگا کر کہنے سے کوئی نفع نہیں ہوتا بری بات چھوٹتی نہیں۔ شاہ اسحٰق اور مولانا اسمٰعیل صاحب ان سب حضرات کا ایک ہی مشرب تھا مگر شاہ اسحٰق صاحب نے شقوق نکالکر کچھ فائدہ نہ اٹھایا مولوی اسمٰعیل صاحب نے صاف صاف منع کیا بہتیرے مان گئے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ شیطان بزرگوں کو بھی یہ دھوکہ دیتا ہے کہ کیمیا سیکھو حلال روزی ملیگی اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک لائتی آیا اور اس نے بیان کیا کہ ہم ۷ ملاح پہاڑ پر کیمیا کی ایک بوٹی کی تلاش میں آئے تھے مگر ملی چونکہ ہندوستان میں آئے تھے اس لئے

آپکی خدمت میں بھی زیارت کے لئے حاضر ہو گئے یہاں سے واپس جائیں گے تو اپنے اُستاد سے پھر اچھی طرح اس بوٹی کا حال دریافت کرینگے" شاہ صاحب نے ولایتی کا یہ خیال دفع کرنیکے لئے فرمایا کہ تم اتنی دور سے آؤ اور کہیں پھر نہ ملے تب؟ اُس ولایتی نے جواب دیا کب تک ٹھہرینگی دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ چوتھی مرتبہ" یہ سنکر شاہ صاحب کے آنسو نکل پڑے اور اپنے مریدوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا دیکھا دنیا کیلئے اسکی کتنی بڑی عالی ہمت ہے اور تم لوگ برس چھ مہینہ میری پاس رہتے ہو تو کہتے ہو کچھ حاصل نہ ہوا۔

مولانا ولایت حسین صاحب فرماتے ہیں میں نے ایک بار دریافت کیا کہ مشہور ہے شیطان پیر کی صورت نہیں بن سکتا کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں اگر مرید کو توحید مطلب حاصل ہو اور اسکے یعنی میں کہ مرید کا اعتقاد پیر کے ساتھ اسقدر راسخ ہو کہ دنیا کے اندر اُسکے سوائے کسی کو ذریعہ ہدایت نہ سمجھتا ہو اور کما قال یہ بھی فرمایا کہ توحید مطلب کی تعریف رسالہ مکیہ میں خوب کی گئی ہے بندہ نے عرض کیا کہ کیا مسائل میں بھی پیر کے ساتھ اختلاف نہو؟ ارشاد فرمایا نہیں مسائل میں تو اختلاف ہوتا ہی آیا ہے مولانا ممدوح نے ہی ایک مرتبہ دریافت کیا کہ حضرت تصفیۃ القلوب میں قیود اولیاء اللہ سے استفادہ کی نسبت لکھا ہے کہ انہیں اپنے پیر کی صورت پر تصور کرے حضرت نے ارشاد فرمایا یہ اہل نسبت کیلئے ہے۔

ایک بار ارشاد فرمایا اس اصطلاح کے معنی کہ "مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود" گڈھی عبداللہ خاں میں جانے معلوم ہوئے کہ فاتحہ فقراء کے کھانے کو کہ خدا کے لئے کیا جاوے کہتے ہیں اور اسکے اگلے دن جو برادری کا کھانا ہوتا ہے اسکو درود کہتے ہیں اسی ضمن میں کتھرا کی بابت جو شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ میں آیا ہے فرمایا کہ کتھرا میں کاف نفی کا ہے یعنی خراب یعنی ایسا ویسا ضدِ ستھرا کا اور فرمایا کہ دلاکہ تصغر خلال کا ترجمہ شاہ صاحب نے کیا ہے گال ست پھلا اسپر بھی لوگوں نے اعتراض کیا ہے خلال خسارہ کو کہتے ہیں اور گال وسطی حصہ کو تو ٹھیک ترجمہ کیونکر ہوا؟ لیکن عرف میں مادرہ کا بھی ترجمہ ہے جو شاہ صاحب نے کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کا ذکر فرمایا کہ وہ سبیل جمیل شرخ سفید رنگ کے تھے اور کاتری آنکھیں تھیں حضرت شاہ آسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُن سے محبت رکھتے تھے اور حدیث وغیرہ کی تعلیم خاص وقت میں فرماتے تھے انھوں نے فرط شفقت سے فرمایا کہ مولوی صاحب شاہ صاحب کی لڑکی سے نکاح کرلیں مولوی صاحب نے عرض کیا کہ میں اپنی دادی صاحبہ کی رضامندی دریافت کرلوں اُسوقت جواب دونگا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنی دادی کو لکھا انھوں نے درجواب لکھا کہ شاہ صاحب

اور ہم ذات میں برابر نہیں وہ بیٹے ہیں اسلئے ہمکو منظور نہیں" خدا کی شان کچھ دنوں بعد مولوی صاحب نے ایک کنجنی سے شادی کرلی۔ لوگ طعن کرتے تھے کہ شاہ صاحب تو ذات میں برابر نہ تھے ہاں اب خوب ہم کفو ملی۔ پھر مولوی صاحب نے اور دو شادیاں کیں لیکن زندگی پر لطف نہ گزری اور سچ بھی ہے جو بزرگوں کی بات نہیں مانتا بالآخر پشیمان ہوتا ہے آخری شادی انہٹہ ہوئی تھی۔

ایک بار منشی ابراہیم خاں صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت قرآن شریف کو بے وضو پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور وضو سے ہر وقت رہا نہیں جاتا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ورق گردانی بجائی ہاتھ کے چاقو یا کسی اور چیز سے کرلیا کرو اور بڑا قرآن مجید رکھو چھوٹا قرآن رکھنا تو مکروہ بھی ہے اسکے بعد فرمایا کہ ہینڈن ایک ندی ہے قریب مدرسہ شاہ عبدالرحیم دہلوی کے ایکدفعہ اس ندی کی ایک ہانگ گری اس میں سے ایک لاش جوں کی توں نکلی جسکا کفن میلا تھا اور وہ وہاں سے بہکر عین دھار میں ٹھیر گئی کچھ دیر بعد دوسری ڈہانگ گری اور اس میں سے بھی ایک لاش نکلی جسکا کفن بالکل صاف تھا کہیں داغ دھبہ بھی نہ تھا وہ پہلی لاش سے ملکر دھار ی دھار چلدی جیسے کوئی کسی کا منتظر ہو اور دونوں ملکر روانہ ہوجاویں لوگوں نے ان لاشوں کی تحقیقات کرنی شروع کردی جستجو کے بعد ایک بڑھیا نے بتلایا کہ یہ دونوں قرآن حافظ تھے اسکے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا اب ایسا قیاس جاتا ہے کہ جسکا کفن صاف تھا وہ باوضو تلاوت کرتا ہوگا اور دوسرا بے وضو پھر منشی صاحب نے سوال پر یہ بھی فرمایا کہ حافظ کے والدین حشر کے دن ایسے تاج پہنائے جاوینگے جسکی روشنی سورج سی ہوگی۔

ایک دن کچھ تاویلات کا ذکر تھا حضرت فرمانے لگے ہاں جی مولوی لوگ تاویل بنالیا کرتے ہیں ایک قاضی تھے کسی نے ان سے آکر کہا قاضی جی ایک بیل نے دوسرے بیل کے سینگ مار دیا ہے اس میں شریعت کا کیا حکم ہے قاضی صاحب نے کہا اس میں حکم کیا ہوتا ہے پھر اس نے کہا جی حضرت مالک والا بیل تیلی کا تھا اور مارنے والا آپکا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں! یوں ہوا ہو تو ہم کتاب دیکھکر کہیں چنانچہ کتاب منگائی اور کھولکر دو چار جگہہ نظر ڈالکر بولے "لال کتاب بولی یوں۔ تیلی بیل لڑائے کیوں کھلائی کھل کیا مسئلہ۔ بیل کا بیل اور پانچ کا ڈنڈ۔

ایک بار منشی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بیعت کر کہیں گناہ سے فسخ ہوجاتی ہے آپنے فرمایا حدیث میں آیا ہے "المرء مع من احب" پس جب تک اپنے محبوب کے مطابق رہیگا بیعت بھی رہیگی

اور مخالفت کریگا تو فسخ ہو جائیگی اسی باب میں ارشاد فرمایا کہ کانپور میں کوئی نصرانی جو کسی اعلیٰ عہدہ پر تھا مسلمان ہو گیا تھا مگر مصلحۃً چھپائے ہوئے تھا اتفاق سے اسکا تبادلہ کسی دوسری جگہ کو ہو گیا اس نے ان مولوی صاحب کو جن سے دین اسلام کی باتیں سیکھی تھیں اپنے تبادلہ سے مطلع کیا اور تمنا کی کہ کسی دیندار شخص کو مجھے دین جس سے علم دین حاصل کرتا رہوں چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے ایک قابل شاگرد کو اس کے ساتھ کر دیا کچھ عرصہ بعد جب یہ نصرانی بیمار ہوا تو اس نے مولوی صاحب کے شاگرد کو کچھ روپے دئے اور کہا کہ جب میں مر جاؤں اور عیسائی مجھے اپنے قبرستان میں دفن کر آویں تو تم رات کو جا کر مجھے قبر سے نکالنا اور مسلمانوں کے مقبرہ میں دفن کر دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا جب مولوی صاحب کے شاگرد نے حسب وصیت رات کو انکی قبر کھولی تو دیکھا کہ اسمیں وہ نصرانی تو ہے نہیں البتہ مولوی صاحب پڑے ہیں وہ سخت پشیمان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے میرے استاد یہاں کیسے؟ آخر دریافت سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نصرانیوں کے طور طریق پسند کرتے اور اچھا جانتے تھے۔

پس نیکوں سے صحبت رکھنی شرعاً مستحسن اور ذریعہ نجات ہے دوسری بات جو بیعت کو فسخ کرتی ہے کبیرہ گناہوں پر اصرار ہے کہ ایک گناہ کرتا ہے اور اسکو باوجود منع کے برا نہیں جانتا ہے اور نہیں مانتا اس صورت میں بھی بیعت فسخ ہو جاتی ہے اور یہ بات بھی پہلی بات کا گویا ایک حصہ ہے باقی آجکل کی پیری مریدی کہ مرید اور پیر خواہ کیسے ہی کام کئے جاویں چاہے پیر اور مرید میں حق تعالیٰ بیزار بھی ہو جائے تب بھی وہ بیعت لوہا لاٹھ ہی رہتی ہے یہ تو کچھ قابل اعتماد نہیں۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے لکھا ہے بعض علماء دیندار متبع سنت سنیہ کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض دوسروں سے زیادہ دوست رکھتے اور پسند فرماتے ہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ تھے کہیں جا رہے تھے اتفاق سے ہندوؤں کے تہوار کا وہ دن تھا جس میں یہ لوگ حیوانات وغیرہ کو رنگتے ہیں یہ بزرگ پان کھا رہے تھے راستہ میں ایک گدھا نظر پڑا جس پر رنگ نہ تھا انہوں نے اس پر تھوک دیا اور مذاق میں فرمایا تجھے کسی نے نہیں رنگا تجھے میں رنگوں انکی وفات کے بعد کسی نے انکو خواب میں دیکھا کہ سب حالات اچھے ہیں مگر منہ میں ایک سانپ لگا ہوا ہے اس شخص نے کہا حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا سب حال اچھا ہے مگر ایک دن گدھے پر پیک ڈالدی تھی اس میں گرفتاری ہو گئی اور حکم ہوا کہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ مشابہت کیوں کی تھی سو عذاب

مولوی ابوالبرکات صاحب

میں مبتلا ہوں اور کسے کو بھگت رہا ہوں۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں ایک نظر میں پایہ کمال پر پہونچا دیجئے ہمسے محنت و مشقت نہیں ہوسکتی اور اسپر بعض بزرگوں کے قصے پیش کرتے ہیں اسکی تو ایسی مثال ہے کہ ایک شخص جنگل میں جارہا تھا اتفاقاً ٹھوکر لگی گر گیا اٹھکر جو دیکھا تو ایک دیگچہ نظر آیا اس کو کھود کر نکالا تو زرد سیم سے بھرا پایا اب اسکو مستکر اگر کوئی شخص جنگلوں میں گرتا پھرے کہ اسی طرح خزانہ ملجائے تو کیا ہاتھ آسکتا ہے۔

منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایک بار عرض کیا کہ ایسے ملک کو جسے انگریز ۹۰ سال سے فتح کر رہے ہیں اہل اسلام کیونکر بنایا گیا ہوگا؟ حضرت نے ارشاد فرمایا مسلمان کرنے والے ان سے بھی زیادہ قوی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔

مولوی محمد یحییٰ صاحب نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ صوفیائے کرام بہ نسبت فقہائے عظام زیادہ مشہور کیوں ہیں حالانکہ دین کے رکن یہ ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا جو صوفیا ہوئے وہ فقہا بھی تھے پس شہرت فقہا کی ہی ہوئی۔ دوسرے صوفیہ بوجہ ذی مرتبہ ہونے کرامات ظاہر ہوئے اور تارک الدنیا ہونے کے سبب دنیا میں مشہور زیادہ ہوگئے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ زمانہ کی بدعات بدون امام مہدی علیہ السلام کے نہیں اٹھینگی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ذائقہ کو گوشت کھانا کچھ مضر نہیں مگر ہفتہ میں دو بار سے زیادہ کھانا دل کو سخت کر دیتا ہے

اس عنوان کا بھی حصر مقصود نہیں ہے نمونۃً چند ارشادات ہدیۂ ناظرین کئے گئے اب حضرت مولانا صادق الیقین صاحب کرسوی رحمۃ اللہ علیہ کے جمع فرمائے ہوئے ارشادات میں سے تبرکاً پندرہ ارشادات نقل کرکے اس حصہ کو ختم کرتا ہوں مولانا مرحوم حضرت امام ربانی کے مجاز طریقت خلیفہ تھے حق تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ تیسرا سال ہے مکہ معظمہ میں بمرض اسہال و حرارت وصال فرماگئے۔ مولانا نے حضرت کے ارشادات کا بڑا ذخیرہ جمع فرمایا ہے اگر توفیق شامل حال ہوئی تو کسی وقت میں نذر ناظرین ہونگے چونکہ جملہ ارشادات مولانا نے فارسی میں لکھے ہیں تصرف کو جی نہ چاہا اسلئے بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

(۱) حضرہ کہ قریب باب است معجن یعنی تغار گل بود وقت تعمیر بیت ابراہیم علیہ السلام ساختہ شد آنچہ مشہور است غلط است و ہمچنیں سنگ زرد کہ در نصب است محض برائے زینت است شہرت نفع بر آن غلط محض است

(۲) از حطیم صرف شش ذراع کہ طریق مرور حطیم ساختہ اند داخل بیت ہے و باقی حطیم جائے بود کہ گوسفندان

حضرت ہاجرہ درانجامی بودند۔

(۳) درحرم صرف شش جا صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت گشتہ۔ اندرون بیت مابین الاسطوانتین و پیش باب دقت خروج از بیت خلف المقام تحت المیزاب پیش رکن یمانی کہ درانجا سنگ سیاہ است۔ مقابل حجر اسود پیش اسطونہ معاف کہ مقابل حجر اسود است۔

(۴) العلم علمان علم المکاشفہ وعلم المعاملہ۔ مراد از علم مکاشفہ سیر فی اللہ است کہ علم الیقین فی علم شہود ازاں حاصل می شود ورنہ کشف وکرامات چیزے نیست۔

(۵) تصرفات وکرامات اولیاء اللہ بعد ممات بحال خود باقی می ماند بلکہ در ولایت بعد موت ترقی می شود حدیثے کہ ابن عبد البر نقل کردہ شاہد است۔

(۶) حضرت صاحب ہرچہ می فرمایند درست می فرمایند۔

(۷) در کشف کمل اولیاء غلط نمی شود۔

(۸) طعن بر اولیاء نباید کرد حتی الوسع تاویلش باید کرد اگر ممکن نشود در تخلیہ وحبش دریافت باید نمود۔

(۹) مراد ذکر و اشغال ہر کسے بالہام غیبی تجدیدے و تغیرے از سلف تا خلف نمودہ است بعد تجدید وتبدیل در طریق اول نفع باقی نمی ماند و اگر نفع می شود قلیل می شود بنسبت ثانی ہمچو نسخ۔ ایں تقریر را بکمال بسط بیان فرمودند۔

(۱۰) در نسبت صحابہ صمدیۃ بود یعنی خود را محض لاشے و خدائے تعالیٰ را در ذات خود متصرف می دانستند بہمیں جہت تمامی مال خود را در مولیٰ بلا تکلف صرف می فرمودند و حضرت سید صاحب باذات بحت صفات سمیع وعلیم وبصیر را ملحوظ می کنانیدند ازیں کیفیتے پیدا می شد اگر گوہے بنظر می آمد استادہ بگریہ وزاری می افتادند کہ ایں ساختہ دست تعالیٰ شانہ ہمچنیں بر تمامی اشیاء۔

(۱۱) چوں بشب چشمت بیدار شود پس ازاں خواب مکن کہ از ہیں خواب قسوت مے شود یافتن خیلے دشوار است۔

(۱۲) بدون درشتی وسختی نمودن بر نفس کارے درست نمی شود۔

(۱۳) نیک خوری نور شود زشت خوری ظلمت شود بسیار خوری غفلت شود کم خوری طبیعت چابک و درست ماند و کار درست وخوب شود آب کم خوری خواب کم ایذا از بسیار خوردن تخمیر بدماغ شدہ خواب می آید۔

(۱۴) انبیتہائے صحابہ جدائی بود اگر کشفی بودے از آنہا کارے مثل جہاد وغیرہ برنیامدے و لا تحرک ذرۃ

الا باذن اللہ جملہ از و است تعالیٰ شانہ و بدون مشیت او جل شانہ چیزے نمی شود و بظہور نمی پیوندد پس با انکشاف این معنی کسے را چگونہ بد پنداشتے و جہاد فرمودے۔

(۱۵) سمعت شیخی سیدنا مولانا الجنجوھی یقول سمعت الشاہ احمد سعید یقول سمعت الشاہ محمد اسحٰق یقول سمعت الشاہ اھل اللہ یقول سمعت الجن یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مَنْ تَزَیَّا بِغَیْرِ زِیِّہٖ فَقُتِلَ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ الحدیث و بالفاظ اخری مَنْ قُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّہٖ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ الحدیث و فی الحدیث قصۃ وھی ھذہ حضرت شاہ اہل اللہ روزے در کتاب مشغول بودند مارے نزد شان گزشت حضرت ممدوح از قلمدان گرفتہ او را بقتل رسانیدند و بشغل کتاب شدند بعدہ چوں مارا دیدند نیافتند فہمیدند کہ شاید جانورے بردہ باشد من از شغل کتابت ادراک ننمودم بعدہ دو کس آمدند و گفتند شما را بادشاہ می طلبد فرمودند شاہ را با فقیر چہ کار گفتند حالا ما دب عرض می کنیم ما را حکم است ما بجز خواہیم برد مجبورانہ رفتند جانب لی وزازہ قصد فرمودند گفتند اینجانب یعنی بیروں شہر بیائید فہمیدند شاید بقصد شکار و غیرہ و قطب صاحب آمدہ باشد بیروں شہر دیدند کہ خیمہا استادہ اند و یک خیمہ رفتہ دیدند کہ بادشاہے غیر شاہ دہلی در غضب بر تخت نشستہ است و نعشے ہم موجود است شاہ بکمال غضب گفت چرا قتل کردی فرمودند من کسے قتل ننمودہ ام گفت قتل کردہ چرا قتل کردی بعدہ گفت چیزے را قتل کردی فرمود البتہ مارے را کشتہ ام بعدہ قاضی صاحب کہ نہایت معمر و ضعیف بودند تشریف آوردند پادشاہ بتعظیم استادہ و بر تخت جا دادہ و طلب حکم نمودہ کہ ازیں قاتل قصاص گرفتہ آید قاضی صاحب حدیث مذکور خواندہ۔ بادشاہ از حضرت ممدوح گفت بروید حضرت ممدوح دست قاضی صاحب گرفتہ فرمودند کہ زمان کثیر از یک ہزار گزشت شما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چگونہ گویند قاضی صاحب فرمودند من صحابی ام از اصحاب صفہ می بودم من خود از زبان کریم ایں حدیث شنیدہ ام مایاں را زجنات میستم۔ انتہی۔ شنیدہ ام از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

صالحین کی حکایات

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ	لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

یہ اولیاء اللہ کے چند قصص ہیں جو محل ارشاد و تربیت میں حضرت قدس سرہ کی زبان مبارک سے سننے میں آئے۔

ایکبار فرمایا کہ شیخ عبد القدوس رح عشاء سے فجر تک ذکر جہر کیا کرتے تھے آخر اسقدر غلبہ ہو گیا تھا کہ صاحبزادے

آتے تو شیخ اُنکا نام دریافت فرماتے تھے وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض کرنے نہ پاتے تھے کہ شیخ پھر مستغرق ہوجاتے تھے اسی طرح کئی کئی بار سوال وجواب کے بعد نوبت کلام کی پہونچتی تھی۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کیسا ہی پرہیزگار کیوں نہو کتنے ہی کشف وکرامات اُس سے ظاہر ہوں لوگوں کے قلوب میں تصرف کرسکتا ہو مگر ہوا اُسکے دل میں غرور بس سمجھ لو کہ اُسے کچھ نہیں آتا اسکے بعد یہ قصہ نقل فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی کی زیارت کے لئے چار شخص آئے جب خانقاہ کے دروازہ پر پہونچے تو باہم مشورہ کیا کہ ایک شخص کپڑوں کے پاس بیٹھے اور تین زیارت کو جائیں جب وہ تینوں زیارت کرکے آجائیں تو پھر یہ چلا جائے۔ سب نے اِس رائے کو پسند کیا مگر اسمیں جھگڑا ہوا کہ بیٹھے کون ہر ایک نے دوسرے پر رکھا کہ تم بیٹھو آخر جب جھگڑا کرتے دیر ہوگئی تو اُنمیں سے ایک شخص بولا کہ اچھا میاں تم سب زیارت کو جاؤ میں کپڑوں کے پاس بیٹھونگا کیونکہ میں بہت گنہگار اور روسیاہ ہوں حضرت کی زیارت کے قابل ہی نہیں ہوں غرض وہ تو یہاں بیٹھا اور باقی تینوں آدمی شیخ کے پاس حاضر ہوئے حضرت نے ان کے پاس آتے ہی جھڑکا اور فرمایا چلے جاؤ تم میں جو شخص کام کا تھا وہ تو آیا ہی نہیں آخر تینوں شخص لوٹے اور ہمراہی سے کہا بھائی ہمارے ہمراہ چلو کہ تمھارے یہاں چھوڑنے سے ہمکو جھڑکی اور مشکار ملی جب وہ ساتھ ہوا تو چاروں کو باریابی نصیب ہوئی اسکے بعد فرمایا کہ حضرت بایزید نے جو انکو دھمکایا تھا تو شاید کشف ہوگیا ہوگا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ مرشدنا حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے راجپوت کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرا گھوڑا گم ہوگیا آپ دعا کیجئے کہ ملجاوے حضرت اُسوقت مثنوی معنوی دست مبارک میں لئے ہوئے تھے اُسکو کھولکر پڑھنے کا جو ارادہ کیا تو ہر صفحہ یہ شعر نکلا ؎

گر بروبالت عدو پرے شود	دشمنے را بردہ باشد دشمنے

ایک دن فرمایا گنگوہ کے لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس کی خدمت میں بمقام شاہ آباد ضلع انبالہ ایک عریضہ اس مضمون کا بھیجا کہ شاہی عامل گنگوہ میں بغرض بندوبست آراضی آیا ہوا ہے حضور تشریف لاکر اپنی اراضی جو ڈابر کے قریب ہے اپنے نام درج کرالیں حضرت شیخ نے اُسکا جواب لکھا "بندگان خدا را از خلق خدا چہ کار"۔

ایک روز فرمایا کہ شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرض بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

بلخ تشریف لے گئے شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال کیا اور بہت اعزاز و احترام کے ساتھ لیکر بلخ پہونچے وہاں پہونچکر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکوا کر کھلاتے انکو مسند پر بٹھاتے خود خاموں کی جگہ بیٹھتے آخر جب شاہ ابو سعیدؒ نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اُسوقت شاہ ابو سعیدؒ نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اسکے لئے میں یہاں آیا مجھے تو وہ دولت چاہیئے جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں" پس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر فرمایا جاؤ طویلہ میں جاکر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی فکر رکھو غرض یہ طویلہ میں آئے شکاری کتے اُن کی تحویل میں دیدیئے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھامکر ہمراہ چلتے آدمی سے کہدیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اسکو دو صد روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے لادیا کرو اب شاہ ابو سعید صاحب جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے چاروں کی طرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نفرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا تین چار ماہ بعد ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکھٹی کرکے لیجائے تو اُس دیوانہ کے پاس سے گزریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا پاس سے گزری کہ کچھ نجاست شاہ ابو سعید پر پڑی شاہ ابو سعید کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا بتوری چڑھا کر بولے "نہوا گنوہ ورنہ اچھی طرح مزا چکھاتا غیر ملک ہے شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اسلئے کچھ کہہ نہیں سکتا" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کردیا حضرت نے فرمایا "ہاں ابھی تو ہے صاحبزادگی کی" پھر دو ماہ تک خبر نہ لی اسکے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابو سعید پر ڈالکر جواب سنے کہ کیا ملتا ہے چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی اس مرتبہ شاہ ابو سعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور تیز بھی نگاہ سے اسکو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہورہے بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو یہاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھکر چپ ہورہے حضرت شیخ نے فرمایا "ابھی کچھ بو باقی ہے" پھر دو چار ماہ کے بعد بھنگن کو حکم دیا کہ اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ٹوکرہ سر پر پھینک ہی دیجو کہ پاؤں تک بھر جائیں" چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا

مگر اب شاہ ابو سعید بچکے تھے جو کچھ بننا تھا اسلئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے مجھے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی" یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکری میں ڈالنی شروع کی کہ لا میں بھردوں" بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آکہا کہ آج تو میا نجی غصہ کی جگہ لئے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈالدی شیخ نے فرمایا عجب کامیاب ہو گیا" اسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کی طرف چلے شاہ ابو سعید کتوں کی زنجیر تھامے پا برکاب ہمراہ ہو لئے کتے تھے زبردست شکاری کھاتے پیتے توانا اور ابو سعید بیچارے سوکھے بدن کمزور اسلئے کتے انکے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے بہتیرا کھینچے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے آخر انھوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی شکار جو نظر پڑا تو کتے اُسپر لپکے اب شاہ ابو سعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کے کھینچے کھنچتے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر جبھی بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انھوں نے اُف نہ کی جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور انکو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپیں کہ حضرت خفا ہونگے اور فرمائینگے حکم کی تعمیل نہ کی کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہو لیا اسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبد القدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کے ساتھ فرماتے ہیں "نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی بڑی محبت لی نہ تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی" صبح ہوتے ہی شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلا کر چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا خاندان چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اُس فیضان کو ہندوستان لئے جاتے ہو مبارک ہو وطن جاؤ غرض مجاز طریقت بنا کر ہندوستان واپس فرمایا۔

ایک روز فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجیو نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے اور اتفاقاً اُس جگہ حضرت حاجی عبد الرحیم صاحب لائبتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہ مجذوب اکثر حضرت حاجی صاحب شہید رح کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "اوتمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے" حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایک دن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے

ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا اور لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹکر سمندر میں گر گیا تھا میں نے انکو لوٹا پکڑا آیا حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آگئی انھوں نے حضرت سے عرض کیا آپنے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اسوقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کسکا ہے؟

ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی رہتا تھا دارالبقا میں ایک مجذوب حافظ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے ایک دن وہ راستہ میں جارہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا دفعۃً مڑکر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے اسکے بعد چند قدم الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہٹو ہٹو ہٹو اور سینہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا یہ میرے گولی لگی یہ میرے گولی لگی یہ چند الفاظ فرما کر بھاگ گئے اس قصہ سے مہینہ سوا مہینہ بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت گولی سے شہید ہوئے سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا ایک دن مولوی محمد قاسم صاحب بخاری شریف لئے جارہے تھے کہ یہی مجذوب حافظ صاحب راستہ میں ملگئے اور بخاری شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین کر چلدیئے مولوی صاحب ڈرتے ہوئے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے کہ کہیں بخاری شریف ڈال دیں راہ میں ایک بھڑبونجہ کی دوکان تھی اسکی بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کردی اور زبان سے لگے من من من کرنے تھوڑی دیر تک ورقوں کو الٹ پلٹ کرتے رہے اسکے بعد کتاب مولوی صاحب کو دیدی

ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی و مولانا فخرالدین صاحب چشتی و حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات اتفاق سے ایک شہر میں موجود ہیں انکا امتحان لینا چاہئے کہ کسکا مرتبہ بڑا ہے؟ یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضرت کل کو آپکی میرے یہاں دعوت ہے قبول فرماویں اور نو بجے دن کے غریب خانہ پر خود تشریف لاویں میرے بلانے کے منتظر نہ رہیں شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا اسکے بعد وہ شخص مولانا فخرالدین صاحبؒ کی خدمت میں پہونچا اور عرض کیا کہ سارے نو بجے میرے بلائے بغیر مکان پر تشریف لاویں

اور ماحضر تناول فرمایئں یہاں سے اٹھکر یہ شخص مرزا جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب حاضر خدمت نہو سکا لگاپورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لے آویں تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اس شخص کے مکان پر پہونچگئے اول نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اس شخص نے ان کو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے ان کو دوسرے مکان میں بٹھایا پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے انکو تیسرے مکان میں بٹھایا غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے کہ ایک کو دوسرے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی جب تینوں حضرات بیٹھ لئے تو یہ شخص پانی لیکر آیا ہاتھ دھلائے اور یہ کہکر چلا گیا کہ ابھی کھانا لیکر حاضر ہوتا ہوں کئی گھنٹے گزر گئے اور اس شخص نے خبر لی آکر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے جب ظہر کا وقت قریب آگیا اور اس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہو تو اول شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہوگئی تھی اسلئے کھانے کا انتظام نہو سکا دو پیسے نذر کئے اور کہا انکو قبول فرمایئے شاہ صاحب نے خوشی سے دو پیسے لے لئے اور فرمایا کیا مضائقہ ہے بھائی گھروں میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں فرما کر چلدیئے پھر یہ شخص مولانا فخر الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کئے مولانا نے فرمایا بھائی فکر کی کیا بات ہے اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آجاتے ہیں اور کھڑے ہوکر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کے ساتھ رومال پھیلا دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھ کر روانہ ہوئے دونوں کو رخصت کرکے یہ شخص حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچا اور وہی عذر بیان کرکے دو پیسے نذر کئے مرزا صاحب نے پیسے تو اٹھا کر جیب میں ڈال لئے اور پیشانی پر بل ڈالکر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر کبھی ایسی تکلیف مت دیجئے فرما کر تشریف لے گئے اس شخص نے یہ قصہ بزرگوں سے بیان کیا انھوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فن درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انھوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کے ساتھ تعظیم کو کھڑے ہوکر قبول فرمائی اور ان سے کم درجہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے کہ کھڑے تو نہیں ہوئے مگر بخوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب ہیں کہ نذر کی قبولیت کے ساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا یہ قصہ نقل فرما کر حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے

کہا باوجود اسقدر نازک مزاج ہونے کے اتنا صبر و تحمل فرمایا اور کچھ مضائقہ نہیں" جواب عطا فرمایا۔

مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطافت طبع اور نفاست نازک مزاجی کے بہتیرے قصے حضرت ارشاد فرمایا کرتے تھے ایک دن فرمانے لگے کہ مرزا صاحب کی ایک شخص نے دعوت کی اور چونکہ وہ آپکی نازک مزاجی سے واقف تھا اسلئے گھر کو خوب صاف کیا جھاڑ دی قلعی کرائی جب سب طرح اسکو ستھرا اور خوبصورت بنا لیا تو مرزا صاحب کو بلایا مرزا صاحب تشریف لائے اور ایک طرف بیٹھ گئے جب کھانا سامنے آیا اور مرزا صاحب نے نظر اٹھائی تو سر ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا "میاں روٹا زمین کیسا اٹھا ہوا ہے جب تک یہ صاف نہ ہوگا مجھ سے کھانا نہ کھایا جائیگا" چنانچہ اسی وقت روٹا کر زمین کو ہموار کیا جب مرزا صاحب نے نوالہ توڑا۔

بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھکر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازت حضوری لینے پر زیارت کے لئے حاضر ہوا موسم تھا گرمی کا بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لیکر پانی پیو۔ بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھدیا مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا دیکھکر ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا جناب آپ بادشاہ ہیں کیا کہتے ہونگے ابھی تک خدمتگار کوئی نہیں دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے؟ اسکے بعد مرزا صاحب نے ترشی کے ساتھ فرمایا آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو۔

ایک رات مرزا صاحب کو سردی کی وجہ سے نیند کم آئی ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کرنے لگی اجازت ہو تو رضائی بناؤں حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔ بعد نماز عشاء بڑھیا رضائی لیکر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ حضرت رضائی حاضر ہے آپ اس وقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے فرمایا بھائی میں تو اب لیٹ رہا اٹھنا مشکل ہے تو ہی آکر میرے اوپر ڈالدے بڑھیا نے رضائی حضرت کو اڑھا دی اور چلی گئی صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے اپنے خادم سے فرمایا غلام علی مجھے تو تمام رات نیند نہیں آئی دیکھو تو سہی رضائی میں کوئی جون تو نہیں ہے؟ شاہ غلام علی صاحب نے خوب غور سے دیکھا نئی رضائی تھی جون کا کہاں پتہ ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے جب پرکار سے خط کھینچکر درست کئے گئے تب مرزا صاحب کو آرام ملا۔

ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ غلام علی حضرت مرزا صاحب کے خاص خادم تھے جب پنکھا کرنے لگتے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا سست پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے میاں تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے؟ اور جب ذرا تیز جھلتے تو فرماتے تو تو مجکو اڑا دیگا آخر ایک روز شاہ غلام علی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت یوں بن پڑے نہ دوں بن پڑے حضرت مرزا صاحب کو غصہ آگیا اور جھڑک کر فرمایا "ہمارا پنکھا جھوڑ دو" پھر شاہ غلام علی صاحب روئے اور خطا معاف کرا کر پنکھا جھلنے کی درخواست کی حضرت نے اجازت دیدی۔

ایک بار قاضی صاحب بلباس فاخرہ بغرض زیارت حاضر ہوئے ایک شیخ زادہ ہمراہ تھے شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت عطا فرمائی شیخ جی نے پانی پیکر گلاس ڈھکدیا مرزا صاحب نے سرپکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کر کے رکھا اتفاق سے شیخ صاحب کا پاجامہ ایک طرف ڈھلا ہوا اور نیفہ کی چڑیا اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی حضرت مرزا صاحب کی جو نظر پڑی پریشان ہو گئے اور قاضی صاحب سے فرمایا آپکی ان شیخ صاحب کے ساتھ کیونکر نبھتی ہوگی جنھیں پاجامہ پہننے کا بھی سلیقہ نہیں دونوں مسرین ایک ہی پائنچہ میں ڈال لئے۔

حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانے کا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے ایک دن مرزا صاحب حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "غلام علی تجکو ابتک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے جلدی اٹھا"۔

ایک مرتبہ کسی دوشخص نے بہت اہتمام سے لوز طیار کر کے نذر گزرانے آپنے رکھ لئے کچھ جواب نہ دیا دوسرے دن اس شخص نے دریافت کیا حضرت لوز پسند بھی آئی؟ آپ خاموش ہو گئے پھر پوچھا پھر کچھ نفرمایا تیسری مرتبہ اس شخص نے پھر یہی سوال کیا اسوقت مرزا صاحب سے ضبط نہ ہو سکا فرمایا لوز تھے یا جو تکا تمہارا ہاتھ کی تین یا چار انگلیاں اٹھا کر فرمایا اتنے اتنے بڑے بھی لوز کہیں ہوتے ہونگے ایسے انوکھے لوز تو آپ طیار کر کے لائے اسپر طرہ یہ کہ داد بھی چاہتے ہیں میاں لوز بادام کو کہتے ہیں بادام ہی کی برابر ہونا چاہیئے کہ آدمی کھانے کے بعد ایک دو منہ میں ڈال لے۔

پھر ایک مرتبہ کوئی شخص لوز طیار کر کے لائے تو آپکو پسند آئے اگلے دن شاہ غلام علی صاحب کو بلا کر چند لوز عطا فرمائے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے مرزا صاحب نے غایت کلفت کے ساتھ ہاتھ

کی اور فرمایا میاں کاغذ لاؤ اور اسمیں لو شاہ صاحب جلدی سے کاغذ لائے مرزا صاحب نے اسمیں لونگ رکھدیئے انھوں نے کاغذ کی پوریہ باندھی پھر دوبارہ مرزا صاحب منقبض ہوئے اور سر ہاتھ سے تھام کر فرمایا غلام علی تو مجھے مار کر چھوڑیگا بندش کا بھی سلیقہ نہیں یہ لونگ اس طرح بندھتے ہونگے؟ اسکے بعد خود لیکر سلیقہ کے ساتھ انکو لپیٹا اور ہر چہار گوشہ صاف ستھری سیدھے سچے موڑ کر ان کے حوالہ کئے اگلے دن دریافت فرمایا کہو غلام علی لونگ کھائے انھوں نے کہا جی حضرت کھائے بڑے مزے کے تھے آپ نے فرمایا کتنے کھائے؟ شاہ صاحب بولے حضرت سب کھالئے اتنا سنکر مرزا صاحب بے کیف ہوگئے اور بہ تعجب فرمایا ایں سب کھالئے آدمی ہو یا ڈنگر؟

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست و نزاکت طبع میں تھا ایک عورت تھی نہایت بدمزاج کج خلق منہ پھٹ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اسکی بدزبانی و ایذادہی پر صبر کروگے تو تمکو نوازا جائیگا حضرت نے فوراً پیام بھیجدیا اور اس سے نکاح کرلیا وہ عورت اس درجہ تند خو بدخصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الامان حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولتخانہ تشریف لیجاتے اور وہ سڑی سڑی سنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اف نہ نکالتے اندر گھولتے آخر واپس تشریف لے آتے تھے آپکا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کرو اور پوچھو کوئی کارخدمت ہو تو انجام دیا جائے بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا سلام پہونچا کر مزاج پرسی کرتا وہ نیکبخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی تھی کہ سننے والے سٹرا جاتے تھے مگر مرزا صاحب کے خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرمادیں سن لینا۔ ایک روز کوئی ولایتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا ہر چند کہ اسکو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے مگر بیچارہ ضبط نہ کرسکا جب دروازہ پر پہونچکر حضرت کا سلام پہونچایا مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا پیر بنا بیٹھا ہے اسے یوں کروں اور دوں کروں ہر چند کہ ولایتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اڑادونگا اس جواب پر وہ نیکبخت اور آگ بگولا ہوگئی اب لگی ہونے تو تو میں میں غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہونچی تو گھبرا اٹھے اور جلدی سے ولایتی کو واپس بلا بھیجا اسکو بٹھایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا

وہ گالیاں سنکر واپس آگیا حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت شکر گذار احسانمند ہوں اسکے باعث مجھے بہت نفع پہونچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدید اور سختیوں کی برداشت کرنے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہو گئے اور آپکا سب غیظ و غضب فرو ہو گیا تھا

مرزا صاحب کی مزاکت طبع کا یہ حال تھا کہ ایک شخص زیادہ کھانے والا تھا اسکو لوگ "اکول" کہتے تھے مرزا صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوتا تو اسکی صورت دیکھکر زیادہ کھانے کے تصور سے سر میں درد ہو جاتا اور کتنی کتنی دیر تک سر تھامے بیٹھے رہتے تھے۔ فرش کے نیچے کوئی سنگریزہ ہوتا اور کھٹکتا رہتا اسپر اگر نظر پڑ جاتی تو بے چین اور متاذی ہو جاتے تھے۔

ایک شخص نے مرزا صاحب کے کھانے کو لوز طیار کر کے بھیجے اس بیچارہ نے اپنی دانست میں اچھے ہی بھیجے تھے مگر مرزا صاحب نے دیکھا تو فرمایا کیسے لوز ہیں جیسے گھوڑے کے نعل ہوں۔

اسکے بعد حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ مرزا صاحب کسی خدمت اور کسی کا تحفہ پسند نہیں فرماتے تھے اس طالبین کی اصلاح منظور تھی یہی سبب ہے کہ شاہ غلام علی صاحب کی بہت اصلاح ہوئی تھی۔

فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز و انکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنالیں شاہ صاحب گھبرا اٹھے اور فرمایا "ہا" یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا تم فرزند علی ہو اور میں غلام علی ہوں

ایک روز ارشاد فرمایا کہ میرے والد مولوی ہدایت احمد صاحب مرحوم شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں رہتے تھے شاہ صاحب میرے والد کے حال پر نہایت شفقت فرمانے لگے حضرت کے دلایتی خدام کو حسد ہوا اور انھوں نے میرے والد کو سکھایا پڑھنے کی تجویز کی والد صاحب کو اطلاع ہوئی والد صاحب حضرت سے رخصت ہو کر گنگوہ تشریف لے آئے۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب شہید اور دو شخص انکے ہمراہ ہو کر امروہہ شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے تین دن تک حضرت کے ہاں مسجد میں مہمان رہے حضرت شاہ صاحب نے ان کے حال پر کچھ توجہ نہ فرمائی نماز کے لئے مسجد میں آتے اور فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لیجاتے جب اسی طرح تین دن گزر گئے تو دونوں ہمراہیوں نے حضرت حاجی صاحب شہید سے کہا کہ میاں یہ تو ایک امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں ہماری طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرتے پھر ہم بھی مرید ہو کر کیا

کرینگے چلو کوئی دوسری جگہ دیکھیں جہاں فقیری اور درویشی ہو حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا بھائی تمہیں اختیار ہے جاؤ میں تو اسی جگہ کا ہو رہا آخر وہ دونوں چلدیئے اسکے بعد حضرت حاجی صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے چین بجبیں ہو کر آٹے ہاتھوں لیا اور خوب دھمکایا کہ یہاں کیوں پڑے ہو جاتے کیوں نہیں ؟ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو سلسلہ خدام میں داخل فرمالیں شاہ صاحب نے تلخی کے ساتھ جواب دیا میرا کیا آدمی ہو یہاں چھالیا کھاتا ہوں تم بیعت کے قابل نہیں نہ میں تمکو بیعت کرتا ہوں جاؤ کوئی دوسری جگہ [illegible] یہ سنکر حاجی صاحب نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو بیعت فرمالیں آخر دو چار دن کے بعد حضرت کو یقین ہوا کہ بدون بیعت جائیں گے نہیں تب ظہر و عصر کے مابین حاجی صاحب کو ہمراہ لیکر دریا پر گئے اور دریا کے کنارہ انکو بیعت کیا حضرت حاجی صاحب شہید پر بے اختیار ہنسی کا غلبہ ہوا اور قہقہے لگانے شروع کئے حضرت شاہ صاحب بھی اسی طرح ہنسنے لگے جب عصر کا وقت ہوا تو شاہ صاحب نماز پڑھانے کھڑے ہوئے حاجی صاحب مقتدی تھے مگر دونوں پر ہنسی اسدرجہ طاری تھی کہ نماز کی نیت نہ باندھ سکے کتنی مرتبہ نماز کی نیت سے کھڑے ہوئے مگر پڑھ ہی نہ سکے آخر جب وقت تنگ ہونے لگا تو بمشکل نماز پڑھی دو چار روز کے بعد حاجی صاحب حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہو کر ایک جگہ اعتکاف کی یاد میں صرف ہو گئے چھ ماہ کے بعد جب شاہ صاحب کی زیارت کو رام پور پہنچے تو شاہ صاحب کا وصال ہو لیا تھا ابھی مجاز بھی نہیں ہوئے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اوائل ہی پنجلاسہ میں شاہ رحم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے شاہ صاحب نے ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لوبیہ لدو لیکر جاؤ اور کالا آم کے پہاڑ میں بیٹھکر اپنا کام کرو چنانچہ بموجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یاد الٰہی کے اندر مصروف رہے اور دھتورے کے بیج کھا کر گزارا کیا چھ ماہ کے بعد لدو لیکر پنجلاسہ آئے انکے پہونچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو لیا تھا ان سے بھی مجاز نہ ہوئے۔

آخر سید احمد صاحب بریلوی جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحب بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت عطا فرماویں میں ذکر شغل حضرات قادریہ چشتیہ کر چکا ہوں سید صاحب نے فرمایا جب تک ہم سے بیعت نہو گے ہم تمہیں اجازت نہ دینگے بموجب ارشاد سید صاحب آخر بیعت

ہوئے اور حضرت سید صاحب نے انکو مجاز فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب شہید فرمایا کرتے تھے کہ سید صاحب میں انوار شریعت بہت زیادہ ہیں جب دونوں حضرات مراقب ہوتے تھے حضرت حاجی صاحب شہید ہنستے تھے اور سید صاحب خاموش رہتے تھے۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہ پنجلاسہ میں جو تالاب ہے اسکو حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے پیر جیو محمد جعفر صاحب ساکن ڈھوری نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب میں کثرت پانی رہتا تھا دوسرے تالاب ساری سوکھ جاتے مگر اسکا پانی خشک نہیں ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا اور مٹی نکالکر اس کو گہرا کردیا ہے اسوقت سے یہ بات جاتی رہی اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے بہت کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔

ایک روز فرمایا کہ یہ جبہ جو سجادہ صاحب کے ہاں رکھا ہوا ہے حضرت شیخ عبد القدوس نے پچاس سال تک زیب تن رکھا ہے بعض لوگوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ فقیری کچھ پرانے کپڑے پہنیں ہے کہ آپ پیوند پر پیوند لگائے جاتے ہیں حضرت نے فرمایا بخدا مجھے حلال کمائی کا کوئی کپڑا دستیاب نہیں ہوتا جسکو پہنوں اور اسے اتاروں آخر آپ کے چند خدام حضرت جلال تھانیسری وغیرہ نے مزدوری کرکے چوبیس ٹکے اکھٹے کئے اور اسکا کپڑا مول لیا جس میں سے ایک پاجامہ اور ایک کرتہ بنایا انکو شیخ نے پہن لیا پھر جب یہ پرانے ہوگئے تو انپر پیوند پر پیوند لگانے شروع کردئے پھر بعد میں کوئی کپڑا نہیں بنایا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرمایا ہے "الحمد للہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ ہیں شاید متقدمین میں بھی ایسا مجاہدہ کرنے والا کوئی نہوا ہو چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں اسی پر گزارا ہے اسکے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے"۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر فاقہ پر فاقہ اٹھائے ہیں صاحبزادے بھوک کے مارے بلکتے چیختے اور روتے تھے انکی والدہ بہلانے کے واسطے چولھے پر خالی ہانڈی چڑھا دیتیں اور جب بچے بھوک سے بیتاب ہوکر کھانے کا تقاضہ کرتے تو انکو چمکارتیں اور تسلی دیکر فرماتی تھیں دیکھو چولھے پر کیا چڑھا ہوا ہے گھبرائے کیوں جلتے ہو جب تمہارے والد آئینگے اُن کے ساتھ کھانا کھائیو بچے روتے روتے

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مچلتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر چلکر کھانا کھلاؤ حضرت اُن کے ہمراہ گھر میں تشریف لاتے اور بیٹھکر خود بھی اُن کے ساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میرے گناہوں کے باعث اِن معصوم بچوں پر بھی مصیبت آئی ہے قصہ دن میں دو چار دفعہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے سو جسکا ذکر اتنا لمبا ہوا اُسکا حال کتنا لمبا ہوگا؟

ایک بار بیت المال میں بیت المال کے اسراف کا تذکرہ تھا فرمانے لگے کہ ہارون رشید عالم تھا اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا جب تخت پر بیٹھا تو علماء صلحاء پر بہت کچھ خرچ کیا حضرت سفیان اُسکے پاس تشریف نہ لے گئے ہارون رشید نے عریضہ لکھا کہ "میں نے علماء و صلحاء پر زر کثیر صرف کیا حضرت تشریف نہیں لائے اگر تکلیف فرماتے تو بندہ کی عزت افزائی کا سبب تھا" قاصد عریضہ سلطانی لیکر حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں پہونچا اُسوقت حضرت صحاح ستہ درس میں مصروف تھے دیکھتے ہی فرمایا خدا خیر کرے ظالم کا قاصد آیا" قاصد نے عریضہ پیش کیا حضرت نے رومال سے پکڑ کر شاگرد کے حوالہ کیا کہ پڑھکر سنادیں اور فرمایا میں ظالم کے خط کو ہاتھ لگانا نہیں چاہتا شاگرد نے عریضہ پڑھکر سنایا فرمایا میں ظالم کو کاغذ دینا بھی نہیں چاہتا اسی کی پشت پر جواب لکھدو اور لکھو تمہارے ظلم کی اطلاع پہونچی اور تم نے بذریعہ تحریر اپنی حرکت ظالمانہ کا اقرار بھی کیا اور مجھے گواہ بھی بنالیا پس یاد رکھنا میں قیامت کے دن تمہارے ظلم کی گواہی دونگا اور تمکو اُسکے معاوضہ میں عذاب بھگتنا پڑیگا بھلا تمہیں بیت المال میں کیا حق تھا کہ اسکو لٹانے لگے کاتب نے جواب لکھکر پرچہ قاصد کے ہاتھ دیا کہ جاؤ لیجاؤ قاصد پر حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ عرض کرنے لگا مجھے تو اپنی خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت دیجئے حضرت نے فرمایا ہمارا کام یہ نہیں ہے کہ قاصد کو روک لیں جاؤ اول جواب پہونچاؤ اسکے بعد اگر دل چاہے اور طلب دنیا ہو تو چلے آنا قاصد وہاں سے اٹھا اور بازار میں کھڑا ہو کر پکارا کہ کوئی ہے جو میری پوشاک کو اپنے مفلسانہ لباس کے بدلے خریدے غرض دو سو روپیہ کا قیمتی جوڑہ دو پیسہ قیمت کے کپڑوں سے بدلکر ہارون رشید کا خط اسکے حوالہ کیا کہ پہونچاؤ اور خود حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہارون رشید نامہ شریف پڑھکر رو دیا اور کہا فاز المرسل خاب المرسل اسکے بعد حکم دیا کہ جب میں تخت پر بیٹھا کروں ہمیشہ یہ کراست نامہ میرے روبرو رکھا جایا کرے۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے شیخ سے بیعت کی اور ذکر شغل کرنے لگے تو بیس ہی روز کے بعد ان کے شیخ انکی خاطر و مدارات اور تعظیم کرنے لگے تھے جب حاضر ہوتے تو ممتاز جگہ چوکی وغیرہ پر بیٹھنے کا ارشاد فرماتے اور نہایت شفقت و توجہ سے باتیں کرتے بعض خادموں کو حسد ہوا اور انکی تکریم ناگوار گذری کہ ہم پندرہ پندرہ بیس بیس برس کے رہتے سہتے اس عنایت سے محروم ہیں اور کل کے آئے ہوئے پر یہ لطف و شفقت ہے حضرت شیخ ان کے وسوسوں پر مطلع ہوئے اور خانقاہ کے سارے درویشوں کو مع شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ایک مرغ دیکر حکم فرمایا کہ اسکو ذبح کرلاؤ مگر ہر ایک شخص اپنا مرغ ایسی جگہ ذبح کرے جہاں کوئی موجود نہو چنانچہ سب گئے اور ایسا جنگل میں جہاں کوئی آدمی نہ تھا اپنا اپنا مرغ ذبح کرکے لے آئے مگر شیخ شہاب الدین آئے تو زندہ مرغ ہاتھ میں دبائے ہوئے لاکر چپ کھڑے ہوگئے درویشوں نے انکا مضحکہ اڑایا کہ اتنا بھی نہو سکا جب سب نے اپنا ذبیحہ شیخ کے سامنے رکھدیا تو مرشد نے حضرت شہاب الدین سہروردی سے دریافت کیا بھائی تم مرغ کو ذبح کرکے نہیں لائے؟ انھوں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ حضرت آپکا حکم تھا کہ جہاں کوئی موجود نہو وہاں ذبح کیا جاوے اور مجھے کوئی جگہ ایسی ملی نہیں جہاں حق تعالیٰ موجود نہوں" اسوقت حضرت شیخ نے طالبین سے فرمایا دیکھو تمھاری اور انکی استعداد میں تفاوت ہے پھر بھلا انکی تعظیم کیوں نہ کیجائے۔

دوسری مرتبہ حضرت شیخ نے تمام خدام کو حکم دیا کہ صحرا سے ہری گھاس لیکر آؤ سب کے سب حکم پاتے ہی لپکے اور جنگل سے ہری گھاس کھود کھود کر سروں پر رکھکر حاضر ہوئے شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ آئے تو مٹھی میں ذرا سی سوکھی گھاس دبائے لاکر کھڑے ہوگئے پھر لوگوں نے ان کی ہنسی اڑائی کہ سارے جنگل میں ان کو ایک مٹھی ہری گھاس بھی نصیب نہوئی شیخ نے ان سے پوچھا تو عرض کرنے لگے حضرت کیا عرض کروں جس ہری گھاس کو توڑنا چاہا اسکو ذکر الٰہی میں شاغل پایا ہمت نہوئی کہ حق تعالیٰ کا ذکر میرے ہاتھوں قطع ہو ایک جگہ اتنی سوکھی گھاس پڑی تھی جو ذکر سے غافل تھی اس لئے اس کو اٹھالایا"۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد تھا اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری

اولاد ویسی ہی میری۔ آپکو اطمینان ہوگیا شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہونچے جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے اب اُن کی اولاد میں بجز عبدالسلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔

ایک بار فرمایا کہ جب مولانا اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں مولوی یعقوب صاحب کے پاس جاؤ انھوں نے نانا صاحب یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ سب کچھ پایا ہے سو باوجودیکہ شاہ اسحٰق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحٰق صاحب ہی درجہ میں بڑھے ہوئے تھے اور اسکی وجہ نشر علم دین ہے۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب کو فن تعبیر میں کمال تھا ایک بار کسی شخص نے دہلی میں خواب دیکھا کہ فلاں دروازہ سے جناب رسول اللہ صلے اللہ وسلم کا جنازہ لوگ لئے جاتے ہیں اور اس زمانہ میں مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کرنے والے تھے مولوی یعقوب صاحب نے فرمایا بھائی صاحب ہجرت کرنے والے ہیں آپ کے ساتھ علم حدیث کا نکلنا جنازہ کا نکلنا ہے۔

ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہب اربعہ میں کون مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ فرمایا "کوئی بھی نہیں" پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا اسکی بابت بھی وہی جواب ارشاد ہوا کہ کوئی بھی نہیں جب اس خواب کی خبر مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپنے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاث احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسل اربعہ اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر کے موافق نہیں؟ شاہ صاحب نے جواب لکھا کہ یہ خواب رویائے صالحہ ہے اور عدم موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپکے مذہب کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہ کا مجموعہ ہے کوئی مسئلہ حضرت صدیق رضؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علی رضؓ کے اور کوئی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا حضرت ملا نظام الدین لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرید ہوئے تو انکے پیر مخدوم اپنے گھر تھے ایکبار پیر صاحب گھوڑے پر سوار ہوئے اور مولانا کے ہاتھ میں حقہ دیا اور تمام بازار میں پھرایا کہ

مولانا صاحب نے باایں ہمہ کمال اس خدمت سے مطلق انکار فرمایا اسکے بعد ایک اور بزرگ کا تذکرہ فرمایا (غالباً شیخ جلال تھانیسری تھے) اُن کے مرید ایک خانصاحب تھے حضرت شیخ کی گھوڑی کہیں باہر سے چلائی گئی اتفاقاً گھوڑی نے لات ماردی اسپر خانصاحب کو غصہ آگیا کہنے لگے تعلیم و ارشاد تو اوروں کے لئے ہے اور گھوڑوں کی لات ہمارے واسطے" شیخ کے کسی مرید نے یہ قصہ حضرت سے جاکہا جب خان صاحب گھوڑی لیکر حاضر ہوئے تو شیخ نے غصہ ظاہر فرمایا اور خانقاہ سے نکالدینے کا حکم دیدیا جو جب حکم حضرت شیخ کے خانصاحب نکال باہر کیئے گئے ادہر خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیتاب ہوگئے اور جب اندر جانے کی کوئی صورت نہ پائی تو فرط عقیدت و محبت سے خانقاہ کی بدرو میں گھس پڑے اتفاق سے بارش ہوئی تو خانقاہ کا پانی رُک گیا لوگوں نے بانس سے نالی صاف کرنی شروع کی وہ بانس خانصاحب کے سر میں جاکر لگا اور پانی کے ساتھ خون بہنے لگا تب تو لوگوں کو تعجب ہوا اور فکر بھی کہ کیا بات ہے نالی کو جو دیکھا تو اُسمیں خانصاحب کا سر گھسا پڑا پایا اسکی خبر حضرت کو دی گئی سُنکر حضرت شیخ کو رحم آگیا اور بکمال شفقت شرف حضور بخشا۔

ایک دن ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جلاہے ایک روز عصر کی نماز میں آنکو دیر ہوگئی دوڑے ہوئے کنوئیں پر وضو کے لیے پانی لینے گئے کنوئیں کے اندر لوٹا یا ڈول جو ڈالا تو پانی کی جگہ چاندی سے بھرا ہوا نکلا اُس بزرگ نے پھینکدیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مذاق نہ کر مجھے تو نماز کو دیر ہوتی ہے دوبارہ کنوئیں میں ڈالا تو سونے سے بھرا ہوا نکلا پھر آسمان زمین پر دے پٹکا اور عرض کیا مذاق نکر مجھے تو نماز میں تاخیر ہوئی جاتی ہے اسوقت الہام ہوا کہ میں نے یہ معاملہ اسلیئے کیا کہ لوگ تجھکو نظر نہ جانیں

ایکبار ارشاد فرمایا حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی معمولی آدمی نے دریافت کیا کہ حضرت پیر کیسا ہونا چاہیئے اور مرید کیسا؟ آپنے خیال کیا کہ اگر علمی بحث کیجائے تو یہ سمجھیگا نہیں اور جواب دینا ضرور ہے اسلیئے فرمایا "اچھا کل آنا اسوقت بتا ئینگے" اگلے دن جب وہ شخص حاضر ہوا تو آپنے ایک خط اُس کے حوالہ کیا اور فرمایا لو اسکو فلاں شخص کے پاس پہونچا دو جب لوٹکر آؤگے اسوقت تمھاری بات کا جواب ملیگا مکتوب الیہ وہاں سے تیس منزل پر تھا اور اُسکے یہاں ایک لڑکا تھا اور نہایت حسین جمیل شیخ نے خط میں لکھدیا کہ آرندہ نامہ کی خوب خاطر کرنا علیحدہ پر تکلف مکان میں ٹھیرانا اور خاص اپنے لڑکے کو اسکی خدمتگذاری پر مامور کرنا اور اسکو تاکید کر دینا کہ اسکے تعمیل حکم سے سرمو تجاوز نہ کرے حتی کہ گناہ کا مرتکب بھی

تو عذر نہ کرے" اور اس نامہ بر کو فرمایا کہ ٹھیک تیس دن میں مقام مقصود پر پہونچکر اکتیسویں دن واپس ہو جانا
شخص حسب الحکم خط لیکر چلدیا تیس دن میں وہاں پہونچا اور خط حوالہ کیا مکتوب الیہ نے کرامت نامہ کی پوری
تعمیل کی جب اس شخص کو لڑکے سے خلوت میسر ہوئی اور طبیعت بھٹکی تو مرتکب فعل ہونا چاہا فوراً ایک دھول
لگی گویا خاص حضرت بایزید کا ہاتھ ہے معارک گیا اور نادم ہوا کہ کیا حرکت ہے اگلے روز وہاں سے جواب
لیکر چلا شیخ کے پاس پہونچا اور کہا کہ حضرت اب میرے سوال کا جواب دیجئے فرمایا پیر ایسا ہونا چاہئے
جیسے تمیں دھول لگی اور مرید ایسا ہو جیسا مکتوب الیہ یعنی پیر عین لغزش کے موقع سے بچالے اور مرید
اپنے مرشد کا مطیع ہو کہ امتثال سے سرمو تجاوز نہ کرے غرض اس سے کہ آبرو دنیوی جائے یا رہے۔

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ شروع فرمادیا یہ بھی فرمایا کہ جب میں قید خانہ
میں تھا تو میری تین سال کے لئے تین ہزار کی ضمانت ۔۔۔ طلب ہوئی تھی چنانچہ تین شخص ضامن ہوئے
لیکن انگریز سخت مزاج تھا اس نے یہ کہکر کہ تینوں گنگوہ کے باشندے نہیں ہیں ضمانت نامنظور کردی
ماموں صاحب نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اسکو نہ چھڑالونگا گنگوہ نہ آؤنگا چنانچہ وہ ساعی تھے اسی
اثنا میں ہمارے حضرت گنگوہ تشریف لائے اور یہاں خبر تھی کہ میرا سب رہا ہوا اب رہا ہوا حضرت نے فرمایا
کہ اسکے چھوٹنے میں ابھی دیر ہے ہم اس سے مل آئے ہیں انہیں ایام میں کہ میں قید خانہ میں تھا خواب میں آپ
تشریف لائے گویا میرے پاس تشریف رکھتے ہیں دو تسلی فرماتے ہیں پھر حضرت یہاں سے تشریف لیگئے
اور میں ایک ماہ بعد چھوٹ آیا۔

ایک بار ارشاد فرمایا حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سپاہی منش اور نہایت
جوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے ایک دفعہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرماتے تھے تو ایک شخص نے
انکی دعوت کی وہ لکڑہارا تھا آپنے قبول فرمالی کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر سال
کے والد نے بھی التجا قبول ضیافت کی چنانچہ وہ بھی قبول کرلی ایک شخص نے کہا حضرت وہ پہلا آدمی ہوگا تو
حضرت حافظ صاحب نے مکا بنا کر فرمایا کہ ہم اسکا منہ توڑ دینگے اور کہا کہ وہ لاویگا کیا پانچ چھ روٹیاں
اور پیالہ بھر دال سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہوگا ہم اسکا لایا ہوا بھی رکھ لینگے اور دوسرا کا لایا ہوا بھی اور بھی
کھاوینگے۔ چنانچہ وہ لکڑہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ حافظ
صاحب نے اسکو رکھ لیا اور لکڑہارے کو رخصت کردیا جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپ نے

پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو ملا کر کھایا۔

حضرت حافظ صاحب کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے ایکبار فرمایا حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا ایکبار ندی پر شکار کھیل رہے تھے کسی نے کہا حضرت ہمیں آپ نے فرمایا "اب کے ماروں تبری"۔

منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایکبار دریافت کیا کہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے دیکھنے والوں میں سے اب بھی کوئی شخص زندہ ہے یا نہیں حضرت نے فرمایا بالفعل تو مجھے یاد نہیں بعد فکر بتلاؤں گا مولانا عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ سہارنپور میں ایک خشت فروش زندہ ہے۔ حضرت نے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبہٹہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں دیکھیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحب سے دیکھیں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے سید صاحب نے پہلا جہاد مسمی یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا وہ تن تنہا یار محمد خاں کے پاس پہونچا اور پیغام سنایا اس نے جواب دیا سید سے کہدے وہ کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے اسکے لئے بہتر ہوگا اسکے ہمراہی ایک ایک کرکے مارے جاوینگے اور خود اس قاصد کے کوڑے لگوائے پھر واپس کر دیا اور پوچھا پھر بھی اگر سید تجھے بھیجے گا تو تو آئیگا؟ اس نے کہا ہاں پھر آؤنگا" غرض قاصد نے واپس ہو کر سارا حال سید صاحب سے عرض کیا سید صاحب نے فرمایا اچھا تم ہی واپس جاکر یار محمد خاں سے کہدو کہ ہمکو کیا مزک دیگا تو خود پیشاب پیکر مریگا۔ المختصر لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں کی فوج نے ہزیمت پائی یار محمد خاں بھی بھاگا اس اثنا میں اسے تشنگی لاحق ہوئی جب پانی مانگا اور خادم نے جواب دیا کہ موجود نہیں ہے تو کہا "شاشہ بیار" یعنی پیشاب ہی لا اور پیکر قتل ہوا۔

پھر کچھ عرصہ بعد کٹک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والی لاہور سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب و مولوی محمد حسن صاحب بھی وہیں شہید ہوئے البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا لوگ تلاش میں نکلے اور ادھر ادھر جستجو کرنے لگے چند آدمی مختلف دیہات و پہاڑوں میں جاکر ڈھونڈا

کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گانوں میں برابر پتہ چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا اسی حالت میں میں نے تینوں شخصوں کو جاتے دیکھا جن میں ایک سید صاحب تھے میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہمکو کہاں چھوڑ گئے اور کیوں ہم سے علیحدہ ہو گئے؟ سب لوگ آپ کے روبراہ ہیں میرے غل مچانے پر حضرت سید صاحب نے منہ پھیر کر مجھے دیکھا کچھ جواب نہ دیا اور چلے گئے۔ میں بوجہ سخت بیماری کے اٹھ نہ سکا غل مچایا کیا۔

دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے دفعۃً کچھ فاصلہ پر گڑبڑاٹ سنا میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں مجبور ہو کر ہمنے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے آپنے اسپر تحسین کی اور فرمایا ہمکو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اسلئے ہم نہیں آسکتے اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیریت اور حالات پوچھے اور پھر روانہ ہو گئے میں نے بھی ہمراہ ہونے کے لئے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کر کے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہو گئے میں تو کھڑا کا کھڑا رہگیا حیران اور دریا پس تھا کہ یا اللہ کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیاں نظر سے غائب ہو گئے۔

تیسرے ایک اور شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ہم ایک گانوں میں ایک جگہ اتر ے وہاں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھہی ہوئی تازہ پڑی ہے اسکو سید صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی ادھر اُدھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا۔

منشی محمد ابراہیم صاحب نے کہا سید صاحب تیرہویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ھ میں ممکن ہے کہ حیات ہوں انہوں نے جب لفظ ممکن کہا تو حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا بلکہ اکثر اور فرمایا کہ سید صاحب ابنہٹہ میں بھی تشریف لائے میاں صاحبخش سجادہ نشین شاہ ابوالمعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی مولوی عبدالحی صاحب مولوی محمد سالار سے ملنے کو انکے مکان پر گئے تھے مولوی محمد سالار نے قیام کا حال دریافت کیا تو صاحبخش کے مکان پر قیام بتایا گیا مولوی محمد سالار نے کہا اس کافر کے مکان پر ٹھیرے مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا وہ کافر نہیں ہے اور وجوہات میں کتب فقہ کا حوالہ دیا مولوی محمد سالار نے کہا مولوی صاحب یہ دہلی نباشد کہ کتاب منہ پر دے ماری یہ ابنہٹہ ہے مولوی عبدالحی صاحب لاجواب

کی باتیں کرکے واپس ہوئے۔ گنگوہ بھی سید صاحب تشریف لائے تھے اور مکلے کی سرائے میں قیام ہوا تھا چند شخص یہاں شرف بیعت سے مشرف بھی ہوئے تھے جن میں سے ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھا بڑا ہی متبع سنت تھا اسکی عادت تھی جب رمضان شریف گزر چکتا تو لوگوں سے کہدیتا بھائیو ایک برس کی میری زندگی اور نکل آئی لوگ ہنسا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہدیتا ہے حتی کہ رمضان کی سات تاریخ کو انتقال کیا۔

سید صاحب بانسہ بھی تشریف لے گئے تھے وہاں بھی بہت سے لوگ مرید ہوئے ایک مرید نے بیان کیا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ سید صاحب مسجد جامع کے دہلی دروازہ میں کھڑے ہیں نہایت شکیل جمیل تھے اور آپ نے اپنی پگڑی اتار کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیکر باقی بیعت کرنیوالوں کو پکڑا دی لوگ برابر دوسرے سرے تک اسکو پکڑے ہوئے تھے اور پگڑی کھنکھجورے کی شکل معلوم ہوتی تھی کیونکہ دونوں طرف سے اسکو تھامے ہوئے تھے۔

سید صاحب توحید و رسالت اور اتباع سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے اور بس سید صاحب اتباع سنت کے لئے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے مولوی عبدالحی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا مولوی صاحب نے کہا حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھیگا تو وہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی ہر ایسی جگہ پڑ دونگا

ایک دفعہ کا ذکر ہے سید صاحب نے شادی کی تھی نماز میں کچھ دیر سے آئے مولوی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کی وجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہوگئی اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی مولوی عبدالحی صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادت الٰہی ہوگی یا شادی کی عشرت" سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا پھر نماز میں اپنے معمول طریق پر تشریف لانے لگے۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کے لئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے کپڑے کے تیار کرکے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرماویں لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑہ بدلتا ہوں لیکن اگر امر خدا یہ ہو کہ میں کملی پہنوں اور بھینس کے گوبر میں دفن جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو اس کلمہ کو بار بار کچھ کچھ دنوں میں فرمایا کرتے آخر ایک مرید افغان نے کہا کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتے ہو یا کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے" سید صاحب نے فرمایا کہ واقعی بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں ہر حالت مستعد رہنا چاہیئے۔

ایکبار فرمایا مولوی احمد حسین صاحب امروہی جو سید صاحب کے ہمراہ تھے انکا یہ حال تھا کہ ایام سرما میں جب اُن کے پاس گھر سے رزائی بھیجوا جاتا تو اپنے اعضا سے کہتے کہ تم ان میں آرام لوگے ؟ ان میں رہوگے ؟ لیکن میں جنبش ہونگا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہو خاک میں ملتا ہو اور بالآخر یونہی ہوا

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کسی شہر میں گزرے ایک کسبی خوبصورت اپنے دروازہ پر کھڑی تھی سید صاحب گھوڑی پر سوار جارہے تھے آپنے جو ایک نظر اسکی طرف دیکھا اور پھر چلدیئے تو وہ رنڈی بے تحاشا دوڑی اور گھوڑی کے قدموں میں گر پڑی کہ حضرت برائے خدا مجھے افعال ناشائستہ سے توبہ کراؤ اور بیعت کرلو حضرت نے توبہ کرائی اور اُس سے دریافت کیا کس سے نکاح کرنا چاہتی ہے ؟ اُس کا کوئی آشنا تھا اُس نے اُسکی نسبت کہا اُس شخص نے انکار کردیا تب اُسی وقت قافلہ والوں میں سے کسی شخص کے ساتھ حضرت نے اُسکا نکاح کردیا اور قیام گاہ پر پہونچکر فرمایا کہ لوگو جو کچھ تم نے دیکھا اسپر تعجب نہ کرنا اگر کوئی شخص اس سے زیادہ بھی اپنا اثر دکھائے مگر ہو خلاف سنت ہرگز اُس کا اعتبار نہ کرنا۔

ایک دن ارشاد فرمایا ہنگام قیام نانوتہ میں بھی غلام حسین شیعوں کا مولوی تھا وہ بھی سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ایک مکان میں بیٹھے تھے جب وہ اندر آیا تو آپ متوجہ ہوئے اسپر جون ہی اثر پڑا تو وہ بدنصیب جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگا کہ یہ شخص سید بڑا جادوگر ہے اور جب تک سید صاحب نانوتہ میں مقیم رہے وہ جنگل میں رہا کیا شہر میں نہ آیا۔

فرمایا

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ایک بار کہ لکھنؤ میں شیعوں کا مجتہد لباس بدلکر سید صاحب کے پاس آیا مولوی اسمٰعیل صاحب موجود تھے کہیں سیر سپاٹے کو گئے ہوئے تھے مجتہد نے آکر کہا مجھے چند مسئلے دریافت کرنے ہیں سید صاحب نے فرمایا پوچھو مولوی عبدالحی صاحب کا قاعدہ تھا کہ سائل کا سوال سُنکر ذرا سکوت فرماتے پھر جواب دیتے تھے چنانچہ حسب عادت مولوی صاحب نے مجتہد کو جواب دیا مجتہد نے کہا اس بیان سے تو کچھ تسکین نہیں ہوئی چلتے ہیں مجتہد صاحب سے دریافت کرینگے کیونکہ وہاں پورے طور پر تسکین ہوجاتی ہے یہ کہکر فوراً اٹھکر چلدیا گویا الزام دیگیا کچھ دیر بعد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب آئے اور معاملہ معلوم کیا تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نہ ہوئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کشیدہ قامت سپاہیانہ وضع پر رہتے تھے ایکدن بلا اطلاع مجتہد صاحب کی مجلس میں پہونچے اور کہا چونکہ سنیوں کی صحبت اکثر رہتی ہے اور وہ لوگ مختلف سوالات پوچھا کرتے ہیں

چنانچہ چند سوال وقت طلب تھے انکا جواب دریافت کرنا چاہتا ہوں مجتہد صاحب نے نہ پہچانا اور کہا کہ پوچھو مولوی اسمٰعیل صاحب نے سوال شروع کئے مجتہد بیچارا جواب دیتا اسکو رد کر دیتے حتی کہ وہ ساکت ہو رہا مولوی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ چلیں سید صاحب سے ہی دریافت کریں وہ پورے طور سے تسکین کر دینگے اور تسلی وہیں جاکر ہوتی ہے" اتنا کہکر چلدیئے جب باہر نکل آئے تو مجتہد کو معلوم ہوا کہ مولوی محمد اسمٰعیل تھے سخت افسوس کیا اور اپنے لاجواب ہونے پر کمال نادم ہوا۔

ایکبار مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پالکی میں جا رہے تھے ایک طالب علم نے کرہ زمین کے متعلق ہیئت کا مسئلہ دریافت کیا آپ نے بلا تکلف اپنی مٹھی باندھکر کرہ فرض کرکے اسکو سمجھا دیا۔

مولوی محمد حسن صاحب رامپوری کے متعلق فرمایا کہ وہ بہت نازک مزاج تھے اور قافلہ میں نازک مزاج نبھنا مشکل تھا ذرا سی کوئی بات اُن کے خلاف مزاج ہو جاتی تو کھانا نہ کھاتے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو یہ حال معلوم کیا تو ایک دن بالعزم انکو اپنے پاس بٹھایا اور جب کھانا آیا تو وہاں تک سنک کر رومال کو دبوچ لیا مولوی محمد حسن صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کھانا نہ کھایا دوسرے وقت پھر کھانا آیا تو مولوی اسمٰعیل صاحب نے انکا ہاتھ پکڑ کر پھر اپنے پاس بٹھا لیا اور بدستور رومال میں ناک سنکی اور اس مرتبہ تنا اور زیادہ کیا کہ انکو دکھا کر اسکو کل بھی دیا اس پر مولوی صاحب نفرت کرکے پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ وقت بھی فاقہ سے گذارا تیسرے وقت پھر وہی صورت پیش آئی مولوی محمد حسن صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب اگر آج آپ کرانے میں ملا بھی دینگے تو بھی آج ضبط نہیں ہو سکتی" چنانچہ کھانا کھایا مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا مولانا قافلہ میں آپکی نازک مزاجی نبھ نہیں سکتی اسلئے یہ کیا گیا۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید اور حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہب حنفی سے پڑھکر کوئی مذہب محقق نہیں ایکبار یہ دونوں حضرات لکھنؤ تشریف لے گئے تھے وہاں پہونچکر اہل ہند پر حج کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا لکھنؤ کے علماء ان کے مخالف ہوئے اور دلیل پکڑی اُن ضعیف نقلی روایتوں کی جن میں دریائے شور کہ مابین ہند و حجاز حائل ہے مخل امن طریق لکھا ہے غرض یہ بات ٹھیری کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول دونوں فریق فیصلہ سمجھیں چنانچہ اہل لکھنؤ نے شاہ صاحب کو لکھا وہاں سے جواب آیا کہ ان دونوں صاحبوں کو میرا قائم مقام سمجھو اور فقیر کی رائے بھی یہی ہے کہ اہل ہند پر حج فرض

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے صاحبزادے تھے اور مجذوب تھے ایکبار جامع مسجد دہلی میں اکبر خاں غیر مقلد کا بانی وعظ کر رہا تھا جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ اسکے پاس وعظ سننے کو تشریف لیچلے لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا قرآن و حدیث رسولؐ ہی تو بیان کرتا ہے غرض شاہ صاحب مراقب ہو کر وعظ میں بیٹھ گئے جب تک وہ حدیث پڑھتا رہا خاموش بیٹھے سنتے رہے ایک حدیث کے بعد اکبر خاں کی جو شامت آئی تو اس نے کہا اگر ابو حنیفہ بھی ہوتے تو اس حدیث کا مطلب ہم انہیں سمجھا دیتے بھلا شاہ صاحب میں کہاں تاب تھی آپ نے سر اٹھا کر فرمایا تو ابو حنیفہ کو مطلب سمجھاتا جنکے مقلد جنید و بسطامی جیسے ہو گئے اٹھ کر ایک دھول اسکے سر پر ایسی لگائی کہ اسکا عمامہ اڑ گیا چند بنگالی طالب علم جو اکبر خاں کے معتقد اسکے ہمراہ تھے شاہ صاحبؒ کو طیار ہوتے دیکھ کر اکبر خاں نے روکا کہ نہیں نہیں صاحبزادہ ہیں

ایکبار شاہ محمد عمر صاحبؒ جا رہے تھے اندھیری رات تھی پہرہ والے نے ٹوکا کہ کون جاتا ہے؟ شاہ صاحب نے کچھ جواب دیا پہرہ والے نے پھر پوچھا کون ہے؟ تب فرمانے لگے تجھے معلوم نہیں ہوتا آفتاب نکلا ہوا اس جواب پر پہرہ والے نے مارنا شروع کیا کسی نے اتفاق سے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تو مولانا محمد عمر صاحبؒ ہیں سپاہی پہرہ والے نے بھی معذرت کی کہ حضرت میں نے پہچانا نہ تھا شاہ صاحب نے فرمایا کچھ نہیں میاں کچھ نہیں؟ اور چلے گئے۔

ایک مرتبہ حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا غدر کے زمانہ میں ایک مجذوب صاحب تھانہ بھون میں تھے جب مولوی رحمت اللہ صاحب کی گرفتاری کا حکم ہوا اور انکا ارادہ ہجرت کا ہوا تو لوگوں نے کہا کہ مجذوب صاحب سے ذرا مشورہ لینا چاہیئے چنانچہ انکی خدمت میں گئے اور عرض کیا انہوں نے فرمایا ہرگز کچھ نہیں ہوگا اسکے بعد اطمینان کیلئے مولوی رحمت اللہ صاحب پھر اُن کے پاس گئے تب مجذوب صاحب فرمانے لگے چلا جا یہاں نہیں ہے کمتا فاضل ہو کر ایسی چھچھوری بات نہیں بھاتی" اور اپنے والد صاحب کا نام لیکر کہا کہ تین روپیہ انکی طرف سے اور چھ روپیہ میری طرف سے تجھے ملتے رہینگے" پس مولوی رحمت اللہ صاحب نے بھی ہجرت کا قصد کر لیا اور اُس تاریخ سے نو روپیہ ہوا رہا کو برابر ماہ بماہ اسمیں کبھی فتور واقع نہیں ہوا مولوی ولایت حسین صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اگر مجذوب صاحب کے کہنے کے موافق مولوی رحمت اللہ صاحب ہندوستان میں رہجاتے تو کچھ دارد گیر نہیں ہوتی؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کوئی صورت بدون اذن الٰہی کے نہیں ہوتی

ایکبار ارشاد فرمایا کہ حضرت مرشدنا حاجی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ تشریف لائے میری لڑکی کی عمر کوئی تین سال کی تھی حضرت نے اسکے ہاتھ میں پانچ روپیہ شیرینی کے دیئے میری لڑکی نے وہ روپیہ لیکر حضرت کے قدموں میں رکھ دیئے پھر دیئے اس نے ایسا ہی کیا ہر چند حضرت نے سمجھایا کہ تو میری مٹی ہو لیلے مگر اس نے مانا ہی نہیں حضرت نے فرمایا آخر تو فقیر کی بیٹی فقیرن

ہی ہے اسکے بعد۔۔۔ یہ دعا فرمائی "میں دختر صاحب نصیب است ہیچ عسرتے در دنیا نہ بیند والا ہد صالح خواہد شود" اسکے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا الحمد للہ میری لڑکی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب میں استاذی مولانا مملوک العلی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھتا تھا میری تمام بدن کے اوپر خارش نکل آئی میں ہاتھوں میں دستانہ پہنکر سبق پڑھنے کیلئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان ایام میں بھی ایک دن سبق ناغہ نہیں کیا۔ ایک روز مجکو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھکر حضرت استاذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میاں رشید تمہارا تو وہ حال ہو گیا بقول شخصے ؎

یکتن ز خیل آرزو دل بچہ مدعا دہم ۔۔۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ایکبار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت میں اسم اعظم سیکھنے آیا ہوں آپ نے اس سے وعدہ فرمایا اور کہا کہ فلاں دن فلاں دریا کے کنارہ پر مجھسے ملنا چنانچہ وہ شخص وعدہ پر آیا اور ملتجی سیکھنے اسم اعظم کا ہوا آپنے فرمایا اس دریا میں جا اور میرا نام لیتا رہ وہ شخص حسب الارشاد دریا میں گھسا اور آپکا نام لیتا رہا یہانتک کہ پانی ناف سے اوپر آگیا اور یہ شخص ہمت کرکے پڑ متاہی رہا آخر جب بیچ دہار میں پہونچا تو لگا ڈوبنے اس پریشان حالی میں اس نے امام کا نام لینا تو چھوڑ دیا اور بے اختیار زبان سے نکلا اللہ اللہ چنانچہ اللہ کو پکارتا ہوا دریا سے پار اتر گیا اسکے بعد حضرت امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا کہ اسم اعظم یہی نام مبارک اللہ اللہ ہے بشرطیکہ اسی طرح دل سے نکلے جیسا ابھی ڈوبتے وقت تیری زبان سے نکلا تھا اس قصہ کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا تو میاں راہ خدا میں خلوص کا ہونا ہی کوئی بات ہے۔

ایکبار ارشاد فرمایا میرے استاذ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی بہت بڑھا ہوا تھا سیکڑوں مرید تھے اور ان میں اکثر امرا اور بڑے آدمی تھے مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوتا تھا ایک روز آپکے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا خادمہ کسی بچہ کو گود میں لئے ہوئے باہر نکلی بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کے سبب پژمردگی تھی اتفاق سے مفتی صدر الدین صاحب کہیں سے تشریف لاتے تھے بچہ کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھا تو خادمہ سے پوچھا بچہ کیسا ہے اسکا رنگ کیوں متغیر ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے مفتی صاحب کو سخت صدمہ ہوا اسی وقت گھر پہونچکر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپیہ روانہ کئے اور لکھا کہ یہ آمدنی فیس کی نہیں ہے بلکہ تنخواہ ہے قبول فرمایئے۔

حضرت شاہ صاحب نے واپس فرمادئے اور کہلا بھیجا آپکی تنخواہ ہی کہاں جائز ہے؟ یہ تو ہو لیا اس کے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوا کہ فاقہ کا راز کس طرح ظاہر ہوا تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے کہدیا تھا آپنے اسکو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کیلئے ہمارا افشا کرو ایکبار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے لوگوں نے فاقے اٹھائے مگر الحمد للہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

ملفوظات

دریاست مجلس شاہ دریاب وقت و بشناس	ہاں اے زیاں رسیدہ وقت تجارت آمد

ایک دن حضرت امام ربانی قدس سرہٗ چارپائی پر لیٹے تھے طبع کچھ ناساز تھی مولانا حکیم مسعود احمد صاحب آئے اور مزاج پرسی فرمائی کسی قدر دیر تک بائیں ساق میں بیان فرمایا اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرمایا ایک میانجی کو لڑکوں نے بیمار بنا دیا تھا لڑکوں نے صلاح کی کہ آؤ آج کی چھٹی لیں صبح کو ایک لڑکا آیا اس نے کہا میانجی صاحب آج طبیعت کیسی ہے؟ میانجی نے کہا اچھی ہے کچھ دیر بعد دوسرا آیا اس نے بھی پوچھا میانجی صاحب آج مزاج کیسا ہے کچھ چہرا اترا ہوا سا ہے میانجی نے اسکو بھی جھڑک دیا پھر تیسرا آیا اس نے بھی ناسازی طبع کے آثار بیان کئے اور مزاج پوچھا تب تو میانجی صاحب کا خیال بدلا چپ ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد چوتھا آیا اس نے بھی کہا کہ میانجی صاحب آج کچھ چہرہ اس ہے طبیعت کیسی ہے پکے دریئے ان باتوں سے میانجی صاحب اچھے خاصے بیمار ہو گئے اور لیٹ رہے لڑکوں نے استاد کو صاحب فراش بنکر چھٹی منائی اور خوب کھیلے اب جو کوئی آوے میانجی صاحب فرمادیں طبیعت اچھی نہیں درست آشنا نبض دیکھیں تو کچھ بھی نہیں سب کہیں اجی آپ تو اچھے ہیں تندرست آدمی خواہ مخواہ کو بیمار کیوں بنتے ہیں مگر میانجی کو یقین ہی نہ آوے آخر بمشکل یقین آیا اور اٹھکر بیٹھے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی مظہر حسین صاحب کے دادے ایک بھولے آدمی تھے ان کے لڑکے عبدالرحمن نے جنکی قبر دیوار غربی احاطہ خانقاہ کے قریب ہے ایک دن کہ رمضان کی ستائیس یا اٹھائیس تھی اپنے والد سے کہا ابا جی میں نے چاند دیکھا انہیں یقین آگیا اور کہتے پھرے لو بھئی

چاند ہوگیا کل کو عید ہے لوگوں نے کہا مولوی صاحب غضب کرتے ہو بھلا ستائیس ۲۷ یا اٹھائیس کو بھی چاند دکھائی دیتا ہے؟ وہ بولے کہ میرا عبدالرحمن جھوٹا نہیں اسکی بائیں نگاہ ہے دیکھ لیا ہوگا۔

ایکبار اسی طرح حضرت امام ربانی استراحت فرما رہے تھے اسدن آپکی داہنی ٹانگ میں درد کی تکلیف تھی منشی ابراہیم خاں صاحب حاضر ہوئے اور مزاج پرسی کی فرمایا داہنی ٹانگ میں کسیقدر درد ہے اور دبوانیکی عادت کے سبب جو لوگوں نے ڈالدی ہے اور بھی تکلیف ہوتی ہے اسکے بعد ارشاد فرمایا مولوی محمد بخش صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ میرے استاد تھے جب وہ حج سے واپس آئے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت ہمارے لئے بھی دعا کی تھی مولانا نے فرمایا کہ ہاں گالیاں بھی دی تھیں اور بددعا بھی کی تھی لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ کیوں آپ نے فرمایا جب میں واپسی میں جہاز پر بیمار ہوا اور کوئی تم میں سے بدن دبانے والا نہ ملا تو مجھے سخت تکلیف ہوئی ہمراہی سب برا بھلا کہتے تھے دبواتا کس سے اسوقت بہت برا بھلا تم لوگوں کو کہا کہ نہ عادت ڈالتے نہ ایسا ہوتا۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ بچے جب چارپائی یا مونڈھے پر بیٹھے ہوئے پیر ہلانے لگا کرتے ہیں تو انکو منع کرتے ہیں کیا یہ کوئی شرعی بات ہے؟ حضرت نے فرمایا انہیں کچھ بھی نہیں بہتیری باتیں محض بے اصل بھی مشہور ہوگئی ہیں مثلاً نمک جو گر جاتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ پلکوں سے چننا پڑیگا اور یہ ایسی بات ہے کہ قریبًا سب ملکوں میں مشہور ہے پورب شمال دکھن کی طرف بھی شائع ہے مولانا حکیم مسعود احمد صاحب نے فرمایا اور حضرت یہ جو مشہور ہے کہ مور جب ناچتا ہے تو اسکی آنکھ سے قطرات ٹپک پڑتے ہیں جسے اسکے گردکی مورنیاں چگ لیتی ہیں اور حاملہ ہو جاتی ہیں اور اس طرح انڈے دیتی ہیں؟ آپنے فرمایا اسکو حضرت علی رضؓ نے ایک بیان میں غلط فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے پوتے صاحبزادہ میاں سعید احمد حاضر خدمت ہوئے آپنے بکمال شفقت انکو اپنے پاس بٹھالیا۔ وہ اپنی خواب جو کبھی دیکھی تھی بیان کرنے لگے حضرت نے فرمایا جب خواب پریشان دیکھا کرو تو قل اعوذ برب الناس قل اعوذ برب الفلق پڑھکر اپنے پر دم کرلینا چاہئے" اسکے بعد ارشاد فرمایا منشی خلیل احمد کا لڑکا بہت خوابیں دیکھا کرتا تھا اور مجھے بہت لکھتا تھا چیچک کے مرض میں جب وہ قریب الموت تھا تو ذرا افاقہ ہونے پر اس نے اپنے والدین سے کہا کہ حضرت کو دو لو میں اچھا ہو جاؤنگا چنانچہ میں طلبہ کو سبق پڑھا رہا تھا کہ گاڑی آئی۔ کھانا کھانیکے بعد میں اسکے

دیکھنے کو گیا کچھ دیر بیٹھ کر واپس آیا بعد میرے اُس نے کہا کہ میں اب اچھا ہو گیا اور پھر اسی مرض میں مر گیا۔

ایک دن یہاں سعید احمد سلمہ ربہ کی بکری گولر یاں چرتی پھرتی تھی حضرت نے ارشاد فرمایا ایک قصبہ میں ایک شخص کے یہاں بکرا پل رہا تھا اُسکا نام تھا منگلا لوگ اُسکو بادلا خیال کرتے تھے وہ ایسا قوی اور زور آور تھا کہ زمین سے بازاروں کی دوکان پر چڑھ جاتا اور دوکان سے نیچے کود جاتا بازار کی ایک دوکان سے مقابلہ والی دوسری دوکان پر جا کودتا اور منگلا منگلا کر کے بلانے پر فوراً پاس چلا آتا ذبح کے بعد اُسکے پیٹ سے ایک پتھری نکلی تھی جسکو حجرۃ التیس کہتے ہیں اور سمیت امراض میں کام آتی ہے چنانچہ میرے بھورال نے کاٹ کھایا تھا تو اُسمیں سے ذرا سی استعمال کیگئی اور نافع پایا۔

ایک دن امداد پیر کا ذکر مذکور تھا حضرت نے فرمایا رامپور میں ایک شخص نے اِدھر اُدھر سے چندہ کے طور پر جمع کر کے مسجد بنائی تھی مسجد تو بن گئی لیکن کنواں سر پر نہ بیٹھتا تھا اور برابر خلل نکلتی آتی تھی اس شخص کو بڑا فکر تھا کہ روپیہ تو رہا نہیں اور کنواں درست ہوتا نہیں یا اللہ کیا کروں؟ ایک روز یہی سوچ کرتے کرتے رو پڑے اور روتے روتے غنودگی سی آگئی تو دیکھا حضرت تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تسلی رکھ ایک شخص آکر تیرا کام کر دیگا پھر انکو تشفی سی ہو گئی تھوڑی دیر ایک شخص لمبا جھٹنگا کسی گانوں کا آیا اُس نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی کنواں بن رہا ہے؟ اُسمیں کچھ خرابی ہے؟ انھوں نے اُسکو کنواں دکھلایا اور مزدوری کے لئے کہا اُس نے کچھ معمولی سی محنت کی اور جلد سرکنڈے سونج وغیرہ منگا کر بیندے بنوائے اور خود کنویں میں اُتر کر دو تین حمام لگائے اور بیندے کام میں لایا اور جلد نکل آیا لوگ کہتے تھے کہ وہ کنواں بالکل سر پر جا بیٹھا اور اچھا خاصہ ہو گیا۔

ایک بار منشی محمد ابراہیم خاں صاحب نے سورۂ توبہ کے اول یا بیچ میں بسم اللہ پڑھنے کے لئے دریافت کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ کچھ حرج نہیں اور بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ صحیح طور سے نہیں معلوم ہوا کہ یہ سورۃ اپنے ماقبل سورۃ کا جزو ہے یا جداگانہ مستقل صورۃ ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا تھا۔

حضرت علی رضؓ سے وہ دعا منقول ہے اعوذ باللہ من عذاب النار الخ پھر ذکر کرتے کہ ولایت کے باشندوں اور وہاں کی اشیاء کے قوی ہونیکا ذکر آگیا تو فرمانے لگے کہ علیگڈھ میں ایک شحنہ وارتھے اُن سے کلکٹر کو محبت تھی شحنہ دار نے صاحب سے ایک دن بسبیل تذکرہ کیا کہ بہ نسبت گوروں کے

افغان زیادہ تر قوی ہوتے ہیں صاحب کو اسپر اعتراض ہوا تو شیر داد نے تجربہ کرانے کے لئے ایک افغان کو بلایا جو بازار میں ہیزنگ بیچتا اور معمولی خرید فروخت کرتا پھرتا تھا اور اس سے گورے کیساتھ زور آزمائی کے لئے کہا پھر مقابلہ ہونے تک اسکے کھانے کی غور پرداخت کرتا رہا اور صاحب نے ایک خاص قسم کے.... گورے کو جو قوت میں اس قوم کے اندر مشہور ہیں آمادہ کیا کہ افغان کا مقابلہ کرے غرض دن مقرر ہو گیا وقت مقررہ پر افغان اور گورا مقابل ہوئے افغان نے کہا جو تم ہمارے ایک مکا مارو گورے نے پوری طاقت سے ایک مکا افغان کی پیٹھ پر مارا لیکن افغان کو وہ کچھ یونہی رہا محسوس ہوا افغان نے پھر کہا کہ دوبارا مارو تاکہ معلوم ہو گورے نے پھر کمال قوت سے ایک اور مکا مارا جس سے افغان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اسکو غصہ آگیا اب افغان نے ایک مکا گورے کے سر پر اس زور سے مارا کہ سر کی کھوپری بیٹھ گئی اور گورا مر گیا شیر داد نے جلدی سے افغان کو وہاں سے رفو چکر کر دیا کہ داروگیر سے محفوظ رہے۔

ایک اور حکایت بیان فرمائی کہ سہارنپور کی بڑی سرائے میں ایک افغان گھوڑوں کا تاجر اترا ہوا تھا اسکے پاس ایک جھڑوس سا گھوڑا بدنما سا تھا ایک شخص کو خبر ہوئی تو آئے اور اس گھوڑے کو ہاتھ پاؤں کا قوی لیکن بھدا سوچکر افغان سے کہا کہ یہ گھوڑا تیس روپیہ تک ہمیں دیدوگے یا نہیں؟ سوداگر نے کہا کہ جتنے گھوڑے میرے ساتھ آپ دیکھتے ہیں یہ گھوڑا ان سب سے قوی ہے اور میں نہ تو اسکو دانہ دیتا ہوں اور نہ اچھا گھاس ہی دیتا ہوں تب بھی یہ اتنا تیز رو ہے کہ میں یہاں سے دیوبند کے پڑاؤ پر سارے گھوڑوں کو مع سامان علی الصباح روانہ کر دونگا اور میں خود یہاں سے چار پائی پیکر دن چڑھے اسپر سوار ہو کر چلوں گا لیکن وہاں وہ گھوڑے پہونچے ہی ہونگے کہ میں پہونچ جاؤنگا سو اس قوت و طاقت پر میں اسے تیس روپیہ میں کیونکر بیچ سکتا ہوں؟

ایک دن مولانا شمس الدین نے دریافت کیا کہ حضرت جو لوگ آندھی آنے جانے کے لئے عمل پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جیسے اور امراض کے لئے ادویہ اور ادویہ دیئے جاتے ہیں یہ بھی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

منشی محمد مبین صاحب نے ایکبار درود تاج کے پڑھنے کی بابت دریافت کیا کہ کیسا ہے حضرت نے فرمایا کہ بہتیرے درود غیرہ لوگوں نے بنالئے ہیں اور خود انکی اسناد میں لکھ رکھی ہیں باقی کچھ نہیں تمکو اسکی ضرورت نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب سے میں سبق حدیث پڑھ رہا تھا شاہ صاحب کی خدمت میں ایک سہارنپوری بغرض سلام حاضر ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا میاں تم مولوی ہدایت احمد صاحب گنگوہی کو بھی جانتے ہو وہ کہاں ہیں انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اُن کا تو انتقال ہو گیا یہ رشید احمد انکا لڑکا موجود ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ لو یہ تو آج تمسے ہی معلوم ہوا کہ یہ انکا لڑکا ہے اسکے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ شاہ عبد الغنی صاحب و شاہ احمد سعید صاحب میرے اوستاد ہیں اور میرے حال پر بمنزلہ اولاد عنایت فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کہ میرا ارادہ شاہ عبد الغنی صاحب سے بیعت ہونے کا تھا مگر پھر حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہو گیا۔

ایک دن کسی شخص نے بیعت کی تمنا کی آپنے چاروں خاندان میں بیعت فرمایا اور اسنونہ تعلیم کئے نماز کی تاکید فرمائی اور اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ میں صرف درمیانی واسطہ ہوں تم حضرت حاجی صاحب کو مرشد جاننا اور لوگوں کے حسن ظن کے سبب مجھے بھی اُمید مغفرت ہے پھر اعلیحضرت حاجی صاحب کی بیعت کا تذکرہ فرمایا کہ حضرت کو خواب میں بشارت ہوئی کہ اس شخص سے مرید ہو جاؤ اور اُنکی صورت بھی دکھائی گئی حضرت کا عزم اُسوقت شاہ سلیمان صاحب تونسہ شریف والوں سے بیعت کا تھا چنانچہ اس خواب پر حضرت رُکے رہے اور متلاشی ہوئے کہ وہ کون شخص ہیں حتی کہ ایک شخص کی رہبری سے حضرت میانجی نور محمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے میانجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی خواب و خیال کا کچھ اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے حضرت حاجی صاحب کی ارادت اور بھی زیادہ ہو گئی اور خواہش بیعت کرنے پر فوراً میانجی صاحب نے بیعت کر لیا حلیہ ٹھیک وہی ملا جو خواب میں نظر آیا تھا اور مبشر تھے دادا پیر حضرت عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی ضمن میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی آیا کہ انکو میانجی صاحب نے بہت انتظار دکھا کر اور خوب جانچ پرتال کر کے عرصہ بعد مرید کیا۔

اس قصہ کے بعد منشی ابراہیم خاں صاحب نے مولوی عبد الحق انبہٹوی کا ذکر کیا کہ وہ بھی تو اپنے کو حضرت حافظ صاحب ہی کا مرید بتلاتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ہی اُسکو حافظ صاحب سے مرید کرایا اور سفارش کی اور اب وہ ہمارے بندگوں کا منکر اور ہمارا مخالف ہے حضرت حافظ صاحب سے ایک دفعہ وہ کچھ ذکر کا ملتجی ہوا تو فرمایا کہ ہمنے دو تو باتیں ہی کمائی ہیں ایک

بارہ تسبیح دوسری اور۔ اور تو ساری رات پڑا گزارے جائے اور خواہش کرے وظائف اوراد کی سیکھنے کی

ایک مرتبہ حکیم صدیق احمد صاحب نے دو شخصوں کی نسبت دریافت کیا کہ وہ کس سے بیعت ہیں؟ آپ نے فرمایا بڑے حضرت۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ انکا آپ سے بیعت ہونا انسب تھا کہ آپ قریب ہے حضرت نے فرمایا نسبت بڑوں سے ہی ہونا بہتر ہے" اسپر منشی محمد ابراہیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو مشہور ہے "استاد نیچے پاس اور کام آوے راس" پس قریب کو چھوڑ کر بعید سے کیوں منتسب ہو؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ گو وہ بعید ظاہری طور سے ہوں لیکن امداداً قریب ہی ہوتے ہیں اور تمثیل میں حضرت بایزید بسطامی کا اور اپنے قیدخانہ کا قصہ نقل فرمایا (جنکو حکایات کے عنوان میں درج کیا گیا ہے)

اسکے بعد منشی صاحب نے اعلیحضرت حاجی صاحب کا پتہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "مکہ معظمہ حارۃ الباب بخدمت حاجی امداد اللہ صاحب" اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ حضرت کی عمر اب پچاسی سال کی ہے اور میری بہتر سال کی میری پیدائش ۱۲۷۴ھ ہجری کی ہے حضرت میں اور مجھ میں تیرہ یا چودہ سال کی کمی بیشی ہے۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ جب ہمارے حضرت پنجلاسہ واقع پنجاب میں مقیم تھے اور باغیان غدر کی تفتیش و داروگیر ہو رہی تھی تو ایک شب کسی نے مخبری کر دی کہ حضرت ایک شخص کے اصطبل میں مقیم ہیں کلکٹر ضلع خود سوار ہو کر شب کو قریب نیم شب دروازہ اصطبل پر آموجود ہوا اور کواڑ کھلوانے چاہے بڑے بھائی نے جو مالک مکان تھے انگریز سے کہا کہ آپنے اسوقت کیوں تکلیف فرمائی انگریز نے گھوڑا دیکھنے کا بہانہ کر کے کہا کہ کیواڑ کھولو چنانچہ کواڑ کھولے گئے دیکھا تو بستر لگا ہوا تھا اور سب سامان لیٹنے کا درست تھا لیکن حضرت نہ تھے ادھر ادھر دیکھا کہیں پتہ نہیں مالک مکان سے پوچھا کہ یہ بستر کسکا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے چھوٹے بھائی کا ہے۔ خوف کے مارے پیشاب خطا ہو گیا لیکن انگریز نے اور کچھ نہیں پوچھا اور گھوڑے کو دیکھتے ہوئے واپس ہو گیا۔ غالباً حضرت کو کشف سے یہ حال آمد انگریز کا معلوم ہو گیا ہوگا کہ پہلے سے تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ علماء دین کی توہین اور انپر طعن و تشنیع کرتے ہیں قبر کے اندر انکا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جسکا جی چاہے دیکھ لے۔ غیر مقلدین چونکہ ائمہ دین کو برا کہتے ہیں اسلئے ان کے پیچھے بھی نماز پڑھنی مکروہ فرمائی۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ کسی مسجد میں ایک ولایتی مراقبہ کیا کرتا تھا ایک شخص مسجد میں سوتا تھا اور اسکی ناک سے خراٹے کی آواز نکلتی تھی ولایتی صاحب نے فرمایا آواز مت نکالو ہمارے مراقبہ کا حرج ہوتا ہے اس شخص کی آنکھ کھلگئی آواز موقوف ہوگئی تھوڑی دیر کے بعد پھر نیند غالب ہوئی اور وہی خراٹے کی آواز آنے لگی پھر ولایتی نے منع کیا آخر جب کئی بار ایسا ہوا تو ولایتی کو غصہ آگیا اور چھری سے اس بیچارے کا گلا کاٹ دیا اور کہا ہمارے مراقبہ میں حرج ڈالتا ہے؟ ساری مسجد خون سے آلودہ ہوگئی۔

ایکبار کوئی مسافر مسجد میں آکر ٹھیرا مگر حضرت سے نہ ملا مغرب کے بعد حضرت کے ایک خادم کی زبانی انھوں نے کہلا بھیجا کہ "اگر اجازت ہو تو حاضر ہوں" حضرت نے جواب دیا "جی چاہے تو آویں" آخر دو سرے دن جبکہ مجمع حاضر خدمت تھا وہ مسافر آئے اور بیٹھ گئے حضرت امام ربانی اسوقت پہلے مریدوں کے خلوص عقیدت و ارادت کا تذکرہ فرما رہے تھے اسی سلسلہ میں ملا نظام الدین لکھنوی اور شیخ جلال کے مرید خاں صاحب کا تذکرہ فرمایا اسکے بعد اتباع شریعت کی ترغیب شروع فرمادی اور چند قصے اور بزرگوں کی حکایتیں بیان فرمائیں بعد مغرب یہ مسافر مولوی ولایت حسین صاحب سے کہنے لگے کہ "مولوی صاحب تو یہ چاہتے ہیں کہ میں انکی خدمت کروں تو کس امید پر کروں جب خود ہی فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ نہیں آتا اور میں نے دو خواب دیکھے تھے جنکی وجہ سے میں گنگوہ آیا ایک تو یہ کہ گویا میں مولوی صاحب کو بلا کر لا رہا ہوں کہ مولوی صاحب تشریف لائے اور مجھے چھڑی سے مارا دوسری خواب یہ دیکھی تھی کہ ایک جگہ مولوی صاحب بھی ہیں اور حضرت حاجی صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں حضرت حاجی صاحب مولوی صاحب سے یوں فرما رہے ہیں کہ اسکی طرف توجہ کرنا چاہئے" آخر یہ مسافر بے نیل مرام واپس ہوگئے۔

اگلے دن حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ کل کی باتیں اگرچہ سبکو کہی گئیں مگر مقصود وہ مسافر تھے اس مسافر کا ایک مرتبہ اور تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ آدمی تو خوش عقیدہ ہے" اسپر مولوی ولایت حسین صاحب نے انکی گفتگو نقل کی تب حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا "میاں کوئی سیکھنے کے طور پر آئے تو بتایا جاوے"

ایکبار ارشاد فرمایا کہ بعض مشائخ نقشبندیہ نے ذکر خفی کے لئے اسقدر تخلیہ کو ضروری فرمایا ہے کہ اس جگہ چڑیوں کی آواز بھی نہ ہو اور ذکر جہر کرنے والوں کو ان باتوں کی حاجت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آدمی جب بزرگوں کے قصے سنتا ہے تو اسکا بھی دل یہی چاہتا ہے کہ

ہم بھی ویسے ہی ہو جاتے اور دل کیوں نہ چاہے آخر مسلمان ہے مگر جب کام کہنے کی نوبت آتی ہے تو کچھ نہیں ہوتا ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی بہو جائی نے ایک مرتبہ حضرت سے کہا کہ آپ کے یہاں اتنے آدمی آتے ہیں کچھ ہمیں بھی تو بتلائیے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تم سے کچھ نہیں ہونے کا آخر جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جتنی روٹی کھاتی ہو اسمیں سے آدھی روٹی چھوڑ دو" ان بیچاری نے ایک دو وقت تو ایسا کیا آخر کہنے لگیں کہ آدھی روٹی تو نہیں چھوڑی جاتی ہاں روٹہ کہو تو رکھ لوں" حضرت نے فرمایا کہ "جب آدھی نہیں چھوڑی جاتی تو ساری کیونکر چھوڑیگی"

ایک دن مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی نے دریافت کیا کہ حضرت کیا کہ ولادت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بلا رعایت بدعات مروجہ کتاب میں دیکھکر بیان کر دینا جایز ہے؟ حضرت نے فرمایا کیا حرج ہے؟ اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ پیرزادے سلطان جہاں نے کہلا کر بھیجا کہ وہ مولود جو جا بجا پڑھکر کھلا دیتے ہیں نے کہلا بھیجا کہ یہاں مسجد میں چلے آؤ مگر انھوں نے عذر کیا کہ عورتیں بھی سننے کی مشتاق ہیں اسلئے مکان میں ہو تو مناسب ہے پھر مولوی خلیل احمد کو تاریخ حبیب الہ مصنفہ مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم دیکر کہا کہ تم ہی جاکر پڑھ دو وہ تشریف لے گئے تو وہاں دری بچھی ہوئی تھی صاحب مکان نے کہا کہ اگر یہ بھی ممنوع ہو تو اسکو بھی اٹھا دوں مولوی صاحب نے کہا نہیں" آخر مولود شروع ہوا پہلے آیہ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ الخ کا بیان فرمایا اور حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال و افعال بیان کئے پھر بدعات مروجہ کا بیان فرمایا اور متصوفین زمانہ کی خوب قلعی کھولی اسکے بعد تاریخ حبیب الہ سے واقعات ولادت وغیرہ بیان کر کے ختم کر دیا جن لوگوں کے حق میں مولوی صاحب کی تقریر لاحول کا کام دے رہی تھی وہ تو صاحب مکان سے بہت ناراض ہوئے کہ تم نے اپنے مکان پہ بلا کر ہمیں فضیحت کرایا مگر فی الحقیقت اس مولود سے بہت نفع ہوا بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ منکرین مولود سے سے مولود ہی کے منکر ہیں بہت سوں کے دلوں سے یہ بات نکل گئی۔

ایک روز حضرت امام ربانی باہر صحن میں چارپائی پر استراحت فرما رہے تھے آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر بعد بیدار ہوئے تو فرمایا پڑے پڑے رامپور (یا نانوتہ فرمایا) پہونچگئے دیکھا کہ فلاں صاحب (نام راقم کو یاد نہیں رہا) کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں چلو دیکھو ہمنے مکان بنوایا ہے" اور مکان بہت بڑا ہے مگر وہ کچھ مضمحل اور سست مریض سے ہیں اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مامون تھے دنیا میں بہت منہمک تھے مگر اب انشاء اللہ انکی مغفرت ہوگئی"۔

ایک مرتبہ آپکی مجلس شریف میں رمل کا تذکرہ ہوا مولوی ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت رمل جایز ہے؟ فرمایا اسکی دو قسم ہیں ایک سے تو خواص اشیاء دریافت ہوتی ہیں اور دوسری سے مغیبات کا علم حاصل کیا جاتا ہے اول قسم جایز ہے اور دوسری ناجایز مگر دیکھو کبھی اسمیں پڑنا نہیں اسکے بعد ایک آیت سورۂ رعد کی پڑھی اور فرمایا کہ اس آیت سے بقاعدہ رمل کیمیا کا نسخہ نکلتا ہے پھر کیمیا کا تذکرہ فرمایا اسی ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مکہ معظمہ میں سید قاسم صاحب ایک بزرگ سید صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں تھے اچھے بزرگ تھے جب میں اُن سے ملا تو مجھے وہ فرمانے لگے کہ ہمنے سید صاحب کے شاگرد دھڑیوں سونا بنایا ہے تم سیکھ لو اور میاں صاحب یعنی حضرت حاجی صاحب سے کہکر حافظ احمد حسین یعنی حضرت کے بھتیجے کو لیتے آؤ دونوں کو بتادیں ہمنے جاکر حضرت سے عرض کیا کہ حافظ احمد حسین کو اُن کے پاس مت بھیجئے کیمیا کے پیچھے خواہ مخواہ تباہ ہوجاوینگے۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جناب امیر کرم اللہ وجہہ سے نسبت صلاتی کی تعلیم تھی اور اُن سے مولانا یعقوبؒ صاحب کو پہونچی مکہ معظمہ میں اسکے سیکھنے کے لئے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مولانا یعقوبؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور میں اُسوقت حاضر نہ تھا اسلئے حضرت کے شامل نہ گیا اسکے بعد جب میں حضرت سے ملا تو میں نے اُسکی حقیقت بیان کردی حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا تمہیں مولانا یعقوبؒ صاحب کے پاس جانیکی حاجت نہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں ایک خانصاحب تھے ہمارے حضرت حاجی صاحب کے شاگرد حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی مرید بھی خانصاحب سے ملنے گئے مگر خانصاحب کو خبر نہ تھی کہ وہ کسکے مرید ہیں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے خانصاحب پوچھنے لگے کہ "یہ کسکے مرید ہیں ان کے ساتھ تو میری میاں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے" حضرت نے فرمایا یہ حافظ ضامن صاحب کے مرید ہیں اس قصہ پر بعض خدام نے حضرت امام ربانی سے عرض کیا "تو پھر ہمارے ساتھ بھی میانجی صاحبؒ کا ہاتھ ہوگا" فرمایا ہاں کیا عجب ہے آخر تم بھی تو انہیں کے مرید ہو میں تو فقط واسطہ ہوں۔

ایکبار تہذیب اخلاق کا تذکرہ تھا فرمایا حق تعالیٰ جسکے دل سے کبر نکال دے تو سب کچھ ہو

اسکے بعد ارشاد فرمایا میں تھانہ بھون میں تھا اور بہت سے آدمی میرے پاس بیٹھے تھے ایک خانصاحب کا نام لیکر فرمایا کہ وہ بہت سیدھے آدمی تھے اسی مجلس میں مجھ سے پوچھنے لگے کہ مولوی صاحب ٹھیک کہتے اتنے آدمی جو تمہارے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اس سے کچھ تمہارے دل میں بڑائی تو نہیں آتی میں نے کہا خانصاحب سچ کہتا ہوں اسکا کچھ بھی خیال نہیں، خوش ہوکر خاں صاحب فرمانے لگے ہاں تب ٹھیک ہے۔

ایک دن کسی شخص نے زیارت قبور کے لئے سفر کا حکم دریافت کیا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ آپ نے فرمایا اسمیں علماء کا اختلاف ہے، بندہ فیصلہ نہیں کرسکتا مولوی محمد یحییٰ صاحب کا خیال ہوا کہ عدم جواز کا فتویٰ دیا جائے حضرت نے ارشاد فرمایا آدمی خود جسطرح چاہے عمل کرے مگر دوسروں پر کیوں تنگی کیجائے۔

ایک روز مولوی ولایت حسین صاحب نے عشر کا مسئلہ دریافت کیا کہ مالک زمین پر بھی واجب ہے یا صرف کاشتکار یا ٹھیکہ دار پر فرمایا اسمیں امام صاحب اور امام محمد رحمہما اللہ کا اختلاف ہے اور مفتیٰ بہ دونوں قول ہیں دونوں میں جسپر چاہے عمل کرے مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے نزدیک کون قول راجح ہے؟ فرمایا امام کا مذہب کیونکہ مَا اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ تو مالک کے پاس نہیں جاتا اس کے بعد عشر کی نسبت یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بڑی برکت کی چیز ہے۔

ایک مرتبہ مولوی محمد حسن صاحب نے دریافت کیا کہ تکفیر روافض کے بارے میں کیا رائے ہے؟ فرمایا ہمارے اساتذہ تو شہید عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے برابر تکفیر ہی کے قائل ہیں بعضوں نے اہل کتاب کا حکم دیا ہے اور بعضوں نے مرتد کا مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی کیا رائے ہے؟ ارشاد فرمایا میرے نزدیک تو ان کے علماء کافر ہیں اور جہلا فاسق۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ میں تراویح پڑھا رہا تھا اور پیچھے مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد مظہر صاحب بھی تھے مجھ سے ایک جگہ غلطی ہوگئی مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی نہ ٹوکا ہر ایک اس خیال میں رہا کہ غلط ہوتا تو دوسرے صاحب ٹوکتے۔

جس زمانہ میں فیصلہ ہفت مسئلہ کا ہنگامہ برپا تھا ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں تو کوئی بات بھی نہیں تھی عرب سے تو اب عجیب عجیب خبریں آتی ہیں اصل یہ ہے کہ جیسا لوگوں نے کہا حضرت نے اُسے مان لیا ایک حاجی کا نام لیکر فرمایا وہ بیان کرتے تھے کہ ہم مکہ معظمہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر

مولوی ولایت حسین صاحب

ہوئے تو اسوقت کسی نے ایک استفتا پیش کیا جس میں صعوبات سفر کی بنا پر عورتوں سے سقوط حج کا بیان تھا اسکی وجوہات مستکر حضرت بھی مہر کر دیئے کو طیار تھے مگر ہنسے روکا اور عرض کیا کہ اس قسم کے واقعات اُن لوگوں کو پیش آتے ہیں جنکو خست و بخل کی وجہ سے ضروری اخراجات میں بھی کمی کرنا مدنظر ہے اسوقت حضرت رکے اور مہر نہیں فرمائی" اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر اسوقت کوئی مرد کتا تو عورتوں سے حج ہی ساقط ہو چکا تھا مثنوی کا درس ہوتا ہے اسمیں طرح طرح کے لوگ اور قسم قسم کی باتیں ہوتی ہیں اسی میں کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ہمنے کئی بار حضرت کو لکھا کہ مسائل میں آپ گفتگو نفرمادیں البتہ حقایق جو اسکے اہل ہوں انکے سامنے بیان فرمائے جاویں" اسی ضمن میں حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ رام اور کنہیا اچھے لوگ تھے پچھلوں نے کیا کا کیا بنا دیا۔

مولوی حکیم حیات علی صاحب نے ایک مرتبہ خواب عرض کیا کہ میں نے اپنے آپکو بالکل ننگا دیکھا فقط ایک لنگوٹی باندھے ہوئے ہوں حضرت نے ارشاد فرمایا "پس لنگوٹی ہی کی کسر ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ سالک کے لئے دو قسم کا خواب محمود ہے یا تو اپنے آپکو ننگا دیکھے یہ قطع تعلقات پر دال ہے یا خوب لٹکتا ہوا کرتہ دیکھے۔

کسی شخص نے دریافت کیا کہ اس زمانہ میں امام المسلمین کون ہے جسکا پہچاننا اہل اسلام کو ضروری ہو ارشاد فرمایا سلطان ایک دن مجلس شریف میں دین مہر کا تذکرہ تھا مولوی ولایت حسین صاحب نے کہا کہ یہاں تو لاکھ لاکھ روپیہ مہر کے مقرر ہوتے ہیں مگر لینے اور دینے والوں میں کسی کو لینا یا دینا مقصود نہیں ہوتا حضرت نے ارشاد فرمایا یہاں جو کچھ ہو آخرت میں تو بھگتنا پڑیگا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے شکایت کے طور پر کہا کہ ملا مراد صاحب مظفر نگری یہاں حضرت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتے دیوبند حاجی صاحب کے پاس جاتے ہیں" حضرت نے ارشاد فرمایا کیا مضائقہ ہے آدمی کو جہاں فائدہ معلوم ہوتا ہے وہاں جایا ہی کرتا ہے ہاں انکار نہ ہونا چاہیئے۔

مولوی حیات علی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک رات آنکھ کھلی تو اٹھتے ہوئے کسل معلوم ہوا اور یہ وسوسہ گذرا کہ خدا جانے قبول ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ اسی وسوسہ میں آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا خواب میں اعلیٰحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ایک آیۃ پڑھ رہے ہیں اسی وقت آنکھ کھلگئی اس خواب کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا کہ آدمی جب خدا کیلئے کوئی کام کرتا ہے تو قبول ہوتا ہی ہے

ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب اول حج کرنے میں گیا تو ذی الحجہ کی رویت ہلال انتیس ذیقعدہ کو ہوئی نہیں تھی شہادت کی رو سے حج ہوا مجھے اس شہادت رویت میں شبہ رہا اور ملال ہوا کہ اتنی تو مصیبت سفر اٹھائی اور پھر بھی حج درست نہ ہوا اتفاق سے اس سال تیرہ تاریخ کو چاند گرہن ہوا اسوقت مجھے یقین ہی ہوگیا کہ حج بالکل نہیں ہوا کیونکہ چاند گرہن ہمیشہ چودہ یا پندرہ تاریخ میں ہوتا ہے اتفاق سے ایک دفعہ میں رامپور سے آتا تھا کہ چاند انتیس کا میں نے دیکھا اور تیرہ کو چاند گرہن ہوا اسوقت میں نے جانا کہ تیرہ کو بھی چاند گرہن ہوتا ہے اور میرا حج صحیح ہوا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ دہلی میں شاہ عبدالغنی صاحب کی خدمت میں جب میں پڑھا کرتا تھا جہاں پر میرا کھانا مقرر تھا وہاں میں خود لینے جایا کرتا تھا راستہ میں ایک مجذوب پٹھے رہا کرتے تھے ہمیں پڑھنے کی طرف اسقدر مشغولی تھی کہ درویش کیا کسی چیز کی طرف بھی طبیعت کو التفات نہ تھا ایک روز وہ مجذوب مجھ سے بولے کہ "مولوی تو کہاں جایا کرتا ہے" میں نے عرض کیا کھانا لینے انھوں نے کہا میں تجھکو دونوں وقت اسی طرف جاتا دیکھتا ہوں کیا راستہ دوسرا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا دوسرا راستہ بازار میں ہوکر ہے وہاں ہر قسم کی چیز پر نگاہ پڑتی ہے شاید کسی چیز کو دیکھکر طبیعت کو پریشانی ہو مجذوب نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے خرچ کی تکلیف رہتی ہے میں تجھکو سونا بنانا بتا دونگا تو میرے پاس کسی وقت آئیو۔ میں اسوقت تو حاضری کا اقرار کر آیا مگر خانقاہ پہونچکر پڑھنے لکھنے میں یاد ہی نہیں رہا دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا مولوی تو آیا نہیں" میں نے کہا کہ مجھے پڑھنے سے فرصت نہیں ہوتی ہے جمعہ کو آؤنگا الغرض جمعہ آیا اور اسدن بھی کتاب وغیرہ دیکھنے میں مجھے یاد نہ رہا اور وہ پھر ملے پھر انھوں نے کہا کہ مولوی تو وعدہ کرگیا تھا اور نہیں آیا میں نے عرض کیا کہ مجھکو یاد نہیں رہا آخر دوسرے جمعہ کا وعدہ کیا اور اسی طرح کئی جمعہ بھولا آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے پاس خانقاہ میں آئے اور مجھے شاہ نظام الدین صاحب کی درگاہ میں لے گئے وہاں ایک گھاس مجھے دکھائی اور مقامات بتائے کہ فلاں فلاں جگہہ یہ گھاس ملتی ہے اور مجھسے کہا خوب دیکھ لے" میں نے اچھی طرح پہچان لی آخر وہ تھوڑی سی توڑ کر لائے اور میرے حجرہ میں آکر مجھے سامنے بٹھاکر اس سے سونا بنالیا۔ سونا بنگیا اور میں بھی بنانا جانگیا وہ مجذوب مجھسے یہ کہکر کہ اسے بیچکر اپنے کام میں لائیو اپنے مقام کو چلے گئے۔ مجھے کتاب کے مطالعہ کے آگے اتنی مہلت کہاں

تھی کہ اسکو بازار میں بیچنے جاؤں آخر دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا کہ مولوی تو نے وہ سونا بیچا نہیں خیر میں ہی بیچ لا دونگا۔ دوسرے وقت آئے اور میرے پاس سے وہ لے گئے اور بیچکر اسکی قیمت مجکو لادی۔ پھر ایک روز وہی مجذوب ملے اور فرمایش کی کہ مولوی ہمارے واسطے امرود لا میں دو پیسہ کے امرود لیگیا اور اُن کے سامنے رکھدئے انھوں نے ایک امرود اُن میں سے ہاتھ میں لیا اور ہنسنے لگے امرود کو دیکھتے جاتے اور یوں کہتے جاتے تھے کہ تجکو تو مولوی ہی کھاویگا اسکے بعد وہ امرود مجکو دیا میں نے جو ہاتھ میں لیا تو وہ نہایت گرم تھا اُسوقت میرے ذہن میں آیا کہ اگر تو نے یہ امرود کھالیا تو مجذوب ہو جائیگا اسلئے ڈر گیا اور کھایا نہیں چپکا ہی امرود کو ہاتھ میں لئے اُٹھکر چلا آیا اور لاکر اپنے حجرہ میں رکھدیا پھر بھول گیا دس پندرہ دن کے بعد جو نگاہ پڑی اور اٹھاکر دیکھا تو وہ امرود بدستور ویسا ہی تازہ معلوم ہوتا تھا کسی قسم کا تغیر نہ آیا تھا بلکہ وہ گرمی جو اُسوقت تھی اب بھی موجود تھی (اسکے بعد یاد نہیں حضرت نے کیا فرمایا شاید یوں کہا تھا کہ اُس امرود کو کسی شخص نے کھا لیا تھا اور وہ مجذوب ہو گیا تھا) ایک روز وہ مجذوب پھر آئے اور کہنے لگے کہ مولوی میں یہاں سے جاتا ہوں تو میرے ساتھ چل اور اُس بوٹی کو پھر دیکھ لے غرض پھر مجھے ساتھ لے گئے اور سلطان جی صاحب میں وہ بوٹی پھر دکھائی اسکے بعد کہیں چلے گئے۔

ایکبار آپکی داڑھ میں درد تھا فرمانے لگے میں سمجھتا ہوں کہ اگر داڑھ اکھڑوا دوں تو تکلیف جاتی رہیگی مگر ہمت نہیں پڑتی یہی حال اہل دنیا کا ہے کہ دنیا کی تھوڑی مشقت نہیں برداشت کرتے اور آخرت کے مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ایک بار فرمایا جیسے جیسے لڑکے بڑے ہوتے ہیں آدمی خوش ہوتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ روز بروز اسکی زندگی کے دن کم ہوتے جاتے ہیں اور موت سے وہ قریب ہوتا جاتا ہے۔

ایکبار ارشاد فرمایا میں نے ایکبار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا اُن سے نکاح ہوا ہے سو جسطرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے اسی طرح مجھے اُن سے اور انہیں مجھ سے فائدہ پہونچا ہے انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرکے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کرکے انہیں مرید کرادیا حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ آپنے فرمایا ہاں آخر اُنکے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں۔

آداب و حالات حسین صاحب

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ نے ایکبار دریافت کیا حضرت قبر میں شجرہ رکھنا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں مگر میت کے کفن میں ندرکھے طاق کھود کر رکھدے اسپر حضرت مولانا نے عرض کیا اس سے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے؟ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی مرید تھے اُن کے پاس شاہ صاحب کا جوتہ تھا انتقال کے وقت انھوں نے شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت کی کہ یہ جوتے میری قبر میں رکھدئے جائیں چنانچہ حسب وصیت رکھدئے گئے اسپر شاہ صاحب سے مولوی نذیر حسین وغیرہ نے استہزاءً کہا کہئے جوتوں میں کتنا غلیظ لگا ہوا تھا؟ اور کوئی پوچھتا کتنا کیچڑ تھا؟ اسپر شاہ صاحب نے فرمایا اگر یہ فعل ناجائز تھا تو ہمیں دلیل سے سمجھا دیتے استہزاء اور مسخری کیا جاجت تھی سو اب تم لوگوں کے پاس کبھی نہ بیٹھوں گا اور دستور یہ تھا کہ نماز جمعہ کے بعد یہ لوگ مسجد میں بیٹھا کرتے تھے اسکے بعد شاہ صاحب کے کسی شاگرد نے ضرب النعال علی رؤس الجہال رسالہ لکھا اسمیں آثار صحابہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ تبرکات بزرگان کو قبر میں ساتھ لیجانا جائز ہے اس رسالہ کو دیکھکر منکرین نادم ہوئے۔

مولوی ولایت حسین صاحب فرماتے ہیں ۱۳۱۷ھ میں بندہ بارادہ تجدید بیعت حاضر آستانہ ہوا مگر عرض کی ہمت نہوئی جب لوگ مرید ہوتے ان کے ساتھ میں بھی آہستہ آہستہ کلمات توبہ کہتا جاتا تھا ایکدن حضرت ارشاد فرمانے لگے میں نے ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کیلئے عرض کیا تھا مگر منظور نہیں فرمایا اسپر بندہ نے عرض کیا کہ میں بھی وطن سے بایں ارادہ چلا تھا حضرت نے فرمایا ہاں مولویوں کے خیالات اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم پڑھتے تھے اُس زمانہ میں عربی پڑھے ہوؤں کی بڑی قدر تھی منصفی اور صدرالصدوری وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے عہدے ملتے تھے چنانچہ ہمارے ساتھ کے پڑھے ہوئے اکثر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر نوکر ہوئے ماموں صاحب نے میرے لئے بھی سعی کی مگر میں نے منظور نہیں کیا اسپر ماموں صاحب ناخوش ہوئے جب وہ سمجھ گئے کہ یہ انگریزی نوکری ہرگز نہ کریگا تو انھوں نے مجھے بہت ہی مجبور کیا اور ایک رئیس کے ہاں تعلیم پر نوکر کرادیا ماموں صاحب کی سفارش سے وہاں خوب قدر و عزت ہوئی مگر ہم چند ہی روز میں نوکری چھوڑ کر چلے آئے آخر ماموں

مولانا حکیم سید سراج احمد صاحب

صاحب سمجھ گئے کہ اسے کچھ کرنا نہیں ہے پھر مجھسے کچھ نفرمایا اور ناخوش بھی نہیں ہوئے اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اسی خانقاہ میں عمر گذر گئی اور حق تعالیٰ نے سب کچھ دیا۔

ایکبار کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی قبر پر شیرینی لیجانا اور کسی بزرگ کی فاتحہ دیکر تقسیم کرنا جایز ہے یا ناجائز؟ آپنے ارشاد فرمایا اگر بنام خدا ہے اور ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو کچھ قباحت نہیں اور اگر پیر کے نام ہے جیسا اکثر جہال کرتے ہیں وہ حرام ہے اسپر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہو تو ہر جگہ سے ممکن ہے قبر ہی پر کون ضرورت ہے کہ کوئی چیز بھیجی جاوے آپنے فرمایا خیر وہاں خادم رہتے ہیں اچھا ہے انکو ہی دیدیجائے اسمیں کیا قباحت ہے"؟ یہ جواب دیکر ارشاد فرمایا کہ ایکبار ایک شخص حضرت شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کچھ شیرینی لیا اور مجھسے فاتحہ کے واسطے کہا میں نے دریافت کیا کہ یہ بھائی اللہ کے نام کی ہے؟ اس نے کہا نا صاحب پیر کے نام کی ہے۔ میں نے کہا جا مردود چلا جا۔

ایکبار کسی شخص نے طلاق کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا تھا اسکا جواب دیکر یہ قصہ نقل فرمایا کہ ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے بڑے زور شور سے وعظ فرماتے رہے ان کے اہل و عیال بھی ان کے ہمراہ تھے ایک روز اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھے اور اس زور سے کہ دور تک آواز پہونچی لیکن اسکے بعد علیحدگی نہیں کی اور ساتھ رہتے رہے ایک دن میرے پاس بھی آئے میں نے پوچھا کہ طلاق دینے کے بعد جواز کی صورت آپنے کیا اختیار کی واعظ صاحب بولے میں نے طلاق (ت) سے دی ہے طلاق (ط) سے نہیں دی مجھے غصہ آگیا میں نے کہا کہ اگر خیر میں رخ بھی ملا دیجائے تو کیا مفتی تمہارے موافق فیصلہ دیسکتا ہے یہ سنکر وہ حضرت گنگوہی سے چلے گئے۔

ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت نماز میں درود شریف کے اندر لفظ سیدنا ملانا چاہیئے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں" مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کسی روایت میں لفظ سیدنا نہیں کیا حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سیدنا نفرمایا ہو مگر ہمیں یہی لایق ہو کہ ملائیں اسکی ایسی مثال سمجھو جب میں حضرت سے بیعت ہوا تو بیعت کے وقت حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہو ہمنے امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہیں نے کہا جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی اتنے میں مولوی شیخ محمد صاحب بھی موجود تھے فرمانے لگے آج سمجھدار شخص آیا ہے نہیں تو لوگ یونہی کہا کرتے تھے ہمنے امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی

عملیات

چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کو اپنی پریشان حال و مصیبت زدہ مخلوق کے لئے پشت پناہ بنا کر بھیجا تھا غوثیت کا خلعت فاخرہ آپکے زیب تن کیا گیا تھا اسلئے مضطرب بیچین ہو جانے والے آفت رسیدہ لوگوں اور مایوس دنا امید بنجانے والے بیماروں اور فکرمندوں کی بھی دستگیری فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ ان امور میں وابستگی آپکو طبعاً مکروہ و ناگوار تھی اس لئے کہ آپکا منصب رفیع ارشاد و تربیت باطنی اور ہدایت و معالجہ روحانی تھا مگر چونکہ اس عالم دنیا میں کالبد خاکی کا روح کے ساتھ عارضی تعلق ایسا وابستہ کیا گیا ہے کہ صحت و ترقی روح کے اسباب میں جسم کی تندرستی و رفع اخراج و آلام کو سببیت میں خاص دخل ہے اسلئے جس طرح زمین کی نباتات اور یونانی ادویات کے ذریعہ سے آپکا جسمانی معالجہ فرماتا اور طبیب و حکیم بنکر جو شاندہ و خیساندہ پلانا قطع نظر نفع رسانی خلائق کے روحانی تربیت و اصلاح کا ذریعہ بننے کے سبب آپکے منصب ارشاد کا مقدمہ ہے اسی طرح تعویذات و نقوش اور عملیات و اوراد کے واسطہ سے مخلوق کو بقدر ضرورت اپنی طرف کھینچنا اور اُن کے قلبی اطمینان و سکون کا سبب بنکر اپنا محب و شیفتہ بنا کر اصلاح قلب کی فکر کرنا اور باطنی ہمت سے انکو وحدہٗ لاشریک کے دروازہ پر لاڈالنا آپکے مرتبہ رفیعہ اور فریضہ مفوضہ کی تمہید ہے۔

مدبر و سیاس سفیر کی سیاست و سلیقہ شعاری اور انتظام و تدبیر کی خوبی یہی ہے کہ اختیار اسباب میں بھی سفارت دنیابت کا حق پورا کرے اور ذرائع میں اتنا منہمک نہو کہ مقصود سے ذہول و غفلت ہو جائے اسلئے عموماً ایسی درخواستوں پر آپکا جواب یہی ہوتا تھا کہ میں عامل نہیں ہوں مجھے تعویذ گنڈا نہیں آتا مگر جب طالب کا اصرار و الحاح حد سے گذرتا یا مخلوق پر شفقت کا غلبہ بالطبع آپکو مجبور بناتا تو جو کچھ اسوقت خیال میں آتا پڑھنے کو فرماتے یا لکھکر بصورت تعویذ عطا فرمادیا کرتے تھے۔

اسمیں شک نہیں کہ آپکی سرتاپا عبدیت کا اقتضا جو آپکے قلب میں جوش مارتا اور اکثر زبان مبارک سے ظاہر بھی ہوتا تھا وہ عملیات سے نوحش ملکہ تنفر تھا آپ خوب سمجھتے تھے کہ اس مضمون میں بھی لوگوں کے خیالات حد سے بڑھ چلے اور فساد قلب و عقائد کا سبب ہوتے جاتے ہیں اسلئے خود تو احتیاط فرماتے ہی تھے مگر اسکے ساتھ ہی تعویذ یا نقش و عمل طلب کرنے والوں کے ذہن سے

اسکی جانب عقیدت کا غلو رفع فرمائے اور تقدیر پر ایمان جو مقدس مذہب اسلام کا رکن اعظم ہے پختہ بنایا کرتے عملیات کے متعلق آپکا مقتضائے طبع یہ تھا جو ایک مرتبہ آپنے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں آگ مہنگا کپڑا چیتھڑا اور گودڑ ہے اگر قیمتی شال کو جو زینت و عزت کے لئے وضع ہوا ہے کوئی شخص تاپنے کیلئے دیا سلائی دکھائے تو بے وقوف ہے اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا نام اسواسطے نہیں ہے کہ چھوری دنیا اس سے کمائی جائے دنیا جیسی حقیر شے ہے اسکے حاصل کرنے کو ذرائع بھی حقیر ہی ہیں وحق تعالیٰ کا نام بڑی چیز ہے اس سے بڑی ہی چیز حاصل کرنی چاہیے یعنی اسکی رضا و خوشنودی۔

ایکبار کسی شخص نے وسعت رزق کے لئے سورۂ مزمل کی آپ سے بذریعہ تحریر اجازت چاہی تھی انکو تو آپنے لکھوا دیا جائز ہے پڑھو مگر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ دنیا کیلئے قرآن پڑھنے کو میں بہت برا سمجھتا ہوں

بعض مایوس العلاج مرضیٰ اور بعض پریشان حال مبتلائے افکار و آلام اشخاص آپکی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ نے صاف انکار فرمایا بلکہ ایسا کورا اور روکھا جواب دیا کہ یہ آخری امید بھی انکی منقطع ہوگئی ایسے مواقع میں آپکا انکار فرمانا گو کسی کو ناگوار گذرا ہو مگر آپکے عبد اور فرمانبردار محکوم حکم خداوندی ہونے کے سبب اسکا یقین کرنا لازمی ہے کہ اس محل کیلئے یہی سزاوار و زیبا تھا اب رہی وجہ سوال تو اسکے سوال یا جواب کی گنجایش ہی نہیں نہ تتبع اور تلاش کی ضرورت اگر پھر بھی معلوم ہوگیا کہ ایسا انکار یا ایسی جگہ صادر ہوا کہ کامیابی سائل کی تقدیر میں نہ تھی اور یا ایسے مقام پر ہوا کہ اقرار کرنا اسکے یا دوسروں کے فساد قلب اور اپنے اوقات عزیز میں اختلال واقع ہونے کا ذریعہ تھا اور بعض جگہ ایسا بھی ہوا کہ ناامید بنا دینا ہی اس طالب کے مطلوب و مقصود کے حصول کا سبب ہوگیا اسلئے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت واسعہ مضطرب الحال بندہ کی بے چینی دیکھ نہیں سکتی مگر یوں چاہتی ہے کہ ماسوی اللہ سے قطعاً ناامید ہو کر ہماری طرف جھکے اسوقت ظفر و نصرت اسکی شامل حال ہو پس آپ گو ربانی تھے مگر رب نہ تھے مقبول خدا تھے خود خدا نہ تھے اگر کوئی مصیبت زدہ یا آفت رسیدہ شخص آپکے آستانہ پر بالاستقلال کامیابی کا امیدوار بنکر آیا اور یہی نظر ماسوی اللہ غیر متمند رحمت خاص کے حجاب کا سبب بنی ہوئی تھی تو آپ کے مایوس کن جواب سے حزین و غمزدہ سائل کا فوراً ٹوٹنا اور ایک خدائے لاشریک کا مخلص فقیر بنکر عرض کرنا تھا کہ اب تیری سوائے کوئی سہارا نہیں اسی وقت دریائے رحمت میں جوش آتا اور مقصود کا گوہر شاہوار دست بدست عطا ہو جاتا تھا یہ

دوسرا ہیں جو ہمیشہ اہل اللہ کے حالات مختلفہ میں مخفی و مستور رہے اور رہتے ہیں جن پر اطلاع و آگاہی ضروری نہیں کہ ع رموز سلطنت خویش خسروان دانند۔ حق تعالیٰ ان مقدس حضرات کے گوناگوں حالات اور مختلف و متنوع احوال کا ادب عطا فرماویں معترض و گستاخ نہ بنائیں کہ اپنی ناقص فہم میں طاقت پرواز نہ ہونے کے سبب وہاں تک رسائی نہیں ورنہ ہر صاحب نسبت شیخ کے قلب میں جو وقت مشکوٰۃ نبوت سے روشن کیا ہوا چراغ رکھا گیا گویا عالم پر یہ بات ظاہر کر دی گئی کہ "آں ہر چہ گوید دیدہ گوید"۔

اسمیں شک نہیں کہ اگر امام ربانی علمیات اور نقوش و تعویذات کے مشغلہ سے اپنے آپ کو اسد جمیع نہ کھینچتے تو وہ مخلوق جو عام فقرا کو اسکی بدولت اپنا سرتاج سمجھکر حاجت روا و فریادرس خطاب دیکر جوق جوق کھنچی چلی آتی ہے آپکی طرف کتنی کچلیتی اور دوڑ دوڑ کر آتی مگر اس ازدحام لایحصیٰ اور بیشمار گنہگار کے مجمع میں آپکا وہ خلوت پسند دل جو بعض وقت ایک خادم کے موجود ہونے سے بھی اکتا تا اور گھبرا جاتا تھا جس ایذا میں مبتلا ہوتا اس کا اندازہ دوسرے کو ہونا بھی مشکل ہے اور گو یہ تاذی جو باقتضائے بشریت آپکو ہوتی دوسروں کی جانب خطا کے ساتھ منسوب نہو سکے مگر سائل کی محرومیت کے لئے کافی تھی اور اس کے علاوہ آپ کی بڑی خدمت یعنی ترقی دین و تربیت روحانی میں جو اختلال اسکی بدولت واقع ہوتا وہ آنے والی حاجتمند مخلوق کو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بناتی ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہی

اصلاح دنیا اور راحت احسام کو طمانینت قلب اور عروج روح میں داخل ہونے کا ثمرہ امام ربانی کے یہاں صرف دعا اور توجہ یا ہمت اور باطنی تصرف میں محدود ہو گیا تھا اور حقیقت میں یہ وہ آزمودہ عمل اور مجرب تعویذ تھا جسکو لاکھ نقوش کا ایک نقش کہا جائے تو بجا ہے ہاں اس کے ساتھ کبھی کبھی سائل کی تسلی و طمانینت قلب یا اپنی عبدیت کے اظہار کے لئے اتباعاً للسلف آپ وظائف ماثورہ بھی تلقین فرماتے اور نقوش و تعویذات منقولہ بھی تسطیر فرما کر حاجتمند کے حوالہ فرما دیا کرتے تھے مگر چونکہ سنت نبویہ کی محبت آپکی رگوں اور ہڈیوں میں رچی ہوئی تھی اسلئے عموماً وہ وظائف تعلیم فرماتے تھے جو حدیث میں وارد ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے عطا فرمائے ہوئے نقوش و تعویذات کو بجز اس کے کہ آپکی کرامت کہا جائے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۵

صاحب کمال نہ کہتے ہیں اکسیر کا خواص	چٹکی اٹھائی خاک کی اور زر بنا دیا

مولوی یعقوب الدین صاحب فرماتے تھے میرے ایک دوست کی کہ وہ بھی حضرت کے خادم تھے ایک جگہ نسبت قرار پائی وہ لڑکی تھی حسینہ و جمیلہ قبل از نکاح ہی انکو غائبانہ اُس کے ساتھ بیحد محبت ہوگئی تھی اتفاق سے اثنا میں کچھ رنجش ہوئی اور یہ خطبہ قطع ہو گیا نسبت کے ٹوٹتے ہی انکی حالت غیر ہونے لگی جو جس نے بتایا پڑھا اور جو جس نے کہا وہ کیا مگر کچھ کارگر نہ ہوا آخر جب جان پر آبنی تو گنگوہ آئے اور رو کر عرض کیا کہ حضرت شرم کے سبب کچھ کہہ نہیں سکا مگر جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو عرض کئے بغیر چارہ نہیں اسکے بعد اپنا قصہ و حال بیان کیا حضرت نے حسب عادت فرمایا "بھائی مجھے تو عملیات آتے نہیں" یہ رو دیئے اور باصرار تمنا کی کہ کچھ لکھکر عطا فرما دیں اُسوقت حضرت نے پرچہ پر کچھ لکھا اور فرمایا لو اسے بازو پر باندھ لینا "تعویذ لیکر یہ وطن واپس آئے اور بازو پر باندھا خدا کی شان اسی ہفتہ میں باہمی رنجش رفع ہو گئی اور لڑکی کے ورثا خود بخود راضی ہو کر نکاح پر مصر ہوئے چنانچہ فوراً نکاح ہوا اور اسی دن لڑکی رخصت ہو کر انکے گھر آگئی لوگوں کو نہایت تعجب ہوا کہ اتنی جلدی کس طرح کا یا پلٹ گئی آخر یہ سوچکر گنگوہ گئے تھے کوئی مجرب نقش لیکر آئے ہیں ان کے ہمجولیوں نے اصرار کیا کہ بازو سے کھولکر نقش دکھاؤ اُسے نقل کریں ہر چند انھوں نے انکار کیا مگر وہ باز نہ آئے اور انکو پکڑ کر چھاتی پر چڑھ بیٹھے جبراً بازو کا تعویذ چھینا اور کھولکر دیکھا تو اسمیں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "یا الٰہی میں نہیں جانتا اور یہ نہیں مانتا یہ تیرا بندہ اور غلام تو جانے اور تیرا کام"۔

حضرت امام ربانی کے مبارک ہاتھوں کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ خاصہ عطا فرمایا تھا جو کسی شکستہ دل مظلوم اور ماسوی اللہ سے مایوس ہو جانے والے بیچارہ ستمرسیدہ کی زبان میں ہوتا ہے جسکی مقبولیت لوگوں کے نزدیک مسلم ہے بقول حافظ ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن	اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

بہتیرے آفت رسیدہ تباہ حال مضطرب و پریشان اور مایوس العلاج بیمار آپ کی دعا کو اپنی سپر بنائے اور دوا قرار دئے ہوئے تھے اور چونکہ آپ کی شان عبدیت کا اقتضا تھا قبولیت عامہ اس لئے نقش و کتابت محض بہانہ تھا اُس کامیابی کا جو مجیب الدعوات نے آپکا توسل پکڑنے والوں کیلئے روز ازل میں مقدر فرمائی تھی کسی کو کیا خبر ہے کہ آپ مستعیذین کو کیا لکھکر دیتے تھے اور کوئی کیونکر سمجھ سکتا ہے

حضرت نقش حسین صاحب بلند شہری

کہ آپ کے لکھے ہوئے نقوش میں حصول مراد و مقصد براری اُس مکتوب کے اثر سے تھی یا کاتب کے؟ حافظ محمد عبدالحفیظ صاحب تاجر بمبئی کو اسوقت جبکہ انکی عمر پانچ چھ برس کی تھی مرض لاحق ہوا جسکی صورت دورہ کی تھی رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہونچی کہ دو دو گھنٹہ کامل بیہوش رہتے منہ سے جھاگ جاتے اور بتیسی بند ہوجاتی تھی دس برس کامل ڈاکٹری یونانی علاج ہوئے گنڈہ تعویذ جھاڑ پھونک وغیرہ جس نے بتایا سب ہی کچھ ہوا مگر مرض میں ذرہ برابر کمی نہوئی ان کے بھائی حافظ عبداللہ صاحب مہاجر حضرت سے بیعت تھے جب ہر قسم کے معالجہ سے بیزار اور بددل ہوگئے تو ان کو لیکر گنگوہ حاضر ہوئے اور سب حالت عرض کرکے تعویذ لینے کا اصرار کیا حضرت قدس سرہٗ نے چند تعویذ عطا فرمادئے کہ انکو پلادینا اِس قصہ کو اب سولھواں سال ہے اُن تعویذوں کے استعمال کے بعد سے آجتک ان کو اُس مرض کا دورہ نہیں ہوا اور ماشاء اللہ ہر طرح تندرست ہیں بلکہ فربہ اور صاحب تن و توش۔

عبدالحمید خاں صاحب فرماتے ہیں پندرہ سولہ برس ہوئے ہیں مٹھائی لئے پولیس لین کو آرہا تھا نالہ کے کنارے ایک درخت آم کا تھا جہاں جنات کا اثر لوگوں میں مشہور تھا چونکہ وہی گذرگاہ تھی اسلئے میں جب اُسکے قریب پہونچا تو ایک کتا سیاہ مجھے نظر پڑا جو دیر تک بغور مجھے تکتا رہا میں ہمت کرکے نکلا تو چلا آیا مگر گھر پہونچتے ہی گھٹنے میں دھمکہ درد اُٹھا اور اتنا شدید کہ میں ضبط نہ کرسکا اسی تکلیف میں مجھے بخار چڑھ آیا جس نے دس بارہ روز تک ہوش نہ لینے دیا یہ بخار اُترا تو چوتھیا شروع ہوگیا جو کامل دو سال رہا اس دورہ میں اکثر مجھے خوفناک خوابیں نظر آتیں اور کبھی کبھی وہی کتا جسے درخت کے نیچے دیکھا تھا مجھے اپنے اوپر حملہ کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا مرض سے نجات پانیکی جو تدبیر مجھے بن پڑی میں نے کی مگر کچھ بھی نفع نہوا آخر حضرت کی خدمت میں ان کے مفصل حال کی اطلاع دیکر تعویذ کی تمنا ظاہر کی گئی حضرت نے کاغذ پر کچھ لکھا اور لپیٹکر لفافہ میں بھیجدیا کہ بازو پر باندھیں خدا کا ایسا فضل ہوا کہ اُس تعویذ کے باندھتے ہی نہ چوتھیا بخار کا دورہ ہوا اور نہ کبھی ڈراؤنی خواب دکھائی دی۔

آپ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف اور لکھے ہوئے تعویذات و نقوش میں حق تعالیٰ نے جو اثر عطا فرمایا تھا جو نکہ اُسمیں زیادہ دخل آپکی مقبولیت اور شان عبدیت کو تھا اس لئے جسقدر جلد اور قوی اثر ہو قابل تعجب نہیں بمقتضائے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ چونکہ آپ نے ظاہر و باطن اور قلب و جسد دونوں کو قادر مطلق جل و علی اشانہ کا مطیع و فرمانبردار اور خالص و مخلص بندہ بنادیا

حضرت الحاج صاحب ہونگا

تھا اس قدردان شاہنشاہ کی طرف سے اس صلہ میں آپکو وہ مرتبہ عطا ہوا تھا جس نے آپ کا ملجا و ملاذ ہونا مخلوق کو باور کرا دیا تھا آپ کا غائبانہ توسل مبسا اوقات لوگوں کی حاجت روائی کیلئے کافی ہو جاتا اور آپ کی برکات کا محض واسطہ مصیبت زدہ متوسلین کی کامیابی و مقصد براری کا کفیل بنجاتا تھا جس زمانہ میں طاعون کا مہلک مرض مظلم گھٹا کی صورت امنڈتا اور تیز اندھیاؤ کی طرح مسلسل و لگاتار شہر بہ شہر چھاتا چلا جاتا تھا مخلوق جس درجہ پریشان تھی وہ محتاج بیان نہیں اس مرض لاعلاج کے مبتلا بیماروں اور انکی زندگی سے مایوس ہو جانے والے تیمارداروں نے کبھی آپکی دعا سے اور کبھی محض آپ کے توسل سے نجات و حیات کی وہ کامیابیاں حاصل کی ہیں جنکی طرف سے بالکل ناامیدی ہو چکی تھی مولوی احمد صاحب سورتی بغرض ذکر و شغل آپ کی خدمت میں ٹھیرے ہوئے تھے کہ مکان سے خبر آئی تمہارے گھر میں طاعون کے اندر کئی موتیں ہو چکی ہیں اور اب تمہاری حقیقی بہن اس مرض میں مبتلا ہے یہ وحشت اثر خبر سنکر مولوی احمد صاحب گھبرائے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے عرض کیا آپنے دعا کا وعدہ فرما لیا اور ارشاد فرمایا گھبراؤ مت انشاء اللہ شفا ہو جائیگی چنانچہ یہ گنگوہ ہی رہے اور چند روز بعد مکان سے اطلاع آگئی کہ ہمشیرہ کو بالکل آرام ہے جس زمانہ میں لاہور۔ امرتسر۔ جالندہر وغیرہا اضلاع میں طاعون پھیلتا اور اس جانب بڑھتا چلا آرہا تھا جب انبالہ تک پہونچ لیا تو اہل سہارنپور گھبرائے کیونکہ اس پٹری پر اب اسی ضلع کا نمبر تھا مگر گھبرائے سے کیا ہوتا تھا آخر ایک مختصر مجمع دربار خداوندی میں حاضر ہو کہ اس طرح ملتجی ہوا کہ اے جانوں کے پیدا کرنے والے اور جلانے مارنے والے بادشاہ ہم بے زر و بے پر گنہگاروں میں قابل استجابت دعا مانگنے کی بھی اہلیت نہیں ہے ہماری شامت اعمال جس عذاب کی باعث ہو بجا اور زیبا ہے مگر ہمارے درمیان ہمارا ایک مقبول بندہ موجود ہے جنکا نام مولانا رشید احمد ہے اُن کو شفیع گردانکر آپ سے التجا ہے کہ اس آفت ناگہانی سے محفوظ رکھنا اور اس مرجع خلائق مخدوم العالم ذات کے طفیل میں ہماری بستی کو طاعون سے بچا لیجئے چنانچہ چند روز بعد انبالہ سے طاعون آگے بڑھکر ضلع مظفر نگر پہونچا اور وہاں سے ضلع میرٹھ میں پھیلا سہارنپور کا ضلع باوجود درمیان میں واقع ہونے کے ایسا محفوظ رہا کہ باوجود مرطوب ہونے کے آپکی حیات تک ایک موت بھی طاعون کی آمیں واقع نہیں ہوئی ایسے واقعات جہاں نہ آپکا لکھا ہوا تعویذ پہونچا بتعلیم فرمایا

ہوا وظیفہ یا عمل پڑھا گیا اور خلاف گمان مراد یابی ہو گئی میرے اس خیال کی تائید کر رہے ہیں کہ نقوس میں اثر کاتب کی قوت قدسیہ کا تھا اور مکتوب حصول مقصود کا محض بہانہ۔

تاہم جن اوراد و نقوش کا آپکی جانب انتساب تعلیماً یا کتابۃً ثابت ہے نفع سے خالی نہیں بلکہ بالاضافہ قوی اور زود اثر ہوں تو کچھ بعید نہیں اسلئے بقدر ضرورت درج سوانح کرنا مناسب ہے۔

حاجی عبد العزیز خاں پنجلاسوی مرحوم و مغفور ایک زمانہ میں اس درجہ مبتلائے آلام و افکار رہے کہ زندگی سے اکتا گئے تنگی معیشت جدا بار قرض علیحدہ اور سپرد دشمنوں کی عداوتیں اور طرح طرح کی ایذا رسانیاں طرہ تھیں روز ایک نئی مصیبت کا سامنا تھا یہانتک کہ جمعہ کی نماز کو جامع مسجد میں آنا بند ہو گیا تھا کہ جان کا خطرہ قوی تھا مخالفوں نے جب دیکھا کہ بند مکان میں رہنا حفاظت جاں کی تدبیر کی گئی ہے تو سحر کا منصوبہ باندھا اور کر بھی گذرے۔ اس سراسیمگی کی حالت میں جو خط حضر کی خدمت میں پہونچا تھا اسکا جواب یہ تھا اور بجنسہ درج کرتا ہوں۔

خانصاحب مکرم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائیں تم اپنی تدبیر ظاہری کرو کہ عالم اسباب میں سلمان تدبیر و ظاہر پر مدار رکھا ہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کو بانچسو مرتبہ اوقات مختلف میں پڑھتے رہو اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تین تین بار اور آیۃ الکرسی ایکبار سوتے وقت ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیرا لیا کرو اور ان کو ہی صبح شام بعد نماز پڑھ لیا کرو کسی کا سحر و کرا ثر نہ کریگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور استغفار کثرت سے کرو استغفار کی کثرت پر ادائے قرض و رفع غم و حصول مطلب کا وعدہ ہے۔ ایک بات یاد رکھنا کہ اپنے راز کی کسی کو دوست جانکر اطلاع مت کرنا۔ یہ بھی ایک ضروری بات ہے کسی کا اعتبار نہیں والسلام۔

ادائے قرض کا نسخہ

خانصاحب ممدوح کے نام انہیں ایام میں دوسرا والا نامہ مرسل ہوا جس میں تحریر فرمایا کہ تم صبح شام اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ کو تین تین بار بہ نیت رد سحر پڑھتے رہو اور قل یا اور قل ہو اللہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سورہ فاتحہ آیۃ الکرسی کو صبح شام ایک ایک بار پڑھکر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیرا لیا کرو اور جو ہو سکے تو ایکبار کسی وقت مقرر کر کے حزب البحر پڑھ لیا کرو ورنہ کچھ ضرورت نہیں یہی دونوں عمل کافی ہو جاویں گے الخ۔

جو ملازم پیشہ ناکردہ گناہ کسی جرم میں پکڑے جاتے یا مقدمہ قائم ہوتا یا اس قسم کی کسی اور پریشانی

میں مبتلا ہوتے اکثر آپ یوں فرمایا کرتے تھے کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پانچسو مرتبہ بعد عشا سے وقت پڑھا کرو اور اسوقت نہو سکے تو جسوقت بھی ممکن ہو اور یکدفعہ نہو سکے تو بدفعات اور متفرق اوقات میں اس مقدار کو پورا کرکے دعا مانگا کرو اگر پانچسو بار نہو سکے تو سو مرتبہ ضرور پڑھ لو۔ اور اگر بہت ہی زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوتا تو تعداد اٹھا دیتے اور یوں فرمادیا کرتے تھے کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے وضو بے وضو جتنا بھی ہو سکے اس کو پڑھتے رہو" چنانچہ سیکڑوں نے اسپر عمل کیا اور عموماً ہمیشہ کامیاب ہوئے۔

تنگدستی و افلاس کے مبتلا کو یا بالخط گیارہ سو مرتبہ بعد عشا پڑھنا تعلیم فرماتے تھے اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھا جائے ادائے قرض اور وسعت رزق دونوں فائدے اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

جس شخص کی بصارت ضعیف ہو آپ فرماتے تھے کہ اللہ باین ہیئت بخط نسخ کسی کاغذ یا تختی پر خوب جلی لکھکر اسپر نظر جمایا کرے انشاء اللہ نگاہ تیز ہو جاویگی اور نظر کو بہت قوت حاصل ہوگی۔

جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اور توجہ نہ کرتا ہو آپ نے فرمایا کہ ٹھنڈے وقت یعنی صبح یا شب کے بعد عشا قل ھو اللہ پوری سورۃ ستو مرتبہ اول آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھکر دعا مانگ کر عقیمہ یعنی اس عورت کے لئے جس کے اولاد نہوتی تھی یکبار آپنے دو انڈے منگا کر ابلوائے اور چھلکا اتار کر ایک انڈے پر وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ لکھا اور دوسرے پر وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ تحریر فرمایا اور خاوند کو دیدیئے کہ پہلا مرد کھائے اور دوسرا عورت مگر حیض سے پاک ہونے پر۔

ایسی عورت کے لئے جسکے اولاد زندہ نہ رہتی تھی آپنے اجوائن اور فلفل پر چالیس بار سورۃ والشمس پڑھکر دم فرمائی اور دیدی کہ شروع حمل سے برابر کھاتی رہے اور یہ بھی فرمایا امید ہے انشاء اللہ اولاد طویل العمر ہوگی۔

قرار حمل کے لئے عموماً نوگرہ کا گنڈہ کردیا کرتے تھے جو قول جمیل میں مذکور ہے۔

ولادت کے وقت عورت کو درد کی اگر سخت تکلیف ہوتی تو آپ کاغذ پر وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ لکھکر عطا فرماتے کہ حاملہ کی ران میں باندھدیا جائے اور بچہ ہوتے

ہی فوراً کھولدیا جائے ورنہ آنتوں کے باہر آجانے کا اندیشہ ہے۔

کھیٹوے کے مبتلا کو گیارہ تار کے نیلے ڈورے پر اکتالیس بار سورۂ فاتحہ معہ بسم اللہ پڑھکر اکتالیس گرہ لگاتے یعنی ہر گرہ پر ایک بار سورۂ فاتحہ اور عطا فرما دیتے کہ بچہ کے گلے میں ڈالدیا جائے۔

ایکبار دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے اور حاکم کے مہربان ہونے کو بسم اللہ الرحمن الرحیم بعد نماز صبح آٹھ سو مرتبہ اور یا عزیز بلا تعداد جتنا ہو سکے پڑھنے کو فرمایا۔

جملہ مقاصد میں کامیابی اور حصول اطمینان قلب کے لئے ایک صاحب کو لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ تین سو مرتبہ پڑھنے کو تعلیم فرمایا اول آخر درود شریف تین یا پانچ یا سات سات بار۔

تپ کہنہ کے مبتلا کو ایکبار آپنے یوں ارشاد فرمایا کہ چینی کی سفید طشتری پر سورہ فاتحہ مع بسم اللہ لکھی جائے اور بکری کا دودھ اُسپر دوہا جائے اور گھولکر علی الصباح مریض کو پلایا جائے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہے شفا ہوگی

عام امراض خصوصاً اُن لاعلاج بیماریوں کے لئے جن سے اطباء عاجز آگئے ہوں سورہ فاتحہ مع بسم اللہ چینی کی طشتری پر لکھکر پانی میں دھوکر چالیس دن متواتر صبح کے وقت پلانے کا عمل آپ بتلایا کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ سورہ فاتحہ کے بعد یہ دعا بھی لکھی جائے یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِی دُنْیَا مُلْکُہٗ وَبَقَائُہٗ یَا حَیُّ۔

سورہ فاتحہ کا سبب شفا ہونا حدیث میں ثابت ہے اسلئے آپ فرماتے تھے کہ ہر مرض کیلئے اسکا نفع عام ہے یہانتک کہ بدہضمی اور آوارگی کے لئے بھی اسکا کاغذ یا طشتری پر لکھکر پانی میں گھولکر پلانا مفید ہے پھنسی پھوڑا زخم اسہال استفراغ تپ لرزہ غرض ہر بیماری کو نافع ہے مولوی سراج احمد صاحب کے بائیں پاؤں میں جھاجن تھی اور ورم کے سبب دے اور تکلیف میں ایسے بیتاب تھے کہ اُٹھنا اور بیٹھنا مشکل تھا آپنے اُن کے خط کا جواب اس طرح تحریر فرمایا کہ بحالت مرض پلنگ پر پڑے پڑے سورہ فاتحہ پڑھ پڑھکر موضع مرض پر دم کرتے رہو اور اپنے اوپر بھی دم کرتے رہو اور اس عاجز کے لئے کہ دعا گو تمہارا ہے دعائے خیر سے خاتمہ کرتے رہو کہ دعا مرض میں قبول ہوتی ہے۔ مزید یقین دلایا گیا ہے کہ تمکو اس مرض سے شفا ہو جائیگی"۔

آسیب زدہ کے لئے آپنے ارشاد فرمایا کہ اسماء اصحاب کہف یہ عبارت نیل کا غذ پر لکھکر جس مکان

مسان — شقاء — حصول مقاصد — دق — عام امراض — بدہضمی اور آوارگی — آسیب

میں مریض یا مریضہ ہو اسکی دیواروں پر جگہ جگہ پر چسپاں کر دئے جائیں اور بیس کا نقش سند جلیل ایک کاغذ پر لکھکر مریض کو دکھایا جاوے وہ دیکھنے سے گھبرائے اور انکار کرے گا مگر زبردستی اسکی نظر اس پر ڈلوائی جائے اور جبراً نقش کو تعویذ بنا کر اسکے گلے میں ڈالدیا جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸	۶	۴	۲
۲	۴	۶	۸
۶	۸	۲	۴
۴	۲	۸	۶

اسماء اصحاب کہف یہ ہیں۔ اَلٰہِی بِحُرْمَۃِ یَمْلِیخَا مَکْسَلِمِینَا کَشْفُوطَ طَیْطُوسَ کَشَا فَطَیْطُوسَ اَذْرَ فَطَیْطُوسَ یُوَانِسَ یُوسَ وَکَلْبُھُمْ قِطْمِیرٌ وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیلِ وَمِنْھَا جَائِرٌ وَلَوْشَاءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِینَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

حب کے لئے ایکبار آپنے یہ عمل ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ صلے اللہ پسر محمد ہاتھ تیل منہ چیکنا بیٹھوں سر ڈھاؤ تھک باندھوں ٹھاکر باندھوں باندھوں سگر اگانوں میراں جمن جتی یوں کہیں من موہن میرا ناؤں بجی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اکتالیس بار پڑھکر عطر پر دم کرے اور اس عطر کو دونوں انگوٹھوں کے ناخن پر لگا کر اپنی ابروؤں پر پھیر لے اور مطلوب کے سامنے جائے انشاء اللہ اسکے قلب میں محبت پیدا ہوگی جس زمانہ میں بالزام فساد تھانہ بھون آپ مظفر نگر کے جیلخانہ میں تھے اسی ضلع کے کسی قیدی کو جو نہایت پریشان و ہراساں تھا یہ عمل پڑھکر آپنے عطا فرمایا تھا صبح کو پیشی تھی بفضل خدا رہا ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے بھی یہ عمل منقول ہے مگر اسمیں "بسم اللہ پسر محمد صلی اللہ" مذکور ہے اور نیز یہ کہ ابرو پر عطر لگا کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا ہوا مطلوب کے سامنے جائے واللہ اعلم بالصواب۔

دنیا بڑی بلا ہے اسکی محبت کچھ ایسی لیچڑ ہے کہ اچھے اچھے سمجھدار آدمی اس کے چند روزہ ناپائدار اور فانی ہونے کے والہ و شیدا اور فریفتہ و عاشق زار بنے ہوئے ہیں اللہ والوں کی بربادی کا جب شیطان قصد کرتا ہے تو عموماً اس محبت کو عملیات کے پردہ میں لاکر انکی راہزنی کرتا اور مقصود سے کوسوں دور پھینکا کر لیجاتا ہے اسلئے حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس مخمصہ میں خود مشغول ہونے اور اپنی روحانی اولاد کو اسمیں مبتلا ہونیکی اجازت دینے اگر کبھی عملیات کا ذکر آتا تو کچھ بیان فرما دیتے مگر اسکے

ساتھ ہی اُسکا شوق دلوں سے نکالنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے مولوی محمد سہول صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ میرے والد صاحب چونکہ تعویذ گنڈے کرکے لوگوں کو دیا کرتے تھے اب اُن کے انتقال کے بعد لوگ مجھے تنگ کرتے اور تعویذ مانگا کرتے ہیں آپنے ارشاد فرمایا دیدیا کرو انھوں نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں اس عرض سے مقصود یہ تھا کہ حضرت کسی عمل کی اجازت عطا فرمادیں تو نفع زیادہ ہوگا حضرت نے ارشاد فرمایا اُسوقت جو کچھ یاد آجایا کرے لکھکر دیدیا کرو اگر نفع ہوگیا تو تمکو ثواب ملجائیگا اور نفع نہوا تو تمھارا پیچھا چھوٹ جائیگا۔

یہ ہے تعویذ گنڈوں کی اصل حقیقت جسکا مدار اعتدال ہے مگر چونکہ اسپر قائم رہنا دشوار ہے بصورت نفع لوگوں کی تعریف و توصیف کے کلمات سنکر تفاخر و تکبر کا مضمون پیدا ہوتا اور جاہ کی بدولت مرجع خلائق بننا بھلا معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نفع نہونے کی صورت میں ایک انقباض و ندامت اور حزن و رنج پیدا ہوتا ہے اسلئے اول نفس کی اصلاح ضرور ہے جب قابو میں آجائے اور جاہ و شہرت بین الناس سے نجات حاصل ہوجائے اُسوقت نفع رسانی خلق کی نیت سے دوا و دعا کے مثل اللہ کا نام لکھکر کسی کو دیدینا یا پڑھکر دم کردینا بھی مستحسن اور امر نیک بجاتا ہے مگر اس سے پہلے پہلے نفع رسانی خلق کا حیلہ و بہانہ اپنے نفس کی بدتری و سارت حال کا سبب ہوتا ہے اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہ نے جب سے نائب رسول بنکر امت محمدیہ کی تربیت و کفالت کا بوجھ اپنے سر رکھا اور لوگوں کے نفسوں سے زیادہ اُن کے شفیق و خیرخواہ بنکر اُن کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھمادے اس اندیشہ خطرناک مشغلہ میں پڑنے سے اُنکو ہمیشہ بچاتے رہے چنانچہ مولوی محمد سہول صاحب کو تعویذات کی علت غائی سمجھانے کے بعد آپنے یہ تقریر فرمائی کہ مگر تعویذ گنڈوں کے پیچھے زیادہ پڑنا اچھا نہیں ہے اصل مقصود سے انسان رہجاتا ہے اسکے بعد اپنا قصہ نقل فرمایا کہ مجھے ابتداء میں تعویذ گنڈوں کا زیادہ شوق تھا ایک شخص نے ایک دفعہ مجھسے حرز کا تعویذ مانگا میں نے ایک قلمی پرانی کتاب سے جو میرے گھر میں خاندانی تھی نقل کرکے دیدیا۔ خدائی شان کہ اُسی روز اُسکا مقصود حاصل ہوگیا۔ کامیابی کے بعد اُس نے مجھسے اپنا حال بیان کیا تب معلوم ہوا کہ اُسکو کسی اجنبی عورت سے تعلق تھا یہ سنکر مجھے بڑی ندامت ہوئی اُسی وقت گھر میں آکر میں نے اُس کتاب میں آگ لگادی کہ مبادا پھر کوئی اُس سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھالے۔

اصلاح خلق کے مرتبہ میں جو طبعی خیالات حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ان الفاظ سے ظاہر ہو رہے ہیں اُنکی رفعت شان اور علو مرتبت کا ادراک بڑے ہی لوگوں کا کام ہے مجھ جیسے نادان و کم فہم کے لئے اتنا کافی ہے کہ چونکہ اس مضمون کے ساتھ حضرت کی دلچسپی ثابت نہیں ہوئی اس لئے یہ عنوان اُس حد پر میں نہیں پہنچا سکتا جس سے ناظرین اچھی طرح محظوظ ہو سکیں یا اُن کا جی سیر اور خواہش پوری ہو جائے کئی وجوہات ایسی ہیں جنکا مقتضی یہ تھا کہ یہ عنوان ہی درج سوانح نہ ہوتا مگر محض اسوجہ سے کہ سوانح پر نقصان کا الزام قائم ہو اسکو شامل کیا گیا اور اس خیال سے کہ اصلاح حال و پختگی ایمان کے بعد تاہم عملیات و نقوش کسی درجہ میں سبب منفعت ہیں چند اعمال ہدیۂ ناظرین کر دئے گئے خدا کرے کہ یہ اُسی مرتبہ پر قائم رہیں جو حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک ان کیلئے مقرر ہوا اور اہل اللہ نے ظاہر کر دیا ہے ورنہ اسمیں مبتلا ہو کر اصل مقصود یعنی اپنے سچے آقا کی رضا جوئی سے محروم رہنا بڑے خسارہ کی تجارت ہے جسمیں شغف و انہماک تو درکنار بچنے کی توفیق اور مشغولیت تو درکنار جسسے پناہ مانگنے کی ضرورت ہے

مولوی نظر محمد خاں صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت میرے دشمن بہت ہیں اور خون کے پیاسے ہیں کچھ پڑھنے کو بتلا دیجئے جس سے وہ مقہور و ذلیل ہو جائیں آپ نے ارشاد فرمایا کسی کے مقہور و ذلیل ہونے سے تمہیں کیا لینا یا عرض پانچسو بار روزانہ پڑھ لیا کرو انشاء اللہ اُن کے شر و مکر سے محفوظ رہو گے۔

ایکبار آپنے درد کی داڑھ کا چھاڑن ایک شخص کو بتایا ہم ایک تم بتیس ہمری تمری کیسا لیس" بتیس کی یاء کو آپ نے مجہول پڑھا اور فرمایا کہ بزرگوں کی زبان سے جسطرح پر الفاظ نکلتے ہیں خدا تعالیٰ اُسی میں اثر دیتا ہے۔

خاص خاص عملیات حضرت امام ربانی سے کہیں اور کسی کسی موقع پر ثابت ہیں ورنہ عموماً عام امراض کے لئے آپ کاغذ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھکر اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تحریر فرماتے اور بعد میں حروف تہجی یعنی ۱۱۱۱ھ ۱۱۱۱ھ لکھکر تعویذ بنا کر سائل کے حوالہ فرما دیتے تھے آپکی ظاہری بینائی جانے کے بعد حضرت قدس سرہ کی اجازت سے یہی تعویذ مولوی محمد یحییٰ صاحب لکھکر قلمدان میں رکھ لیا کرتے تھے جو روزانہ پچاس ساٹھ بلکہ سو سوا سو تک تقسیم ہو جاتے تھے جو بھی حاضر آستانہ ہوتا ایک دو چار تعویذ ہمراہ لیجاتا اور جسکی درخواست بذریعہ تحریر ڈاک میں آتی یہی تعویذ اُسکو

"اس دعا کی فضیلت اور شرائط" صفحہ ۱۲

لفافہ میں رکھکر بھیجدیا جاتا باذن اللہ تعالیٰ اسی سے ہزاروں مرضی کو شفا حاصل ہوئی اصلی سے سیکڑوں حاجات پوری ہوئیں پندرہ کا نقش عاملوں کے یہاں مشہور ہے جسکو کسی عامل نے ان دو شعروں میں بیان کیا ہے ؎

صفر و سہ الف سائبانے بر سر	جیم کج و کور نردبانے بدو در
چہار الف مساوی ہاء و او معکوس	اینست ز اسماء اللہ اکبر

(عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے)

اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے غرض جملہ حرکات و سکنات اور انتقالات و حالات میں وہ اذکار آپکے معمول اور ورد زبان تھے جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں احزاب متداولہ میں کوئی حزب آپکا معمول نہیں دیکھا گیا۔ آپکی لطیف نسبت عبدیت حق تعالیٰ شانہ کے نازل فرمائے ہوئے قرآن مجید اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ادعیہ ماثورہ و اذکار منقولہ کے ساتھ اسدرجہ مانوس تھی کہ دوسری جانب توجہ و میلان کی گنجایش بھی نہ تھی ہاں خدام میں جو کوئی آپ سے کسی حزب یا ورد کی اجازت مانگتا آپ اسکی بطریق مناسب اجازت دیدیا کرتے تھے چنانچہ حصن حصین حزب البحر حزب الاعظم صلوٰۃ تنجینا وغیرہ کی اجازت آپکے سیکڑوں خدام کو آپکی طرف سے حاصل ہے ایک مرتبہ کوئی طالب حزب البحر کی آپ سے اجازت لینے کو سبق ناغہ کرکے پانی پت سے گنگوہ آئے ایک ورد کی اجازت کو اتنا اہتمام بالشان بنانا کہ تعلیم دین و درس حدیث چھوڑکر اسکے لئے سفر کیا آپکو پسند نہیں آیا بلکہ ناخوشی ظاہر فرمائی مگر اجازت دیدی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے حزب البحر کی اجازت ہے مگر میں پڑھتا نہیں اسی مجمع میں مولوی ولایت حسین صاحب نے حزب البحر کی اجازت چاہی آپنے ان کو بھی عطا فرمادی۔

احزاب متداولہ میں اگر آپکو کچھ انس تھا تو حزب الاعظم سے تھا اور وہ بھی اسوجہ سے کہ اسمیں قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی دعائیں منتخب کرکے جمع کی گئی ہیں بعض احزاب کے بعض الفاظ آپ پسند بھی نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایکبار ارشاد فرمایا کہ جن وردوں میں بعد حد معلوم لکھے لوگ پڑھتے ہیں میں اسکو پسند نہیں کرتا کیونکہ اس سے معلومات باری تعالیٰ کے متناہی ہونے کا شبہہ پیدا ہوتا ہے حزب البحر اور حزب الاعظم سے اسماء اللہ بدرجہا تقطیع پر خاص صحت و اظہار خلوص کیساتھ زبردست میں

احزاب و اوراد کی اجازت دینے میں آپکو مطلق ..... بخل نہ تھا مگر چونکہ سنت نبویہ کے ساتھ آپکو بالطبع انسیت و محبت تھی اسلئے عملیات کی طرح احزاب میں بھی ... انہماک کہ تلاوت قرآن مجید و درس احادیث شریفہ سے بے توجہی ہو جائے آپکو مطلق نہیں بھاتا تھا ایکمرتبہ آپنے ارشاد فرمایا کہ درود تنجینا کی اجازت مجھے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دی تھی کہ مہمات میں ایک جلسہ ہزار مرتبہ پڑھا جائے چنانچہ بعض مہمات میں ہمنے پڑھا بھی ہے خدا تعالیٰ نے نجات دی اور شاہ عبدالغنی صاحب نے بسکون نون اجازت دی تھی اور غالباً شیخ مخدوم بخش رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا کہ انھوں نے بتشدید نون اجازت دی تھی اسکے بعد عام حاضرین جلسہ کو مخاطب بناکر فرمایا کہ میں تم سب کو اسکی اجازت دیتا ہوں۔

دلائل الخیرات کی جملہ اجازت آپ اپنے خدام کو بایں سند عطا فرماتے تھے کہ عن الشیخ مخدوم بخش رامپوری عن الشیخ الدلائل الشیخ عبدالرحمن المدنی الی اخر السند

ایکبار آپنے بعض خدام کو دلائل کے اس ورد کی اجازت عطا فرمائی اللھم صل علی محمد و علی آل محمد صلوۃ تکون لک رضیً ولہ جزاءً ولحقہ اداءً واعطہ الوسیلۃ والفضیلۃ والمقام المحمود الذی وعدتہ واجزہ عنا ما ھو اھلہ واجزہ افضل ما جازیت نبیاً عن قومہ و رسولاً عن امتہ وصل علی جمیع اخوانہ من النبیین والصلحین یا ارحم الراحمین کہ جو کوئی سات مرتبہ پڑھا کرے موجب برکات ہے۔

بشارات و شہادات

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا مخدوم العالم اور مقتدائے اہل اسلام ہونا آپکے کمال اتباع شرع اور صاحب استقامت فی الدین ہونے سے ایسا ظاہر ہو چکا تھا کہ کسی کو آپ کا دامن پکڑنے سے انحراف و اعراض جایز نہ رہا تھا پھر آپکا مستجاب الدعوات اور معاذ و ملاذ خلق اللہ ہونا آپکے علو مرتبت و رفعت منزلت اور تقدس و تقرب خداوندی کا ظاہر کرنیوالا جداگانہ تھا آپکی دعا دینے والی وہ زبان جسکی حفاظت حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہوتی تھی آپکی ولایت و غوثیت کا ہر وقت ثبوت دیتی تھی اور آپکا ظل عاطفت و توسل جسکے ذریعہ سے ہزارہا انسان کی حاجات براری ہوئی جدگانہ آپکی مقبولیت و محبوبیت کو عام

آشکار کر رہا تھا یا ان ہمہ آپ سے کرامات وخرق عادات کا صدور اور کشوف کو نیز وزمانیہ کا ظہور علیحدہ آپکے کمالات علمیہ وعملیہ کی تائید کر رہا تھا۔ اسقدر دلائل واضحہ اور بینات ظاہرہ کی شہادت عادلہ کے موجود ہوتے ہوئے جا جت نہ تھی کہ اور کوئی حجت قائم کیجائے مگر چونکہ آپکا منصب جسکا مقتضی اصلاح خلق ہے کمال ہدایت کا خواہشمند تھا اسلئے زمانہ کے اکابر وخاصان خدا کی شہادات اور عالم منام وواقعہ کی بشارت کے ذریعہ سے بھی خود اپکو واپکے متوسلین واہل عصر مسلمین کو جتلایا گیا کہ ولایت میں آپکا مرتبہ کیا ہے ہم اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی وہ مراد جسکی طلب آستانہ امدادیہ پر حاضر ہوتے ہی آپکی رگ وپے میں سرایت کر چکی تھی نادیہ خمول وگوشہ گمنامی میں بیٹھکر بھی اسی عزم وپختگی ہمت کے ساتھ حاصل کرتے جیسی عالم میں مشہور ومعروف ہوکر آپنے حاصل فرمائی مگر جس طرح اہل حق کی طبائع مختلف نگاہ سنت مختلف آثار وثمرات مختلف ہیں اسی طرح اہل ارشاد کے ذوق مختلف اور خدمات ومناصب جداجدا ہیں صناع لم یزل جلت قدرتہ نے جو کام اپنے جس بندہ سے لینا چاہا لیا اور بندہ نواز خدا نے جس مقبول بندہ کو جس خدمت کا اہل اور قابل پایا اسکے اسباب مہیا فرما کر انجام پر پہونچایا اور چونکہ امام ربانی قدس سرہ کا منصب فیض نبوت کی نیابت اور اصلاح اعمال خلق تھا اسلئے آپکی ولایت وقطبیت کو اسدرجہ واضح اور جلی کرنا مناسب تھا کہ عوام وخواص میں کسی شخص کو عذر کی گنجایش باقی نہ رہے اور آپکا حجۃ اللہ فی الارض ہونا کالشمس فی نصف النہار ظاہر ہوکر عالم میں آشکار ہوجائے لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ ۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہٗ فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی ولایت ومقبولیت تو ظاہر ہے مگر اولیاء اللہ کے مراتب مختلف ہیں خدا جانے حضرت کا مرتبہ کیا ہے؟ ایک دن کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت قدس سرہٗ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور میں سامنے بیٹھا ہوں ایک بزرگ عصا ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے اور حضرت کی طرف اشارہ فرما مجھ سے مخاطب ہوکر یوں ارشاد فرمایا کہ دیکھلو یہ قطب الارشاد ہیں اسکے بعد فوراً آنکھ کھلگئی اور دلکو اطمینان ہوگیا

حضرت مولانا ممدوح نے ایک خواب حضرت کے وصال کے بعد دیکھا کہ کسی موقع پر مولانا نے حضرت کے علم مبارک کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہا تو کسی کہنے والے نے یوں کہا کہ نہیں قدس سرہٗ یا قدس اللہ سرہٗ کہو مولانا مدظلہ نے اسکی تعبیر خود ہی اسطرح تحریر فرمائی ہے کہ اس خواب کا

یہ مطلب نہیں کہ رحمۃ اللہ علیہ کہنا ممنوع ہے یا یہ کہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مفہوم میں قدس سرہ سے گھٹا ہوا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ و عبارات متحدہ المعنی میں حسب عرف کچھ تغایر واہ تمایز بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ اسی بنا پر صلی اللہ علیہ وسلم بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی پر اطلاق نہیں کیا جاتا رضی اللہ عنہ بجز صلحاء کے کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا اسی طرح اسوقت عرفاً رحمۃ اللہ علیہ عموماً صلحاء کے لئے بولا جاتا ہے اور قدس سرہ اکابر اولیاء کے لئے مستعمل ہوتا ہے پس مقصود اس جواب سے تنبیہ تھی کہ حضرت مولانا اس درجہ کے اکابر میں سے ہیں واللہ اعلم۔

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی دام مجدہ ایکبار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر سرہند شریف حاضر ہوئے تو آپکو معلوم کرایا گیا کہ امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد ہیں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی مدت فیوضہ جو حضرت امام ربانی قدس سرہ کے خلفاء کاملین میں صاحب حالات عجیبہ و واردات غریبہ ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ اس عاجز کو جو معلوم کرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے حضرت قدس سرہ اس زمانہ کے قطب الارشاد تھے آپکا لقب عالم بالا میں مخدوم العالم ہے آپ ولایۃ النبوۃ و مقام محمدی میں نہایت راسخ القدم ہیں اولیاء امت محمدیہ میں بہت کم ایسے ہوئے ہیں کہ اس مقام عالی میں اسقدر رسوخ رکھتے ہیں یہ مقام حضرت فخر عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم ہے اسی مقام میں عبدیت غالب ہوتی ہے تو جذبہ تجلی ذاتی دائمی کے صاحب اس مقام کا کسی کمال کو اپنی طرف منسوب نہیں پاتا بلکہ تمام کمالات کو راجع بحضرت ذوالجلال والکمال دیکھتا ہے اور نقائص بشریہ کو جو لازم انسان ہیں اپنی طرف منسوب دیکھکر نہایت شرمندہ ہوتا ہے اور جسم عجز و احتیاج ہوتا ہے جسقدر اس مقام عالی میں رسوخ ہوگا اسی قدر محض بیکار گنہگار محتاج و عاجز اپنے آپکو دیکھیگا۔

مولانا مخلص الرحمٰن صاحب بنگالی دام مجدہ جب دیوبند میں تحصیل علم فارغ ہوئے تو گنگوہ حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے دو ارادے ہیں ایک یہ کہ حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر کے ذکر شغل کروں اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید حفظ کروں اب جسطرح حضرت ارشاد فرماویں اسکی تعمیل کروں آپنے فرمایا اول قرآن شریف حفظ کرو اسکے بعد دیکھا جائیگا۔ مولوی مخلص الرحمٰن صاحب اس مشورہ پر پانی پت آ کر دو سال محنت کر کے قرآن شریف حفظ کیا اس سے فارغ ہو کر دوسرا ارادہ کو پورا کرنے کے لئے

گنگوہ آنا چاہا مگر خرچ پاس نہ رہا تھا آخر دس روپیہ قرض لیکر حضرت کے آستانہ پر حاضر ہوئے چونکہ وطن سے آئے ہوئے عرصہ گذر گیا تھا اسلئے یوں خیال تھا کہ حضرت سے ذکر شغل پوچھکر اور دو ماہ حاضر خدمت رہکر مکان چلا جاؤنگا یہاں پہونچے تو حضرت نے معمولی طور پر بیعت فرمالینے کے بعد نہ ذکر تعلیم فرمایا نہ شغل یہانتک کہ جب کئی مہینے اس حالت میں گذر گئے تو انکا جی گھبرایا اور دل میں کہنے لگے کہ تیرا قصد تو دو مہینہ یہاں رہکر وطن جانے کا تھا اور یہاں کئی مہینہ ہوئے ابھی ذکر بھی تعلیم نہیں ہوا اس حساب سے تو عمر یہیں گذر جائیگی اس خیال کے بعد دوسرے روز انہ پر جانے کا وسوسہ پیدا ہوا اور لوگوں سے دریافت کرنا شروع کیا کہ ان اضلاع میں کوئی اور بزرگ بھی ایسے ہیں جہاں میرا مطلب حاصل ہو جائے؟ بار بار استفسارات پر لوگوں سے معلوم ہوا کہ پیلی بھیت میں ایک مشہور بزرگ سنتے ہیں کیا عجب ہے کہ وہاں چند روز رہکر کچھ حاصل ہو اور جلد فراغت ملجائے اس اطلاع پر انکا دل خوش ہوگیا اور انہوں نے مولانا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط لکھا جس میں مفصل اپنا قصہ اور حال عرض کر دیا۔ یہ لفافہ ناوقت ہونے کی وجہ سے ڈاک میں نہ پہنچ سکا اور مولوی مخلص الرحمن صاحب سوگئے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ انہیں کو مخاطب بناکر فرمارہے ہیں کہ مخلص الرحمن قطب وقت کو چھوڑکر کہاں جاتا ہے؟ اسکے بعد دفعۃً آنکھ کھل گئی دیکھا کہ طبع کا حال دگرگوں تھا اور یوں جی چاہتا تھا کہ چاہے عمر گذر جائے مگر پڑا رہونگا یہیں"۔

طلب صادق جسکا انتظار تھا چونکہ پختہ ہوگئی تھی اسلئے فضل حق تعالیٰ نے رہبری فرمائی عزم میں استقلال پیدا ہوا اور نہال مراد میں پھول آنے شروع ہوئے طبیب امت شیخ کے تصرفات دستگیری فرمائی اور اسی دن حضرت امام ربانی قدس سرہ نے انکو اپنے پاس بلاکر خود بخود ذکر یا بالجہر تعلیم فرمایا پہلے ہی دن مولوی مخلص الرحمن صاحب ذکر سے فارغ ہوکر سوئے تو خواب میں دیکھا گویا حضرت امام ربانی نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں دیدی انکو معلوم ہوا کہ اسوقت انکے قلب سے اللہ کی آواز اس زور سے نکلی جیسے اونٹ کی آواز ہوتی ہے یہ خواب دیکھکر آنکھ کھلگئی صبح کو جب حضرت سے خواب عرض کیا تو آپ نے فرمایا "بارک اللہ تمہارے قلب میں ذکر کا اثر شروع ہوگیا" اسکے بعد آپنے پاس انفاس تعلیم فرمایا ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے کہ کچھ سکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ سامنے سے تشریف لئے جارہے ہیں

چلتے چلتے انکو مخاطب بنا کر اس طرح امر فرمایا کہ دیکھو جو کچھ چاہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا
مولوی احمد صاحب بیملک ضلع سورت کے رہنے والے تھے جسوقت دیوبند میں علوم شرعیہ پڑھتے
تھے اُسی وقت سے اللہ کا نام سیکھنے کی دل میں طلب تھی۔ اور چونکہ جوان صالح تھے اسلئے اکثر رویا
صالحہ نظر آتی تھیں خوابوں میں یہ بات انکو معلوم ہو چکی تھی کہ گنگوہ حاضر ہو کر اللہ کا نام سیکھنا چاہئے مگر
چونکہ حضرت کی عادت سے واقف تھے کہ طالبعلم کو بیعت نہیں فرماتے اسلئے عرض کی جرأت نہ کر سکتے
تھے اسی فکر میں تھے کہ ایک شب خواب دیکھا ایک باغ ہے بہت بڑا جسمیں طرح طرح کے پھلدار درخت
لگے ہوئے ہیں یہ باغ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا کہلاتا ہے اسی باغ میں انھوں نے اپنے آپکو
دیکھا کہ اندر گئے اور دو تین امرود توڑ کر کھائے" دفعۃً آنکھ کھلگئی تو سمجھ گئے کہ انشاء اللہ حضرت کے فیض سے
محروم نہ رہونگا آخر ماہ شعبان میں گنگوہ حاضر ہوئے تو بیعت کی درخواست کی اور حضرت نے منظور فرمائی
مگر ذکر شغل کچھ تعلیم نہیں فرمایا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ یہاں رہو تو کچھ بتاؤں ورنہ نہیں چونکہ ان کو وطن
چھوڑے مدت ہوئی تھی والدہ کی زیارت کو بہت جی چاہتا تھا اسلئے خانقاہ میں ٹھیر نہ سکے اور صرف
بیعت ہو کر بحصول اجازت وطن واپس ہو گئے اگرچہ صرف بیعت ہوئے تھے مگر تصرفات کے آثار اور
برکت و توجہ کے ثمرات سے محروم نہ تھے حق تعالیٰ کا خوف اور خشیۃ دل میں ایسا پیدا ہو گیا تھا جسکا وجود
طالبعلمی کے زمانہ میں بھی نہ تھا فرائض کی پابندی کا ایک خیال قایم ہو گیا تھا کہ نماز قضا نہ ہونے پائی
تھی۔ قلب میں ایسی چمک محسوس ہوتی تھی جو طاعات کی طرف شوق دلاتی اور حصول رضاء خالق
جل و علیٰ شانہ کو دیگر مرغوبات پر ترجیح دیتی تھی مگر چونکہ کچھ کتابیں معقول کی پڑھنے سے رہگئی تھیں اسلئے
اُن کی تکمیل کا خیال مقدم تھا چنانچہ ٹونک پہونچے اور فلسفہ و منطق میں مشغول ہو گئے آٹھواں یا
نواں دن تھا کہ خواب میں دیکھا ایک بہت بڑا دریا ہے جسکو انھوں نے ایک دم میں عبور کر لیا ہے
اُس دریا کے پرلے کنارے پر حضرت مولانا کھڑے تھے اور انکو اپنی طرف بلا رہے تھے یہ خواب دیکھکر
جب انکی آنکھ کھلی تو دل میں ایک وحشت اور گھبراہٹ موجود تھی آخر وہاں سے چلدئے اور دیوبند
آئے یہاں ایک سال رہکر ساری بقیہ کتابیں ختم کیں اور پھر گنگوہ حاضر ہوئے ذکر شغل شروع
کیا اور نعمتوں سے متمتع ہوئے مگر افسوس چند ہی ماہ بعد حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہو گیا اور انکو
صرف تو مہینے خانقاہ میں رہکر وطن واپس ہونا پڑا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے بلانے پر گنگوہ پہونچے ضرور مگر یہ تکمیل معقولات میں ایک سال گذارا اس مدت میں بہتیری خوابیں انکو نظر آئیں جو قریب قریب تصریح کے تھیں کہ وقت کو غنیمت سمجھو اور گنگوہ جاؤ مگر تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اُس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ کی مشیت سب پر غالب ہے سو ہی ہوا جو کاتب ازل نے لکھا تھا۔ تاہم حضرت قدس سرہٗ کے فیوضات و تصرفات سے محروم نہ رہے اس ایک سال میں ان کے کئی قریبی رشتہ داروں کا انتقال ہوا جنکی مفارقت دنیاویہ سے دلو بندہی میں مطلع ہوئے مگر الحمد للہ بیتاب اور از جا رفتہ نہ بنے پورے سال بھر تکمیل علم میں مشغول رہے ادھر اسکے بعد نو ماہ گنگوہ میں قیام بھی کیا ان کے اکثر عزیزوں نے طاعون میں وفات پائی جنکو مولوی احمد صاحب اکثر خواب میں دیکھا کرتے کہ وہ نہایت خوش اور بشاش ہیں نیز انکو نصیحت کرتے ہیں کہ احمد گنگوہ میں حضرت مولانا کے پاس تم جلدی جاؤ اور وہاں رہکر ذکر شغل کرو دیکھو پھر ایسا موقع کبھی نہ ملیگا۔

ایک مرتبہ انھوں نے اپنی خالہ کو جو نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ عورت تھیں خواب میں دیکھا فرماتی ہیں کہ احمد تم حضرت مولانا سے فقط مرید ہوئے ہو اس سے تمہیں زیادہ فائدہ نہیں ہے اگر تم وہاں پہونچکر ذکر و شغل کرو تو تمکو بہت نفع ہو ایسے شیخ سے مرید ہونے کا فائدہ نہیں اسیوقت حاصل ہوگا جبکہ ان سے ذکر شغل جاکر کرو۔

ایک بار خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ کھڑے ہیں اور خاص انکو مخاطب بنا کر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ گجرات میں مدرسہ بنانے سے گنگوہ شریف میں حضرت مولانا کے یہاں رہنا بہت عمدہ اور تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ ایسی کھلی ہوئی خوابیں انکو نظر آتی تھیں مگر پھر اس خیال سے کہ ناتمام کتابوں کی تکمیل کا وقت دوبارہ ملنا مشکل ہے بدرس میں مصروف تھے ہاں عجلت ضرور کرتے تھے کہ کسی طرح جلد ختم ہو جاویں آخر ایک خواب اور دیکھا کہ ان کے اور گنگوہ کے درمیان ایک نہایت عظیم الشان سمندر حائل ہے یہ معہ اپنے چند ہم سبق طلبہ کے اسکے کنارے پر کھڑے اور گنگوہ پہونچنے کا ارادہ کر رہے ہیں چنانچہ ہمت کرکے آپنے قدم ڈالدیا اور پار اُتر گئے وہاں ایک جامن کا درخت کھڑا ہے ان کے ہمراہی رفقاء جامنیں کھانے میں مصروف ہو گئے اور یہ سیدھے گنگوہ پہونچے دیکھا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تشریف فرما ہیں آپکے خدام و متوسلین آپکے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں اور حضرت قدس سرہٗ جس مرید کیطرف توجہ فرماتے ہیں اُسی طرف استغراق فرماتے ہیں" یہ دیکھکر انکی آنکھ کھل گئی مولوی احمد صاحب نے سارا خواب لکھکر تعبیر کے لئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب کیخدمت میں بھیجا مولانا نے تحریر فرمایا یہ

دیا علم کا ہے تم اسکو طے کر کے گنگوہ پہونچو گے اور تمہارے ہم سبق طلبہ اپنے دنیاوی مشاغل میں مشغول ہو جائینگے انشاء اللہ تمہاری اندرونی خرابیاں سب نکل جائینگی جو شیخ کے منہ سے سنے کی صورت میں تمکو نظر آئیں حضرت کا مریدین کی جانب متوجہ ہو کر استفراغ کرنا مریدین کے مفاسد باطنیہ کا وہ اخراج ہے جسکو توجہ اور تصرف سے تعلق ہے" اس خواب پر آخر کار مولوی احمد صاحب گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت سے اجازت لیکر خانقاہ میں قیام فرمایا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شام کو آنا تمکو کچھ بتلاؤنگا چنانچہ مغرب کے بعد اس سے قبل کہ یہ حاضر خدمت ہوں خود ہی حضرت نے بلا بھیجا اور بارہ تسبیح ذکر بالجہر کی تعلیم فرمائیں۔

ذکر کے دوسرے دن اعلیحضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ حضرت حاجی صاحب ایک ایسے عظیم الشان دربار میں تشریف فرما ہیں جہاں بکثرت علماء موجود ہیں اسی حال میں ایک بڑے عالم کے توسط سے یہ بھی حضرت حاجی صاحب تک پہونچائے گئے اسوقت حضرت حاجی صاحب نے انکو بارہ تسبیح تعلیم فرمائیں یہ دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی اس خواب سے انکو اطمینان ہو گیا کہ حضرت مولانا کی تعلیم بجنسہ حضرت حاجی صاحب کی تعلیم ہے اور وہ وسوسہ رفع ہو گیا جو ظلمت فلسفہ کی بدولت دونوں حضرات میں تخالف کا پیدا ہو گیا تھا اب انکا قیام خانقاہ میں خالص محبت و حسن عقیدت کے ساتھ ہوا اور موسلا دھار بارش کی طرح برسنے والے فیوضات سے مستفیض ہونے لگے اشراق قیام خانقاہ ہی میں انکو یہ خواب نظر آیا کہ گویا اعلیحضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ذکر شغل کی تعلیم حاصل کرتا ہوں اس قسم کی خوابوں سے انکا یقین بڑھتا رہا کہ حضرت کی تعلیم اعلیحضرت کی تعلیم سے ذرہ برابر متجاوز و متفاوت نہیں اور حضرت امام ربانی قدس سرہ اعلیحضرت فانی فی اللہ حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے سچے جانشین ہیں جو شبہ مانع استفاضہ تھا چونکہ رفع ہو لیا اور حجاب حائل درمیان سے اٹھ لیا تھا اسلئے جو کچھ مقدر تھا حاصل کیا اور الحمد للہ سیکڑوں سے بہتر حاصل کیا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

منشی رحمت علی صاحب موضع رائے پور گوجران ضلع جالندہر کے سرکاری مدرسہ میں مدرس ہیں ابتداء میں بدعات سیئہ و رسومات مخترعہ میں بدرجہ غایت منہمک تھے حضرت حافظ محمد صدیق صاحب دام مجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ پڑھا اور مسائل شرعیہ سے واقفیت پر عقاید کی فی الجملہ اصلاح کی چونکہ منشی صاحب کو ابتداء سے حضرت پیران پیر عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ خاص محبت و عقیدت تھی اسکی بدولت انکو شیخ کے ساتھ ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ اکثر مہمات کے وقت حضرت شیخ خواب میں تشریف

لاتے اور رہبری فرمایا کرتے تھے نیز اسی محبت کا ثمرہ تھا کہ زمانہ ناواقفیت ہی میں اسکی تمنا تھی کہ کسی شیخ کا دامن پکڑوں اور اللہ کا نام سیکھوں حافظ محمد صالح صاحب دام مجدہ کی شاگردی کے زمانہ میں اکثر حضرت مولانا قدس سرہٗ کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یوں خیال کئے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لاکر خود ارشاد نفرمادینگے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو اسوقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ ہونگا۔ اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اسکے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اسکے مناسب ہوتا ہے وہی بتلاتے ہیں" اسکے بعد انکی آنکھ کھلگئی دیکھا تو قلب میں ایک سکون اور طمانینۃ کا اثر موجود تھا لہذا اس ہمہ حضرت امام ربانی کی طرف وہ میلان طبع نہوا جو حاضری آستانہ پر مجبور بنا دیتا چند روز بعد حضرت پیران پیرؒ کی زیارت سے دوبارہ مشرف ہوئے اور پھر سہ بارہ اور چوتھی مرتبہ غرض متواتر کئی بار یہی خواب نظر آیا کہ حضرت پیران پیرؒ ارشاد فرماتے ہیں مولانا رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے دونوں علم پورے عطا فرمائے ہیں" نیز خواب ہی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی انکو زیارت کرائی گئی اور دکھایا گیا کہ یہ شخص ہیں جنکی خدمت کا بارہا انکو حکم دیا جاتا ہے" اس سے قبل انکو حضرت کی زیارت کا کبھی اتفاق نہوا تھا آخر ۱۲۹۰ھ میں بعد نماز عید جبکہ دہلی میں دربار منعقد ہوا تھا ان کو گنگوہ میں حاضری نصیب ہوئی اور جب حضرت کے چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو فوراً پہچان لیا کہ یہی ہیں جنکو خواب میں دیکھا تھا حضرت امام ربانی نے بھی انکو بیعت کرنے میں تامل نہیں فرمایا تو بہ کرائی اور ذکر و شغل تعلیم فرمادیا اسی جلسہ میں انھوں نے تصور شیخ کے متعلق دریافت کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ انجام میں شرک ہو جاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص ذہین اور سلیم الطبع ہو وہ تصور شیخ رکھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مولوی سراج احمد صاحب گنگوہی حضرت شیخ عبد القدوس قدس سرہٗ کی اولاد میں ایک شخص ہیں باوجودیکہ حضرت امام ربانی سے تلمذ حاصل تھا اور خدمت میں بہت دنوں رہے مگر بجائے حسن عقیدت کے بدعقیدگی لئے ہوئے تھے اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ پیرزادگی کے سبب عرس وغیرہ کی طرف میلان تھا اور

حضرت اسکے مخالف تھے غرض مولوی سراج احمد صاحب ادھر ادھر اس تلاش میں پھرا کرتے تھے کہ کوئی باکمال ملجائے تو مرید ہو جاؤں اتفاق سے ایک شخص سہارنپور میں آئے خلاف شرع اور پکے دنیادار مگر لوگ انکی طرف جوق جوق لپکتے اور ولی کامل سمجھتے تھے وجہ یہ تھی کہ پاس بیٹھنے والوں کے دلوں کی بات بتا دیا کرتے تھے چونکہ عوام کے نزدیک کمال کا معیار ایسی ہی باتیں رہگئی ہیں اس لئے سیکڑوں مرید ہوگئے مولوی سراج احمد صاحب بھی اسبات پر ریجھ گئے اور بیعت کی درخواست کی پیرجی کو معلوم تھا کہ یہ پیرزادے شیخ کی اولاد اور حضرت مولانا کے شاگردوں میں ہیں انکا مرید بنانا انکے لئے باعث فخر ہوگا اس لئے ان کے خیال پر مسرت ظاہر کی اور فرمایا کہ جب گنگوہ آؤنگا اسوقت وہیں تمہیں کرونگا اسمیں یہ نفع بھی ہوجائیگا کہ ادھر گنگوہ کے پیرزادوں پر سکہ جم جائیگا اور عزت ہونے لگے گی ادھر حضرت مولانا پر تفاخر کا موقع ملیگا کہ خاص شاگرد اور برسوں خدمت میں رہنے والے کو توڑا اور اپنی طرف کھینچا قصہ مختصر چند روز بعد یہ صاحب گنگوہ آئے اور مولوی سراج احمد کو اطلاع کرائی یہ خوشی خوشی بیعت ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے اتفاق سے اسوقت انھوں نے یہ جواب دیا کہ شام کو بیعت کرونگا شام نہونے پائی تھی کہ مولوی سراج احمد صاحب کو دفعۃً ایسی وحشت سوار ہوئی کہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف بھاگ گئے تین دن رات ان کا پتہ نہ لگا کہ کدھر گئے اور کہاں رہے تیسرے دن اس جنون سے کچھ افاقہ ہوا تو گنگوہ واپس آئے اور اس مسجد میں آئے جہاں ان کے شاہ صاحب ٹھیرے ہوئے تھے وہاں سے اپنے بچے کھچے کپڑے اٹھا کر سیدھے جنگل کو ہولئے اور سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے وہاں پہونچکر شاہ صاحب سے بیعت کی خواہش ظاہر کی شاہ صاحب نے تسلی دی اور فرمایا عصر کے بعد آنا اسوقت انشاء اللہ مرید کرونگا یہ جواب سنکر مولوی سراج احمد آپے سے باہر ہوگئے اور سوگئے آنکھ لگتے ہی خواب میں اپنے جد امجد قطب العالم حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ حضرت شیخ نے انکا ہاتھ پکڑا اور حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے پاس لاکر کھڑا کردیا اس کے بعد انکی طرف منہ کرکے ذرا غصہ کے ساتھ یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ کمبخت اپنا گھر چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں مارا پھرتا ہے؟ یہ ارشاد ختم ہوتے ہی آنکھ کھلگئی آخر سائیں توکل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اس سے قبل کہ خواب یا اپنا حال بیان کریں آپنے انکی صورت دیکھتے ہی اپنی پنجابی زبان میں ارشاد فرمایا بھائی کدھر کدھر کیوں مارے پھرتے ہو جاؤ اپنے گھر کو جاؤ اسوقت مولوی سراج احمد صاحب گنگوہ واپس ہوئے اور حضرت سے بیعت ہوکر حسب نسبت بقدر استعداد فیض

اس قسم کی خوابیں ایک دو یا دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں ہیں جو لوگوں کو نظر آئیں اور چونکہ عام لوگوں کو اس قسم کے واقعات اور منامیہ بشارات بہت زیادہ تسلی کا سبب بنتے ہیں اسلئے جب حق تعالیٰ کی رحمت کا سائبان سایہ افگن ہوا ان کو ایسی رویائے صالحہ سے اطمینان دلا کر آپکی خدمت میں بھیجا جاتا اور شک و تذبذب کا پردہ جو بیعت کے استفاضہ سے مانع بنتا تھا اٹھا کر انکو منافع عظمیٰ سے بہرہ یاب کیا جاتا تھا۔

حضرت امام ربانی کے فیوضات ظاہر و تاثیرات کے بکثرت شیوع اور سریع الاثر ہونے کا ایک دیگر وجوہات کے ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ موثر کے قوی التاثیر ہونے کے ساتھ آپکے متوسلین کی جماعت میں انفعال کی قوت پیدا ہو جاتی تھی اور آپکے امتحان کی بدولت طالب کے پختہ ہو جانے کے بعد اطمینان قلب جب شیخ کا مضمون حاصل ہوتا تھا اور پھر جزم اعتقاد جو درحقیقت استفادہ کا رکن اعظم ہے آپکے منتسبین کو عطا ہوتا تھا اس وہبی امر میں حق تعالیٰ کا فضل و کرم مختلف طور پر مخلوق کی دستگیری فرماتا تھا جن میں زیادہ تر ان بشارات منامیہ کا حصہ ہے جنکی تعداد سیکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے۔

ایک شخص پنجاب کے باشندے نہایت دیندار اور صالح تھے انکو بیعت کا خیال ہوا اور کئی دن متفکر رہے کہ کدھر جاؤں اور کہاں بیعت کروں ایک شب اسی سوچ میں سو گئے دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور حضرتؐ ان سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم مولوی رشید احمد ہندی سے بیعت کرو اس سے بہتر اسوقت کوئی نہیں ہے" اسکے بعد آنکھ کھلگئی حضرت امام ربانی کا نام انھوں نے سنا تھا اسلئے فوراً گنگوہ کا ارادہ کر دیا مگر بیچارے فقیر آدمی تھے مسافت تھی دور دراز اور پاس خرچ تھا نہیں اسلئے خاموش ہو کر بیٹھ رہے دوسری شب پھر فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے کہ حضرت دریافت فرماتے ہیں تم گئے نہیں؟ خواب ہی میں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس خرچ نہیں ہے آپنے ارشاد فرمایا خرچ ہم کو بتلا دیگا تم چلے جاؤ یہ سنکر آنکھ کھلگئی حیران تھے کہ کیا کروں سوال کسی سے کر نہیں سکتا قرض کی ہمت نہیں اور پاس پیسے نہیں اسی حیرت میں تھے کہ صبح ہو گئی ایک شخص اجنبی آئے اور سفر خرچ کی مقدار ان کے حوالہ کر کے چلدیئے۔ چونکہ گھر والوں کو بھی خرچ کی ضرورت تھی اس لئے اس رقم میں سے کچھ خرچ انھوں نے گھر میں دیدیا باقی رقم کو دیکھا تو سفر کے لئے ناکافی تھی اسمیں بھی نہ چل سکے تیسری شب پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا اور حضرت نے فرمایا "جاؤ چلے جاؤ تم ہو" اس کے بعد آنکھ کھلگئی صبح کو روانگی کا تہیہ کر دیا اور توکلاً علی اللہ نکل کھڑے ہوئے گنگوہ کے قریب پہونچے تو خرچ ختم ہو لیا

راستہ ہی میں ایک شخص ملے اور مناسب مقدار دیکر چلے گئے چنانچہ اُسکو لیکر گنگوہ حاضر ہوئے اور حضرت سے بیعت ہوکر ذکر شغل کیا۔ چونکہ بڑی سرکار کے بھیجے ہوئے تھے اس لئے حضرت کی خدمت میں ہنو سے بہ نسبت دوسروں کے انکو نفع بھی زیادہ اور بہت جلد ہوا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو جو رویائے صالحہ نظر آئیں وہ خود اس کثرت سے ہیں کہ بیان کیلئے دفتر چاہیئے مگر چونکہ حضرت کی بھاری بھرکم طبع اور عالی ظرف ذات کو اُنکا اظہار پسند نہ تھا اسلئے کل میں جزو غالب کا بھی کسی کو علم نہو سکا اور حقیقت میں ایسا وہ پاک مشغلہ جس نے ایسے مضامین کے اپکو بیان کرنے اور متوسلین کو دریافت کرنے سے بالکل مستغنی دبے نیاز بنا رکھا تھا اسی لایق تھا کہ اپنا بنا کر دوسری حالت سے غافل کردے تاہم کس گفتگو کے ضمن میں تبعاً اپنی زبان سے وہ منامات بھی ظاہر ہوجاتی تھیں جنکو اتباعاً للسنۃ اور بغرض تحدیث نعمت رب بنیت حصول ثواب آپ ذکر فرمادیا کرتے تھے۔

ایکبار آپنے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت سید صاحب قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا آدمی بہت وجیہ اور خوش رو ہیں خواب ہی کے اندر میں نے سید صاحب سے کہا کہ کچھ بتلایئے سید صاحب نے فرمایا کہ نکل جاؤ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تارک سنت نہیں ہوں مگر پھر بھی سید صاحب نے وہی فرمایا اسکے بعد آنکھ کھلگئی میں نے اس خواب کو حضرت مرشدی حاجی صاحب سے عرض کیا مگر حضرت نے کوئی تعبیر بیان نہیں فرمائی آخر میں نے یوں سمجھا کہ حضرت سید صاحب کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اسباب ظاہری میں رہو توسل و انتفاع کا خیال چھوڑ دو۔

ایک مرتبہ آپ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور حضرت شیخ نے مجھے کچھ ذکر تعلیم فرمایا اسکے بعد آنکھ کھلگئی اُسوقت تو شیخ کا فرمودہ ذکر مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا ہاں اتنا یاد ہے کہ وہ ذکر ہمارے خاندان کا مروج ہے۔

ایک بار آپنے فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ داؤد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ ایک سفید چادر بچھونے پر تان رکھی ہے اور اُسپر سفید اُمد کی دال پڑی ہوئی ہے ایک جانب تو حضرت شیخ خود بیٹھے ہوئے کھا رہے ہیں اور دوسری طرف ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ مجھکو بلاتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں آکر خوشی کر۔

ایک بار فرمانے لگے کہ عرصہ ہوا میں نے خواب میں حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ حضرت قطب العالم اور مولوی محمد غوث صاحب جو علم فارسی میں میرے اُستاد تھے پہلوانوں کی طرح بغل

کشتی کر رہے ہیں میں دونوں حضرات کو لڑتا ہوا اور مولانا محمد غوث صاحب کو پچھڑا ہوا دیکھکر بھاگ آیا اسکے بعد آنکھ کھلگئی میں نے اس خواب کو شرم کے سبب مولوی صاحب سے کبھی ذکر نہیں کیا اور نہ اسوقت خواب کی تعبیر سمجھ میں آئی اب خیال میں آیا کہ حضرت شیخ قدس سرہٗ مولوی صاحب کو تعلیم فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں اپنے مکان ہوں اور حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ پر علامت شروع تعمیر جیسی ہو رہی ہے میں وہاں کو بدقت تمام کلکر خانقاہ میں گیا اسکے بعد آپنے تعبیر کچھ بیان نہیں فرمائی اور بات ظاہر ہے محتاج تاویل ہے بھی نہیں۔

ایکبار آپ نے فرمایا کہ جب میں حج بیت اللہ کو گیا تو ایک دن جناب حاجی صاحب کے چبوترہ پر پڑکر سو گیا دیکھتا ہوں کہ میں کسی کوچہ میں ہوں اور چند آدمی جو تقریباً چالیس ہونگے مجھسے آگے جا رہے ہیں خواب ہی میں میری سمجھ میں یوں آیا کہ یہ لوگ ابدال و اقطاب اور یہاں کے اہل خدمت ہیں میں نے خواب ہی میں دعا مانگی کہ الٰہی مجھے ان کے ساتھ لاحق کر دے یہ دعا مانگکر میں انکے پیچھے دوڑا اور لپک کر ان میں شامل ہو گیا اسکے بعد آنکھ کھلگئی اور میں اٹھ بیٹھا جب مرشدنا حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے یہ خواب عرض کیا حضرت مسکرا کر فرمانے لگے لاحق تو ہو گئے اب کیا چاہتے ہو؟

ایک مرتبہ مجلس پر انوار میں خدام منتسبین کا مجمع حاضر تھا کہ خوابوں کا تذکرہ شروع ہو گیا آپنے فرمایا ایکبار میں نے خواب دیکھا کہ میری چچا انگلیوں سے خون جاری ہے دو سے زیادہ اور تیسری سے کم اور چوتھی سے اور کچھ کم خواب ہی میں میں نے کہا کہ تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہونگی اسکے بعد آنکھ کھلگئی ایکبار اتفاق ہوا کہ میں نے اس خواب کو جناب مولانا مظفر حسین[1] صاحب کاندہلوی سے ذکر کیا تو سنتے ہی مولانا نے فرمایا کہ تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہوگی اس کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بکمال تواضع فرمانے لگے کہ اسوقت سے ابتک منتظر ہوں اگر مولانا مظفر حسین صاحبؒ زندہ ہوتے تو عرض کرتا کہ آپ ہی نے تعبیر فرمائی تھی لیجئے اب کچھ کیجئے۔ ایک بار آپنے ارشاد فرمایا میں نے خواب میں حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ اپنی خانقاہ کی چوکھٹ کو پکڑے ہوئے کھڑے ہیں اور درود شریف اس طرح پڑھ رہے ہیں جیسے کوئی کسی کو سنا کر تعلیم کرتا ہے وہ درود شریف یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ اسکے بعد آنکھ کھلگئی آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں نے اس درود شریف کو بکثرت پڑھا اور بہت برکات دیکھیں۔

ایک مرتبہ آپ فرمانے لگے میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ ایک نہر ہے اور اسکے کنارہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے آپکو دیکھا مگر ایسا ہی معلوم ہوا اور داہنی جانب آپکے میں کھڑا ہوں اسکے بعد ارشاد فرمایا آخر مقتدی تو امام کے داہنی ہی طرف کھڑا ہوتا ہے۔

ایکبار آپنے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طفولیت کے عالم کی زیارت کرائی گئی اور معصومیت فخر عالم رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجسم ہو یدا کی گئی۔

ایک مرتبہ آپ فرمانے لگے کہ خواب ماڈل بھی ہوتے ہیں ایک زمانہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق مجھپر اسدرجہ غالب ہوا کہ کھانا پینا کم ہوگیا اور درود شریف کی اتنی کثرت کرنے لگا کہ صبح و شام کی غذا کا کام بھی یہی دیتا تھا چہرہ زرد پڑگیا اور جسم لاغر ہوگیا تھا لوگ پوچھا کرتے کہ میاں رشید احمد کیا تم بیمار ہو؟ میں چپ ہو رہتا جواب ہی کسی کو کیا دیتا آخر کچھ دنوں بعد حالت جناب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک موندھے پر دونا فروزیں میں جو اس طرف گندا تو آپنے مجھے حکم فرمایا کہ "فلاں لغیوتی کو بلا لاؤ" یہ ارشاد سنکر میں تعمیل کے لئے چلا اسوقت خواب ہی میں یہ خیال گذرا کہ کپڑے طاہر اور بدن پاک صاف کرکے حضرت کے حضور میں جانا چاہیئے غرض طہارت میں مشغول ہوگیا اتنے میں آنکھ کھلگئی حاضرین میں سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہوئی آپنے فرمایا مطلب یہ کہ دنیا کے لوگ جو نشہ غفلت میں پڑے ہیں یا یوں فرمایا جو لوگ دنیا کے نشہ میں پڑے ہیں انکو نشہ غفلت سے ہوش میں لاکر خدمت اقدس میں پہونچایا کروں۔

ایکبار ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کو کھانا پکوایا اس روز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں یہ دیکھکر آنکھ کھلگئی اسکے بعد آپنے یہ بھی فرمایا کہ اسوقت سے مجھے حنفی مذہب کے ساتھ محبت ہوگئی شیخ کے ایصال ثواب کے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی زیارت کا تناسب حضرت سے کسی نے دریافت نہیں کیا ورنہ کیا عجب تھا کہ کوئی جدید فائدہ حاصل ہوتا اپنے ناقص خیال میں یوں سمجھتا ہے کہ شاید حضرت شیخ کا حنفی المذہب ہونا اور سند حدیث شیخ کے توسل سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک رسائی جنکا قول مذہب حنفی میں اکثر اخذ و معمول ہے اس رویائے صالحہ کا مطلب ہو واللہ اعلم۔

اسی اثناء میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مولوی عبدالرحمن صاحب ایک صالح شخص تھے انکو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت کے ساتھ بہت مناسبت تھی انکو پڑھنے کا شوق ہوا تو حضرت شاہ صاحب خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم تمہیں پڑھنے کی بہت اچھی جگہ بتاتے ہیں کانپور میں مفتی عنایت احمد صاحب کے پاس چلے جاؤ اسکے بعد آنکھ کھلگئی غرض حافظ عبدالرحمن صاحب کانپور روانہ ہوئے اور مفتی صاحب کی خدمت پڑھتے رہے جب مفتی صاحب کانپور سے چلے گئے تو مولوی عبدالرحمن صاحب نے پھر شاہ صاحب کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ ہم تمہیں اس سے بھی اچھی جگہ بتاتے ہیں مولوی نورالحسن صاحب کاندھلوی کے پاس جاؤ اور وہاں پڑھو چنانچہ یہ وہاں پہونچے تھوڑے دن گذرے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھر خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم تمہیں اس سے بھی اچھی جگہ بتاتے ہیں اور میرٹھ لیکر فرمایا کہ گنگوہ چلے جاؤ چنانچہ وہ یہاں آگئے اور حدیث پڑھی۔ مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب حدیث اور دینیات سے فارغ ہوکر کچھ ایسے مانوس ہوئے کہ حضرت امام ربانی ہی کی خدمت میں پڑے رہے بیعت ہوئے اور ذکر شغل کرتے رہے حضرت قدس سرہ کو بھی انکی صلاحیت و اہلیت کے سبب ان کے ساتھ خاص محبت تھی آستانہ علیہ پر حاضری کی بدولت فیوضات سے جلد اور بہت زیادہ منتفع ہوئے چند روز میں صاحب نسبت ہوگئے اور حضرت امام ربانی نے اجازت بیعت عطا فرمائی مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی اور وصال فرماگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہی مولانا عبدالرحمن صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحب کے استاد ہیں صاحبزادہ کو پڑھاتے اور شیخ کی خدمت میں پڑے رہنے کو دین اور دنیا سب کچھ سمجھتے رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اسی تذکرہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی کے کوئی پیر زادے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے خاندان کے کوئی بزرگ ہیں ان بزرگ کی وساطت سے یہ شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کئے گئے اسوقت حضرت فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ "رشید احمد ہندی کے پاس لیجاؤ" حضرت نے اس خواب کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا مگر الفاظ چونکہ یاد نہیں رہے اسلئے مختصر تیقن مضمون عرض کردیا گیا یہ خواب دیکھکر پیرزادہ کی آنکھ کھلگئی اور انھوں نے بذریعہ خط کے اپنا قصد اور خواب کا قصہ حضرت سے عرض کیا آپنے جواب لکھدیا کہ بدماست نہ کرکے آؤ تجھے کیا عذر ہے" اسکے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ نہایت عجز کے ساتھ فرمانے لگے کہ دنیا میں تو سب کے ساتھ یہ معاملے ہو رہے ہیں دیکھئے وہاں بھی کچھ ہے یا نہیں یہ مقام وہم و گمان ہے۔

اس قسم کے عاجزانہ کلمات حضرت قدس سرہ کی زبان سے اکثر بے تکلف و بلا تصنع نکلتے تھے اور یہ

رہتا تھا اس نسبت عبدیت کا جو آپکی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی اور جسکے سبب آپ کسی کمال کو بھی اپنی جانب منسوب نہ سمجھتے تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قدم جس مقام عالی میں آپکو کمال سرخ عطا کیا گیا تھا اسکا اقتضا یہی ہے کہ جتنا مرتبہ بڑھتا اور اوپر چڑھتا جائے اپنے کو ہیچ بیکار محض اور سراپا عجز و اضطرار سمجھتا جائے

یہ نمونہ تھا ان غیبی شہادات کا ورنہ منامی بشارات کا جنکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار شاد فرمایا تھا المسلم اذا عرف لہ اثر رشد و صلاح اور علامت ولایت و مقبولیت فرمایا ہے ارشادات خاصان خدا سے انکا پوچھنا ہی کیا جبکہ خلاصہ عالم جماعت اہل اللہ یعنی زمرہ علماء گروہ اصفیا نے متفق اللفظ آپکی سرپرستی کو اپنے سر فخر کا تاج بنایا اور آپکی نعلین کو چومنا اور آنکھوں سے لگانا ذریعہ نجات و سبب حصول برکات سمجھ گیا اطراف عالم کے کئی سو سردار ان مذہب اور مقتدایان دین علماء کا آپکے وجود کو عطیہ خداوندی سمجھنا اور آپکے سامنے گردن جھکانا نیکو فلاح و بہبودی دین و دنیا مان لینا مستقلاً آپکے قطب وقت ہونے کی شہادت علمی ہے اور اگر سچ پوچھئے تو متضمن ہے فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کو آپ فرماتے ہیں لا یجتمع امتی علی الضلالۃ۔

آپکے منتسبین کا جم غفیر جسمیں بڑی تعداد حاملین دین مبین اور متمسکین شریعۃ مصطفویہ علماء اور طلبہ کی ہے جسوقت آپکے محامد و مناقب بیان کرنا شروع کرے تو اس لذیذ تذکرہ میں عمر صرف کرے ۔۔۔ اور پھر بھی آپکے کمالات علمیہ و عملیہ کا حق ادا نہو مگر چونکہ ناواقف عوام کے نزدیک انکی شہادت شہادت نہیں ہے اسلئے ان کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا دیگر مشاہیر اہل اللہ نے جو کلمات آپکی شان میں ارشاد فرمائے ہیں چند اقوال ہدیہ ناظرین ہیں۔

سب سے زیادہ پائدار و معتبر شہادت وہ الہامی تحریر ہے جو مرشد العرب والعجم علیحضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے قلم مبارک سے نکلکر ضیاء القلوب میں طبع ہوئی اور مقبول خاص و عام شیخ کی وصیت نافذہ بنکر انشاء اللہ تا قیامت قایم رہیگی اعلیحضرت نے تحریر فرمایا ہے ہر کس کہ از بن فقیر بحسن ظن و عقیدہ محبت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من و بمقام اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگرچہ بر عکس شد کہ او شان بجائے من و من بمقام او شان شدم و صحبت او شان را غنیمت داند کہ این چنین کسان دریں زمان نایاب اند و از خدمت با برکت ایشاں فیضیاب بود و باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد و در نظر شان تحصیل نمایند انشاء اللہ بے بہرہ نخواہند ماند۔ اللہ تعالے در عمر شان برکت دہاد و از تمامی نعمائے عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداناد و بمراتبات عالیات رسانا د از نور ہدایت شان عالم را منور گرداناد و تا قیامت فیض او شان جاری دارد بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب بنظلہ جب مکہ معظمہ سے چلنے لگے تو اعلیحضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے کہدینا کہ گو آپ کے مخالف لوگ یہاں آکر طرح طرح کی باتیں لگاتے ہیں مگر آپ اطمینان رکھیں یہاں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہماری آپکی محبت اللہ کے واسطے ہے اور جب اللہ باقی ہے تو جو محبت اللہ واسطے ہوتی ہے وہ بھی باقی رہتی ہے اور میں نے جو ضیاء القلوب میں آپکی نسبت کچھ لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے کیا میرا وہ علم اب بدلجاویگا؟ حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ میں ہندوستان واپس آکر اعلیحضرت کا پیام حضرت مولانا کو پہونچا دیا حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا بھائی ہم تو توکل کئے بیٹھے ہیں" اس ارشاد سے اعلیحضرت حاجی صاحب کے قلب میں جو گنجایش حضرت مولانا کی تھی وہ ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے شیخ کامل کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے۔

منشی قادر بخش صاحب بلند شہری تحریر فرماتے ہیں کہ گنگوہ کے راستہ میں ایکبار میری ہمراہ ایک دیندار عالم تھے ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا وہ یوں فرماتے تھے کہ میرے والد جب حج کے ہندوستان واپس ہوئے تو اکثر ذکر کرنے لگے کہ میں مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحب کے خدمتمیں حاضر تھا مولانا رشید احمد صاحب کا تذکرہ تھا اعلیحضرت نے ارشاد فرمایا میاں کیا پوچھتے ہو ایک چراغ سے دو مشعل روشن ہوگئی میں نے فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ مجھے دریافت فرمادینگے کہ امداد اللہ کیا لیکر آیا تو مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کو پیش کردونگا کہ یہ لیکر حاضر ہوا ہوں۔

مولوی عبد المجید صاحب ہزاروی فرماتے تھے کہ جب میں نے مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے پاس حدیث شریف پڑھنی شروع کی تو دل اندر سے گھبراتا تھا اور خواب میں اکثر خنزیر کے بچے نظر آیا کرتے تھے کہ میرے چاروں طرف پھرتے ہیں ایسی خوابیں دیکھکر میرا دل بالکل اچاٹ ہوگیا اور وہیں وہاں سے روانہ ہوکر سیدھا گنج مراد آباد حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچا وہاں حاضر ہوکر میں نے اپنے پڑھنے اور خوابوں کی حالت بیان کی مولانا نے دریافت فرمایا پڑھتے کہاں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب کے پاس آپنے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ مولانا رشید احمد صاحب کیخدمتمیں جاکر پڑھو وہاں حدیث کی دوکان کھلی ہوئی ہے اسکے بعد دیکھ حضرت امام ربانی قدس سرہ کی تعریف کرتے رہے اور فرمایا کہ تم جاؤ تو ہمارا اسلام کہنا اور بتادینا کہ مجھے آپکی خدمت میں فضل الرحمن نے بھیجا ہے غرض مولوی عبد المجید صاحب گنگوہ آئے جسوقت حضرت کی خدمت میں پہونچے تو حضرت وضو کے لئے چوکی پر بیٹھے اور مسواک کر رہے تھے انکو دیکھکر مسکرائے انھوں نے سلام

کیا اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب کا سلام اور پیام پہونچایا اور یہ بھی عرض کیا کہ مولانا نے آپکی بہت تعریف کی اور انہیں کا بھیجا ہوا حاضر خدمت ہوا ہوں حضرت امام ربانی نے انکی تقریر سنکر بکمال تواضع ارشاد فرمایا چونکہ وہ خود قابل تعریف ہیں اسلئے دوسروں کی بھی تعریف فرماتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم مولوی عبدالمجید صاحب فرماتے تھے کہ آخر میں نے حدیث شروع کی اور حضرت کے فیض سے مستفیض ہوا اسی دن سے روز بروز پریشانی کم ہوتی اور فرحت بڑھتی رہی۔

مولوی محمد سہول صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت کے وصال کے بعد مجھے سید طاہر صاحب سے مولانا گھر ضلع مونگیر سے ملنے کا اتفاق ہوا حضرت امام ربانی قدس سرہ کا کچھ تذکرہ آگیا سید صاحب چشم نم ہوئے اور قسم کھاکر فرمایا کہ ایک دن میں اپنے مرشد حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا بزرگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کی حالت دریافت کی مجھے خوب یاد ہے حضرت مولانا نے یہ لفظ فرمائے کہ مولانا رشید احمد صاحب کا کیا حال پوچھتے ہو وہ تو دریا پی گئے اور ڈکار تک نہیں لیا حضرت کی زبان مبارک سے جسوقت میں نے یہ ارشاد سنا اسی وقت سے میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے واقف ہوا اور بڑا بزرگ سمجھتا ہوں۔

مولانا انور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ میں مفہوم ولی کا قائل ہوں مگر مصداق اب تک نہیں پایا زمانہ ماضیہ میں ولی کے مصداق بکثرت تھے مگر فی زمانہ میری نظر سے بجز حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے ولی کا کوئی فرد نہیں گذرا مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یا غلبہ حال تھا یا کوئی بہت اونچا مضمون ذہن میں جما ہوا تھا جسکو ولی میں دیکھنا چاہتے تھے یا ممکن ہے کہ جو بات حضرت امام ربانی قدس سرہ میں دیکھی وہ دوسری جگہ نہ پانے کے سبب سے انتفار فرمایا ورنہ عالم خالی نہیں ہر زمانہ میں اور ہر جگہ حق تعالیٰ نے اپنے مقبولین کو پھیلا رکھا ہے یا در بات ہے کہ مناصب جداجدا اور مراتب علیحدہ علیحدہ ہیں۔

مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہجہانپور میں ایک بزرگ تھے ایک مرتبہ مولوی سہول صاحب سے حضرت امام ربانی کا پورا حلیہ بیان کرکے دریافت کیا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کا یہی حلیہ ہے جو میں نے بیان کیا یا کچھ اور؟ انکو بڑا تعجب ہوا کہ مولانا کو گنگوہ جاتے اور حضرت سے ملنے کا کبھی اتفاق تو ہوا نہیں اور حلیہ بالکل ٹھیک بیان فرما رہے ہیں اسوقت مولانا عبدالقادر صاحب نے ارشاد فرمایا میرا عرصہ سے قصد ہے اور جی چاہتا ہے کہ حضرت کی زیارت کروں مگر کیا کروں معذور ہوں فرصت نہیں ملتی میں کبھی گنگوہ نہیں گیا مگر ایک دفعہ

خواب میں دیکھا تھا کہ اس قسم کی مسجد ہے اور اس شکل کے ایک بزرگ مسجد کے اندر شریف رکھتے ہیں لوگوں نے کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب یہی ہیں چنانچہ میں اندر گیا تو حضرت مولانا نے مجھے بلایا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ آؤ مرید ہو جاؤ اسی وقت مرید ہو گیا اسکے بعد آنکھ کھلگئی صبح کو مولوی عبید الحق صاحب مرحوم سے میں نے اپنی خواب بیان کی اور عالم رویا میں دیکھی ہوئی مسجد اور حضرت کے چہرہ کا نقشہ بیان کیا تو انھوں نے بہری تصدیق کی اور فرمایا کہ بیشک یہی شکل حضرت امام ربانی اور آپکی مسجد کی ہے آج تمسے دریافت کیا ہے بھی یہی کہا جس زمانہ میں مسئلہ امکان کذب پر آپکے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا ہے سائیں توکل شاہ صاحب بنہالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں یہ سنکر سائیں توکل شاہ صاحب نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہکر سر اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے لوگو تم کیا کہتے ہو میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

فیض محمد خاں صاحب بھوپالوی فرماتے تھے کہ مدینہ منورہ میں ایک بزرگ ولایتی سے میری ملاقات ہوئی نہایت خوبصورت جوان شخص نواح کابل کے باشندہ تھے وہ فرمانے لگے کہ میں مدت تک بغداد بصرہ عراق و شام اور دیگر بلاد اسلامیہ میں سیاحت کرتا اور اہل اللہ کا متلاشی رہا ہوں پھرتا پھراتا جب شہر حلب پہونچا تو ایک شیخ کامل یکتائے عصر قمیع سنت علامہ زمن مولانا حسام الدین صاحب قادری نقشبندی کی زیارت نصیب ہوئی اور میں ان سے بیعت ہو گیا ڈھائی سال انھوں نے مجھکو اپنی خدمت میں رکھا اور مجاہدہ کرائے اس سال یوں ارشاد فرمایا ہے کہ تم ہندوستان جاؤ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو کر آؤ اگر مولانا قیام کو فرمادیں تو وہاں ٹھہرنا اور فیوض حاصل کرنا مگر جانے میں عجلت کرو کہ حضرت کا وصال جلد ہونے والا ہے چنانچہ میرا قصد گنگوہ جانیکا ہے آپ راستہ کی کیفیت اور سفر کی سہولتوں سے مجھے اطلاع دیں غرض یہ بزرگ ہندوستان آئے اور گنگوہ میں حاضر ہو کر حضرت سے بیعت ہوئے یہاں سے رخصت ہو کر چلے تو الہ آباد میں اتفاقیہ فیض محمد خاں صاحب سے ملاقات ہو گئی بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنا قصہ بیان کیا کہ میں جس وقت سہارنپور پہونچا اتفاق سے مولانا سہارنپور ہی تشریف لے جارہے تھے سواری نہیں ملی اور حضرت کی زیارت کا شوق چین لینے نہیں دیتا تھا پاپیادہ چل کھڑا ہوا حالانکہ راستہ میں گھٹنے گھٹنوں پانی عبور کرنا پڑا مگر شوق کے سبب اصلا تکلیف نہ ہوئی ظہر کے وقت گنگوہ پہونچا اول مسجد میں جا کر کپڑے بدلے اور کھانے کے بعد نماز ظہر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت مولانا کے اخلاق کی تعریف

نہیں ہو سکتی نہایت شفقت سے اس غلام کو نوازا اور خاندان صابریہ میں داخل فرمایا حقیقت میں جو بات اس آستانہ پر آکر چند روز میں حاصل ہو گئی اسکے لئے عمر چاہیئے تھی اس دولتِ عظمیٰ کے لئے یہی زیبا تھا کہ اتنی دور دراز کا سفر کیا جائے چند روز حضرت نے ٹھیرا کر امر فرمایا کہ حلب کو واپس ہو جاؤ اور اپنے شیخ سے سر اسلام کہنا غرض وہ ولایتی بزرگ حلب واپس ہو گئے اور اسی سال چند ماہ کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے وصال فرمایا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی مقبولیت عامہ کا ثمرہ تھا کہ اپنے مذہب سے واقفیت رکھنے والے بعض جوگی اور پنڈت بھی آپ کے کمال کا اعتراف کرتے اور باوجود خود کفر و ضلال میں مبتلا ہونے کے آپکو باخدا و صاحب شان سمجھتے تھے مولوی محمد سہول صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ سے دیوبند آرہا تھا راستہ میں پیاس معلوم ہوئی تو ایک کھیت کی جانب چلا وہاں ایک جوگی پنڈت بیٹھا ہوا تھا مجھے دیکھکر کہنے لگا کیا تم مولوی جی کے پاس سے آتے ہو؟ میں نے کہا ہاں اس پر اس نے حضرت کی بہت تعریف کی اور کہا کہ ولی کی بادشاہت میں انکے جیسا فقیر کوئی نہیں ہے" میں نے اس سے پوچھا کہ تمکو کیونکر معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں تمام میں پھرا ہوں دنیا دیکھی ہے مجھے مولوی جی کی حالت خوب معلوم ہے میں نے ایسا کامل شخص اپنی عمر بھر میں نہیں دیکھا۔

وہ علماء جو مسائل اختلافیہ میں آپکے طریقہ مرضیہ سے انحراف رکھتے تھے دلوں میں آپ کے کمال علو کا اقرار ضرور لئے ہوئے تھے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کو پہچانتے سب کچھ تھے مگر کہتے وہ تھے جسپر انکا نفس انکو مجبور کرتا تھا منشی محمد حسرو صاحب بلیوری فرماتے تھے کہ جب میں پہلی مرتبہ حاضر ہوا اتفاق سے مولوی محمد حسین صاحب مرحوم الہ آبادی وہیں تھے ایک دن اتفاق سے حضرت مولانا کا ذکر آگیا میں نے دریافت کیا کہ امکان کذب کے مسئلہ میں بعض مولویوں نے حضرت کی تکفیر کی ہے آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ سخت غلطی ہے جب ایسے بڑے بزرگ ہی کافر ہو جاویں تو مسلمان کون رہا؟ سچ ہے ع اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ +

حافظ امیر حسن صاحب کے والد منشی امیر احمد صاحب گنگوہی جس زمانہ میں آگرہ کے ڈپٹی مجسٹریٹ تھے ایک روز حافظ عبد الحی صاحب دیوبندی سے فرمانے لگے کہ مجھے بزرگوں سے ملنے کا بہت شوق رہا ہے اتفاق سے ایک بزرگ نے مجھے عمل بتایا کہ اگر خواب میں کسی مُردہ کو دیکھو تو اسی حالت میں اسکے دونوں ہاتھ کے انگوٹھے پکڑ لو اسکے بعد جو کچھ اس سے دریافت

کردگے وہ عالم برزخ کی دیکھی بھالی ساری باتیں سچ سچ بتلادیگا اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہا مگر اکثر خواب میں یاد نہیں آتا کہ یہ شخص مسکرا رہے ہیں مرچکا ہے اور اسکی روح عالم برزخ میں ہے اگر کسی کو یاد آجائے تو وہ اس عمل سے فائدہ اٹھا سکتا ہے" ڈپٹی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے یہ عمل بہت پسند آیا اور میں نے اسکو دل میں بٹھالیا اول اول تو حقیقت میں کسی مردہ کو خواب میں دیکھا تو یاد ہی نہ آیا کہ یہ شخص مردہ ہے اور اسکے انگوٹھے پکڑ کر کچھ پوچھنا چاہئے مگر چونکہ عمل دل میں بیٹھا ہوا تھا اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا اسلئے کچھ دنوں بعد حافظہ اور ذہن سونے کی حالت میں کام دینے لگا اب میری یہ حالت ہو کہ جب کسی مردہ کو خواب میں دیکھتا ہوں معاً سمجھ جاتا ہوں کہ یہ مردہ ہے اور پھر انگوٹھے پکڑ کر جو کچھ پوچھنا چاہتا ہوں پوچھ لیتا ہوں اتفاق سے گنگوہ کا ایک شخص شیعہ مذہب مرگیا اور میں نے اسے خواب میں دیکھا فوراً اسکے ہاتھ کے دونوں انگوٹھے میں نے پکڑ لئے وہ گھبرا گیا اور پریشان ہو کر بولا جلدی پوچھو جو پوچھنا چاہو مجھے تکلیف ہے میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ مرنے کے بعد تم پر کیا گذرا اور اب کس حال میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ عذاب الیم میں گرفتار ہوں حالت بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے تشریف لائے تھے جسم کے جتنے حصہ پر مولوی صاحب کا ہاتھ لگا بس اتنا جسم تو عذاب سے بچا ہے باقی جسم پر بڑا عذاب ہے اسکے بعد آنکھ کھلگئی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی مقبولیت کمال اتباع سنت کے سبب اسمدرجہ واضح ہو چکی تھی کہ اگر من اجلی البدیہات لکھیں تو زیبا اور کالشمس فی نصف النہار کہیں تو بجا ہے مگر جب محروم القسمۃ اصحاب کی ظلمت باطنی وفساوۃ قلبی نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت باہرہ کے فیوضات ظاہرہ کا اعتراف نہ کیا تو نائب رسول قطب وقت بادشاہ کی ولایت یا قطبیت کے انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کیا جائے اگر کسی کو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرمادیں تو معلوم ہو جائے کہ آپکی ولایت پر زمین و آسمان اور اشجار و احجار تک گواہ بنے ہوئے ہیں تمام فنی روح مخلوق حتی کہ چیونٹیاں اپنے بھٹوں میں اور مچھلیاں سمندر و آب دریا میں آپکی ترقی عمر اور آپ پر بے پایاں رحمت کے نازل ہونیکی دعائیں مانگتی تھیں آپکی بابرکت ذات اور مورد رحمت خاصہ وجود باجود سے صرف نوع انسان ہی متمتع نہیں ہوئے بلکہ جملہ عوالم فارغ البالی اور کسی درجہ میں اطمینان و راحت کے ساتھ گذران کا نفع ہر جاندار مخلوق کو پہنچا بلکہ سرسبزی و شادابی کی منفعت سے زمین کی ہری گھاس اور درختوں کے پتے بھی محروم نہ رہے جس قلب کو خالق سبحانہ نے ادراک اور حس عطا فرمایا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ جو نور دل سکینہ آج سے تین برس پہلے عالم اشکار

تھی اب اُسکا وجود نہیں اسلئے کہ جس فرشتہ خصلت سرپرست محبوب کے طفیل میں عالم کو نوازا جاتا تھا وہ دنیا سے سدھار چکا اور عالم فانی سے رخصت بعالم جاودانی ہوا رفع اللہ درجاتہ فی اعلیٰ العلیین وحشرنا فی زمرتہ بحرمۃ خاتم النبیین آمین یارب العالمین۔

مرض و وفات

شہ دین قبر میں کیا گئے ؟ ہمیں زیر خاک سلا گئے	رہ دین سب کو دکھا گئے مگر آگ دل میں لگا گئے
سنے کون ہائے صدائے دل ملے کس سے آہ شفائے دل	وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے
دل مضطرب کا نہ پوچھ حال کروں کس زباں سے بیان ملال	وہ رشید احمد خوشخصال مجھے آٹھ آنسو رلا گئے
نہ سکون ہے نہ قرار ہے نہ غم والم کی شمار ہے	یہ نظر جو آتا مزار ہے وہ حبیب اس میں سما گئے

ایک وقت وہ تھا کہ آفتاب کمالات کے طلوع کا سماں بعنوان ولادت دکھلایا گیا تھا اور ایک وقت یہ ہے کہ ماہتاب ولایت کے غروب کا تذکرہ بعنوان وفات کیا جاتا ہے زمانہ کا انقلاب اور فلک کی گردش محتاج بیان نہیں سچ ہے ع ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید + زجام دہر مے کل من علیہا فان۔ دنیا میں جو کوئی آیا وہ فنا ہونے کے لئے آیا اور جو کچھ پیدا ہوا وہ ایک دن مٹجانے کے لئے پیدا ہوا مگر جو مٹنے سے پہلے اپنے آقائے وحدہٗ لاشریک کی طاعت میں مرمٹا ہو اُسکی موت موت نہیں بلکہ زندگی ہے ؎

زندگانی نتوان گفت حیاتے کہ راست	زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

اہل اللہ کی وفات جسکا نام وصال ہو اسلئے حسرتناک نہیں ہے کہ اُن سے دنیا اور دنیا کی لذات چھوٹ گئیں کیونکہ چھٹی ہوئی چیز کا چھوٹنا کیا مگر اسوجہ سے اندوہناک ضرور ہے کہ اُن کے عالمتاب چہرہ کی نظروں سے غائب ہو جانے پر ہزارہا مخلوق کی آرزوئیں ملیا میٹ ہوتی اور لاکھوں تمنائیں بے کفن خاک میں مٹ جاتی ہیں جس محبوب کا رخ زیبا برسہا برس تماشاگاہ عالم بنا رہا ہو اُسکا دفعۃً نظروں سے غائب ہو جانا جیسا حسرتناک منظر ہے اُسکو مجبین سے دریافت کرنا چاہیئے یوں تو ہمیشہ پیدا ہونے والے پیدا ہوتے اور مرنے والے مرے چلے جاتے ہیں مگر ایک کی پیدائش متضمن ہے ہزارہا پیدائشوں کا اور ایک کی موت مشتمل ہے کسی بڑے گروہ کے مرجانے کو پس امام ربانی قدس سرہٗ کی وفات کا پوچھنا کیا کہ آپکے دم واپسیں پر جم غفیر کی کتنی تمنائیں مردہ ہو گئیں اور آپکی نعش کے ساتھ مخلوق کے کیا کیا خیالات زمیں میں دفنائے گئے۔

اکیلا کون کہتا ہے لحد میں نعش حائم کو ہزاروں حسرتیں مدفون ہیں دنیا کے پہلو میں

جب ایسے ناز پروردہ لاڈلے بچوں کے سروں سے شفیق مہربان باپ کا سایہ اٹھ جاتا ہے جنھوں نے ظل عاطفت کی پرورش میں دنیا کا نشیب و فراز جانا ہی نہیں کہ کیا ہوا اسوقت جو کچھ صدمہ کا اظہار ہو رہا ہے اور جن ناتجربہ کار مسافروں کی سفینہ مراد کا کھیون ہار انہیں چلا گیا ہوا انکی جو کچھ آہ و ایلا برپا ہو بجا ہے کہ انکی قدر اُن کے سوائے دوسرا نہیں جان سکتا ؎

نہ یارے آں چناں محرم کہ از وے یارئے آید	نہ دلدارے چناں مشفق کہ از حال حسن پرسد

تذکرہ حصہ دوم کا اختتام دیدبان وقت و ملاح روزگار کی ایسے وقت کوچ کے بیان پر ہو رہا ہے کہ بہتیری کشتی شکستہ بھی ساحل نجات پر نہ پہونچنے پائے ؎

کشتی شکستگانیم اے بادشرطہ برخیز	باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را

۱۳۲۳ ہجری نبوی جو مخدوم العالم قدس سرہٗ کے وصال کا سال ہے شروع ہی سے اپنا رنگ بدلے ہوئے تھا آپکی محویت و استغراق کا اسدرجہ بڑھجانا کہ بعض وقت واقفکار متوسلین کو بھی آپ نہ پہچانتے تھے ظاہر کر رہا تھا کہ آپ دنیا کا ظاہری علاقہ بھی جلد توڑنے والے ہیں مگر افسوس کہ اسوقت اسکا کسی کو وسوسہ بھی نہ گذرا۔

اعلحضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے وصال کی خبر آنے سے چند روز قبل آپکے متوسلین میں کسی شخص نے خواب دیکھا تھا کہ حاجی صاحب دیوبند میں تشریف لائے آپکا چہرہ آفتاب جیسا روشن ہے اور فرما رہے ہیں کہ "میرا تو انتقال ہو چکا میں مولوی رشید احمد صاحب کو لینے کے لئے آیا ہوں ۲۰ ذی الحجہ تک لیجاؤنگا" اس خواب سے مخلصین کو پریشانی لاحق ہوئی اور خواب حضرت کی خدمت میں بیان بھی کیا گیا آپنے تاویل اور تعبیر بیان فرما کر پریشانی کو دفع فرمایا مگر بارہا یوں بھی ارشاد فرمایا "اجی تاویل تاویل ہی ہوا تنے دنوں میں تو آدمی کتنی بار مرے" اور بعض مرتبہ نہایت بشاشت کے ساتھ یہ بھی کہا "اور جب حضرت لینے آئینگے تو امید ہے اچھی طرح لیجائینگے" اس قسم کی تصریحات پر بھی آپکی محبت میں مغلوبہ ہونیوالی قوم کا آپکے وصال کیطرف سے ذہول کیا یہ نہ کیا وصال سے مہینوں پہلے سے آپکی عادت جاریہ میں سمجھدار افہام کے لئے ایک تغیر خاص نمودار ہو چلا تھا جسکو آپکی رحیل کا پیش خیمہ کہنا چاہیئے تھا مخلوق کا اطراف عالم سے جوق جوق آنا اور آپکا بہت کم کسی کو محروم واپس کرنا عبادات میں زیادتی کا ہونا نذر ہدیہ کا بہت بڑھجانا۔ نذروں کے قبول فرمانے سے اسقدر اکراہ اور بسا اوقات سے انکار فرما دینا اور اصرار پر بھی نہ لینا دنیا کی بے ثباتی کا بار بار وعظ فرمانا طالبین کو ادنی درخواست پر خانقاہ میں قیام

کی اجازت دیدینا بلکہ ملیح اشارات سے خدام کو ذکر اللہ کی رغبت دلانا اور حاضری آستانہ پر آمادہ کرنا یعنی اشارۃً بلانا اور انتفاع خاص کو جماعت مجبین میں عام فرمادینا مخصوص ہونے والوں کو بکمال شفقت وداع کرنا اور مفارقت سے بیتاب ہونے والوں کو دلاسا دینا کہ آپ انشاء اللہ جلد آؤ گے غرض ہر نرالا انداز بتلا رہا تھا کہ بلغ علم کا چشمۂ رواں زمیں میں اُترنے والا اور ہدایت باہرہ کا آفتاب عالمتاب اُفق مغرب میں نظروں سے چھپ جانے والا ہے طالبین و متوسلین کی وحشتناک خوابیں اور منتسبین و محبین کے منامی مرئیات جداگانہ ظاہر کر رہی تھے کہ جنید وقت کے کوچ کا وقت قریب ہے اور بایزید عصر کے وصال کا زمانہ بہت نزدیک مگر آپکی موت چونکہ اپنی موت تھی اسلئے باوجود یقین اور مؤمن بہ ہونے کے عام طبائع میں اسکی جانب سے ایسا ذہول تھا کہ گویا حضرت امام ربانی ہمیشہ زندہ رہیں گے اور وہ سامان نظر ہی نہ آئیگا کہ آپکی چارپائی ہوگی اور ہمارے کاندھے آپکا مجسد حرکت جسد اطہر ہوگا اور غسل و تجہیز و تکفین خدام کے حوالہ۔

آہ وہ عید الفطر جسکو عید الوداع کہنا چاہیئے آپکی شان محبوبیت کو ظاہر کر رہی تھی جبکہ آپ اُس ہوا دار پر سوار ہو کر عیدگاہ پہونچے ہیں جسکے حاملین علماء ربانیین اور خلصان خدا مقبولین کا جم غفیر تھا۔ اس شان کے ساتھ آپ عیدگاہ پہونچے کہ ہفت اقلیم کے بادشاہ کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی وہ پاکباز گروہ جسکے قدموں کے نیچے فرشتے پر بچھاتے تھے آپکا ہودا اپنے کاندھوں پر رکھے اُس شوق میں جا رہا تھا جسکی نظیر شاید اب نظر نہ آئیگی ایک ہودا اور سیکڑوں اسکو سروں پر اٹھانے کے خواہشمند کہ بعد دیگرے کاندھے بدلتے اپنی محویت نصیبی پر ناز کرتے اور اس دولت لازوال کے حصول پر فرحاں شاداں عیدگاہ کی طرف لپکے چلے جاتے تھے بیسیوں ایسے تھے کہ جب باوجود کوشش کے کاندھا نہ دیسکے تو محمل کو ہاتھ ہی لگا دینا غنیمت سمجھے اور یہ بھی نہ ہو سکا تو کسی حامل کو سہارا دیدینا ہی شرکت سمجھکر داخل حسنات ہو گئے کیا خبر تھی کہ عنقریب حزن و قلق کے ساتھ کاندھا دینے کا وقت آنیوالا ہے اور یہ سرور و فرح کا سماں بہت جلد منقلب ہو جانیوالا ہے

جسوقت آپ عیدگاہ میں پہونچے اور ممبر پر چڑھے ہیں آپکا چہرہ شب چہاردہم کا چاند بنا ہوا تھا ہزاروں نظریں آپکی جانب ٹکٹکی باندھے ہوئے محو جمال تھیں اور سیکڑوں دل محبت بھری نظروں سے شیفتہ دار آپکو تکتے اور یہ پڑھ رہے تھے ؎ ہمیں بس است کہ داغ غلامیم زدئی عَسٰی جَمَالَکَ یَجْلُوْا عَلَی مَا الْبَدْر

نماز پڑھانے کے بعد آپنے خطبہ سنایا احکام و مسائل اردو میں بیان فرمائے اور اثناء بیان میں ارشاد فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر دنیا کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی ہوتی تو کافر کو

اُسکا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا اُسکے بعد حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کا ذکر فرمایا کہ حضرت شیخ کے ترک دنیا کی یہ حالت تھی کہ صرف ایک کرتہ میں تمام عمر گذاری جہاں سے کرتہ پھٹ جاتا گلی کوچہ سے کپڑے وغیرہ کا ٹکڑہ چیتھڑا اٹھا کر پاک کرتے اور اُسکا پیوند لگا لیا کرتے تھے" صرف اتنے بیان پر حاضرین کی جو حالت تھی وہ انہیں سے پوچھنی چاہیئے سیکڑوں آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور بہتیروں کی چیخیں نکل گئیں۔

خطبہ کے بعد تھوڑی دیر آپ نے عیدگاہ میں قیام فرمایا اور پھر علماء و صلحاء کے کاندھوں پر ہوادار میں سوار ہو کر اُسی آن بان سے خانقاہ میں تشریف لائے جسطرح عیدگاہ تشریف لے گئے تھے۔

ہوادار کی کوئی جگہ ایسی باقی نہ تھی جہاں کسی اہل اللہ صاحبدل کا ہاتھ یا کاندھا یا سر لگا ہوا نہو آپ بکمال حسن ظاہری و باطنی محبوبانہ شان سے اُسمیں سوار اور بار بار یہ الفاظ فرماتے آرہے تھے کہ "خداوندا میری کئی حقیقت نہیں ہیں کچھ نہیں مگر ان لوگوں کو میرے ساتھ حسن ظن ہے تو ان کے ظن کے موافق ان کے اور میرے ساتھ معاملہ فرمائیو" بیدعا آپکی جامع دعا تھی اور وقت کے مناسب و برمحل اسلئے حاضرین کی یہ مقدس جماعت جتنا فخر کرے زیبا ہے اور جسقدر بھی نعمت ربکا شکر ادا کرے بجا ہے کہ وقت گذر لیا اور دعا کا ثمرہ واجر باقی ہے جو کریم کے ہاتھوں عنقریب انشاء اللہ ملنے والا ہے۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا دوں دوں آثار وصال ظاہر ہوتے گئے موت کے اپنے محبوب سے لقا کا وقت قریب آتا رہا اور مخلصین کو بذریعہ رویائے صالحہ آپکی مفارقت جسمانی سے اطلاع ملتی رہی اس قسم کی خوابیں دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں ہیں جن سے اس امر کا گویا اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو خدمت امام ربانی کے سپرد کی گئی تھی اُسکی تکمیل ہو چکی اور جس فریضہ کی انجام دہی کے لئے نائب رسول بنا کر آپکو دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ ادا ہو لیا آپکا خشوع و خضوع دن بدن بڑھتا جاتا اور عبادات کی جانب رغبت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی یہانتک کہ وہ دن آگیا جسکو آپکے مرض الموت کا پہلا دن کہا جاتا ہے۔

جن اللہ والے ذاکر شاغل اہل صفہ کی جماعت سے خانقاہ آباد تھی انکو خواب میں صراحۃً جتلا دیا گیا تھا کہ تمہارے انتساب کا دور اخیر دور ہے مولوی احمد صاحب سہسوانی جو اسی دور کے ذاکر شاغل شخص تھے تحریر فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت کے یہاں نہایت صاف پانی کے بہتیرے مٹکے رکھے ہوئے ہیں حاضرین آئیں ہیں پانی پی رہے ہیں جب سب پی چکے تو میں اٹھا اور پانی پیا میرے بعد کوئی نہ تھا جو پانی پیئے۔

دوسرا خواب دیکھا کہ بہت سے آدمی صفیں باندھے بیٹھے ہوئے ہیں اور کوئی شخص ان پر آب طہور چھڑک

رہا ہے آخر صف میں بندہ بیٹھا ہے مجھ پر بھی پانی چھڑکا گیا اور قصہ ختم ہو لیا۔

تیسرا خواب دیکھا کہ ایک ریل گاڑی نہایت تیز رفتار ہے جس میں بیسیوں آدمی سوار ہیں منجملہ ان کے میں بھی ہوں اس ریل کے چلانے والے حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہیں ایک مقام پر ریل رکی اور تمام سوار اتر کر تیز رفتاری کے ساتھ جلدی میں اڑتا ہوا اسکے پیچھے دوڑا مگر پکڑ نہ سکا چیختا رہ گیا کہ مجھے ساتھ لیجئے مگر میری ہائے ہائے پر کسی نے ترس نہ کھایا حضرت مولانا جو ریل کے چلانے والے تھے یہ جواب دیکر روانہ ہو لئے کہ احمد گھبراؤ مت اپنی طاقت سے چلو اور پیدل چلو ہمیں پکڑ لوگے" اس جواب پر میں پیدل چلنے لگا اور ریل کھڑی ہو گئی

ایک دن خواب دیکھا کہ میں اپنے گھر جا رہا ہوں حضرت مولانا مجھے رخصت کرنے کے لئے تھوڑی دور تک آئے اور مصافحہ کر کے یوں ارشاد فرمایا "جاؤ اللہ حافظ ہے"۔

مولوی احمد صاحب کی ان خوابوں کا خاتمہ اس خواب پر تھا جو آپ کے یوم وصال کی شب میں دیکھا کہ ریل سے یہ اترے اور دوسری جگہ جانے کو ٹکٹ لینے گئے ٹکٹ بانٹنے والے کچھ عجیب و غریب آدمی تھے یہ انکے پاس تک پہونچے کہ ریل جلدی یہ چلائے کہ ہائے ہائے میں رہ گیا مجھے جلدی ٹکٹ دو ٹکٹ بانٹنے والے نے جواب دیا احمد مت رو دو اس ریل کی میعاد ختم ہو چکی اب یہ ٹھیر نہیں سکتی تم اسمیں جا نہیں سکتے دس بارہ سال بعد ایک ریل اور طیار ہوگی اسمیں تم چلے جانا۔

منشی قادر بخش صاحب بلند شہری تحریر فرماتے ہیں کہ وصال سے آٹھ یوم قبل میں نے خواب دیکھا کہ گویا حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بلند شہر تشریف لانے کی خبر گرم ہے استقبال کے شوق میں شہر سے باہر باغ کی چار دیواری کے قریب جا کھڑا ہوا تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک بہل آئی جس میں حضرت سوار تھے لپک کر اسکے پاس گیا تو دیکھا حضرت امام ربانی بہل کے اندر سوئے ہوئے ہیں اور منہ پر ایک باریک سفید کپڑا پڑا ہوا ہے ادب کیوجہ سے جگا نہ سکے بہل کے ساتھ ساتھ ہو لئے چند قدم چلکر بہلیان سے جو نہایت نورانی صورت والے تھے دریافت کیا کہ آپکا نام کیا ہے کہنے لگے محمد علی دفعۃً آنکھ کھل گئی۔

اس قسم کی خوابیں جمع کیجائیں تو مستقل دفتر ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ آپکے وصال کی غیبی اطلاع میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوا مگر محبین کے غلبہ محبت نے ان مضامین پر بھی آپکے انتقال کا خیال دلوں پر جمنے نہ دیا اسی سکون و اطمینان کے ساتھ وقت بسر ہوتا رہا جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کی بارہویں یا تیرہویں شب میں گونہ خستگی کے سبب حضرت امام ربانی قدس سرہ نوافل ادا فرمانے حجرہ میں تشریف لیگئے

اور حق تعالیٰ سے مناجات میں مشغول ہو گئے اسی رات آپکی دو انگلیوں یعنی خنصر اور بنصر میں ناخن سے کچھ نیچے کسی زہریلے جانور نے کاٹا مگر حضرت کو صلوٰۃ میں محویت کے سبب احساس بھی نہ ہوا صبح کیوقت حسب معمول جب آپ مسجد میں آنے لگے تو کپڑوں پر خون کی سُرخی کسی خادم نے دیکھی اور آپ سے عرض کیا کہ کورتہ خون آلود ہے چونکہ اسفار ہو لیا تھا طلوع قریب تھا اسلئے جلدی سے آپنے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر جب آپ چارپائی پر تشریف لائے اور کھڑاؤں سے پاؤں نکالکر اوپر رکھا تو انگلیوں پر خون جما ہوا نظر پڑا تب تو متوسلین کا فکر بڑھا اندر سے مصلی لاکر دیکھا گیا تو خون میں تر تھا اور دیر رومی جانماز کے نیچے تک اثر پہونچا ہوا تھا۔ آقائی تکلیف سے خدام کی پریشانی کچھ اختیاری بات نہیں ہر چند لوگ بھی اسوقت حاضر تھے سب سراسیمہ تھے کسی کا خیال تھا کہ رگ کا منہ کھلکر خود بخود خون جاری ہو گیا اور کسی کی رائے یہ تھی کہ چوہیا نے کاٹا ہے مگر حضرت نے جب فرمایا یہی فرمایا کہ مجھے تو نہ کسی کے کاٹنے کی اطلاع نہ اسوقت کچھ تکلیف ہوئی اور نہ اب کوئی درد یا تکلیف ہے۔

حضرت کے اس بے پروائی کے ساتھ اس قصہ کو ٹالدینے سے دوسروں کا خیال بھی ہٹ گیا اور بات آئی گئی ہوئی مگر چونکہ پاؤں سے چھٹانک بھر کے قریب خون نکل گیا تھا اسلئے اگلے ہی دن سے حضرت پر ضعف و کمزوری اور غنودگی و نوم کی حالت زیادہ طاری ہونی شروع ہو گئی اکثر آپ وظیفہ پڑھتے پڑھتے لیٹ جاتے تو معاً سو جاتے اور خراٹے لینے لگتے تھے آپکے خدام حاضر ہوتے اور مزاج کا حال دریافت کرتے تو آپ جواب دیتے "بس اب تو سونے سے کام رہ گیا ہے بدن بلغم ہی بلغم ہو گیا ہے"۔

باوجود نہایت ضعف کے سبب غلبۂ نیند کے آپکے معمولات اوراد و وظائف اوراد میں مطلق کمی نہیں ہوئی وقت ہو یا نا وقت جسوقت بھی آپکی آنکھ لگتی آپ بے خبر سو جاتے اور اذان سے دو چار منٹ قبل خود بخود آنکھ کھلجاتی اور اسوقت آپکی زبان سے پہلا لفظ جو نکلتا تھا وہ یہ ہوتا تھا اذان ہو گئی؟ نماز میں کیا دیر ہے انگلیوں کے خفیف زخم کی جانب سے چونکہ آپنے اسقدر استغنا برتا کہ کبھی بیٹھنے کی حفاظت کے لئے لعاب لگے ہوئے کاغذ کے علاوہ کوئی دوا بھی استعمال نفرمائی اسلئے خادموں کے ذہن بھی اس سے خالی تھے کہ یہی زخم وصال کا مقدمہ اور انتقال کا پیش خیمہ ہے یہانتک کہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ ہجری مطابق ۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء یوم دوشنبہ کو بعد نماز عشاء جبکہ آپ چارپائی پر لیٹ رہے اور خدام بدن دبانے لگے کانپا لرزہ محسوس ہوا اور خوب زور شور سے بخار جاڑہ چڑھا۔

تھوڑی دیر بعد جادہ تو صاف ہو گیا مگر بخار کی اسقدر جوش زیادتی ہوئی کہ چادر کے اوپر ہاتھ رکھنا دشوار تھا شنبہ کا تمام دن شدت بخار میں گذرا اور اتفاقی بخار سمجھکر معمولی طور پر دوا استعمال میں آئی لیکن چار شنبہ کو بھی جب بخار کی وہی حالت رہی تو فکر بڑھا اور صاحبزادہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب دام مجدہٗ نے مستعدی کے ساتھ تدبیر علاج شروع فرمائی۔

جمعہ کے دن مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب اتفاقیہ بمبئی سے تشریف لائے انھوں نے اپنے عربی یمانی استاذ و شیخ کے مرض کی یہ حالت دیکھکر معالجہ شروع کیا چونکہ انگلیوں پر جہاں خون نظر آیا تھا نیلگوں چھالے پڑ گئے تھے اسلئے یہ بھی خیال ہوا کہ شاید سانپ نے کاٹا ہو اور بعض کا خیال سحر کی جانب بھی تھا کہ پہلے مرض کی طرح کیا عجب ہے یہ بھی کسی دشمن کا ثمرۂ عداوت ہو چنانچہ اسکی بھی تدابیر عمل میں لائی گئیں خلاصہ یہ ہے کہ تدبیر و معالجہ میں اور خدمت و تیمارداری میں حتی الامکان کوئی ادنیٰ فروگذاشت نہیں ہوا مگر تقدیری حکم کا کوئی ٹالنے والا نہیں ہوا آئے ہوئے وقت کو کوئی پیچھے ہٹا نہیں سکتا اس لئے کوئی تدبیر کارگر اور کوئی دوا نافع و سودمند نہوئی پاؤں پر دن بدن ورم بڑھتا اور اوپر کو چڑھتا رہا مرض جسمانی کا زور زیادہ ہوتا اور کرب ظاہری لحظہ بلحظہ ترقی کرتا رہا یہانتک کہ باختلاف روایت ۸ یا ۹ جمادی الثانی مطابق ۱۱ اگست سنہ ۱۹۱۰ء کو بروز جمعہ بعد اذان یعنی ساڑھے بارہ بجے آپنے دنیا کو الوداع کہا اور اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر میں رفیق اعلیٰ کی جانب ہنستے اور مسکراتے ہوئے سدھارے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو چھ روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا یوم شنبہ دریافت فرمایا تھا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے اسکے بعد درمیان میں بھی کئی بار یوم جمعہ کو دریافت کیا حتیٰ کہ جمعہ کے دن جسروز وصال ہوا صبح کے وقت پھر دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہے تو فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مرض و وصال کا مفصل حال رسالہ وصل الحبیب میں شائع ہو چکا ہے اس لئے اعادہ ضروری نہ سمجھا گیا یہاں صرف یہ بات ظاہر کرنی ہے کہ آپکا وصال ۲۶ وصال تھا جسکی تمنا آج ہزارہا مخلوق کر رہی ہے اور آپکی وفات ایسی وفات تھی جسپر ہزارہا زندگیاں قربان کرنے کو مخلوق طیار ہے۔

آپ کے وصال کے بعد مبشرات منامیہ میں جو واقعات لوگوں کے مشاہدہ میں آئے وہ بھی اس درجہ عجیب و غریب اور بکثرت ہیں کہ بیان کرنے کو دفتر چاہیئے۔

محمد شفیع نامی ایک شخص خاص پورٹ بلیر کے رسالہ میں فوجی سپاہی ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا ایک آیت پڑھکر سنائی اور غائب ہوگئے وہ آیت یہ تھی اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اسکے چند روز بعد آپ کے وصال کی خبر تمام ملک میں شائع ہوئی اور میرے کانوں نے بھی سنی بجالت بیداری سنی۔

مولوی احمد صاحب سورتی فرماتے ہیں کہ وطن پہونچکر بندہ ایک پریشانی میں مبتلا ہوا اور گھبرا کر وطن سے بمبئی چلا گیا اسی شب خواب میں حضرت تشریف لائے اور قلب و تمام جسد پر آپنے ہاتھ پھیر کر یوں ارشاد فرمایا کہ احمد مت گھبرا دنیا میں ہم سب کو ایسی تکلیفیں پہونچی ہیں اور ایسا ہوا ہی کرتا ہے اس سے گھبراتے نہیں

نواح سورت میں کسی گاؤں کے مسجد کے امام ایک شخص ہیں سلیمان میاں انکا نام ہے انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک تخت پر دو بزرگ نہایت پاکیزہ صورت والے بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک شخص تخت کے نیچے کھڑا ہے اس شخص سے سلیمان میاں نے دریافت کیا کہ یہ بڑے شخص کون ہیں اور انکے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے بزرگ کون ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ بڑے تو فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے شخص مولوی احمد کے پیر مولانا رشید احمد صاحب ہیں سلیمان میاں نے یہ خواب مولوی احمد صاحب سے بیان کیا انھوں نے پوچھا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟ انھوں نے سوچکر بتایا کہ جمادی الثانیہ کی آٹھ یا نو تاریخ کو دیکھا تھا وہی تاریخ حضرت امام ربانی کے وصال کی تھی۔

ان قصوں کے لئے دفتر چاہئیں کوئی کہاں تک بیان کرے خلاصہ یہ ہے کہ سافی علوم و معرفت جس نے شریعت و طریقت کی جدا جدا سبیلیں لگا رکھی تھیں دنیا سے اٹھگیا آفتاب علم و ہدایت چھپ گیا اور ماہتاب ورع و امانت غروب ہوگیا جتنا رونا کوئی دلدادہ روئے بجا ہے اور جسقدر بھی کوئی شیفتہ و شیدائے سنت بیتاب ہو زیبا ہے اب اگر تسلی ہے تو اس رباعی سے ہے۔

اِصْبِرْ لِکُلِّ مُصِیْبَۃٍ وَّ تَجَلَّدِ	وَاعْلَمْ بِاَنَّ الْمَرْءَ غَیْرُ مُخَلَّدِ
وَاِذَا ذَکَرْتَ مُصِیْبَۃً تَسْلُوْا بِھَا	فَاذْکُرْ مُصَابَکَ بِالنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ

چونکہ آپکے دامان عاطفت سے وابستہ جماعت زیادہ تر علماء کی تھی اور جو علماء نہ تھے وہ بھی اذکیاء ذوی العقول میں چیدہ و منتخب زمانہ تھے اسلئے آپکے وصال کی تواریخ بھی بکثرت اور عجیب و غریب لکھی گئیں عربی۔ فارسی۔ اردو۔ نظم۔ نثر۔ تعمیہ۔ تخرجہ۔ صوری معنوی ہر قسم کے مادے نکالے گئے انمیں سے چند یہ ناظرین کرتا ہوں

زبدۃ المحدثین حضرت مولانا الحاج المولوی محمود حسن صاحب دام مجدہ مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند فالا کملہ الصالحین
قدوۃ الاتقیا حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی عبدالرحیم صاحب مدت فیوضہ رائپوری کنت حمیدا المدت شہیدا
طبیب امت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب دام ظلہ تھانوی مولدا ومعاشر حمیدا ماتا شہیدا
حضرت مولانا الحاج المولوی عزیز الرحمن صاحب بدفصلہ مفتی مدرسہ دیوبند حی دخل الخلد
حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ماموں مولانا محمد شفیع صاحب گنگوہی نے چند اشعار تحریر فرمائے ہیں
مادہ تاریخ یہ مصرعہ ہے ع اے دائے نہاں شد آفتاب عرفان۔
دوسرا مادہ تاریخ اس مصرعہ میں نکلتا ہے ع گفتند کہ وے شدہ خراماں بجناں۔
جناب مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب بجنوری نے چند اشعار تحریر فرمائے ہیں آخری شعر جسکا مصرعہ ثانیہ مادہ تاریخ ہے

گز سروش غیبیم دلکش صدا آمد بگوش	جائے مولانا رشید احمد بفردوس بریں

مولوی ابوالحسن صاحب ساکن گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے قلم سے نہایت پر درد اشعار نکلے ہیں آخری شعر
جسکا مصرعہ دوم مادہ تاریخ ہے یہ ہے۔

کیوں نہ روئیں سالکان جادۂ قرب الٰہ	ہائے راہ حق کا مختار رہنما جاتا رہا

از حکیم امانت علی صاحب مجبور ساکن بنت ضلع مظفر نگر

بولا ہاتف کہ ہائے آنکھوں سے	ملت دیکھا بجھا چراغ دین

چند تواریخ جناب مولانا حکیم قمر الدین صاحب سنجت جونپوری نے لکھکر ارسال فرمائی ہیں جنمیں حامد یہ ناظرین ہیں

تاریخ دلی اثر

تمسک کرد آہ مرشد گفتگوہ	عالم پر فتن بادینہ	چوں برخویش خواند حق او را	رفت در دش زتن بادینہ
در فرقش حزین فغاں شد	بسکہ ہر مرد وزن بادینہ	سخت جبہ گفت تاریخ	مرد صحیح امین بادینہ

ایضاً

وہ مولانا رشید احمد مرشد	دے تھے مسترشد دکے حق کثیر	جلیل القدر وکامل شیخ تھے وہ	کروں کیا انکے میں اوصاف تحریر
	مناسب ہے یہ لکھدو بخت تاریخ	صحابہ کی تھی اک پاکیزہ تصویر	

ایضاً صوری ومعنوی

مرگ مولانا رشید احمد سے آہ	گسستہ فرد گیتی ہے ساری قدوم	بخت لکھدے سال صوری معنوی	تیرہ سو تیئیس آدمیئے کا دم

جناب مولانا حکیم مختار احمد صاحب باشندہ موضع کرمیٹیا صوبہ بہار طیب ظفر پوادام فضلہ نے چوبیس اشعار عربیہ کی نظم تحریر فرما کر بھیجی ہے جسکے اول بیس شعروں میں ہر مصرعہ سے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا سال وفات نکلتا ہے اور آخر کے چار شعروں میں ترتیب سوانح کا سنہ برآمد ہوتا ہے حکیم صاحب ممدوح حضرت امام ربانی قدس سرہ کے شاگرد یعنی جناب مولانا نور محمد صاحب پنجابی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید ہیں جملہ علوم وفنون میں خصوصاً فن تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتے ہیں بے تکلف اور بیساختہ جو تاریخی مادے قلم سے نکلے ہیں وہ حکیم صاحب کے کمال پر دال ہیں بارک اللہ فی دینہ ودنیاہ وجعل اٰخرتہ خیرا من اولاہ۔

بسم اللہ الجلیل العظیم

آہ ممن کان خیر الطاہرین	کان مولی الرشد صدر الماہرین
موتہ یا رب موت الاصفیا	قوتہ باللہ قوت الواقفین
زال اصل الاصفیا تحت الثریٰ	بل غنی تعیین نفر الصالحین
اہ من ترحیل اہل الافتدا	قد بکت انفاس حبر العاشقین
غرس ردی صاح من رحل الجمیل	صاح جمع الحق حلب الواصلین
شاع شر الرزء من تعلیمہا	تحیرت من نفسہ عین الیقین
فات مولانا الرشید الصالح	فات من الرسل حب الصالحین
کان تم الشرع ام صدر الہدیٰ	کان حب العلم حادی الذاکرین
ارشد الابرار ام عین الصفا	صاحب التدوین اصل الشاخصین
ماتن الاسرار انل عین العلوم	شرف الدین نور عین المومنین

تاج اصحاب العصا صدر الصدور — اعلم الاخيار يدر الطالبين
عين نهر المجتبى مطر الصفا — مرجع الاقطاب صدر العاشقين
مجمع الاسرار فتاح العلوم — محكم الاذكار حامي الشاكلين
كاشف الآيات مقبول الكريم — فاضل الايام مولى الفائقين
اشرف الابرار مقبول الزمان — دائم التدريس اصل العارفين
طيب مسك الخلق ريحان الملا — روح مسك الشرع بدر الكاملين
عالم القرآن ام بدر الحديث — ماهر التفسير حجة الصادقين
صاحب الارشاد تحرير الفنون — كاشف الانوار عين الكاشفين
شائق صدر فريد مفرد — محضر الطلاب حجة السالكين
عين عين الشرع ام عين الكرم — سيد السادات تاج الشاكرين
هذه طوبى لاحباب الرشيد — دونت حالات بدر الصالحين
فصلت آياته بين الورى — قد سعى فيها رفيق الراشدين
من سعى للحق في هذا الكمال — بعطاء الحي مآل الخاشعين
انه من عاشقي ابائي الرشيد — ربنا وفقه عيش السالكين

ختم المراد * بتائيد خالق كل العباد

فمختار احمد احبه احبه — الحنفي مذهبا والقادري مسلكا

باقیات صالحات

امام ربانی قدس سرہٗ دنیا سے تشریف لیگئے مگر باقیات صالحات کا وہ دریا مخلوق کیلئے بہتا ہوا چھوڑ گئے ہیں جو تشنگان رشد و ہدایت کے سیراب کرنے کو کافی ہے جس مقدس مشغلہ میں آپ نے پچاس سال گذارے اسکے فیضان کو ختم ہونیکا کبھی زمانہ نہ چاہئے آپ کے لگائے ہوئے درخت بحمداللہ ایسے بارآور اور ثمر ہیں جنکے فیوضات عطایات سے عرصہ دراز تک عالم متمتع اور مستفید رہیگا کوئی شخص اپنے بعد ایک اولاد صالح چھوڑ جائے تو اپنی مغفرت کا وسیلہ سمجھکر فخر کیا کرتا ہے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے تو کئی ہزار بچے دنیا میں ایسے چھوڑے ہیں جو خود ہی آپکو دعا نہیں دیتے بلکہ نسلاً بعد نسل آپکے ترقی مراتب کی دعائیں کرنے والے افراد طیار کرتے رہتے ہیں آپکی نسبت عبدیت کے فیضان اور استقامت علی الشریعہ کے ثمرات سے جو نفع دنیا کو پہنچا ہے چونکہ افادہ بنی آدم ہی تک محدود نہیں بلکہ نباتات و جمادات بھی اپنی بقا کا اُس سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں اس لئے عام کا ذخیرہ امام ربانی کے لئے ثواب آخرہ کا سبب بنا ہوا ہے اور جب تک آپکے لگائے ہوئے اشجار طیبہ کا افادہ و استفادہ قائم رہیگا بلاقصد و ارادہ آفاق ارض سے آپکی روح کو تحائف پہونچتے رہیں گے۔

آپکی صلبی اولاد میں اس وقت ایک صاحبزادہ یعنی حضرت مولانا الحافظ الحکیم مسعود احمد صاحب سلمہٗ ربہ موجود ہیں اور ایک صاحبزادی صفیہ خاتون سلمہا بہا حق تعالیٰ نے جو صلاحیت دونوں بہن بھائی کو عطا فرمائی ہے اسکے بیان کرنے کو جداگانہ سوانح کی حاجت ہے صاحبزادہ صاحب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ساتھ صورت و شباہت میں بھی بہت مناسبت رکھتے ہیں اور بمقتضائے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ ایک خاص جملکہ باپ کی آپ میں موجود ہے آواز اور لہجہ میں بھی مناسبت غالب ہے حضرت قدس سرہٗ کو حکیم صاحب کے ساتھ خاص محبت تھی وہ سچ پوچھئے تو مولانا محمود احمد مرحوم کے انتقال کے بعد حکیم صاحب گویا دو بیٹوں کا مجموعہ ایک بیٹے تھے دونوں آنکھوں کا نور ایک آنکھ میں قائم تھا اور کیوں نہ آخر جگر گوشہ ہیں ثمرۃ الفواد جب پہلے مرض سے حضرت امام ربانی تندرست ہوئے اور آپکے متوسلین نے جگہ جگہ شکریہ میں کھانے پکائے تو پیر جو عبدالمجید صاحب نے بھی گنگوہ میں صحت یابی کی طبعی مسرت ظاہر فرمائی اور کھانا پکوا کر احباب کو مدعو کیا بعض لوگ جنکو حکیم صاحب سے ملال تھا شریک طعام نہیں ہوئے اسپر حضرت امام ربانی نے رنج ظاہر فرمایا اور یہ حدیث پڑھکر کہ اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ تمام ظاہر فرمایا کہ جسکو مسعود احمد سے عداوت ہے اسکے

مجھسے عداوت ہے اور جو ان کو دوست سمجھے وہ میرا دوست ہے۔

صاحبزادی صاحبہ یعنی عفت مآب صفیہ خاتون سلمہا کے محامد زیادہ تر اس وجہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں کہ آپ حکیم صاحب سے چار سال بڑی ہیں اور اتنی مدت باپ کے فیضان سے زیادہ مستفیض ہوئیں ایک بار حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر عورتوں کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ مرید کیا کرتی" اس مضمون سے آپکی استعداد و قوت روحانیت ظاہر ہو رہی ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ بہن کے لطائف ستہ جاری ہیں مگر زبان سے کبھی کچھ ظاہر نہیں فرماتیں" صاحبزادی صاحبہ کو اس زمانہ کی رابعہ بصریہ کہا جائے تو حقیقت میں نازیبا نہیں جو خوبیاں حق تعالیٰ نے آپکو عطا فرمائی ہیں انکا اظہار چونکہ خود آپکو پسند نہیں اسلئے بیان میں تامل ہے حضرت قدس سرہٗ نے ایک بار بڑی مسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا "الحمد للہ میری بیٹی کو دنیا کی محبت بالکل نہیں" اور انصاف سے دیکھئے تو یہی اصل ولایت ہے آپکے شوہر جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب ایکٹ تک نہ کر ضلعدار کبھی ایک پیسہ رشوت کا گھر میں نہیں آیا ایسا گوشت پوست جو ابتداء ولادت سے آج تک ناجائز کسب کی ماشہ برابر غذا سے کبھی مخلوط نہ ہوئے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ صفیہ خاتون کا ہے اور وہ صاحب نصیب عورت ہیں جس نے ضلعدار کی بی بی بنکر پونے دو سو روپیہ ماہوار ہاتھ میں لئے اور مہینے کے خرچ کر دئے ہوں جسکا نتیجہ ہو کر عمر بھر میں آج تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی اگر کوئی ہے تو صفیہ خاتون ہیں باپ کے ساتھ باوجود عشق ہونے کے صبر و استقلال کا یہ عالم ہے کہ وصال کے دن ساری مخلوق جمعہ کی نماز میں مشغول تھی اور آپ سہ دری میں پردہ کے پیچھے باپ کے جنازہ سے لگی ہوئی تلاوت کلام اللہ میں مشغول تھیں کفن اپنے ہاتھ سے سیا اور چیخ یا ہائے کی آواز کسی ایک متنفس نے بھی نہ سنی۔

صاحبزادی صاحبہ کے تین صاحبزادے یعنی حضرت کے نواسے ہیں بڑے حافظ محمد یعقوب صاحب جنکی ولادت ماہ رجب ۱۲۹۵ ہجری میں ہوئی اور منجھلے حافظ محمد یوسف صاحب جنکی ولادت ۲۸ محرم ۱۳۰۰ھ میں ہوئی اور چھوٹے محمد زکریا جو ماہ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے سب سے بڑے صاحبزادے حافظ محمد اسحٰق مرحوم نانا کے گویا جان نثار تھے بروز جمعہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۹ ہجری وصال فرما گئے۔ حافظ محمد یعقوب صاحب سے چھوٹی ایک بہن تھیں حمیدہ مرحومہ جنکا انتقال بعمر تین سال ہو چکا اور حافظ محمد یوسف سے چھوٹے ایک بھائی اور تھے محمد یونس مرحوم وہ پانچ سال زندہ رہکر راہی ملک بقا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تینوں نواسے الحمد للہ اپنے نانا کی یادگار اور ماں کی آنکھوں کا نور ہیں خصوصاً حافظ محمد یعقوب صاحب میں

اخلاص قلبیت تعبد خشیہ رفق استقامت فہم فراست تحفظ مراتب ضبط اور کظم غیظ کا مضمون بہت بڑھا ہوا ہے
حق تعالیٰ ان حضرات کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور اس صلاحیت میں ترقی عطا فرمائے جسکی بنا پر
تذکرہ رشیدیہ میں ان کے مبارک نام درج ہوئے۔

صاحبزادہ محمود احمد مرحوم کی یادگار ایک صاحبزادہ یعنی حضرت قدس سرہ کے پوتے سعید احمد اطال اللہ عمرہ
ہیں جنکی ولادت ۲۶۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۱ ہجری کو ہوئی باپ کا جسنہ ۱۳۱۲ انتقال ہوا ہے انکی عمر ایک ماہ بیس یوم
کی تھی حضرت امام ربانی قدس سرہ کو انکے ساتھ خاص الفت اسوجہ سے بھی تھی کہ ہونہار مرحوم کی نشانی
تھی اور تیئیس سالہ جوان بیٹے کے بدلہ پوتے دو ماہ کی جان حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی تھی ۵ ربیع الاول
سنہ ۱۳۱۲ ہجری کو جبکہ سعید احمد دس دن کم دو برس کے تھے انکی والدہ نے بھی رحلت فرمائی حق تعالیٰ عمر و علم میں
برکت دے اسوقت سولہ برس کی عمر ہے اور دیوبند میں عربی پڑھتے ہیں۔

حکیم صاحب کی ایک صاحبزادی تھیں کلثوم مرحومہ جنکی ولادت ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۰۳ ہجری میں ہوئی
تھی ایکسال کی سچی تھیں کہ ماں کا انتقال ہوگیا تھا ۲۸ رجب سنہ ۱۳۱۵ ہجری کو بعمر پندرہ سال پھوپھی زاد بھائی حافظ
محمد یعقوب کے ساتھ بیاہی گئیں ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی ۲۱۔ ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲
کو دنیا سے کوچ کیا صاحبزادی کا نام رقیہ ہے خدا کرے جیتی رہے اور دنیا و دین کی دولت مالا مال ہو۔

امام ربانی قدس سرہ کی روحانی اولاد کا شمار مجھ سے ہو نہیں سکتا کہ بیان کروں تین سو سے زیادہ علماء جو
آپ سے حدیث و دینیات پڑھکر آفاق عالم میں منتشر ہوئے ان میں ڈیڑھ سو سے زیادہ جو اسوقت زندہ ہیں اور
اکثر درس و تدریس میں مشغول ہیں سب آپکی باقیات صالحات میں شامل ہیں اور باطنی افاضہ سے مستفیض ہونیوالوں
کو تعداد پر قدرت ہی نہیں۔ تیس ۳۰ سے زیادہ آپکے خلفاء صاحب نسبت مشائخ طریقت میں جنکے فیوضات اسوقت
تک قایم ہیں کہ جو وقت کاتب اول نے ان کے بقا کا مقرر فرمادیا ہے خصوصاً آپکے اجلہ خلفاء اربعہ حضرت مرشدنا
مولانا خلیل احمد صاحب و مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا عبد الرحیم صاحب و مولانا صدیق احمد صاحب متعنا اللہ بطول
بقائہم کے کمالات علمیہ عملیہ اور فیوضات ظاہر و باطنیہ کو ہر صاحب بصیرت شخص ہندوستان میں پھیلا ہوا دیکھ رہا ہے۔
خلفاء کے علاوہ ہزاران ہزار جماعت آپکے ان عام متوسلین کی بھی باقیات صالحات میں محسوب ہے جنمیں
سیکڑوں ذاکر شاغل اپنے سچے خدا کی طلب میں بدستور لگے ہوئے ہیں اور جو اس امر مستحب سے غافل ہیں وہ بھی قلب
میں صغار محبوب کی محبت ضرور لئے ہوئے ہیں بعض فی اللہ اور بدعات سے تنفر جو شعبہ ہے سنت کی محبت کا

لہ ایسا ہی ہوا صاحبزادی صاحبہ کا انتقال امام ربانی قدس سرہ کے بعد ہوا اور سعید احمد کی ولادت ہوئی ذی حق تعالیٰ عمر دراز نصیب فرمائے آمین یا رب العالمین ۱۲

آپکے متوسلین کی وہ علامت شناخت ہے جسکو اس جماعت کا خاصہ لازمہ کہنا چاہیے سادگی بے تکلفی مخلصانہ میل جول و باہم نصح و خیر خواہی کا مضمون عموماً اس گروہ کے افراد میں موجود ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ انمیں باہمی رنجش نہیں ہوتی شکر رنجی کا وجود تو اکابر میں پایا جاتا ہے پھر یہ فرقہ حقاً اس سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے چھوٹوں میں کیا اور بڑوں میں کیا اجتہادی غلطیوں اور جانبین کی فہم کے اس اختلاف پر جسکا مبنی مستحسن ہے اکثر اختلاف ہوتے اور رنج و کشیدگی کے درجہ پر پہونچ جاتے ہیں مگر الحمد للہ اختلاف مدرجہ خلاف پر نہیں پہونچتا اور باہم دودھ شریک بھائیوں کی طرح جاہے کیسا ہی لڑیں مگر غیر کے مقابلہ پر ایسے ایک ہیں کہ گویا خون میں خون ملا ہوا ہے اور یہ ثمرہ ہے اسی روحانیت کا جو امام ربانی نے سب کے اجسام میں پھونکدی ہے اور تجربہ بھی بحمد اللہ اسپر صادق آرہا ہے یہ اختلاف اگر بڑوں میں نظر آئے تو یقیناً سبب قوی مرتب ہے اور چھوٹوں میں ہو تو امید ہے انشاء اللہ نہیں رفع ہو جائے ورنہ حشر کے دن ایک شیخ کا دامن تھامنے وقت غلبہ خوف کے سامنے دیگر ضرور محو ہو جائیگا۔ ان خصائل کو بھی تبعاً للسلف باقیات صالحات میں شمار کرنا بیجا نہیں ہے۔

امام ربانی قدس سرہٗ کے لگائے ہوئے نونہالان چمن پر ٹھنڈی ہوا دیکے کچھ ایسے لدا دہ ہو چکے ہیں کہ بعد بھی حتیاج تربیت سے غافل نہیں ہوئے انھوں نے سمجھا کہ آزاد ہونے سے پابند رہنا زیادہ نافع اور شتر بے مہار ہونے سے اسپ محکوم ہونا زیادہ راحت کا سبب ہے اسلئے امام ربانی کے وصال پاتے ہی آپکے خلفاء کے ہاتھ میں دیکی تمنا کی اور الحمد للہ جلہ جلالہ خلفاء میں جسکی طرف طبع کا میلان ہوا غلامی کا اظہار کر کے منسلک ہو گئے۔

پہلے اور پھولے درختوں اور ہرے بھرے پھلنے والے پھولوں کے پودوں کا نگراں جب بے تیاسی اٹھ جاتا اور بہار پر آئے ہوئے باغ کا باغبان جسوقت بالقطاع تمام اپنے محبوب کے جمال میں مستغرق ہو جاتا ہے تو عالم الاسباب میں کلیوں پھولوں اور خام پھلوں کی نگرانی کیلئے دوسرے باغبان کی ضرورت پیش آتی ہے اور کریم و قدردان آقا سابق باغبان کی قابل و لایق اولاد ہی پر اس خدمت کو تقسیم فرما دیتا ہے جو اسکے باپ کے لگائے ہوئے پودوں اور سینچے ہوئے درختوں کو لہلہاتے پھولوں سے محفوظ رکھے اور راہزنوں کی دست برد سے بچائے اس لئے نونہالان چمن کا یہ کہنا کہ ہمیں باغبان کی حاجت نہیں گو اپنے کمال پر پہونچ جانے اور پختہ ہو جانے کا اظہار کرتا ہے جو تکبر کہلاتا ہے الحمد للہ کہ حضرت امام ربانی جو نسبت بیرنگ لیکر تشریف لائے تھے اسکے اثر سے آپکی جماعت کا اکثر حصہ ایسا مستفیض ہوا کہ جتنا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اپنے کو مربی کا محتاج سمجھتا جاتا ہے

مقتدی بننے سے مقتدی بنانا سہل جانتے ہیں کہ بے خطر اور راحت کا سبب ہے مگر بعض مشائخ کے متوسلین کو راہزن شیطان یوں دھوکہ دیدیتا ہے کہ ہمارے شیخ کی ترہیب ایسی تام تھی کہ وصال کے بعد دوسرے کا دامن پکڑنے کی ضرورت نہیں اس خیال پر تجدید بیعت کو جو اکابر سے برابر معمول چلی آئی ہے اپنے شیخ کا ہتک سمجھنے لگتے ہیں مگر خدا کا شکر ہے کہ اس خوش نصیب متبع سنت گروہ نے اسکو شیطانی دھوکہ سمجھا حق تعالیٰ کی عادت جاریہ کا خرق نہ چاہا عالم اسباب میں اسباب کا متلاشی بنکر بندۂ خالق اسباب بنا رہا اور یوں سمجھکر کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت کرنے سے جب مستغنی نہ ہوئے تو ہم بے سر و سامان مسافر اور تاجر کا بچہ کس شمار میں ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ احسان کیا تھوڑا ہے کہ یتامی کی تربیت باپ کے بعد بڑے بھائیوں کے ہاتھ میں آئی در بدر بھیک مانگنے پھرنے سے بڑے بھائی کو باپ کا قایم مقام سمجھکر حلقہ غلامی میں اپنا کتنا اچھا ہوا ہے نصیب اس اولاد کے جو گھر کا مالک اٹھ جانے کے بعد بھی اپنے بڑے بھائیوں کی بدولت نگہری نہ ہوئی اور نہ ہی قسمت اس باپ کی جسکے بالغ لڑکوں نے نابالغ بھائی بہنوں کا سارا بوجھ بطوع و رغبت اٹھالیا اور ان ماداں کج فہم نارک مزاج لاڈلوں کو طالب بنکر چھاتی سے لگالیا کہ ایسا نہ آوارہ پھریں انگلیاں اٹھیں کہ فلاں بادشاہ کے شاہزادے خانماں برباد غیروں کی دوکانوں پر ہاتھ پھیلاتے پھر رہے ہیں۔

امام ربانی قدس سرہ کے اکثر متوسلین کے ذہنوں میں قدرت کی طرف سے اس مستحسن خیال کا عزم بنکر جم جانا اور حضرت کے خلفاء کا باوجود یکہ حضرت کی حیات میں بیعت کرنے سے شرماتے جھجکتے اور گریز فرمایا کرنے تھے فطرت طبیعت کا پلٹ دینا اور بسعی و کوشش سمیٹ سمیٹ کر چھوٹے بھائیوں کو اپنے پروں میں چھپا لینا سچے حضرت کی روحانیت کا طفیل اور آپکے کمال قوت باطنیہ کا اثر ہے اور باقیات صالحات میں وہ صدقہ جاریہ ہے جو انشاء اللہ صدہا برس قائم رہکر امام ربانی کے مراتب عالیہ میں ترقی کا سبب بنتا رہیگا اس سلسلہ مبارکہ کے اس روش پر چلنے سے حضرت امام ربانی قدس سرہ کی روح پرفتوح جسد جسمدار سے وہ بہتیرے رویائے صادقہ اور جزء النبوۃ مبشرات منامیہ سے ظاہر ہے مگر بدیہی امر کی بداہت محتاج دلیل ہی نہیں کہ بیداری کے محاسن خواب سے ثابت کئے جائیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم	چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

امام ربانی قدس سرہ کی باقیات صالحات میں آپکی وہ تصانیف ہیں جو تحقیق مسائل شرعیہ اور احقاق مضامین اختلافیہ میں آپکے قلم سے نکلیں اور مطبوع ہو کر عالم میں شائع ہوئیں خیال ہے کہ جملہ تصانیف بصورت

کلیات یکجا طبع کر دیجائیں اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو انشاء اللہ یہ بھی ہو جائیگا باقی اسوقت آپکی تصنیفات جداجدا رسائل کی صورت میں طبع شدہ ہیں اور مولوی محمد یحییٰ صاحب سے مل سکتی ہیں اعتقاد رکھنے والے جس سے چاہیں طلب فرمائیں

(۱) تصفیۃ القلوب ۔ اعلیحضرت حاجی صاحب رح کی مصنفہ ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ قیمت (۲) امداد السلوک تصوف کے رسالہ کیکا ترجمہ اوائل شباب میں بارشاد حضرت حافظ ضامن صاحب رح شہید ہوا قیمت (۳) ہدایۃ الشیعہ ہادی علی شیعی لکھنوی کے اعتراضات کے جوابات قیمت (۴) زبدۃ المناسک ۔ حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ قیمت (۵) لطائف رشیدیہ ۔ چند آیات قرآنی کے نکات اور بعدہ مروجہ شرفاء ہند کا حدیث سے ثبوت قیمت (۶) فتاوی میلاد و عرس وغیرہ معہ مواہیر دیگر علماء قیمت (۷) رسالہ تراویح ۔ بیس رکعت تراویح کا احادیث سے ثبوت قیمت (۸) قطوف دانیہ ۔ محلہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا فقہ سے ثبوت قیمت (۹) جمعہ فی القریٰ ۔ اہلحدیث کے اس فتوی کا جواب ہے جس میں انہوں نے گانوں میں جمعہ جائز ہونیکا ثبوت دیا ہے قیمت (۱۰) ردالطغیان ۔ کلام مجید کے اوقاف کو اہلحدیث نے بدعت ثابت کیا تھا اسکا رد قیمت (۱۱) احتیاط الظہر ۔ اسکا ثبوت ہے کہ جہاں جمعہ ہو جاتا ہے وہاں احتیاطاً ظہر کی حاجت نہیں قیمت (۱۲) ہدایۃ المعتدی ۔ سترۃ فاتحہ خلف الامام کے جوابات قیمت (۱۳) سبیل الرشاد ۔ رد عدم تقلید قیمت

اس حیثیت سے کہ براہین قاطعہ حضرت امام ربانی کے حکم سے لکھی گئی اور آپنے اسکو من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اسکو بھی من وجہ حضرت کی تصنیف میں شمار کر سکتے ہیں یہ انوار ساطعہ کا جواب اور رد بدعات و تحقیق سنت میں وہ لاثانی کتاب ہے جسکو حضرت کے رنگ نسبت اور کمالات علمیہ و عملیہ کا پرتو کہیں تو بیجا ہے سنت کے عشق میں جو غصیلا وہ انداز اور شان جلالی کا اظہار اسمیں نظر آتا ہے وہ دیگر تصانیف میں کم ہے اسکی قیمت ہے کل رسائل قیمتی یکمشت خریدنیوالوں کو میں دئے جاتے ہیں ۔

حضرت امام ربانی کی باقیات صالحات میں وہ وصیت بھی مثال ہے جسکو وصال سے کئی سال قبل آپ تحریر میں لاچکے اور قلمبند فرما کر اسلئے رکھ لیا تھا کہ آپکے بعد نکالی جاوے اور اسپر عمل کیا جائے ۔ مکمل وصیت وصیت الحبیب میں طبع ہوئی ہے خالص دین کی اطاعت کے متعلق آپکی جو وصیت تمام متوسلین کو ہے اسکو یہاں دوبارہ درج کرتا ہوں فرمایا ۔

حامداً و مصلیاً ۔ یہ وصیت عام ہے سب دیکھیں اور سنادیں اور عمل کریں اپنی اولاد اور زوجہ اور دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباع سنت کو بہت ضروری جانکر شرع کے موافق عمل کریں تھوڑی بھی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں اور رسوم دنیا کو سرسری جانکر کرنا نہایت خرابی کی بات ہے اور لذت کھانے کی

کی قید نہایت خرابی ڈالنے والی دین اور دنیا کی ہو اُس سے بہت اجتناب کریں۔ اپنی مقدور سے بڑھکر کام کرنا تا کار دلیل ہوتا ہو۔ اسکی رسوائی دین و دنیا میں اُٹھانی ہوتی ہو۔ بدمزاج و کج خلقی سخت نامرضی حق تعالیٰ کی ہے۔ دنیا میں ایسا آدمی خوار رہتا ہو اور آخرت میں نہایت ذلت اٹھاتا ہو۔ نرمی سب کے ساتھ لازم ہے اور بیرا کا مقلیل بھی ہو ہے اور اطاعت سے اچھا کام اگرچہ تھوڑا ہو بہت بڑا رفیق ہو۔ تکلفات شادی و غمی کی بدعت سے خالی نہیں ہیں اسکو چھوڑ جائیں طعن و تشنیع خلق و برادری کے سبب سے اپنے مقدور سے زیادہ کام کرنا خلاف شرع یا بدعت کو کرنا عقل کی بات نہیں۔ دنیا و دین میں اسکا خمیازہ بُرا ہے۔ اسراف کی مذمت اور برائی شریعت میں سخت آئی ہو کہ شیطان کا بھائی اسکو قرآن میں فرمایا ہو۔ اگر میرا انتقال ہو جاوے تو حسب مقدور ثواب پہنچا دیں اندازہ سے زیادہ ہرگز نہ کریں غ کوئی تکلف غیر مشروع کریں جو کچھ ہو موافق سنت کے ہو باہم اتفاق سلوک سے رہیں میرے ذمہ کسی کا ایک پیسہ تک قرض نہیں اسکا کچھ فکر نہ کریں الخ

امام ربانی قدس سرہ کی باقیات صالحات میں مسائل شریعت و طریقت کے متعلق وہ تحریرات ہیں جو اطراف عالم میں پھیلی ہوئی لوگوں کے پاس موجود ہیں ان تحریرات کے مورد گو خاص ہیں مگر چونکہ حکم عام ہے اسلئے رفع شبہات احقاق حق رہبری راہ سلوک ترغیب و دعائت علی الطاعۃ کا سبب ہو کر تا دیر صدقہ جاریہ بنی ہونگی شریعت متعلق آپکے کچھ فتاوی مراد آباد میں مولوی علی نظر صاحب نے طبع بھی کئے ہیں اور میں بھی اس ذخیرہ کی فراہمی کا تہیہ کر رہا ہوں کیا عجب ہے کہ کبھی کچھ کامیابی ہو جاوے۔ البتہ طریقت کے متعلق تقریباً ڈیڑھ سو خطوط جنکو حضرت کے ہاتھ لکھی ہوئی سوانح کہنا بجا ہو بنام مرکاتیب رشیدیہ طبع ہو گئے ہیں یہ دریا جسکو ۱۰۰ صفحات کے کوزہ میں بند کیا گیا ہو عام نفع رسانی کے خیال سے میں ہدیہ ہو رہا ہو اس سال میں اگر حق تعالیٰ قبول فرماویں تو یہ سوانح جو تذکرۃ الرشید کے نام سے شائع ہو کر..... آپکے ہاتھ میں اس وقت موجود ہو امام ربانی کی باقیات صالحات میں داخل ہوئی ہو چونکہ اہل اللہ کے ساتھ محبت رکھنا اپنے ہی لئے ذخیرہ آخرت جمع کرنا ہو اسلئے اگر کسی کو امام ربانی کے ساتھ حیات میں کوئی تعلق انس پیدا نہیں ہوا اور اس تذکرہ کی بدولت پیدا ہو جاوے تو اس شخص کی خوش قسمتی یوں ظاہر ہو کہ بعید میں ہی سہی مگر کچھ کما ضرور لیا اور حضرت کے ایصال ثواب کا سبب اسلئے ہو کہ اس آستانہ کے تابکار و منتسب و گمنام غلام ہی کی تصنیف کی ہوئی کتاب اس شخص کی صلاحیت و حصول ثواب کا سبب بنی اس ننگ خدام کی پاس جو کچھ بھی ہو چونکہ اسی کا عطیہ ہو اور حقیقت میں اپنی لیاقت و اپنی..... استعداد ہی بڑھکر اس تذکرہ کے شیوع بعد الوصال حضرت ہی کی روحانیت کا تصرف ہو اسلئے بجز ناچیز افتخار یوں سمجھتا ہوں کہ حیات میں.....

اپنے مخلوق کو اپنی طرف ایک قوت سے کھینچا اور اپنا مسکا سلوب بنا کر دوسروں کو طرز پر عالم کی رہبری ہو رہی ہو اور جنکی آپکی طرف میلان بطبعی پیغمبر کی سنت کی طرف جھکنا ہی اسلئے مطاوعت شریعت و پیروی حق تعالیٰ کے اسباب بھی آپکے توسل سے پیدا ہونگے وہ آپ ہی کی باقیات صالحات کہلائے اور سمجھے جائینگے۔

دینی بھائیو عزیزو دوستو! میں اب رخصت ہوتا ہوں حق تعالیٰ کو جو کام اس سیہ کار ذلیل ترین مخلوقات سے لینا تھا وہ تمام ہو چکا ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ ہجری میں حضرت نے الوداع کہا نورانی جسم زمین میں گیا اور پاک روح بالائے آسمان آج ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۳ ہجری کو آپکا شیریں تذکرہ ختم ہوا ذہنی رضا میں صفحہ قرطاس پر آئے اور آنکھوں کے واسطہ سے آپکے قلوب تک پہونچے ہر ابتدا کیلئے انتہا ہی اور ہر مبتدا کے واسطے خبر ایکدن وہ تھا کہ سورج کی بسم اللہ ہوئی تھی اور ایک دن آج کا ہی کہ تمت مسطور ہوئی عالم کا یہی رنگ ہی کہ کبھی ولادت کی خوشی کبھی موت کا غم کسی کی آمد کا غلغلہ اور کسی روز روانگی کا گریہ وشور بقول شاعر ؎ رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ہے پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت مگر ایک مزا ہمارا ہی کہ چلے اور کچھ ساتھ لیکر نہ چلے اور ایک مال نام ربانی کا ہی کہ سب کچھ لیکر گئے اور ایسی کمر نی چھوڑ گئے اعمال صالحہ بلا اعمال و مکتسب ہمیشہ درج نامہ عمل ہوتے رہینگے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء یاد کھو مرکر بھی جسکا نام گویا وہی حیات وہی ہے جسکو آخرۃ کہتے ہیں اٹھو جاگو اور آنکھیں کھولو جب تک سانس ہے غنیمت ہے کل کی آج ہی غفلت میں ہر کہ بیدار تر است زود تر بمنزل رسد ناہموار تر است اور جو کمانا ہو امام ربانی کی زندہ مثال کا دامن پکڑ کر کما لو آخر مرنا اور پھر زندہ ہو کر احکم الحاکمین کی کچہری میں پیش ہونا ہی ہے میں نے گو امام ربانی کے بعد مرشدنا و مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب ادام مجدہ کا دامن پکڑا ہی اور میری پیاس بجھانیکو یہ توسل بحمداللہ کافی ہی مگر میں نہیں کہتا کہ تم بھی مجھ جیسے بنجاؤ ہاں بمقتضائے الدین النصح یہ ضرور کہونگا کہ اس سلسلہ میں منسلک ضرور ہو جاؤ جدھر ہر طبع کا میلان بڑھے ادھر لیکن کہ یہ باغ سارا نور علیٰ نور ہی خدا کرے کہ آسمان ہدایت کے یہ آفتاب تا دیر زندہ و قایم رہیں سن لو کہ موت ہر ایک کیساتھ لگی ہوئی ہی اور مثل مشہور ہے کہ کیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ایسا نہو کہ پھر پچھتاؤ ہری یاد بدرجہ تھوکر میں کھانا مستذکرون ما اقول لکم و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد حق تعالیٰ مجھے اور تمہیں سب کے اتباع سنت مرضیہ کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے محبین کے قدموں میں جگہ دے آمین یارب العلمین والسلام مع الاکرام۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جی چاہتا ہی کہ اپنے دین و دنیا کے آقا و مربی روحانی شیخ حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی

دام مجدہٗ کا شکریہ ادا کردوں جنکے خاص لطف وکرم کی بدولت مجھ ناکارہ کے نامہ عمل میں اس مبارک تذکرہ کی خدمت درج ہوئی کیونکہ اس تالیف کا سب سے پہلا محرک حضرت ممدوح کا ایما تھا اسکے بعد دوسرے حضرات کے ارشادات۔ مگر وہ زبان کہاں جس سے اس بارگراں کی مکافات ہو چونکہ امام ربانی کی حیات ہی میں حضرت ممدوح کی اس ناکارہ پر وہ شفقت تھی جسکو آج یاد کرتا ہوں تو بے اختیار رو دیتا ہوں مولانا نے یتیم ہونے سے قبل ہی مجھ ننگ خدام کو اپنے دامن میں کھینچ لیا تھا اسکے بعد جو دن گذرتا گیا وہ آقائے نامدار کی اپنے خادم پر توجہ میں بیشی کا سبب بنتا رہا میں کیا کہوں کہ کیا تھا اور اب کیا ہوں ہر چند کہ نہیتد ست دنامرادہوں مگر الحمد للہ بہتیری نعمتوں کا مترصد امیدوار ہوں حضرت ممدوح کا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے جسکا شکریہ ادا کردوں میرا رواں رواں و بال بال آپکے احسانات میں جکڑا ہوا ہے میری رگ رگ و پٹھے پٹھے میں خادم نواز آقا کی شفقت بندھی ہوئی ہے اور اب تو پوچھنا ہی کیا جبکہ انتساب ظاہری بھی اسی کریم ذات کے نعلین سے وابستہ ہے حضرت ممدوح نے اسی بندہ نوازی کی بنا پر تذکرہ کو تقریباً جملہ اوراق قبل طبع ملاحظہ فرمائے اور باوجود کثرت مشاغل اس بوجھ کا بھی تحمل فرمایا مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میری کوئی درخواست اس آستانہ سے مسترد ہوئی ہو الحمد للہ میں نے جو کچھ مانگا وہ مجھے ملا اور جو مرمٹ کی وہ پوری ہوئی اسلئے میرے خیال میں ایسے محسن بادشاہ کا بجائے شکریہ سننے کے احسان کرنے سے مسرور ہونا شکریہ کی یہی ہے کہ احسان مزید کی درخواست کروں اور وہ نعمت مانگوں جسکی اب مجھے ضرورت ہے یعنی اپنے دامن سے لگائے رکھنا اور قدیم بندہ نوازی کا ثبات بقا آرزو دارم کہ خاک آں قدم + طوطیائے چشم سازم دمبدم + بس اسکے علاوہ اب کوئی تمنا ہی نہیں اور دنیا و دین جو کچھ بھی ہے سب اسمیں متضمن و مشتمل ہے حق تعالیٰ شانہ بحر خضرا کی کشتی شکستہ و نودود کے کھیون ہار ملاح کو تادیر قیام رکھے اور مراتب قرب میں بحد اعلیٰ ترقی فرمائے بقا باد اچو عمر نوح بل بیش + کہ شاد است از درش ہر بیگانہ خویش و ما بیں بحرمۃ سید الطاہرین۔

ہاں اخوان طریقت میں کن مخلص احباب برادران دینی کا تہہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں جنھوں نے تالیف سوانح کی گرنجی ہوئی پہلی صدا پر قلم سے میری اعانت فرمائی اور تذکرہ شیخ کے معاونین محبین کی جماعت میں اپنا نام کا اندراج سبب اجر و ثواب سمجھکر جو کچھ ان سے ہو سکا تھوڑا یا بہت لکھکر ارسال فرمایا میں ان سے معافی چاہتا ہوں کہ انکی تحریرات میں انتخاب ہوا اور بعض مضامین چھوڑ بھی دیئے گئے تغییر و ترمیم محض بضرورت ہوئی اور ضرورت چونکہ عذر ہوا اسلئے امید ہے کہ گرفت نہ ہوگی تذکرہ چونکہ تاریخی کتاب ہے اور بیگانوں بیگانوں سب ہی کے ہاتھوں میں جائیگی اسلئے وہ جوش جو باقتضائے محبت آپکی تحریرات میں تھا میں نے علیحدہ کر دیا ہے وہ دلوں کی محبت چونکہ دل ہی میں رکھنے کے قابل ہوا اسلئے بہتر ہوا کہ صفحات کاغذ میں آنیکا قلوب ہی میں سکو دبا ہوا رکھے اور قیامت کے دن انشاء اللہ ثمرات کے امیدوار رہیں اس تذکرہ کے متعلق آخری ہدیہ یعنی امام ربانی قدس سرہ کی خوابگاہ کا نقشہ یعنی روضہ مبارک الحجۃ ستم فقیر کا عکسی فوٹو پیش کر کے رخصت ہوتا ہوں والسلام تم الختام ؛ محمد عاشق الٰہی عفی عنہ سابق مہتمم خیر الطابع میرٹھ

پتہ

احقر حافظ مقبول الٰہی صدر مدرس خلف حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی قدس سرہٗ

قیصر گنج روڈ شہر میرٹھ سے طلب فرمائیں